بسم اللہ الرحمن الرحیم

قَالَ اللهُ تَعَالیٰ اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَهٗ

الحمد للہ والمنۃ کہ دریں زمان میمنت اقتران تفسیر سراپا تنویر گنجینۂ حقائق ومعارف خزینۂ اسرار ولطائف کشافِ مشکلاتِ قرآنیہ ووصافِ مخدراتِ فرقانیہ

مُسمّٰی بہ

معارِفُ القرآن

تالیف

شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا الحافظ محمد ادریس صاحب کاندھلوی

رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور

جلد دوم مشتمل بر تفسیر پارہ ④ ⑤ ⑥ ⑦

بہ ترجمہ حقیقت آگاہ معارف پناہ عارف باللہ حضرت شاہ عبدالقادر بن شاہ ولی اللہ دہلوی قدس اللہ اسرارہما

شائع کردہ

مکتبۃ المعارف

دار العلوم الحسینیہ شہداد پور

سندھ، پاکستان

باجازت: مکتبہ عثمانیہ بیت الحمد ۳۵۳ مہران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

نام کتاب :- معارف القرآن جلد ۲
نام مصنف :- حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ
مکمل سیٹ :- ۸ جلد
صفحات جلد ۲ ۷۶۸
کتابت متن قرآن کریم : خطاط القرآن حضرت سید محمد اشرف علی الحسینی سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ
کتابت سرورق :- سید انیس الحسن ابن سید الخطاطین سید نفیس الحسینی دامت برکاتہم العالیہ لاہور
کتابت ترجمہ و تفسیر :- سید عصمت اللہ، سید جعفر حسین، سید ضیاء اللہ گوجرانوالہ
تعداد طبع اول :- سنہ ۱۴۱۹ھ ۱۱۰۰ (گیارہ سو)
تعداد طبع دوم :- سنہ ۱۴۲۲ھ
پریس : القادر پرنٹنگ پریس کراچی
ناشر :- مکتبہ المعارف دارالعلوم حسینیہ شہدادپور سندھ پاکستان
فون ۶۲۲۷۶ - ۶۱۳۷۶ (۰۲۲۳۲)

ملنے کے پتے

کراچی :- صدیقی ٹرسٹ، صدیقی ہاؤس، المنظر اپارٹمنٹس ۲۵۸ گارڈن ایسٹ
نزد سبیلہ چوک کراچی۔ پوسٹ کوڈ نمبر ۷۴۸۰۰
لاہور :- مکتبہ عثمانیہ بیت الحمد ۳۵۳ مہران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور
شہدادپور :- مکتبہ المعارف دارالعلوم حسینیہ شہدادپور ضلع سانگھڑ سندھ پاکستان پوسٹ کوڈ ۶۸۰۳۰

اہم نوٹ

ہم نے اس کتاب کی تصحیح میں حتی الوسع کوشش کی ہے پھر بھی ممکن ہے کوئی غلطی رہ گئی ہو۔ لہٰذا تمام قارئین سے التماس ہے کہ اگر کہیں غلطی پاویں تو براہِ راست ہمیں اطلاع دیں تاکہ آئندہ اشاعت میں اسے درست کیا جاسکے، اللہ تعالیٰ اس کا اجر آپ کو عطا فرمائیں گے۔

خط و کتابت کیلئے :- مکتبہ المعارف دارالعلوم حسینیہ شہدادپور پوسٹ کوڈ ۶۸۰۳۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اجازت نامہ

برائے اشاعت معارف القرآن، بنام مکتبۃ المعارف شہدادپور

قرآن پاک معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی صاحبؒ جو کہ دارالعلوم الحسینیہ (رجسٹرڈ) شہدادپور والے حضرات نے خود دوبارہ لکھوایا ہے اور چھپایا ہے ۔

ہماری طرف سے اجازت ہے ۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں کہ وہ اسکو چھپوائیں اور فروخت کریں ۔

[illegible]

27/1/99

سورۂ آل عمران ۔ نساء ۔ مائدہ ۔ انعام

تفسیر سورۂ مائدہ

تمت بالخیر

کتابت ع۔م شہداد پور

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۬ وَمَا تُنْفِقُوْا

ہرگز نہ پہنچو گے، نیکی کی حد کو جب تک نہ خرچ کرو کچھ ایک، جس سے محبت رکھتے ہو، اور جو چیز خرچ

مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ﴿۹۲﴾

کرو گے سو اللہ کو معلوم ہے۔

ترغیبِ انفاقِ مال در راہِ خداوندِ ذوالجلال

قال تعالٰے لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ..... الٰے ..... فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ

(ربط) گزشتہ آیت میں یہ بتلایا کہ اگر قیامت کے دن کفار اپنی رہائی کے لیے روئے زمین کے برابر بھی سونا خرچ کریں تو ذرا برابر مفید نہ ہوگا اب اس آیت میں مسلمانوں کو خدا کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دیتے ہیں کہ اے مسلمانو تم خدا کی راہ میں کتنی ہی معمولی چیز کیوں نہ خرچ کرو وہ تمہارے لیے نافع اور مفید ہوگی مگر اتنا خیال رکھنا کہ جو چیز تمہارے نزدیک زیادہ محبوب اور مرغوب ہو اگر اس کو خدا کی راہ میں خرچ کرو گے تو تم اَبرار اور اخیار میں سے ہو جاؤ گے اور اگر کوئی معمولی چیز بھی خدا کی راہ میں دو گے تو اجر اور ثواب تو اس کا بھی ضرور ملے گا لیکن درجہ ان ابرار کا حاصل نہ ہوگا۔ جن کے متعلق حق تعالٰے کا یہ وعدہ ہے۔ اِنَّ الْاَبْرَارَ یَشْرَبُوْنَ مِنْ کَاْسٍ کَانَ مِزَاجُهَا کَافُوْرًا الآیۃ اس لیے کہ ابرار کا درجہ محبوب چیز کے خرچ کرنے سے حاصل ہوتا ہے نیز بخل کی عادت کے زائل ہونے کا طریقہ یہی ہے کہ محبوب اور پسندیدہ چیز خدا کی راہ میں خرچ کی جائے معمولی چیز کے خرچ کرنے سے نفس سے بخل کا ازالہ نہیں ہوتا اس لیے مِمَّا تُحِبُّوْنَ کی قید لگائی۔

چنانچہ فرماتے ہیں اے مسلمانو۔ تم خیر کثیر اور احسان عام کے مرتبہ اور مقام کو ہرگز نہیں پہنچ سکتے یہاں تک کہ تم خدا کی راہ میں ان چیزوں میں سے خرچ کرو جن کو تم محبوب رکھتے ہو محبوب حقیقی تک پہنچنے کا ذریعہ یہ ہے کہ کچھ تو محبوب مجازی کو محبوب حقیقی کی راہ میں خرچ کرو اور باقی خدا کی راہ میں جو کچھ بھی خرچ کرو گے اگرچہ وہ چیز تم کو محبوب نہ ہو۔ سو اللہ تعالٰے اس کو جاننے والے ہیں۔ تمہاری نیت اور عمل کے مطابق اس کا اجر عطا فرمائیں گے خواہ وہ قلیل ہو یا کثیر ہو محبوب ہو یا غیر محبوب اجر سے کوئی صدقہ اور نفقہ خالی نہیں۔ چنانچہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ابوطلحہ انصاریؓ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالٰے فرماتا ہے لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ۔ اور مجھے تمام جائیداد میں سب سے زیادہ یہ باغ "بیرحاء" محبوب اور مرغوب ہے آپؐ گواہ رہیں کہ یہ اللہ تعالٰے

کے لیے صدقہ ہے میں اللہ سے اس کی بِر اور ذخیرہ کا امیدوار ہوں یارسول اللہ اس مال کو جہاں چاہیں خرچ کریں حضور پرُنور صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر فرمایا واہ واہ یہ تو بڑے نفع والا مال ہے۔ جو تو نے کہا وہ میں نے سن لیا میرے نزدیک مناسب یہ ہے کہ اس کو تو اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کردے ابوطلحہ نے عرض کیا یارسول اللہ میں ایسا ہی کروں گا۔ پھر ابوطلحہ نے اسے اپنے رشتہ داروں اور چچا کی اولاد میں تقسیم کردیا (بخاری ومسلم)

فائدہ غیر محبوب کے خرچ کرنے پر اجر وثواب ملتا ہے بشرطیکہ وہ قابلِ نفرت نہ ہو جیسا کہ ارشاد ہے وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ یعنی قصد کرکے خراب اور ردی چیز خیرات مت کرو ہاں اگر کسی نے سارا مال خیرات کردیا اور اس میں کچھ ردی بھی تھا یا سارا ہی ردی تھا تو کوئی حرج نہیں کیونکہ وہ قصد کرکے ردی نہیں دے رہا ہے بلکہ جو اس کے پاس موجود ہے وہی دے رہا ہے ممانعت اس کی ہے کہ ایک شخص کے پاس عمدہ مال بھی ہے اور خراب بھی مگر وہ شخص صدقہ کے لیے خراب اور ردی مال کا انتخاب کرتا ہے۔

نکتہ شاید یہود ونصاریٰ کے ذکر میں یہ آیت اس لیے نازل فرمائی کہ ان کو اپنی ریاست بہت محبوب تھی اس وجہ سے وہ نبی کریمؐ کے تابع نہ ہوتے تھے تو جب تک وہ اللہ کی راہ میں اپنی محبوب ریاست کو نہ چھوڑیں گے ایمان کی دولت حاصل نہ کرسکیں گے۔

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ

سب کھانے کی چیزیں حلال تھیں بنی اسرائیل کو،

اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ

مگر جو حرام کرلی تھی اسرائیل نے اپنی جان پر توریت

قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا

نازل ہونے سے پہلے تو کہہ لاؤ

بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۳﴾ فَمَنِ

توریت۔ اور پڑھو۔ اگر سچے ہو۔ پھر جو

افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ
کوئی باندھے اللہ پر جھوٹ اس کے بعد تو وہی
هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۹۴﴾ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ
ہیں بے انصاف ۔ تو کہہ سچ فرمایا اللہ نے اب تابع ہو
اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۵﴾
جاؤ دین ابراہیم کے جو ایک طرف کا تھا۔ اور نہ تھا شرک کرنے والا ۔

رجوع بخطاب اہلِ کتاب

قال تعالےٰ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ .... الیٰ .... وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ

دور سے سلسلۂ کلام اہلِ کتاب کے متعلق چلا آرہا ہے افتراء کا ذکر درمیان میں استطرادًا اور تبعًا آگیا تھا اب پھر اہلِ کتاب کے متعلق کچھ ارشاد فرماتے ہیں۔ یا یوں کہو کر شروع سورت سے لے کر یہاں تک توحید الٰہی اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کے بارہ میں زیادہ تر نصاریٰ سے محاجّہ اور مباحثہ اور مباہلہ کا ذکر ہوا اب یہاں سے حق تعالےٰ یہود کے دو شبہوں کا جواب دیتے ہیں جو وہ دین اسلام پر کرتے تھے۔

پہلا شبہ یہ تھا کہ اے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) آپؐ اپنے آپ کو دین ابراہیمی اور انبیاء سابقین کے طریقہ پر بتلاتے ہیں تو پھر آپؐ اُن چیزوں کو کیسے حلال بتلاتے ہیں جو حضرت ابراہیمؑ اور تمام انبیاؑ پر حرام تھیں مثلاً اونٹ کا گوشت اور اسکا دودھ ان پر حرام تھا اور آپ اس کو حلال بتاتے ہیں اور اگر آپ یہ کہیں کہ یہ چیزیں جو ان کے دین میں حرام تھیں اب ان کی حرمت میری شریعت میں منسوخ ہو گئی تو پھر آپ کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ آپ اُن کی تصدیق کرنے والے ہیں اور آپ کا دین ان کے دین کے موافق ہے۔

حق تعالےٰ اُن کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ اے یہود تمہارا یہ قول کہ اونٹ کا گوشت اور اس کا دودھ حضرت ابراہیمؑ اور تمام انبیاءِ کرام پر حرام تھا بالکل غلط ہے بلکہ حضرت ابراہیمؑ سے لے کر توریت کے نازل ہونے تک یہ تمام چیزیں بنی اسرائیل کے لیے حلال تھیں البتہ یعقوب علیہ السلام نے توریت کے نازل ہونے سے پہلے اونٹ کا گوشت کسی وجہ سے اپنے اوپر حرام کرلیا تھا وہ یہ کہ یعقوب

علیہ السلام کو عرق النساء کی بیماری تھی اس وقت اللہ سے نذر مانی کہ اگر صحت پاؤں تو جو چیز مجھے مرغوب اور محبوب ہے اس کو چھوڑ دوں گا اور ان کو اونٹ کا گوشت اور دودھ نہایت محبوب اور مرغوب تھا۔ سو اس نذر کی وجہ سے اس کو چھوڑ دیا تھا جیسا کہ ہماری شریعت میں نہی ہے کہ نذر سے حلال چیز حرام ہو جاتی ہے۔ مگر اس کا کفارہ دینا پڑتا ہے کما قال تعالےٰ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ حق تعالےٰ نے یہود کے جواب میں فرمایا کہ یعقوب علیہ السلام کا اپنے اوپر یہ حرام کرنا توریت سے پہلے تھا اگر تم اس بات میں سچے ہو کر یہ چیزیں حضرت ابراہیمؑ کے وقت سے حرام تھیں تو اپنی مسلم کتاب توریت میں یہ مضمون دکھلاؤ تاکہ تمہاری صداقت ظاہر ہو اور اگر یہ مضمون تمہاری کتاب میں نہ نکلے تو سمجھ لو کہ تم کاذب اور مفتری ہو كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ سے وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ تک اسی شبہ کے جواب میں نازل ہوئیں جیسا کہ آئندہ تفسیر سے ظاہر ہوگا۔

فائدہ پہلی آیت میں محبوب چیز کے خرچ کرنے کا ذکر تھا اور اس آیت میں یعقوب علیہ السلام کا ایک محبوب چیز کو چھوڑ دینے کا ذکر ہے اس طرح دونوں آیتوں میں نہایت لطیف مناسبت ہوگئی۔

دوسرا شبہ یہود کا دوسرا شبہ یہ تھا کہ تمام انبیاء کرام بیت المقدس کی تعظیم کرتے تھے اور بیت المقدس ہی ان کا قبلہ تھا اور تمام انبیاء اسی مقدس سرزمین میں مبعوث ہوئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اصلی وطن عراق تھا۔ جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چھوڑ کر شام کی طرف ہجرت فرمائی اور وہیں رہے اور وہیں وفات پائی مگر اے مسلمانو تم نے بیت المقدس کو چھوڑ کر خانہ کعبہ کو قبلہ بنا لیا ہے جو سرزمین شام سے بہت دور ہے پھر تمہارا یہ دعویٰ کیسے صحیح ہے کہ تم کو ابراہیم علیہ السلام اور ملت ابراہیمی سے زیادہ قرب اور مناسبت حاصل ہے حق تعالےٰ نے اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ الےٰ آخر الآیات میں اُن کے اس شبہ کا جواب دیا کہ خانہ کعبہ ہی اول عبادت خانہ ہے جو بیت المقدس سے صدہا سال قبل ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھ سے تعمیر ہوا جس میں مقام ابراہیم کی موجودگی اس بات کی دلیل ہے کہ ابراہیمؑ کے قدم یہاں آئے ہیں کیونکہ یہ امر تاریخ عرب کے مسلمات میں سے ہے کہ یہ وہی پتھر ہے جس پر ابراہیم علیہ السلام نے کھڑے ہو کر خانہ کعبہ تعمیر کیا تھا اور خدا کی قدرت سے اس پتھر میں ابراہیم علیہ السلام کے قدم کے نشان پڑ گئے تھے اور وہ پتھر اب تک برابر محفوظ چلا آرہا ہے۔

پہلے شبہ کا جواب

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ..... الےٰ ..... وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ؕ

ان آیات میں یہود کے پہلے شبہ کا جواب ارشاد فرماتے ہیں کہ اے یہود تمہارا یہ قول بالکل غلط ہے کہ اونٹ کا گوشت اور اُس کا دودھ حضرت ابراہیمؑ اور تمام انبیاءؑ پر حرام تھا بلکہ کھانے کی سب چیزیں توریت کے نازل ہونے سے پہلے ہی بنی اسرائیل کے لیے حلال تھیں، جن کی حلت حضرت ابراہیمؑ کے وقت سے برابر چلی آرہی تھی مگر وہ چیز یعنی اونٹ کا گوشت جس کو ایک خاص وجہ سے یعقوب علیہ السلام نے اپنے اوپر بطور نذر حرام کر لیا تھا اور پھر ان کی اولاد نے بھی اُن کی پیروی میں اس کو چھوڑ دیا تھا جس کا سبب یہ تھا کہ یعقوب علیہ السلام کو عرق النساء کا درد تھا اس وقت اللہ تعالٰے سے نذر کی کہ اگر اللہ تعالٰے نے اس مرض سے شفاء عطا فرمائی تو جو چیز مجھ کو زیادہ محبوب اور مرغوب ہے اُس کو چھوڑ دوں گا اور ان کو سب سے زیادہ محبوب اونٹ کا گوشت اور دودھ تھا اس لیے اس کو چھوڑ دیا۔ ورنہ اللہ تعالٰے کی طرف سے ان پر یہ چیز حرام نہ تھی لہٰذا یہود کا یہ دعوے کہ یہ چیزیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے حرام چلی آرہی ہیں کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔

فائدہ آیت مذکورہ میں مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ (یعنی نزول توریت سے قبل) کی قید کا فائدہ یہ ہے کہ نزول توریت سے پہلے یہ سب چیزیں حلال تھیں۔ البتہ توریت نازل ہونے کے بعد بہت سی حلال چیزیں یہود پر اُن کے ظلم اور شرارت کی وجہ سے توریت میں حرام کر دی گئیں جس کی کچھ تفصیل سورۂ انعام میں ہے وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ اور دوسری جگہ ارشاد ہے۔

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ آپ ان یہود سے کہہ دیجیے کہ اگر تم کو اس کا دعویٰ ہے کہ یہ چیزیں حضرت ابراہیمؑ کے وقت سے برابر حرام چلی آرہی ہیں تو توریت کو لے کر آؤ اور یہ مضمون توریت میں دکھلاؤ اور سب کے سامنے اُس کو پڑھ کر سناؤ اگر تم اس دعوے میں سچے ہو کہ یہ چیزیں حضرت ابراہیم کے وقت سے حرام تھیں۔ اللہ تعالٰے نے اپنے رسول کو حکم دیا کہ اُن کی کتاب سے ساتھ مباحثہ کریں۔ یہود یہ دلیل قاطع اور برہان ساطع سن کر حیران رہ گئے اور توریت نہ لاسکے اس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر ایک حجت قائم ہوگئی اور یہود کا کاذب اور مفتری ہونا ثابت ہو گیا پس جو شخص اللہ پر جھوٹ باندھے اور یہ کہنے لگے کہ یہ چیزیں اللہ تعالٰے نے حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہما السلام پر حرام کی تھیں اس کے بعد یعنی توریت کی حجت لازم ہو جانے کے بعد تو یہ لوگ بڑے ہی ظالم اور بے انصاف ہیں کہ حق بات ظاہر ہو جانے کے بعد بھی ہٹ دھرمی کرتے ہیں اور حق کو تسلیم نہیں کرتے اور اللہ کے نبی پر جھوٹے الزام لگاتے ہیں۔ آپ کہہ دیجیے کہ اللہ نے سچ فرمایا اور مجھے سچی خبر دی کہ نزول توریت سے پہلے سب چیزیں بنی اسرائیل پر حلال تھیں پس اے یہود جب تم پر محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت ظاہر ہوگئی تو مسلمانوں کی طرح تم بھی ملت ابراہیمی کی پیروی کرو

اور ابراہیم علیہ السلام کے دین پر آجاؤ جس کی طرف میں تمہیں بلاتا ہوں اور وہ ابراہیم علیہ السلام ایک طرف کا ہو رہا تھا سب کو چھوڑ کر ایک خدا کی طرف مائل ہوگیا تھا۔ جس نے دنیا میں خالص توحید اور خدا کی فرمانبرداری کی اشاعت کی اور ابراہیم مشرکوں میں سے نہ تھا اس جملہ میں یہود اور نصاریٰ پر الزام ہے کہ تم دین ابراہیمی پر ہونے کے مدعی ہو اور پھر شرک کرتے ہو۔

فائدہ ملت مثل دین کے اس طریقہ کو کہتے ہیں کہ جس کو اللہ تعالے انبیاء کی زبانی اپنے بندوں کے لیے مشروع فرمائے تاکہ قرب اور رضا کے مدارج اور صلاح اور فلاح دارین کو حاصل کریں ملت اور دین میں فرق یہ ہے کہ ملت کی نسبت نبی کی طرف ہوتی ہے کہ فلاں نبی کی ملت ہے اور دین کی نسبت اللہ کی طرف ہوتی ہے کہ یہ اللہ کا دین ہے اور یہ کہنا جائز نہیں کہ یہ اللہ کی ملت ہے نیز ملت کا اطلاق مجموعۂ احکام شرعیہ پر ہوتا ہے ایک ایک حکم پر ملت کا اطلاق نہیں ہوتا۔ مثلاً تنہا نماز اور زکوٰۃ کو ملت نہیں کہتے۔

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا

تحقیق پہلا گھر جو ٹھہرا لوگوں کے واسطے، یہی ہے جو مکے میں ہے برکت والا

وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ ﴿٩٦﴾ فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ

اور نیک راہ جہان کے لوگوں کو۔ اس میں نشانیاں ظاہر ہیں، کھڑے ہونے

إِبْرَاهِيمَ ۖ وَمَن دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا ۗ وَلِلَّهِ عَلَى

کی جگہ ابراہیم کی۔ اور جو اس کے اندر آیا اُس کو امن ملا۔ اور اللہ کا حق ہے

النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ۚ

لوگوں پر، حج کرنا اس گھر کا، جو کوئی پاوے اس تک راہ۔

وَمَن كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ ﴿٩٧﴾

اور جو کوئی منکر ہوا، تو اللہ پرواہ نہیں رکھتا جہان کے لوگوں کی۔

دوسرے شُبہ کا جواب

بذکرِ فضائل بیتِ حرام

قال تعالیٰ اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ .... الیٰ .... فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ۝

اب ان آیات میں یہود کے دوسرے شبہ کا جواب ذکر فرماتے ہیں کہ بیت المقدس خانہ کعبہ سے افضل ہے اور وہی تمام انبیاء کا قبلہ ہے تو اے مسلمانو تمہارے نبیؐ نے بیت المقدس کو چھوڑ کر خانہ کعبہ کو کیوں کر اپنا قبلہ بنا لیا ہے حق جل شانہٗ نے ان آیات میں یہ بتلایا کہ خانہ کعبہ، بیت المقدس سے افضل اور اشرف ہے لہٰذا اسی کو قبلہ بنانا بہتر ہے چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق پہلا گھر جو منجانب اللہ لوگوں کی عبادت کے لیے قبلہ مقرر کیا گیا وہ وہی مکان اور گھر ہے جو شہر مکہ میں ہے۔ جس کو خانہ کعبہ اور بیت اللہ کہتے ہیں۔ بڑی خیر و برکت والا جس میں ایک نماز ادا کرنے سے ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ملتا ہے اور جہان کے لوگوں کے لیے ہدایت اور رہنما ہے کیونکہ سارے جہان کا قبلہ ہے اسی کی طرف منہ کر کے سب نماز ادا کرتے ہیں اور خدا کی محبت میں اسی کا طواف کرتے ہیں اسی طرح یہ خانۂ خدا، خانۂ ہدایت ہے جس سے قبلۂ عبادت کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور بہشت کی راہ بھی یہیں سے نظر آتی ہے۔ خود اس گھر میں اس کی فضیلت اور اول معبد ہونے کی اور قبلۂ ابراہیمی ہونے کی روشن نشانیاں اور کھلی علامتیں موجود ہیں۔ از انجملہ مقام ابراہیم ہے[1] جو ایک محترم پتھر ہے جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کھڑے ہو کر خانہ کعبہ کی تعمیر فرماتے تھے جس میں حق تعالیٰ کی قدرت سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدم مبارک کے نشان پڑ گئے تھے جو لوگوں[2] کے ہاتھوں سے چھونے کے باعث محو ہو گئے اور یہ بات تمام اہل عرب میں نقل متواتر کے ساتھ مشہور اور مسلّم ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ان تمام انبیاء کرام کے جد اکبر ہیں جن کے آثار روئے زمین پر پائے جاتے ہیں اُن سے پہلے جتنے نبی گزرے ان میں سے کسی کی نشانی زمین پر باقی نہیں پس حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس نشان کا باقی رہنا اور دیگر انبیاء کے آثار کا باقی نہ رہنا اور پھر اس پتھر کا باوجود کثیر التعداد دشمنوں کے ہزاروں برس سے

---

[1] قال الخطیب الشربینی مقام ابراھیم ھو الحجر الذی قام علیہ ابراھیم علیہ السلام وکان اثر قدمیہ فیہ فاندرس من کثرۃ المسح بالایدی ولعل الذی اندرس بعضہ فانی رأیت اثر القدمین فیہ کذا فی السراج المنیر ص ۱۹۲ ج ۱

[2] کذا فی حاشیۃ الشیخ زادہ علی البیضاوی ففیہا فوضع ابراھیم قدمہ علیہ فاثرت قدمہ فیہ الا ان ذلک الاثر اندرس من کثرۃ المسح بالایدی (ص ۶۵۳ ج ۱)

محفوظ چلا آنا یہ اس امر کی کھلی نشانی ہے کہ یہاں ابراہیم علیہ السلام کے قدم آئے ہیں اور یہی وہ پہلا گھر اور اول معبد ہے کہ جو طوفان نوح کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں تعمیر ہوا اور حضرت اسمٰعیلؑ ان کے شریک کار اور معین و مددگار رہے غرض یہ کہ منجملہ آیات بینات کے مقام ابراہیم ایک نشانی ہے۔ حق جل شانہٗ نے آیات بینات میں سے صرف دو نشانیوں کو ذکر کیا ایک یہ اور ایک نشانی وہ جو آئندہ آیت میں ذکر کی باقی کو پوشیدہ رکھا اشارہ اس طرف ہے کہ آیات بینات بہت ہیں جو شمار میں نہیں آسکتیں. ان میں سے صرف دو تین کا ذکر کیا اور منجملہ ان نشانیوں کے ایک نشانی یہ ہے کہ جو شخص اس مکان کی حدود متعلقہ میں بھی داخل ہوگیا اس کو امن ملا دنیا میں قتل اور غارتگری سے مامون ہوگیا اور قیامت کے دن عذاب سے مامون ہوگیا یہ بھی خانہ کعبہ کی فضیلت کی کھلی نشانی ہے، عرب زمانۂ جاہلیت میں ایک دوسرے کو قتل کر دیتے اور لوٹ لیتے مگر جو حرم میں آجاتا اُس سے کوئی تعرض نہ کرتے خانہ کعبہ کے موجب امن ہونے پر دو اعتراض کیے گئے ہیں ایک یہ کہ خود جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ کو تلوار سے فتح کیا. دوئم یہ کہ بہت سے حکام اور عمال نے مکہ میں ظالمانہ کاروائیاں کیں حتیٰ کہ بعض نے خانہ کعبہ پر منجنیق بھی لگا دیا اور اس کی بے حرمتی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ اور بہت سے بدّوؤں نے حاجیوں کو طرح طرح سے اذیت پہنچائی پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ یہ اعتراض سرے ہی سے غلط ہے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لمحہ کے لیے خانہ کعبہ کی حرمت کو نہیں توڑا آپ نے اس کے سوا کچھ نہیں کیا کہ مکہ میں یہ منادی کرادی کہ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اس کو امن ہے اور جو شخص اپنے گھر کا دروازہ بند کرلے اُس کو بھی امن ہے حدیث میں ہے کہ جب ابوسفیان نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر لشکر انصار کے علمبردار سعد بن عبادہؓ کا یہ قول نقل کیا کہ آج کا دن لڑائی کا دن ہے اور آج کعبہ کی حرمت توڑی جائے گی تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سعد نے غلط کہا آج کا دن وہ دن ہے جس میں حق تعالٰے خانہ کعبہ کی حرمت کو قائم کرے گا اور آج کا دن وہ دن ہے جس میں خانہ کعبہ پر نیا غلاف چڑھایا جائے گا اور بعض علماء نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ حق تعالٰے نے خانہ کعبہ کو شرک اور بت پرستی سے پاک کرنے کے لیے ایک ساعت کے لیے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے حلال کر دیا تھا آپ سے پہلے اور آپ کے بعد کسی اور کے لیے حلال نہیں کیا اور آپ کے لیے بھی صرف ایک ساعت کے لیے حلال کیا ایک ساعت سے زیادہ آپ کے لیے بھی حلال نہیں کیا اور کفر و شرک کی نجاست سے پاک کر دینے کے لیے حلال کر دینا غایت درجہ مستحسن ہے۔

دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ خانہ کعبہ میں داخل ہونے والے شخص کے امن والا ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ کسی شخص کو اس کی ایذاء پر قدرت نہیں رہتی بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس گھر کی تعظیم لوگوں کے اعتقاد اور دلوں میں اس درجہ راسخ ہے کہ کوئی شخص بھی اس میں ظلم اور تعدی کو روا نہیں سمجھتا پس جو ظالم اور بدّو اس میں کوئی کارروائی کرتے

ہیں وہ اس کو جائز نہیں سمجھتے بلکہ اور گناہوں کی طرح اس کو گناہ سمجھتے ہیں اور اس گھر کی فضیلت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ لوگوں پر اللہ کے لیے اس گھر کا حج فرض ہے تمام لوگ برابر خانہ کعبہ ہی کا حج کرتے چلے آئے بیت المقدس کا حج کبھی فرض نہیں ہوا، مگر خانہ کعبہ کا حج ہر شخص پر فرض نہیں بلکہ صرف اس شخص پر فرض ہے جو اس گھر کی راہ پا سکے یعنی زاد اور راحلہ پر اس کو قدرت ہو۔ مطلب یہ ہے کہ استطاعت سبیل سے مراد خانہ کعبہ تک پہنچنے پر قدرت پانا ہے جس میں سواری اور سفر خرچ اور تندرستی اور راستہ کا امن سب کچھ آگیا اور اس گھر کے حج کا فرض ہونا یہ بھی اس گھر کی بزرگی اور شرافت کی کھلی نشانی ہے اور اس امر کی صریح دلیل ہے کہ اس گھر کو حضرت ابراہیمؑ سے خاص خصوصیت حاصل ہے کہ ان کے وقت سے لے کر اس وقت تک مشرق و مغرب اور شمال و جنوب کے لوگ برابر حج کرتے چلے آئے اور برابر اس کو سنت ابراہیمی سمجھ کر ادا کرتے رہے اور جو شخص منکر ہوا کہ خانہ کعبہ اول معبد نہیں یا اس کا حج فرض نہیں تو اللہ تعالٰے کو اس کی کوئی پرواہ نہیں اس لیے کہ اللہ تعالٰے تو تمام جہان کے لوگوں سے بے نیاز بے پرواہ ہے تمام عالم بھی اگر اس کے حکم کا انکار کرے تو اس کا کوئی نقصان نہیں خانہ کعبہ خداوند ذوالجلال کے نور اور جمال کی تجلی کا گھر ہے محبین اور عاشقین کا یہ فرض ہے کہ اُس نور السّمٰوٰت والارض اور جمیل مطلق اور محبوب برحق کے گھر پر عمر بھر میں کم از کم ایک مرتبہ ضرور حاضری دیں اور اس کے در و دیوار کا دیوانہ وار چکر لگائیں اور اس کے آستانہ کو بوسہ دیں جو شخص خدا کی محبت کا دعویٰ کرے اور اُس کے گھر کی حاضری کو فرض نہ سمجھے تو سمجھ لو کہ وہ جھوٹا عاشق ہے اور محبوب حقیقی کو کیا پروا ہے کہ ایسا شخص یہودی ہو کر مرے یا نصرانی۔ یہود اور نصاریٰ ہر ایک کو دعویٰ تو یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ ہمارے امام اور پیشوا ہیں مگر جس گھر کو انہوں نے بحکم خداوندی حج اور زیارت کے لیے تعمیر کیا اور لوگوں کو اس کی زیارت اور حج کے لیے آواز دی اس کا حج نہیں کرتے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ خانہ کعبہ۔ بیت المقدس سے افضل ہے جس کی متعدد وجوہ ہیں۔ جو حسب ذیل ہیں۔

اوّل فضیلت یہ کہ خانہ کعبہ سب سے پہلا گھر ہے جو لوگوں کی عبادت کے لیے مقرر ہوا اور حضرت آدم علیہ السّلام نے اس کی تعمیر کی اور ان کی اولاد میں جس قدر بھی نبی ہوئے وہ سب کے سب اسی کی طرف رخ کر کے عبادت کرتے چلے آئے اور حضرت شیث اور حضرت ادریس اور حضرت نوح علیہم السّلام کا قبلۂ عبادت اس کے سوا اور کوئی جگہ نہ تھی اس لیے کہ عبادت اور عبودیت حضرات انبیاء کرامؑ کے لیے لازم ہے اور عبادت کے لیے قبلہ کا ہونا ضروری ہے معلوم ہوا کہ تمام انبیاء کا قبلہ یہی خانہ کعبہ رہا۔ وقال تعالیٰ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَاۗءِيْلَ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا

وَّ بُكِيًّا. الآیۃ اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ تمام انبیاء کرام سجدہ کرتے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ سجدہ کے لیے قبلہ ہونا چاہیئے سو ان حضرات کا قبلہ وہی خانہ کعبہ تھا جو ہمارے معظم اور محترم باپ سیدنا آدم علیہ السلام نے بحکم خداوندی بنایا تھا اور مکہ مکرمہ کا نام اُمّ القریٰ ہونا یہ بھی اسی کی دلیل ہے کہ یہ شہر تمام بستیوں اور آبادیوں کی اصل اور جڑ یعنی مبداء ہے اور اسی وجہ سے کہا گیا کہ وسط ارض میں ہے اور تمام روئے زمین کا مرکزی نقطہ ہے۔

دوسری فضیلت

خانہ کعبہ کی دوسری فضیلت یہ ہے کہ وہ مبارک ہے یعنی خیرات و برکات کا منبع اور سرچشمہ ہے آسمانی اور معنوی انوار و برکات کے علاوہ زمینی برکات کا بھی مخزن ہے کما قال تعالےٰ يُجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا زمین جس کے متعلق حق تعالےٰ کا ارشاد ہے وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا ان تمام اقوات و ثمرات اور ارزاق و برکات کا مرکزی نقطہ بھی خانہ کعبہ کی زمین ہے کہ جس کو حق تعالےٰ نے سب سے پہلے پیدا کیا اور باقی زمین یہیں سے بچھائی گئی اور ایک نیکی کا ثواب کم از کم ایک لاکھ گنا ملتا ہے اور جو نماز خانہ کعبہ کے سامنے باجماعت پڑھی جائے اس کا ثواب ستائیس لاکھ ملتا ہے کیونکہ جماعت کا اجر انفرادی نماز سے ستائیس گنا ہے۔

تیسری فضیلت

خانہ کعبہ کی تیسری فضیلت یہ ہے کہ هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ یعنی تمام جہانوں کا قبلہ ہے کہ اسی سمت پر سب نماز ادا کرتے ہیں خانہ کعبہ بمنزلہ مرکزی نقطہ کے ہے اور روئے زمین پر نمازیوں کی صفوف بمنزلہ دوائر کے ہیں جو اس مرکز کو احاطہ کیے ہوئے ہیں اور ظاہر ہے کہ نمازیوں میں بہت سے اولیاء اور عباد مخلصین اور ہزاراں ہزار بلکہ لاکھوں آسمان اور زمین کے فرشتے بھی ہوتے ہیں جن کے انوار و برکات میں تعاکس اور توارد بھی ہوتا ہے اور انوار و تجلیات کا یہ توارد اور تعاکس ہزاراں ہزار خیر و برکت اور ہزاراں ہزار ہدایت کا بھی سبب ہے اور خانہ کعبہ کے ذاتی انوار و برکات ان کے علاوہ ہیں۔ جب روئے زمین کی تمام مسجدیں اور تمام صفوف سمت کعبہ کی طرف متوجہ ہو کر نمازیں ادا کریں گے تو اس محاذات اور مسامتت کی وجہ سے خانہ کعبہ کے انوار و تجلیات روئے زمین کی مسجدوں اور نماز کی صفوں کو بجلی کی رو کی طرح یکدم منور اور روشن کریں گے۔

چوتھی فضیلت

یہ ہے کہ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ یعنی خود اس گھر میں اس کی حرمت اور عظمت کی روشن نشانیاں موجود ہیں جس نے اس کی بے حرمتی کا ارادہ کیا وہ ہلاک ہوا جیسے اصحاب فیل اور جس نے اس جگہ جا کر بیماری وغیرہ کے لیے دعا مانگی اُس کی دعا قبول ہوئی اور حجاج نے جو مکہ پر چڑھائی کی سو اس کا مقصد حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو گرفتار کرنا تھا خانہ کعبہ کی بیحرمتی اور اہانت مقصود نہ تھی۔

پانچویں فضیلت یہ ہے کہ اس میں مقام ابراہیم ہے مقام ابراہیم سے وہ پتھر مراد ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کی تعمیر کی تھی اس پتھر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدم مبارک کے نشان تھے حق تعالےٰ نے اسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے نرم کر دیا تھا۔

چھٹی فضیلت یہ ہے کہ جو شخص خانہ کعبہ کے حدود یعنی حرم میں داخل ہوا تو دنیا میں قتل سے اور آخرت میں عذاب سے مامون ہوا۔

ساتویں فضیلت یہ ہے کہ اس گھر کا حج فرض ہے یہ بھی اس گھر کی شرافت اور بزرگی پر دلالت کرتا ہے تمام انبیاء سابقین اسی کا حج کرتے چلے آئے اور نہایت ذوق و شوق کے ساتھ تلبیہ پکارتے ہوئے اس کی زیارت کے لیے حاضر ہوتے رہے بیت المقدس کا حج کبھی فرض نہیں ہوا۔

لطائف و معارف

۱۔ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ ۔ میں علماء کا اختلاف ہے کہ اوّل سے کیا مراد ہے آیا باعتبار زمانہ کے اولیت مراد ہے یا باعتبار شرف اور فضیلت اور رتبہ کے اوّلیت مراد ہے ۔

صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت سے یہ منقول ہے کہ حق تعالےٰ نے زمین میں سب سے پہلے خانہ کعبہ کی جگہ کو پیدا کیا اور باقی تمام زمین اس کے نیچے سے بچھائی گئی ۔ یعنی باعتبار زمانہ کے اوّلیت مراد ہے۔ اور بعض یہ کہتے ہیں کہ یہ اوّلیت باعتبار شرف اور فضیلت کے ہے زمانہ کے لحاظ سے نہیں یعنی باعتبار برکت اور ہدایت کے یہ پہلا گھر ہے جیسا کہ لفظ مُبٰرَکًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ اس پر دلالت کرتا ہے یعنی برکت اور ہدایت کے لحاظ سے سب سے اوّل اور سب سے افضل اور سب سے مقدم خانہ کعبہ ہے ۔ تحقیق یہ ہے کہ مقصود اصلی تو خانہ کعبہ کی افضلیت بیان کرنا ہے کہ خانہ کعبہ بیت المقدس سے افضل اور اشرف ہے اور ظاہر ہے کہ یہ مقصد جب حاصل ہوگا کہ جب اوّلیت سے شرف اور فضیلت کے اعتبار سے اوّلیت مراد ہو محض زمانہ کے اعتبار سے اوّلیت و شرف اور فضیلت کا مدار نہیں بن سکتی ۔ البتہ زمانہ کی اولیت و شرف اور فضیلت کی اولیت کے لیے مؤید ضرور ہو سکتی ہے اس لیے کہ اولیت زمانیہ ۔ اولیت رتبیہ کے منافی اور مباین نہیں خانہ کعبہ کی جگہ باعتبار زمانہ کے بھی اوّل ہے اور باعتبار شرف اور فضیلت کے بھی اوّل ہے لہٰذا ثابت ہو گیا کہ خانہ کعبہ بیت المقدس سے باعتبار زمانہ کے اوّل ہے اور باعتبارِ فضیلت کے بھی اوّل ہے ۔

اسرارِ قبلہ

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی۔ بانی دارالعلوم دیوبند قدس اللہ سرہ نے اس موضوع پر قبلہ نما کے نام سے ایک مستقل تحریر لکھی ہے جو علم لدنی کے حقائق و معارف کا گنجینہ اور اسرار و لطائف کا ایک خزینہ ہے ہم اس مقام پر نہایت اختصار کے ساتھ اس کا خلاصہ مع اضافہ شواہد ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔ اصل مضمون حضرت مولانا قاسم رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور شواہد کا اضافہ اس ناچیز کی طرف سے ہے۔ وَمَا تَوْفِيْقِیْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ۔

حق جل شانہٗ نے انسان کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا اور عبادت کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ اپنے معبود کے سامنے اپنے عجز و نیاز کا اظہار کرے اور آداب عبودیت بجالائے اس لیے ضروری ہوا کہ عابد اور معبود میں آمنا سامنا ہو اور آمنا سامنا ہونے کے لیے بظاہر مکان اور جہت درکار ہے اور اللہ تعالیٰ جہت اور مکان سے پاک اور منزہ ہے کیونکہ وہ تو خود جہت اور مکان اور زمان کا خالق ہے اور انسان جسم اور روح سے مرکب ہے سو عبادت روحانی کے لیے تو کسی جہت اور مکان کی ضرورت نہیں اس لیے کہ روح مکانی نہیں روح خداوند ذوالجلال کی بے چونی اور بیچگونی کا نمونہ ہے جیسا کہ حدیث میں ہے خلق اللہ آدم علی صورتہ اس لیئے روح کی عبادت کے لیے قلبی اور معنوی توجہ کافی ہے کسی قبلہ اور جہت کی ضرورت نہیں۔

البتہ عبادت جسمانی بدون تقابل جہت متصور نہیں اور انسان چونکہ مقید فی الجہۃ ہے اس لیے اس کو یہ حکم دینا کہ جہت سے علیحدہ ہو کر عبادت کیا کرو تو یہ تکلیف مالایطاق ہے اور فقط روحانی عبادت کافی نہیں بلکہ روح اور جسم دونوں ہی مکلف ہیں روحانی عبادت کی طرح جسمانی عبادت بھی فرض اور لازم ہے یہ کیسے ممکن ہے کہ روح تو عبادت کی مخاطب ہو اور جسم معطل رہے اور یہ بھی مناسب نہیں کہ ہر شخص جس طرف چاہے سجدہ کر لیا کرے۔ اور ہر ایک اپنا جُدا قبلہ بنائے اس لیے خداوندکریم نے ایک جہت مقرر فرما دی تاکہ ایک سمت متعین ہو جائے اور ملت کے انتظام میں فرق نہ آئے۔ کیونکہ جو جہت اللہ کی طرف سے مقرر ہو گی اس میں کسی کو رد و بدل کی گنجائش نہ ہو گی باقی رہا یہ امر کہ اس خاص سمت کی تعیین کی وجہ کیا ہے سو وہ اللہ ہی کو معلوم ہے اور اگر یہ اجازت ہوتی کہ جس طرف کو جس کا جی چاہے وہ سجدہ کر لیا کرے تو اس میں انتظام اور اتفاق کی کوئی صورت نہ تھی۔ اور ظاہر ہے کہ اتفاق ایک نہایت محمود اور پسندیدہ چیز ہے۔

حق جل شانہٗ کی ذات چونکہ بے چون و چگون ہے اس لیے وہ کسی حد میں محدود اور مقید نہیں۔

البتہ اس کی کوئی تجلّی اور کوئی پرتو کسی محدود اور مقید پر پڑ سکتا ہے جیسے آفتاب کا عکس اور پرتو آئینہ پر پڑتا ہے ہر شخص جانتا ہے کہ آئینہ فقط ایک مظہر اور نمائش گاہ ہے محل قید نہیں آئینہ کا آفتاب کو اپنے آغوش میں لے لینا قطعاً محال ہے البتہ آفتاب آئینہ میں جلوہ گر ہو سکتا ہے جیسے آسمان آنکھ کی پتلی میں جلوہ گر ہوتا ہے مگر انعکاس کی ایک شرط تو یہ ہے کہ آئینہ صاف وشفاف ہو دوسری شرط یہ ہے کہ آفتاب کے مقابل ہو بغیر تقابل کے انعکاس ممکن نہیں۔ اسی طرح حق جل شانہٗ کی ذات بے چون وچگون کو سمجھو کہ وہ حدود اور قیود سے پاک اور منزہ ہے مگر کسی جہت اور مکان اور کسی محدود شئی میں اس کی تجلّی ممکن ہے۔

کتاب وسنت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عرش اور پانی حق جلّ شانہٗ کی اوّل مخلوقات سے ہے کما قال تعالےٰ وَكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ۔

اور اللہ جل شانہٗ کی سب سے بڑی تجلی عرش پر ہے اور اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى میں اسی تجلی کی طرف اشارہ ہے عرش کے معنی تخت اور بلند مقام کے ہیں اور استواء کے معنی استقرار اور تمکن کے ہیں۔

اور ظاہر ہے کہ آیت میں ظاہری معنی قطعاً مراد نہیں اس لیے کہ اللہ تعالےٰ کوئی جسم نہیں جو تخت پر بیٹھے اور قرار پکڑے بلکہ استواء علی العرش سے اس کی شانِ احکم الحاکمینی کو بیان کرنا ہے جیساکہ تخت نشینی کا لفظ حکومت اور اقتدار کے لیے بطور کنایہ مستعمل ہوتا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالےٰ کے احکم الحاکمینی اور اس کے تسلّط تام اور تدبیر عام کو استواء علی العرش کے لفظ سے تعبیر کیا گیا کہ اس کی احکم الحاکمینی اور شہنشاہی ایسی راست اور ہموار ہے کہ اس میں کسی قسم کی مزاحمت اور کسی قسم کی گڑبڑ کا امکان اور واہمہ بھی نہیں خلاصہ یہ کہ عرشِ عظیم اس ربِّ عظیم کی شان احکم الحاکمینی کا ایک تجلی گاہ اور نمائش گاہ ہے۔ معاذ اللہ خدائے بے چون وچگون کی جائے قرار اور محل استقرار نہیں غرض یہ کہ عرش عظیم اللہ تعالےٰ کی اوّل مخلوق ہے۔

عرش کے بعد۔ اللہ تعالےٰ نے سب سے پہلے زمین کو پیدا فرمایا اور اس کے آسمان کو پیدا کیا جیساکہ سورۂ بقرہ میں ہے هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ اور اسی طرح سورۂ حٰم سجدہ میں مصرح ہے ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ الاٰیۃ سورۂ بقرہ اور سورۂ حٰم سجدہ کی ان آیات سے صاف ظاہر ہے کہ پہلے زمین کو پیدا کیا اور پھر آسمان کو اور قیاسِ عقل بھی اسی کو مقتضی ہے کہ پہلے زمین پیدا ہو اور آسمان بعد میں اس لیے کہ حق تعالےٰ نے زمین کو فرش اور آسمان کو سقف (چھت) فرمایا ہے اور ظاہر ہے کہ تعمیر چھت کی جانب سے شروع نہیں ہوتی بلکہ فرش کی جانب سے ہوتی ہے۔ اور زمین میں حق جل شانہٗ نے سب سے پہلے خانہ کعبہ کی جگہ کو پیدا فرمایا اور

پھر باقی زمین اسی جگہ سے بچھائی گئی اور پھیلائی گئی کعبہ زمین کا ٹکڑا کرۂ ارض کا مرکزی نقطہ ہے جو ٹھیک وسط ارض میں واقع ہے جیسا کہ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا اس پر دال ہے وکما یدل علیہ قولہ تعالیٰ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا اور ایک روایت میں ہے کہ اول پانی تھا اور اس پانی پر عرش کبریائی تھا پھر اس پانی میں سے جہاں اس جگہ خانہ کعبہ ہے ایک بلبلا سا اٹھا اور جھاگ نمودار ہوئی اس سے زمین کی بنا شروع ہوئی۔

یہ روایت بھی خانہ کعبہ کی اولیت پر دلالت کرتی ہے اور اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ اس جگہ کا عرش اور عرش کے پانی سے خاص تعلق ہے۔

اور جس طرح خانہ کعبہ آبادی میں اول ہے اسی طرح ویرانی میں بھی اول ہے کہ قیامت کے وقت یہی ٹکڑا سب سے پہلے ویران ہوگا جیسا کہ یہ آیت جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ اس پر دلالت کرتی ہے کیونکہ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ کا مطلب یہ ہے کہ جب تک یہ گھر قائم ہے جبھی تک بنی آدم کا بھی اس عالم میں قیام ہے اور جس دن یہ ویران ہوگا تو تمام کارخانۂ عالم بھی ویران ہو جائے گا کیونکہ بدلالت آیت خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا الآیۃ یہ بات عیاں ہے کہ زمین و آسمان سب بنی آدم کے لیے ہیں جب بنی آدم ہی نہ ہوں گے تو زمین و آسمان ہی کس کے لیے رہیں گے گھاس دانہ گھوڑوں تک رہتا ہے جب وہ نہیں رہتے تو اسے ہی کون رکھتا ہے۔ جب دار الخلافہ آباد کیا جاتا ہے تو اول مکانات شاہی کے لیے کوئی جگہ تجویز ہوتی ہے۔ اور اس کی بنا ڈالی جاتی ہے اس کے بعد امراء اور وزراء اور رعایا کے مکانات بنتے ہیں اور جب دار الخلافہ بحکم شاہی کسی مصلحت سے ویران کیا جاتا ہے تو اول بادشاہ اپنے مکانات کو چھوڑتا ہے اور اس کی اتباع میں پھر خواص اور عوام اپنے اپنے مکانات چھوڑ کر اس کے پیچھے ہوتے ہیں معلوم ہوا کہ محل سرائے جس طرح تعمیر میں اول ہے اسی طرح تخریب میں بھی اول ہے۔

پس اسی طرح خانہ کعبہ کو بمنزلہ قصر شاہی یا خیمۂ شاہی خیال فرمایئے اور کیوں نہ ہو وہ تجلی گاہ ربانی اور آئینۂ جمال یزدانی ہے اس لیے اس کو بنانے میں بھی اول رکھا اور ویرانی عالم کے وقت بھی اس کو اول رکھیں گے چنانچہ آیت اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا اس کی اولیت تعمیر پر دلالت کرتی ہے اور آیت جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ گھر لوگوں کے قیام اور بقاء کا باعث ہے اس کی اولیت ویرانی پر دلالت کرتی ہے اس لیے حاصل اشارۃ قرآنی یہ ہوا کہ جب تک یہ گھر قائم ہے لوگ بھی اس عالم میں قائم ہیں اور جس روز یہ گھر ویران ہوگا اس روز عالم کو خراب اور ویران سمجھو۔

خانہ کعبہ عرش کی محاذات میں ہے

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خانہ کعبہ عرشِ عظیم کی محاذات میں ہے۔

ذکر عبد الرزاق عن ابن جریج عن عطاء و ابن المسیب وغیرھما ان اللہ عزوجل اوحی الی آدم اذا ھبطت ابن لی بیتا ثم احفف بہ کما رأیت الملائکہ تحف بعرشی الذی فی السماء۔
(تفسیر قرطبی ص۱۲۰ ج ۲)

امام عبد الرزاق نے ابن جریج اور عطاء اور سعید بن المسیب وغیرہ سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی طرف وحی بھیجی کہ اے آدم جب تم زمین پر اترو تو میرے لیے ایک گھر بناؤ اور پھر اس کا طواف کرو جیسا کہ تم نے فرشتوں کو میرے عرش کا طواف کرتے دیکھا ہے۔

وفی روایۃ عن ابن عباس قال لما اھبط آدم من الجنۃ الی الارض قال لہ یا آدم اذھب وابن لی بیتا فطف بہ واذکرنی عندہ کما رأیت الملائکۃ تصنع بعرشی
(تفسیر قرطبی ص۱۲۱ ج۲)

اور ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب آدم علیہ السّلام جنت سے زمین پر اتارے گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ فرمایا اے آدمؑ تم جاؤ۔ اور زمین پر میرے لیے ایک گھر بناؤ اور اس کا طواف کرو اور اس کے سامنے میرا ذکر کرو جیسا کہ تم نے فرشتوں کو میرے عرش کا طواف کرتے دیکھا ہے۔

پس جبکہ خانہ کعبہ عرش عظیم کی محاذات میں ہے تو عرش عظیم کے انوار اور تجلیات خانہ کعبہ میں منعکس ہوں گے اور اگر یہ کہا جائے کہ عرش عظیم اور خانہ کعبہ کے درمیان بیت المعمور واقع ہے (جو ساتویں آسمان پر فرشتوں کا قبلہ ہے) وہ درمیان میں حائل ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ اس کی حیلولت خانہ کعبہ پر عرش عظیم کی تجلی سے مانع نہیں اس لیے کہ بیت المعمور ایک صاف وشفاف آئینہ کی طرح ہے اور ٹھیک عرش عظیم کی محاذات میں واقع ہے تو تقابل میں کوئی فرق نہ آئے گا اور نہ تعاکس انوار میں کوئی خلل آئے گا اگر آفتاب کے سامنے یکے بعد دیگرے دو صاف وشفاف آئینے بالکل ایک دوسرے کی محاذات میں ہوں تو انعکاس میں کوئی فرق نہ آئے گا۔

مساجد خانہ کعبہ کی محاذات میں ہیں

جب یہ معلوم ہو گیا کہ خانہ کعبہ عرش عظیم کی محاذات میں ہے اور یہ سب کو معلوم ہے کہ روئے زمین کی تمام مسجدیں خانہ کعبہ کی سمت پر واقع ہیں تو اس محاذات اور مسامتت کی وجہ سے خانہ کعبہ اور مساجد کے درمیان میں ایک معنوی تعلق اور ربط قائم ہو جائے گا جیسے بجلی کی تاروں کا کسی مرکز سے تعلق ہوتا ہے پس اس معنوی تعلق کی بناء پر خانہ کعبہ اور مساجد کے انوار وتجلیات میں توارد اور تعاکس ہو گا۔ ادھر کے انوار ادھر جائیں گے اور ادھر کے انوار ادھر آئیں گے اور انعکاس کے معنی لغت میں لوٹ کر آنے کے ہیں پس خانہ کعبہ بمنزلہ مرکزی نقطہ کے ہو گا اور اقطار عالم میں مساجد کی صفوف بمنزلہ دوائر

محیط یا بمنزلہ خطوط دائرہ ہوں گی جن کا منتہی وہی مرکزی نقطہ ہوگا جس کو خانہ کعبہ کہتے ہیں جیسے بجلی کے تار کسی مرکز سے متعلق ہوتے ہیں تو بیک وقت تمام قمقمے روشن ہو جاتے ہیں اس طرح عرش سے فرش تک اور فرش سے عرش تک آسمانوں اور روئے زمین کی تمام مسجدوں کے انوار و تجلیات میں عجیب قسم کا تجاذب اور تعاکس ہوگا۔

تعمیر بیت المقدس | حدیث میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے بحکم خداوندی اول خانہ کعبہ تعمیر کیا اور پھر بحکم خداوندی چالیس سال بعد بیت المقدس کو تعمیر کیا۔

جس سے معلوم ہوا کہ خانہ کعبہ اور بیت المقدس میں چالیس سال کا تفاوت ہے بظاہر اس تفاوت کی وجہ یہ ہے کہ خانہ کعبہ بمنزلہ ایوان شاہی کے ہے اور خداوند ذوالجلال کی شانِ احکم الحاکمین اور شانِ ارحم الراحمین اور شانِ محبوبی کا مظہر اور تجلی گاہ ہے۔

اور بیت المقدس بمنزلہ ایوان وزراء اور دیوان حکام اور بمنزلہ عدالت کے ہے جو اس کی شان عدل اور قہر کا مظہر اور تجلی گاہ ہے۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ عدالت اور ایوان وزراء محل شاہی سے کچھ فاصلہ پر ہوتا ہے اس لیے قبلۂ ثانی (بیت المقدس) کی عمارت خانہ کعبہ کی عمارت سے کچھ فاصلہ پر رکھی گئی۔ اہل نظر کا خیال ہے کہ شان عدل۔ شان ارحم الراحمین سے چالیس درجہ فروتر ہے اس لیے خانہ کعبہ کی تعمیر کے چالیس سال بعد بیت المقدس کی تعمیر ہوئی اور بیت المقدس خانہ کعبہ سے چالیس منزل کے فاصلہ پر شمال کی جانب میں واقع ہے پس عجب نہیں کہ اس حدیث میں اسی تفاوت کی طرف اشارہ ہو اور غالباً یہی وجہ ہے کہ انبیاء سابقین کے دور میں بیت المقدس نماز کا تو قبلہ رہا مگر انبیاء سابقین۔ حج خانہ کعبہ ہی کا کرتے رہے کیونکہ خانہ کعبہ شان محبوبی کا مظہر اور تجلی گاہ ہے اور حج کے تمام افعال سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ سارا عاشقانہ عمل کسی محبوب کی رضا جوئی کے لیے ہے اور ہر سال حج میں جو اجتماع ہوتا ہے اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص کسی جمال بے مثال کا دیوانہ اور پروانہ بنا ہوا ہے نہ سر پر عمامہ اور ٹوپی ہے اور نہ پیر میں کوئی موزہ اور جراب ہے اور نہ بدن پر قمیص اور پاجامہ ہے اور نہ کوئی سلا ہوا کپڑا ہے بدن پر صرف ایک ازار اور ایک چادر ہے نہ کوئی خوشبو اور عطر ہے دمبدم خدا کو پکار رہا ہے نہ مرد کو عورت سے مطلب اور نہ عورت کو مرد سے مطلب بہرحال خانہ کعبہ خانہ محبوبیت ہے اور بمنزلہ محل سرائے شاہی کے ہے اور بیت المقدس بمنزلہ عدالت اور کچہری کے ہے جو فقط مظلومین کی دادرسی اور ظالمین کی سزا کے لیے ہوتی ہے۔

اور چونکہ خانہ کعبہ عرش عظیم کی محاذات میں ہے اس لیے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خانہ کعبہ کی برکات اور تجلیات کبھی اُس سے جُدا نہیں ہوتیں اس لیے کہ خانہ کعبہ کی نسبت قرآن کریم میں لفظِ مبارکاً آیا ہے کہ برکت خانہ کعبہ کی صفت ذاتیہ ہے اور بیت المقدس کے بارہ میں بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بیت المقدس کی برکات عوارض کی طرح ممکن الانفصال ہیں خانہ کعبہ کی طرح لازم الاتصال نہیں یہی

وجہ ہے کہ بیت المقدس چند بار مخالفوں اور بیدینوں کے ہاتھوں سے خراب اور برباد ہوا اور خانہ کعبہ پر باوجود مخالفین کی کثرت اور شوکت کے آج تک اس کی نوبت نہیں آئی کہ اُس کا ایک پتھر بھی مسمار کرنے کی نیت سے اکھاڑ سکے جیساکہ اصحاب فیل کا قصہ اس کا شاہد ہے اس لیے کہ اُس کی برکات ذاتی ہیں اور وہ بمنزلہ محل سرائے اور دیوان خاص کے ہے اس لیے اس کی نگہبانی ہمیشہ کے لیے ضروری ہے۔

خلاصہ یہ کہ خانہ کعبہ جس طرح آبادی میں اول ہے اسی طرح ویرانی اور بربادی میں بھی اس کا اول ہونا ضروری ہے کہ سارے عالم کی ویرانی اور بربادی کی ابتدا اسی سے ہو اور ایسی ہی جگہ قبلہ بنانے کے لیے لائق ہے جو ہر اعتبار سے اول ہو اور انوار وتجلیات کا مبداء بھی وہی ہو اور منتہیٰ بھی وہی ہو اور ایسے قبلہ کے لیے اوّل ہی درجہ کا نبی اور اوّل ہی درجہ کی امت چاہیئے کہ جو کمالات یزدانی اور عنایات ربانی کا مبداء اور منتہیٰ ہو اور ایسا نبی سوائے خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اور ایسی امت سوائے امت محمدیہ کے اور کوئی نہیں جو کمالات علمیہ یعنی علوم ومعارف میں اور کمالات عملیہ یعنی عبدیت اور عبودیت میں سب سے اول ہے اور کمالات عبودیت اس پر ختم ہیں لہٰذا ایسے نبی اور ایسی امت کا قبلہ بھی وہی جگہ ہونی چاہیئے کہ جو انوار ربانی اور تجلیات یزدانی کا مبداء اور منتہیٰ اور مرکزی نقطہ ہو۔

۳۔ بیت اللہ شریف۔ اس خاص بیت اللہ کا نام اس وقت تک ہے جب تک وہ اس خاص مکان اور خاص جَوّ (خلاء) کے ساتھ مقید رہے چنانچہ اگر اس کے پتھروں کو اٹھا کر دوسری جگہ رکھ دیں تو وہ بیت اللہ نہیں ممکن ہے کہ کوئی یہ خیال کرے کہ بیت اللہ ایک کوٹھا ہے جب اس کو منہدم کردیا جائے تو بس حج نہ ہوگا بلکہ اُس زمین کا نام بھی نہیں چنانچہ اگر تحت الثریٰ تک وہاں کی مٹی اٹھا کر دوسری جگہ ڈال دی جائے تب بھی بیتُ اللہ موجود ہے پس بیت اللہ درحقیقت اُس بُعدِ مجرّد کا نام ہے جو تحت الثریٰ سے عنان سماء تک ہے نہ وہ کوٹھا بیت اللہ ہے اور نہ وہ زمین بیت اللہ ہے چنانچہ اگر کوئی بیتُ اللہ شریف کے اوپر یا کسی مکان کے اوپر نماز پڑھے جو بیت اللہ سے بلند ہو تو اُس کی نماز بلاشبہ درست ہے۔

۴۔ یہاں سے اس اعتراض کا جواب بھی ہوگیا جو بعض غیر قوموں نے کیا ہے کہ مسلمان بھی بت پرستی کرتے ہیں یعنی کعبہ کی طرف سجدہ کرتے ہیں۔

تقریر جواب ہم خانہ کعبہ کی عبادت اور پرستش نہیں کرتے اور نہ ہم خانہ کعبہ کو معبود اور مسجود سمجھتے ہیں ہم عبادت صرف خدا کی کرتے ہیں البتہ منہ قبلہ کی طرف کرتے ہیں چنانچہ لفظ استقبال کعبہ اور لفظ بت پرستی خود اس پر شاہد ہے۔ استقبال کے معنی صرف اس کی طرف منہ کرنے کے ہیں اور بت پرستی کے معنی یہ ہیں کہ بت معبود ہیں ہاں اگر اہلِ اسلام کعبہ پرستی کے قائل ہوتے تو اعتراض بجا تھا۔ دوئم یہ کہ اہلِ اسلام کے نزدیک نماز کے صحیح ہونے کے لیے فقط کعبہ کی طرف منہ ہوجانا کافی ہے استقبال کی نیت کی بھی ضرورت نہیں مقصود معبود ہے اس کی

نیت ضروری ہے۔ جہت قبلہ اس کا وسیلہ ہے اور وسیلہ کی نیت ضروری نہیں۔ معاذ اللہ اگر خانہ کعبہ کی عبادت ہوتی تو معبود کی نیت ضروری ہوتی۔ سوئم یہ کہ نماز کے شروع سے لے کر اخیر تک کوئی لفظ بھی ایسا نہیں جو خانہ کعبہ کی تعظیم پر دلالت کرے شروع سے اخیر تک ہر لفظ اور ہر فعل حق تعالیٰ کی تعظیم اور کبریائی اور اس کی حمد و ثناء اور تسبیح و تقدیس ہی پر دلالت کرتا ہے اول سے اخیر تک خانہ کعبہ کا نام تک نہیں آتا اور بت پرستی میں ان پتھروں اور مورتوں کی تعظیم ہوتی ہے جن کو آپ مہادیو اور شب وغیرہ بتاتے ہیں غرض یہ کہ بت پرستی کو نماز سے کیا نسبت ؎

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

چہارم یہ کہ خانہ کعبہ ان اینٹوں اور پتھروں کا نام نہیں اور نہ انہدام کعبہ کے بعد نماز موقوف ہو جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ جس زمانہ میں خانہ کعبہ اور اس کی دیواریں منہدم ہوئیں نماز بدستور قدیم جاری رہی اگر دیوار کعبہ مسجود و معبود یا مقصود ہوتی تو اس زمانہ میں نماز موقوف رہتی بہت ہوتا تو یہ کہ بعد تعمیر ایام گزشتہ کی عبادت قضا کی جاتی اور بت پرستی میں ظاہر ہے کہ بت ہی معبود اور مسجود اور مقصود ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ کسی شوالے یا مندر سے بتوں کو اٹھا کر کہیں اور رکھ دیں تو پھر سارے فرائض وہیں ادا ہوتے ہیں مکان اول کو کوئی نہیں پوچھتا ؎

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

اور یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص خانہ کعبہ کی چھت پر نماز پڑھے تو اس کی نماز درست ہے اگر کعبہ مسلمانوں کا معبود ہوتا تو اُس کے اوپر چڑھ کر نماز درست نہ ہوتی اس لیے کہ خانہ کعبہ اب اس کے سامنے نہیں نیز معبود پر چڑھنا گستاخی ہے۔ معترضین نے اپنے اوپر قیاس کیا ہوگا کہ وہ گائے اور بیل کو دیوتا اور معبود بھی سمجھتے ہیں پھر ان پر سوار بھی ہوتے ہیں اور سامان بھی لادتے ہیں اور اگر دیوتا جلدی جلدی نہیں چلتا تو پیچھے سے اُسکے ڈنڈے بھی مارتے ہیں۔ ؎

بریں عقل و دانش بباید گریست

پنجم خانہ کعبہ کو اہل اسلام بیت اللہ کہتے ہیں۔ اللہ یا خدا نہیں کہتے اور ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص کسی مکان کی طرف جاتا ہے تو مکین مقصود ہوتا ہے اور وہاں جا کر جو آداب و نیاز بجالاتا ہے تو ہر شخص اُس آداب و نیاز کو صاحب خانہ کیلئے سمجھتا ہے جیسے تخت کی طرف جھک کر سلام کرنا تو وہ سلام صاحبِ تخت کو ہوتا ہے خود تخت کو نہیں ہوتا اور بت پرست اپنے بتوں کو خانہ خدا یا تخت خدا نہیں سمجھتے بلکہ وہ بت خود مقصود اور معبود ہوتے ہیں اور ان کو مہادیو یا شب یا گنیش وغیرہ سمجھ کر اُن کی عبادت کرتے ہیں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس اللہ سرہٗ کی تحریر کا خلاصہ ختم ہوا تفصیل کے لیے حضرات اہلِ علم قبلہ نما کی مراجعت فرمائیں۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم و علمہ اتم واحکم

قُلْ يٰٓاَھْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖ

تو کہہ اے اہل کتاب ! کیوں منکر ہوتے ہو اللہ کے کلام سے ؟

وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰي مَا تَعْمَلُوْنَ ۝۹۸ قُلْ يٰٓاَھْلَ

اور اللہ کے روبرو ہے جو کرتے ہو ۔ تو کہہ اے اہل

الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ

کتاب کیوں روکتے ہو ؟ اللہ کی راہ سے ، ایمان لانے والے

تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَاۗءُ ۭ وَمَا اللّٰهُ

کو، ڈھونڈتے ہو اس میں عیب ، اور تم خبر رکھتے ہو ۔ اور اللہ

بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝۹۹

بے خبر نہیں تمہارے کام سے ۔

ملامت اہل کتاب بر کفر و اغوار

قال تعالیٰ قُلْ يٰٓاَھْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ .... الیٰ .... وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۔

(ربط) گزشتہ آیات میں یہود کے شبہات کا جواب دے کر یہ ثابت کر دیا گیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دینِ ابراہیمی پر ہیں اور خانہ کعبہ ہی اوّل معبد اور بناء ابراہیمی ہے اب ان آیات میں اہل کتاب کو ملامت کی جاتی ہے کہ حق واضح ہو جانے کے بعد تمہارا عجب حال ہے کہ خود بھی قبول حق سے محروم ہو اور دوسروں کو بھی راہ حق سے ہٹانے کی کوشش میں لگے ہوئے ہو اسلام میں جھوٹے اور فرضی شکوک نکال نکال کر لوگوں کو یہ باور کرانا چاہتے ہو کہ اسلام سیدھا راستہ نہیں بلکہ ٹیڑھا ہے اللہ تعالیٰ تمہاری ان سازشوں سے غافل نہیں چنانچہ فرماتے ہیں آپ کہہ دیجیے کہ اے اہلِ کتاب کیوں منکر ہوتے ہو اللہ کی نشانیوں کے جن سے خانہ کعبہ کا قبلۂ ابراہیمی ہونا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ملت ابراہیمی پر ہونا خوب واضح اور روشن ہے اور تم کو یقین ہے کہ دین محمدی بالکل صحیح ہے اور کعبہ قبلۂ ابراہیمی ہے اور اس کا حج فرض ہے پھر اس علم اور یقین کے بعد تم کیوں انکار کرتے ہو اور اللہ گواہ ہے اس چیز پر جو تم کر رہے ہو لہٰذا حق

کا چھپانا تم کو مفید نہ ہوگا اور آپ اُن سے یہ بھی کہہ دیجیے کہ اے اہل کتاب تم کیوں کوشش کرتے ہو اللہ کی راہ یعنی دین اسلام سے روکنے اور ہٹانے کی اس شخص کو جو ایمان لانے کا ارادہ کر چکا ہے تم اس راستہ میں کجی ڈھونڈتے ہو یعنی اس سیدھے راستہ میں فرضی شبہے نکال کر یہ بتانا چاہتے ہو کہ یہ راستہ کج ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دین حق میں جھوٹ موٹ کے عیب نکالتے رہتے ہو تاکہ مسلمانوں کے دلوں میں شکوک پیدا ہو جائیں اور یہ سمجھنے لگیں کہ یہ راستہ سیدھا نہیں حالانکہ تم خود گواہ ہو کہ دین اسلام اللہ تعالیٰ کی سیدھی راہ ہے پس اس میں عیب کہاں سے آیا۔ اور جو کام تم کرتے ہو یعنی لوگوں کو خدا کی راہ سے روکنا اللہ اس سے غافل نہیں وہ ضرور تمہیں اس کی سزا دے گا پہلی آیت میں اُن کا عمل کفر تھا جو ظاہر تھا اس لیے پہلی آیت کو وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ پر ختم فرمایا۔ اور دوسری آیت میں ان کا عمل۔ مسلمانوں کو حیلہ اور مکر کے ذریعہ اسلام سے روکنا تھا جو مخفی اور پوشیدہ تھا اس لیے دوسری آیت کو وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ پر ختم فرمایا ہر آیت میں وہی الفاظ استعمال فرمائے جو ان کے عمل کے مناسب تھے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ

اے ایمان والو! اگر تم مانو گے، بعضے

الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ

اہلِ کتاب کی بات، تو پھر کر دیں گے تم کو ایمان لائے

كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ

پیچھے منکر ۔۔ اور تم کس طرح منکر ہو! اور تم پر پڑھی جاتی ہیں

اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ۭ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ

آیتیں اللہ کی اور تم میں اس کا رسول ہے۔ اور جو کوئی مضبوط پکڑے اللہ کو،

فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ؑ

وہ پہنچا سیدھی راہ پر ۔۔

مسلمانوں کو اہلِ کتاب کے دھوکہ میں نہ آنیکی نصیحت

قال تعالیٰ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِیْعُوْا .... الیٰ .... فَقَدْ ھُدِیَ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ■

(ربط) گزشتہ آیات میں یہ بیان تھا کہ اہلِ کتاب طرح طرح کے حیلوں اور مکاریوں سے مسلمانوں کو بہکانے اور گمراہ کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں اب ان آیات میں مسلمانوں کو اس امر کی تفہیم اور فہمائش کی جاتی ہے کہ اہل کتاب کے دھوکہ میں نہ آئیں اور ان کی بات نہ مانیں ورنہ وہ تمہیں رفتہ رفتہ اسلام سے پھیر کر کافر بنادیں گے۔

شانِ نزول

ان آیتوں کا شانِ نزول یہ ہے کہ شماس بن قیس یہودی جس کو مسلمانوں سے غایت درجہ حسد تھا ایک دن اس کا انصار کی ایک مجلس پر گذر ہوا جس میں انصار کے دونوں قبیلوں اوس اور خزرج کے لوگ شیر وشکر ہوئے بیٹھے تھے اور آپس میں محبت اور اُنس کے ساتھ باتیں کر رہے تھے حالانکہ اسلام سے پہلے ان دونوں قبیلوں میں غایت درجہ عداوت تھی اور ان دونوں قبیلوں میں جنگ عظیم ہوتی تھی۔ اسلام کی برکت سے وہ عداوت جاتی رہی تھی اور اب کوئی اس کا اثر باقی نہ رہا تھا اس یہودی کو مسلمانوں کا محبت اور اتفاق کے ساتھ ایک جگہ بیٹھنا سخت ناگوار گزرا آخر اُس نے ان کے پاس بیٹھ کر وہ لڑائیاں یاد دلائیں جو زمانۂ جاہلیت میں ان دونوں قبیلوں میں واقع ہوئی تھیں۔ اور ان لڑائیوں کے متعلق شعراء نے جو اشعار کہے تھے وہ بھی انہیں کچھ پڑھ کر سنائے اس سے ان دونوں قبیلوں کو ایسا جوش آیا کہ تلواریں سونت کر کھڑے ہوگئے۔ یہ خبر آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو پہنچی آپ اسی وقت مع ان مہاجرین وانصار کے جو اس وقت آپ کی خدمت میں موجود تھے اُن کی مجلس میں تشریف لائے اور یہ فرمایا کہ کیا تم لوگ پھر جاہلیت کی باتوں کی طرف جاتے ہو حالانکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں اور خدا تعالیٰ نے تم کو اسلام سے عزت عطا فرمائی اور تمہارے دلوں میں الفت عطا فرمائی آپ کے اس ارشاد کے بعد سب اپنی حرکت پر نادم ہوئے اور فوراً ہتھیار ڈال دیئے اور ایک دوسرے سے گلے ملے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں اے مسلمانو تم اہل کتاب کا کہنا نہ مانو اگر تم بعض اہلِ کتاب کی بات مانوگے تو یہ تم کو ایمان کے بعد کافر بناکر چھوڑیں گے کیونکہ حسد رکھتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ جیسے خود کافر ہیں ایسے ہی تم بھی کافر ہوجاؤ اور تم کیسے کفر کروگے حالانکہ تم پر اللہ کی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں اور تم میں خدا کا پیغمبر موجود ہے کہ جو تم کو وعظ ونصیحت کرتے رہتے ہیں اور تمہارے شبہوں کو زائل کرتے

رہتے ہیں جس کے بعد غلط فہمی کی کوئی گنجائش نہیں اور جو مضبوط پکڑے اللہ کو یعنی اللہ کی کتاب کو اور اس کے رسول کی تلقین اور ہدایت کو اور اس پر عمل کرے پس تحقیق رہنمائی کی گئی اس کی سیدھی راہ کی طرف کہ اب اس کو شبہات سیدھے راستہ سے نہ ہٹا سکیں گے۔

فائدہ آیت کَیۡفَ تَکۡفُرُوۡنَ۔ میں کفر سے عام معنی مراد ہیں جو کفر اعتقادی اور کفر عملی دونوں کو شامل ہے اس لیے کہ مسلمانوں کی نا اتفاقی اور باہمی قتال و جدال عملی کفر ہے کیونکہ نا اتفاقی مسلمان کو کفر کے قریب پہنچا دیتی ہے اور قاعدہ عقلیہ ہے القریب من الشئ یا خذ حکمہ کہ جو جس سے قریب ہوا اسی کا حکم لے لیتا ہے قرآن کریم محاورات کے مطابق نازل ہوا ہے اور محاورہ میں جو شخص جس قوم کے افعال کرتا ہے اس پر اسی قوم کا اطلاق کرتے ہیں جیسے کمینہ حرکت کرنے والے کو کہتے ہیں کہ تو تو چمار ہے اور کبھی کہتے ہیں کہ تو تو گدھا ہے یعنی تیری یہ حرکت چمار اور گدھے جیسی ہے تنفیر (یعنی نفرت دلانے کے لیے یہ عنوان اختیار کیا گیا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ یہ شخص حقیقۃً چمار ہو گیا بلکہ مراد صرف یہ ہوتی ہے کہ عملاً چمار اور گدھا ہو گیا اسی طرح یہاں مراد یہ ہے کہ قتال و جدال کرنے والا عملاً کافر ہے گو اعتقاداً مومن ہے پس جیسا کہ چمار اور حمار کی دو قسمیں ہیں ایک حقیقی چمار جس کی ذات ہی چمار ہو ایک عملی چمار جو چمار دل جیسے کام کرے۔

اسی طرح کافر کی بھی دو قسمیں ہیں ایک حقیقی کافر جو اعتقادی طور پر کفر کا مرتکب ہو دوسرے عملی کافر جو کافروں جیسا عمل کرتا ہو یہ تقسیم محاورات کے بالکل موافق ہے کوئی دقیق بات نہیں مگر معتزلہ اور خوارج نے اس محاورہ کو نہیں سمجھا اور کفر کو حقیقی معنی پر محمول کر کے حکم لگا دیا کہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب حقیقۃً کفر ہے یا گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے حقیقۃً ایمان سے خارج ہو جاتا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا	الَّذِیۡنَ	اٰمَنُوا	اتَّقُوا	اللّٰهَ	حَقَّ
اے	ایمان	والو!	ڈرتے	رہو اللہ سے	جیسا
تُقٰتِهٖ	وَلَا	تَمُوۡتُنَّ	اِلَّا	وَاَنۡتُمۡ	مُّسۡلِمُوۡنَ ﴿۱۰۲﴾
چاہیے اس سے ڈرنا۔	اور	نہ مریو	مگر		مسلمان
وَ اعۡتَصِمُوۡا	بِحَبۡلِ	اللّٰهِ	جَمِیۡعًا	وَّ لَا	
اور مضبوط پکڑو	رسی	اللہ	کی سب مل کر	اور	

تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ

پھوٹ نہ ڈالو ۔ اور یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر جب تھے تم

اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ

آپس میں دشمن ۔ پھر الفت دی تمہارے دلوں میں ، اب ہوگئے اس کے فضل سے

اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ

بھائی ۔ اور تم تھے کنارے پر ایک آگ کے گڑھے کے ،

فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ

پھر تم کو اس سے خلاص کیا ۔ اسی طرح کھولتا ہے اللہ تم پر نشانیاں اپنی شاید تم

تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى

راہ پاؤ ۔ اور چاہیئے کہ رہیں تم میں ، ایک جماعت بلاتے نیک

الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ

کام پر اور حکم کرتے پسند بات کو اور منع کرتے ناپسند کو ۔

وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ

اور وہی پہنچے مراد کو ۔ اور مت ہو ان کی طرح جو پھوٹ

تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَھُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ

گئے اور اختلاف کرنے لگے بعد اس کے کہ پہنچ چکے ان کو حکم صاف ۔

وَاُولٰۗىِٕكَ لَھُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰۵﴾ۙ يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ

اور اُن کو بڑا عذاب ہے ۔ جس دن سفید ہوں گے بعضے منہ

وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْھُھُمْ ۣ

اور سیاہ ہوں گے بعضے منہ ، سو وہ جو سیاہ ہوئے منہ اُن کے ،

أَكَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ

کیا تم کافر ہو گئے ایمان میں آکر اب چکھو عذاب بدلہ اس

تَكْفُرُونَ ﴿۱۰۶﴾ وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَفِي

کفر کرنے کا۔ اور وہ جو سفید ہوئے منہ ان کے سو

رَحْمَةِ اللَّهِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۱۰۷﴾ تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ

رحمت میں ہیں اللہ کی، وہ اس میں رہ پڑے۔ یہ حکم ہیں اللہ

نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۗ وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِلْعَالَمِينَ ﴿۱۰۸﴾

کے، ہم سناتے ہیں تجھ کو تحقیق۔ اور اللہ ظلم نہیں چاہتا جہان والوں پر۔

وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَإِلَى اللَّهِ

اور اللہ کا مال ہے جو کچھ ہے آسمان اور زمین میں۔ اور اللہ تک

تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿۱۰۹﴾

رجوع ہے ہر کام کی۔

مسلمانوں کو تقویٰ اور اتباعِ شریعت پر متفق رہنے کی تاکید اور پچھلی امتوں کی طرح افتراق اور اختلاف کی ممانعت

قال تعالےٰ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ .... الٰی.... وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ۝

(ربط) گزشتہ آیت میں حق تعالےٰ نے باہمی قتال و شقاق کو تَكْفُرُونَ یعنی کفر سے تعبیر فرمایا اب آئندہ آیت میں تقویٰ اور اعتصام بحبل اللہ یعنی اتفاق اور اتحاد اور اسلامی مواخات کا حکم دیتے ہیں۔ اور اتفاق اور اتحاد کا ایک دستور العمل بتلاتے ہیں وہ یہ کہ اول تقویٰ اور اسلام پر مداومت اور استقامت کا حکم دیا پھر اعتصام بحبل اللہ کا حکم فرمایا کہ سب مل کر اللہ کی رسّی کو مضبوط پکڑو پھر یہ ارشاد فرمایا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ الخ جس میں حکم دیا کہ اتفاق اور اتحاد کی نعمت کو یاد کرو۔

اور اس نعمت کو اور اس کی برکات کو یاد کر کے موازنہ کرو کہ پہلے تمہاری کیا حالت تھی اور اب کیا حالت ہے اور باہمی شقاق اور قتال میں کیا کیا مصیبتیں اور ذلتیں اٹھائیں اور اسلام کی بدولت جو تم کو اتفاق کی نعمت ملی اس میں تم کو کیا کیا راحتیں اور عزتیں ملیں چنانچہ فرماتے ہیں اے ایمان والو ڈرتے رہو اللہ سے جیسے چاہیئے اس سے ڈرنا جتنا تم سے ممکن ہو اس میں کوتاہی نہ کرو اور دشمنوں کے ورغلانے سے حسد اور فخر میں مت پڑو اور حاسدوں کے یاد دلانے سے گزشتہ عداوتوں کا خیال کر کے اسلامی اخوت اور مودت اور ایمانی محبت والفت کو مکدر نہ کرو اور سوائے اسلام کے اور کسی حالت پر ہرگز جان نہ دینا یعنی مرتے دم تک اسلام پر قائم رہنا۔ اسلام دین اور دنیا کی نعمتوں کا سرچشمہ ہے اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑے رہو۔ یعنی قرآن کریم اور دین اسلام اور شریعت کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہو جس طرح رسی کو پکڑ لینا اوپر سے گرنے سے بچاتا ہے اور نیچے سے اوپر تک پہنچنے کا ذریعہ بن جاتا ہے اسی طرح قرآن کریم اور دین اسلام کو مضبوط پکڑنا۔ بندہ کو خدا تک پہنچاتا ہے اور آگ میں گرنے سے بچاتا ہے اور خدا کی رسی اس قدر مضبوط ہے کہ ٹوٹ تو نہیں سکتی لاانفصام لہا۔ البتہ غفلت کی بنا پر ہاتھ سے چھوٹ سکتی ہے۔ غرض یہ کہ سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑو۔ اور متفرق اور پراگندہ مت ہو۔ یعنی خدا کی رسی پکڑنے والوں سے کبھی جدا اور علیحدہ نہ ہونا بلکہ ہمیشہ اُن کے ساتھ رہنا تاکہ تم بھی ان کے ساتھ مل کر خدا تک پہنچ جاؤ جو شخص خدا کی رسی کو چھوڑ دے گا وہ اوپر سے نیچے گرے گا اور خدا کی رسی پکڑنے والے اوپر پہنچ جائیں گے اور چھوڑنے والا ہلاکت اور ذلت اور حسرت کے گڑھے میں ہوگا اور یاد کرو تم اللہ کے اُس انعام اور احسان کو جو تم پر مبذول ہوا کہ جب تم اسلام سے پہلے ایک دوسرے کے دشمن تھے اور باہم برسر پیکار تھے پھر خدا نے تم کو اسلام کی توفیق دے کر تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی پس ہو گئے تم اللہ کے فضل سے بھائی بھائی اور برسوں کی عداوت مبدل بالفت ہو گئی یہ تو دنیوی نعمت ہوئی اب آئندہ آیت میں اُخروی نعمت کا ذکر فرماتے ہیں اور تم جہنم کے گڑھے کے کنارہ پر کھڑے تھے کہ جہنم میں جانے کے لیے صرف مرنے کی دیر تھی کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے بچا لیا یہ دینی اور اُخروی نعمت ہوئی کہ تم شرک اور بت پرستی اور گندے عقائد اور اعمال کی وجہ سے دوزخ کے کنارہ پر آ گئے تھے اس میں گرنے کے لیے صرف مرنے کی دیر تھی اگر تم اس وقت مر جاتے تو سوائے دوزخ کے کوئی ٹھکانہ نہ تھا ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدد کی کہ تمہیں اسلام کی توفیق دے کر دوزخ کے گڑھے سے بچا لیا پس تم اللہ کی نعمتوں کو یاد کر کے ان کی قدر کرو اور شکر کرو اور شکر وہی ہے کہ حبل اللہ کو مضبوط پکڑے رہو اور یہود کے اغواء سے اسلام کو نہ چھوڑو جس کی برکت سے تم کو یہ نعمتیں ملی ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنی نشانیاں بیان کرتا ہے تاکہ تم سیدھے راستہ پر چلتے رہو اور گمراہی کے گڑھے میں نہ گرو۔ اور جس طرح تم خدا کی رحمت سے گمراہی کے گڑھے سے نکل گئے ہو اسی طرح تم میں سے ایک ایسی جماعت ہونی چاہیئے کہ جو اپنے بھائیوں کو آگ کے گڑھے سے نکالنے کی کوشش

کرے جس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ دوسروں کو نیکی کی طرف بلائیں اور اچھے کاموں کی ہدایت کریں اور بُرے کاموں سے منع کریں اور ایسے ہی لوگ جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہیں مراد کو پہنچنے والے ہیں اور جو ایسا نہیں کرتے وہ سراسر نقصان اور خسارہ میں ہیں معروف وہ ہے جسکو شریعت اور کتاب و سنت پہچانتی ہو اور منکر وہ ہے جسکو شریعت کا علم نہ جانتا ہو کہ یہ کیا بلا ہے۔

ف گزشتہ آیتوں میں اللہ تعالےٰ نے اہل کتاب کے دو عیب بیان فرمائے۔ يَآ أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ اے اہل کتاب تم خود کیوں کفر کرتے ہو۔ دوم یہ کہ تم دوسروں کو کافر بنانے کی کیوں کوشش کرتے ہو۔ کما قال تعالیٰ يَآ أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللهِ الخ اہل کتاب کے ان دونوں عیبوں کے بیان کرنے کے بعد اس کے بالمقابل حق تعالےٰ مسلمانوں کو دو باتوں کا حکم دیتے ہیں اوّل یہ کہ تم خود تقویٰ اور اسلام پر قائم رہو دوم یہ کہ دوسروں کو خیر اور نیکی کی دعوت دو اور لوگوں کو راہ راست پر لانے کی کوشش کرو اور اُن لوگوں کے مشابہ اور مانند نہ بنو جو حق سے جدا ہو گئے اور اللہ کی رسی کو چھوڑ کر بہتّر فرقے بن گئے اور اختلاف کرنے لگے بعد اس کے کہ اُن کے پاس اللہ کی طرف سے صریح اور واضح احکام آچکے تھے یعنی خدا کی صریح آیتیں اور واضح ہدایتیں آجانے کے بعد اپنی نفسانی خواہشوں سے دین میں اختلاف ڈالا اور مختلف فرقے بن گئے جاننا چاہیئے کہ تفرق اور اختلاف وہ ممنوع اور منہی عنہ ہے جو شریعت کے ایسے صریح احکام میں جن میں کسی قسم کا اشتباہ نہ ہو ان میں اختلاف کرنے لگو اور اُس اختلاف کا منشا محض نفسانیت ہو ایسا اختلاف بلاشبہ ممنوع ہے البتہ جو امور اجتہادی ہوں اور شریعت میں اُن کا حکم صاف اور صریح نہ ہو اور ادلۂ شرعیہ بظاہر باہم متعارض معلوم ہوتی ہوں تو ایسے امور میں تحقیق حق کے لیے اختلاف کرنا ممنوع اور منہی عنہ نہیں بلکہ عین رحمت ہے صحابہ کرام اور پھر تابعین اور ائمہ مجتہدین کا کوئی اختلاف شریعت کے کسی صریح اور واضح حکم میں نہیں بلکہ وہ اجتہادی مسائل میں ہے جو ان میں سے صواب کو پہنچا اس کے لیے دو اجر ہیں اور جس سے کوئی اجتہادی خطا ہوئی اس کے لیے ایک اجر ہے حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اختلاف صحابہ و تابعین پر مستقل کتاب لکھی ہے اس کو دیکھ لیا جائے اور ایسے لوگوں کے لیے جو آیات بینات اور احکام واضحات کے آجانے کے بعد تفریق اور اختلاف کریں بڑا عذاب ہے اس لیے کہ آیات بینات کے بعد اختلاف کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ صریح اور واضح حکم پر اتفاق واجب اور لازم ہے تاویل کا محل آیات متشابہات ہیں یعنی جو آیات محتمل الدلالت ہیں ان میں تاویل اور توجیہ کی گنجائش ہے۔ اور جو آیات محکمات ہیں یعنی واضح الدلالۃ ہیں اور ان کی مراد واضح ہے ان میں تاویل نہیں چلتی اُس روز یعنی قیامت کے دن بعضے چہرے سفید اور روشن ہوں گے جنہوں نے دنیا میں نور حق کا اتباع کیا ہوگا اور دلائل اور براہین کی روشنی میں چلے ہوں گے اور بعضے چہرے سیاہ ہوں گے جنہوں نے دنیا میں باطل کی ظلمتوں اور نفسانی خواہشوں کا اتباع کیا ہوگا ہر ایک کو اس کے حال کے مناسب جزا ملے گی پس جن لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے ان سے بطور ملامت یہ کہا جائے گا کیا تم لوگوں نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا۔ یعنی آیات محکمات اور آیات بینات میں طرح طرح کی تاویلیں کی اور دین میں تفرقہ برپا کیا۔ بدعت چونکہ مظلم اور تاریک ہے اور اس کا

رنگ سیاہ ہے اس لیے اس ظلمت کے اتباع کرنے والوں کے چہرے سیاہ ہوں گے بدعت کی باطنی ظلمت اور سیاہی آنکھوں سے دکھلا دی جائے گی۔

ایک شُبہ اور اس کا ازالہ

شبہ یہ ہے کہ ایمان کے بعد کفر کرنے کا کیا مطلب ہے حالانکہ ان میں بعضے اصلی کافر بھی ہیں جو ایمان لانے کے بعد کافر نہیں ہوئے۔

جواب

علماء تفسیر نے اس شبہ کے مختلف جواب ذکر فرمائے ہیں بعض مفسرین یہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت منافقین کے بارہ میں نازل ہوئی اور معنی یہ ہیں کہ منہ سے کلمہ اسلام کا پڑھتے ہیں اور عقیدہ اسلام کے خلاف رکھتے ہیں اور بعض یہ کہتے ہیں کہ دعویٰ تو ایمان کا ہے اور عمل اس کے خلاف ہے۔ دعویٰ تو اتباع سنّت کا ہے مگر مبتلا بدعتوں میں ہیں اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ ایمان سے وہ ایمان مراد ہے جو عہد الست کے وقت لوگوں سے ربوبیت کا اقرار لیا گیا۔ بعد میں بعض اُس عہد پر قائم رہے اور بعض منحرف ہوگئے لہٰذا جو شخص بھی دنیا میں کفر کرتا ہے۔ وہ اس ایمان کے بعد ہی کرتا ہے۔ اور عکرمہؒ اور زجاجؒ یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت اہل کتاب کے بارہ میں ہے کہ قبل از بعثت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا اقرار کرتے تھے مگر بعثت کے بعد آپ کی رسالت کے منکر ہوگئے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت مرتدین کے حق میں ہے کہ ایمان لانے کے بعد کافر ہوئے اور حق یہ ہے کہ یہ آیت عام ہے اور علی حسب المراتب سب کفر کرنے والوں کو شامل ہے۔ قیامت کے دن تمام کافروں کے چہرے سیاہ ہوں گے کسی خاص کافر کی تخصیص نہیں۔

كما قال تعالٰى وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ
وقال تعالٰى وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن اُن تمام لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے جنہوں نے اللہ پر جھوٹ بولا ہے سو جاننا چاہیئے کہ سب کافر اللہ پر جھوٹ بولنے والے ہیں کوئی کافر ایسا نہیں جو اللہ پر جھوٹ نہ بولتا ہو اس لیے کہ ہر کافر اپنے دین باطل کو دین الٰہی جانتا ہے اور جو شخص سرے ہی سے خدا تعالٰی کے وجود کا منکر ہے وہ بھی اللہ پر جھوٹ بولتا ہے کہ اس کے بارہ میں ایک غلط اور جھوٹا اعتقاد رکھتا ہے۔

اور اگر آیت میں کفر سے عام معنی مراد لیے جائیں کہ کفر اعتقادی ہو یا عملی تو پھر اس آیت کے عموم میں اہل بدعت اور اہلِ ہویٰ مثل خوارج اور روافض وغیرہ بھی داخل ہوجائیں گے جیسا کہ امام رازیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ سے اس امت کے اہل بدعت اور اہل اہواء مراد ہیں (تفسیر کبیر صفحہ ۲۳ ج ۳)

اور رافضی اور خارجی سب اس کے عموم میں داخل ہیں جو راہ سنّت کو چھوڑ کر راہِ بدعت پر ہوئے پس چکھو تم عذاب کو بسبب اس کے کہ تم کفر میں اعتقاداً یا عملاً مبتلا ہو اور وہ لوگ جن کے چہرے قیامت کے

دن سفید اور روشن ہوں گے یعنی اہل سنّت والجماعت جنہوں نے اللہ کی رسی کو اسی طرح مضبوطی کے ساتھ پکڑا جس طرح اللہ کے نبی نے بتلایا اور جس طرح صحابہ کرام کی جماعت نے اُس رسّی کو پکڑا تھا کیونکہ یہی راہ نور مبین اور مشعل ہدایت ہے اس لیے اس کے پیروؤں کے چہرے قیامت کے دن سفید اور روشن ہوں گے ایسے لوگ اللہ کی رحمت میں ہوں گے اور ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ رحمت یعنی جنت میں داخل ہونا یہ بھی نعمت ہے اور اُس رحمت میں خلود اور دوام یہ دوسری نعمت ہے اس لیے دونوں نعمتوں کو الگ الگ ذکر کیا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ قیامت کے دن جن کے چہرے روشن اور سفید ہوں گے وہ اہل سنّت والجماعت کے چہرے ہوں گے۔ حافظ ابن کثیرؒ يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ کی تفسیر میں فرماتے ہیں یوم القیامۃ حین تبیض وجوہ اھل السنۃ والجماعۃ وتسود وجوہ اھل البدعۃ والفرقۃ قالہ ابن عباس رضی اللہ عنہما۔

(تفسیر ابن کثیر ص۳۹۰ ج۱)

جس درجہ شریعت کے تبع ہوں گے اسی درجہ کا چہرہ پُر نور ہو گا یہ اللہ کی نشانیاں ہیں یعنی قرآن اور اسلام اور آپ کی نبوت کی حقانیت کے دلائل ہیں جن کو ہم آپ کے سامنے پڑھ کر سناتے ہیں حق کے ساتھ یعنی ان کا مضمون بالکل حق ہے جس میں کسی قسم کا شبہ نہیں اب جو ان دلائل کو نہ مانے اور آپ کی نبوت کا قائل نہ ہو تو یہ اس کے فہم کا قصور ہے اور اللہ تعالےٰ جہان والوں پر ظلم کرنا نہیں چاہتا یعنی ہم نے کافروں اور حق سے تفرق اور اختلاف کرنے والوں کے لیے جو عذاب تیار کیا ہے وہ ظلم نہیں بلکہ وہ ان کے اعمال قبیحہ کی سزا ہے ہم تو ان پر رحمت ہی کرنا چاہتے ہیں لیکن وہ ہماری رحمت میں داخل ہونا ہی نہیں چاہتے۔ اور اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے یہ خدا تعالےٰ نے اپنے ظلم کے ارادہ نہ کرنے کی وجہ بیان فرمائی ہے مطلب یہ ہے کہ ظلم تو غیر کی ملک میں تصرف کرنے کا نام ہے اور عالم وجود میں کوئی شئے ایسی نہیں جو اس کی مخلوق اور مملوک نہ ہو پھر خدا ظلم کا ارادہ کیسے کر سکتا۔ ہاں تمام چیزوں کا اس کی ملک ہونا اس امر کو مقتضی ہے کہ وہ اپنی مملوک چیز میں جو چاہے تصرف کرے وہ ظلم نہیں بلکہ عین عدل ہے اور بالآخر تمام امور اللہ ہی کی طرف رجوع ہوں گے یعنی مخلوق کی ابتداء بھی اسی سے ہوئی کہ ہر چیز اسی کی پیدا کی ہوئی ہے اور اسی کی ملک ہے اور اسی پر سب کی انتہاء ہے کہ سب اُسی کی طرف لوٹائے جائیں گے اور بمقتضائے حکمت و رحمت ہر کام کی جزاء اور اجر اس کے مناسب دے گا۔ معاذ اللہ۔ خدا تعالےٰ ظالم نہیں۔ حکیم مطلق ہے اس کا کوئی کام ظلم نہیں بلکہ عین حکمت اور عین عدل اور عین رحمت ہے۔

لطائف و معارف

۱۔ اسلام سے مقصود یہ ہے کہ حق جل شانہٗ کی خوشنودی حاصل ہو جائے اور اُس کی ناراضی اور

عذاب سے نجات مِل جائے مگر آج کل کے عقلمند اسلام کی طرف محض قومیت کے خیال سے توجہ کرتے ہیں غرض صرف اس قدر ہے کہ ہماری ایک قوم بن جائے اور ہمارے اندر اس سے ایک اتفاق کی شان پیدا ہو جائے۔ دین مقصود نہیں جس کی دلیل یہ ہے کہ ان میں دینی اور مذہبی رنگ نہیں ورنہ اگر یہ جذبہ مذہب کے لحاظ سے ہوتا تو مذہبی اور دینی رنگ بھی ان میں ضرور پیدا ہوتا۔ کذا فی تسہیل المواعظ صے ج ۲۔ جیسے اس زمانہ کی دوسری قومیں اپنے مذہب کے ذریعہ اپنی جماعت تیار کر رہے ہیں یہ بھی انہیں کے قدم بقدم چلتے ہیں اور اسلام کے نام پر قوم تیار کرنا چاہتے ہیں جس کی بڑی علامت یہ ہے کہ ان لوگوں کو احکام شریعت سے کوئی واسطہ نہیں اور نہ آخرت کی فکر ہے۔ کذا فی تسہیل المواعظ صے ج ۲۔

۲۔ جاننا چاہیئے کہ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ میں جس اتفاق کا حکم دیا گیا ہے اُس سے حق پر متفق ہونا مراد ہے اور لَا تَفَرَّقُوْا میں جس تفرق کی ممانعت کی گئی ہے اُس سے تفرق عن الحق مراد ہے یعنی حق سے جدا مت ہونا چوروں اور اوباشوں میں بھی اتفاق ہوتا ہے۔ مگر وہ مطلوب نہیں حضرات انبیاء کرام اللہ تعالٰی کی طرف سے حق لے کر آئے باطل پرست ان کی جان کے دشمن ہو گئے اور ہر جگہ دو دو مذہب اور دو دو فریق بن گئے کیا کوئی متنفس یہ کہہ سکتا ہے کہ معاذ اللہ حضرات انبیاء کرام نے نا اتفاقی پھیلائی۔ حضرات انبیاء تو اتفاق ہی کی دعوت دینے کے لیے تشریف لائے مگر مقصود یہ تھا کہ باطل کو چھوڑ کر حق کے ساتھ متفق ہو جائیں مگر لوگوں نے معاملہ برعکس کیا ہر حکومت اتفاق کو فرض اور لازم سمجھتی ہے لیکن اُس کی مراد یہ ہوتی ہے کہ قانون حکومت کے ساتھ اتفاق کرو۔ قانون کے خلاف نہ کرو عدالتوں کا قیام اسی لیے ہے کہ اہل حق کا حق دلایا جائے اور ظالموں کو سزا دی جائے تفرقہ کا مجرم وہ شخص ہے جو قانونِ حکومت کے خلاف کرے اور جو شخص قانون حکومت کے مطابق چل رہا ہو اس کو نا اتفاقی کا مرتکب نہیں کہا جا سکتا۔ عدالت میں اگر کوئی شخص یہ دعوٰی کرے کہ فلاں شخص نے میرے مال یا آبرو پر یہ زیادتی کی ہے تو جج کو یہ حق نہیں کہ ظالم اور مظلوم دونوں کو یہ کہہ کر عدالت سے باہر نکال دے کہ تم دونوں ملک میں تفرقہ پھیلاتے ہو یا دونوں کی زبان بندی کا حکم دے دے عدالت اگر ایسا حکم دیدے تو یہ عدل نہ ہو گا خیر سے اگر عدالت کا جج کوئی مصلح قوم اور لیڈر بھی ہو تو بحیثیت جج ہونے کے یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں تمہارا دعوٰی نہیں سنتا جاؤ اختلاف نہ کرو متفق ہو کر رہو۔ تم لوگ میرا دماغ پریشان کرنے آئے ہو اس لیے میں تمہارا مقدمہ خارج کرتا ہوں۔ اسی طرح علماء کو سمجھو کہ وہ وکلاء کی طرح قانون شریعت کی صحیح تشریح کرتے ہیں اور ملحدین اور بے دین قانون شریعت میں ایسی تاویلیں اور تحریفیں کرتے ہیں جس سے قانون شریعت ان کی خواہشوں اور غرضوں کے مطابق بن جائے۔ علماء دین جب ان ملحدین کے ردّ اور جواب کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو بہت سے بے عقل یہ کہتے ہیں کہ علماء تفرقہ اور نا اتفاقی پھیلاتے ہیں یہ نہیں دیکھتے کہ جو شخص قانون حکومت کے ایسے عجیب و غریب معنی بیان کرے جو اب تک وزراء اور حکام اور وکلاء نے نہ سمجھے ہوں ایسا شخص حکومت کی نظر میں چالاک اور عیار ہے اور مجرم ہے اور جو شخص قانون کا وہ مطلب بیان کرے کہ جس معنی کی بناء پر عدالتوں کے ججوں نے فیصلے کیے ہیں وہ شخص نا اتفاقی اور تفرقہ کا مجرم نہیں

بلکہ وہ حق کے ساتھ متفق ہے۔

۳۔ آیت میں جو تفرق اور اختلاف کی مذمت اور ممانعت ہے اُس سے وہ اختلاف مراد ہے جو دین کے صریح اور واضح احکام میں محض نفسانیت کی بناء پر ہو اور اگر غیر منصوص اور ظنی مسائل میں محض تحقیق حق یعنی حق تلاش کرنے کے لیے ہو تو ایسا اختلاف مسلمانوں کے لیے رحمت ہے۔ حدیث میں ہے کہ بنی اسرائیل میں بہتّر فرقے ہوئے اور میری امت میں تہتّر فرقے ہوں گے جو سوائے ایک فرقہ کے سب کے سب جہنمی ہوں گے صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ وہ کون سا فرقہ ہوگا جو دوزخ سے محفوظ ہوگا۔

آپؐ نے ارشاد فرمایا ما انا علیہ واصحابی۔ وہ فرقۂ ناجیہ وہ فرقہ ہے جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقہ پر ہوگا۔

اہل سنت والجماعت کو اہل سنت والجماعت اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ فرقہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت اور طریقہ پر ہے اور جماعتِ صحابہ کے طریقہ پر بھی ہے جس طرح نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا راستہ اور طریقہ اللہ کے راستہ اور طریقہ سے جدا نہیں اسی طرح صحابہ کرام کا راستہ اور طریقہ نبی کریمؐ کے راستہ اور طریقہ سے جُدا نہیں صراط مستقیم وہ راستہ ہے جو اللہ نے قائم کیا اور اللہ کی ہدایت کے مطابق نبیین اور صدیقین اور شہداء اور صالحین اس پر چلے۔

۴۔ فرقۂ ناجیہ کے علاوہ مخالف فرقوں کی بڑی قسمیں یہ ہیں۔

خارجؔ۔ روافضؔ۔ قدریہؔ۔ جہمیہؔ۔ مرجئہؔ۔ جبریہؔ پھر ان میں سے ہر ایک فرقہ کی شاخیں ہیں۔ جو سب مل کر بہتّر ہوتی ہیں اور یہ تمام فرقے اور ان کی شاخیں سب فرق باطلہ میں داخل ہیں امام قرطبیؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ قال ابو الفرج الجوزی فان قیل ھذہ الفرق معروفۃ (فالجواب) انا نعرف الافتراق واصول الفرق وان کل طائفۃ من الفرق انقسمت الی فرق وان لم نحط باسماء تلک الفرق ومذاھبھا فقد ظھر لنا من اصول الفرق۔ الحروریۃ القدریۃ والجھمیۃ والمرجئۃ والرافضۃ والجبریۃ وقال بعض اھل العلم اصل الفرق الضالۃ ھذہ الفرق الست وقد انقسمت کل فرقۃ منھا اثنی عشرۃ فرقۃ فصارت اثنتین وسبعین فرقۃ (تفسیر قرطبی ص۱۶۰ ج۴)

اس کے بعد امام قرطبی نے تمام بہتّر فرقوں کی تفصیل فرمائی حضرات اہل علم تفسیر قرطبی کی مراجعت فرمائیں

۵۔ شاہ عبدالقادر صاحبؒ فرماتے ہیں کہ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں میں فرض ہے کہ ایک جماعت قائم رہے جہاد کرنے کو اور دین کی باتوں کا تقیّد رکھنے کو تاکہ دین کے خلاف کوئی نہ کرے اور جو اس کام پر قائم رہے وہی کامیاب ہیں اور یہ (طریقہ) کہ کوئی کسی سے تعرض نہ کرے موسیٰ بدین خود عیسیٰ بدین خود یہ راہ مسلمانی کی نہیں (منہ رحمہ اللہ تعالیٰ) کسی جمہوری اور متمدن حکومت میں یہ آزادی نہیں کہ لوگ قانون حکومت کے پابند اور مقید نہ رہیں اور جس کا جو چاہے وہ کر لیا کرے اسی طرح اللہ کے قانون میں یہ آزادی نہیں کہ جس حکم پر چاہے عمل کرو اور چاہے نہ کرو۔ عجیب بات ہے کہ مجازی حکومت کے احکام کی پابندی تو لازم ہو اور بندہ پر اپنے خدا کے احکام کی پابندی اور ان کی تبلیغ ضروری نہ ہو۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ

تم ہو بہتر سب امتوں سے جو پیدا ہوئے لوگوں میں حکم کرتے ہو

بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ

پسند بات پر اور منع کرتے ہو ناپسند سے اور ایمان لاتے ہو

بِاللّٰهِ ۭ وَلَوْ اٰمَنَ اَھْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّھُمْ ۭ

اللہ پر ۔ اور اگر ایمان میں آتے اہل کتاب تو ان کو بہتر تھا ۔

مِنْھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُھُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ لَنْ

کوئی ہیں ان میں ایمان پر ، اور اکثر وہ بے حکم ہیں ۔ وہ

يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ۭ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ

تمہارا کچھ نہ بگاڑیں گے، مگر ستانا ۔ اور اگر تم سے لڑیں گے تو تم سے پیٹھ

الْاَدْبَارَ ۣ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ

دیں گے ۔ پھر ان کو مدد نہ ہوگی ۔ ماری گئی ہے ان پر ذلت

اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ

جہاں دیکھے سوائے دست آویز اللہ کے اور دست آویز

النَّاسِ وَبَاۗءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ

لوگوں کے اور کما لائے غصہ اللہ کا اور ماری ہے ان پر

الْمَسْكَنَةُ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّھُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ

محتاجی ۔ یہ اس واسطے کہ وہ رہے ہیں منکر اللہ کی آیتوں سے

وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَاۗءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا

اور مارتے رہے نبیوں کو ناحق ۔ یہ اس سے کہ وہ بے حکم ہیں

وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ لَيْسُوْا سَوَآءً ؕ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ

اور حد سے بڑھتے ہیں ⁂ وہ سب برابر نہیں، اہل کتاب میں ایک

اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ

فرقہ ہے سیدھی راہ پر، پڑھتے ہیں آیتیں اللہ کی، راتوں کے وقت اور وہ

يَسْجُدُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ

سجدے کرتے ہیں ⁂ یقین لاتے ہیں اللہ پر اور پچھلے دن پر، اور حکم کرتے

بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ

ہیں پسند بات کو اور منع کرتے ہیں ناپسند سے اور دوڑتے ہیں

فِى الْخَيْرٰتِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَمَا يَفْعَلُوْا

نیک کاموں پر - اور وہ لوگ نیک بختوں میں ہیں ⁂ اور جو کریں گے

مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾

نیک کام، سو ناقبول نہ ہوگا - اور اللہ کو خبر ہے پرہیزگاروں کی ⁂

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِىَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ

اور وہ لوگ جو منکر ہیں، ان کو کام نہ آویں گے، ان کے مال، اور نہ

اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ

اولاد اللہ کے آگے کچھ - اور وہ دوزخ کے لوگ ہیں،

هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِىْ هٰذِهِ

وہ اس میں رہ پڑے ⁂ جو کچھ خرچ کرتے ہیں اس

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ

دنیا کی زندگی میں اس کی مثال، جیسے ایک باد (ہوا) اس میں پالا (سردی) وہ مار گئی کھیتی

قَوْمٍ ظَلَمُوٓا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ۭ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ

ایک لوگوں کی جنہوں نے اپنے حق میں بُرا کیا تھا پھر اس کو نابود کر گئی اور اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا،

اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۷﴾

پر اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں ۔

بیان خیریت اُمّت محمدیہ علیٰ صاحبہا الف الف

صلاۃ والف الف تحیۃ

قال تعالےٰ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ .... الیٰ .... وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ہ

(ربط) گزشتہ آیات میں مسلمانوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم تھا اب ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ اسی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی وجہ سے یہ امت تمام امتوں سے بہتر ہے۔ اور قوت علمیہ اور قوت عملیہ میں کامل اور مکمل ہے چنانچہ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ اور تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ میں قوت عملیہ کے کمال کی طرف اشارہ ہے اور تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ میں قوت نظریہ کے کمال کی طرف اشارہ ہے اور اسی لیے حدیث میں آیا ہے کہ اللہ کا ہاتھ جماعت (کے سر) پر ہے اور حدیث میں ہے کہ میری امت کبھی گمراہی پر متفق نہ ہوگی اسی وجہ سے تمام امت کا اتفاق ہے کہ اس امت کے علما کا اجماع حجت ہے۔ اللہ تعالےٰ نے اس امت کے اجماع کو عصمت عن الخطاٗ کا درجہ عطا فرمایا ہے علماء ربانیین فرداً فرداً تو معصوم نہیں۔ مگر اُن کا اجماع معصوم عن الخطاٗ ہے ہر عالم ربانی۔ علم میں انبیاء کرام کا وارث ہے مگر عصمت نبوی کی وراثت اجماع کو ملی افراد کو اس میراث سے حصہ نہیں ملا۔ یا یوں کہو کہ

شروع آل عمران میں نصرانیت کا ابطال اور اسلام کی حقانیت بیان فرمائی۔ اور پھر وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ الخ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا امام الانبیاء اور سید الرسل ہونا بیان کیا اور پھر اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ الخ میں اس امت کے قبلہ کی افضلیت

اور برتری بیان کی گئی اور پھر وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا میں اس امت کی کتاب اور شریعت کی برتری اور مضبوطی بیان فرمائی کہ وہ اللہ کی غایت درجہ مضبوط رسی ہے جس میں ٹوٹنے کا امکان نہیں البتہ غفلت کی بناء پر ہاتھ سے چھوٹ جانے کا امکان ہے اب اخیر میں اس امت مرحومہ کی افضلیت

اور برتری کا اعلان کیا جا رہا ہے کہ یہ امت تمام امتوں سے افضل اور اکمل ہے اور اگر اہل کتاب اس آخری کتاب اور آخری شریعت پر ایمان لے آئیں تو وہ بھی خیر الامم میں شامل ہو سکتے ہیں مگر افسوس کہ ان میں سے سوائے چند افراد کے اکثر نافرمان ہیں صرف عبد اللہ بن سلامؓ اور نجاشیؒ شاہ حبشہ جیسے سلیم الطبع چند افراد نے حق کو قبول کیا اور خیر الامم میں داخل ہوئے اور باقی اپنے تمرد اور عناد پر قائم رہے چنانچہ فرماتے ہیں اے مسلمانو تم سب امتوں سے بہترین امت ہو جو لوگوں کی نفع رسانی کے لیئے عدم سے وجود میں نکالی گئی ہے اور تمہارے بہترین امت ہونے کی وجہ یہ ہے کہ تم نیک کاموں کی ہدایت کرتے ہو جو شریعت کے نزدیک جانے پہچانے اور مستحسن ہیں اور برے کاموں سے روکتے ہو جو شریعت میں منکر یعنی ناپسندیدہ ہیں اور شریعت ان سے بیگانہ ہے اور تم اللہ پر ٹھیک ٹھیک ایمان رکھتے ہو یعنی امت محمدیہ کو تمام امتوں پر جو شرف اور فضیلت حاصل ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ امت اس صفت میں تمام امتوں سے ممتاز ہے توحید اور اخلاق فاضلہ کی تعلیم اور فواحش اور منکرات سے زجر و توبیخ کا جو اہتمام بلیغ اس امت میں ہوا امم سابقہ میں اس کی نظیر تو کیا اس کا عشر عشیر بھی نہیں کفر کا فتنہ دفع کرنے کے لیے اس امت میں جہاد شروع ہوا اور فواحش اور منکرات کے سدباب کے لیے حدود اور تعزیرات جاری کی گئیں اور اسی طرح ایمان باللہ میں بھی یہ امت تمام امتوں سے ممتاز ہے کہ خدا کی ذات و صفات کے اعتقاد کے بارہ میں غایت درجہ متوسط اور معتدل ہے اس امت کا ایمان تشبیہ و تمثیل کے فرث (گوبر) اور دم تعطیل کے درمیان۔ لبن خالص کی طرح ہے یہود و نصاریٰ کا ایمان دنیا کے سامنے ہے کہ حضرت عیسیٰؑ اور حضرت عزیرؑ کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں اور مخلوق کی صفات خالق کے لیے ثابت کرتے ہیں۔ سُبۡحٰنَهٗۤ اَنۡ یَّكُوۡنَ لَهٗ وَلَدٌ اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے اور اس نبی برحق کی تصدیق کرتے جس کو توریت اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں تو بلاشبہ ان کے حق میں بہتر ہوتا اس لیے کہ مسلمان ہو جانے سے وہ بھی خیر الامم یعنی بہترین امت ہونے میں مسلمانوں کے شریک ہو جاتے اور من جانب اللہ ان کو دُھرا اجر ملتا۔ کما قال تعالیٰ اُولٰٓئِكَ یُؤۡتَوۡنَ اَجۡرَهُمۡ مَّرَّتَیۡنِ لیکن ان کی تو کیفیت یہ ہے کہ ان میں سے کچھ لوگ تو ایمان دار ہیں اور اکثر ان میں بدکار ہیں۔ اور اسلام کے اور مسلمانوں کے دشمن ہیں۔ اور ہر وقت مسلمانوں کو ضرر پہنچانے کی فکر میں ہیں اس لیے آئندہ آیت میں مسلمانوں کی تسلی کے لیے ایک پیش گوئی فرماتے ہیں اے مسلمانو۔ یہ اہل کتاب تمہیں سوائے زبانی ایذا رسانی کے اور کسی قسم کا تم کو ہرگز گزند نہیں پہنچا سکیں گے۔ کتنی بڑی کوشش کریں ۔ مگر تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے اور اگر وہ زبان درازی سے زیادہ کچھ ہمت کر کے تم سے لڑیں گے تو تمہارے مقابلہ سے پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے پھر شکست کے بعد کہیں سے بھی ان کی مدد نہ ہو گی یعنی مقابلہ میں اُن کو کبھی فتح نہ ہو گی۔ یہ یہود کے مغلوب ہونے کی پیشین گوئی ہے جو بحمد اللہ حرف بحرف پوری ہوئی کہ جب کبھی یہود اور مسلمانوں میں لڑائی ہوئی یہود پشت پھیر کر بھاگے اور مسلمانوں کے مقابلہ میں کبھی اُن کو فتح نصیب نہیں ہوئی جس کی اصل وجہ یہ ہے کہ ان پر ذلت اور خواری کی مہر لگا دی گئی ہے جہاں کہیں بھی پائے جائیں گے ذلیل و خوار ہوں گے مگر اللہ کے

عہد و پیمان یا لوگوں کے عہد و پیمان کے ذریعے ذلت و خواری سے کچھ پناہ مل سکے گی لوگوں کے عہد و پیمان سے مراد یہ ہے کہ مسلمانوں سے کوئی معاہدہ یا صلح کریں یا مسلمانوں سے امن طلب کریں یا مسلمانوں کی رعیت بن کر رہیں اور جزیہ قبول کر کے مسلمانوں کی پناہ میں آجائیں تو اس وقت ان کے ساتھ یہ معاملہ نہ ہوگا بلکہ رعایا اور ذمی ہونے کی صورت میں اُن کے ساتھ وہی معاملہ ہوگا جو مسلمانوں کے ساتھ ہے۔

ف یہ معنی تو حَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ کے ہوئے اور حَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ کے معنی بعض علماء کے نزدیک تو وہی ہیں جو حَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ کے معنی بیان کئے گئے یعنی حَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ اور حَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ دونوں سے ایک ہی شئ مراد ہے اور یہ عطف تفسیری ہے اور بعض علماء کے نزدیک حَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ اور حَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ سے علیحدہ علیحدہ شئ مراد ہے بعض کہتے ہیں کہ حَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ سے اسلام یعنی مسلمان ہوجانا مراد ہے یعنی ذلت سے بچنے کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ اسلام لے آئیں اور اسلام لاکر اس ذلت سے بچ جائیں اگرچہ وہ اسلام ظاہری طور پر ہو اور دوسرا طریقہ ذلت سے نکلنے کا یہ ہے کہ مسلمانوں سے کوئی معاہدہ کر کے اپنی جان و مال کی حفاظت کرلیں اور بعض علماء کے نزدیک حَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ سے یہ مراد ہے کہ وہ کتابی راہب ہو کر گرجا میں گوشہ نشین ہو اور اپنی عبادت میں مشغول ہو اور مسلمانوں کے خلاف جنگ میں نہ تو شریک ہو اور نہ اعداء اسلام کو مشورہ دیتا ہو تو ایسے کتابی کے متعلق اللہ کا حکم یہ ہے کہ مسلمانوں کو چاہیئے کہ جہاد میں ایسے کتابی کو قتل نہ کریں جو راہب ہو اور اپنی عبادت میں مشغول ہو اور علیٰ ہٰذا اہل کتاب کے بچوں اور عورتوں کے متعلق بھی اللہ کا حکم یہ ہے کہ مسلمان جہاد میں کافروں کے بچوں اور عورتوں کو ہرگز نہ قتل کریں صرف ان لوگوں کو قتل کریں جو مسلمانوں سے برسرپیکار رہیں اور یہ عہد اور پیمان ان کو عند اللہ نافع اور مفید نہ ہوگا اس لیے کہ یہ لوگ اللہ کے غضب کے مستحق ہیں اور محتاجی اور خواری ان کو لازم کردی گئی اور یہ لوگ خدا کے غضب اور ذلت و مسکنت کے مورد اس لیے بنے کہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے۔ اور جان بوجھ کر نبیوں کو ناحق قتل کیا کرتے تھے اور اس کفر بآیات اللہ اور قتل انبیاء کا باعث یہ ہوا کہ یہ لوگ اللہ کی نافرمانی کرتے رہے اور حد سے آگے بڑھتے رہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دل سخت ہوگئے اور گناہوں کی کثرت سے نور ایمان بالکل جاتا رہا اس لیے اللہ کی آیتوں کے کفر اور پیغمبروں کے قتل پر آمادہ ہوگئے۔ گناہوں پر اصرار اور نافرمانی میں حد سے بڑھ جانا انسان کو کفر تک پہنچا دیتا ہے اور اس قسم کے لوگ اہل کتاب میں اگرچہ کثیر ہیں مگر سب اہل کتاب برابر اور یکساں نہیں ان بروں میں کچھ اچھے بھی ہیں اہل کتاب میں ایک جماعت ایسی بھی ہے جو حق پر قائم ہے جو اوقات شب میں اللہ کی آیتیں نمازوں میں پڑھتے رہتے ہیں اور وہ اللہ کو سجدہ کرتے ہیں اور دیر تک جبین نیاز زمین پر رکھتے ہیں تاکہ اللہ کا قرب حاصل ہو۔ اور قیام میں کلام خداوندی کے پڑھنے سے مناجات کی لذت حاصل ہو غرض یہ کہ ان کی نماز طولِ قیام اور طولِ سجود دونوں کی جامع ہوتی ہے اور اوقات شب میں عبادت کرنا دلیل اس امر کی ہے کہ یہ لوگ خدا تعالیٰ سے غافل نہیں۔ جس کی اصل وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ پر ٹھیک ٹھیک ایمان رکھتے ہیں۔ اللہ کی

توحید اور تفرید ان کے دلوں میں راسخ ہے اور نیز روزِ آخرت پر یقین رکھتے ہیں آخرت کا تصور اُن کی نظروں سے اوجھل نہیں ہوتا اس لیے وہ اللہ سے غافل نہیں ہوتے. اور پھر یہ کہ اُن کے انوار و برکات اُن کی ذات تک محدود نہیں رہتے بلکہ دوسروں کو بھی اچھے کاموں کی ہدایت اور بُرے کاموں سے ممانعت کرتے ہیں یعنی جس طرح وہ خود راہ راست پر ہیں اسی طرح یہ چاہتے ہیں کہ دوسرے بھی راہ راست پر آجائیں اور نہایت شوق و رغبت کے ساتھ نیک کاموں میں دوڑتے ہیں تاکہ سب سے سبقت۔لے جائیں اور یہی اور ایسے ہی لوگ نیک بختوں میں سے ہیں جو خدا کے غضب اور ذلت اور مسکنت سے محفوظ ہیں. یہ آیتیں عبداللہ بن سلامؓ اور ان کے ساتھیوں کے بارہ میں نازل ہوئیں اور ایسے لوگ جو بھی نیکی کریں گے خواہ وہ دوڑ کر کریں یا آہستہ رفتار سے سو ہرگز اُس کی ناقدری نہیں کی جائے گی بلکہ ایسے اہل کتاب کو دُگنا اجر ملے گا جیسا کہ قرآن کریم میں ہے أُولَٰئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُم مَّرَّتَيْنِ اور احادیث نبویہ میں صراحۃً آیا ہے کہ جو اہل کتاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں گے ان کو دو اجر ملیں گے اور اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے پس جب پرہیزگار اس کی رحمت اور عنایت سے محروم نہیں تو خیرات میں مسارعت کرنے والے کیسے اس کی عنایات بے غایات سے محروم رہ سکتے ہیں تحقیق جن لوگوں نے کفر کیا وہ اپنے اموال اور اولاد پر نظر کر کے یہ نہ سمجھیں کہ ہم تو اللہ کے محبوب ہیں. جن پر یہ انعامات ہوئے اور یہ فقراء مسلمین اللہ کے معتوب ہیں اس لیے کہ قیامت کے دن اللہ کے قہر اور غضب کے دفع کرنے میں ان کے مال اور اولاد ذرہ برابر کام نہ آئیں گے غضب خداوندی سے انسان کو بچانے والا صرف ایمان اور تقویٰ ہے اور مالی صدقہ و خیرات۔غضب خداوندی کو جب ہی بجھاتا ہے کہ جب وہ صدقہ ایمان باللہ اور ایمان بالیوم الآخر پر مبنی ہو اور اولاد بھی آخرت میں جب ہی کام آتی ہے کہ جب وہ خود بھی مؤمن ہو اور اپنے مسلمان ماں باپ کے لیے دعاء مغفرت کرے. کافر ماں باپ کے لیے مسلمان اولاد کی دعاء مغفرت بھی بے کار ہے اور ایسے لوگ جنہوں نے کفر کیا اور کفر پر مرے یہ دوزخی ہیں وہ ہمیشہ ہمیش اسی میں رہیں گے یہ لوگ کبھی دوزخ سے نہیں نکلیں گے البتہ جو گنہگار مسلمان گناہوں سے پاک کرنے کی غرض سے کچھ عرصہ کے لیے دوزخ میں ڈالے جائیں گے وہ ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہیں گے کچھ عرصہ کے بعد نکال لیے جائیں گے۔

ف حق جل شانہ نے ان آیات میں اُمت قائمہ کے جو اوصاف بیان فرمائے ہیں وہ اوصاف یہود کے بالکل متضاد اور مخالف ہیں اس لیے کہ یہود حق سے منحرف تھے رات دن غفلت میں مست تھے. شرک اور الحاد میں مبتلا تھے یوم آخرت پر بھی ان کا ایمان گڑبڑ تھا بُری باتوں کا حکم کرتے تھے اور اچھی باتوں سے روکتے تھے اور بجائے خیرات اور حسنات کے شرور اور معاصی کی طرف سبقت کرنے والے تھے اور بجائے صالحین کے طالحین میں سے تھے۔

کفّار کے نفقات اور صدقات کی مثال

اوپر کی آیتوں میں حق تعالےٰ نے یہ بیان کیا کہ قیامت کے دن کافروں کے مال ان کے کچھ کام نہ آئیں گے اس پر کسی کے دل میں یہ شبہ گذر سکتا تھا کہ بعض اوقات کافر اپنے مال سے نیک کاموں میں محتاجوں اور یتیموں اور مظلوموں کی مدد کرتے ہیں۔ صلہ رحمی کرتے ہیں پل اور سرائے کنواں بنواتے ہیں تو کیا اس قسم کے خرچوں سے کافروں کو قیامت کے دن کوئی نفع پہنچ سکتا ہے تو آئندہ آیت میں اس شبہ کا ازالہ فرماتے ہیں کہ اس قسم کے خرچوں سے بھی کافروں کو قیامت کے دن کوئی نفع نہیں پہنچ سکتا چنانچہ فرماتے ہیں کہ مثال اس چیز کی کہ جس کو یہ کفار دنیا کی اس فانی زندگی میں خرچ کرتے ہیں اس کی مثال اس ہوا کی ہے جس میں پالا یعنی ٹھہر ہو وہ جا لگی ہو ان لوگوں کی کھیتی کو جنھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہو پس وہ اس کھیتی کو تباہ اور برباد کر گئی ہو اسی طرح کافروں کے صدقات اور خیرات بمنزلہ باغ یا کھیت کے ہیں اور اُن کا کفر بمنزلہ پالے کے ہے پس جس طرح پالا کھیتی کو تباہ کر دیتا ہے اسی طرح ان کا کفر ان کے خیرات وصدقات کو برباد اور تباہ کرنے والا ہے قیامت کے دن اُن کو اس کھیتی سے کچھ بھی پلّے نہ پڑے گا اور اللہ نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا لیکن وہ اپنی جانوں پر خود ہی ظلم کرتے ہیں کہ کفر اور شرک کے پالے سے اپنی آخرت کی کھیتی خراب کی اور ضرورت کے وقت کفِ افسوس ملتے رہ گئے۔

فائدہ جاننا چاہیئے کہ پالے سے ظاہراً ظالم اور غیر ظالم سب ہی کی کھیتی تباہ اور برباد ہوتی ہے لیکن آیت میں جو مثال ذکر کی گئی ہے اس میں حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوٓا یعنی ظلم کی قید اس لیے بڑھائی کہ پالے سے دراصل کافر قوم ہی کی کھیتی تباہ اور برباد ہوتی ہے اور کامل نقصان کافر ہی کا ہوتا ہے بخلاف مسلمان کے کہ اگر اُس کی کھیتی پالے سے تباہ ہوتی ہے تو اُس کو اس مصیبت پر اور پھر اس مصیبت کے صبر پر اجر ملتا ہے اور اللہ کی طرف سے مؤمن کو جو اجر ملے گا وہ اس کھیتی سے لاکھوں درجے افضل ہوگا پس حقیقی اور کامل نقصان وہ ہے کہ جس کا کوئی بدل اور عوض نہ ہو اور ظاہر ہے کہ مسلمان کسی مصیبت میں اجر اور ثواب سے محروم نہیں رہتا۔ خلاصہ یہ کہ حق تعالےٰ نے جو ان کے صدقات وخیرات کو قبول نہیں کیا وہ اللہ کی طرف سے کوئی ظلم نہیں بلکہ انہوں نے خود اپنی جانوں پر ظلم کیا کہ اپنی صدقات وخیرات کے ساتھ کفر و شرک کو ملا لیا جس نے پالے کی طرح اُن کی تمام کھیتی کو تباہ و برباد کر ڈالا۔ اللہ تعالےٰ نے پہلے ہی بتلا دیا تھا کہ کفر اور شرک سے تمام اعمال حبط ہو جاتے ہیں۔

یٰٓاَیُّهَا	الَّذِیْنَ	اٰمَنُوْا	لَا	تَتَّخِذُوْا	بِطَانَةً
اے	ایمان	والو !	نہ	ٹھہراؤ	بھیدی اپنے

مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ؕ وَدُّوْا مَا

غیر کو ، وہ کمی نہیں کرتے تمہاری خرابی میں۔ ان کی خوشی ہے

عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۚۖ وَمَا

تم جس قدر تکلیف پاؤ نکلی پڑتی ہے دشمنی ان کی زبان سے۔ اور جو

تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ

چھپا ہے ان کے جی میں سو اس سے زیادہ ہم نے جتا دیئے تم کو پتے، اگر

كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ هٰۤاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا

تم کو عقل ہے ۔۔ سنتے ہو! تم لوگ ان کے دوست ہو اور وہ

يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ

تمہارے دوست نہیں، اور تم سب کتابوں کو مانتے ہو۔ اور جب تم سے ملتے ہیں

قَالُوْۤا اٰمَنَّا ۚۖ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ

کہتے ہیں ہم مسلمان ہیں۔ اور جب اکیلے ہوتے ہیں کاٹ کاٹ کھاتے ہیں تم پر انگلیاں

مِنَ الْغَيْظِ ؕ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ

دشمنی سے ۔ تو کہہ ۔ مرو تم اپنی دشمنی میں۔ اللہ کو معلوم ہے

بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۱۹﴾ اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ

جیوں کی بات ۔۔ اگر تم کو ملے کچھ بھلائی بری لگے

وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا ؕ وَاِنْ تَصْبِرُوْا

ان کو اور اگر تم پر پہنچے برائی خوش ہوں اس سے اور اگر تم ٹھہرے رہو

وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا

اور بچتے رہو کچھ نہ بگڑے گا تمہارا ، ان کے فریب سے، جو کچھ وہ کرتے ہیں

يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿١٢٠﴾

سب اللہ کے بس میں ہے ؎

تحذیرِ مؤمنین از اختصاص ارتباط با دشمنانِ دین

قال تعالیٰ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ ....الخ.... بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ○

(ربط) گزشتہ آیات میں مسلمانوں کی صفات اور کافروں کی ذمائم اور قبائح کا ذکر تھا اب ان آیات میں مسلمانوں کو ہدایت ہے کہ کافروں کے ساتھ خلا ملا نہ رکھو اور نہ ان کو اپنا راز دار بناؤ کافر تمہارے دین اور دنیا دونوں کے دشمن ہیں۔

یا یوں کہو کہ جب گزشتہ آیات میں یہ بیان کیا کہ کفر اور ظلم کی سرد ہوا نے ظالموں کے اعمال کی کھیتیوں کو تباہ و برباد کیا تو اب آئندہ آیت میں اہل ایمان کو نصیحت فرماتے ہیں کہ تم ان ظالموں سے خلط ملط نہ رکھنا۔ مبادا ان کے کفر اور ظلم کی سرد ہوا کا اثر تمہارے اعمال کی کھیتیوں کو کوئی نقصان نہ پہنچا دے چنانچہ فرماتے ہیں اے ایمان والو ایمان کا مقتضی یہ ہے کہ اپنے غیروں کو اپنا راز دار اور بھیدی نہ بناؤ یعنی غیر مسلموں کو اپنا ہمدم اور رفیق اور راز دار نہ بناؤ اور اس ممانعت کی متعدد وجوہ ہیں۔ اوّل تو یہ کہ یہ لوگ فتنہ انگیزی اور تمہارے تباہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے ہر وقت اسی کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ مسلمانوں میں باہمی کوئی خرابی اور فساد پیدا ہو دوّم یہ کہ ہر وقت اس کی تمنا کرتے ہیں کہ تم کسی تکلیف اور ضرر میں مبتلا ہو جاؤ ہر وقت تمہاری مصیبت کے خواہشمند رہتے ہیں یہ خواہش کبھی اُن کے دل سے زائل نہیں ہوتی۔ سوّم یہ کہ ان کے دل تمہاری عداوت سے لبریز ہیں کہ بعض مرتبہ دلی بغض اور اندرونی عداوت بلا اختیار ان کے منہ سے ظاہر ہو جاتی ہے بغض اور عداوت اس درجہ پہنچا ہوا ہے کہ اس کو ضبط نہیں کر سکتے اور نہ وہ ان کے چھپانے سے چھپ سکتا ہے اندر سے اچھل کر اور اُبل کر منہ پر آگیا ہے اور کھل گیا ہے۔ چہارم یہ کہ وہ بغض اور عداوت جو ان کے سینوں نے اپنے اندر چھپا رکھا ہے وہ اس سے کہیں زیادہ ہے کہ جو عداوت اُن سے ظاہر ہو جاتی ہے تمہیں معلوم نہیں کہ اُن کے سینوں کے اندر عداوت کتنی چھپی ہوئی ہے۔ تحقیق ہم نے تمہارے لیے صاف صاف نشانیاں بیان کر دی ہیں اگر تم کو عقل ہے تو سمجھ جاؤ کہ یہ تمہارے خیر خواہ نہیں بلکہ سخت دشمن ہیں ہرگز اس قابل نہیں کہ ان کو اپنا بطانہ یعنی دوست اور راز دار بناؤ۔ پنجم یہ کہ تم ایسے نادان اور غفلت شعار کیوں ہو کہ تم ان کو دوست رکھتے ہو اور وہ تمہیں دوست نہیں رکھتے پس اگر وہ تم سے بغض اور عداوت ہی نہ رکھتے تو فقط ان کا تم سے محبت نہ رکھنا یہ کافی تھا کہ ان کو بطانہ (راز دار) نہ بنایا جائے اس لیے کہ جس کو تم سے محبت نہ ہو اور نہ وہ تمہارا خیر خواہ تو اس کو اپنا راز دار

بنانا نادانی ہے اور چھٹی وجہ یہ ہے کہ تم اللہ کی سب کتابوں پر ایمان رکھتے ہو اور ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ تمہاری کتاب پر باوجود حقانیت کے ظاہر ہو جانے کے تمہاری ضد میں اس پر ایمان نہیں لاتے ان کو چاہیئے تھا کہ وہ تم سے محبت رکھتے کہ تم اللہ کی تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہو اور ان کی کتاب کا انکار نہیں کرتے مگر معاملہ برعکس ہوگیا کہ وہ تم سے بغض اور عداوت رکھتے ہیں پس ایسے لوگوں کو کیا اپنا دوست اور راز دار بناتے ہو ضدی اور بیچی آدمی کو راز دار بنانا سخت غلطی ہے اور ساتویں وجہ یہ ہے کہ ان کا برتاؤ اور معاملہ تم سے منافقانہ ہے مخلصانہ نہیں اس لیے کہ یہ لوگ جب تم سے ملتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں اور جب اکیلے ہوتے ہیں تو غیظ و غضب سے تم پر انگلیاں کاٹتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جب اپنے مجمع میں اکیلے ہوتے ہیں اور کوئی مسلمان وہاں نہیں ہوتا تو مسلمانوں کے جوش عداوت میں غصہ میں آکر دانتوں سے انگلیاں کاٹنے لگتے ہیں مسلمانوں کی دن دونی رات چوگنی قوت و شوکت اور باہمی اتحاد اور الفت اُن سے برداشت نہیں ہوتی اس لیے اپنے مجمع میں اس دلی عداوت کا اظہار کرتے ہیں۔ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان سے کہہ دیجیے کہ تم اپنے اس غصے میں گلا گھونٹ کر اسی طرح جلتے اور مرتے رہو اور یوں ہی عمر بسر کرتے رہو یہ غصہ مرتے دم تک تمہارے ساتھ رہے گا۔ اور اس غیظ و غضب سے تم اسلام اور مسلمانوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اللہ تعالٰے اپنے دوستوں پر نعمتیں پوری کریگا۔ تمہارا غصہ اور حسد بیکار ہے ؎

بمیر اے از حسد پیوستہ غمگین کہ جز مرگت نخواہد داد تسکین

تحقیق اللہ تعالٰے سینوں کی باتوں کو خوب جانتا ہے اور دشمنوں کے دلوں کی پوشیدہ باتیں اپنے دوستوں کو بتلا دیتا ہے اور آٹھویں وجہ یہ ہے کہ اُن کی عداوت اور حسد کا یہ حال ہے کہ اے مسلمانو اگر تم کو ذراسی کوئی بھلائی چھو بھی جائے تو انہیں بہت ہی بُری لگتی ہے سمجھ لو کہ اُن کا حسد اس درجہ پہنچا ہوا ہے اور نویں وجہ یہ ہے کہ اگر تمہیں کوئی برائی یا تکلیف پہنچے تو اس سے وہ خوش ہوتے ہیں یہ ان کی شماتت کا حال ہے اور دسویں وجہ یہ ہے کہ وہ اندرونی طور پر تمہارے خلاف سازشوں میں سرگرم ہیں جس کا علاج یہ ہے کہ اگر تم صبر اور تقویٰ پر قائم رہو یعنی ان کی ایذاؤں پر صبر کرو اور ان کی موالاۃ اور بطانہ بنانے سے پرہیز کرو تو تم کو ان کا فریب کچھ نقصان نہیں دے گا۔ اللہ تعالٰے ان کے اعمال کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔ ان کے مکر کا ضرر اور اثر تم تک پہنچنے نہیں دیں گے اور اگر کسی جگہ کافروں سے تم کو کوئی ضرر پہنچے تو سمجھ لو کہ یہ صبر اور تقویٰ کی کمی کی وجہ سے پہنچا ہے۔ خدا تعالٰے سے معاملہ درست رکھو تو پھر کافروں نے جو راستہ میں کانٹے بچھائے ہیں وہ سب کے سب خود بخود صاف ہو جائیں گے۔

خلاصہ کلام یہ کہ جس قوم کی عداوت کا یہ حال ہو اس سے کیا خیر خواہی کی توقع ہو سکتی ہے کہ جو اس سے دوستی کی جائے اور اس کو اپنا راز دار بنایا جائے۔

فائدہ فقہاء کرام نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ مسلمان حاکم کے لیے یہ جائز

نہیں کہ اہل ذمہ میں سے کسی کافر کو اپنا منشی اور پیشکار بنائے اس لیے کہ وہ کافر مسلمانوں کا خیرخواہ نہ ہوگا اور اسلامی حکومت کے راز اور امور مملکت سے اپنی ہم قوم حکومت کو مطلع کرے گا۔ بلکہ جن مسلمان وزیروں اور امیروں نے کسی غیر مسلم عورت سے نکاح کر لیا یا اس کو اپنے گھر میں رکھ لیا تو پھر اسلامی حکومت کے راز غیر مسلموں پر ظاہر ہوئے اور اسلامی حکومت کو شدید نقصان پہنچا اور ان غیر مسلم عورتوں نے مسلمان شوہر سے زائد اپنے ہم مذہب کافروں کی مصلحت کا لحاظ رکھا جیسا کہ تجربہ اور تاریخ اس کی شاہد ہے۔ اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا بھی یہی مسلک تھا کہ وہ غیر مسلم منشی اور پیشکار بنانے کو ناپسند فرماتے تھے۔ اور اسی آیت سے استدلال فرماتے تھے۔

تنبیہ شریعت اسلامیہ کا یہ حکم کہ غیر مسلم کو اپنا دوست اور رازدار نہ بنایا جائے اور امور مملکت میں اس کو دخیل نہ بنایا جائے عین حق اور عین حقیقت ہے یہ امر بالکل بدیہی ہے کہ غیر مذہب والا اپنے مذہب اور اپنے اہل مذہب ہی کی خیرخواہی کرتا ہے دوسرے اہل مذہب کی خیرخواہی نہیں کرتا۔ تمام مغربی ممالک کو دیکھ لیجئے کہ وہ کبھی بھی کسی مسلمان کو وزارت اور سفارت کا منصب سپرد نہیں کرتے مگر افسوس کہ آج کل کے نام نہاد مسلمان جب اس قسم کا حکم سنتے ہیں تو اس کو تعصب اور تنگ نظری سمجھتے ہیں حالانکہ اگر ان کو اپنے حقیقی بھائی کی خیرخواہی پر اطمینان نہ ہو تو اس کو بھی اپنا بطانہ (رازدار) بنانا گوارا نہیں کرتے مگر جب خدا یہ فرماتا ہے کہ اے مسلمانو۔ جو شخص اسلام کا اور مسلمانوں کا خیرخواہ نہ ہو بلکہ ان کا دشمن اور حاسد ہو اس کو اسلامی حکومت میں کوئی عہدہ اور منصب نہ دو۔ تو یہی لوگ خدا تعالےٰ کے اس قانون پر نکتہ چینی کرنے لگتے ہیں۔

تمام دنیا کی حکومتوں کا یہ مسلّم قانون ہے کہ حکومت میں۔ حکومت کے باغی کو کوئی عہدہ اور منصب نہیں دیا جاسکتا۔ باغی کو عہدہ دینا۔ سیاسیات ملکیہ میں بالاجماع حرام ہے پس اگر اسلام یہ کہتا ہے کہ اسلامی حکومت میں ایسے شخص کو کہ جو اسلام سے باغی ہو یعنی کافر ہو اس کو کوئی عہدہ اور منصب نہ دو تو اس پر کیوں ناک منہ چڑھاتے ہیں اپنے باغی کے لیے عہدہ دینا تو ناجائز اور حرام ہو۔ اور خدا تعالےٰ کے باغی اور سرکش کے لیے عہدہ دینا جائز ہو جس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کا باغی تو مجرم ہے اور خدا کا باغی بے قصور ہے تو اس کا مطلب تو یہ نکلا کہ معاذ اللہ آپ کی شان خداوند دوجہاں سے بڑھ کر ہے کہ اگر کوئی شخص آپ کی فانی اور مجازی حکومت سے انحراف اور بغاوت کرے تو وہ قتل اور حبس دوام کا مستحق بنے اور احکم الحاکمین سے اگر بغاوت (کفر) کرے تو اس کو وزیر بنانے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں یہ وسعت قلب نہیں بلکہ بے غیرتی ہے۔

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ

اور جب فجر کو نکلا تو اپنے گھر سے بٹھانے لگا مسلمانوں کو لڑائی کے

لِلْقِتَالِ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۱﴾ اِذْ هَمَّتْ طَّاۗىِٕفَتٰنِ

ٹھکانوں پر ۔ اور اللہ سنتا جانتا ہے ۔ جب قصد کیا دو فرقوں نے

مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ۭ وَعَلَي اللّٰهِ

تم میں کہ نامردی کریں ، اور اللہ مددگار تھا ان کا اور اللہ ہی

فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

پر چاہیئے بھروسا کریں مسلمان ۔

قصۂ احد

قال اللہ عزوجل وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَھْلِكَ ..... الے ... فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۔

(ربط) گزشتہ آیات میں یہ ارشاد فرمایا تھا وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُھُمْ شَيْـــًٔا کہ اگر تم صبر کرو اور تقویٰ پر قائم رہو تو دشمنوں کا مکر تم کو ضرر نہ پہنچائے گا اب آئندہ میں قصۂ احد کو یاد دلاتے ہیں کہ اس میں تم نے صبر اور تقویٰ سے کام نہ لیا اس لیے تم کو شکست ہوئی بخلاف بدر کے کہ اس میں تم نے صبر اور تقویٰ کو اختیار کیا اس لیے باوجود بے سروسامانی کے تم کو فتح ہوئی۔ یا یوں کہو کہ گزشتہ آیات میں کافروں اور منافقوں کو رازدار بنانے کی ممانعت تھی اب ان آیات میں جنگ اُحد کے واقعہ کو ذکر کرکے کافروں اور منافقوں کے رازدار اور شریک مشورہ بنانے کے مضر نتیجہ سے آگاہ فرماتے ہیں اس لیے کہ اس لڑائی کے مشورہ میں عبداللہ بن ابی ابن سلول بھی شامل تھا جس کے ہمراہ تین سو آدمی تھے اولاً آپ کے ہمراہ نکلا اور پھر بعد میں اپنی جمعیت کو لے کر راستہ سے یہ کہہ کر واپس ہوگیا کہ یہ لڑائی نہیں بلکہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے اگر ہم اس کو واقعی جنگ سمجھتے تو آپ کے ساتھ شرکت کرتے ان کی دیکھا دیکھی انصار کے قبیلۂ خزرج میں کے بنو سلمہ اور قبیلۂ اوس میں کے بنی حارثہ نے بھی بھاگنے کا ارادہ کیا مگر اللہ تعالیٰ نے اُن کے دل مضبوط کر دیئے اور وہ میدان جنگ میں قائم رہے ان کے بارہ میں یہ آیتیں نازل ہوئیں چنانچہ فرماتے ہیں اور یاد کرو اُس وقت کو کہ جب آپ جہاد و قتال کے لیے اپنے اہلِ خانہ یعنی عائشہ صدیقہؓ کے حجرہ سے برآمد ہوئے اور زرہ پہن کر باہر تشریف لے آئے اور مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو لڑائی کے ٹھکانوں پر بٹھلا دیں چنانچہ آپ اسی ارادہ سے مسلمانوں کی جمعیت کو لے کر روانہ ہوئے ۔ راستہ میں سے رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی تقریباً تین سو

آدمیوں کی جمعیت ساتھ لے کر راستہ سے یہ کہتا ہوا واپس ہو گیا کہ جب میرا مشورہ نہ مانا اور دوسروں کی رائے پر عمل کیا تو ہمیں لڑنے کی کیا ضرورت ہے خواہ مخواہ اپنے کو کیوں ہلاکت میں ڈالیں یہ اس کی ایک چالاکی تھی کہ لشکر اور مسلمان بھی متزلزل ہو جائیں اور اللہ سُن رہے تھے اُس کے قول کو اور خوب جانتے تھے اس کے کید اور مکر کو کہ جس سے قریب تھا کہ بعض اہل ایمان بھی ہلاکت میں پڑ جائیں جس وقت کہ تم میں کی یعنی مسلمانوں میں کی دو جماعتوں نے یعنی بنو سلمہ اور بنو حارثہ نے یہ قصد کیا کہ ہمت ہار دیں اور اُن کے دل میں یہ خطرہ گزرا کہ عبداللہ بن ابی کی طرح وہ بھی راستہ سے واپس ہو جائیں مگر حق تعالیٰ نے ان کو اس جُبن اور نامردی سے محفوظ رکھا اور اللہ تعالیٰ ان کا کارساز اور مددگار تھا اسی کی عنایت اور کارسازی نے بنو سلمہ اور بنو حارثہ کو اس قصد سے محفوظ رکھا اور اللہ ہی پر تمام اہل ایمان کو بھروسہ کرنا چاہیئے نہ تو اپنی قوت پر اعتماد کرو اور نہ دشمن کی قوت اور کثرت سے خوف زدہ ہو جاؤ۔ غزوۂ بدر تم دیکھ چکے ہو کہ قریش کی قوت اور کثرت تین سو متوکلین کے مقابلہ میں کچھ بھی کارآمد نہ ہوئی۔

فائدۂ جلیلہ آیت مذکورہ وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ میں. اہل سے باجماع مفسرین و محدثین و علماء سیرت حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرہ سے نکلنا مراد ہے جس سے حضرت عائشہ صدیقہؓ کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے وہ یہ کہ حضرت عائشہؓ طاہرہ اور مطہرہ اور سرتاپا عمل صالح تھیں اس لیے کہ خداوند علام الغیوب نے حضرت عائشہ کو نبی اکرم ؐ کا اہل فرمایا اور اللہ کے رسولؐ کا اہل وہی ہو سکتا ہے جو سرتاپا عمل صالح ہو اور نوح علیہ السلام کے بیٹے کو نوح علیہ السلام کے اہل سے اسی لیے خارج کیا گیا کہ اس کے اعمال صالح نہ تھے۔

(کما قال تعالیٰ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ)

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ

اور تمہاری مدد کر چکا ہے اللہ بدر کی جنگ میں، اور تم بے مقدور تھے۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ تَقُوْلُ

سو ڈرتے رہو اللہ سے شاید تم احسان مانو جب تو کہنے لگا

لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ

مسلمانوں کو، کیا تم کو کفایت نہیں؟ کہ تمہاری مدد بھیجے۔

رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ

رب تمہارا، تین ہزار فرشتے، آسمان سے

مُنْزَلِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ

اُترے ہوئے ۔ البتہ اگر تم ٹھہرے رہو اور پرہیزگاری کرو اور وہ آویں

مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ

تم پر اسی دم ، تو مدد بھیجے تمہارا رب ، پانچ ہزار

مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا

فرشتے پلے ہوئے گھوڑوں پر ۔ اور یہ تو اللہ نے تمہارے دل

بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ۗ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا

کی خوشی کی اور تا تسکین ہو تمہارے دلوں کو۔ اور مدد ہے نری اللہ

مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۱۲۶﴾ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ

کے پاس سے جو زبردست ہے حکمت والا ۔ تا کاٹ ڈالے بعضے

الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ ﴿۱۲۷﴾

کافروں کو ، یا ان کو ذلیل کرے کہ پھر جاویں نامراد ۔

تذکیر بقصہ بدر

برائے اظہار تاثیرِ توکل و تقویٰ و صبر

قال اللہ تعالیٰ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ .... الیٰ .... فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ ٥

اب قصہ احد کے بعد کچھ قصہ بدر کو ذکر کرتے ہیں کہ اس غزوہ میں جو بے مثال فتح و نصرت ظہور میں آئی وہ ظاہر اسباب میں توکل اور تقویٰ اور صبر کی برکت تھی چنانچہ فرماتے ہیں اور البتہ تحقیق مدد کی تمہاری اللہ تعالیٰ نے جنگ بدر میں حالانکہ تم اس وقت بے سروسامان تھے اور دشمنوں کی نظر میں ذلیل اور خوار تھے اور ظاہر اسباب میں دشمنوں کے مقابلہ میں تمہارا ٹھہرنا اور ان پر فتحیاب ہونا ناممکن تھا مگر چونکہ اس بے سروسامانی میں تمہاری نظر خداوندِ ذوالجلال پر تھی اس لیے خدا نے

تم کو عزت و رفعت دی ۔

ہر کجا پستی است آب آنجا رود ہر کجا دردے دوا آنجا رود

پس تم اللہ سے ڈرو اور اس کی قوت اور قدرت پر نظر رکھو اپنی قلت اور دشمن کی کثرت کو دیکھ کر مت گھبراؤ ہم نے اپنی خاص امداد کی نعمت سے تم کو قوی کر دیا تاکہ تم اللہ کی اس تقویت اور نصرت اور اعانت کی نعمت کا شکر کرو کہ دم کے دم میں ضعیف کو قوی اور قوی کو ضعیف بنادیا یاد کرو اس وقت کو کہ جب آپ یعنی اے نبی کریم اہل ایمان کی تقویت قلوب کے لیے یہ کہہ رہے تھے کیا یہ کفایت نہیں کرے گا کہ تمہارا پروردگار تین ہزار فرشتوں سے تمہاری امداد کرے گا جو آسمان سے خاص تمہاری امداد کے لیے اتارے جائیں ہاں کیوں نہیں یہ مقدار ضرور کافی ہوگی پھر مزید تقویت کے لیے اور مزید امداد کا وعدہ فرمایا بشرطیکہ صبر اور تقویٰ پر قائم رہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ اگر تم صبر اور پرہیزگاری پر قائم رہو اور تمہارے دشمن ایک دم تم پر آپہنچیں تو ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ تمہاری ایسے پانچ ہزار فرشتوں سے امداد کرے گا جو خاص نشان اور خاص علامت لگائے ہوئے ہوں گے۔ جس سے معلوم ہوگا کہ یہ اللہ کی خاص فوج ہے جو خاص بندوں کی امداد کے لیے بھیجی ہے لہذا تم دشمنوں کی ناگہانی فوج کو دیکھ کر ہرگز نہ گھبرانا ہماری خاص فوج تمہاری امداد کے لیے تیار ہے اور نہیں بنایا اللہ نے اس امداد کو مگر تمہاری خوشخبری کے لیے اور اس لیے کہ تمہارے دلوں کی تسکین ہو کر دشمن کی قوت اور کثرت کو دیکھ کر گھبرا نہ جائیں ورنہ اس کی حاجت نہ تھی اس لیے کہ فتح اور نصرت حقیقت میں صرف اللہ کی جانب سے ہے جو غالب اور حکمت والا ہے وہ اگر چاہیں تو بلا اسباب اور بلا فرشتوں کے بھی فتح و نصرت عطا فرما سکتے ہیں حق تعالیٰ نے ایسا اس لیے فرمایا کہ کافروں کی ایک جماعت کو ہلاک کرے چنانچہ ۷۰ کافر جنگ بدر میں مارے گئے یا کافروں کی ایک جماعت کو ذلیل اور خوار کرے پس وہ ناکام اور نامراد ہو کر اپنے شہروں کی طرف واپس جائیں چنانچہ ستر کافر قید ہوئے اور باقی خائب و خاسر یعنی اپنی جگہ واپس ہوئے۔

ف کلمہ اَوْ یَکْبِتَھُمْ میں تقسیم کے لیے ہے تردید کے لیے نہیں مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے تمہاری مدد فرمائی تاکہ کافروں کا ایک گروہ ہلاک اور جہنم رسید ہو اور باقی ماندہ گروہ ذلیل و خوار اور ناکام اور نامراد واپس ہو۔

فائدہ جنگ بدر میں حق جل شانہ نے تین وعدے فرمائے اول ایک ہزار فرشتوں کا وعدہ فرمایا جس کا ذکر سورۃ انفال میں ہے اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ چونکہ بدر میں کفار کی تعداد ایک ہزار تھی اس لیے اس کے مناسب ایک ہزار فرشتوں کا وعدہ فرمایا پھر مسلمانوں کی پریشانی دور کرنے کے لیے تعداد تگنی کر دی گئی یعنی چونکہ کفار کی تعداد مسلمانوں سے تگنی تھی اس لیے تین ہزار فرشتوں کی امداد کا وعدہ فرمایا یہ دوسرا وعدہ ہوا بعد ازاں جب مسلمانوں کو یہ خبر پہنچی کہ کرز بن جابر مشرکین کی امداد کے لیے

ایک بڑی بھاری فوج لے کر آرہا ہے تو مسلمانوں میں ایک جدید اضطراب پیدا ہوگیا اس وقت اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی تسکین اور تقویت قلوب کے لیے یہ وعدہ فرمایا کہ اگر کافر تم پر ٹوٹ پڑیں تو ہم پانچ ہزار فرشتے تمہاری مدد کو بھیج دیں گے بشرطیکہ تم صبر اور تقویٰ پر قائم رہو اس لیے علماء کا اس تیسرے وعدہ کے بارہ میں اختلاف ہے کہ یہ پانچ ہزار کا وعدہ واقع ہوا یا نہیں شعبیؒ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ واقع نہیں ہوا اس لیے کہ یہ وعدہ ایک شرط کے ساتھ مشروط تھا وہ یہ کہ يَأْتُوكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ کہ کافر تم پر ٹوٹ پڑیں اور چونکہ کرزبن جابر کا گروہ نہیں آیا اس لیے وہ شرط نہیں پائی گئی اس لیے وہ مشروط وعدہ شرط کے نہ پائے جانے کی وجہ سے واقع نہیں ہوا اور بعض علماء کا قول ہے کہ پانچ ہزار فرشتے نازل ہوئے۔ يَأْتُوكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ سے مقصود، تعلیق اور شرط نہ تھی بلکہ محض تاکید اور مبالغہ مقصود تھا۔

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ

تیرا اختیار کچھ نہیں ، یا ان کو توبہ دیوے یا

يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَٰلِمُونَ ﴿١٢٨﴾ وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَٰوَٰتِ

ان کو عذاب کرے کہ وہ ناحق پر ہیں ۔ اور اللہ کا مال ہے، جو کچھ آسمان

وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ يَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ

اور زمین میں ہے ۔ بخشے جس کو چاہے اور عذاب کرے

مَن يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٢٩﴾

جس کو چاہے، اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے ۔

رجوع بقصۂ اُحد

قال اللہ تعالیٰ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ ... الیٰ ... وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ه

غزوہ اُحد میں جب آپؐ کا دندان مبارک شہید ہوا تو آپؐ نے فرمایا کہ وہ لوگ کیسے فلاح پا سکتے ہیں جنہوں نے اپنے پیغمبر کے چہرہ کو زخمی کیا ہو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی بخاری کی روایت میں ہے کہ آپ نے چند کفار کے لیے جنہوں نے مسلمانوں کو شہید کیا تھا نام بنام صبح کی نماز میں بدعا

اور لعنت شروع فرمائی اس پر آیت نازل ہوئی (اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم) آپ کو اس کام میں کچھ اختیار نہیں لعنت اور رحمت اور ہدایت اور ضلالت سب اسی کے اختیار میں ہے وہ جو چاہے کرے یا تو ان پر توجہ فرمائے کہ ان کو توبہ کی توفیق دے اور جو لوگ آج آپؐ کے اور آپ کے دین کے دشمن ہیں وہ کل کو خدا کی قدرت اور مشیت سے آپؐ کے عاشق جانثار اور دین اسلام کے محافظ اور پاسبان بن جائیں یا ان کو اللہ تعالےٰ عذاب دے دنیا میں یا آخرت میں کہ دنیا میں قتل ہوں اور کفر پر جمے رہیں اور کفر ہی پر مریں اور دوزخ کا ایندھن بنیں کیونکہ تحقیق یہ لوگ بڑے ظالم ہیں ایسی ہی سزا کے مستحق ہیں لہٰذا آپؐ اُن پر بددعا نہ کریں چونکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ ان میں کے اکثر افراد آئندہ چل کر مشرف باسلام ہوں گے اس لیے یہ آیت نازل ہوئی آپؐ نے ان پر بددعا کرنی چھوڑ دی اور اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور مالک کو اختیار ہے کہ جس کو چاہے معاف کرے اور جس کو چاہے عذاب دے کوئی شئے اس پر واجب نہیں اور اللہ تعالےٰ بڑا بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے اُس کی رحمت اُس کے غضب پر غالب ہے لہٰذا تم بددعا میں عجلت نہ کرو چنانچہ اللہ کی رحمت اور مغفرت غالب آئی اور آپؐ کے دشمنوں کو اسلام کی ہدایت ہوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر حق جل شانہٗ کی محبت اور کفر و شرک کی عداوت کا غلبہ تھا اس لیے آپ دشمنانِ خدا پر لعنت فرماتے مگر پردہ قضاء و قدر میں کیا مستور ہے اس کا آپ کو علم نہ تھا۔ اس لیے حکم نازل ہوا کہ آپ ان پر لعنت نہ فرمائیں عنقریب یہ لوگ دین کے خدمت گار اور جان نثار بنیں گے۔

فائدہ (۱) اس آیت کے شان نزول میں مختلف روایتیں ہیں ایک روایت میں ہے کہ اُحد کی لڑائی میں جن لوگوں نے آپؐ کو زخمی کیا اور آپ نے اُن کے حق میں بددعا کی اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور ایک روایت میں ہے کہ جب قبیلۂ رعل اور ذکوان نے ستر صحابہ کو شہید کر ڈالا جس کو واقعۂ بیر معونہ کہتے ہیں جب آپؐ نے ان قبائل پر بددعا کی تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور امام احمدؒ اور امام بخاریؒ کی روایت میں ہے کہ آپ صبح کی نماز میں قومہ کے بعد دوسری رکعت میں یہ دعا کرتے اے اللہ لعنت کر۔ صفوان بن امیہ پر اور لعنت کر سہیل بن عمرو پر اور لعنت کر حارث بن ہشام پر اور چند قریش کے سرداروں کے نام لے کر بددعا فرماتے اس پر یہ آیت نازل ہوئی حافظ عسقلانی فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ یہ واقعات اُحد ہی کے سال میں پیش آئے اور بیر معونہ کا واقعہ احد کے چار ماہ بعد صفر ۴ھ میں پیش آیا اس لیے یہ کہنا صحیح ہے کہ اس آیت کا نزول ان تمام واقعات میں ہوا۔

فائدہ (۲) حق جل شانہٗ کے دو انتظام ہیں ایک تشریعی اور ایک تکوینی تشریعی انتظام کا تعلق انبیاء کرام سے ہے اور تکوینی انتظام کا تعلق ملائکہ سے ہے یعنی

قضاء و قدر کے حکم کے مطابق انتظام ہوتا ہے اور خضر علیہ السلام کے انتظام کا تعلق بھی امورِ تکوینیہ سے ہے اور موسیٰ علیہ السلام نے جو خضر علیہ السلام پر اعتراض فرمایا وہ اسباب شرعیہ کی بنا پر تھا وَلِکُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا اسی طرح نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا خاص خاص دشمنان اسلام پر نام بنام بددعا کرنا اسباب شرعیہ کی بنا پر تھا کہ یہ دشمنان اسلام اسی قابل ہیں کہ ان پر بددعا کی جائے مگر چونکہ قضاء و قدر میں یہ طے پا چکا تھا کہ ان لوگوں میں سے اکثر مشرف باسلام ہوں گے اس لیے حق تعالےٰ نے اس آیت کو نازل فرما کر آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ان لوگوں کے حق میں بددعا کرنے سے منع فرمایا یہ تکوینی انتظام تھا۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا

اے ایمان والو! مت کھاؤ سود۔

اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ص وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ

دونے پر دونا، اور ڈرو اللہ سے شاید تمہارا

تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ

بھلا ہو۔ اور بچو اس آگ سے جو تیار ہوئی

لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾

کافروں کے واسطے۔ اور حکم مانو اللہ کا اور رسول کا شاید تم پر رحم ہو۔

وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا

اور دوڑو بخشش پر اپنے رب کی، اور جنت پر جس کا پھیلاؤ

السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ الَّذِيْنَ

ہے آسمان اور زمین، تیار ہوئی ہے واسطے پرہیزگاروں کے۔ جو

يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ

خرچ کیے جاتے ہیں، خوشی میں اور تکلیف میں اور دبا لیتے ہیں غصہ،

وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿١٣٤﴾

اور معاف کرتے ہیں لوگوں کو ، اور اللہ چاہتا ہے نیکی والوں کو۔

وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ

اور وہ لوگ کہ جب کر بیٹھیں کچھ کھلا گناہ یا بُرا کریں اپنے حق میں،

ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ وَمَنْ

تو یاد کریں اللہ کو ، اور بخشش مانگیں اپنے گناہوں کی ۔ اور کون

يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَىٰ

ہے گناہ بخشنے سوائے اللہ کے ؟ اور اڑتے نہ رہیں اپنے

مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿١٣٥﴾ أُولَٰئِكَ جَزَاؤُهُمْ

کیے پر ، جانتے ہوئے ۔ اُن کی جزا ہے

مَغْفِرَةٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَجَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ

بخشش ان کے رب کی اور باغ ، جن کے نیچے

تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَنِعْمَ أَجْرُ

بہتی نہریں ، رہ پڑے ان میں ، اور خوب مزدوری ہے

الْعَامِلِينَ ﴿١٣٦﴾

کام کرنے والوں کی ۔

ترہیب وتحذیر از نارِ آخرت و ترغیب بر اعمالِ جنت

قال اللہ تعالیٰ عزّوجل يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا .... الیٰ .... وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ۔

(ربط) ظاہر میں ان آیات کا ماقبل سے کوئی تعلق معلوم ہوتا ہے اس لیے بعض علماء یہ کہتے ہیں ۔

کہ یہ جُدا گانہ اور مستقل کلام ہے جس میں حق تعالےٰ نے امر و نہی اور ترغیب و ترہیب کو جمع کیا ہے اور مکارم اخلاق اور محاسن اعمال کو بیان فرمایا ہے۔ اور بعض علماء نے ان آیات کا ماقبل کے ساتھ اتصال اور ربط بیان کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ گزشتہ آیات میں صبر اور تقویٰ کا حکم تھا اور کفار کے ساتھ دوستی اور خلط ملط اور اُن کو راز دار بنانے کی ممانعت تھی اب ان آیات میں پھر صبر اور تقویٰ کو بیان کرتے ہیں کہ صبر اور تقویٰ کیا چیز ہے اور صابر اور متقی کون لوگ ہیں اور ان کے کیا اوصاف ہیں جن میں سب سے پہلی سود کی ممانعت فرمائی کہ اکل حلال تقوےٰ کی جڑ اور بنیاد ہے نیز کفار سودی کاروبار کرتے اور جو نفع حاصل ہوتا اسے لڑائیوں میں خرچ کرتے چنانچہ اُحد کی لڑائی میں جو مال خرچ کیا وہ وہی مال تھا جو اس قافلہ کی تجارت سے نفع حاصل ہوا جو بدر کے سال شام سے آیا تھا اب حق تعالےٰ مسلمانوں کو سود سے ڈراتے ہیں کہ تم کفار کی طرح یہ خیال نہ کرنا کہ ہم بھی سودی کاروبار سے جنگوں میں مدد لیں خوب سمجھ لو کہ سودی کاروبار کرنا اللہ سے جنگ مول لینا ہے مسلمان کو اس سے دور رہنا چاہیئے اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ جس طرح انفرادی ضرورت کی بنا پر قرض دے کر سود لینا حرام ہے اسی طرح اجتماعی تجارت میں بھی سودی کاروبار حرام ہے زمانۂ جاہلیت میں دونوں طرح کا سود مروج تھا۔ لوگ انفرادی طور پر بھی تجارت کرتے تھے اور اجتماعی طور پر بھی پورا قبیلہ مل کر تجارتی کاروبار کرتا تھا اس زمانہ میں اس کا نام کمپنی اور بنک ہو گیا۔ باقی حقیقت وہی ہے جو پہلے زمانہ میں تھی۔ نام بدلنے سے حقیقت نہیں بدلتی قرآن کریم نازل ہوا جس نے ہر قسم کے سود کو حرام قرار دیا خواہ وہ انفرادی تجارت پر ہو یا اجتماعی یعنی کمپنی کی تجارت پر ہو جیسا کہ کتبِ تفاسیر میں انفرادی اور قبائلی ربا کے واقعات بالتفصیل مذکور ہیں قرآن نے مطلق سود کو حرام قرار دیا ہے۔ خواہ وہ کسی صورت سے ہو کیونکہ ربا شریعت میں اس مالی زیادتی کا نام ہے جس کے عوض اور مقابلہ میں مال نہ ہو مثلاً ایک شخص کسی کو سو روپیہ قرض دیتا ہے اور یہ شرط لگاتا ہے کہ اگر چھ ماہ کے بعد ادا کرو گے تو اس پر ۵ روپیہ زائد لوں گا اور اگر ایک سال کے بعد ادا کرو گے تو دس ۱۰ روپیہ لوں گا پس جب اس شخص نے سو روپیہ قرض کے بدلہ میں ایک سو دس روپیہ دیا تو سو روپیہ تو اصل رقم کے عوض اور مقابلہ میں ہو گئے اور یہ دس روپیہ کسی مال کے عوض اور مقابلہ میں نہیں۔ یہ سود ہوا کیونکہ یہ زیادتی کسی مال کے عوض اور بدلہ میں نہیں رہی چھ مہینہ یا سال کی مدت سو وہ کوئی مال نہیں جس کے عوض میں مال لیا جا سکے بنک کے سود میں یہی ہوتا ہے اس لیے جس طرح زمانۂ جاہلیت اولیٰ کا سود حرام تھا اسی طرح اس جاہلیت ثانیہ یعنی اس متمدن اور مہذب جاہلیت کا سود بھی قطعاً حرام ہو گا لہٰذا کسی جدت پسند کا یہ کہنا کہ شخصی ضروریات کے لیے تو سودی کاروبار حرام ہے اور اجتماعی تجارت کے لیے حلال ہے یہ قرآن و حدیث میں تحریف ہے اور یہ کہنا کہ زمانۂ جاہلیت میں صرف انفرادی ضرورتوں کے لیے سود ہوتا تھا اور اجتماعی تجارت پر سود کا رواج نہ تھا اول تو یہ غلط ہے اس لیے کہ آیت کے شان نزول سے معلوم ہو چکا کہ زمانۂ جاہلیت میں دونوں قسم کا سود رائج تھا اور اگر بالفرض یہ تسلیم کر لیا جائے کہ اس زمانہ میں اجتماعی تجارت پر سود رائج

نہ تھا تو اس خاص صورت کا اس زمانہ میں موجود نہ ہونا ہمارے لیے مفر نہیں شریعت نے مطلق ربا کو حرام قرار دیا ہے جس معاملہ پر ربا کی تعریف صادق آئے گی وہ حرام ہوگا چوری اور زنا کو شریعت نے حرام قرار دیا ہے اگر وہ گزشتہ زمانہ کے طرح غیر مہذب ہو یا موجودہ تہذیب اور تمدن کے طریقہ پر کسی بڑے ہوٹل میں ہو ہر حال میں حرام ہے حلت اور حرمت کا مدار اصل حقیقت پر ہے نہ کہ کسی خاص صورت پر۔

(ربط دیگر) گزشتہ آیت میں اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا میں قبیلہ بنو حارثہ اور بنی سلمہ کی بزدلی کا ذکر ہے کہ جہاد کے موقعہ پر نامردی دکھائی اب اس آیت میں سود کی ممانعت بیان فرماتے ہیں اشارہ اس طرف ہے کہ سود کھانے یعنی حرام مال کھانے سے نامردی اور بزدلی پیدا ہوتی ہے۔

جاہلیت میں سود کا دستور ایسا تھا جس طرح ہندوستان کے بنیے اور لالہ لوگ لیتے ہیں کہ جب قرضدار مدت معینہ پر روپیہ ادا نہ کر سکا تو قرضخواہ سود کو اصل میں شامل کر کے قرض کی مدت بڑھا دیتا اور چند روز کے لیے اس کو مہلت دے دیتا پھر اگلی قسط پر سود اور بڑھ جاتا اور قرضدار وقت پر بوجہ مجبوری نہ ادا کر سکتا تو پھر سود خوار سود کو اصل میں جمع کر کے اس پر سود لگاتا اور اسی طرح بڑھاتا رہتا یہاں تک کہ سو روپیہ قرض کے بدلہ میں ایک ہزار کی جائداد کا مالک بن جاتا اس لیے ارشاد فرمایا اے ایمان والو مت کھاؤ سود دونے پر دونا تو بر تو کہ اصل سے کئی گنا زیادہ ہو جاتے مطلب یہ ہے کہ اصل قرض سے ایک پائی بھی زائد لینا حرام ہے اور صریح ظلم ہے اور کھلا ہوا بخل ہے کہ خدا کے لیے ذرہ برابر بلا معاوضہ کسی کی ہمدردی بھی گوارا نہیں اور اصل قرض سے کئی گنا زائد لے لینا اس کی قباحت اور شناعت کی تو کوئی حد نہیں اضعافاً مضاعفہ سود تو قساوت قلبی اور بے رحمی کی آخری منزل ہے۔

آیات قرآنیہ اور بے شمار احادیث نبویہ سے مطلق ربا کی کلیتہً ممانعت اور حرمت ثابت ہے اور اس آیت میں جو اضعافاً مضاعفہ کا لفظ آیا وہ قید احترازی نہیں بلکہ توبیخ اور سرزنش کے لیے ہے جو اُس زمانہ میں رائج تھی جیسے کوئی نیک دل اور دیندار حاکم کسی موقعہ پر اپنے عملہ کے اُن لوگوں سے جو رشوت خوار ہوں یہ کہے کہ مجاجو زیادہ حرام نہ کھاؤ اور حد سے نہ بڑھو تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ تھوڑا حرام کھانا تو جائز ہے اور زیادہ حرام کھانا۔ ناجائز ہے۔

ایسے الفاظ مزید تقبیح اور تشنیع کے لیے بولے جاتے ہیں جیسے فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا فرمایا یعنی خدا کے لیے متعدد شریک نہ ٹھہراؤ اس کا یہ مطلب نہیں کہ خدا کے لیے ایک دو شریک ٹھہرانا تو جائز ہے اور تین چار شریک ٹھہرانا ناجائز ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ خدائے برتر کا تو ایک بھی شریک نہیں مگر تم ایسے ظالم ہو کہ تم نے خدا کے لیے بہت شریک ٹھہرا رکھے ہیں کما قال تعالیٰ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا۔ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ۔ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ۔ ان سب آیات کا یہی مطلب ہے نزول قرآن کے وقت سود خواروں کی یہی عادت تھی کہ اضعافاً مضاعفہ سود لیتے اس لیے ان کی عادت کی بنا پر اس آیت میں اُن کی توبیخ اور سرزنش کے لیے اضعافاً مضاعفہ کا لفظ بڑھا دیا گیا ورنہ اَحَلَّ اللّٰهُ

الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا جیسی آیات سے بصراحت مطلق ربا کی حرمت ثابت ہے اگر کسی جھوٹے کو کوئی شخص یہ کہے کہ میاں پیٹ بھر کر جھوٹ نہ بولو تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ جھوٹ بقدر ذائقہ تو جائز ہے اور پیٹ بھر کر ناجائز ہے بلکہ جھوٹ کی قباحت اور شناعت کے واضح کرنے کے لیے ایسے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔

قرآن کریم میں ہے لَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِىْ ثَمَنًا قَلِيْلًا میری آیتوں کے بدلہ میں تھوڑی قیمت نہ لو سو اس کا یہ مطلب نہیں کہ آیات قرآنیہ میں تحریف کر کے زیادہ قیمت لینا تو جائز ہے اور کم قیمت لینا حرام اور ناجائز ہے آیات الٰہیہ کے مقابلہ میں ہفت اقلیم کی دولت بھی ہیچ ہے پس جس طرح اس آیت میں ثمن قلیل کی قید عار دلانے کے لیے ہے اسی طرح آیت ربا میں اضعافاً مضاعفۃ کی قید عار دلانے کے لیے ہے۔ خوب سمجھ لو۔ خلاصۂ کلام یہ کہ اضعافاً مضاعفۃ کی قید احترازی نہیں بلکہ اُس زمانہ کے رسم و رواج کے مطابق جو ظالم اور بے رحم اضعافاً مضاعفۃ سود لیتے تھے اُن کی توبیخ اور سرزنش کے لیے اور اُن کو عار اور شرم دلانے کے لیے بڑھائی گئی ورنہ اگر یہ قید احترازی لی جائے تو مطلب آیت کا یہ ہو جائے گا کہ جب تک سود اصل رقم سے کم از کم سہ چند نہ ہو جائے اس وقت تک تو حلال ہے یعنی جب تک سو کا سود دو سو ننانوے تک رہے اس وقت تک تو وہ سود حلال ہے اور جب سود پورا تین سو ہو جائے تب حرام ہو گا غرض یہ کہ از روئے قرآن و حدیث ربا مطلقاً اور کلیۃً حرام ہے اضعافاً مضاعفۃ ہو یا غیر اضعافاً مضاعفۃ ہو قلیل ہو یا کثیر ہو اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم کامیاب ہو فلاح اور کامیابی سود نہ لینے میں ہے اور ڈرو اس آگ سے جو خاص کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ سود خوار جہنم کے اس طبقہ میں رکھے جائیں گے جو خاص کافروں کے لیے تیار کیا گیا ہے اور فرمانبرداری کرو خدا کی اور پیغمبر کی جو تم کو سود خواری سے منع کرتے ہیں تاکہ تم پر رحم ہو یعنی اگر تم اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے مطابق حاجت مندوں کو بلا سود قرض دو گے تو اللہ تم پر رحم کرے گا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور اے ایمان والو اس آگ سے تو بچا گو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے اور اپنے پروردگار کے سامان مغفرت کی طرف دوڑو اور بہشت کی طرف دوڑو جس کا عرض یعنی پھیلاؤ آسمان اور زمین ہے یعنی اعمال صالحہ اور اخلاق حسنہ کی طرف دوڑو جن سے حسبِ وعدۂ خداوندی جنت ملتی ہے۔ تیار کی گئی ہے یہ جنت متقی اور پرہیزگاروں کے لیے۔ حق تعالیٰ نے اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ بصیغۂ ماضی فرمایا یعنی جنت متقیوں کے لیے تیار ہو چکی ہے اور یہ نہیں فرمایا کہ تُعَدُّ للمتقین کہ جنت آئندہ زمانہ میں متقیوں کے لیے تیار کی جائے گی تاکہ معلوم ہو جائے کہ جنت تیار ہو چکی ہے انسان کی فطرت میں ہے کہ رغبت اور میلان موجود شئی کی طرف ہوتا ہے معدوم کی طرف نہیں ہوتا اس لیے ماضی کا صیغہ استعمال فرمایا تاکہ جنت کی طرف کشش ہو اور تقویٰ اور پرہیزگاری کو دل چاہے۔

اب آئندہ آیت میں متقین کی دو قسمیں بیان فرماتے ہیں ایک محسنین اور دوسرے تائبین۔

قسم اوّل اعلیٰ درجہ کے متقی وہ لوگ ہیں کہ جو آسائش اور سختی خوشی اور تکلیف میں خدا کی راہ میں خرچ کرتے رہتے ہیں یعنی بڑے سخی اور کریم ہیں اور غصہ کے پی جانے والے یعنی صابر اور حلیم اور بردبار ہیں اور لوگوں کی تقصیر کو معاف کرنے والے بلکہ مزید برآں اور نیکی سے پیش آنے والے اور اللہ تعالے احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے کہ جنہوں نے اپنی قوت شہویہ اور قوت غضبیہ کو قوت روحانیہ اور عقلیہ کے تابع کردیا ہے۔

قسم دوم اور دوسرے درجہ کے متقی وہ لوگ ہیں کہ جب کبھی وہ کوئی برا کام کر بیٹھتے ہیں یا اپنی جانوں پر کوئی ظلم کر گذرتے ہیں تو فوراً اللہ کی عظمت وجلال کو یاد کرتے ہیں اور اللہ تعالے سے اپنے گناہوں کی معافی اور بخشش چاہتے ہیں کیونکہ اُن کو خوب معلوم ہے کہ کون ہے جو اللہ کے سوا گناہوں کو معاف کرسکے اور جو گناہ اُن سے صادر ہوجاتا ہے جان بوجھ کر اس پر اصرار نہیں کرتے۔ بلکہ نادم اور شرمسار رہتے ہیں ایسے لوگوں کی جزاء بخشش اور معافی ہے اُن کے پروردگار کی جانب سے اور باغات ہیں کہ جن کے نیچے سے نہریں جاری ہیں اور یہ لوگ ان میں ابدالآباد تک رہیں گے اور نیک کام کرنے والوں کا کیا ہی اچھا اجر اور ثواب ہے یہ اجر اور بدلہ تائبین کا ہے اور قسم اول کے متقی یعنی محسنین کو مقام محبوبیت حاصل ہے اس لیے محسنین کے لیے کسی اجر اور ثواب کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ فقط وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ پر آیت کو ختم فرمایا مقام محبوبیت کے بعد اجر وثواب کا کیا ذکر۔

حکایت بیان کیا جاتا ہے کہ کسی بادشاہ کے غلام سے کوئی نازیبا حرکت صادر ہوئی جس پر بادشاہ کو غصہ آگیا اور غلام کو سزا دینے کا ارادہ کیا تو غلام نے عرض کیا کہ اے امیر المؤمنین اللہ تعالیٰ متقین کی صفات میں فرماتا ہے وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ یعنی غصہ کو پی جانے والے۔ بادشاہ نے کہا کظمت غیظی۔ میں اپنے غصہ کو پی گیا۔ پھر غلام نے کہا اے امیر المؤمنین اور پھر اللہ تعالے یہ فرماتا ہے وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ یعنی لوگوں کی خطائیں معاف کرنے والے بادشاہ نے کہا عفوت عنك میں نے تیرا قصور معاف کیا۔ بعد ازاں غلام نے عرض کیا اے امیر المؤمنین اللہ تعالے اس کے بعد فرماتا ہے۔ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ یعنی اللہ تعالے احسان کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے بادشاہ نے کہا احسنت الیك فا عتقتك میں نے تیرے ساتھ احسان کیا اور تجھے آزاد کیا۔ جا تو اللہ کے لیے آزاد ہے

فائدہ (۱) علماء نے لکھا ہے کہ صغیرہ پر اصرار کرنے سے صغیرہ کبیرہ ہوجاتا ہے رفتہ رفتہ طبیعت گناہ سے مانوس ہوجاتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بڑے بڑے گناہوں پر دلیر ہوجاتا ہے۔ اللھم احفظنا من ذٰلكَ آمین

فائدہ (۲) بمقتضائے بشریت اگر ۷۰ مرتبہ بھی گناہ سرزد ہوجائے مگر سرزد ہوجانے کے بعد اس سے بیزار اور شرمسار ہوجائے اور خدا سے استغفار کرے تو اللہ اس کو معاف کردے گا اور اصرار یہ ہے کہ بے کھٹکے گناہ کرتا رہے اور خدا کی نافرمانی پر ایسا بے باک ہوجائے کہ معصیت

سے اس کو ندامت اور خجالت بھی نہ ہو تو یہ حالت خطرناک ہے جس طرح اپنی عبادت اور زہد اور تقویٰ پر غرّہ اور ناز تباہی کا سامان ہے اسی طرح گناہوں پر بے باکی اور دلیری بھی تباہی کا سامان ہے۔

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيْرُوْا

ہو چکے ہیں تم سے آگے دستور سو پھرو

فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

زمین میں تو دیکھو کیسا ہوا آخر

الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى

جھٹلانے والوں کا .:. یہ بیان ہے لوگوں کے واسطے اور ہدایت

وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۸﴾ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا

اور نصیحت ڈر والوں کو .:. اور سُست نہ ہو اور نہ

تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾

غم کھاؤ اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم ایمان رکھتے ہو .:.

اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ

اگر تم نے زخم پایا تو وہ لوگ بھی پا چکے ہیں زخم ایسا ہی.

وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ

اور یہ دن بدلتے لاتے ہیں ہم لوگوں میں اور اس واسطے

اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ؕ وَاللّٰهُ

کہ معلوم کرے اللہ جن کو ایمان ہے اور کرے بعضے تم میں شہید ۔ اور اللہ

لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ ۙ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ

چاہتا نہیں ناحق والوں کو .:. اور اس واسطے کہ نکھارے اللہ

اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا

ایمان والوں کو اور مٹا دے منکروں کو ۔ کیا تم کو خیال ہے کہ داخل ہو جاؤ

الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَ

گے جنت میں، اور ابھی معلوم نہیں کیے اللہ نے، جو لڑنے والے ہیں تم میں اور

يَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۲﴾ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ

معلوم کرے ثابت رہنے والے ۔ اور تم تو آرزو کرتے تھے مرنے کی،

قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ۠ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۱۴۳﴾

اس کی ملاقات سے پہلے۔ سو اب دیکھ لیا تم نے اس کو آنکھوں کے سامنے ۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ

اور محمدؐ تو ایک رسول ہیں ہو چکے پہلے اس سے بہت رسول ۔

اَفَا۟ىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ۭ وَ

پھر کیا اگر وہ مر گیا یا مارا گیا تم پھر جاؤ گے الٹے پاؤں اور جو

مَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰي عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَـيْـــًٔا ۭ وَ

کوئی پھر جائے گا الٹے پاؤں وہ نہ بگاڑے گا اللہ کا کچھ ۔ اور

سَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ

اللہ ثواب دے گا بھلا ماننے والوں کو۔ اور کوئی جی مر

تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ۭ وَمَنْ يُّرِدْ

نہیں سکتا بغیر حکم اللہ کے، لکھا ہوا وعدہ ۔ اور جو کوئی

ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ

چاہے گا بدلہ دنیا کا، اس میں سے دیں گے اس کو اور جو کوئی چاہے گا بدلہ

الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۭ وَسَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

آخرت کا ، اس میں سے دیں گے اُس کو اور ہم ثواب دیں گے احسان ماننے والوں کو ۔

رجوع بسُوئے قصّۂ اُحد و تسلیۂ اہلِ اسلام بہ گونہ گوں

قال اللہ تعالیٰ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ .... الیٰ .... وَسَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ ۝

(ربط) گزشتہ آیت میں واقعۂ اُحد کا بیان تھا۔ اب پھر قصۂ اُحد کی طرف رجوع فرماتے ہیں۔ جس میں مسلمانوں کی ہزیمت کے اسباب کو بھی بیان فرمایا کہ صبر اور تقویٰ اور اطاعت رسولؐ میں تقصیر کی وجہ سے فتح کے بعد تم کو یہ ہزیمت پیش آئی مگر ساتھ ہی ساتھ بار بار تسلی بھی دی گئی کہ تم مت گھبراؤ فی الحال اگرچہ کفار کو غلبہ ہوا مگر انجام کار تم ہی غالب رہو گے اور بار بار حضرات صحابہؓ کی اس لغزش کے عفو اور معافی کا اعلان فرمایا تاکہ حضرات صحابہ کرام کے ٹوٹے ہوئے دِل دوبارہ جڑ جائیں اور محبین اور مخلصین کو جو بمقتضائے بشریت لغزش کی وجہ سے اضطراب اور بے چینی لاحق ہوئی ہے وہ مبدل بسکون و اطمینان ہو جائے اور قیامت تک ان محبین اور مخلصین (یعنی حضرات صحابہؓ) کے طاعنین (خوارج اور روافض) کی زبانوں پر مہر لگا دی جائے کہ خداوند ذوالجلال کے عفو اور اعلان رضا کے بعد کسی کی مجال نہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے عاشقوں کی لغزش کو زبان پر لا سکے جس کی راہ میں لغزش ہوئی تھی۔ اس نے وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ کا اعلان کر دیا۔ اب بھی اگر کوئی صحابہ کرام کو معاف نہیں کرتا تو صحابہ کرام کی بلا سے جو خدا تعالیٰ کی معافی کے بعد بھی معاف نہ کرے خدا تعالیٰ اسے معاف نہ کرے گا۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں۔ تحقیق گذر چکے ہیں تم سے پہلے بہت سے واقعات یعنی تم سے پہلے بھی مسلمانوں اور کافروں کے درمیان لڑائیاں ہوئیں۔ اور ان میں کبھی کبھی مسلمانوں کو تکلیفیں بھی پہنچی ہیں لیکن انجام بخیر ہمیشہ انہیں کا ہوا ہے پس زمین میں چل کر دیکھ لو کہ رسولوں کے جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا ان کی تباہی اور بربادی کے آثار اب بھی موجود ہیں کما قال تعالیٰ فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةً ۔ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْ بَعْدِهِمْ ۔ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ وغیرہ۔ اور یہ مضمون مذکور عام لوگوں کے لیے بیان شافی اور اظہار حقیقت ہے اور خاص خدا سے ڈرنے والوں کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے جو خدا تعالیٰ کی ہدایتوں اور نصیحتوں پر عمل کرتے ہیں اور اے مسلمانو! تم اس وقت کی ہنگامی پسپائی سے ملول و مایوس ہو کر نہ ہمت ہارو اور نہ آئندہ جہاد میں سستی کرو اور جو شہید ہو گئے ہیں ان پر غمگین اور آزردہ خاطر نہ ہو اس وقت اگرچہ کافروں نے غلبہ پا لیا ہے لیکن اخیر فتح تمہاری ہی ہو گی اور بالآخر باطل کے مقابلہ میں حق مظفر و منصور اور غالب ہو کر رہے گا اور تم ہی بلند اور غالب رہو گے اگر تم پورے مومن اور ٹھیک ٹھیک ایمان کے مقتضیٰ پر چلتے رہو اور

اطاعت رسولؐ سے ذرہ برابر انحراف نہ کرو اگر تم کو اس لڑائی میں یعنی معرکۂ اُحد میں کوئی زخم لگا ہے تو جماعت کفار کو بھی معرکۂ بدر میں ایسا ہی ایک زخم لگ چکا ہے باوجود اس کے وہ تم سے لڑنے میں ضعیف اور سُست نہیں پڑے تو تم کیوں سُست پڑتے ہو تم سے تو اللہ تعالےٰ کا وعدہ ہے اور ان سے کوئی وعدہ نہیں پھر تم کیوں حق کی حمایت میں ہمت ہارتے ہو اور علاوہ ازیں یہ دن لوگوں میں ہم باری باری سے پھیرتے رہتے ہیں. یعنی حق تعالےٰ بمقتضائے حکمت. فتح وشکست کے دنوں کو لوگوں میں بدلتے رہتے ہیں کبھی اہلِ حق. اہلِ باطل پر فتح پاتے ہیں اور کبھی اس کے برعکس ہوتا ہے جس میں اس علیم وحکیم کی بے شمار حکمتیں. اور مصلحتیں ہیں اور اس غزوۂ احد میں. مسلمانوں کو کافروں کے ہاتھ سے تکلیف پہنچانے میں بھی چند مصلحتیں ہیں ایک تو یہ کہ سچے ایمان والوں کو منافقین سے ممتاز اور الگ کر دے. اہل اخلاص اور اہل نفاق دونوں کا رنگ صاف صاف اور جدا جدا نظر آنے لگے اور پکے اور سچے مسلمانوں کا جھوٹوں اور کچوں سے امتیاز نہ ہو جائے اگر ہمیشہ اہلِ ایمان اور اہلِ حق ہی کو غلبہ اور فتح ہوا کرے تو لوگ ایمان لانے پر مجبور ہو جائیں گے اور ایمان اختیاری نہ رہے گا اور دوسری مصلحت یہ ہے کہ تم میں سے بعض کو شہید بنانے یعنی تم میں سے بعض کو درجہ شہادت کا عطا کرے اگر ہمیشہ غلبہ اہل ایمان کو ہو تو پھر شہادت کا رتبہ کہاں سے ملے اور اللہ تعالےٰ ظالموں کو یعنی ناحق والوں کو دوست نہیں رکھتا پس اگر کسی وقت کافر تم پر غالب آگئے تو اس سے یہ نہ سمجھنا کہ خدا تعالےٰ کو اُن سے محبت ہے تم مطمئن رہو. ہر حال میں محب اور محبوب تم ہی ہو اور تیسری مصلحت یہ ہے کہ اہل ایمان کو نکھار دے یعنی گناہوں کا میل کچیل اُن سے صاف کر دے اس لیے کہ مصائب وآلام سے اخلاص اور اعمال کا تزکیہ اور تجلیہ اور تصفیہ ہو جاتا ہے اور شہادت سے تو سوائے قرض کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور چوتھی مصلحت یہ ہے کہ کافروں کو مٹائے یہ دو طرح سے ہوگا ایک تو یہ کہ جب اہل حق اور خدا کے دوستوں پر ظلم اور تعدی ہوگا تو قہر خداوندی جوش میں آئے گا اور شدت کے ساتھ اپنے دوستوں کا اپنے دشمنوں سے انتقام لے گا دوسرے یہ کہ کافر اپنی اس عارضی فتح پر مغرور اور مسرور ہو کر ان کی جرأت بڑھے گی اور دل کھول کر اور پوری تیاری اور پورے لاؤ لشکر کے ساتھ دوبارہ مسلمانوں سے مقابلہ اور مقاتلہ کے لیے آئیں گے اس وقت حق تعالےٰ ان کو پوری شکست دیں گے جیسا کہ جنگ میں ایک فریق از خود اس لیے پسپا ہوتا ہے کہ پلٹ کر اور سنبھل کر اپنے دشمن پر اس طرح حملہ کروں کہ دشمن محاصرہ میں آجائے اور کسی طرح ہمارے چنگل سے نکل نہ سکے پس یہ پسپائی صورۃً شکست ہوتی ہے مگر حقیقت میں عین فتح ہوتی ہے. اور غنیم ظاہر میں اگرچہ فتحیاب ہو رہا ہے لیکن درحقیقت موت کے منہ میں جا رہا ہے حق جل شانہٗ اپنے پیغمبروں کے دشمنوں کو اس طور سے ہلاک کرتے ہیں وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ.

خلاصۂ کلام یہ کہ حق تعالےٰ نے ان آیات میں ان مسلمانوں کو جو جنگ احد میں شریک تھے سُستی اور کم ہمتی کی ممانعت فرمائی اور وقتی طور پر جو شکست پیش آئی تھی. تسلی کے لیے اس کی

حکمتیں اور مصلحتیں بیان فرمائی اب آئندہ آیات میں اپنے محبین ومخلصین کی ایک شکایت ہے اور ایک ان کو نصیحت ہے شکایت تو یہ ہے کہ تم خود پہلے سے یہ تمنا کرتے تھے کہ کاش ہم کو بھی جنگ بدر کی طرح کوئی موقع ملے کہ ہم بھی اصحاب بدر کی طرح خدا کی راہ میں مقتول اور شہید ہوں پس جب یہ موقع سامنے آیا تو پھر کیوں گھبرائے اور نصیحت یہ ہے کہ بغیر جہاد اور صبر کے سعادت اخروی نصیب نہیں ہوسکتی چنانچہ فرماتے ہیں کیا تم نے یہ خیال کرلیا ہے کہ جنت میں داخل ہوجاؤ اور اس کے اعلیٰ مقامات اور بلند درجات پر فائز ہوجاؤ حالانکہ ابھی تک اللہ تعالیٰ نے ممتاز نہیں کیا اُن لوگوں کو کہ جو تم میں سے مجاہد ہیں اور نہ جدا کیا صابرین کو یعنی کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ محض مسلمان ہونے کی بنا پر بغیر جہاد کیے اور بغیر تکلیف اٹھائے ہی جنت میں داخل ہوجاؤ خوب جان لو کہ جب تک حق تعالیٰ تمہارا امتحان لے کر مجاہدین کو غیر مجاہدین سے اور صابرین کو غیر صابرین سے لوگوں کی نظر میں واضح طور پر جدا اور ممتاز نہ کردے اس وقت تک درجات عالیہ کی تمنا ایک خیال خام ہے اور شدائد ومصائب کو دیکھ کر تمہارے پائے استقامت میں کیوں تزلزل آیا حالانکہ تحقیق تم تو موت کے سامنے آنے سے پہلے ہی موت کی تمنا اور آرزو کرتے تھے تم ہی نے شوق شہادت میں جنگ احد کے وقت یہ مشورہ دیا تھا کہ مدینہ سے باہر نکل کر لڑنا چاہیے پس تم نے اپنی تمنا اور آرزو یعنی موت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا پس جب تمہاری تمنا تمہارے سامنے آگئی تو پھر پیچھے کیوں ہٹتے ہو اور کیوں کمزوری دکھلاتے ہو۔

اُحد کی لڑائی میں کافروں کے ناگہانی حملہ کی وجہ سے بعض مسلمانوں کے قدم ہٹ گئے اور عین اُس ہنگامہ میں کسی شیطان نے پکار کر یہ کہہ دیا کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) مقتول ہوگئے اس خبر وحشت اثر سے مسلمانوں کے ہوش اڑ گئے اور پاؤں اکھڑ گئے اور ہمتیں ٹوٹ گئیں اس وقت بعض کمزور مسلمانوں کی زبانوں سے یہ نکلا کہ کاش عبداللہ بن ابی۔ ہمارے لیے ابوسفیان سے امان حاصل کرلے اور بعض منافقوں نے کہا کہ اگر محمدؐ نبی ہوتے تو قتل نہ کیے جاتے اب تم اپنے بھائیوں میں شامل ہوجاؤ اور اپنے پرانے دین کی طرف لوٹ جاؤ اس وقت حضرت انس بن مالکؓ کے چچا حضرت انس بن النضرؓ نے کہا کہ اگر محمدؐ قتل ہوگئے تو کیا ہوا۔ رَبِّ محمدؐ تو زندہ ہے اسے تو موت نہیں رسول اللہؐ کے بعد تم زندگی کو لیکر کیا کروگے جس چیز پر آپ کافروں سے لڑے تم بھی اسی بات پر ان سے لڑو اور جس بات پر آپ نے جان دے دی تم بھی اسی پر جان دے دو۔ یہ کہہ کر آگے بڑھے اور حملہ کیا یہاں تک کہ لڑتے لڑتے شہید ہوگئے رضی اللہ عنہ اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور نہیں ہیں محمد صلے اللہ علیہ وسلم مگر ایک رسول یعنی پیغمبر خدا ہیں خدا نہیں کہ جن پر موت اور فنا کا آنا محال ہو تحقیق آپ سے پہلے بہت سے رسول گذر چکے پس اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم مرجائیں یا شہید ہو جائیں تو کیا تم الٹے پاؤں پھر اپنے کفر کی طرف واپس ہوجاؤ گے پیغمبر کے قتل کی خبر سُنکر پائے استقامت میں تزلزل آجانا تمہاری شان رفیع کے لحاظ سے نمونۂ ارتداد ہے۔ ابن الفارض رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وَلَوْخَطَرَتْ لِیْ فِیْ سِوَاكَ اِرَادَۃٌ ۔۔ عَلٰی خَاطِرِیْ یَوْمًا حَکَمْتُ بِرِدَّتِیْ

اے میرے محبوب اگر میرے دل میں تیرے سوا کا کسی وقت کوئی خیال اور خطرہ بھی آجائے تو میں اسی وقت اپنے مرتد ہونے کا حکم لگا دُں گا۔

عاشق صادق کے دل میں محبوب کے سوا کا خطرہ آنا یہ ارتداد فی المحبت ہے اور جو شخص اپنے ایڑیوں کے بل اپنے گزشتہ دین کی طرف واپس ہو جائے گا تو اللہ کا کچھ نہیں بگاڑے گا بلکہ اپنا ہی کچھ بگاڑے گا اور اللہ تعالٰے ضرور انعام دیں گے شکر گذاروں کو شاکرین سے وہ لوگ مراد ہیں جو اسلام اور ایمان اور ہدایت کی نعمت کے شکر گزار ہیں۔

اور رسولؐ کی زندگی میں اور رسولؐ کی وفات کے بعد دین حق پر قائم ہیں اور خدا کے لیے اور دین کی حفاظت کے لیے کسی حال میں جہاد سے سستی نہیں کرتے کیونکہ اُن کا عمل رسولؐ کے لیے نہیں ہے کہ اس کی وفات کے بعد وہ عمل جاتا رہے بلکہ خالص اللہ کے لیے ہے جس کو کبھی موت اور فنا نہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ اس آیت میں شاکرین سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ اور اُن کے ساتھی مراد ہیں جو دین پر قائم اور ثابت رہے اور ابوبکر صدیق امیر الشاکرین تھے۔ (روح المعانی صـ٦٧ ج۴) اس آیت میں تمام صحابہ کرام کو محبانہ عتاب ہے کہ اصل معبود اور مقصود وہ حیؒ لایموت ہے اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں جو واسطہ فی العبودیت ہیں واسطہ کے اُٹھ جانے سے پائے استقامت میں کیوں تزلزل آیا۔ امیر الشاکرین یعنی صدیق اکبرؓ نے جب خطبہ دیا تو سب کو تسلی ہوگئی اور وقتی طور پر جو اضطراب پیش آیا تھا وہ دور ہوگیا اور امیر الشاکرین (صدیق اکبر) نے جب فتنۂ ارتداد میں راہ استقامت اختیار کی اور مرتدین سے جہاد و قتال کیا تو اللہ نے اُن کو اس کی جزاء دی یعنی فتح دی۔

اب آگے فرماتے ہیں کہ موت ہر ایک کی مقدر ہے وقت سے پہلے کوئی مر ہی نہیں سکتا۔ لہٰذا اسباب موت کے جمع ہو جانے سے جہاد و قتال میں کوئی کمزوری اور پستی نہ آنے پائے اور نہ کسی بڑے یا چھوٹے کی موت کی خبر سُن کر مایوس اور بددل ہو کر بیٹھ رہنا چاہیے چنانچہ فرماتے ہیں کسی شخص کے لیے یہ ممکن نہیں کہ بغیر حکم خداوندی مرجائے موت نوشتہ خداوندی ہے اور مقید بقید وقت ہے لہٰذا جہاد میں جی چرانے اور پرہیز کرنے سے کوئی فائدہ نہیں کوئی شخص اپنے مقررہ وقت سے پہلے نہیں مر سکتا اگرچہ وہ ساری عمر ہلاکت کے مقامات اور جنگ کے میدانوں میں گھسا رہے۔ اور جو شخص دنیا کا نفع چاہے گا ہم اس کو دنیا میں سے کچھ دیں گے اور جو شخص آخرت کا نفع چاہے گا ہم اس کو آخرت کے منافع میں سے دیں گے اور شکر گذاروں اور احسان ماننے والوں کو ضرور بالضرور انعام دیں گے شاکرین سے وہ لوگ مراد ہیں جو اللہ تعالٰے کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہیں اور جہاد جو کہ ایک نعمت الٰہی ہے اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ثابت قدم رہے اور دشمن کے مقابلہ سے نہیں ہٹے ایسے لوگوں کو خاص انعام ملے گا۔

یعنی دین بھی ملے گا اور دنیا بھی ملے گی۔ دین اُن کے دل میں ہوگا اور دنیا اُن کے قدموں میں ہوگی۔

ان آیات میں اشارہ اس طرف ہے کہ جہاد میں فقط دنیوی منفعت پر نظر نہ ہونی چاہیئے۔ یہ کام منافق کا ہے کہ جس کا مطمح نظر فقط دنیاوی نفع ہو اور مؤمن مخلص وہ ہے کہ جس کا مطمح نظر خاص آخرت ہو اور اصلی مطمح نظر تو آخرت ہو اور تبعاً کچھ مال غنیمت بھی مطلوب ہو تو مضائقہ نہیں لیکن یہ مقام رخصت ہے مقام عزیمت نہیں عجب نہیں کہ اس آیت میں اُن لوگوں پر تعریض ہو جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف حکم مورچہ چھوڑ کر مال غنیمت جمع کرنے کے لیے پہاڑ سے نیچے اُتر آئے تھے اور جو کوہ استقامت تھے وہ پہاڑ پر آپ کے حکم کے مطابق ثابت قدم رہے یہ حضرات اصحاب عزیمت تھے اور جو لوگ پہاڑ سے اُتر کر مجاہدین کے ساتھ مال غنیمت کے جمع کرنے میں آکر شریک ہوئے وہ اصحاب رخصت تھے اور یہ نیچے اترنے والے اگرچہ عزیمت کے لحاظ سے کم تھے مگر سارے عالم سے بالا اور برتر تھے۔

آسمان نسبت بہ عرش آمد فرود ∴ لیک بس عالی است پیش خاک تود

فوائد ولطائف

۱۔ اُحد کی لڑائی میں ایک کافر نے پکار کر یہ کہہ دیا کہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مار آیا۔ اور آپ صلے اللہ علیہ وسلم کے بہت زخم آئے تھے جس سے بہت خون آیا تھا ضعف کی وجہ سے ایک گڑھے میں گر گئے۔ مسلمانوں نے آپ کو نہ دیکھا اس لیے اُن کو آپ کی شہادت کا یقین ہو گیا محبین وعاشقین کے تو اس خبر سے ہوش اُڑ گئے اور پاؤں اکھڑ گئے اور بعض منافقین یہ کہنے لگے کہ جب محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) قتل ہو گئے تو ہمیں اسلام چھوڑ کر اپنے قدیم مذہب کی طرف واپس ہو جانا چاہیئے۔ اور انس بن النضر رضی اللہ عنہ نے یہ کہا کہ اگر محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) مقتول ہو گئے تو ربِ محمدؐ تو مقتول نہیں ہوا جس چیز پر آپ نے جان دی اسی پر ہم کو جان دے دینی چاہیئے۔

اسی اثناء میں جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ضعف سے کچھ افاقہ ہوا اور ہشیار ہوئے تو آپ نے آواز دی۔ الیّ عباد اللہ۔ انا رسول اللہ۔ میری طرف آؤ اے اللہ کے بندو! ۔ میں اللہ کا رسول ہوں کعب بن مالک رضؓ نے مسلمانوں کو للکار کر آواز دی یا معشر المسلمین اے گروہ مسلمین تم کو بشارت ہو۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یہاں موجود ہیں تمام صحابہ سمٹ کر آپ کے قریب جمع ہو گئے۔

۲۔ اس پر اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور بتلا دیا کہ اللہ کا رسول زندہ رہے یا نہ رہے دین اللہ کا ہے اس پر قائم رہنا اور اشارہ اس طرف ہے کہ آئندہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم

کی وفات کے بعد کچھ لوگ مرتد ہو جائیں گے اور جو قائم رہیں گے ان کو بڑا ثواب ہوگا چنانچہ اسی طرح ہوا کہ بہت سے لوگ حضرت کے بعد مرتد ہوئے اور حضرت صدیقؓ نے ان کو پھر مسلمان کیا اور بعضوں کو مارا۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

۴۔ میدان احد میں نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے بہ نفس نفیس خود مجاہدین کی صفوں کو مرتب فرمایا صفیں درست کرنے کے بعد پہاڑ کا ایک درہ باقی تھا جہاں سے یہ اندیشہ تھا کہ دشمن۔ لشکر اسلام پر عقب سے حملہ آور ہو جائے اس جگہ پر آپؐ نے پچاس تیراندازوں کا ایک دستہ مقرر فرمایا جن پر عبد اللہ بن جبیرؓ کو امیر مقرر فرمایا اور یہ ہدایت فرمائی کہ تم اپنے اس مرکز کو کسی حال میں نہ چھوڑنا مسلمان خواہ غالب ہوں یا مغلوب حتیٰ کہ اگر تم یہ دیکھو کہ جانور ہم کو اچک کر لیے جا رہے ہیں (یعنی کافر ہم پر غالب آ رہے ہیں) تو تم اپنی جگہ پر قائم رہنا یہاں تک کہ میں تمہارے پاس آدمی بھیجوں۔

اس ہدایت کے بعد جنگ شروع ہوئی اور مجاہدین اسلام نے شجاعت کے جوہر دکھلائے اور اس بے جگری سے کافروں کا مقابلہ کیا کہ کافروں کو سوائے راہ فرار کے کوئی راستہ نظر نہ آیا حق تعالے نے جو فتح و نصرت کا وعدہ کیا تھا وہ پورا کر دکھایا مشرکین شکست کھا کر بُری طرح بھاگے۔ مجاہدین نے مالِ غنیمت پر قبضہ کرنا شروع کر دیا۔

پہاڑ پر سے جب اُن پچاس تیراندازوں نے یہ منظر دیکھا کہ کافر بھاگ چکے ہیں اور مسلمان مالِ غنیمت کے جمع کرنے میں مشغول ہیں تو سمجھے کہ فتح مکمل ہوگئی اب یہاں ٹھہرنا ضروری نہیں عبد اللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کیا تم کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک یاد نہیں رہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ تم کسی حال میں اپنی جگہ سے نہ ٹلنا انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ مطلب نہ تھا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس حکم سے جو منشا تھا وہ پورا ہوگیا اب یہاں ٹھہرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ خیال کر کے نیچے اتر آئے اور مالِ غنیمت جمع کرنے میں مسلمانوں کے ساتھ شریک ہو گئے حضرت عبد اللہ بن جبیرؓ اور اُن کے چند رفقاء نے کہا کہ تم کو اختیار ہے ہم نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق اپنی جگہ سے نہیں ہٹیں گے چنانچہ عبد اللہ بن جبیرؓ اور ان کے گیارہ ساتھی درہ کی حفاظت پر باقی رہ گئے۔

مشرکین کے سواروں کا رسالہ اُس وقت خالد بن ولید کے زیر کمان تھا (جو ابھی تک مشرف باسلام نہ ہوئے تھے) انہوں نے دیکھا کہ درہ خالی ہے پلٹ کر درہ کی جانب سے حملہ کر دیا۔ دس بارہ تیرانداز ایک پورے رسالہ کے یلغار کی تاب نہ لا سکے تاہم عبد اللہ بن جبیرؓ اور ان کے رفقاء نے پورا مقابلہ کیا اور بالآخر جام شہادت نوش کیا۔

مسلمان مجاہدین۔ اپنے عقب سے مطمئن تھے ناگہاں مشرکین کا پورا رسالہ اور ایک فوجی دستہ ان کے سروں پہ جا پہنچا اور سامنے سے مشرکین کی فوج بھاگی جا رہی تھی وہ یہ منظر دیکھ کر پلٹ پڑی۔ اب مسلمانوں کی جماعت دو طرف سے گھر گئی پیچھے سے سواروں کا دستہ آگیا اور آگے سے پیادوں کی فوج واپس آگئی اور خوب زور کے ساتھ مقابلہ ہوا جس میں بہت سے مسلمان شہید اور زخمی ہوئے اسی افراتفری

میں عبداللہ بن قمیئہ نے ایک بھاری پتھر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم پر پھینکا جس سے حضورؐ کا دندان مبارک شہید ہوا اور چہرۂ انور زخمی ہوا ابن قمیئہ نے چاہا کہ آپؐ کو قتل کر دے مگر مصعب بن عمیرؓ جن کے ہاتھ میں اسلام کا جھنڈا تھا انہوں نے حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت اور آپؐ کی طرف سے مدافعت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا زخم کی شدت کی وجہ سے آپؐ ایک گڑھے میں گر گئے اور صحابہ کی نظروں سے پوشیدہ ہو گئے کسی شیطان نے یہ آواز لگادی کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) قتل کر دیئے گئے الی آخر القصہ ناظرین اس واقعہ کو یاد رکھیں کیونکہ آئندہ آیات میں اس واقعہ کے اجزاء کی طرف بار بار اشارہ ہے اُن آیات کا سمجھنا اس واقعہ کے جاننے پر موقوف ہے اس لیے اس واقعہ کا استحضار ضروری ہے۔

وَكَأَيِّن مِّن نَّبِيٍّ قَٰتَلَ مَعَهُۥ رِبِّيُّونَ كَثِيرٌ فَمَا وَهَنُوا

اور بہت نبی ہیں جن کے ساتھ ہو کر لڑے ہیں بہت خدا کے طالب ۔ پھر نہ ہارے ہیں

لِمَآ أَصَابَهُمْ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ وَمَا ضَعُفُوا وَمَا ٱسْتَكَانُوا

کچھ تکلیف پہنچنے سے اللہ کی راہ میں ، اور نہ سست ہوئے ہیں نہ دب گئے ہیں۔

وَٱللَّهُ يُحِبُّ ٱلصَّٰبِرِينَ ﴿١٤٦﴾ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ إِلَّآ أَن

اور اللہ چاہتا ہے ثابت رہنے والوں کو ۔ اور کچھ نہیں بولے ، مگر یہی کہا کہ

قَالُوا رَبَّنَا ٱغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِىٓ أَمْرِنَا

اے رب ہمارے بخش ہمارے گناہ ، اور جو ہم سے زیادتی ہوئی ہمارے کام میں ،

وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَٱنصُرْنَا عَلَى ٱلْقَوْمِ ٱلْكَٰفِرِينَ ﴿١٤٧﴾

اور ثابت رکھ قدم ہمارے اور مدد دے ہم کو منکر قوم پر ۔

فَـَٔاتَىٰهُمُ ٱللَّهُ ثَوَابَ ٱلدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ ٱلْـَٔاخِرَةِ

پھر دیا ان کو اللہ نے ، ثواب دنیا کا بھی ، اور خوب ثواب آخرت کا

وَٱللَّهُ يُحِبُّ ٱلْمُحْسِنِينَ ﴿١٤٨﴾

اور اللہ چاہتا ہے نیکی والوں کو ۔

ذکرِ استقلال مجاھدینِ اُمم سابقہ

قال تعالٰی وَ كَاَیِّنْ مِّنْ نَّبِیٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّیُّوْنَ كَثِیْرٌ... الٰی... وَ اللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ■

(ربط) گزشتہ آیات میں مسلمانوں کی کمزوری پر شکایت اور ملامت کا ذکر تھا اب ان آیات میں یہ ذکر کرتے ہیں کہ پہلے زمانہ میں بھی انبیاء سابقین کے ساتھ ہو کر بہت سے اللہ والوں نے کافروں سے جہاد و قتال کیا اور امت کے سامنے اُن کے نبی شہید بھی ہوئے لیکن وہ لوگ ثابت قدم رہے اور خوف زدہ اور سُست نہیں ہوئے تم کو بھی ایسا ہی چاہیئے اور تم تو خیر الامم ہو تم کو تو اُن سے بڑھ کر صبر اور استقامت کا ثبوت دینا چاہیئے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور کتنے ہی نبی گزرے ہیں کہ جن کے ساتھ ہو کر خدا پرستوں اور اللہ والوں نے کافروں کے ساتھ جہاد و قتال کیا مگر ان تکلیفوں کی وجہ سے جو اُن کو خدا کی راہ میں پہنچیں ان سے گھبرا کر نہ تو انہوں نے ہمت ہاری اور نہ جہاد و قتال میں سُست پڑے اور نہ دشمن کے سامنے جھکے اور نہ اُس سے دبے اور نہ اس کے سامنے کوئی عاجزی ظاہر کی جیسے جنگ اُحد میں بعض منافقین کہنے لگے کہ کاش کوئی ہمارے لیے ابوسفیان سے امان حاصل کر لے اور اللہ تعالٰی شدائد اور مصائب میں صبر کرنے والوں اور ثابت قدم رہنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔ پس جس طرح ان لوگوں نے تکلیفوں کی وجہ سے ہمت نہیں ہاری اور باوجود نبی کے شہید ہو جانے کے اپنے دین کو نہیں چھوڑا جیسے نبی کی زندگی میں دین حق کی اشاعت میں کوشش کرتے رہے ویسے ہی اُن کی شہادت کے بعد بھی کرتے رہے اس لیے وہ اللہ کے محبوب بنے پس تمہیں اُن کے حال سے عبرت پکڑنی چاہیئے اور ان اللہ والے مجاہدین کے صبر و استقامت کا یہ عالم تھا کہ ایسی مصیبت کے وقت قدم تو کیا لڑکھڑاتے۔ زبان میں بھی لغزش نہیں آئی اور ایسے نازک وقت میں بجائے مخلوق کی طرف جھکنے کے اپنے خالق اور مالک کی طرف جھکے۔ اور اس نازک وقت میں کچھ نہیں بولے مگر یہی کہا کہ اے ہمارے پروردگار ہماری تمام تقصیرات کو اور اس کام میں ہماری تمام زیادتیوں کو معاف فرما اور دشمنوں کے مقابلہ میں ہم کو ثابت قدم رکھ ہمارا صبر اور ہماری ثبات قدمی آپ کی تائید اور اعانت پر موقوف ہے بندۂ عاجز اپنے حَول و قوت سے جادۂ صبر و استقامت پر قائم نہیں رہ سکتا ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ پس اے پروردگار تو اپنی رحمت و عنایت سے ہم کو ثابت قدم رکھ خدانخواستہ ایسا نہ ہو کہ تکالیف و مصائب کی وجہ سے قدم لڑکھڑا جائیں اور کافر قوم کے مقابلہ میں ہماری مدد فرما اور ہمیں فتح دے پس اللہ تعالٰی نے اُن کو دنیا کی بھی جزا دی یعنی دشمن کے مقابلہ میں اُن کی مدد کی اور اُن کو فتح دی اور ملک کی سرداری اور عزت عطا کی اور آخرت کا بھی ان کو اچھا بدلہ دیا کہ خدا تعالٰی اُن سے خوش ہوا اور اُنہیں اس کا قرب نصیب ہوا اور جنت کی وہ نعمتیں جو نہ کسی کی آنکھ نے

دیکھی اور نہ کسی کان نے سنی اور نہ کسی بشر کے دل میں ان کا خطرہ گزرا اور آخرت کے ثواب کو اچھا اس لیے فرمایا کہ آخرت کے ثواب میں کسی شر اور ضرر کی آمیزش نہیں پھر یہ کہ آخرت کا ثواب باقی ہے اور دنیا کا فانی عاقل کا کام یہ ہے کہ باقی کو فانی پر ترجیح دے اور اللہ تعالٰے نیکو کاروں یعنی مخلصوں کو محبوب رکھتا ہے اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ مصائب و شدائد میں توبہ و استغفار میں لگ جائے بسا اوقات مصیبت کے آنے میں گناہوں کو کچھ دخل ہوتا ہے۔

ے غم چو آمد زود استغفار کن
غم بامر خالق آمد کار کن

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ

اے ایمان والو! اگر تم کہا مانو گے

كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا

منکروں کا، تو تم کو پھیر دیں گے الٹے پاؤں پھر جا پڑو گے

خٰسِرِيْنَ ﴿١٤٩﴾ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ

نقصان میں ٭ بلکہ اللہ تمہارا مددگار ہے اور اس

خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ﴿١٥٠﴾ سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا

کی مدد سب سے بہتر ہے ٭ اب ڈالیں گے ہم کافروں کے دل میں

الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ

ہیبت، اس واسطے کہ انہوں نے شریک ٹھہرایا اللہ کا جس کی اُس نے سند نہیں اُتاری۔

وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٥١﴾ وَ

اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے، اور بُری بستی ہے بے انصافوں کی ٭ اور

لَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ

اللہ تو سچ کر چکا تم سے اپنا وعدہ جب تم لگے ان کو کاٹنے اس کے حکم سے۔

حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ

جب تک کہ تم نے نامردی کی، اور کام میں جھگڑا ڈالا ، اور بے حکمی کی،

مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ؕ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ

بعد اس کے کہ تم کو دکھا چکا تمہاری خوشی کی چیز۔ کوئی تم میں چاہتا تھا دنیا

الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ

اور کوئی تم میں چاہتا تھا آخرت - پھر تم کو الٹ دیا

عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ

ان پر سے، اس واسطے کہ تم کو آزماوے۔ اور وہ تو تم کو معاف کر چکا۔ اور اللہ فضل

فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۲﴾ اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ

رکھتا ہے ایمان والوں پر ۔ جب تم چڑھے جاتے تھے اور پیچھے نہ

عَلٰٓى اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِىْٓ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ

دیکھتے تھے کسی کو، اور رسول پکارتا تھا تم کو پیچھاڑی میں پھر تم کو تنگ

غَمًّاۢ بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ

کیا بدلہ تمہارے تنگ کرنے کا تو غم نہ کھایا کرو، جو ہاتھ سے جاوے اور جو

اَصَابَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵۳﴾ ثُمَّ اَنْزَلَ

سامنے آوے اور اللہ کو خبر ہے تمہارے کام کی ۔ پھر تم پر اتاری

عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً

تنگی کے بعد اونگھ، کہ گھیر رہی تھی تم میں بعضوں کو، اور

مِّنْكُمْ ۙ وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ

بعضوں کو فکر پڑا تھا اپنے جی کا خیال کرتے تھے

بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ۖ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا

اللہ پر، جھوٹے خیال جاہلوں کے۔ کہتے تھے کچھ بھی کام

مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ۗ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ۗ

ہے ہمارے ہاتھ؛ تو کہہ سب کام ہے اللہ کے ہاتھ

يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ۖ يَقُوْلُوْنَ

اپنے جی میں چھپاتے ہیں جو تجھ سے ظاہر نہیں کرتے۔ کہتے ہیں

لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ۗ

اگر کچھ کام ہوتا ہمارے ہاتھ، تو ہم مارے نہ جاتے اس جگہ۔ تو کہہ اگر

قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ

تم ہوتے اپنے گھروں میں البتہ باہر نکلتے جن پر لکھا تھا

عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا

مارے جانا اپنے پڑاؤ پر۔ اور اللہ کو آزمانا تھا جو

فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۗ وَاللّٰهُ

کچھ تمہارے جی میں ہے، اور نکھارنا تھا جو کچھ تمہارے دل میں ہے اور اللہ

عَلِيْمٌ ۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۵۴﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ

کو معلوم ہے جی کی بات ۔ جو لوگ تم میں ہٹ گئے

يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ

جس دن بھڑیں دو فوجیں، سو ان کو ڈگایا شیطان نے کچھ

بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ۗ اِنَّ

ان کے گناہ کی شامت سے۔ اور ان کو بخش چکا اللہ بے شک

اللہ بخشنے والا ہے تحمل رکھتا ۔

ترہیب مؤمنین از قبول مشورۂ کفار و منافقین

قال تعالےٰ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِیْعُوا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ۔۔۔۔ الیٰ ۔۔۔۔ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ ۔

(ربط) گزشتہ آیات میں خدا پرستوں اور اللہ والوں کی راہ اور طریق پر چلنے کی ترغیب تھی۔ اب ان آیات میں اعداء اللہ بد باطنوں کے کہا ماننے سے منع فرماتے ہیں تاکہ مسلمان ہشیار رہیں اور اُن کے دھوکہ میں نہ آئیں چنانچہ فرماتے ہیں اے مسلمانو اگر تم کافروں کا کہا مانو گے اور ان کے مشورہ پر عمل کرو گے تو یہ تم کو الٹے پاؤں کفر کی طرف پھیر دیں گے تو پھر تم دنیا اور آخرت کے خسارہ اور نقصان میں جا پڑو گے اگر تم کافروں کی پناہ میں آگئے اور ان کی حکومت قبول کر لی جیسا کہ بعض منافقین تم کو مشورہ دیتے ہیں خوب سمجھ لو کہ اس میں دنیا اور آخرت کا خسارہ اور دونوں جہان کی ذلّت ہے ان کو ہرگز اپنا دوست اور معین و مددگار نہ سمجھو۔ بلکہ اللہ تعالےٰ تمہارا کارساز اور مددگار ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ جب ابوسفیان اُحد سے واپس ہونے لگا اور ہُبل بت کی جے پکاری اور یہ کہا کہ لنا العزّٰی ولا عُزّٰی لکُم تو آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو حکم دیا کہ یہ جواب دو۔ اللّٰہ مولانا و لا مولی لکُم اور اللہ تعالیٰ ہی سب سے بہتر مدد کرنے والا ہے پس اے مسلمانو تم اللہ کی مدد پر بھروسہ کرو۔ ابوسفیان اور عبداللہ بن ابی کی مدد کا خیال بھی دل میں نہ لاؤ۔ یہ تو تمہارا امتحان تھا اب دیکھو کہ ہم کافروں کے دل میں تمہارا رُعب اور تمہاری ہیبت ڈالتے ہیں جس سے تمہیں معلوم ہو جائے کہ وہ خیر الناصرین کس طرح بغیر قتال کے مدد کرنے پر قادر ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ تم گھبراؤ نہیں اب ہم عنقریب کافروں کے دلوں میں تمہاری ہیبت اور دہشت ڈالیں گے کہ ان کا ظاہری کرّ و فر کچھ کام نہ آئے گا اور باوجود تمہارے کمزور اور زخمی ہونے کے پلٹ کر تم پر حملہ کرنے کی جرأت نہیں کر سکیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جب ابوسفیان اور مشرکین۔ احد سے مکہ کی طرف واپس ہوئے تو راستہ میں خیال آیا کہ جب ہم نے مسلمانوں کو شکست دے دی تھی تو بلا کام تمام کیئے ہم کیوں واپس ہوئے اب چل کر مسلمانوں کا بالکل کام تمام کر دینا چاہیئے جب یہ ارادہ پختہ ہو گیا تو یکایک اللہ تعالےٰ نے اُن کے دلوں میں ایسا رعب ڈالا کہ دوبارہ حملہ کی ہمت نہ ہوئی آگے فرماتے ہیں کہ کافروں کی مرعوبیت کی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے خدا تعالےٰ کے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک کیا جن کی شرکت پر کوئی دلیل اور حجت نہیں اور جو شخص اپنے دین پر بغیر دلیل کے اعتقاد رکھتا ہو اس کو کبھی سکون و اطمینان نہیں نصیب ہو سکتا وہ ہمیشہ خلجان اور اضطراب میں رہتا ہے اور وہمیات

کا اتباع کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ وہمیات کی اتباع سے قلب میں قوت نہیں آتی وہمیات کا اتباع کرنے والا ہر وقت وہمی خطرات سے ڈرتا رہتا ہے۔ شاہ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں وہ چور ہیں اللہ کے اور چور کے دل میں ڈر ہوتا ہے اس واسطے اللہ تعالیٰ اُن کے دل میں ہیبت ڈالے گا۔ انتہی

یہ تو مشرکین کی دنیا کا حال ہے اور آخرت میں اُن کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور ظالموں کا ٹھکانہ بہت ہی بُرا ہے۔

فائدہ جاننا چاہیئے کہ یہ حکم غزوۂ احد کے ساتھ مخصوص نہیں مسلمان اگر حقیقی معنی میں مسلمان ہوں تو کافر ضرور اُن سے مرعوب ہوں گے کافروں کا مرعوب ہونا ایمان اور اُس کے آثار پر موقوف ہے لہٰذا آج کل جو مسلمانوں کی دہشت کافروں کے دل میں نہیں دیکھی جاتی۔ سو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں لفظ اسلام کا موجود ہے اور معنیٰ اسلام اور ایمان کے مفقود ہیں خاص کر مغرب زدہ ذہنیتیں اسلامی عقائد اور اعمال سے بالکل بے بہرہ ہیں اور ان کا ظاہر و باطن مغربیت کے رنگ میں رنگین ہے۔ یورپ ان کو اپنا عاشق مُتملّق سمجھتا ہے اور ظاہر ہے کہ معشوق عاشق سے کیوں ڈرے گا۔

ایک شُبہ اور اُس کا جواب

اب آگے شبہ کا جواب دیتے ہیں کہ جب اُس خیر الناصرین نے اُحد میں امداد اور اعانت کا وعدہ فرمایا تھا تو پھر یہ ہزیمت اور شکست کیسے ہوئی اس کے جواب میں حق تعالیٰ نے آئندہ آیت نازل فرمائی۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے تم کو اپنا وعدہ سچ کر دکھایا جبکہ تم کافروں کو ابتدائی حملہ میں اس کے حکم سے گھانس کی طرح کاٹ رہے تھے۔ یعنی حق تعالیٰ نے تم سے جو فتح و نصرت کا وعدہ کیا تھا وہ پورا کر دیا ابتداء جنگ میں تم نے کافروں کو کھیت کی طرح کاٹ کے رکھ دیا۔ یہاں تک کہ جب تم نے بزدلی کی اور پیغمبر خدا نے جو تم کو حکم دیا تھا کہ اس مرکز پر جمے رہنا اُس میں تم نے اختلاف کیا بعض نے کہا کہ ہم کو یہیں جما رہنا چاہیئے اور اکثر نے یہ کہا کہ اب یہاں ٹھہرنے کی ضرورت نہیں فتح مکمل ہوگئی اور کافر پشت پھیر کر بھاگ رہے ہیں اس لیے ہم کو چل کر مال غنیمت جمع کرنا چاہیئے اور حکم رسول کی تم نے نافرمانی کی بعد اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو تمہاری محبوب چیز آنکھوں سے دکھلائی یعنی فتح و نصرت تم میں سے کوئی دنیا کا مال و منال یعنی غنیمت کو چاہتا تھا اگرچہ وہ دنیا حلال ہی کیوں نہ ہو اور کوئی تم میں سے آخرت کا طلب گار تھا پس اکثر لوگ پہاڑ سے اتر آئے اور مال غنیمت جمع کرنے میں مشغول ہوگئے۔ مشرکین نے اسی درہ کے راستہ سے فوراً مسلمانوں پر حملہ کر دیا پھر اللہ تعالیٰ نے تم کو ان کافروں سے پھیر دیا اور تم کو فتح کے بعد شکست دی تاکہ تمہارا امتحان کرے کہ ان شدائد اور مصائب میں کون اسلام پر قائم رہتا ہے اور کون

اس کا ساتھ چھوڑتا ہے۔

ف عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں اس آیت (مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا) کے نازل ہونے سے یہ وہم وگمان بھی نہ تھا کہ ہم میں کوئی آدمی دنیا کا طالب بھی ہے (تفسیر ابن کثیر ج ۱) اور البتہ تحقیق اللہ تعالےٰ نے تمہاری اس لغزش کو بالکل معاف کر دیا اور اللہ تعالےٰ ایمان اور اخلاص والوں پر بڑا فضل فرمانے والے ہیں اور حق تعالےٰ نے جب ان کی غلطی کو معاف کر دیا تو کسی خارجی اور رافضی کو اُن کی اس لغزش پر کسی قسم کی طعن وتشنیع جائز نہیں یاد کرو اُس وقت کو جب تم خوف اور دہشت کی وجہ سے دور بھاگے جا رہے تھے اور پیچھے مڑ کر بھی کسی کو نہیں دیکھتے تھے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تم کو پس پشت پکار رہے تھے۔ الیّ عباد اللہ الیّ عباد اللہ میری طرف آؤ اے اللہ کے بندو۔ میری طرف آؤ اے اللہ کے بندو پس اللہ تعالیٰ نے اس کی پاداش میں تم کو غم پر غم دیا یعنی کئی طرح کے غموں میں مبتلا کیا ایک غم دشمن کے غالب آنے کا ایک غم اپنے مارے جانے اور زخمی ہونے کا اور ایک غم نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کے زخمی ہونے اور دندان مبارک کے شہید ہونے کا اور ایک غم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے قتل کی جھوٹی خبر کے مشہور ہونے کا اور ایک غم فتح کے بعد شکست ہو جانے کا اور ایک غم منافقین کی شماتت کا اور اس غم پر غم دینے کی حکمت اور مصلحت یہ تھی کہ آئندہ کے لیے تم میں پختگی پیدا ہو جائے اور یہ بات دلوں میں بیٹھ جائے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے کسی حال میں عدول نہ چاہیئے حتیٰ کہ تم کندن بن جاؤ اور صبر کے اس درجہ عادی ہو جاؤ کہ آئندہ[۱] کو غم نہ کیا کرو ان چیزوں پر جو تمہارے ہاتھ سے جاتی رہیں اور نہ غم کیا کرو اُن تکلیفوں پر جو تمکو پہنچیں یعنی تمہارے دلوں سے دنیا کی محبت ایسی اُٹھ جائے کہ نہ اقبال پر خوش ہوا کرو اور نہ ادبار پر غم کیا کرو۔ دنیاوی منافع اور مضرتوں کا وجود اور عدم تمہاری نظروں میں یکساں ہو جائے۔ ہر حال میں مشیت الٰہی پر راضی رہا کرو اور ایلام دوست بر انعام دوست کو پیش نظر رکھا کرو اور اللہ تعالےٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے اس کو خوب معلوم ہے کہ تمہاری کیا نیت تھی۔ اس وقت کی شکست سے گھبراؤ مت۔ انجام تمہارا فتح ونصرت پر ہوگا اور پھر حق تعالےٰ نے اس غم کے بعد تمہارا غم دور کرنے کے لیے تم پر ایک امن نازل کیا یعنی ایک اونگھ اتاری جو تم میں سے ایک گروہ کو گھیر رہی تھی یہ مؤمنین مخلصین کا گروہ تھا۔ جن پر ایک دم حق تعالےٰ نے غنودگی طاری کر دی لوگ کھڑے کھڑے اونگھنے لگے یہاں تک کہ بعض صحابہ کی یہ حالت ہوئی کہ تلوار اٹھاتے تھے اور گر جاتی تھی اس نیند

---

[۱] بعض علماء کا قول یہ ہے کہ لکیلا میں لا زائدہ ہے اور معنی یہ ہیں کہ ہم نے تم کو غم پر غم دیا تاکہ اس منفعت کے فوت ہونے کا تم کو رنج ہو جو تمہارے ہاتھ سے جاتی رہی اور اسی طرح اس تکلیف کا تم کو رنج ہو جو تم کو پہنچی کیونکہ یہ تمہاری نافرمانی کی سزا ہے جس سے مقصود محض تمہاری تنبیہ وتادیب ہے۔ واللہ اعلم۔

سے مسلمانوں کے دلوں سے کفار کا رعب نکل گیا۔ یہ غنودگی من جانب اللہ ایک نوع کی سکینت اور طمانیت تھی جو حق تعالیٰ کے محض فضل و رحمت سے اس ہنگامہ میں مؤمنین مخلصین کے قلوب پر نازل ہوئی یہ کیفیت عین اس وقت پیش آئی جب کہ مسلمانوں کی لاشیں خاک و خون میں تڑپ رہی تھیں اور حضور پر نور کے قتل کی خبر سے رہے سہے ہوش و حواس بھی جاتے رہے تھے اس وقت کی یہ نیند۔ بیداری کا پیام تھا اور اس امر کی بشارت تھی کہ اضطراب اور پریشانی دور ہوئی اور سکون اور اطمینان کا وقت آگیا اب مطمئن ہو کر راہِ خدا میں جہاد کرو قاعدہ ہے کہ انسان کو نیند اسی وقت آتی ہے کہ جب اس کو پورا امن اور اطمینان حاصل ہو خوف و ہراس کے وقت نیند نہیں آتی پس دشمن کے مقابلہ پر میدان جنگ میں نیند کا آنا مسلمانوں کے حق میں ایک نعمتِ الٰہی تھا جس میں اُن کی فتح کا راز مضمر تھا کیونکہ اُن کو اس اونگھ سے چند فائدے پہنچے ایک تو یہ کہ دشمن کا خوف و ہراس دل سے دور ہوا دوم یہ کہ رفقاء کے مقتول و مجروح ہونے کا جو قلق اور صدمہ تھا وہ ہلکا ہوا۔ سوم یہ کہ جنگ کا جو تعب اور تکان تھا وہ سب یک لخت دور ہو گیا۔ اور از سرِ نو تازہ دم ہو گئے اور دشمن کے مقابلہ میں دلیر ہو گئے یہ حال تو مؤمنین مخلصین کا تھا۔ اور بعضوں یعنی منافقوں کو اپنی جانیں بچانے کی فکر اور اسی کا غم لگا ہوا تھا وہ اطمینان اور امن کی نیند سے بالکل محروم تھے انہیں تو یہ فکر تھی کہ یہاں سے کس طرح جان بچا کر نکلیں۔ حق تعالیٰ نے مسلمانوں پر تو اونگھ نازل کر کے اُن کے دلوں سے دشمنوں کا خوف دور کر دیا۔ منافقین پر نیند نہ طاری کی اس لیے ان پر دشمنوں کا خوف مستولی رہا اور خوف کی وجہ سے منافقوں کو اپنی جانوں کی فکر پڑ گئی حق تعالیٰ کے ساتھ جاہلانہ اور احمقانہ ناحق بدگمانی کرنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں سے جو فتح و نصرت کے وعدے کیے تھے وہ کہاں گئے۔ ظاہری حالت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کا قصہ ختم ہوا جیسا کہ دوسری آیت میں ہے بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا الآیۃ منافقین کو خدا تعالیٰ کے وعدوں پر وثوق نہ تھا صرف غنیمت کی لالچ سے جنگ میں شریک ہو گئے تھے کہتے یہ تھے کہ آیا ہمارا بھی اس کام میں کچھ اختیار ہے۔ بظاہر تو مطلب یہ تھا کہ تقدیر کے سامنے تدبیر نہیں چلتی۔

سو حق تعالیٰ نے اس کی واقعیت بیان کرنے کے لیے ارشاد فرمایا آپ ان کے جواب میں کہہ دیجئے کہ بے شک سب اختیار اللہ کے ہاتھ میں ہے یہ جواب تو منافقین کے الفاظ کے ظاہری معنی کے اعتبار سے تھا اب آئندہ آیت میں یہ بیان فرماتے ہیں کہ اس قول سے منافقین کے دل میں کیا نیت تھی اور ان کا دلی مطلب کیا تھا اس قول سے انکاری مطلب یہ تھا کہ اگر ہماری رائے پر چلتے اور مدینہ سے باہر جا کر نہ لڑتے تو ہم مقتول نہ ہوتے آئندہ آیت میں اس قول سے ان کی نیت اور دلی مطلب مع جواب کے مذکور ہے چنانچہ فرماتے ہیں چھپاتے ہیں یہ منافقین اپنے دلوں میں وہ باتیں جو صراحۃً ظاہر نہیں کرتے ظاہر میں تو یوں کہتے ہیں کہ اگر اس کام میں ہمارا کچھ اختیار ہوتا تو ہم اس جگہ پر نہ مارے جاتے یہ

کلام ظاہر کے لحاظ سے ٹھیک ہے کہ تقدیر کے سامنے تدبیر نہیں چلتی مگر دلی مطلب ان کا یہ تھا کہ اگر ہمارے مشورہ پر عمل کرتے اور مدینہ سے باہر نکل کر نہ لڑتے اور ہماری کچھ شنوائی ہوتی تو ہم کیوں مارے جاتے تو اے نبی کریم آپؐ اُن کے دلی مطلب کے جواب میں کہہ دیجئے کہ اے مدعیانِ تدبیر اختیار اگر تم اپنے گھروں میں بھی مامون و مطمئن بیٹھے ہوئے ہوتے تو جن کی تقدیر میں قتل لکھا ہوا تھا تو وہ خود بخود اپنے قتل گاہوں کی طرف نکل پڑتے ان کا گمان یہ ہے کہ اگر مدینہ میں اپنے گھروں میں بیٹھے رہتے اور میدان اُحد میں نہ نکلتے تو نہ مارے جاتے سو یہ گمان غلط ہے. قضاء و قدر بند کو ٹھریوں سے نکال کر قتل کے لیے میدان میں لا کر کھڑا کر دیتی ہے لہٰذا منافقین کا مسلمانوں کو یہ الزام دینا کہ انہوں نے ہم کو لا کر مروایا ہے غلط ہے موت تو کسی حال میں ٹلتی نہیں البتہ بہترین موت وہ ہے کہ جو خدا کی راہ میں آئے اور بڑا ہی خوش نصیب ہے کہ جو بہادروں کی موت مرے اور خدا کی راہ میں شہید ہو جائے.

خلاصۂ کلام یہ کہ حق جل شانہٗ نے غزوۂ اُحد میں مسلمانوں کے ساتھ جو معاملہ فرمایا اس میں بے شمار حکمتیں اور مصلحتیں ہیں منجملہ ان کے یہ ہے کہ اللہ کی قضاء و قدر ظاہر ہو اور جس کے لیے شہادت کی مبارک موت مقدر ہے اس کو شہادت کی کرامت و عزت حاصل ہو اور تاکہ تمہارے سینوں میں جو چیز پوشیدہ ہے اس کا امتحان لے کہ ان میں کس درجہ کا ایمان و اخلاص ہے مصیبت کے وقت اخلاص اور نفاق ظاہر ہو جاتا ہے اور تاکہ اس شکست سے تمہارے دلوں میں جو کچھ کھوٹ ہے اس کو نکھار دے جیسے آگ سونے کے میل کچیل کو دور کر دیتی ہے خدا تعالیٰ کے آزمانے کے معنی یہ ہیں کہ جو بات اس کے علم ازلی میں ہے وہ سب پر ظاہر ہو جائے اور نکھارنے کے معنی یہ ہیں کہ اُحد کے مصائب سے ان کو یہ علم ہو جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ یکدم فتح شکست سے بدل جاتی ہے تو ان کے دلوں میں جو نافرمانی کا کچھ کھوٹ ہے وہ بالکل جاتا رہے اور نظر بالکلیہ اسباب ظاہری سے اُٹھ جائے اور دل توجہ الی غیر اللہ سے منزہ ہو جائے اور اس طرح خالص کندن بن جائیں. اور اللہ خوب جانتا ہے جو سینوں میں چھپا ہوا ہے مطلب یہ ہے کہ اسے کسی آزمائش کی حاجت نہیں مگر آزمانے میں اس کی حکمتیں اور مصلحتیں ہیں جن کا نہ اظہار ضروری ہے اور نہ جاننا ضروری ہے.

شاہ عبدالقادر قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں. اس شکست میں جن کو شہید ہونا تھا ہو چکے اور جن کو ہٹنا تھا ہٹ گئے اور جو میدان میں باقی رہ گئے ان پر اونگھ آئی اس کے بعد رعب اور دہشت دفع ہو گیا. اور اتنی دیر حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو غشی رہی پھر جب ہوشیار ہوئے سب نے حضرت کے پاس جمع ہو کر پھر لڑائی قائم کی اور سست ایمان والے کہنے لگے کچھ بھی کام ہمارے ہاتھ ہے ظاہر یہ معنی کہ اس شکست کے بعد کچھ بھی ہمارا کام بنا رہے گا یا بالکل بگڑ چکا یا یہ معنی کہ اللہ نے چاہا سو کیا ہمارا کیا اختیار اور نیت میں یہ معنی تھے کہ ہماری مشورت پر عمل نہ کیا جاتا تنے لوگ مرے اللہ نے دونوں معنوں کا جواب فرما دیا اور بتایا کہ اللہ کو اس میں حکمت منظور تھی تاکہ صادق اور منافق معلوم ہو جائیں (موضح القرآن)

تحقیق تم میں سے جن لوگوں نے پشت پھیری جس دن کہ مسلمانوں اور کافروں کی دو جماعتیں باہم مقابل ہوئیں. یعنی احد کے روز سو جزایں نیست کہ ان کا یہ بھاگنا کفر و ارتداد کی بنا پر نہ تھا بلکہ ان کی ایک لغزش تھی کہ شیطان نے بعض اعمال کی نحوست اور شامت کی وجہ سے اُن کا قدم پھسلا دیا مسلمانوں کا قدم تو ٹھیک ہی راہ پر جا رہا تھا مگر اس درمیان میں مورچہ کو چھوڑ کر غنیمت پر دوڑے تو اس معصیت کی نحوست سے شیطان کو موقع مل گیا اس لیے کہ شیطان کا داؤ اس وقت چلتا ہے جب انسان کوئی گناہ کر بیٹھتا ہے خلاصہ یہ کہ ان کا بھاگنا بمقتضائے بشریت لغزش قدم تھی معاذ اللہ دیدہ و دانستہ کوئی نافرمانی نہ تھی۔ شیطان ایسے ہی محبین و مخلصین کی تاک میں رہتا ہے کبھی کچھ داؤ چل بھی جاتا ہے۔ اور تحقیق اللہ تعالیٰ نے اپنے ان محبین و مخلصین کی اس لغزش کو بالکل معاف کر دیا۔ تحقیق اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے اور بردبار ہیں کہ نہ دنیا میں کوئی سزا ہے اور نہ آخرت میں کوئی مواخذہ اور نہ بازپرس ہے تمام عالم کو حق تعالیٰ نے سنا دیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی خطا بالکلیہ معاف کر دی اب کسی کی یہ مجال نہیں کہ ان پر طعن یا ملامت کرے حق تعالیٰ کی معافی کے بعد جو ان پر طعن کرے گا وہ مجرم اور قصوروار ٹھہرے گا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ

اے ایمان والو ! تم نہ ہو ان کی طرح

كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا

جو منکر ہوئے اور کہتے ہیں اپنے بھائیوں کو جب سفر کو نکلیں

فِي الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا

ملک میں ، یا ہوں جہاد میں ، کہ اگر رہتے ہم پاس نہ مرتے اور

مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا ۚ لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً

نہ مارے جاتے کہ اللہ اس سے ڈالے افسوس

فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا

ان کے دل میں ۔ اور اللہ ہے جلاتا اور مارتا ۔ اور اللہ تمہارے

تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿١٥٦﴾ وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ

کام دیکھتا ہے ۔ اور اگر تم مارے گئے اللہ کی راہ

اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَحْمَةٌ خَيْرٌ

ہیں، یا مر گئے، تو بخشش اللہ کی اور مہربانی بہتر ہے

مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِلَى اللّٰهِ

اس سے جو وہ جمع کرتے ہیں اور اگر تم مر گئے یا مارے گئے اللہ ہی پاس

تُحْشَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

اکٹھے ہوں گے۔

ممانعت از مشابہت کفار

قال تعالیٰ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا .... الٰے .... لَاِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ۝

(ربط) گزشتہ آیات میں منافقین کا یہ مقولہ نقل فرمایا تھا لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا۔ یہ مقولہ اُن منافقین کا تھا جو جنگ اُحد میں شریک تھے جس کی تردید گذر چکی اب ان آیات میں اسی قسم کا ایک اور مقولہ منافقین کا ذکر کرتے ہیں وہ مقولہ یہ ہے لَوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا۔ لیکن یہ مقولہ ان منافقین کا ہے کہ جو جنگ میں شریک نہ تھے چونکہ اس قسم کے اقوال سے کمزور مسلمانوں کے دلوں میں وساوس پیدا ہونے کا اندیشہ تھا اس لیے حق تعالیٰ آئندہ آیات میں مسلمانوں کو ایسے اقوال اور احوال میں کافروں کی مشابہت اور موافقت سے منع فرماتے ہیں کہ مبادا ایسی باتوں کے سننے سے ایمان والوں کا قدم نہ پھسل جائے۔ یا یوں کہو کہ پہلی آیت میں شیطان جنی کے بہکانے سے قدم کا ڈگمگانا اور پھسلنا مذکور تھا اور اس آیت میں شیاطین الانس کے بہکانے کا ذکر ہے کیونکہ شیاطین الانس یعنی کفار اور منافقین۔ شیاطین الجن کے اخوان اور بھائی ہی تو ہیں چنانچہ فرماتے ہیں۔ اے ایمان والو تم اُن لوگوں کے مشابہ اور مانند نہ بنو جو حقیقت میں کافر ہیں اگرچہ ظاہراً اپنے کو مسلمان کہتے ہیں یعنی منافق ہیں۔

اور حدیث میں ہے من تشبہ بقوم فھو منھم۔ جو شخص جس قوم کے مشابہ بنے وہ اللہ کے نزدیک اسی قوم میں شمار ہوگا اور تشبہ میں درجات ہیں کبھی تشبہ کامل ہوتا ہے اور کبھی ناقص جس درجہ کا تشبہ ہوگا اسی درجہ کی وعید اس پر مرتب ہوگی اور اپنے بھائیوں کے حق میں جب کہ وہ ملک میں بغرض تجارت وغیرہ سفر میں نکلتے ہیں اور اتفاق سے وہاں مر جاتے ہیں یا جہاد میں ہوتے ہیں اور

وہاں شہید ہو جاتے ہیں تو ان کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ اگر یہ لوگ ہمارے پاس ٹھہرے رہتے اور سفر اور جہاد میں نہ جاتے تو نہ مرتے اور نہ قتل ہوتے اور بھائیوں سے مراد یا تو نسبی بھائی ہیں کیونکہ جنگ اُحد میں جو لوگ شہید ہوئے وہ کسی نہ کسی کافر کے رشتہ دار اور برادری ہی کے لوگ تھے یا میل ملاپ کے بھائی ہیں یا اس وجہ سے کہ منافقین ظاہر میں مسلمان بنے ہوئے تھے اس لیے مسلمانوں کو اپنا بھائی کہہ دیا یا ان کو باعتبار ہم جنس اور بنی آدم ہونے کے بھائی کہا۔

حق تعالیٰ کافروں کے اس قول کو بیان کر کے فرماتے ہیں کہ اس قسم کا قول ان کے لیے ذرہ برابر مفید نہیں بلکہ اس کا انجام[1] یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کی اس سخن کو ان کے دلوں میں حسرت اور افسوس کا سبب بنائے گا۔ یعنی ان باتوں کا نتیجہ سوائے حسرت کے کچھ نہ ہوگا قتلِ اخوان کا صدمہ اپنی جگہ پر رہے گا اور اس قسم کی باتوں سے حسرت اور افسوس کے تکلیف کا اور اضافہ ہو جائے گا مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانو تم ان منافقین کی باتوں پر کان نہ دھرنا اور اللہ ہی جِلاتا اور مارتا ہے۔ سفر اور جہاد کو موت میں اور وطن میں رہنے اور جہاد میں نہ جانے کو حیات میں کوئی دخل نہیں بسا اوقات وطن میں رہنے والا مر جاتا ہے اور مسافر اور مجاہد خطرات اور ہلاکت کے میدانوں سے صحیح سالم واپس آجاتا ہے گھر تو کیا۔ موت کو تو آہنی قلعہ بھی نہیں روک سکتا اور اے مؤمنو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے کہ کوئی لفظ تمہاری زبان سے کافروں کے مشابہ اور مانند تو نہیں نکلتا آگے اشارہ فرماتے ہیں کہ خدا کی راہ میں مر جانے کو موجب حسرت نہ سمجھو بلکہ اس کو موجب فرح و مسرت سمجھو اور اے مسلمانو اگر تم اللہ کی راہ میں مارے گئے یا مر گئے تو بلا شبہ اللہ کی مغفرت اور اس کی رحمت اُس مال و متاع سے کہیں بہتر ہے جسے یہ لوگ جمع کرتے ہیں۔

اس آیت سے خدا تعالیٰ کا مقصود مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دینا ہے اور یہ سمجھانا ہے کہ جہاد میں مارا جانا دنیا کی زندگی سے کہیں بہتر ہے اس لیے کہ زندگی کا فائدہ بجز اس کے کچھ نہیں کہ انسان زندہ رہ کر اپنی محنت و مشقت سے کچھ مال و متاع جمع کرے اور چند روزہ زندگی میں اس سے فائدہ اٹھائے بخلاف راہ خدا میں مارے جانے سے خدا تعالیٰ کی مغفرت اور رحمت کا صلہ ملتا ہے وہ تمام دنیا کے مال و متاع سے کہیں بہتر ہے اس لیے کہ دنیا کی تمام لذتوں اور منفعتوں میں مضرتوں کی آمیزش ہے دنیا کی کوئی چیز ایسی نہیں جس میں خالص نفع ہی ہو اور نقصان نہ ہو پھر یہ کہ یہ فانی اور چند روزہ ہیں اور اگر کچھ دیر پا بھی ہوں تو ان کا جمع کرنے والا دنیا میں مہمان ہے ممکن ہے کہ جن چیزوں کو کمال محنت اور جانفشانی سے جمع کیا اُن سے فائدہ نہ اٹھا سکے اور کل سے پہلے ہی مر جائے یا وہ مال و منال اس کے پاس سے جاتا رہے لہٰذا دنیا کی مال و متاع کے فوت ہو جانے کو موجب حسرت نہ سمجھو بلکہ ترک جہاد کو موجب حسرت سمجھو اور اگر تم مر گئے یا مارے گئے خواہ خدا کی راہ میں یا کسی اور طریق سے تو ہر حالت میں تم اللہ ہی کی طرف اٹھائے جاؤ گے اور جب دونوں حالتوں میں خدا ہی کی طرف جانا ہے تو پھر خدا کی راہ میں جان دینا بہتر ہے تاکہ اس کی

[1] اشارہ اس طرف ہے کہ لِيَجْعَلَ اللّٰهُ میں لام عاقبت کے لیے ہے جیسے لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا میں۔ ۱۲

مغفرت اور رحمت حاصل ہو۔

ف اوپر کی آیت میں خدا کی راہ میں مارے جانے کا مرجانے کا حکم بیان فرمایا اب اس آیت میں عام موت اور عام قتل کا حکم بیان فرمایا کہ موت خواہ کسی طرح آئے بہر حال خدا ہی کے پاس جانا ہے تو پھر خدا کی راہ میں کیوں نہ مرو کہ وہ تمہیں اس کا ثواب دے اور تمہاری جان رائیگاں نہ جائے۔

حضرت خالد بن ولیدؓ نے اپنی ساری عمر جہاد میں گذاری اور شہادت کی تمنا میں رہے مگر شہید نہ ہوئے وفات کے وقت فرمایا کہ میرے بدن پر کوئی جگہ تیر و تلوار کے زخم سے خالی نہیں مگر افسوس آج اونٹ کی طرح گھر میں بستر پر مر رہا ہوں۔

فلا نامت اعین الجبناء خدا کرے بزدلوں کی آنکھیں کبھی ٹھنڈی نہ ہوں۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

فنا فی اللہ کی تہ میں بقا کا راز مضمر ہے
جو جینا ہے تو مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ

نکتہ حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتویؒ صدر مدرس دار العلوم دیوبند فرمایا کرتے تھے کہ خالد بن ولیدؓ خواہ مخواہ شہادت کی تمنا میں پڑے ہوئے تھے اُن کا شہید ہونا ناممکن تھا آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالدؓ کو سیف اللہ کا لقب دیا تھا۔ یعنی اللہ کی تلوار اور ظاہر ہے کہ اللہ کی تلوار کو کون توڑ سکتا ہے۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ

سو کچھ اللہ کی مہر ہے، جو تو نرم دل ملا ان کو اور اگر

كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ

تو ہوتا سخت گو اور سخت دل تو منتشر ہو جاتے تیرے گرد سے۔

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي

سو تو ان کو معاف کر، اور ان کے واسطے بخشش مانگ اور ان سے مشورت لے

الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ

کام میں۔ پھر جب ٹھہر چکا، تو بھروسا کر اللہ پر۔ اللہ چاہتا ہے

يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿۱۵۹﴾ اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ

توکل والوں کو ÷ اگر اللہ تم کو مدد کرے گا تو کوئی تم پر

لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ

غالب نہ ہوگا۔ اور جو وہ تم کو چھوڑ دے گا پھر کون ہے کہ تمہاری مدد کرے گا

مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۗ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۶۰﴾

اس کے بعد ۔ اور اللہ پر بھروسا چاہیئے مسلمانوں کو ÷

خطاب خداوند عالم بسوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بابت برائے عفو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

قال تعالیٰ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ... الیٰ... وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝

اُحد کے دن جو بعض مسلمانوں سے لغزش ہوئی تو اُس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دل رنجیدہ ہوا تو اندیشہ تھا کہ آپؐ ان کو ملامت کریں اور آئندہ اُن سے مشورہ نہ لیا کریں۔ حق تعالیٰ نے صحابہ کی سفارش فرمائی کہ آپؐ ان کا قصور معاف فرما دیں اور حسب دستور ان سے معاملات میں مشورہ کیا کریں۔ ان کی ساتھ تلطف اور نرمی کا معاملہ فرمائیں چنانچہ حضور پُر نورؐ نے جنگ اُحد سے واپسی کے بعد ان کے ساتھ نہایت نرمی کا معاملہ فرمایا اور لغزش پر کوئی ملامت نہیں کی اس بارہ میں یہ آئندہ کی آیتیں نازل ہوئیں پس اس لغزش اور عدول حکمی کے باوجود اللہ کی رحمت سے آپ اُن کے لیے نرم ہو گئے اور آپؐ نے ان کو کوئی ملامت نہیں کی اور اگر بالفرض والتقدیر خدانخواستہ آپ درشت خو اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے منتشر اور پراگندہ ہو جاتے اس لیے کہ سخت خو اور سخت دل کتنا ہی باکمال کیوں نہ ہو لوگ اس کے پاس جمع نہیں ہوتے اس صورت میں یہ لوگ آپؐ کی ہدایت اور نصیحت سے محروم ہو جاتے اور تمہاری دعوت قبول نہ کرتے اور آپؐ کا اجر بھی متبعین کی قلت کی وجہ سے کم ہو جاتا پس آپؐ کے حکم کی تعمیل میں ان سے جو کوتاہی ہوئی اُس سے درگذر کیجئے اور اس پر کوئی مواخذہ نہ کیجیے اور حق تعالیٰ کے حکم میں جو کوتاہی ہو گئی اس میں آپ ان کے لیے دعاءِ مغفرت کیجیے کہ اللہ تعالیٰ ان کی خطا اور کوتاہی معاف فرمائے اور حسب دستور آپ اُن سے اُن کاموں میں مشورہ لیتے رہیئے جن کے بارہ میں اللہ کی طرف سے کوئی قطعی حکم نازل نہیں ہوا تاکہ آپؐ کے اس تلطف اور عنایت کو دیکھ کر یہ

شکستہ خاطر مطمئن ہو جائیں کہ حضور پُر نورؐ ہم سے راضی ہو گئے صرف معاف کر دینے سے دل مطمئن نہیں ہوتا جب تک کہ معاملہ شفقت و عنایت کا نہ کیا جائے پس مشورہ کے بعد جب کوئی بات طے ہو جائے اور آپ اس پر پختہ ارادہ فرمالیں تو اللہ پر بھروسہ کیجئے نہ کہ مشورہ پر اپنے مشورہ اور تدبیر پر اعتماد نہ کرنا بلکہ اللہ کی امداد اور تائید پر نظر رکھنا تحقیق اللہ تعالےٰ توکل والوں کو محبوب رکھتا ہے عقل کے لحاظ سے اگرچہ صحابہ کا گروہ عقلاء کا گروہ ہے اور بلاشبہ قابل مشورہ ہے مگر اعتماد اور بھروسہ اللہ پر چاہیئے نہ کہ عقلاء پر اس لیے کہ اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب نہیں آسکتا اور اگر وہی چھوڑ دے تو پھر وہ کون ہے جو اس کی مدد چھوڑنے کے بعد تمہاری مدد کرے اور اللہ ہی پر بھروسہ چاہیئے ایمان والوں کو عقلاء کے مشورہ اور تدبیر پر بھروسہ نہ کرنا چاہیئے عقل اور عقلاء سب اس کے ہاتھ میں ہیں اسلام کی یہی تعلیم ہے کہ اسباب کو ترک نہ کریں بلکہ اُن سے کام لیں مگر اسباب کو مؤثر حقیقی نہ سمجھیں۔ مؤثر حقیقی قادر مطلق کو سمجھیں اور نظر اسی پر رکھیں اور اسباب کو واسطہ سے زیادہ کچھ نہ سمجھیں۔

فائدہ (۱) یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا میں حق تعالےٰ مسلمانوں کو کافروں کے ساتھ تشبہ اور مشابہت سے منع فرماتا ہے کہ اخلاق و عادات اور لباس اور معاشرت میں اُن کے مشابہ نہ بنیں۔ حق تعالےٰ نے اس آیت میں یہ نہیں فرمایا کہ تم کافر نہ بنو بلکہ یہ فرمایا کہ تم کافروں کے مشابہ نہ بنو کافر ہونا اور چیز ہے اور کافر کے مشابہ بننا اور چیز ہے اور باغی بننا اور چیز ہے اور باغیوں کے مشابہ اور ہم شکل اور ہم رنگ ہو جانا اور چیز ہے۔

اور حدیث میں ہے من تشبہ بقوم فھو منھم رواہ ابوداؤد عن ابن عمرؓ والطبرانی عن حذیفہؓ جو شخص کسی قوم کے مشابہ بنتا ہے پس وہ شخص انہی میں سے شمار ہو گا جیسے پاکستان کا کوئی فوجی سپاہی۔ بھارت کے فوجی سپاہی کی وردی پہن لے تو اگر مسلمان سپاہی اس کے گولی مار دے تو جرم نہ ہو گا۔ یا کوئی افسر سرکاری دفتر سے پاکستانی جھنڈا اتار کر بھارت کا جھنڈا اس پر لہرا دے تو اسی وقت قابل معزولی ہو گا اور اگر وہ افسر یہ تقریر کرنے لگے کہ میں نے صرف ایک کپڑے کا ٹکڑا اور لکڑی کا ایک ڈنڈا ہی بدل دیا ہے اس کا کیا مضائقہ ہے اس سے یہ کیسے ثابت ہوا کہ میں حکومت پاکستان کا مخالف ہوں تو کیا حکومت کے نزدیک اُس افسر کی یہ تقریر دلپذیر اُس کو معزولی سے بچا سکے گی۔

اسی طرح سمجھو کہ احکم الحاکمین یہ حکم دیتا ہے کہ جن کو ہم نے اپنی کتاب (قرآن) میں مغضوب اور ملعون اور گمراہ قرار دیا ہے ان کے تشبہ سے پرہیز کرو حیرت ہے کہ مجازی اور فانی حکومت میں تو دشمنان حکومت کا تشبہ۔ بالاتفاق قبیح اور ممنوع ہو اور احکم الحاکمین کے دشمنوں سے تشبہ کا جب ذکر آئے تو اس کو تنگ نظری سمجھیں۔ بلکہ دشمنوں کے ساتھ تشبہ کی ممانعت اور قباحت کا مسئلہ کافروں کے نزدیک بھی مسلّم ہے بھارت کے کسی سپاہی یا فوجی افسر کی یہ مجال نہیں کہ وہ مسلمانوں کا سا لباس اختیار کرے اور علیٰ ہذا کسی یورپین حکومت کے وزیر یا افسر کی یہ مجال نہیں کہ وہ جبّہ اور دستار پہن کر اجلاس کر سکے نہ معلوم ان مغرب زدہ

ذہنیتوں کی غیرت کہاں چلی گئی خوب سمجھ لو کہ اپنے مذہبی اور قومی شعار اور امتیاز کو چھوڑ کر غیر قوم کے شعار اور امتیاز کو اختیار کرنا اوّل تو یہ غیرت کے خلاف ہے دوّم یہ کہ غیروں کا تشبہ عملی طور اپنی کمتری اور دوسری قوم کی برتری کے اقرار اور اعتراف کے مرادف ہے دنیا کا طریق ہے کہ ادنیٰ اعلیٰ کے اتباع کو اپنے لیے عزت و فخر سمجھتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ اپنے مذہبی اور قومی لباس کو اور اس لباس کے پہننے والوں کو ذلت اور حقارت کی نظروں سے دیکھنے لگتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ مذہب اور اہل مذہب ہی سے متنفر اور بیزار ہو جاتا ہے۔ یہ فرنگی کے ہمرنگی کے عشق کی آخری منزل ہے اس منزل پر پہنچ کر دین اور اہل دین سے تعلق ختم ہو جاتا ہے دعویٰ اسلام کا ہے اور دلدادہ ہیں مغربی تمدن اور معاشرہ کے۔ ؎

زاہدا تسبیح میں زنار کا ڈورا نہ ڈال
یا برہمن کی طرف ہو یا مسلماں کی طرف

ف (۲) حق تعالیٰ نے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو وہ عقل اور فراست عطا کی تھی جو تمام عالم کی عقل سے بالا اور اعلیٰ تھی اور آپ کو کسی کے مشورہ کی حاجت نہ تھی اور پھر نزول وحی کی وجہ سے آپؐ بالکلیہ مشورہ سے مستغنی تھے پس وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ کے حکم سے مقصود امت کی تعلیم ہے کہ امت میں مشورہ کا طریقہ جاری ہو کہ جو دینی اور دنیوی امر ایسا پیش آئے جس کے بارہ میں کوئی حکم خداوندی منصوص نہ ہو تو اس کے بارہ میں ایسے لوگوں سے مشورہ کیا جائے جو کہ مشورہ کے اہل ہوں اور جن کی رائے اور عقل۔ عقلاء کے نزدیک قابل وثوق اور اعتماد ہو۔

روی ابن مردویہ عن علی بن ابی طالب قال سئل رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم عن العزم قال مشاورۃ اھل الرأی ثم اتباعھم۔ (تفسیر ابن کثیر ص۴۲۰ ج۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ آیت مشورہ میں فَاِذَا عَزَمْتَ سے کیا مراد ہے تو آپ نے فرمایا اہل رائے سے مشورہ کرنا اور پھر ان کا اتباع کرنا مراد ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آیت میں جو مشورہ کا حکم مذکور ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر کس و ناکس سے مشورہ کر لیا کریں بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس امر کا حکم شریعت میں منصوص نہ ہو یا تعارض ادلہ کی وجہ سے اس میں کسی قسم کا اجمال اور خفاء پیدا ہو گیا ہو تو اہل الرأی اور اصحاب الرأی سے مشورہ کریں اور اس کا اتباع کریں۔

ف (۳) اصطلاح علماء میں اہل الرأی کا لفظ زیادہ تر امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب کے لیے مستعمل ہوتا ہے۔ عجب نہیں کہ اس تفسیر میں اسی طرف اشارہ ہو۔

مشورہ کی حقیقت

لفظ مشورہ اور لفظ شوریٰ عربی زبان میں شُرْتُ الْعَسَلَ شَوْرًا سے ماخوذ ہے جس کے معنی چھتہ میں سے شہد نکالنے کے ہیں گویا کہ مجلس شوریٰ بمنزلہ شہد کے چھتہ کے ہے جس سے مقصود ایسی عمدہ رائے کا معلوم کرنا ہے جو عمدگی اور شیرینی میں بمنزلہ شہد کے ہو اور جس طرح شہد شفاء امراض کا کام دیتا ہے اسی طرح یہ عمدہ رائے بھی مشکلات اور مہلکات میں شفاء کا کام دے اور ندامت اور حسرت اور پریشانی اور پشیمانی سے عافیت دے حدیث میں ہے۔

المشورة حصن من الندامة وامان من الملامة (کتاب ادب الدنیا والدین ص۲۰۷)	مشورہ ندامت سے محفوظ رہنے کا ایک قلعہ ہے اور ملامت سے امن ہے۔

مشورہ کے فوائد

مشورہ کا فائدہ یہ ہے کہ مسئلہ کے تمام پہلو روشن ہو جائیں گے اور اطراف وجوانب کی چھوٹی اور بڑی چیزیں نمودار ہو جائیں گی مجلس مشاورت میں کوئی ذی رائے اور ہوشیار زیادہ ہوگا اور کوئی صاحب تدبیر اور تجربہ کار زیادہ ہوگا کوئی شخص کتنا ہی عاقل اور ہوشیار کیوں نہ ہو مگر میدان کارزار کا تجربہ کار نہ ہو تو جنگی امور میں تنہا اس کا مشورہ ناتمام ہوگا بہتر یہ ہوگا کہ عقل اور تجربہ دونوں ہی سے مشورہ کر کے جنگ شروع کی جائے کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

الرأي كالليل مسود جوانبه والليل لا ينجلي الا باصباح

رائے مثل شب دیجور کے ہے کہ جس کے تمام اطراف سیاہ اور تاریک ہیں اور رات کا اندھیرا بغیر صبح کی روشنی کے زائل نہیں ہو سکتا۔

فاضمم مصابيح آراء الرجال الى مصباح رأيك تزدد ضوء مصباح

پس لوگوں کے رایوں کے چراغوں کی روشنیوں کو اپنی رائے کے چراغ کی روشنی کے ساتھ ملا لے تاکہ تیرے چراغ کی روشنی بڑھ جائے۔

مطلب یہ ہے کہ ایک چراغ کی روشنی کم ہوتی ہے اور بہت سے چراغ مل کر روشنی خوب ہو جاتی ہے اور کوئی چیز تاریکی اور اشتباہ میں نہیں رہنے پاتی بہت سے چراغوں کی روشنی تیز بھی ہوگی اور دور تک بھی پہنچے گی مگر شرط یہ ہے کہ عقل کے چراغ کو اخلاص اور تقویٰ اور امانت اور دیانت کے تیل سے روشن کیا جائے لیکن اگر خدانخواستہ کسی چراغ میں خود غرضی اور حسد اور پارٹی بندی کے تیل کا کوئی قطرہ بھی شامل ہو گیا تو اس چراغ میں سے سوائے دھویں کے اور کیا نمودار ہوگا۔ دھوئیں کے تاریکی کے علاوہ اس کی بدبو علیحدہ تکلیف دہ ہوگی۔ کسی بلیغ کا قول ہے۔

من حق العاقل ان يضيف الى رايه آراء العقلاء ويجمع الى عقله عقول الحكماء فان الرأي الفذ ربما زل والعقل الفرد ربما ضل ۔	عاقل کا فرض یہ ہے کہ اپنی رائے کے ساتھ اور عقلاء کی رائے کو بھی ملا لے اور اپنی عقل کے ساتھ حکماء کی عقلوں کو جمع کر لے کیونکہ تنہا رائے بسا اوقات لغزش کھاتی ہے

(ادب الدنیا والدین ص۲۰۷)

اور تنہا عقل بسا اوقات گمراہ ہوتی ہے۔

اور حکمت کے بکھرے ہوئے موتیوں میں سے ایک موتی یہ ہے۔

المشاورة راحة لك وَتعَبٌ على غيرك (ادب الدنیا والدین ص۲۰۷)

مشورہ تیرے لیے راحت ہے اور دوسرے پر بوجھ ہے۔

کسی عاقل کا قول ہے۔

اذا اشكلت عليك الامور وتغير لك الجمهور فارجع الى رأى العقلاء وافزع الى استشارة العلماء ولا تأنف من الاسترشاد ولا تستنكف من الاستمداد فَلَاَنْ تسأل تسلم خير لك من ان تستبد وتندم۔

(ادب الدنیا والدین ص۲۰۹)

جب تجھ کو معاملات میں کوئی اشکال اور دشواری پیش آئے اور عام جمہور تجھ سے منحرف ہو جائیں تو تجھ کو عقلاء کی رائے کی طرف رجوع کرنا چاہیئے اور گھبرا کر علماء کے مشورہ کی پناہ لینی چاہیئے لوگوں سے مشورہ اور امداد طلب کرنے میں حیاء اور عار نہ کرنی چاہیئے۔ عقلاء سے پوچھ کر کوئی کام کر لینا اور آئندہ کی ندامت سے سالم و محفوظ ہو جانا یہ بہتر ہے کہ خود رائی سے کام کرکے شرمندہ اور پشیمان ہو۔

وصف رجل عضد الدولة فقال له وجه فيه الف عين وفم فيه الف لسان وصدر فيه الف قلب۔

ایک شخص نے عضد الدولہ کی تعریف میں یہ لکھا کہ اس کے لیے ایک چہرہ ہے جس میں ہزار آنکھیں ہیں اور اس کے ایک منہ ہے جس میں ہزار زبانیں ہیں اور اس کے ایک سینہ ہے جس میں ہزار دل ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ عضد الدولہ باوجود دانشمند اور زیرک ہونے کے تنہا اپنی رائے سے کوئی کام نہیں کرتا بلکہ ہزار عاقلوں کے مشورہ سے کام کرتا ہے گویا کہ ہزار دلوں اور ہزار آنکھوں اور ہزار زبانوں سے سوچتا اور دیکھتا اور بولتا ہے۔

کسی حکیم اور دانا کا قول ہے۔

كل شئ يحتاج الى العقل والعقل يحتاج الى التجارب ولذلك قيل الايام تهتك لك الستار الكامنة

(ادب الدنیا والدین ص۲۰۷)

ہر چیز محتاجِ عقل ہے اور عقل محتاج ہے تجربوں کی اسی وجہ کہا گیا ہے کہ زمانہ کے تجربے پوشیدہ چیزوں کے پردے اٹھا دیتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ عقلِ فطری کے ساتھ تجربہ کا شامل ہونا ضروری ہے اس لیے کہ تجربوں کی کوئی حد اور نہایت اور غایت نہیں عقل فقط ممکنات کا ادراک کر سکتی ہے واقعات کا احاطہ نہیں کر سکتی اس لیے مشورہ جب مکمل ہوگا جبکہ عقل کے ساتھ تجربہ بھی ہو۔

اَہلیّتِ مَشُوْرَہ

یعنی کون لوگ مشورہ کے اہل ہیں جن سے مشورہ لیا جائے

قاضی ابوالحسن بصری ماوردیؒ ادب الدنیا والدین ص۲۰۷ میں فرماتے ہیں مشورہ کا اہل وہی شخص ہو سکتا ہے جس میں یہ پانچ خصلتیں اور پانچ صفتیں موجود ہوں۔

۱۔ عقل کامل کے ساتھ تجربہ بھی رکھتا ہو۔ کثرۃ تجارت سے عقل اور فکر درست ہو جاتا ہے۔

حدیث میں ہے۔

استرشدوا العاقل ترشدوا ولا تعصوہ فتندموا۔ رواہ الخطیب عن ابی ھریرۃ (فیض القدیر ص۴۸۹ ج۱)

رشد اور ہدایت اگر مطلوب ہے تو عاقل کامل سے مشورہ کرو۔ صواب کو پہنچو گے اور عاقل کی نافرمانی نہ کرنا کہ پچھتاؤ گے۔

شیخ عبدالرؤف مناویؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت سے مشورہ نہ کرے اس لیے کہ حضور پُر نور کا حکم یہ ہے کہ مشورہ کامل العقل سے کرو اور حدیث میں ہے کہ عورتیں ناقصات العقل والدّین ہیں یعنی عورتوں کی عقل بھی ناقص اور دین بھی ناقص ہے۔ اور حضرت عمرؓ کا فرمان ہے۔

خالفوا النساء فان فی خلافھن البرکۃ (فیض القدیر ص۴۹۰ ج۱)

عورتوں کا خلاف کرو ان کے خلاف میں برکت ہے۔

بلکہ حکماء کا قول ہے۔

لا تستشیروا المقعود مع النساءَ

عورتوں کے پاس زیادہ بیٹھنے والے شخص سے بھی مشورہ مت کرو۔

۲۔ دوسری خصلت جس کا مشیر میں ہونا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ مشیر دین دار اور متقی اور پرہیزگار ہو اس لیے کہ جو شخص دیندار اور پرہیزگار نہ ہو اس کے مشورہ کا کیا اعتبار۔

حدیث میں ہے۔

من اراد امرا فشاور فیہ امرءا مسلما وفقہ اللہ لارشد امورہ رواہ الطبرانی عن ابن عباس (فیض القدیر صـ۵۰ ج ۶)	جو شخص کسی کام کا ارادہ کرے اور پھر وہ کسی سچے اور پکے مسلمان یعنی متقی اور پرہیزگار سے مشورہ کرے تو توفیق خداوندی اُس کو بہترین امور کی طرف لے جائے گی۔

۳- تیسری خصلت جو مشیر میں ہونی چاہیئے وہ یہ ہے کہ مشورہ دینے والا محب ناصح ہو یعنی خیرخواہ اور ہمدرد ہو اور اس کا دل حسد اور کینہ اور بغض اور عداوت سے پاک ہو محبت اور ہمدردی اور خیرخواہی ہی صحیح مشورہ کا باعث بن سکتی ہیں بخلاف حاسد اور کینہ ور کے کہ اُس کا مشورہ تو سمّ قاتل ہوگا اسی بناء پر بعض حکماء کا قول ہے۔

لا تشاور الا الحازم غیر الحسود واللبیب غیر الحقود وایاک ومشاورۃ النساء فان رأیھن الی الافن وعزمھن الی الوھن۔ (ادب الدنیا والدین صـ۲۰۸)	مت مشورہ کرنا مگر ایسے ذی رائے اور محتاط سے جو حاسد نہ ہو اور ایسے عاقل اور دانشمند سے جو کینہ ور نہ ہو اور عورتوں کے مشورہ سے پرہیز کرنا کیونکہ ان کی رائے کا میلان فساد کی طرف ہوتا ہے اور ان کا عزم سستی اور کمزوری کی جانب ہوتا ہے

اور علیٰ ہذا اگر مشیر متعدد ہوں (جیسا کہ آج کل کی اسمبلی) تو ان میں یہ ضروری ہوگا کہ اسمبلی کے افراد باہمی حسد اور تنافس سے خالی ہوں ورنہ اسمبلی۔ مجلس مشاورت نہ ہوگی بلکہ مجلس منازعت اور مخاصمت ہوگی۔ لوگ تماشہ دیکھ کر واپس ہو جائیں گے۔

۴- چوتھی خصلت یہ ہے کہ مشورہ دینے والا کسی فکر اور پریشانی میں بتلا نہ ہو اس لیے کہ جو شخص ہموم وغموم کا شکار ہو اور پریشانیوں میں مبتلا ہو اس کا قلب اور دماغ صحیح نہ ہوگا۔ اس لیے وہ صحیح مشورہ نہیں دے سکتا۔

۵- پانچویں خصلت یہ ہے کہ جس امر میں مشورہ لیا جا رہا ہے اُس سے مشیر کی کوئی نفسانی خواہش اور غرض مضمر متعلق نہ ہو خود غرض کا کوئی مشورہ قابل اعتبار نہیں "چوں غرض آمد ہُنر پوشیدہ شد" یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں ماں باپ کی شہادت اولاد کے حق میں۔ اور زوجین کی شہادت ایک دوسرے کے حق میں۔ اور غلام کی شہادت آقا کے حق میں معتبر نہیں مانی گئی کیونکہ اغراض اور منافع باہم مشترک ہیں۔ یہ شہادت خود غرضی کے شائبہ سے خالی نہیں اس لیے معتبر نہیں۔

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ۭ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ

اور نبی کا کام نہیں کہ کچھ چھپا رکھے، اور جو کوئی چھپا دے گا وہ

بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا

لادے گا اپنا چھپایا دن قیامت کے ۔ پھر پورا پادے گا ہر کوئی اپنا

كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ

کمایا اور ان پر ظلم نہ ہو گا ۔ کیا ایک شخص جو تابع ہے ۔

اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۚ

اللہ کی مرضی کا، برابر اس کے جو کما لایا غصہ اللہ کا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ۔

وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶۲﴾ هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَ

اور کیا بری جگہ پہنچا ۔ لوگ کئی درجے ہیں اللہ کے ہاں اور

اللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۳﴾ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى

اللہ دیکھتا ہے جو کرتے ہیں ۔ اللہ نے احسان کیا ایمان والوں

الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ

پر، جو بھیجا ان میں رسول انہی میں کا، پڑھتا ہے ان پر

يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ

آیتیں اس کی اور سنوارتا ہے ان کو اور سکھاتا ہے ان کو

وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ

کتاب اور کام کی بات۔ اور وہ تو پہلے سے صریح گمراہ

مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾

تھے،

بیان نزاہت منصب نبوّت از شائبہ و واہمۂ خیانت ؏

قال تعالیٰ وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ .... الیٰ .... وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ■

اس آیت میں حق جل شانہٗ نے یہ بیان فرمایا کہ نبی کی یہ شان نہیں کہ وہ ذرہ برابر بھی خیانت کرے منصب نبوت کے ساتھ خیانت جمع نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا لوگوں کو چاہیئے کہ نبی کی عظمت و حرمت اور عصمت و امانت کو مستحضر رکھیں اور کوئی لفظ زبان سے ایسا نہ نکالیں جو منصب نبوت کے خلاف ہو۔

اس آیت کے شانِ نزول میں مختلف روائتیں آئی ہیں۔

۱۔ ابوداؤد اور ترمذی وغیرہ میں ابن عباس رضؓ سے مروی ہے کہ بدر کے دن غنیمت میں سے ایک سُرخ چادر گم ہوگئی اس پر کسی شخص نے کہا کہ شاید رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے لے لی ہوگی۔ یہ کہنے والا کوئی منافق تھا جیسا کہ بعض روایات میں خود ابن عباسؓ سے منقول ہے۔ (تفسیر ابن کثیر) اس کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی کہ نبیؐ سے کسی قسم کی خیانت کا صدور نا ممکن اور محال ہے کیونکہ نبوت کا دارومدار صدق اور امانت پر ہے۔

۲۔ بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیات غزوۂ اُحد کے متعلق نازل ہوئیں۔ کلبیؒ اور مقاتلؒ کا قول ہے کہ اُحد کے دن جن تیر اندازوں کو گھاٹی پر متعین کیا تھا وہ اپنی متعینہ جگہ کو چھوڑ کر نیچے اتر آئے اور ان میں سے کسی کو اندیشہ یہ ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فوج میں یہ حکم صادر فرمائیں کہ کفار سے جو شئے جس کے ہاتھ لگے وہ اسی کی ہے اور مال غنیمت کو آپؐ تقسیم نہ فرمائیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ نبیؐ کے لیئے یہ لائق نہیں کہ وہ تقسیم غنیمت میں خیانت کرے کہ بعض کو دے اور بعض کو نہ دے۔

پس اس روایت کی بنا پر بعض مستحقین کو مال غنیمت کے حصہ سے محروم کرنے کو مبالغۃً غلول اور خیانت سے تعبیر کیا گیا ہے کہ مال غنیمت کو مستحقین پر برابر نہ تقسیم کرنا یہ بھی ایک قسم کی خیانت ہے جس سے اللہ کا نبی پاک اور منزہ ہوتا ہے۔

بعض علماء نے پہلی روایت کے مقابلہ میں اس روایت کو ترجیح دی ہے کہ ما قبل اور ما بعد کی تمام آیتیں واقعۂ اُحد ہی کے متعلق ہیں لہٰذا سیاق کلام کا مقتضی یہ ہے کہ یہ آیت بھی واقعۂ اُحد ہی کے متعلق ہونی چاہیئے۔

بہر حال آیت غزوۂ اُحد سے متعلق ہو یا غزوۂ بدر سے مقصود ایک بیعنوانی پر تنبیہ کرنا ہے گزشتہ آیات میں جنگ اُحد کی ایک کوتاہی کو بیان فرمایا۔ اب اس آیت میں جنگ بدر کی ایک کوتاہی کو یاد دلایا۔ اور یہ بتلا دیا کہ منصب نبوت کے ساتھ خیانت جمع نہیں ہوسکتی نبی خدا کا امین ہوتا ہے اور اللہ کا محترم بندہ ہوتا ہے اور ہر حال میں اس کی مرضی کے تابع ہوتا ہے شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہٗ

لکھتے ہیں.

مترجم گوید چوں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم متصرف بودند در غنیمت ایں آیت نازل شد تا کسے گمان خیانت نکند	مترجم کہتا ہے کہ چونکہ مال غنیمت میں تصرف اور اس کا انتظام آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد تھا اس لیے من جانب اللہ یہ آیت نازل ہوئی تاکہ کوئی شخص آپ کی نسبت خیانت کا شبہ اور گمان بھی نہ کر سکے.

نیز چونکہ سلسلۂ کلام جہاد سے متعلق ہے اس لیے درمیان میں مال غنیمت کے متعلق ایک حکم بیان فرما دیا چنانچہ فرماتے ہیں اور کسی نبی کی یہ شان نہیں کہ وہ کوئی چیز چھپا کر رکھے یا کسی قسم کی کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ خیانت کرے. منصب نبوت کے ساتھ خیانت جمع نہیں ہو سکتی اور جس کو اللہ تعالےٰ نے بلند مرتبہ بنایا ہو اس سے ذلت اور فضیحت کے کام کا صدور اور ظہور ناممکن ہے کیونکہ جو شخص خیانت کرے گا وہ قیامت کے دن اس خیانت کو اپنے سر پر اٹھا کر لائے گا تاکہ میدان حشر میں ذلیل اور رسوا ہو. اور اللہ کا نبیؑ ہر قسم کی ذلت اور فضیحت سے پاک اور منزہ ہوتا ہے احادیث میں یہ مضمون بکثرت آیا ہے کہ جس نے جو چیز چھپائی ہوگی وہ قیامت کے دن میدان حشر میں اس حالت میں حاضر ہوگا کہ وہ چیز اُس کی گردن پر سوار ہوگی کسی کی گردن پر اونٹ سوار ہوگا اور کسی کی گردن پر گھوڑا وغیرہ ذلک. ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر اس حدیث کے متعلق یہ اشکال پیش کیا کہ جس شخص نے سو یا دو سو اونٹوں کی خیانت کی وہ اتنے اونٹ اپنی گردن پر کیسے اٹھائے گا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ جس شخص کی ایک ڈاڑھ جبلِ اُحد کے برابر ہوگی وہ اتنے سارے اونٹوں کو بھی اٹھا سکے گا. حضرت ابو ہریرہؓ کا یہ جواب محض سائل کی تشفی اور اطمینان کے لیے تھا ورنہ خدا کی قدرت کے لیے بدن کے بڑے ہونے کی بھی ضرورت نہیں. اس زمانہ میں چھوٹے سے جرِ ثقیل کے آلہ سے بڑے بڑے بحری جہاز اوپر اٹھا لیے جاتے ہیں یہ تو ایک ضعیف البنیان انسان کی قدرت کا حال ہے تو قادر مطلق اور توانائے برحق کی قدرت وطاقت کا کیا پوچھنا. پھر خائن کی اس ذلت وفضیحت پر معاملہ ختم نہ ہو جائے گا بلکہ اُس کو خیانت کی پوری پوری سزا ملے گی اس لیے کہ قیامت کے دن ہر نفس کو اُس چیز کی جو اس نے کیا ہے پوری پوری جزا دی جائے گی خاص کر حقوق العباد میں اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا مطلب یہ ہے کہ اول لوگوں کی بداعمالیوں اور خیانتوں کو ظاہر کریں گے اور اس کے بعد اُن کو اُن کے اعمال کی جزا دی جائے گی غرض یہ کہ خائنین قیامت کے دن اللہ کے مغضوب اور معتوب ہوں گے اور ذلیل وخوار ہوں گے اور حضرات انبیاء کرامؑ حق تعالےٰ کے من کل الوجوہ پسندیدہ اور برگزیدہ بندے ہیں اور مصطفین الاخیار اور مرتضین الابرار

کے مصداق ہیں اور جن کا ظاہر و باطن ہر حال میں اللہ کی مرضی کے تابع ہے وہ قیامت کے دن سربلند ہوں گے اور ہر قسم کی ندامت و پشیمانی سے بالکلیہ مامون اور محفوظ ہوں گے جیسا کہ آگے ارشاد ہے کیا پس ایسا شخص جو اللہ کی خوشنودی اور رضامندی کا تابع اور پیرو ہو چکا ہو ایسا شخص معاذ اللہ۔ کیا کسی قسم کی خیانت کر کے اس شخص کے مانند اور برابر ہو سکتا ہے جس نے خیانت کر کے اللہ کے غصہ کو کمایا ہو اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہو اور کیا ہی بُری جگہ ہے جو اُن لوگوں کے لیے بنائی گئی ہے جو خدا تعالیٰ کے مغضوب ہیں نہ ان لوگوں کے لیے جو رضاء حق کے تابع ہوں لوگوں کے درجات اور مراتب مختلف ہیں کوئی ادنیٰ اور کوئی اعلیٰ۔ کوئی اعلیٰ علیین میں اور کوئی قعرِ سجین میں اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے اعمال کو دیکھنے والے ہیں۔ عمل کے مطابق جزاء اور سزا ملے گی۔ آگے ارشاد فرماتے ہیں کہ نبیؐ سے خیانت کا صدور اور ظہور اس وجہ سے بھی ناممکن ہے کہ خیانت تو ایک بلا اور معصیت ہے اور نبی کا وجود حق تعالیٰ کی منّتِ عظمیٰ اور نعمتِ کبریٰ ہے اس لیے حق تعالیٰ آئندہ آیت میں اپنے احسان کو جتاتے ہیں اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اوصاف بیان فرماتے ہیں تاکہ لوگ اس نعمت کی قدر کریں اور آپؐ کی عظمت و حرمت کا پورا پورا لحاظ رکھیں اور دل میں ایسی چیز کا وسوسہ بھی نہ آنے دیں جو حضور پُرنورؐ کی شان رفیع کے شایان شان نہ ہو۔ تحقیق اللہ تعالیٰ نے بلاشبہ ایمان والوں پر بڑا احسان فرمایا کہ اُن میں انہی کی جنس سے ایک عظیم الشان رسول بھیجا جو انہیں اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے جن کے انوار و برکات سے دل کی ظلمات دور ہوتی ہیں اور پھر وہ رسول اپنے فیض صحبت اور باطنی توجہ سے اُن کو کفر اور شرک کی نجاست اور نفسانی آلائشوں سے پاک اور صاف کرتا ہے اور دلوں کو مانجھ کر صیقل بنا دیتا ہے اور ان کو کتاب الٰہی کی تعلیم دیتا ہے یعنی قرآن کریم کے غوامض اور مشکلات کو حل کرتا ہے اور صحابہ کرام کو آیت کے متعلق اگر کوئی شبہ پیش آتا ہے تو اس کا ازالہ فرما دیتے ہیں۔ جیسا کہ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَھُمْ بِظُلْمٍ کے متعلق صحابہ کو جب شبہ پیش آیا تو اس کا ازالہ فرما دیا کہ آیت میں ظلم سے مطلق معصیت مراد نہیں بلکہ شرک مراد ہے اور یہ آیت تلاوت فرمائی اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ۔ اور اس قسم کے لیے بے شمار نظائر احادیث نبویہ میں موجود ہیں اور حکمت اور دانائی کی باتوں کی اُن کو تعلیم دیتا ہے اور اس تعلیم کا عجب حال ہے کہ جس سے عرب کے جاہل اور لٹھ ایسے حکیم اور دانا بنے کہ سارے عالم کے معلم بن گئے اور جن کی حکمت اور دانائی نے حکماء یونان اور فلاسفۂ عالم کو نیچا دکھا دیا اور تحقیق یہ لوگ جو آپ کی تعلیم و تربیت سے حکیم اور دانا بنے آپ کی کفش برداری سے پہلے صریح گمراہی میں مبتلا تھے پس کیا جس رسول کی تعلیم و تربیت نے جاہلوں کو حکیم بنا دیا ہو اور گندوں کو نفسانی آلائشوں سے پاک اور صاف کر دیا ہو کیا اُس سے کسی قسم کی خیانت کا صدور ممکن ہے کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

درفشانی نے تری قطروں کو دریا کر دیا ⁂ دل کو روشن کر دیا آنکھوں کو بینا کر دیا

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی ہوگئے ⁂ کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کر دیا۔

ف اس آیت کے اکثر الفاظ پارۂ اوّل کے اخیر میں اور پارۂ دوم کے اوّل میں گذر چکے ہیں وہاں ان کی تفسیر دیکھ لی جائے۔ خلاصۂ کلام یہ کہ نادانوں میں ایسا دانا پیدا کرنا جو ان کو دانائی سکھائے اور ان پڑھوں کو کتاب پڑھنا سکھائے اور ظاہری اور باطنی ناپاکی اُن سے دور کرے اور گمراہوں کو ہدایت کرے یہ اللہ تعالےٰ کا بہت ہی بڑا احسان ہے کہ اس نے اس امت کے لیے ایسے نبی کو مبعوث کیا۔

ے

آفتاب آمد دلیل آفتاب
گر دلیلے باید ازوے رومتاب

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ
کیا جس وقت تم کو پہنچی ایک تکلیف کہ تم پہنچا چکے ہو اس کے

مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ؕ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ
دو برابر، کہتے ہو یہ کہاں سے آئی؟ تو کہہ یہ آئی تم کو اپنی

اَنْفُسِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۶۵﴾ وَمَآ
طرف سے۔ اللہ ہر چیز پر قادر ہے ⁂ اور جو

اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ
کچھ تم کو سامنے آیا جس دن بھڑیں دونوں فوجیں سو اللہ کے حکم سے، اور

الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۶۶﴾ ۙ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۚۖ وَقِيْلَ لَهُمْ
اس واسطے کہ معلوم کرے ایمان والوں کو۔ اور تا معلوم کرے ان کو جو منافق تھے۔ اور کہا اُن کو کہ

تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ؕ قَالُوْا
آؤ لڑو اللہ کی راہ میں، یا دفع کرو دشمن، بولے

لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا تَّبَعْنٰكُمْ ؕ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ
ہم کو معلوم ہو لڑائی تو تمہارا ساتھ کریں۔ وہ لوگ اس دن کفر کی طرف

اَقۡرَبُ مِنۡهُمۡ لِلۡاِيۡمَانِ ۚ يَقُوۡلُوۡنَ بِاَفۡوَاهِهِمۡ مَّا

نزدیک ہیں ایمان سے ۔ کہتے ہیں اپنے منہ سے جو

لَيۡسَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ ؕ وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ بِمَا يَكۡتُمُوۡنَ ۚ﴿۱۶۷﴾

نہیں ان کے دل میں ۔ اور اللہ خوب جانتا ہے جو چھپاتے ہیں ۔

اَلَّذِيۡنَ قَالُوۡا لِاِخۡوَانِهِمۡ وَقَعَدُوۡا لَوۡ اَطَاعُوۡنَا مَا

وہ جو کہتے ہیں اپنے بھائیوں کو اور آپ بیٹھ رہے ہیں، اگر وہ ہماری بات

قُتِلُوۡا ؕ قُلۡ فَادۡرَءُوۡا عَنۡ اَنۡفُسِكُمُ الۡمَوۡتَ اِنۡ

مانتے تو مارے نہ جاتے، تو کہہ اب ہٹا دیجو اپنے اوپر سے موت ، اگر

كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۱۶۸﴾

تم سچے ہو ۔

ازالۂ حسرتِ ہزیمت از دوستاں و جوابِ شبہۂ دشمناں

قال تعالےٰ اَوَلَمَّاۤ اَصَابَتۡكُمۡ مُّصِيۡبَةٌ قَدۡ اَصَبۡتُمۡ مِّثۡلَيۡهَا .... الیٰ .... اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ۔

پہلے سے اُحد کا قصہ چلا آرہا ہے درمیان میں صحابہ سے جو کوتاہی ہوئی اس پر تنبیہ فرمائی۔ اب پھر قصۂ اُحد کی طرف عود فرماتے ہیں جس سے مقصود مسلمانوں کی ایک حسرت کو زائل کرنا ہے اور منافقوں کے ایک شبہ کا جواب دینا ہے بعض مسلمانوں کو یہ خیال ہوا کہ دین اسلام دین حق ہے اور خدا کا رسولؐ ہمارے ساتھ ہے اور ہم دین حق کی حمایت میں جہاد کر رہے ہیں اور کفار کفر اور شرک کی حمایت میں لڑ رہے ہیں تو انہوں نے ہم پر کیسے فتح پائی ۔

اور منافقوں نے یہ کہا کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو احد میں آپؐ کو شکست کیوں ہوئی چنانچہ فرماتے ہیں۔ کیا جس وقت اُحد میں تم کو ایسی مصیبت پہنچی جو بدر میں اس سے پہلے تم اپنے دشمنوں کو اس کا دو چند پہنچا چکے ہو تو تم بطور تعجب نہ بطور اعتراض یہ کہنے لگے کہ یہ مصیبت کہاں سے آئی یعنی جنگ اُحد

میں اگر تمہارے ستر آدمی شہید ہوگئے تو جنگِ بدر میں ان کے ستر آدمی مارے گئے اور ستر تمہارے ہاتھ قید ہوئے اور قیدی بھی مقتول کے برابر ہی ہوتا ہے تو ایسی حالت میں اپنی نصف مصیبت کا شکوہ کرنا اور بددل ہونا مناسب نہیں آپؐ اُن کے جواب میں کہہ دیجئے کہ یہ ساری مصیبت تمہاری طرف سے آئی یعنی تم خود ہی اس مصیبت کا سبب بنے ہو قصور تمہارا ہے کہ خلاف حکم تم اپنی معین جگہ چھوڑ کر درہ سے نیچے اترے یا قصور یہ ہے کہ تم نے بدر کے دن قیدیوں کو قتل کیوں نہ کیا۔ اور ان سے مال لے کر ان کو کیوں چھوڑ دیا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت فرما دیا تھا کہ اگر تم کافروں کو فدیہ لے کر چھوڑتے ہو تو تم میں سے ستر آدمی آئندہ چل کر شہید ہوں گے لوگوں نے اس کو قبول کیا اور مال لے کر ان کو چھوڑا۔ لہٰذا اس وقت تم اُحد کی اس مصیبت کا کیوں شکوہ کرتے ہو یہ تمہاری قبول کردہ مصیبت ہے نیز یہ بھی احتمال ہے کہ اُحد کے دن ابتدائے جنگ میں مسلمانوں نے جتنے مشرکوں کو قتل کیا ہو ان کی تعداد اُحد کے مسلمان مقتولین سے دو چند ہو بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ جس کو جب چاہے غالب اور جب چاہے مغلوب کرے۔ اور جو تکلیف تمہیں اس دن پہنچی یعنی اُحد کے دن جس دن دو فوجیں بھڑیں اور آپس میں لڑیں سو وہ تکلیف اللہ ہی کے حکم سے پہنچی۔ جس میں بے شمار حکمتیں اور مصلحتیں ہیں اور من جملہ بے شمار مصلحتوں کے ایک مصلحت یہ ہے تاکہ اللہ تعالیٰ مومنین کو جان لے یعنی اُن کے ایمان کو سب کے سامنے عیاں کردے کہ ایمان والے ایسے ہوتے ہیں اور تاکہ معلوم کرے ان لوگوں کو جو منافق ہوئے یعنی ان کا نفاق لوگوں کو معلوم ہو جائے اور لوگ اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرلیں کہ منافق ایسے ہوتے ہیں۔

ف منافق اس شخص کو کہتے ہیں جو ظاہر میں مسلمان اور دل میں کافر ہو۔ ابن انباریؒ فرماتے ہیں کہ منافق نفق سے مشتق ہے جس کے معنی سرنگ کے ہیں جس طرح انسان دشمن سے سُرنگ میں جاکر چھُپ جاتا ہے اسی طرح منافق مسلمانوں کے قتل و غارت سے بچنے کے لیے اسلام کے پردہ میں چھپ جاتا ہے۔

ابو عبیدہؒ کا قول یہ ہے کہ منافق "نافقاءؔ" سے مشتق ہے جنگلی چوہا اپنے بل کے دو دروازے رکھتا ہے ایک کا نام قاصعاء ہے اور دوسرے کا نام نافقاء ہے جب کوئی اسے پکڑنا چاہتا ہے تو ایک دروازہ سے داخل ہوتا ہے اور دوسرے دروازہ سے نکل بھاگتا ہے۔

اسی طرح منافق ایک طرف سے اسلام کے دروازہ میں داخل ہوتا ہے دیکھنے والا سمجھتا ہے کہ اسی دروازہ میں داخل ہوا ہے اور درپردہ کفر کے دروازہ سے نکل کر بھاگ جاتا ہے۔ آگے اِن منافقین کے نفاق کا حال بیان کرتے ہیں اور جب ان منافقین سے کہا گیا کہ اگر تم دعوائے اسلام میں سچے ہو تو آؤ اللہ کی راہ میں لڑو اور اس کی راہ میں دین کے دشمنوں سے جانبازی اور سرفروشی دکھلاؤ

یا کم از کم قوم یا وطن یا شہر سے دشمن کی مدافعت کرو[1] یعنی اگر دین کی خاطر دین کے دشمنوں سے نہیں لڑتے تو آؤ قوم اور وطن اور اہل وعیال ہی کی خاطر دشمن کی مدافعت کرو کیونکہ اگر دشمن کامیاب ہوگا تو وہ پامال کرنے میں مؤمن اور کافر مخلص اور منافق کی کوئی تمیز نہ کرے گا سب کو ایک ہی گھاٹ اتارے گا۔ مقصود اس سے اتمام حجت ہے کہ اگر خدا کے لیے اور خدا کے دین کے لیے نہیں لڑتے تو قوم اور وطن اور مال ومنال اور اہل وعیال ہی کے لیے دشمن کی مدافعت میں حصّہ لو۔

ف معلوم ہوا کہ جہاد وہ ہے جو صرف اللہ کے لیے اور اس کے دین کی حمایت اور حفاظت کے لیے ہو اور جو محض قوم اور وطن کے لیے ہو وہ جہاد نہیں منافق بولے کہ اگر ہم واقع میں اس کو لڑائی جانتے تو ضرور تمہارے ساتھ ہوتے لیکن یہ تو کوئی لڑائی نہیں ایک طرف تو تین ہزار کا لشکر جرار ہے اور ایک طرف ایک ہزار بے سروسامان آدمی ہیں یہ کوئی جنگ نہیں بلکہ مفت میں اپنی جانوں کو ہلاکت میں ڈالنا ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ اس دن بہ نسبت ایمان کے کفر کے زیادہ قریب تھے کیونکہ منافقین زبان سے دعوی اسلام کا کرتے تھے اور مسلمانوں کے ساتھ ملے جلے رہتے تھے لیکن آج کے دن اس جواب سے ان کے نفاق کی قلعی کھل گئی اس دن سے پہلے یہ لوگ اپنے کو مسلمان بتاتے تھے لیکن ظاہر میں اُن سے کوئی ایسی علامت ظاہر نہیں ہوئی تھی جو ان کے کفر پر دلالت کرے آج کے دن اُن کے اس جواب سے ان کا چھپا ہوا کفر ظاہر ہوگیا یہ منافقین اپنے منہ سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں یعنی ان کا ظاہر و باطن یکساں نہیں زبان سے اسلام کا اظہار کرتے ہیں اور دل میں کافر ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے جو دل میں چھپائے ہوئے ہیں یعنی ان کے اندرونی کفر اور نفاق سے خوب واقف ہے۔ یہ منافق۔ وہ لوگ ہیں جو خود جہاد سے بیٹھے رہے اور اپنی برادری کے بھائیوں کی نسبت یعنی اُن انصار مدینہ کے حق میں جو جنگِ اُحد میں شہید ہوئے یہ کہنے لگے کہ اگر یہ لوگ ہمارا کہنا مانتے اور ہماری طرح گھروں میں بیٹھے رہتے تو نہ مارے جاتے جس طرح ہم قتل سے محفوظ رہے اسی طرح یہ بھی قتل سے محفوظ رہتے لے نبی کریم آپ ان کے جواب میں یہ کہہ دیجیے کہ تم اپنی ہی جانوں سے موت کو ہٹا دو اگر تم اپنے اس قول میں سچے ہو کہ پرہیز اور احتیاط سے انسان موت اور قتل سے بچ جاتا ہے موت ہو یا قتل ہو وقت مقدر سے کوئی چیز نہیں ٹلتی کتنے ہی پہرے بٹھلا دو موت کو کوئی نہیں ٹال سکتا اب تم کو اختیار ہے کہ جی چاہے گھر میں بیٹھے بزدلوں کی موت مرجاؤ یا میدان جہاد میں خدا کی راہ میں جانبازی وسرفروشی کرتے ہوئے عزت کی موت مرو۔ تاکہ دائمی حیات حاصل ہو جیسا کہ آئندہ میں ذکر آتا ہے۔

---

[1] شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں یعنی از بلاد خویش ۱۲۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ

اور تو نہ سمجھ ، جو لوگ مارے گئے اللہ کی راہ میں

اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ

مردے ۔ بلکہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس

يُرْزَقُوْنَ ۝۱۶۹ۙ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ

روزی پاتے ۔ خوشی کرتے ہیں اس پر جو دیا ان کو اللہ نے اپنے

وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ

فضل سے، اور خوش وقت ہوتے ہیں ان کی طرف سے جو ابھی نہیں پہنچے ان میں

خَلْفِھِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْھِمْ وَلَا ھُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝۱۷۰

پیچھے سے ۔ اس واسطے کہ نہ ڈر ہے اُن پر ، نہ اُن کو غم ۔

يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ

خوش وقت ہوتے ہیں اللہ کی نعمت اور فضل سے، اور اس سے کہ اللہ

لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۷۱ۚ

ضائع نہیں کرتا مزدوری ایمان والوں کی ۔

بیانِ اعزاز واکرام شہداءِ اُحُد در بارگاہِ خداوندِ احد

قال تعالیٰ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا .... الیٰ .... وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

(ربط) گزشتہ آیات میں منافقین کے اس قول کا جواب دیا تھا جو یہ کہتے تھے لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا۔ اس کے جواب میں فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ ارشاد فرمایا اب اس آیت میں اُن کے ایک شبہ کا جواب دیتے ہیں کہ جن کو تم مقتول اور مردہ کہتے ہو اور یہ سمجھتے ہو کہ وہ دنیا سے ناکام اور محروم گئے اور حیات اور لذات سے محروم ہو گئے ــــــــــــــ

کہ وہ مردہ نہیں بلکہ وہ زندہ ہیں اور اُن کو بجائے اس حیات فانی کے ایک خاص قسم کی حیات جاودانی عطا کر دی گئی ہے جو عیش و تنعم میں اس دنیوی حیات سے کہیں بالا اور برتر ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے اُن کو ہرگز ہرگز مردہ گمان نہ کرو بلکہ وہ زندہ ہیں اور اُن کی یہ حیات۔ دنیوی حیات سے کہیں بہتر اور برتر ہے کیونکہ وہ اپنے پروردگار کے نزدیک ہیں۔ جس خدا کے لیے جہاد میں انہوں نے جانیں دی ہیں اس کا قرب ان کو حاصل ہے اور ظاہر ہے کہ مقربین خداوندی کے حیات کے ساتھ اس دنیاوی حیات کو کیا نسبت پھر یہ کہ خدا کے پاس سے ان کو زندوں کی طرح رزق اور روزی دی جاتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ رزق ہی بقاء حیات کا ذریعہ ہے پس جب اس دنیائے فانی کا رزق آدمی کی حیات اور صحت اور قوت کا ایک سبب ہے تو اُس عالم کا رزق کس درجہ حیات میں ممد اور معاون ہوگا۔ رزق ملنا قیامت کے آنے پر موقوف نہیں ابھی سے ان کو رزق ملنا شروع ہو جاتا ہے پھر یہ کہ یہ شہداء نہایت خوش ہیں ان نعمتوں پر جو اُن کو اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے بلا واسطہ اور بلا محنت اور بلا مشقت اور بلا اُن کے کسب و اکتساب کے اُن کو دی ہیں۔ دنیا کے رزق میں اوّل تو محنت اور مشقت ہے اور آخر میں لینے کے بعد یہ غم ہوتا ہے کہ شاید یہ رزق کہیں چھن نہ جائے۔ اور شہداء کو اللہ کے پاس سے جو رزق ملتا ہے اوّل تو اس میں اسباب و وسائل کا واسطہ نہیں ہوتا اور پھر یہ کہ اس میں کسی قسم کی محنت و مشقت نہیں اور پھر یہ کہ اللہ کے فضل سے اُس کے زوال کا اندیشہ نہیں اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ کے یہ معنی ہیں خوب سمجھ لو اور یہ بے مثال فرحت و مسرت بھی اُن کی بے مثال حیات کی دلیل ہے۔ فرحت تو زندہ ہی کو ہوتی ہے شہداء ان نعمتوں کو دیکھ کر بیحد خوش ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو وعدے شہیدوں کے لیے پیغمبروں کی زبانی کیے تھے آج اپنی آنکھوں سے ان کا مشاہدہ کرلیا یہ تو اس مسرت کا ذکر تھا جو اُن کی ذات سے متعلق تھی۔ اب آئندہ شہداء کی اس مسرت اور خوشی کو بیان کرتے ہیں جو ان کو اپنے پسماندوں کے متعلق ہوتی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں شہداء اپنے ان پسماندوں کے متعلق بھی جو کہ ابھی اُن سے نہیں ملے اور دنیا میں ان کے پیچھے رہ گئے ہیں اور جہاد فی سبیل اللہ یا اور امور خیر میں اُن کو دنیا میں مشغول چھوڑ آئے ہیں کہ اگر یہ لوگ بھی ہماری طرح خدا کی راہ میں مارے گئے اور شہید ہو کر یہ لوگ بھی ہم سے آملے تو ہماری طرح اُن پر بھی نہ آئندہ کا کوئی خوف و ہراس ہوگا اور نہ گزشتہ پر یہ غمگین ہوں گے یعنی شہادت کے بعد نہ تو آخرت کی عقوبت کا کوئی خوف ہوگا اور شہادت کی وجہ سے جو دنیا کی لذتیں فوت ہوگئیں ان پر حزیں و غمگین نہ ہوں گے اس لیے کہ یہاں کی لذتیں اور نعمتیں دنیا کی نعمتوں اور لذتوں سے ہزاراں ہزار درجہ بڑھ کر ہوں گی الغرض شہداء۔ اللہ کی نعمت اور فضل کو دیکھ دیکھ کر غایت درجہ خوش ہوتے رہیں گے اور کیسے اور کیوں خوش نہ ہوں تحقیق جب کہ وہ یہ مشاہدہ کریں گے کہ اللہ تعالیٰ تو عام اہل ایمان کے اجر کو بھی ضائع نہیں

فرماتے۔ بلکہ وہم وگمان سے بڑھ کر دیتے ہیں تو شہداء (جان نثاروں) کے اجر کو کیسے ضائع فرمائیں گے جنہوں نے اُس کی راہ میں اپنی جانیں قربان کردی ہیں غرض یہ کہ شہداء اپنی نعمتوں کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور دوسروں کے متعلق بھی یہ معلوم کرکے خوش ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔

سُدیؒ اس آیت کی تفسیر اس طرح کرتے ہیں کہ شہید کے پاس ایک رجسٹر لایا جاتا ہے جس میں اُن لوگوں کے نام درج ہوتے ہیں جو اس کے مسلمان بھائیوں میں سے اس کے پاس آنے والے ہوتے ہیں پس وہ اس بشارت سے ایسا خوش ہوتا ہے جیسا کہ دنیا میں لوگ اپنے کسی غائب عزیز کی آمد کی بشارت سُن کر خوش ہوتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۴۲۸ ج ۱)

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اَلَّذِیْنَ لَمْ یَلْحَقُوْا بِھِمْ کا اشارہ تمام مؤمنین کی طرف ہے۔ جو دنیا میں اُن سے پیچھے رہ گئے اگرچہ وہ شہید نہیں ہوئے۔ شہداء جب اس عالم میں پہنچ کر حق تعالیٰ کے ثواب اور انعام کا مشاہدہ کرتے ہیں تو اُن کو یقین کامل ہو جاتا ہے کہ دین اسلام دین حق ہے اور اس پر چلنے والوں کو اللہ تعالیٰ ضرور ثواب اور اجر عطا فرمائے گا پس شہداء اللہ کے اُن افضال و الطاف پر بھی خوش ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے خود ان کو عطا کیے اور اپنے اُن بھائیوں کے متعلق بھی اُن کو خوشی ہوتی ہے جو دنیا میں ان کے پیچھے رہ گئے اگرچہ اُن کو شہادت کی فضیلت حاصل نہیں ہوئی۔ ان پر بھی کوئی خوف اور غم نہیں اس لیے کہ وہ ٹھیک راہ پر جا رہے ہیں اور آخر کار وہ ضرور جنت میں پہنچیں گے۔

زجاجؒ اور ابن فورکؒ نے یہی معنی اختیار کیے ہیں جیسا کہ امام قرطبیؒ نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔ وقیل ان الاشارۃ بالاستبشار للذین لم یلحقوا بھم الی جمیع المؤمنین وان لم یقتلوا ولکنھم لما عاینوا ثواب اللہ وقع الیقین بان دین الاسلام ھو الحق الذی یُثیب اللہ علیھم فھم فرحون لانفسھم بما اٰتاھم اللہ من فضلہ مستبشرون للمؤمنین بان لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون۔ ذھب الی ھذا المعنی الزجاج وابن فورک (تفسیر قرطبی ص ۲۷۵ ج ۴)

اطلاع حیات شہداء کی تحقیق (پارہ سیقول) کے رکوع سوم میں گزر چکی ہے۔ وہاں دیکھ لی جائے۔

اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰہِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ

جن لوگوں نے حکم مانا اللہ اور رسول کا بعد

بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛؕ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا

اس کے کہ اُن میں پڑ چکا تھا گھاؤ ۔ جو ان میں نیک

مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۷۲﴾ۚ اَلَّذِیْنَ قَالَ

ہیں اور پرہیزگار ان کو ثواب بڑا ہے ۔ جن کو کہا

لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ

لوگوں نے کہ انہوں نے جمع کیا اسباب تمہارے مقابلے کو،

فَزَادَهُمْ اِیْمَانًا ۖۗ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ ﴿۱۷۳﴾

سو تم ان سے خطرہ کرو پھر ان کو زیادہ آیا ایمان ۔ اور بولے بس ہے ہم کو اللہ اور کیا خوب کارساز ہے ۔

فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ یَمْسَسْهُمْ

پھر چلے آئے ، اللہ کے احسان سے اور فضل سے کچھ نہ پہنچی

سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ

بُرائی ، اور چلے اللہ کی رضا پر ، اور اللہ کا فضل بڑا

عَظِیْمٍ ﴿۱۷۴﴾ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّیْطٰنُ یُخَوِّفُ اَوْلِیَآءَهٗ ۠

ہے ۔ یہ جو ہے سو شیطان ہے کہ ڈراتا ہے اپنے دوستوں سے ،

فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۷۵﴾

سو تم اُن سے مت ڈرو اور مجھ سے ڈرو اگر ایمان رکھتے ہو ۔

قصہ غزوہ حمراء الاسد

قال تعالےٰ اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ .... الٰے .... اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝

(ربط) گزشتہ آیات میں غزوۂ اُحُد کا قصہ بیان ہوا اب ان آیات میں غزوۂ اُحد ہی کے

متعلق ایک دوسرے غزوہ کا ذکر فرماتے ہیں جو غزوۂ حمراء الاسد کے نام سے مشہور ہے اور غزوۂ اُحد سے متصل واقع ہوا ہے۔ یا یوں کہو کہ گزشتہ آیات میں شہداء اُحد کا ذکر تھا اب ان آیات میں شہداء اُحد کے اُن اخوان مخلصین کا ذکر فرماتے ہیں جو اَلَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ کا مصداق ہیں یا یوں کہو کہ گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ کی نعمت اور اس کے فضل کی بشارت کا ذکر تھا اور اس آیت میں بھی غزوۂ حمراً الاسد کے مجاہدین کے لیے انقلاب بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ کی بشارت کا ذکر ہے اور اہل ایمان کی مدح فرماتے ہیں کہ وہ کسی کی دھمکی میں نہیں آتے بلکہ ان کو اللہ کی ذات پر پورا بھروسہ ہے وہ ڈرپوک اور بزدل نہیں۔

اس آیت کے شان نزول کے متعلق علماء کے دو قول ہیں۔

پہلا قول یہ ہے کہ یہ آیت غزوۂ حمراء الاسد کے متعلق نازل ہوئی جس کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ جب ابوسفیان اور اس کا لشکر اُحد سے مکہ کو واپس ہوا تو راستہ میں خیال آیا کہ ہم نے بڑی غلطی کی کہ ایسی بڑی کامیابی کے بعد مسلمانوں کو زندہ چھوڑ کر کیوں چلے آئے ہم کو چاہیے کہ ہم مدینہ واپس چلیں اور جاکر مسلمانوں کی جڑ ہی اکھاڑ کر پھینک دیں۔ جب یہ خبر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو یہ اعلان فرمایا کہ صرف وہ لوگ جو اُحد میں میرے ساتھ شریک تھے وہ دشمن کے تعاقب کے لیے تیار ہو جائیں۔ حاضرین اُحد کے علاوہ اور کسی کو میں اپنے ساتھ لے جانا نہیں چاہتا مسلمان مجاہدین باوجودیکہ تازہ زخم کھائے ہوئے تھے اور زخموں کی مرہم پٹی کا ارادہ کر رہے تھے آپؐ کا اعلان سنتے ہی زخموں کو بھول گئے اور آپؐ کے ساتھ ہوئے حضور پُر نورؐ اپنے اصحاب کی ایک جماعت کے ساتھ جن کی تعداد ستّر تھی روانہ ہوئے اور مقام حمراء الاسد پہنچے جو مدینہ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر ہے ابوسفیان کو جب یہ خبر ملی کہ مسلمان اس کے تعاقب میں چلے آرہے ہیں تو اس پر منجانب اللہ ایسا رعب اور ایسی دہشت طاری ہوئی کہ مسلمانوں پر دوبارہ حملہ کا ارادہ فسخ کیا اور مکہ کی طرف بھاگا اس سفر میں حضور پُر نورؐ کے ہمراہ حضرت ابوبکر وعمر وعثمان وعلی وطلحہ وزبیر وسعد وعبدالرحمٰن بن عوف وعبداللہ بن مسعود وحذیفہ بن الیمان وابوعبیدۃ بن الجراح رضی اللہ عنہم وغیرہ وغیرہ بھی تھے۔

دوسرا قول اس آیت کے شان نزول کے متعلق یہ ہے کہ یہ آیت غزوۂ بدر صغریٰ کے بارہ میں نازل ہوئی جس کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ جنگ اُحد سے فارغ ہو کر جب ابوسفیان نے مکہ کی واپسی کا ارادہ کیا تو یہ کہا اے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اگر آپ چاہیں تو ہماری اور تمہاری آئندہ سال موسم بدر میں پھر لڑائی ہو۔ ابوسفیان کا مقصد یہ تھا کہ مقام بدر میں ہمارے بڑے بڑے سردار مارے گئے تھے اب ابوسفیان یہ چاہتا تھا کہ سال آئندہ پھر اسی سال مقام بدر پر دوبارہ جنگ ہو اور ہم اُحد کی طرح وہاں بھی مسلمانوں کے بڑے بڑے سرداروں کو ماریں تاکہ بدر کا بدلہ ہو جائے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منظور ہے جب سال پورا ہو گیا تو ابوسفیان دو ہزار کفار قریش

کے ساتھ مکہ سے جنگ کے ارادہ سے نکلا پچاس گھوڑے ہمراہ تھے۔

اِدھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو ساتھ چلنے کا حکم دیا صحابہ سنتے ہی رفاقت کے لیے تیار ہوگئے اور مقام بدر پر پہنچ گئے ابوسفیان مکہ سے نکل کر ابھی مقام مرالظہران ہی تک پہنچا تھا کہ یکایک دل میں مسلمانوں کا خوف پیدا ہوگیا چاہتا یہ تھا کہ حضور پُر نورؐ وعدہ پر نہ آئیں تو الزام آپ پر رہے۔ اور میں لڑائی سے بچ جاؤں اس لیے اس کو مناسب یہ معلوم ہوا کہ میں لشکر کو لے کر مکہ واپس جاؤں۔ اتفاق سے اسے نعیم بن مسعود اشجعی مل گیا جو مکہ سے عمرہ کر کے واپس آرہا تھا۔ ابوسفیان نے اس سے کہا کہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اس کے اصحاب سے یہ وعدہ کر آیا تھا کہ بدر کے میلے کے ایام میں سالِ آئندہ ہماری اور تمہاری جنگ ہوگی لیکن یہ سال خشک سالی کا ہے ایسے وقت میں لڑنا مناسب نہیں اب مجھے یہی بہتر معلوم ہوتا ہے کہ میں مکہ واپس چلا جاؤں لیکن میں اس بات کو بھی ناپسند کرتا ہوں کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) تو وعدے پر آپہنچیں اور میں نہ پہنچوں اس سے مسلمانوں کو اور زیادہ جرأت ہوگی تو بہتر یہ ہے کہ "اے نُعَیم تم مدینہ جاکر مسلمانوں میں یہ خبر مشہور کردو کہ قریش مکہ نے تمہارے مقابلہ کے لیے ایک لشکر عظیم تیار کیا ہے جس کا تم مقابلہ نہیں کر سکو گے لہٰذا تمہارا لڑائی کے لیے نکلنا بہتر نہیں ہے" تاکہ مسلمان اس قسم کی خبروں سے خوف زدہ ہوجائیں اور اُن کی ہمتیں ٹوٹ جائیں اور ڈر کے مارے جنگ کے لیے نہ نکلیں اور ابوسفیان نے نعیم بن مسعود سے یہ کہا کہ اس کام کی اُجرت میں تم کو دس اونٹ دوں گا جسے آج کل کی اصطلاح میں پروپیگنڈا کہتے ہیں جس کی حقیقت سوائے اس کے کچھ نہیں کہ جھوٹ کو سچائی کے پیرایہ میں اس طرح پیش کرو کہ سننے والے کو اس کے جھوٹ ہونے کا شبہ بھی نہ ہو۔ لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَے الْکٰذِبِیْنَ۔

یہ پروپیگنڈا یورپ کے ائمۂ تہذیب وتمدن کی عجیب وغریب ایجاد ہے مگر اسلام جیسا پاک اور مقدس مذہب اپنے پیروؤں کو ایک لمحہ کے لیے بھی اس کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ اپنے دشمنوں پر جھوٹ بولیں یا ان پر جھوٹی تہمت لگائیں۔ قرآن کریم پروپیگنڈا کرنے والے کو شیطان بتلاتا ہے جیسا کہ آئندہ آیت میں ہے۔ اِنَّمَا ذٰلِکُمُ الشَّیْطٰنُ یُخَوِّفُ اَوْلِیَآءَہٗ۔

نعیم۔ انعام کا لالچ پاکر مدینہ پہنچا دیکھا کہ مسلمان۔ ابوسفیان کے وعدہ پر جانے کی تیاری کر رہے ہیں۔ نعیم نے کہا کہ مکہ کے لوگوں نے تمہارے مقابلہ کے لیے بڑی جمعیت تیاری کی ہے تم کو لڑنا بہتر نہیں۔ نعیم نے کہا کہ دیکھو! اُحد کے سال قریش تمہارے گھر پر چڑھ کر آئے اور تمہیں قتل کیا اور کوئی گھر قتل اور زخم سے خالی نہ رہا اس پر بھی اگر تم اپنے گھر سے نکل کر ان سے لڑنے جاتے ہو تو میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم میں سے ایک شخص بھی ان کے ہاتھ سے بچ کر مدینہ واپس نہ آئے گا۔ یہ سنکر مسلمانوں کے دلوں میں بجائے خوف کے جوش ایمانی بڑھ گیا اور کہنے لگے حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ اللہ ہمیں کافی ہے اور بہترین کارساز ہے اور خدا جس کا کارساز ہو تو بڑی سے بڑی جمعیت بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا قسم ہے اس خدا کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے میں ضرور

ان کے مقابلہ کے لیے نکلوں گا خواہ مجھ کو تنہا ہی جانا پڑے پھر آپؐ بدر کی طرف روانہ ہوئے اور ستر صحابہؓ آپؐ کے ہمراہ ہوئے جو حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ کہتے جاتے تھے آپ بدر پر پہنچے اور وہاں آپ نے ابوسفیان کا آٹھ روز تک انتظار فرمایا لیکن ابوسفیان نہ آیا اور لڑائی کچھ نہیں ہوئی ان دنوں بدر کا میلہ لگا ہوا تھا مسلمانوں نے اس میں خرید و فروخت کی اور خوب نفع کمایا اور خوب نفع کما کر خیریت کے ساتھ مدینہ واپس آئے اس واقعہ کو غزوۂ بدر صغریٰ کہتے ہیں اور اُحد سے پہلے جو بدر میں لڑائی ہوئی تھی اس کو غزوۂ بدر کبریٰ کہتے ہیں۔

اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ یہ آیت پہلے قول کے مطابق غزوۂ حمراء الاسد کے بارہ میں نازل ہوئی اور اسی کو ابن جریرؒ اور ابن کثیرؒ نے راجح قرار دیا اور صحیح بخاری کی روایت کا سیاق بھی اسی کو مقتضی ہے کہ ان آیات کا نزول غزوۂ حمراء الاسد کے بارہ میں ہو جو غزوۂ اُحد سے متصلاً واقع ہوا۔

اور اس آیت کا سیاق بھی اسی کو مقتضی ہے کیونکہ حق جل شانہٗ نے اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ میں ان حضرات کا یہ وصف بیان کیا ہے کہ یہ لوگ باوجود زخموں کی تکلیف پہنچنے کے رسول کی فرمانبرداری میں جہاد کے لیے نکل کھڑے ہوئے جو ظاہراً اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ واقعہ غزوۂ اُحد کے متصل اور فوراً بعد پیش آیا کہ غزوۂ اُحد کے زخموں کی تکلیف ابھی باقی تھی مگر پھر بھی جہاد کے لیے نکل کھڑے ہوئے سو یہ حالت غزوۂ حمراء الاسد میں پیش آئی جو غزوۂ اُحد کے متصل واقع ہوا اور غزوۂ بدر صغریٰ تو اُحد کے سال بھر بعد پیش آیا جس وقت مسلمان تندرست ہو چکے تھے اس پر مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ کا صادق آنا محتاج تاویل ہوگا۔

اس لیے امام فخرالدین رازی قدس اللہ سرہٗ نے یہ اختیار فرمایا کہ اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ۔ یہاں تک کی آیت غزوۂ حمراء الاسد کے بارہ میں نازل ہوئی اور آیت اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ۔ الیٰ قولہ تعالیٰ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ یہاں تک کی تمام آیتیں غزوۂ بدر صغریٰ کے بارہ میں نازل ہوئیں۔ غرض یہ کہ حق تعالیٰ نے دونوں آیتوں میں اُن مسلمانوں کی مدح فرمائی جو ان دونوں غزووں میں شریک ہوئے پہلی آیت میں غزوۂ حمراء الاسد کا ذکر ہے اور دوسری آیت یعنی قَالَ لَهُمُ النَّاسُ الیٰ آخرہ میں غزوۂ بدر صغریٰ کا ذکر ہے اور ان دونوں غزووں کے درمیان ایک سال کا فاصلہ ہے اور اس ناچیز کے نزدیک بھی یہی قول ظاہر آیت کے مطابق ہے کہ پہلی آیت یعنی اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ غزوۂ حمراء الاسد کے بارہ میں نازل ہوئی اور دوسری آیت یعنی اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ الخ غزوۂ بدر صغریٰ کے بارہ میں نازل ہوئی۔ اس تفصیل کے سمجھ لینے کے بعد اب آیات کی تفسیر سنیے۔ حق تعالیٰ شانہٗ ارشاد فرماتے ہیں جن لوگوں نے اُحد میں زخم کھانے کے بعد بھی اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانا حضور پُرنورؐ کے بلانے پر جہاد کے لیے نکل کھڑے

ہوئے اور زخموں کی تکلیف کی پروا نہ کی تو بلاشبہ ان لوگوں کے لیے جو ان میں سے نیکوکار اور پرہیزگار ہیں اجر عظیم ہے اس آیت میں یہ اشکال ہے کہ جن لوگوں نے اُحد میں زخم کھانے کے بعد غزوۂ حمراء الاسد میں جانے کے لیے اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانا تھا وہ سب ہی نیکوکار اور متقی اور پرہیزگار تھے پھر خدا تعالیٰ کے اس فرمانے کے کیا معنیٰ کہ جو ان میں سے نیکوکار اور متقی ہیں اُن کے لیے اجر عظیم ہے۔

جواب صاحب کشاف فرماتے ہیں کہ اس جگہ مِن تبیین کے لیے ہے تبعیض کے لیے نہیں اور نیکوکاری اور تقویٰ کی صفت مدح اور تعلیل کے لیے ہے نہ کہ تقیید کے لیے مقصود اُن کی مدح سرائی اور تنویہ شان ہے ورنہ وہ سب ایسے ہی تھے اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ جن لوگوں نے اُحد میں زخم کھانے کے بعد اللہ اور رسول کا حکم مانا چونکہ یہ سب لوگ نیکوکار اور پرہیزگار ہیں اس لیے اُن کے لیے اجر عظیم ہے یعنی یہ لوگ اجر عظیم کے اس لیے مستحق ہوئے کہ یہ لوگ صفت احسان اور تقویٰ کے ساتھ موصوف ہیں۔

یا یوں کہو کہ منہم کی ضمیر عام مؤمنین کی طرف راجع ہے جیسا کہ گزشتہ آیت وَاَنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ میں عام مومنین کا ذکر ہے جن میں ضعیف الایمان بھی داخل ہیں۔ پس غزوۂ حمراء الاسد میں جو چند مسلمان باوجود تازہ زخم کھائے ہوئے ہونے کے آپ کے ہمراہ کافروں کے تعاقب میں نکل کھڑے ہوئے وہ عام مومنین میں کے بعض مخصوص افراد تھے اور اعلیٰ درجہ کے نیکوکار اور پرہیزگار تھے۔ اس تفسیر پر مِن تبعیضیہ بھی بے تکلف ہو سکتا ہے۔

اور یہی محسنین اور متقین ایسے مخلص ہیں کہ جب ان سے قبیلۂ عبدالقیس کے لوگوں نے آکر یہ کہا کہ تحقیق مکہ کے لوگوں نے تمہارے مقابلہ کے لیے لڑائی کا بڑا سامان جمع کیا ہے پس تم اُن سے ڈرتے رہنا اور اندیشہ اور خطرہ کو پیش نظر رکھنا بے دھڑک ان کے مقابلہ کے لیے نہ نکل کھڑے ہونا پس یہ بات ان کے ایمان میں اور زیادتی کا سبب بن گئی یعنی مشرکین کے خوف دلانے سے مسلمان سست نہ پڑے اور نہ ان کی بات کی طرف التفات کیا بلکہ جوش ایمانی میں اور اضافہ ہو گیا اور سمجھے کہ خدا کی راہ میں جس قدر بھی جانبازی اور سرفروشی دکھلائیں گے اسی قدر مدارج قرب سے بہرہ ور ہوں گے اور جوش میں آکر یہ بولے کہ بس کافی ہے ہم کو اللہ اور بہترین کارساز ہے جو اپنے آپ کو خدا کے حوالے اور سپرد کر دے دشمن اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

گزشتہ آیات غزوۂ حمراء الاسد سے متعلق تھیں جو غزوۂ اُحد کے متصل واقع ہوا تھا اور یہ آیتیں غزوۂ بدر صغریٰ کے متعلق ہیں جو کہ غزوۂ اُحد کے ایک سال بعد واقع ہوا پس یہ لوگ اللہ کی خاص نعمت اور اس کے خاص فضل کو لے کر اپنے گھر واپس ہوئے اور اس سفر میں اُن کو کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچی۔ نعمت سے سلامتی اور عافیت مراد ہے اور فضل سے وہ نفع مراد ہے جو خدا کے ان برگزیدہ بندوں نے بدر میں آٹھ روز تک بذریعہ تجارت حاصل کیا اور لَمۡ یَمۡسَسۡہُمۡ سُوۡٓءٌ سے یہ مراد ہے کہ اس سفر میں نہ کوئی آدمی قتل ہوا

اور نہ کسی کو زخم آیا اور ان سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ ان لوگوں نے اللہ کی رضامندی اور خوشنودی کی پیروی کی یعنی سب سے بڑی چیز جو ان کو اس سفر میں ملی وہ یہ ہے کہ خدا تعالےٰ ان سے راضی ہوا جو فلاح دارین کی کنجی ہے اور اللہ بڑا فضل والا ہے۔ اس کا فضل و انعام وہم و گمان سے بڑھ کر ہوتا ہے جز ایں نیست کہ یہ خبر دینے والا کہ اہل مکہ نے تمہارے مقابلہ کے لیے بڑا سامان جمع کیا ہے شیطان ہے تم کو اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے پس اے مسلمانو تم ان سے نہ ڈرنا یہ تمہارا کچھ نہیں کر سکتے اور صرف مجھ سے ڈرو اگر تم ایمان رکھتے ہو اور ضرور رکھتے ہو جیسا کہ تمہاری جاں نثاری اس کی شاہد ہے تو پھر تم کیوں فکر مند ہوتے ہو۔

ہر کہ ترسید از حق و تقوےٰ گزید
ترسد از وے جن و انس و ہر کہ دید

خلاصۂ کلام یہ کہ حق تعالےٰ نے ان آیات میں اُن مؤمنین مخلصین کی مدح فرمائی کہ جو غزوۂ حمراء الاسد اور غزوۂ بدر صغریٰ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک اشارہ پر نکل کھڑے ہوئے پہلی آیت یعنی اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ الخ غزوۂ حمراء الاسد کے بارہ میں نازل ہوئی جو غزوۂ احد سے متصلاً بعد واقع ہوا اور دوسری آیت یعنی اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ الخ یہ آیت غزوۂ بدر صغریٰ اور نعیم بن مسعود اشجعی کے قصہ کے بارہ میں نازل ہوئی۔

لطائف و معارف

آیت مذکورہ بالا فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان میں زیادتی اور کمی ہو سکتی ہے۔ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایمان کے کم و زیادہ ہونے میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام اعظم کوفی رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ الایمان لایزید و لاینقص ایمان نہ زیادہ ہوتا ہے اور نہ کم اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یزید و ینقص یعنی ایمان زیادہ اور کم ہوتا ہے اس میں شک نہیں کہ ایمان جس کے معنی تصدیق قلبی اور یقین دلی کے ہیں اس میں زیادت اور نقصان کی گنجائش نہیں اس لیے کہ جس چیز میں زیادتی اور کمی کا احتمال ہو وہ دائرۂ ظن میں داخل ہے نہ دائرۂ یقین میں ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ اعمال صالحہ کا بجالانا اُس یقین کو منور اور روشن کر دیتا ہے اور بُرے اعمال کا ارتکاب اُس یقین کو مکدر اور تاریک اور سیاہ کر دیتا ہے پس اعمال کی کمی اور زیادتی سے ایمان کی نورانیت اور روشنی میں کمی اور زیادتی ہوتی ہے نہ کہ نفس ایمان اور نفس یقین میں لہذا بعض لوگوں نے یقین کی نورانیت اور انجلاء کی کمی اور زیادتی پر نظر کر کے نفس یقین کو زائد اور ناقص کہہ دیا اور جن حضرات کی نظر دقیق اور عمیق تھی انہوں نے جب یہ دیکھا کہ یہ زیادتی اور کمی صفات یقین کی طرف راجع ہے نہ کہ نفس یقین کی طرف اس بنا پر انہوں نے یقین کو غیر زائد اور غیر ناقص کہہ دیا جیسے حضرات

انبیاء کرام کہ نفس نبوت میں سب برابر ہیں جیسا کہ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ اس کی طرف مشیر ہے مگر مراتب اور درجات عالیہ میں متفاوت ہیں کما قال تعالیٰ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ اور جیسے تمام انسان کہ نفس انسانیت میں تو سب برابر اور حقیقت و ذات میں متحد ہیں مگر کمالات انسانیت میں متفاضل ہیں اور بعض بعض سے افضل ہیں۔ پس جس طرح یہ تفاضل اور تفاوت صفات اور کمالات کے اعتبار سے ہے نفس ذات کے اعتبار سے نہیں۔ نفس حقیقت اور نفس ذات کے اعتبار سے نفس نبوت اور نفس انسانیت میں کوئی کمی اور زیادتی نہیں۔

اسی طرح حقیقت ایمان کو سمجھو کہ تمام مؤمنین میں نفس ایمان برابر مشترک ہے اور اسی قدر مشترک کی وجہ سے تمام مؤمنین اخوت ایمانیہ کی سلک میں منسلک ہیں کما قال تعالیٰ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ۔ اور اس قدر مشترک میں کوئی کمی اور زیادتی نہیں البتہ اعمال صالحہ کی کمی اور زیادتی کی وجہ سے ایمان کی صفت نورانیت اور انجلاء وصفاء اور روشنی میں کمی اور زیادتی ہوتی ہے۔

جس طرح دو آئینے جو باہم برابر ہوں لیکن انجلاء اور نورانیت میں تفاوت رکھتے ہوں تو ایک شخص اُس آئینہ کو جو دوسرے آئینہ سے زیادہ روشن ہے دیکھ کر یہ کہے کہ یہ آئینہ دوسرے آئینہ سے زائد ہے اور دوسرا شخص یہ کہے کہ دونوں آئینہ برابر ہیں اور ان میں کسی قسم کی زیادتی اور نقصان نہیں فرق صرف نورانیت اور انجلاء کا ہے جو آئینہ کی صفات ہیں پس دوسرے شخص کی نظر صائب اور ثاقب ہے اور حقیقت تک نافذ ہے اور شخص اول کی نظر کوتاہ ہے صفت سے بڑھ کر ذات تک نہیں پہنچی اور صفت اور ذات میں فرق نہیں کرتی۔ یَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ

اس تحقیق سے مخالفین کا وہ اعتراض جو ایمان کے کم وبیش نہ ہونے پر کیا کرتے ہیں انشاء اللہ زائل ہو جائے گا اور عام مؤمنوں کا ایمان تمام وجوہ میں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے ایمان کی طرح نہ ہوگا کیونکہ حضرات انبیاء کرام کا ایمان آفتاب اور ماہتاب کی طرح روشن ہوگا اور کامل طور پر منجلی اور نورانی ہوگا اور عام مؤمنوں کا ایمان کامل طور پر نورانی نہ ہوگا بلکہ اپنے اندر بہت سی ظلمتیں اور کدورتیں لیے ہوئے ہوگا۔ عوام مومنین کا ایمان۔ حضرات انبیاء کے ایمان کے گرد کو بھی نہیں پہنچتا۔ گویا کہ عامۂ مومنین نفس انسانیت میں انبیاء کرام کے ساتھ شریک ہیں۔ مگر کمالات اور درجات عالیہ میں کوئی نسبت نہیں "چہ نسبت خاک را با عالم پاک" اسی طرح ایمان کی شرکت کو سمجھو۔ حضرات انبیاءؑ کا ایمان کمال اطاعت خداوندی کے اقتران کی وجہ سے ذروۂ علیا کو پہنچا ہوا ہے اور مؤمنین کا یمان ایک ذرہ بے مقدار ہے۔ اور اسی طرح حضرت ابوبکرؓ کا ایمان جو وزن میں امت کے ایمان سے زیادہ ہے۔ اس کو بھی انجلاء اور نورانیت کے اعتبار سے سمجھنا چاہیے نفس انسانیت میں زیادتی اور نقصان کا کوئی دخل نہیں اور نہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ انسانیت زیادتی اور نقصان کے قابل ہے تمام افراد انسانی۔ حقیقت اور ذات کے اعتبار سے متحد اور برابر ہیں اور باقی تفاضل یعنی ایک کا دوسرے سے افضل ہونا وہ صفات

کاملہ اور کمالات فاضلہ کے اعتبار سے ہے واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم دیکھو مکتوب ۲۶۶ از دفتر اول مکتوبات امام ربانی۔ ومکتوب ۶۷ از دفتر دوم اور دیکھو حجۃ اللہ البالغہ۔

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ

اور تجھ کو غم نہ آوے ان لوگوں سے جو دوڑ کر گرتے ہیں کفر کرنے۔ وہ نہ

لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۭ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ

بگاڑیں گے اللہ کا کچھ۔ اللہ چاہتا ہے کہ ان کو فائدہ نہ

حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾ اِنَّ

دے آخرت میں۔ اور ان کو بڑی مار ہے :- جنہوں

الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا

نے خرید کیا کفر ایمان کے بدلے، وہ نہ بگاڑیں گے

اللّٰهَ شَيْـًٔا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۷﴾

اللہ کا کچھ، اور ان کو دکھ کی مار ہے :-

دشمنان اسلام کی سرگرمیوں کی بابت

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو تسلّی

قال تعالٰی وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ .... الٰی .... وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

(ربط) گزشتہ آیات میں۔ اسلام کے مقابلہ میں کافروں کی سازشش کا ذکر تھا اب ان آیات میں نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کو تسلی دیتے ہیں کہ آپ کافروں کی حرکات سے غمگین اور فکر مند نہ ہوں یہ لوگ اللہ اور اس کے رسول کا اور اس کے دین کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اپنا ہی نقصان کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم نہ غم میں ڈالیں آپ کو یہ لوگ جو کفر کی حمایت اور اعانت میں دوڑتے پھرتے ہیں اور آپ سے لڑنے کے لیے لشکر فراہم کرتے پھرتے ہیں۔ اسلام کے مٹانے کے درپے

ہیں آپؐ ان کی پروا نہ کیجئے اور نہ اُن کی کارروائیوں سے غمگین ہوجیئے تحقیق یہ لوگ اللہ کے دین کو کوئی نقصان اور گز نہیں پہنچا سکیں گے بلکہ اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ ان دشمنانِ اسلام کو نقصان پہنچے بایں طور کر انہیں آخرت میں فائدہ اور نفع سے کوئی حصہ نہ دے پس جن کے لیے قضا و قدر میں محرومی اور ناکامی مقدر ہو چکی ہے اُن سے اندیشہ کی ضرورت نہیں اور صرف یہی نہ ہوگا کہ آخرت میں منافع سے بالکلیہ محروم ہوں گے بلکہ حرمان کے ساتھ ان لوگوں کے لیے سخت عذاب بھی ہوگا تحقیق جن لوگوں نے ایمان کے بدلے کفر کو مول لے لیا یعنی جنہوں نے ایمان کو چھوڑ کر کفر کو اختیار کیا۔ اور اپنے نفع اور نقصان کو بھی نہ سمجھا ایسے نادان۔ اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اور ایسے لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے یہ لوگ کفر کرکے اپنے ہی پیروں پر کلہاڑی مار رہے ہیں یہ لوگ خدا کا کیا بگاڑ سکتے ہیں لہذا آپؐ ان کی حرکات سے غمگین اور فکرمند نہ ہوں۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّمَا نُمْلِي

اور یہ نہ سمجھیں منکر کہ ہم جو فرصت دیتے ہیں ان کو

لَهُمْ خَيْرٌ لِّأَنفُسِهِمْ ۚ إِنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ

کچھ بھلا ہے ان کے حق میں۔ ہم تو فرصت دیتے ہیں انکو

لِيَزْدَادُوا إِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿۱۷۸﴾

تا بڑھے جاویں گناہ میں، اور ان کو ذلت کی مار ہے۔

مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنتُمْ

اللہ وہ نہیں کہ چھوڑ دے گا مسلمانوں کو، جس طرح پر تم ہو

عَلَيْهِ حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ ۗ وَمَا كَانَ

جب تک جدا نہ کرے ناپاک کو پاک سے۔ اور اللہ یوں

اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِي مِن

نہیں، کہ تم کو خبر دے غیب کی اور اللہ چھانٹ لیتا ہے اپنے

رُسُلِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ ۖ فَاٰمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنۡ

رسولوں میں، جس کو چاہے۔ سو تم یقین لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر، اور اگر

تُؤۡمِنُوۡا وَتَتَّقُوۡا فَلَكُمۡ اَجۡرٌ عَظِيۡمٌ ﴿۱۷۹﴾ وَلَا يَحۡسَبَنَّ

تم یقین پر رہو اور پرہیزگاری پر تم کو بڑا ثواب ہے ۔ اور نہ سمجھیں جو

الَّذِيۡنَ يَبۡخَلُوۡنَ بِمَاۤ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ هُوَ

لوگ بخل کرتے ہیں ایک چیز پر کہ اللہ نے اُن کو دی ہے اپنے فضل سے،

خَيۡرًا لَّهُمۡ ؕ بَلۡ هُوَ شَرٌّ لَّهُمۡ ؕ سَيُطَوَّقُوۡنَ مَا

یہ بہتر ہے ان کے حق میں، بلکہ یہ بُرا ہے اُن کے واسطے، آگے طوق پڑے گا

بَخِلُوۡا بِهٖ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ؕ وَلِلّٰهِ مِيۡرَاثُ السَّمٰوٰتِ

ان کے جس پر بخل کیا تھا، دن قیامت کے۔ اور اللہ وارث ہے آسمان

وَالۡاَرۡضِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرٌ ﴿۱۸۰﴾

اور زمین کا، اور اللہ جو کرتے ہو، سو جانتا ہے ۔

دُشمنانِ اسلام کے چند مزعومات اور خیالات اور اُن کے جوابات

قال تعالیٰ وَلَا يَحۡسَبَنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا .... الیٰ .... وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرٌ ۝

(ربط) گزشتہ آیات میں کافروں کے لیے عذاب عظیم اور عذاب الیم کا ذکر فرمایا اب ان آیات میں کافروں کے چند شبہات اور اوہام کا جواب ارشاد فرماتے ہیں۔ کافروں کو اپنی عیش و عشرت پر ناز تھا اور ان کا گمان یہ تھا کہ ہماری یہ خوشحالی اس امر کی دلیل ہے کہ ہم اللہ کے مقبول بندے ہیں اللہ تعالیٰ اُن کے جواب میں فرماتے ہیں اور کافر لوگ یہ گمان نہ کریں کہ ہمارا ان کو ڈھیل دینا اور کفر پر فی الحال نہ پکڑنا کچھ ان کے لیے بھلا ہے خوب سمجھ لیں کہ جز ایں نیست ہم ان کو اس لیے مہلت دے رہے ہیں کہ گناہوں میں خوب ترقی اور زیادتی کرتے چلے جائیں اور خوب جی بھر کر دل کے ارمان نکال لیں اور ناؤ پوری بھر کر ایک ہی دفعہ ڈوب جائے اور ان کے لیے ذلیل اور خوار

کرنے والا عذاب تیار ہے۔ جس کے بعد دنیا کی ساری عزتیں خاک میں مل جائیں گی۔ جیسے کوئی شخص حکومت سے باغی ہو جائے اور باوجود بار بار نصیحت اور تفہیم کے وہ مقابلہ سے باز نہ آئے تو حکومت اس کو مہلت اور ڈھیل دیتی ہے تاکہ دل کھول کر بادشاہ کا مقابلہ کرے اور جو کہہ سکتا اور کر سکتا ہے وہ کر گزرے تاکہ یکبارگی اس کو پکڑا جائے اور کوئی صورت اس کی براءت اور رہائی کی نہ رہے اور جب اس کے جرم اور سرکشی کا پیمانہ لبریز ہو جائے تو اس کو تختۂ دار پر لٹکا دیا جائے اور یہ نادان اس مہلت اور ڈھیل کا یہ مطلب سمجھتا ہے کہ حکومت میری اس بغاوت سے راضی ہے اسی طرح بارگاہ خداوندی سے فرعون اور ہامان جیسے کافروں اور مجرموں کو مہلت ملنا اس لیے ہے کہ فرد جرم پوری طرح ان پر عائد ہو جائے اور ایسی سخت پکڑ ہو کہ کوئی مفر باقی نہ رہے۔

ایک اور خیال باطل کا ابطال

جس طرح اہل کفر پر عذاب نہ آنے سے یہ شبہ ہوتا تھا کہ یہ لوگ اگر خدا تعالیٰ کے نزدیک مردود ہوتے تو ضرور ان پر کوئی عذاب آتا اور اوپر کی آیت میں اس کا جواب دیا گیا کہ کافروں پر عذاب نہ آنا مقبولیت کی دلیل نہیں من جانب اللہ یہ امہال اور استدراج ہے جیسا کہ بسا اوقات شدید مجرموں کو ڈھیل دی جاتی ہے۔

اسی طرح بعض مرتبہ مؤمنین مخلصین پر مصائب و شدائد کے آنے سے جیسا کہ اُحد میں پیش آیا تو یہ وسوسہ ہو سکتا تھا کہ یہ لوگ اگر خدا تعالیٰ کے مقبول اور محبوب بندے ہوتے تو ان پر یہ مصائب اور حوادث نہ آتے تو آئندہ آیت میں اہل ایمان پر مصائب اور شدائد کے آنے کی حکمتیں اور مصلحتیں بیان فرماتے ہیں تاکہ یہ وسوسہ دور ہو جائے۔ فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتے کہ مؤمنوں کو اسی حالت پر چھوڑے رکھے کہ جس حالت پر تم اب ہو کہ ظاہر میں مخلصین اور منافقین میں کوئی امتیاز نہیں سب ملے جلے ہیں یہاں تک کہ ناپاک (منافق) کو پاک (مومن مخلص) سے جدا اور ممتاز کر دے اور اس امتیاز کا طریقہ یہ ہے کہ وہ ایسے شدائد و مصائب نازل کرتا ہے کہ جن سے کھرے اور کھوٹے اور پاک اور ناپاک کا کھلے طور پر فرق ظاہر ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ بات حکمت کے خلاف ہے کہ مؤمن اور منافق ملے جلے رہیں اور کسی کو یہ معلوم نہ ہو کہ کون مؤمن مخلص ہے اور کون منافق پس جس طرح حق تعالیٰ نے غزوۂ اُحد اور غزوۂ حمراء الاسد اور غزوۂ بدر صغریٰ میں مخلصین اور منافقین کا امتحان کر کے ایک کو دوسرے سے ممتاز کر دیا اسی طرح وہ آئندہ بھی کرے گا۔

اور رہا یہ سوال کہ حق تعالیٰ اُن کو نام بنام کیوں نہیں ظاہر کر دیتے اور لوگوں کو یہ کیوں نہیں بتلا دیتے کہ فلاں منافق ہے اور فلاں مؤمن ہے اس طریقہ سے مخلص اور منافق کا امتیاز بالکل سہل ہو جائے گا

تو اس کا جواب یہ ہے کہ خدا ایسا نہیں کہ تم کو غیب کی خبریں دیدے اور تم کو یہ بتلا کر کہ فلاں فلاں شخص منافق ہیں اور فلاں فلاں مؤمن ہیں غیب پر مطلع کر دے یہ امر خلاف سنت الٰہیہ ہے کہ عوام النّاس کو غیب کی باتوں پر مطلع کرے لیکن اللہ تعالٰی اپنے پیغمبروں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کو منتخب کرتا ہے۔ اور بذریعہ وحی انکو بعض امور غیبیہ سے مطلع کرتا ہے اور تم پیغمبر نہیں کہ بذریعہ وحی تم کو امور غیبیہ کی اطلاع دیجائے بذریعہ وحی امور غیبیہ پر مطلع کرنا یہ صرف انبیاء کے ساتھ مخصوص ہے عوام النّاس کو بذریعہ وحی امور غیب پر مطلع نہیں کیا جاسکتا۔ عوام النّاس کی اطلاع کا ذریعہ یہ ہے کہ حق تعالٰی ایسے واقعات نازل فرماتا ہے جس سے مخلص اور منافق کا امتیاز ظاہر ہو جاتا ہے بصراحت یہ ظاہر کر دینا کہ فلاں شخص مؤمن ہے اور فلاں شخص منافق ہے سوائے انبیاء کرام علیہم السّلام کے کسی اور کو یہ علم اور اطلاع نہیں دی جاتی پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے پیغمبروں پر اخلاص کے ساتھ اور بے چون وچرا ان کی باتوں کو مانو تاکہ رسوا نہ ہو اور اگر تم اخلاص کے ساتھ ایمان لے آؤ اور پیغمبر خدا پر نکتہ چینی اور اس کی نافرمانی سے بالکلیہ پرہیز کرو تو تم کو بجائے عذاب عظیم اور عذاب الیم کے اجر عظیم ملے یہ کر لیا تو سب کچھ کما لیا ورنہ کچھ بھی نہیں۔

ف اس آیت کی نظیر سورۂ جن کی یہ آیت ہے فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ۔ اور مطلب یہ ہے کہ ہر کس وناکس اس کا اہل نہیں کہ اس کو بذریعہ وحی کسی امر غیبی پر مطلع کیا جائے صرف خدا کے برگزیدہ اور پسندیدہ بندہ یعنی رسول کو بذریعہ وحی کسی امر غیبی پر مطلع کیا جاسکتا ہے کما قال تعالٰی تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۚ فَاصْبِرْ ۚ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ۔ باقی ایسا علم غیب جو کلی ہو اور تمام کائنات اور ممکنات کو محیط ہو سو وہ خدا تعالٰی کے سوا اور کسی کے لیے ممکن بھی نہیں جیسے قدرتِ کاملہ اللہ تعالٰی کے ساتھ مخصوص ہے ایسا ہی علم محیط بھی اللہ ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو واقعۂ افک میں وحی کا انتظار کرنا پڑا جب آیات برأت نازل ہوئیں تب آپ کو حقیقت حال کا علم ہوا۔ حضرت یعقوب علیہ السّلام کو حضرت یوسف کے چاہ کنعان میں ہونے کی خبر نہ ہوئی اور مصر سے پیراہن یوسفی کی خوشبو سونگھ لی بہت سے واقعات ایسے پیش آئے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا علم نہیں تھا۔ نزولِ وحی سے ان کا علم ہوا۔

مذمّتِ بُخل

سلسلۂ کلام چونکہ جہاد کے بارہ میں تھا جس سے منافقین جان چراتے تھے اسی طرح جہاد میں مالی امداد سے بھی جان چراتے تھے اور خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے بخل کرتے تھے اس لیے آئندہ آیت میں بخل کی مذمت بیان فرماتے ہیں اور ہرگز گمان نہ کریں وہ لوگ جو اس چیز میں بخل کرتے ہیں کہ جو اللہ نے ان

کو اپنے فضل سے عطا کی ہے کہ یہ بخل ان کے لیے بہتر ہوگا بلکہ یہ ان کے لیے بہت ہی بُرا ہے کہ خدا کی عطا کی ہوئی چیزیں میں سے کچھ تھوڑی سی چیز بھی خدا کے نام پر دینا ان کو گراں گزرتا ہے قیامت کے دن اُن کے گلے میں اس مال کا طوق ڈالا جائے گا جس پر انہوں نے بخل کیا تھا جیسا کہ حدیث میں ہے کہ جو شخص زکوٰۃ نہ دے گا اس کا مال اژدہا بن کر گلے میں پڑے گا اور اس کے کلے چیرے گا۔ اور اللہ ہی کے لیے ہے میراث آسمانوں کی اور زمین کی یعنی تم سب فانی ہو بقاء صرف اسی کے لیے ہے تم سب مر جاؤ گے اور مال اور ملکیت سب یہیں چھوڑ جاؤ گے چاہے تم اس کی زکوٰۃ دو یا نہ دو سب مال اسی کا ہو کر رہے گا۔ بہتر ہے کہ تم اپنے ہاتھ سے کچھ دے جاؤ تاکہ تمہیں ثواب مل جائے اپنی ملکیت کے غرہ میں نہ رہو۔ تم بھی فانی اور تمہاری ملکیت بھی فانی اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے خبردار ہے وہ تمہارے بخل سے بھی باخبر ہے۔ اس کی سزا سے تم بچ نہیں سکتے یہ مال جس کی زکوٰۃ دینے میں تم بخیل بن گئے ہو قیامت کے دن یہی مال و دولت ایک ایسے کالے اور زہریلے سانپ کی صورت میں ظاہر ہوگا کہ زہر کی شدت اور حدت کی وجہ سے اس کے سر پر بال نہ ہوں گے وہ تمہارے دونوں کلے پکڑ کر کہے گا کہ میں تیرا مال ہوں اور میں تیرا خزانہ ہوں یعنی وہی مال ہوں جس پر تو فخر اور ناز کرتا تھا اور پھر اس کو ڈسے گا۔ ؎

گنج را از دل بروں کن مالِ خود بفگن زچشم
مالِ تو مارست در معنی و گنجت اژدھا

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ فَقِیْرٌ وَّ

اور اللہ نے سُنی اُن کی بات جنہوں نے کہا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم

نَحْنُ اَغْنِیَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَ قَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِیَآءَ

مال دار۔ اب لکھ رکھیں گے ہم اُن کی بات، اور جو خون کیے ہیں نبیوں کے

بِغَیْرِ حَقٍّ ۙ وَّ نَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ ﴿۱۸۱﴾

ناحق، اور کہیں گے چکھو جلن کی مار۔

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْكُمْ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَیْسَ

یہ بدلہ اس کا ہے جو تم نے اپنے ہاتھوں بھیجا، اور اللہ ظلم نہیں

بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ ﴿۱۸۲﴾ۚ اَلَّذِیْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ

کرتا بندوں پر۔ وہ جو کہتے ہیں کہ اللہ نے ہم کو

إِلَيْنَآ أَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُولٍ حَتَّىٰ يَأْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ

کہہ رکھا ہے کہ ہم یقین نہ کریں کسی رسول کو جب تک نہ لادے ہم پاس ایک

تَأْكُلُهُ النَّارُ ۗ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّن قَبْلِي

نیاز جس کو کھا جاوے آگ۔ تو کہہ تم میں آچکے کتنے رسول مجھ سے پہلے

بِالْبَيِّنَٰتِ وَبِالَّذِي قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوهُمْ إِن

نشانیاں لے کر اور یہ بھی جو تم نے کہا، پھر ان کو کیوں مارا تم نے اگر

كُنتُمْ صَٰدِقِينَ ﴿۱۸۳﴾ فَإِن كَذَّبُوكَ فَقَدْ كُذِّبَ

تم سچے ہو ۔ پھر اگر یہ تجھ کو جھٹلاویں، تو آگے تجھ سے جھٹلائے

رُسُلٌ مِّن قَبْلِكَ جَآءُو بِالْبَيِّنَٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتَٰبِ

گئے بہت رسول، جو لائے نشانیاں اور ورق اور کتاب

الْمُنِيرِ ﴿۱۸۴﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۗ وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ

چمکتی ۔ ہر جی کو چکھنی ہے موت، اور تم کو پورے

أُجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيَٰمَةِ ۖ فَمَن زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَ

بدلے ملیں گے دن قیامت کے، پھر جس کو سرکا دیا آگ سے، اور

أُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ۗ وَمَا الْحَيَوٰةُ الدُّنْيَآ إِلَّا

داخل کیا جنت میں، اس کا کام بنا۔ اور دنیا کی زندگی تو یہی ہے دغا

مَتَٰعُ الْغُرُورِ ﴿۱۸۵﴾ لَتُبْلَوُنَّ فِيٓ أَمْوَٰلِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ

کی جنس ۔ البتہ تم آزمائے جاؤ گے مال سے اور جان سے

وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَٰبَ مِن قَبْلِكُمْ

اور البتہ سنو گے اگلی کتاب والوں سے اور مشرکوں

وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ؕ وَاِنْ تَصْبِرُوْا

سے ، بدگوئی بہت اور اگر تم ٹھہرے رہو

وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۸۶﴾ وَاِذْ اَخَذَ

اور پرہیزگاری کرو، تو یہ ہمت کے کام ہیں ۔ اور جب اللہ

اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ

نے اقرار لیا کتاب والوں سے ، کہ اس کو بیان کروگے لوگوں

وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ؗ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ

پاس، اور نہ چھپاؤ گے ، پھر پھینک دیا وہ اقرار اپنی پیٹھ کے پیچھے اور خرید کیا اس

ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

کے بدلے مول تھوڑا۔ سو کیا بری خرید کرتے ہیں ۔

بیان شنائع یہود و تعلیم صبر بمسلماناں

قال اللہ تعالےٰ لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا .... الٰے .... فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ۝

(ربط) ابتداء سورت کا بڑا حصہ اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) سے متعلق تھا درمیان میں خاص خاص مناسبات کے بنا پر غزوۂ اُحد کی تفصیلات کا بیان ہوا اب اخیر سورۃ میں پھر اہل کتاب کی کچھ شنائع اور قبائح کو بیان فرماتے ہیں چونکہ اہل کتاب میں یہود کا معاملہ سخت تھا اور یہ گروہ مسلمانوں کا شدید ترین دشمن تھا اور منافقین بھی اکثر انہی میں کے تھے اس لیے یہود کی گستاخیوں کو خاص طور پر ذکر کرتے ہیں۔

شان نزول ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی۔ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً۔ تو یہود یہ کہنے لگے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کا پروردگار فقیر ہوگیا ہے جو اپنے بندوں سے قرض مانگتا ہے تو اس کے جواب میں یہ آیت یعنی لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا الخ نازل ہوئی۔ محمد بن اسحاق کی روایت میں ہے کہ ایک روز ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یہود کے مدرسہ میں گئے وہاں فنحاص بن عازوراء جو یہودیوں کا بہت بڑا عالم تھا درس دے رہا تھا اور اس کے پاس یہودیوں کا ہجوم تھا۔ حضرت

ابوبکرؓ نے فنحاص سے کہا۔ اے فنحاص اللہ سے ڈر اور اسلام قبول کر۔ خدا کی قسم تجھ کو اس امر کا علم یقینی اور قطعی ہے کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اللہ کی طرف سے حق کو لے کر آئے ہیں اور تم اُن کے اوصاف کو توریت اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہو پس تجھ کو چاہیئے کہ حضور پُر نورؐ پر ایمان لائے اور خدا کو قرض حسن دے (یعنی اس کی راہ میں صدقہ اور خیرات کرے) اللہ تعالےٰ تمہیں جنت میں داخل کرے گا اور دو چند ثواب دے گا فنحاص بولا اے ابوبکر تمہارا یہ گمان ہے کہ ہمارا پروردگار ہم سے قرض مانگتا ہے حالانکہ قرض تو فقیر غنی سے لیا کرتا ہے اگر خدا فقیر نہ ہوتا تو قرض نہ مانگتا ——————————————— پس اگر تیرا یہ قول صحیح ہے تو بلا شبہ اللہ فقیر ہے اور ہم مال دار ہیں۔

اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو غصہ آگیا اور زور سے ایک طمانچہ اس کے منہ پر رسید کیا اور کہا کہ دشمنِ خدا اگر ہمارے اور تیرے درمیان عہد نہ ہوتا تو بخدا میں تیری گردن مار دیتا فنحاص نے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس جاکر ابوبکر کی شکایت کی اور کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپؐ کے رفیق نے میرے ساتھ یہ بُری حرکت کی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر سے کہا کہ تم نے یہ حرکت کیوں کی ابوبکر نے عرض کیا کہ یارسول اللہ اس دشمن خدا نے بڑی سخت بات کہی اس نے کہا اللہ فقیر ہے اور ہم مال دار ہیں۔ اس پر مجھے غصہ آگیا اور میں نے اس کے منہ پر ایک طمانچہ مارا فنحاص نے کہا میں نے یہ قول نہیں کہا تھا اپنے کہے سے مکر گیا۔ اس پر خدا تعالےٰ نے ابوبکر صدیق کی تصدیق کے لیے اور فنحاص کذّیب کی تکذیب اور تردید کے لیے یہ آیت نازل فرمائی کہ واقعی اس کذاب نے یہ ہرزہ سرائی کی تھی چنانچہ فرماتے ہیں البتہ تحقیق سُن لیا اللہ تعالےٰ نے قول ان گستاخوں کا جنہوں نے یہ کہا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم مالدار اور دولت مند ہیں گزشتہ آیت میں حق تعالےٰ نے یہود کے بخل کو بیان فرمایا تھا کہ یہ ایسے بخیل ہیں کہ خدا کی راہ میں ایک پیسہ بھی خرچ کرنا نہیں چاہتے اس آیت میں یہ بیان فرمایا کہ اس درجہ بخیل ہیں کہ جب خدا کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم سنتے ہیں تو مذاق اڑاتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ خدا فقیر ہے اور ہم مالدار ہیں۔ جب ہی تو ہم سے قرض مانگتا ہے مگر یہ کوڑ مغز اور بے وقوف یہ نہیں سمجھتے کہ تمام دنیا کے اغنیاء اور دولت مندوں کی غناء اور دولت اُس غنی مطلق کی غنأ اور عطاء کا ایک پرتو ہے مالک مطلق وہی ہے دولتمندوں کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ چند روزہ عاریت اور امانت ہے مالک حقیقی اپنی انتہائی رحمت وشفقت سے اپنے بندوں سے یہ فرماتا ہے کہ تم ہمارے دیئے ہوئے مال میں سے کچھ مال ہماری راہ میں قرض دے دو ہم تم کو اس کا دس گُنا معاوضہ دیں گے کیا کوئی نادان یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ حقیقتاً قرض مانگنا ہے۔

قرض کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ جو مال تم سے لیا جا رہا ہے تم کو اس کا معاوضہ دیا جائے گا بلا معاوضہ تم سے کچھ نہیں لیا جا رہا ہے احتیاج اور ضرورت۔ قرض کے مفہوم میں داخل نہیں ان نادان فقیروں نے قرض کے لفظ سے یہ سمجھ لیا کہ معاذ اللہ خدا تعالےٰ محتاج ہے اور یہ نہ سمجھا کہ یہ سب مال اسی کا مملوک ہے کمال ترحم سے لفظ قرض کا اس لیے استعمال فرمایا ہے کہ تمہارے نفسوں کو اطمینان ہو جائے کہ

اس کا اضعافا مضاعفہ معاوضہ ملے گا۔ تم سے مفت نہیں لیا جارہا ہے پھر یہ کہ خدا تعالیٰ جب کبھی بندوں کو خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے اس میں بندوں ہی کے دنیوی اور اخروی فوائد اور منافع مضمر ہوتے ہیں۔ خرچ کردیا نہ کرد خدا کا کوئی نفع نہیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ تم اور تمہاری ہر چیز اسی کی مملوک ہے اور تمہارے پاس چند روزہ عاریت ہے حقیقی معنی کے اعتبار سے بارگاہِ خداوندی میں قرض ناممکن ہے تم اپنے مال و دولت کے تو کیا مالک ہوتے تم تو اپنے وجود کے بھی مالک نہیں۔ تم تو اپنی صحت اور تندرستی اور حرکت و سکون کے بھی مالک نہیں۔

اس مالک حقیقی نے جب تم کو اپنی عطا کردہ دولت میں سے تمہارے ہی فائدے کے لیے کچھ خرچ کرنے کا حکم دیا تو کمال ترحم سے اس کو قرض سے تعبیر فرمایا تاکہ اس بات کی رجسٹری ہو جائے کہ بارگاہِ خداوندی سے اس کا اضعافا مضاعفہ معاوضہ ملے گا جیسے قرض کی ادائیگی عقلاً ضروری ہوتی ہے اسی طرح اُس غنی مطلق نے جو چیز قرض کے نام سے لی ہے ضرور بالضرور اس کا معاوضہ ملے گا تاکہ بخیل طبیعتیں گھبرائیں نہیں ان بدباطن بخیلوں نے جب اللہ کا حکم سُنا تو بجائے احسان ماننے کے ہنسی اور مذاق اڑانے لگے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری یہ گستاخانہ باتیں سن لی ہیں اس پر جو کارروائی ہوگی اس کے منتظر رہو ہم ابھی اس بات کو لکھ رکھیں گے جو انہوں نے کہی ہے۔ یعنی ان کے جرائم کے رجسٹر میں اس ناپاک اور ملعون قول کو بھی درج کرائے دیتے ہیں اور جیسا کہ ان کے اور ان کی قوم کے دوسرے ملعون اور ناپاک اقوال و افعال کو درج رجسٹر کرتے ہیں اسی طرح انہوں نے جو نبیوں کے ناحق خون کیئے ہیں اُن کو بھی لکھ لیں گے اور قیامت کے دن اُن سے کہیں گے کہ جلتی آگ کے عذاب کا مزہ چکھو۔ اشارہ اس طرف ہے کہ تمہارا یہ گستاخانہ جملہ۔ قتلِ انبیاءؑ کے ہم پلہ ہے۔ اُن کا یہ گستاخانہ قول۔ قتلِ انبیاءؑ کے جرم سے کم نہیں۔

ف جاننا چاہیئے کہ اوپر جو قول مذکور ہوا وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے یہودیوں کا تھا۔ اور انبیاء کو ناحق قتل کرنا۔ یہ فعل ان کے بزرگوں کا تھا لیکن چونکہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے یہودی اپنے بزرگوں کے اس فعل کو اچھا سمجھتے تھے اس لیے قتل انبیاءؑ کو ان کی طرف منسوب کیا گیا کسی فعل سے راضی ہونا اُس فعل کے کرنے کے برابر ہے۔

امام شعبیؒ سے مروی ہے کہ کسی شخص نے ان کے سامنے حضرت عثمانؓ کا ذکر کیا اور ان کے قتل پر خوشنودی ظاہر کی تو امام شعبیؒ نے کہا کہ تو بھی عثمانؓ کے قتل کے گناہ میں شریک ہو گیا بعد ازاں امام شعبیؒ نے یہ آیت پڑھی قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِىْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِىْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ یہ عذاب تمہارے ان اعمال کی سزا اور بدلہ ہے کہ جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجے یعنی جلانے والا عذاب تمہارے افعال کی سزا ہے کہ تم نے اللہ کو فقیر کہا اور انبیاءؑ کو قتل کیا اور اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں بلکہ عادل ہے اور عدل کا مقتضیٰ مجرمین کو سزا دینا ہے تم نے جو

کمایا اور تمہارے ہاتھوں نے جو سمیٹا وہ تمہارے سامنے آگیا خدا تعالیٰ نے تم پر ذرہ برابر ظلم نہیں کیا۔ یہ سزا اور بلا تمہارے ہی اعمال کی صورت ہے کوئی نئی چیز نہیں یہ عذاب الیم۔ معاذ اللہ ظلم عظیم نہیں بلکہ عدل عظیم ہے اور تمہارے جرم عظیم اور ظلم عظیم کی سزا ہے۔

نکتہ ظلّام مبالغہ کا صیغہ ہے اور لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ میں مبالغہ کی نفی مراد نہیں بلکہ مبالغہ فی النفی مراد ہے جیسا کہ بخاری کی روایت میں بار بار آتا ہے۔ حدثنی البراء وھو غیر کذوب کذوب مبالغہ کا صیغہ ہے اور غیر کذوب سے مبالغہ کی نفی مراد نہیں بلکہ مبالغہ فی النفی مراد ہے ہماری اس عبارت کا مطلب کسی ایسے عالم سے حل کرلیں جو مطول اور مختصر معانی پڑھا چکا ہو۔ اور بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ ظلّام صیغۂ نسبت ہے بمعنی ذی ظلم جیسے صبّاغ اور دبّاغ اور عطّار اور معنی یہ ہیں کہ اللہ کو ظلم سے کوئی نسبت نہیں یا یہ کہ مقصودِ کلام تعریض ہے کہ اللہ تو ظلّام نہیں البتہ بندوں میں بڑے ظلّام یعنی بڑے بڑے ظالم ہیں اشارہ یہود کی طرف ہے کہ یہ بڑے ظالم ہیں۔

یہود کا ایک افترآ اور اس کی تردید

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسّلام سے پہلے بعض انبیاء بنی اسرائیل کو یہ معجزہ عطا فرمایا تھا کہ قربانی یا کوئی چیز اللہ کے نام کی نیاز کی تو آسمان سے ایک آگ آتی اور اس کو کھا جاتی تو یہ اس قربانی اور نیاز کے قبول ہونے کی علامت ہوتی اور اگر اس کے جلانے کے لیے آسمان سے آگ نہ آتی تو معلوم ہوتا کہ خدا کے یہاں وہ قربانی اور نیاز قبول نہیں ہوئی اب یہود نے ایک بہانہ پکڑا اور یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو توریت میں یہ حکم دیا ہے کہ جس نبی سے یہ معجزہ نہ دیکھو اس پر ایمان نہ لانا یہ یہود کا جھوٹا بہانہ تھا توریت میں کہیں نہیں لکھا کہ جو نبی آگ کا معجزہ نہ دکھلائے اس پر ایمان نہ لانا یہ معجزہ صرف بعض پیغمبروں کو ملا تھا ہر پیغمبر کو اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ کے مناسب معجزات عطا کیے یہ ضروری اور لازم نہیں کہ ہر نبی ایک ہی معجزہ دکھلا دے چنانچہ فرماتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے یہ عہد لیا ہے کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں جب تک وہ ہمارے پاس ایسی قربانی نہ لائے جسے غیب سے آکر آگ کھا جاوے یہود کا مطلب یہ تھا کہ حضور پُرنور نے یہ معجزہ ظاہر نہیں فرمایا اس لیے ہم آپ پر ایمان نہیں لاتے آپ ان کے جواب میں کہہ دیجیے کہ مجھ سے پہلے کتنے ہی رسول تمہارے پاس اپنی نبوت و رسالت کے دلائل اور براہین اور صاف اور روشن معجزات لے کر آچکے ہیں۔ اور وہ معجزہ بھی لا چکے ہیں جو تم مانگتے ہو۔ پھر تم نے اُن کو کیوں مار ڈالا اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو کہ خدا تعالیٰ نے ہم کو توریت میں ایسا حکم دیا ہے مطلب یہ ہے کہ تم جھوٹے ہو خدا نے کہیں ایسا حکم نہیں دیا۔ اثبات نبوت کے لیے مطلق معجزہ کا ظہور ضروری ہے اس خاص معجزہ کا

ظاہر ہونا ضروری نہیں اور اگر تم اس دعوے میں سچے ہو کر اسی خاص معجزہ کے دکھلانے پر ایمان لانا موقوف ہے تو یہ بتلاؤ کہ جن نبیوں نے اپنی صداقت کے کھلے کھلے نشان دکھلائے اور یہ قربانی کا معجزہ بھی دکھلایا تو تم ان پر کیوں ایمان نہیں لائے بلکہ اُن کو قتل کیا معلوم ہوا کہ یہ سب تمہاری حیلہ سازی اور ہٹ دھرمی ہے۔

نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کی تسلّی

چونکہ کفار کی تکذیب اور اس قسم کی معاندانہ باتوں سے حضور پُر نور کو رنج ہوتا تھا اس لیے آئندہ آیت میں آپ کی تسلی فرماتے ہیں پس اگر یہ معاند اور کج بحث لوگ آپ کو جھٹلائیں اور آپ کی نبوت کو نہ مانیں تو اس سے رنجیدہ اور دلگیر نہ ہوں کیونکہ آپ سے پہلے کتنے ہی رسول جھٹلائے جا چکے ہیں۔ جو اپنی صداقت کے کھلے کھلے ثبوت اور آسمانی صحیفے اور روشن کتاب لے کر آئے تھے انبیاءً صادقین کی تکذیب ان کی قدیم عادت ہے آپ کو کوئی نئی بات پیش نہیں آئی۔

فائدہ بینات سے انبیاء کرام کی صداقت کے روشن دلائل اور کھلے ثبوت مراد ہیں اور زُبُر لفظ زبور کی جمع ہے جو زَبْر سے مشتق ہے جس کے معنی لغت میں جھڑکنے اور ڈانٹنے کے ہیں اور اصطلاح شرع میں زبور اس کتاب کو کہتے ہیں جو مضامین حکمت اور نصیحت و موعظت پر مشتمل ہو، ایسی کتابوں کو زبور اس لیے کہتے ہیں کہ لوگوں کو باطل کی طرف جانے سے جھڑکا جاتا ہے اور حضرت داؤد علیہ السلام کی کتاب کو بھی زبور اسی لیے کہتے ہیں اور یہاں وَالزُّبُر سے وہ آسمانی صحیفے مراد ہیں جو مضامین حکمت و موعظت پر مشتمل ہوں اور کتاب منیر (یعنی روشن کتاب) سے توریت اور انجیل مراد ہے۔ اگرچہ لفظ زُبُر ان کو بھی شامل تھا مگر ان کی فضیلت اور شرافت ظاہر کرنے کے لیے ان کو علیحدہ بیان فرمایا۔

وعید برائے مکذبین و وعد برائے مصدقین

اب آئندہ آیت میں مکذبین کے لیے وعید اور مصدقین کے لیے وعدہ اور بشارت کا ذکر فرماتے ہیں ہر نفس تم میں سے موت کا مزہ چکھنے والا ہے اور جزا ایں نیست کہ تم کو پورا پورا بدلہ قیامت کے دن دیا جائے گا دنیا میں یا قبر میں اگر سزا ملتی ہے تو وہ اعمال کا پورا بدلہ نہیں وہ تو سزا کا محض ایک نمونہ ہے پس جو شخص دوزخ سے محفوظ کر دیا گیا۔ جو تمام مصیبتوں کا معدن اور منبع ہے اور جنت میں داخل کر دیا گیا جو تمام راحتوں اور نعمتوں اور لذتوں کا معدن اور مخزن ہے پس ایسا شخص ٹھیک مراد کو پہنچا اور کامیاب ہوا۔ اور دنیاوی زندگی اگرچہ وہ کتنی ہی عیش و عشرت کو ساتھ لیے ہوئے ہو

وہ کچھ بھی نہیں مگر دھوکہ کا سامان ہے۔ جس پر بے وقوف عاشق ہو گئے ہیں اگر یہ لوگ دنیا کی حقیقت جان لیں تو سمجھ جائیں کہ یہ ساری دنیا غرور یعنی فریب اور دھوکہ ہے کوئی بھی اُس کو مول لینے پر تیار نہ ہو ؎

دردیدۂ اعتبار خوابیست — بر رهگذر اجل سرابیست
ایمن منشیں زگرم و سردش — مشغول مشو بہ سرخ و زردش

کافروں کی تکذیب اور بیہودہ درائیوں پر مسلمانوں کو صبر کی تعلیم

چونکہ کافروں کے معاندانہ اعتراضات اور بیہودہ درائیوں سے مسلمانوں کو ایذاء پہنچتی تھی اس لیے آئندہ آیت میں مسلمانوں کو صبر کی تلقین فرماتے ہیں (مسلمانو) البتہ تم آزمائے جاؤ گے اپنے مالوں میں اور اپنی جانوں میں مطلب یہ ہے کہ جان و مال دونوں ہی سے آزمائش ہوگی خدا کی راہ میں تمہارے مال بھی طلب کیے جائیں گے اور جانیں بھی اور فقر و افلاس میں بھی مبتلا ہوگے اور خدا کی راہ میں کفار کے ہاتھ سے مقتول اور مجروح بھی ہوگے غرض یہ کہ اے مسلمانو تمہاری جانی اور مالی تکالیف کے ذریعہ تمہاری آزمائش ہوگی لہٰذا تم اس آزمائش کے لیے مستعد رہنا کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمت ہار دو اور البتہ تم ان لوگوں سے جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے اور نیز مشرکین سے بہت دل آزار باتیں سنو گے اور اگر تم ایسے موقعہ پر صبر کرو اور تقویٰ پر قائم رہو تو بے شک یہ خصلت ہمت کے کاموں میں سے ہے۔ صبر کے معنی ناگوار امر کو برداشت کرنے اور تقویٰ کے معنی نامناسب بات سے بچنے کے ہیں اور ظاہر ہے کہ اس عظیم خصلت کے لیے ہمت مردانہ چاہیئے اور بعض مفسرین نے من عزم الامور کے یہ معنی بیان کیے ہیں کہ یہ کام من جملہ ان کاموں کے ہے جو خدا کی طرف سے تم پر لازم کیے گئے ہیں۔

مذمّتِ اہلِ کتاب بر کتمانِ حق

گزشتہ آیات میں یہود کے قبائح کو بیان فرمایا اب آئندہ آیت میں ان کی ایک اور خصلت قبیحہ کو بیان کرتے ہیں اور یہ کہ اللہ تعالٰی نے علماء اہلِ کتاب سے عہد لیا تھا کہ ہمارے احکام جو توریت اور انجیل میں مذکور ہیں اور نبی آخر الزماں کی جو صفتیں اور بشارتیں ان میں مسطور ہیں اُن کو لوگوں سے ہرگز نہ چھپانا مگر ان لوگوں نے خدا تعالٰی سے جو عہد کیا تھا اس کو پس پشت ڈال دیا اور اپنے امیروں سے رشوت لے کر پیغمبر آخر الزمان کی بشارتوں کو چھپا لیا۔ اور یاد کرو اس وقت کو جب کہ اللہ تعالٰی نے ان لوگوں سے جن کو کتاب دی گئی یہ عہد لیا کہ تم اس کتاب کے تمام مضامین کو

خود بخود لوگوں کے سامنے بیان کرنا اگرچہ کوئی تم سے دریافت بھی نہ کرے تم پر ان مضامین کا بیان اور اعلان واجب ہے تم اس کے مضامین کو لوگوں کے سامنے بیان کرنا اور پوشیدہ نہ رکھنا پس ان لوگوں نے اس عہد اور میثاق کو پس پشت پھینک دیا اور اس کے بدلہ میں بہت تھوڑا سا معاوضہ لے لیا یعنی دنیاوی لالچ میں آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی صفتوں اور بشارتوں کو چھپا لیا۔ پس کیا ہی بری چیز ہے کہ جو وہ خرید رہے ہیں۔ یعنی تھوڑے سے نذرانوں کے لالچ میں کتاب الٰہی کا مطلب الٹا سلٹا بیان کرتے ہیں: در حق بات کو ظاہر نہیں کرتے بہت ہی بُرا سودا ہے۔

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّ يُحِبُّوْنَ

تو نہ سمجھ کہ جو لوگ خوش ہوتے ہیں اپنے کیے پر اور چاہتے ہیں

اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ

تعریف بن کیئے پر سو نہ جان کر وہ خلاص ہیں

بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸۸﴾

عذاب سے ، اور اُن کو دُکھ کی مار ہے

وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى

اور اللہ کو ہے سلطنت آسمان اور زمین کی اور اللہ ہر

كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۸۹﴾

چیز پر قادر ہے۔

مذمّت خود پسندی و مدح خواہی

قال تعالیٰ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ .... الیٰ .... وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ۝

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب علماء یہود سے کوئی بات دریافت کرتے تو وہ اصل بات کو تو چھپا لیتے اور خلاف واقع بات بیان کر کے چلے جاتے پھر اپنے اس چھپانے پر دل میں خوش ہوتے کہ ہماری چالاکیوں کو کوئی پکڑ نہیں سکتا اور امید رکھتے کہ لوگ ہماری تعریف کریں گے اس پر حق تعالے

نے یہ آیت نازل فرمائی (اے نبی) آپ ان لوگوں کو جو اپنی اس چالاکی پر خوش ہوتے ہیں جو انہوں نے کی ہے اور چاہتے ہیں کہ ان کی تعریف کی جائے اس کام پر جو انہوں نے کیا، یعنی جو بھلائی نہیں کی اس پر آفرین چاہتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں کہ دیکھو کس طرح حیلہ اور بہانہ سے اپنی جان بچائی پس آپ ان کی نسبت یہ گمان ہرگز نہ کرنا کہ وہ عذاب سے چھوٹ گئے اور ان لوگوں کے لیے تو بڑا ہی دردناک عذاب ہے جو کہ ان کی ساری خوشی اور خود پسندی اور مدح خواہی کو اچھی طرح خاک میں ملا دے گا اگرچہ یہ آیت خاص یہود کے بارہ میں نازل ہوئی ہے لیکن اس کا حکم عام ہے جو شخص بھی اپنے بُرے افعال سے خوش ہوگا اور ناکردہ امور پر اپنی تعریف چاہے گا وہ اس وعید میں داخل ہوگا اور اللہ ہی کے لیے ہے بادشاہت آسمانوں کی اور زمین کی اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے پس ایسے قادر مطلق کے عذاب سے چھٹکارا پانے کی کوئی سبیل نہیں اور خصوصاً جو گستاخ آسمان و زمین کے مالک کو فقیر کہتا ہو ایسے گستاخ کی تو عذاب سے کسی طرح رہائی نہیں ہو سکتی اس لیے کہ جس کی سلطنت آسمان و زمین کو محیط ہو اس کا مجرم بھاگ کر آخر کہاں جائے گا۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَٰوَٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ

آسمان اور زمین کا بنانا، رات اور دن کا

وَالنَّهَارِ لَآيَٰتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَٰبِ ﴿١٩٠﴾ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ

بدلتے آنا، اس میں نشانیاں ہیں عقل والوں کو۔ وہ جو یاد کرتے ہیں

اللَّهَ قِيَٰمًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ

اللہ کو، کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے، اور دھیان کرتے ہیں

فِي خَلْقِ السَّمَٰوَٰتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ

آسمان اور زمین کی پیدائش میں۔ اے رب ہمارے!

هَٰذَا بَٰطِلًا سُبْحَٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿١٩١﴾ رَبَّنَا

تو نے یہ عبث نہیں بنایا۔ تو پاک ہے عیب سے، سو ہم کو بچا دوزخ کے عذاب سے۔ اے

إِنَّكَ مَن تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ أَخْزَيْتَهُ وَمَا لِلظَّٰلِمِينَ

رب ہمارے! جس کو تو نے دوزخ میں ڈالا سو اس کو رسوا کیا۔ اور گنہگاروں کا کوئی

مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۱۹۲﴾ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ

نہیں مدد گار ۔ اے رب ہمارے ہم نے سُنا، کہ ایک پکارنے والا پکارتا

لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ

ہے ایمان لانے کو کہ ایمان لاؤ اپنے ربّ پر، سو ہم ایمان لائے۔ اے رب ہمارے

لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ﴿۱۹۳﴾

اب بخش گناہ ہمارے اور اتار ہماری برائیاں اور موت دے ہم کو نیک لوگوں کے ساتھ ۔

رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا

اے رب ہمارے اور دے ہم کو جو وعدہ دیا تو نے اپنے رسولوں کے ہاتھ اور رسوا نہ کر ہم

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۱۹۴﴾ فَاسْتَجَابَ

کو قیامت کے دن ۔ تحقیق تو خلاف نہیں کرتا وعدہ ۔ پھر قبول کی

لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ

ان کی دعا ان کے رب نے کہ میں ضائع نہیں کرتا محنت کسی محنت کرنے والے کی، تم میں

مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِيْنَ

سے مرد یا عورت، تم آپس میں ایک ہو۔ پھر جو لوگ

هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ

وطن سے چھوٹے اور نکالے گئے اپنے گھروں سے اور ستائے گئے میری راہ میں

وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَ

اور لڑے اور مارے گئے ہیں اتاروں گا اُن سے برائیاں ان کی، اور

لَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا

داخل کروں گا باغوں میں جن کے نیچے بہتی ندیاں ۔ بدلہ

مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾

اللہ کے ہاں سے۔ اور اللہ ہی کے ہاں ہے اچھا بدلہ ۔

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ؕ ﴿۱۹۶﴾

تو نہ بہک اس پر کہ آتے جاتے ہیں کافر شہروں میں ۔

مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۫ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۹۷﴾

یہ فائدہ ہے تھوڑا سا۔ پھر ان کا ٹھکانا دوزخ ہے، اور کیا بُری تیاری ہے۔

لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ

لیکن جو لوگ ڈرتے رہے اپنے رب سے، ان کو باغ ہیں جن کے نیچے

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَ

بہتی ندیاں، رہ پڑے ان میں مہمانی اللہ کے ہاں سے۔ اور

مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴿۱۹۸﴾ وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ

جو اللہ کے ہاں ہے، سو بہتر ہے نیک بختوں کو۔ اور کتاب والوں میں بعضے

الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ

وہ بھی ہیں، جو مانتے ہیں اللہ کو، اور جو اُترا تمہاری طرف اور جو

اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ

اُترا اُن کی طرف، ڈرتے ہیں اللہ کے آگے، نہیں خرید کرتے اللہ کی

اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ

آیتوں پر مول تھوڑا۔ وہ جو ہیں اُن کو اُن کی مزدوری ہے ان کے رب کے

اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹۹﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا

ہاں۔ بیشک اللہ شتاب لیتا ہے حساب۔ اے ایمان والو!

اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۣ وَاتَّقُوا اللّٰهَ

ثابت رہو ، اور مقابلے میں مضبوطی کرو اور لگے رہو ۔ اور ڈرتے رہو اللہ سے،

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۲۰۰﴾ ع

شاید تم مراد کو پہنچو ۞

دلائلِ الوہیت و وحدانیت و کمال قدرت و حکمت
و بیان حالِ دانشمنداں و دعاہائے گوناگوں ایشاں

قال تعالیٰ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ .... الیٰ .... وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

(ربط) گزشتہ آیت یعنی وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ میں حق تعالیٰ شانہٗ کی بادشاہت اور کمال قدرت کو بیان فرمایا اب ان آیات میں حق جل شانہٗ کی الوہیت اور اس کی وحدانیت اور کمال قدرت اور کمال حکمت کے دلائل بیان فرماتے ہیں اور اہل عقل اور اہل دانش کی مدح فرماتے ہیں کہ جنہوں نے مخلوقات کو دیکھ کر خالق کا پتہ چلا لیا اور مصنوعات کو دیکھ کر صانع کو پہچان لیا اور دن رات اپنے پروردگار کے ذکر اور فکر میں سرشار ہیں اور اسی کی تسبیح اور دعا اور استغفار میں مشغول ہیں قرآن کریم کی اصطلاح میں اولوالالباب (عاقل کامل) وہی لوگ ہیں جو مصنوعات اور مخلوقات میں غور و فکر کر کے خالق اور صانع کی صحیح معرفت تک پہنچ گئے اور خدا کی یاد اور آخرت کی فکر میں لگ گئے اور سمجھ گئے کہ یہ دنیا فانی ہے اور اس کے بعد ایک اور عالم کی طرف کوچ ہونا ہے باقی جو مادہ پرست مخلوقات اور مصنوعات کی تحقیقات اور تدقیقات کے تاروں اور زنجیروں میں الجھ کر رہ گئے اور صانع برحق کی معرفت تک اُن کی رسائی نہیں ہوئی خواہ دنیا ان کو کتنا ہی بڑا محقق اور فلاسفر اور سائنس دان کہا کرے وہ قرآن کی زبان میں اولوالالباب عاقل اور دانشمند نہیں بلکہ پرلے درجہ کے جاہل اور احمق ہیں۔ شاہی محل میں بادشاہ کا مہمان بھی داخل ہوتا ہے اور چور بھی مگر مہمان۔ محل کے عجائب کو اس لیے دیکھتا ہے کہ وہ بادشاہ کی شان و شوکت، اور اس کے جاہ و جلال کا مظہر اور آئینہ ہیں اور چور شاہی محل کو نہایت غور سے دیکھتا ہے تاکہ اس کے خزینے اور دفینے چرانے میں اس کو مدد ملے۔ اور عمر بھر کی عیش و عشرت کا سامان اُس کو مل جائے۔

پس خوب سمجھ لو کہ کائنات قدرت میں سائنس دانوں کی غور اور فکر اور تحقیقات سارقانہ نظر کا حکم

رکھتی ہے کہ اپنے فوائد اور منافع کے لیے تحقیق میں سرگرداں اور حیران ہیں اُن کو صانع اور خالق سے کوئی مطلب نہیں۔

اور اصحاب دانش و بینش کا حال ان کے بالکل برعکس ہے وہ آسمان اور زمین اور دیگر مصنوعات الٰہیہ میں غور و فکر کرتے ہیں تاکہ خالقِ کائنات کی صحیح معرفت تک پہنچ جائیں۔ سائنس دانوں کا مقصد صرف مخلوقات کے فوائد اور منافع کا معلوم کرنا ہے تاکہ ان سے دل خواہ مستفید اور متمتع ہو سکیں خالق سے ان کو کوئی سروکار نہیں کائنات قدرت میں سائنس دانوں کی نظر سارقانہ نظر ہے اور حضرات انبیاء اور اُن کے وارثین کی نظر عاشقانہ اور والہانہ اور عاقلانہ اور دانشمندانہ ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔ تحقیق آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات اور دن کے آنے اور جانے میں اللہ تعالیٰ کے وجود باجود اور اس کے کمال علم اور کمال قدرت اور کمال حکمت اور اس کی وحدت کی بہت سی نشانیاں ہیں عقل والوں کے لیے جن کی عقل وہم اور نفسانی اور شیطانی وسوسوں کی آمیزش سے پاک ہے اہل عقل آسمان اور زمین کی عجیب و غریب خلقت اور لیل و نہار کے عجیب و غریب چکر کو دیکھ کر سمجھ جاتے ہیں کہ یہ عجیب و غریب کارخانہ خود بخود نہیں چل رہا ہے بلکہ کسی علیم و حکیم اور قدیر و بصیر کے ہاتھ میں اس کی باگ ہے۔ اور ان عقلاء کے عاقل ہونے کی دلیل یہ ہے کہ یہ لوگ یاد کرتے ہیں اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور بناوٹ میں غور و فکر کرتے ہیں۔ اور سمجھ جاتے ہیں کہ ان کو کسی بڑے علیم و حکیم اور قدرت والے نے بنایا ہے آسمان و زمین میں غور و فکر کرنے سے ان کا مقصود حق جل شانہ کی معرفت حاصل کرنا ہے اور جب مصنوعات میں غور و فکر کرنے سے خالق کی معرفت اُن کو حاصل ہو جاتی ہے اور اس کی عظمت اور اس کی عظیم قدرت اور علم و حکمت معلوم ہو جاتی ہے اور اس کے عجائب قدرت کو دیکھ کر دل اس کی محبت اور عظمت سے لبریز ہو جاتا ہے تو اُس خداوند قدوس کی تسبیح و تقدیس اور ایمان و دعا اور استغفار میں لگ جاتے ہیں اور یہ کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار تو نے یہ کارخانہ عالم عبث اور بے کار نہیں بنایا عالم کا ہر ہر جز اور ہر ہر ذرہ حکمتوں اور مصلحتوں سے لبریز ہے تمام عالم کے عقلاء کی عقلیں جن کے ادراک سے قاصر اور درماندہ ہیں تو پاک ہے۔ اے پروردگار ہر عیب اور نقص سے بے شک تو نے اس کارخانہ کو یونہی بے فائدہ نہیں بنایا اس کی ہر حرکت اور سکون سے تغیر اور زوال ٹپکتا ہوا نظر آرہا ہے اور یوں دکھلائی دے رہا ہے کہ جس طرح یہ سارا کارخانہ عدم سے وجود میں آیا ہے اسی طرح ایک دن پھر عدم کے گھاٹ اتار دیا جائے گا اور نمرود اور فرعون جیسے مجرم جنہوں نے دنیا میں اُدھم مچا رکھا ہے اور تیرے سفراء اور وزراء یعنی انبیاء و مرسلین کی تذلیل و توہین اور تیری نازل کردہ شریعت کے قوانین اور احکام کی پامالی پر تلے ہوئے ہیں۔ ایک دن یہ سب مجرم نہایت ذلت اور رسوائی کے ساتھ جیل خانہ (جہنم) میں دھکیل دیئے جائیں گے پس اے پروردگار تو ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا۔ مطلب یہ ہے کہ اے پروردگار جب تو نے یہ کارخانہ بچوں کے کھیل کی طرح بے فائدہ نہیں بنایا بلکہ اس کے بنانے سے مقصود ایک اور زندگی ہے جسے آخرت کہتے ہیں اور جہاں اس کے بنانے کا نتیجہ ظاہر ہو گا تو ہمیں اُس زندگی میں دوزخ کے عذاب سے

بچانا بایں طور کہ ہم کو عمل صالح اور اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق دینا اے ہمارے پروردگار بلاشبہ جسکو تونے دوزخ میں داخل کیا تو تحقیق تونے اس کو خوب رسوا کیا! اور ظالموں کے لیے کوئی مددگار نہیں جو ان کو خدا کے عذاب سے بچا سکے۔ اے ہمارے پروردگار ہم نے ایک منادی کو سنا جو علانیہ طور پر باواز بلند ایمان کی منادی کر رہا تھا کہ اے لوگو! اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ پس ہم دل وجان سے ایمان لے آئے ایمان کے منادی سے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم مراد ہیں جنہوں نے ساری دنیا کو پکارا اور للکارا اور ایمان کی دعوت دی اے ہمارے پروردگار ہم ایمان تو لے آئے اور اطاعت کے لیے کمربستہ بھی ہو گئے مگر ہم عاجز اور ناتواں ہیں کما حقہٗ اطاعت بہت مشکل ہے۔ ہمارا کوئی عمل بھی تقصیر سے خالی نہیں پس ہمارے گناہ بخش دیجئے اور ہماری برائیوں کو دور فرما دیجئے اور نیک بختوں کے ساتھ ہمیں موت دے یعنی نیکوں کے طریقہ پر ہم کو موت دے جیسے محاورہ میں کہتے ہیں انا مع فلاں میں فلانے کے ساتھ ہوں۔ یعنی اس کے طریقہ اور مذہب اور اعتقاد پر ہوں اسی محاورہ کے مطابق تَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ کا مطلب یہ ہے کہ انبیاء اور صدیقین اور شہدا اور صالحین کے طریقہ اور مذہب اور اعتقاد پر ہم کو موت دے۔ اے پروردگار ہمارا ایمان اور ہمارا عمل تو آخرت کی رسوائی سے بچانے کے لیے کافی نہیں لیکن ہم آپ کے نام لیوا نابکار آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ آپ ہم کو وہ چیز عطا فرمائیں جو آپ نے اپنے پیغمبروں کی زبانی ہم سے وعدہ کیا ہے کہ ایمان لانے والوں کو یہ نعمتیں ملیں گی ہم آپ سے اپنے استحقاق کی بنا پر درخواست نہیں کرتے بلکہ آپ کے کریمانہ وعدہ کے ایفاء کی فقیرانہ اور گدایانہ اور بشر مسارانہ درخواست کرتے ہیں کہ بے شک ہمارا ایمان اور عمل اس قابل نہیں کہ اس پر انعام دیا جا سکے لیکن آپ کریم مطلق ہیں بمقتضاء کرم اپنے وعدہ کو پورا فرما دیجئے مطلب یہ ہے کہ اپنی توفیق وعنایت اور لطف وکرم سے ہم کو اس وعدہ کا مستحق بنا اور ہم سے ایسی حرکات سرزد نہ ہوں۔ جن کی وجہ سے ان انعامات کے وعدہ کے مستحق نہ رہیں اور ہم ایمان لانے والوں کو قیامت کے دن ذلیل اور رسوا نہ کیجئے۔ تحقیق آپ تو بلاشبہ وعدہ خلافی نہیں کرتے۔ بے وفائی کا احتمال تو ہماری ہی طرف سے ہو سکتا ہے۔ آپ کی بارگاہ تو وعدہ خلافی سے پاک اور منزہ ہے۔ اے پروردگار ہم صد ہزار بار اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ ہم تیرے پورے وفادار اور فرمانبردار اور اطاعت شعار نہیں بن سکے اور عہد الست کو ہم پورا نہیں کر سکے ہم اپنی اس وعدہ خلافی پر نادم اور شرمندہ ہیں۔ لیکن دل وجان سے ارادہ پوری ہی وفاداری کا ہے۔

نفس وشیطان زد کر بیارہ من رحمتت باشد شفاعت خواہِ من

وعدہ خلافی ہماری طرف سے ہے نہ کہ تیری طرف سے اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ۔

خلاصۂ کلام یہ کہ اہلِ عقل وہ لوگ ہیں کہ جو اہل ذکر اور اہلِ فکر ہیں اور مخلوقات میں غور وفکر کر کے خدا تعالیٰ کی الوہیت اور وحدانیت اور قدرت اور حکمت کو پہچان لیتے ہیں اور خدا کی طرف عاجزی اور گریہ وزاری اور آخرت کی تیاری میں لگ جاتے ہیں عاقل اور دانا وہ ہے جو آسمان وزمین کی خلقت میں غور وفکر کر کے ان کے خالق تک پہنچ جائے اور رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا میں مست ہو جائے۔

باقی وہ لوگ جو دن رات اجرام علوی اور سفلی کے تحقیقات میں سرگرداں ہیں، مگر خالق کی معرفت اور اس کے ذکر اور فکر اور آخرت کی تیاری سے غافل ہیں اور اس دنیا کو محض کھیل تماشہ اور تفریح اور لذت کا ذریعہ سمجھے ہوئے ہیں۔ دنیا ایسے لوگوں کو اگرچہ بڑا محقق اور بڑا فلاسفر اور سائنس دان کہے مگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ اولوالالباب میں سے نہیں ہو سکتے جس نے اپنے مالک کو نہ پہچانا وہ جانور سے بھی بدتر ہے جانور بھی پہچانتا ہے کہ مجھے گھاس دانہ کون ڈالتا ہے، جب مالک سامنے آتا ہے تو یہ جانور اس کے سامنے گردن جھکا دیتا ہے مگر اس فلسفی اور سائنس دان کی گردن خدا کے سامنے نہیں جھکتی۔ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ۔

بشارتِ قبولیتِ دُعا

گزشتہ آیات میں اہلِ ذکر و اہلِ فکر کی دعا مذکور ہوئی اب آئندہ آیت میں اس کی قبولیت کی بشارت دی جاتی ہے چنانچہ فرماتے ہیں پس اُن کے پروردگار نے اُن کی تمام دعائیں قبول کیں اور بتلا دیا کہ میرا قانون اور ضابطہ یہ ہے کہ میں تم میں سے کسی کی محنت ضائع نہیں کرتا۔ مرد ہو یا عورت ہو تم آپس میں ایک ہو۔ اعمال کی جزاء میں دونوں برابر ہیں پس جب کسی عمل کرنے والے کا چھوٹا موٹا عمل بھی رائیگاں نہیں جاتا تو مردانِ خدا کا تو پوچھنا ہی کیا ہے جنہوں نے منادی برحق کی ندا، ایمان قبول کرنے کے بعد ہجرت کی اور خدا کے لیے خویش اور اقارب اور وطن کو چھوڑا اور مال و منال کو خیر باد کہہ کر دارالاسلام کی راہ لی اور محض میرا کلمہ پڑھنے اور میرا نام لیوا ہونے کی وجہ سے طرح طرح سے ستا کر اپنے گھروں سے نکالے گئے جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ (سورۂ ممتحنہ) اور وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ۔ (سورۂ بروج) اور میری راہ میں اُن کو طرح طرح کی تکلیفیں دی گئیں اور پھر انہوں نے میری راہ میں جہاد و قتال کیا اور بہت سے ان میں سے شہید بھی ہوئے ان مردانِ خدا کا خدا کی راہ میں ان ہوش ربا تکلیفوں اور مصیبتوں کو برداشت کرنا ان کے کمالِ ایمان کی دلیل ہے۔ لہٰذا میں ایسے لوگوں کی برائیوں اور گناہوں کو ضرور ضرور معاف کروں گا اور ضرور ان کو ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی یہ بدلہ ملے گا اُن کو اللہ تعالیٰ کے یہاں سے اور اللہ تعالیٰ کے پاس ہے نہایت عمدہ بدلہ جس پر سوائے اس کے کسی کو قدرت نہیں اور یہ عمدہ بدلہ انہیں عقلاء کو ملے گا جن کا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

اوپر کی آیت میں مومنین کا حال اور اُن کے اُخروی درجات کا بیان تھا اب اس آیت میں

کافروں کا حال بیان فرماتے ہیں کہ کوئی مسلمان دنیا میں کافروں کو خوش حال اور خوش و خرم دیکھ کر یہ خیال نہ کرے کہ یہ کمبخت خدا کے دشمن تو بظاہر عیش اڑاتے ہیں اور ہم مصیبت جھیلتے ہیں اس پر اللہ تعالے نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (اے ظاہر بین) جو لوگ کافر ہیں اُن کا شہروں میں تجارت وغیرہ کے لیے چلنا پھرنا تجھ کو دھوکہ اور فریب میں نہ ڈال دے یہ دنیاوی عیش و عشرت بہت ہی تھوڑی پونجی ہے۔ ان کی اس چند روزہ بہار سے مسلمان کو دھوکہ نہ کھانا چاہیئے یہ دولت و ثروت قبولیت کی دلیل نہیں اگر کسی شخص کو چند روزہ پلاؤ اور قورمہ کھلا کر حبس دوام کی سزا دی جائے تو وہ کیا خوش عیش اور خوش نصیب ہوا۔ خوش عیش اور خوش نصیب تو وہ ہے کہ چند روزہ محنت اور تکلیف اٹھا کر اعلیٰ درجہ کی دائمی عیش اور آسائش کا سامان مہیا کرلے۔ کافروں کی یہ عیش و عشرت محض چند روزہ ہے پھر ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور بہت ہی برا ٹھکانہ ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے لہٰذا مؤمنوں کو ان کی حالت سے دھوکہ میں نہ پڑنا چاہیئے بلکہ اُن کو حق تعالےٰ کے ثواب ابدی اور دائمی پر نظر رکھنی چاہیئے۔

(۱) دنیا کی کوئی نعمت ایسی نہیں جو پائدار ہو بلکہ سب منقطع ہونے والی ہیں۔

(۲) نیز دنیا کی کوئی نعمت ضرر اور الم سے خالی نہیں۔

(۳) نیز آخرت کی نعمتوں کے مقابلہ میں دنیا کی تمام نعمتیں ہیچ اور محض بے حقیقت ہیں علاوہ ازیں انسان دنیاوی نعمتوں میں پڑ کر خدا کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے جس کا نتیجہ دائمی عذاب ہے لیکن ان میں سے بھی جو لوگ خدا سے ڈریں اور ایمان لا کر متقی اور پرہیزگار بن جائیں ان کے لیے بہشت کے باغات ہیں۔ جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے یہ اللہ کی طرف سے ان کی مہمانی ہے اور جو چیزیں اللہ کے یہاں ہیں سو وہ اس متاع قلیل سے نیک بختوں کے لیے کہیں بہتر ہیں کیونکہ خدا کے پاس جو ہے وہ بے مثال ہے اور لازوال ہے۔

ف جاننا چاہیئے کہ متقین اور ابرار کے درمیان فرق ہے اور ابرار کا درجہ متقیوں سے بڑھا ہوا ہے کیونکہ متقی اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنے آپ کو خدا تعالےٰ کی ناراضگی کے اسباب سے بچالے اور یہ بات صرف محرمات کے چھوڑ دینے اور فرائض اور واجبات کے بجا لانے سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اور ابرار بَرّ بمقابلہ بحر سے مشتق ہے جس کے مفہوم میں وسعت داخل ہے لہٰذا ابرار کے مفہوم میں تمام نیکیوں کا بجا لانا داخل ہے خواہ فرائض ہوں یا نوافل پس مطلب یہ ہوا کہ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ متقین کی مہمانی ہے اور ابرار کے لیے جو الطاف و عنایات ہوں گی وہ اس سے کہیں بہتر ہوں گی۔ لہٰذا تمہیں اس کی فکر چاہیئے۔

مدح مُؤمنین اہلِ کتاب

گزشتہ آیات میں اہل کتاب کی مذمت کا بیان تھا اب آئندہ آیات میں اہلِ کتاب کی ایک

خاص جماعت کی مدح فرماتے ہیں جو مشرف باسلام ہوئی۔ (۱) اور بلاشبہ اہل کتاب میں سے بعضے لوگ ایسے ہیں جو اللہ پر صحیح ایمان رکھتے ہیں جس میں نفاق اور شرک کی آمیزش نہیں (۲) اور اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ جو ہماری طرف نازل کی گئی یعنی قرآن کریم (۳) اور ان کتابوں پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو ان کی طرف اتاری گئیں۔ یعنی توریت و انجیل پر (۴) حالت ان کی یہ ہے کہ اللہ کے لیے عاجزی اور فروتنی کرنے والے ہیں خشوع اور خضوع اُس اثر کا نام ہے جو دل میں خوف خدا پیدا ہونے کی وجہ سے تمام اعضاء اور جوارح پر پڑتا ہے۔ جس کے باعث نظر نیچی ہو جاتی ہے اور آواز دب جاتی ہے یہ خشوع مؤمنین اہل کتاب کا چوتھا وصف ہے جو ایمان صحیح کا ثمرہ ہے (۵) اور پانچواں وصف ان کا یہ ہے کہ ان کے دل حبِ مال اور حبِ جاہ سے پاک ہیں۔ اس لیے کہ وہ اللہ کی آیتوں کے بدلے میں تھوڑا مول نہیں خریدتے جیسا کہ دوسرے اہل کتاب مال و جاہ کی طمع میں خدا کی آیتوں میں تحریف کر کے تھوڑے داموں بیچ دیتے ہیں۔ ایسے اہلِ کتاب کے لیے جو قرآن پر بھی ایمان رکھتے ہوں اور کتبِ سابقہ پر بھی ایمان رکھتے ہوں۔ خدا تعالیٰ کے یہاں ان کے لیے مخصوص اجر ہے یعنی ان اہلِ کتاب کا اجر اور ثواب اور لوگوں سے زیادہ ہے یعنی دُگنا ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ ایسے اہلِ کتاب کو دوہرا اجر ملے گا اور بہت جلد ملے گا جس میں دیر نہ ہوگی اس لیے کہ تحقیق اللہ تعالیٰ جلد حساب کرنے والا ہے سب کے اعمال کا حساب بے باق کر دیا جائے گا۔

خاتمۂ سورت اور ایک جامع مانع نصیحت

(ربط) اب حق جل شانہٗ اس سورت کو ایک جامع مانع نصیحت پر ختم فرماتے ہیں جو کہ تمام سورت کا خلاصہ اور لبِ لباب ہے۔ اے ایمان والو تمہارے ایمان کا مقتضیٰ یہ ہے کہ جب تم کو کوئی تکلیف پہنچے خواہ کافروں کی طرف سے ہو یا کسی اور طرف سے تو تم اس پر صبر کرو اور جب کافروں سے تمہارا مقابلہ آ پڑے اور تکلیف میں تم اور وہ مشترک ہوں تو تم اُن کے مقابلہ میں مضبوطی دکھلاؤ اور کوشش کرو کہ صبر میں ان پر غالب رہو۔ مصابرت کے معنی صفت صبر میں غالب آنے کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جہاد میں تمہارا صبر کافروں کے صبر پر غالب رہنا چاہیئے اور ظاہری اور باطنی دشمن کے بچاؤ کے لیے ہر وقت تیار اور آمادہ رہو۔ اور حق تعالیٰ کی رضا اور اطاعت اور استقامت سے قلب کو مربوط رکھو مبادا دشمن تمہیں غافل پا کر تم پر حملہ نہ کر دے مرابطہ کے لفظی معنی دشمن کے مقابلہ کے لیے سرحد پر گھوڑے باندھے رکھنا اور ہر وقت اپنے مورچہ پر دشمن کی مدافعت اور اس سے حفاظت کے لیے تیار اور آمادہ رہنے کے ہیں۔ لہٰذا مطلب یہ ہوا کہ ہر وقت ظاہری اور باطنی دشمن کی تاک میں رہو کہ مبادا تمہیں غافل پا کر کوئی کافر یا نفس یا شیطان تم پر کوئی وار نہ کر دے۔ حدیث میں ہے کہ ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے لیے منتظر

رہنا ہی رباط ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد مبارک میں اشارہ اس طرف ہے کہ رباط کا حکم اعداء ظاہری کے ساتھ ہی مختص نہیں بلکہ جیسے اعداء ظاہری کے مقابلہ میں رباط ہے اسی طرح کبھی اعداء باطنی یعنی نفس شیطان کے مقابلہ میں بھی رباط ہوتا ہے جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس کے مقابلہ میں جہاد کرے۔ ؎

اے شہاں کشتیم ما خصمے بروں
ماند خصمے زو بتر در اندروں

اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو امید ہے کہ تم کامیاب ہوگے اور مراد کو پہنچوگے مطلب یہ ہے کہ اگر دنیا اور آخرت کی فلاح اور کامیابی چاہتے ہو تو شدائد اور مصائب میں صبر کرو اور نفس کو معصیت سے ہٹا کر طاعت پر روکو (یہ معنی اِصْبِرُوْا کے ہوئے) اور دشمن کے مقابلہ میں مضبوطی اور ثابت قدمی دکھلاؤ (یہ معنی وَصَابِرُوْا کے ہوئے) اور دشمن کے حملہ آور ہونے کے خطرہ سے ہر وقت ہوشیار اور چوکنے رہو مبادا کوئی ظاہری یا باطنی دشمن تمہارے حدودِ اسلام میں نہ گھس آئے (یہ معنی وَرَابِطُوْا کے ہوئے) اور ہر وقت خدا تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ یہ معنی وَاتَّقُوا اللّٰہَ کے ہوئے ایسا کر لیا تو انشاء اللہ تعالیٰ کامیابی ہی کامیابی ہے۔ اللّٰھم اجعلنا من عبادك الصّالحین و اولیاءك المتقین وحزبك المفلحین۔ اٰمین یارب العالمین برحمتك یاارحم الراحمین ویارب صل وسلم و بارك علےٰ سیدنا و مولانا محمد نبیك و رسولك الذی انزلت علیه ھذا الکتاب المبین وعلےٰ اٰله واصحابه وازواجه وذریته اجمعین وعلینا معھم یا ارحم الراحمین۔

الحمد للہ آج بروز شنبہ بوقت اشراق یکم صفر الخیر ۱۳۸۱ھ کو بمقام جامعہ اشرفیہ۔ لاہور تفسیر آلِ عمران سے فراغت ہوئی۔

فللّٰه الحمد والمنة ربنا تقبل منا انك انت السمیع العلیم وتب علینا انك انت التواب الرحیم

آیاتها ۱۷۶ ۴ : سُوْرَةُ النِّسَآءِ مَدَنِيَّةٌ : ۹۲ رکوعاتها ۲۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تفسیر سورۃ نسآء

یہ سورت مدنی ہے مدینہ میں نازل ہوئی اس میں ایک سو چھتّر آیتیں اور چوبیس رکوع ہیں اور چونکہ اس سورت میں عورتوں کے متعلق اس قدر کثیر احکام مذکور ہیں جو کسی اور سورت میں نہیں اس لیے اس مناسبت سے اس سورۃ کا نام سورۃ النساء مشہور ہو گیا۔

حق جل شانہ نے اس سورت میں احکام قرابت کو خاص طور پر بیان فرمایا ہے اور قرابت کی پاسداری اور یتیموں اور وارثوں کے اموال کی نگہداری بدون تقویٰ اور پرہیزگاری کے بہت مشکل ہے اس لیے حق تعالیٰ نے اس سورت کو تقویٰ کے حکم سے شروع فرمایا اور سورۂ آل عمران بھی صبر اور تقویٰ کے حکم پر ختم ہوئی اس لیے سورۂ آل عمران کے خاتمہ اور سورۂ نساء کے آغاز اور ابتداء میں خاص مناسبت ہو گئی کہ حقوق قرابت کی رعایت میں تقویٰ کی بھی ضرورت ہے اور صبر اور مصابرہ بھی خاص طور پر درکار ہے۔

فائدہ

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا سورۃ نساء کی پانچ آیتیں مجھ کو دنیا اور مافیہا سے زیادہ محبوب ہیں۔

۱۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ (۲) اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ الخ (۳) اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ (۴) وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ الخ (۵) وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا۔ یہ پانچ آیتیں ہوئیں۔

اور ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ مجھے سورۂ نساء کی آٹھ آیتیں تمام دنیا سے زیادہ محبوب

بفضلہ تعالیٰ ۵ صفر الخیر ۱۳۸۱ھ بوقت ۱/۲ ۷ بجے صبح جامع اشرفیہ لاہور مسلم ٹاؤن میں اس سورت کی تفسیر کا آغاز ہوا

ہیں پہلی آیت یہ ہے۔ یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُبَیِّنَ لَکُمْ وَ یَھْدِیَکُمْ سُنَنَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَ یَتُوْبَ عَلَیْکُمْ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ۔ اور دوسری آیت یہ ہے۔ وَاللّٰہُ یُرِیْدُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْکُمْ وَ یُرِیْدُ الَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الشَّھَوٰتِ اَنْ تَمِیْلُوْا مَیْلًا عَظِیْمًا۔ اور تیسری آیت یہ ہے۔ یُرِیْدُ اللّٰہُ اَنْ یُّخَفِّفَ عَنْکُمْ وَ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا۔ پھر ابن مسعودؓ کے قول کے مطابق پانچ آیتیں بیان کیں یہ سب مل کر آٹھ آیتیں ہوئیں (تفسیر ابن کثیر)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ

اے لوگو ڈرتے رہو اپنے رب سے جس نے بنایا تم کو

نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ

ایک جان سے اور اسی سے بنایا اس کا جوڑا اور بکھیرے

مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّ نِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ

اُن دونوں سے بہت مرد اور عورتیں اور ڈرتے رہو اللہ سے جس کا

تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَ الْاَرْحَامَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ

واسطہ دیتے ہو آپس میں اور خبردار رہو ناتوں سے اللہ ہے تم پر

رَقِيْبًا ①

مطلع

تمہیدِ احکامِ سورۃ درباره ادائے حقوقِ قرابت حکم تقویٰ واطاعتِ ربّانی وتذکیرِ اتحادِ انسانی

قال تعالیٰ یٰاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ ..... الی ..... اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا

حق جل شانہٗ نے اس سورت کا تقویٰ اور پرہیزگاری کے حکم سے آغاز فرمایا جو آیندہ احکام قرابت کی تمہید ہے اور تقویٰ کے حکم کے ساتھ اپنی خاص شان خالقیت کو ذکر فرمایا کہ تم سب ایک آدم کی اولاد ہو لہذا تم پر حق قرابت کا لحاظ اور پاسداری ضروری اور لازمی ہے۔

بنی آدم اعضاء یکدیگر اند ؛ کہ در آفرینش زیک جوہر اند
چو عضوے بدرد آورد روزگار ؛ دگر عضوہا را نماند قرار

نیز تم پر اس پروردگار کی اطاعت اور فرمانبرداری اور تقویٰ اور پرہیزگاری نہایت ضروری ہے کہ جس نے تم کو اپنی قدرت کاملہ سے پیدا کیا چونکہ اس سورت میں نکاح اور میراث اور احکام قرابت کا ذکر ہے اس لیے حق تعالیٰ نے ابتداء سورت میں مخاطبین کو یہ یاد دلایا کہ تم ایک ذات سے پیدا ہوئے ہو تاکہ دلوں میں یہ بات راسخ ہو جائے کہ ہم سب لوگ ایک ہی شخص کی اولاد ہیں تو بے اختیار برادرانہ محبت دلوں میں جوش کریگی اور ہر شخص یہ سمجھے گا کہ جب ہم سب ایک ہی شخص کی نسل ہیں تو ہم میں ایک کا ایک پر حق ہے چنانچہ فرماتے ہیں اے لوگو! ڈرتے رہو اپنے اس پروردگار سے جس نے تم کو ایک ذات سے پیدا کیا نفس واحدہ سے باتفاق مفسرین حضرت آدم علیہ السّلام مراد ہیں اور بعد ازاں اسی نفس واحدہ سے اس کا جوڑا یعنی اس کی زوجہ حواء کو پیدا کیا زوجہا سے حضرت حواء مراد ہیں۔ جمہور مفسرین کا قول ہے کہ حضرت آدم علیہ السّلام سو رہے تھے کہ سونے کی حالت میں خدا تعالیٰ نے ان کی بائیں پسلی سے حضرت حواء کو پیدا کیا جب بیدار ہو کر اُن کو دیکھا تو بہت خوش ہوئے یہی مضمون بعض حدیثوں میں بھی آیا ہے اور توریت سفر تکوین کی فصل ثانی میں بھی اس کی تصریح ہے اور پھر ان دونوں سے دنیا میں بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں یعنی پھر ان دونوں سے تمام بنی آدم کی نسل چلی حکماء حال اور دہریہ اور ہنود کے بعضے فرقے اس کے منکر ہیں وہ کہتے ہیں کہ نوع انسانی قدیم ہے ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی یہ مذہب عقلاً ونقلاً سراسر باطل ہے اور مکرر تم کو تاکید کی جاتی ہے کہ اس خدا سے ڈرو جس کے واسطہ سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو تمام قوموں میں

یہ دستور ہے کہ جب کسی سے کام پڑتا ہے تو اسے خدا کا واسطہ دیتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ خدا کے لیے یا اللہ کے واسطے میرا یہ کام کر دو یا یوں کہتے ہیں کہ خدا سے ڈرو اور مجھ پر زیادتی نہ کرو پہلی آیت میں حکمِ تقویٰ کی یہ علت بیان کی تھی کہ وہ تمہارا رب اور خالق ہے اور اس آیت میں حکمِ تقویٰ کی یہ علت بیان کی کہ جس ذات کا تم واسطہ دے کر لوگوں سے حاجتوں کو مانگتے ہو تم کو چاہیے کہ عام طور پر تمام امور میں اس ذات پاک کے تقویٰ اور پرہیزگاری کو خاص طور پر ملحوظ رکھو اور خاص طور پر قرابتوں سے ڈرو یعنی رشتوں کے قطع کرنے اور اُن کے حقوق ضائع کرنے سے ڈرو تحقیق اللہ تعالیٰ تم پر نگہبان ہے دیکھتا ہے کہ تم قطع رحمی کرتے ہو یا صلہ رحمی۔

فوائد

جمہور قرّاء نے والارحامَ کو فتح میم کے ساتھ منصوب پڑھا ہے اس بنا پر اس کا عطف لفظ اللہ پر ہوگا جو واتقوا اللہ میں واقع ہے اور ترجمہ اس طرح ہوگا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور قرابتوں سے ڈرو یعنی اُن کے قطع کرنے سے ڈرو اور اس کے حقوق کو ادا کرتے رہو گزشتہ تفسیر اسی قراءت پر مبنی ہے اور بعض قرّاء نے والارحامِ کو بکسر المیم مجرور پڑھا ہے اس صورت میں والارحامِ کا عطف بہٖ کی ضمیر مجرور پر ہوگا اور معنی یہ ہوں گے کہ اللہ سے ڈرو جس کے واسطہ سے تم سوال کرتے اور رحموں اور قرابتوں کے واسطہ سے بھی سوال کرتے ہو۔ اہل عرب کی عادت تھی کہ وہ جب اپنے کسی رشتہ دار کے پاس کوئی حاجت لے کر جاتے تو یوں سوال کرتے اسألك باللّٰه وبالرحم۔ میں تجھ سے اللہ کا اور رحم یعنی قرابت کا واسطہ دے کر یہ سوال کرتا ہوں یا یوں کہتے کہ میں تجھے اللہ کی اور قرابت کی قسم دیتا ہوں کہ تو میری یہ حاجت پوری کر دے اسی دستور کے مطابق حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب تم اللہ تعالیٰ کی عظمت اور حقوق رحم و قرابت کو جانتے ہو اور اس کا واسطہ دے کر لوگوں سے سوال کرتے ہو تو پھر خود اس پر عمل کیوں نہیں کرتے خدا سے ڈرو اور اعزاء اور اقرباء کے حقوق کو موافق شریعت کے ادا کیا کرو۔

وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ

اور دے ڈالو یتیموں کو ان کے مال اور بدل نہ لو گندا

بِالطَّيِّبِ ۖ وَلَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ۭ

ستھرے سے اور نہ کھاؤ ان کے مال اپنے مالوں کے ساتھ

اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ②

یہ ہے بڑا وبال

حکم اوّل دربارۂ اموال یتامیٰ

قال تعالیٰ وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ ...الیٰ...... اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا۔

(ربط) آیت بالا میں تقویٰ اور حقوق قرابت اور اپنے بنی نوع کی رعایت اور ان کے ساتھ سلوک اور ہمدردی کا حکم تھا اب آیندہ اُن حقوق اور احکام کی تفصیل ہے جن میں یتیموں کے حقوق کو شاید اس لیے سب سے مقدم بیان فرمایا کہ یتیم اپنی بے سروسامانی اور بے کسی اور اور کم عمری کی وجہ سے زیادہ مستحق شفقت ورعایت ہے اس لیے یتیموں کے اولیاء اور سرپرستوں کو حکم دیا کہ یتیموں کا مال جو تمہارے قبضہ میں ہے اُس کو اُن کے بالغ ہو جانے کے بعد اُن کے حوالہ کردو اور زمانہ تولیت میں یتیموں کی اچھی چیز لے کر اس کے معاوضہ میں بری اور گھٹیا چیز اُن کے مال میں شامل نہ کردو۔

شانِ نزول

قبیلہ غطفان میں ایک شخص تھا اس کا بچا زاد یتیم ہو گیا وہ یتیم بھتیجا اور اس کا مال اسکی سرپرستی میں تھا جب وہ یتیم بالغ ہوگیا تو اس نے اپنے چچا سے اپنا مال طلب کیا اس نے مال دینے سے انکار کیا آخر یہ مقدمہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حضور میں پیش ہوا اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی جب اُس شخص نے اس آیت کو سنا تو کہا کہ ہم نے خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کی اور ہم بڑے گناہ سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں اور اس یتیم کا مال فوراً اس کے حوالہ کر دیا (درمنثور) اور یتیموں کو (جب وہ بالغ ہو جائیں) اُن کے اموال اُن کے حوالہ کردو اور زمانہ تولیت میں خراب مال کو عمدہ اور اچھے مال کے ساتھ نہ بدلو جیسا کہ جاہلیت کا دستور تھا کہ یتیموں کے سرپرست اپنے یتیم کے مال میں سے عمدہ مال لے لیا کرتے اور اسکی

جگہ اپنا ناقص مال رکھ دیتے اور ان کے مالوں کے ساتھ ملا کر نہ کھا جاؤ یعنی یتیموں کا مال اپنے مال کے ساتھ تجارت وغیرہ میں لگا کر شرکت کے بہانہ سے اُن کا مال کھا جاؤ تحقیق یہ بہت ہی بڑا گناہ اور وبال ہے صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا سات گناہ بہت بڑے ہیں جو آدمی کو ہلاک کر کے چھوڑتے ہیں یتیم کا مال کھا جانا شرک کرنا جادو کرنا کسی کو ناحق قتل کرنا جہاد سے بھاگنا پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانا — سود کھانا۔

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْکِحُوْا مَا

اور اگر ڈرو کہ انصاف نہ کرو گے یتیم لڑکیوں کے حق میں تو نکاح کرو جو تم کو خوش

طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ

آویں عورتیں دو دو اور تین تین اور چار چار پھر اگر ڈرو کہ

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَکَتْ

برابر نہ رکھو گے تو ایک ہی یا جو اپنے ہاتھ کا مال ہے اس میں لگتا ہے

اَیْمَانُکُمْ ؕ ذٰلِکَ اَدْنٰٓی اَلَّا تَعُوْلُوْا ۝۳

کہ ایک طرف نہ جھک پڑو۔

حکمِ دوم دربارۂ نکاحِ یتامیٰ

قال تعالیٰ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی ...... الیٰ ...... اَلَّا تَعُوْلُوْا ۝

(ربط) گزشتہ آیت میں یتیموں کے مالی ضرر پہنچانے کے متعلق ہدایت تھی اب اس آیت میں یتیم لڑکیوں کے نکاح کے متعلق ہدایت ہے اس لیے کہ کبھی ایسا ہوتا کہ یتیم لڑکیاں جس کی تربیت میں دی جاتی وہ لڑکی اُس ولی کے مال میں بوجہ قرابت ایک دوسرے کے شریک ہوتے تو اب دو صورتیں پیش آتیں کبھی تو یہ ہوتا کہ ولی کو اُس یتیمہ کا مال اور جمال دونوں مرغوب ہوتے اور اس مال اور جمال کے لالچ میں اُس سے تھوڑے سے مہر پر نکاح کر لیتا چونکہ یتیم لڑکی کا کوئی

سرپرست نہیں ہوتا جو اُس کے حقوق کی حفاظت کرے اور اس کے حقوق کے لیے جھگڑے اس لیے یہ ولی اُس کے مہر میں بھی کمی کر دیتا اور بوجہ اس کی کمزوری کے اس کے دیگر حقوق زوجیت بھی پورے طور پر ادا نہ کرتا اور کبھی یہ ہوتا کہ اس یتیم لڑکی کی صورت تو مرغوب نہ ہوتی مگر ولی یہ خیال کرتا کہ اگر دوسرے سے نکاح کر دوں گا تو لڑکی کا مال میرے قبضہ سے نکل جائے گا اور میرے مال میں دوسرا شریک ہو جائے گا اس مصلحت سے اس یتیمہ سے نکاح تو جوں توں کر لیتا مگر منکوحہ سے کچھ رغبت نہ رکھتا اُس پر یہ آیت اتری اور اولیاء کو ارشاد ہوا اور اگر تم کو اس بات کا ذرہ احتمال بھی ہو اور اگر یقین ہو تو بدرجہ اولیٰ کہ تم یتیم لڑکیوں کے بارہ میں انصاف نہ کر سکو گے اور اُن کے مہر اور حسن معاشرت میں تم سے کوتاہی ہو گی تو ایسی حالت میں تم کو ان یتیم لڑکیوں سے نکاح کی اجازت نہیں بلکہ ان کے علاوہ اور عورتوں سے نکاح کر لو جو تم کو مرغوب اور پسند ہوں ایک نہیں دو دو اور تین تین اور چار چار تک تم کو اجازت ہے مگر چار سے زیادہ کی اجازت نہیں۔ یہ اجازت کی آخری حد ہے مطلب یہ ہے کہ اگر تم کو یہ ڈر ہو کہ یتیم لڑکیوں سے نکاح کرنے کی صورت میں اُن کے ساتھ منصفانہ برتاؤ نہ کر سکو گے تو ان سے نکاح ہی نہ کرو ان کے سوا اور عورتوں سے نکاح کر لو جو تمہیں پسند ہوں عورتوں کی کمی نہیں اور اللہ کی طرف سے کوئی تنگی نہیں ایک سے لے کر چار تک تم کو اجازت ہے پس جب تم مجبور نہیں اور تمہاری ضرورت یتامیٰ پر اٹکی اور لٹکی ہوئی نہیں تو پھر بے ضرورت کیوں کسی کے حق تلفی کے مرتکب ہوتے ہو کسی اور سے نکاح کر لو پس اگر تم کو ڈر ہو کہ کئی عورتوں میں عدل اور انصاف نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی نکاح پر قناعت کرو یا صرف کنیزوں پر بس کرو جو تمہارے ہاتھ کا مال ہیں کہ ان میں تمہیں سہولت ہے اس لیے کہ باندیوں کے حقوق آزاد عورتوں کے برابر نہیں یہ حکم اس بات کے زیادہ قریب ہے کہ تم بے انصافی نہ کرو اور کسی کی حق تلفی نہ کرو کیونکہ اگر ایک ہی بیوی ہو گی تو تم اسی کی طرف متوجہ رہو گے اور اس کے حقوق کی ادائیگی تم پر سہل ہو گی اور اگر صرف لونڈیاں اور باندیاں ہوں گی تو ان کے حقوق آزاد عورتوں کے برابر نہیں لہذا ان سے نباہ کچھ مشکل نہیں۔

تمام علماء اہل سنت والجماعت کا اس پر اتفاق اور اجماع ہے کہ مرد کو ایک وقت میں اپنے نکاح میں چار سے زیادہ عورتوں کو جمع کرنا درست نہیں زمانہ جاہلیت میں عورتوں کی کوئی تعداد مقرر نہ تھی ایک آدمی کے پاس دس دس اور آٹھ آٹھ عورتیں ہوا کرتی تھیں اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس کی حد مقرر کر دی کہ چار عورتوں سے زیادہ نکاح درست نہیں اور ایسا ہی احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔

عبداللہ بن عباسؓ اور جمہور علماء کہتے ہیں کہ یہ آیت مقام امتنان اور احسان کے بارہ میں ہے عورتوں سے نکاح کی اباحت اور اجازت حق تعالیٰ کی منت کبریٰ ہے پس اگر چار سے زیادہ جمع کرنا جائز

ہوتا تو حق تعالیٰ اس کو ضرور ذکر فرماتے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ سنّت نبوی نے حق تعالیٰ کی مراد خوب واضح کر دی کہ سوائے رسول اللہ ؐ کے کسی شخص کے لیے چار عورتوں سے زیادہ نکاح کرنا جائز نہیں۔

حافظ ابن کثیرؒ۔ امام شافعیؒ کے اس قول کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ اسی پر تمام علماء کا اجماع ہے مگر شیعوں کے ایک گروہ سے یہ منقول ہے کہ چار سے نو تک بھی جمع کرنا درست ہے تفسیر ابن کثیر ص۴۵۰ ج۱۔

اور بعض شیعہ یہ کہتے ہیں کہ اباحت نکاح کے لیے کوئی حصر اور تعین نہیں اہل فہم ادنی تامل سے سمجھ سکتے ہیں کہ اگر عام اجازت مقصود ہوتی تو صرف مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاۗءِ کہہ دینا کافی تھا چار تک کی تحدید کی کوئی ضرورت نہ تھی

اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں یعنی فَانْكِحُوْا میں تمام رجال عالم کو خطاب ہے اور مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاۗءِ میں تمام عالم کی عورتیں مراد ہیں اور مقصود کلام یہ ہے کہ اے رجال عالم یہ تمام عورتیں ہم نے تمہارے لیے پیدا کی ہیں تم ان کو بطور نکاح و زوجیت آپس میں تقسیم کر لو مگر شرط اس اباحت اور اجازت کی یہ ہے کہ اس تقسیم میں مثنی اور ثلاث اور رباع کی قید کو ملحوظ رکھو کیونکہ مثنی وثلاث ورباع۔ ترکیب نحوی کے اعتبار سے ماطاب سے حال ہے اور حال عامل کی قید ہوتا ہے اور یہاں عامل فَانْكِحُوْا ہے پس اباحت نکاح ان اقسام کے ساتھ مقید ہوگی چار کے اندر اندر اجازت ہوگی چار سے زائد ہونے کی صورت میں اجازت نہ رہے گی۔

جیسے کوئی امیر کسی جماعت سے یہ کہے اقتسموا ھذہ البدرۃ درھمین درھمین وثلاثۃ ثلاثۃ واربعۃ اربعۃ یعنی اس تھیلی کے دراہم و دنانیر کو دو دو یا تین تین یا چار چار آپس میں تقسیم کر لو مطلب یہ ہوگا کہ تقسیم میں کسی شخص کو چار سے زیادہ لینے کی اجازت نہ ہوگی۔

اسی طرح حق تعالیٰ نے اس آیت میں عالم کے تمام مردوں کو یہ اجازت دی ہے کہ تم عالم کی تمام عورتوں کو دو دو اور تین تین اور چار چار کر کے بطور نکاح آپس میں تقسیم کر لو اس تقسیم میں تم کو چار عورتیں تک لینے کی اجازت ہے اس سے زائد کی اجازت نہیں ہذا توضیح ما قالہ العلامۃ الزمخشری فی الکشاف وابو حیان فی البحر المحیط۔

ایک شبہ اور اسکا ازالہ

شبہ یہ ہے کہ جس طرح سورۂ فاطر کی آیت دربارۂ ملائکہ اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ میں مثنی ورباع کا ذکر تقیید اور تحدید کے لیے نہیں اسی طرح ممکن ہے کہ آیت نکاح

میں بھی مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ کا ذکر تحدید کے لیے نہ ہو۔

جواب

سورۂ فاطر کی آیت میں مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ، اجنحۃ کی صفت ہے کہ فرشتے ایسے ایسے پیدا کیئے گئے ہیں اس آیت میں مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ کا ذکر محض بطور خبر آیا ہے کسی حکم کی قید نہیں جو ماعدا کی نفی پر دلالت کرے جیسا کہ تمام بلغاء کے نزدیک مسلّم ہے کہ بعض اوصاف ذکر کرنے سے دوسرے اوصاف کے نفی پر استدلال کرنا غلط ہے بخلاف اس صورت کے کہ جب کوئی عدد معین کسی حکم کے تقیید کے لیے ذکر کیا جائے تو وہ بلاشبہ تحدید پر دلالت کرے گا اور یہ آیت عورتوں کے نکاح کے حکم کے بارہ میں آئی ہے کہ تمہیں اس طرح کی اجازت ہے اور یہ اجازت چار چار تک ہے لہذا اس پر زیادتی جائز نہ ہو گی اور عورتوں سے نکاح کی اجازت اور اباحت کا حکم چار تک مقصود ہو گا۔

مسئلہ تعدُّدِ ازدواج

شریعت اسلامیہ غایت درجہ معتدل اور متوسط ہے افراط اور تفریط کے درمیان میں ہے نہ تو عیسائیوں کے راہبوں اور ہندوؤں کے جوگیوں اور گسائیوں کی طرح ملنگ بننے کی اجازت دیتی ہے اور نہ صرف ایک عورت ہی پر قناعت کرنے کو لازم گردانتی ہے بلکہ حسب ضرورت و مصلحت ایک سے چار تک اجازت دیتی ہے۔

چنانچہ پادری لوگ بھی نظر عمیق کے بعد اسی کا فتویٰ دیتے ہیں جیسا کہ کتاب مسمی بہ اصلاح سہو مطبوعہ امریکن مشن پریس ۱۸۷۱ء میں لکھتے ہیں کہ تعدّد ازدواج بنی اسرائیل میں تھا اور خدا نے اُس کو منع نہیں کیا بلکہ برکت کا وعدہ کیا اور عارئین لوتھر نے فلپ کو دو جوروؤں کی اجازت دی تھی منقول از تفسیر حقانی ص۱۶۶ ج ۲۔ تاریخ عالم کے مسلمات میں سے ہے کہ اسلام سے پہلے تمام دنیا میں یہ رواج تھا کہ ایک شخص کئی کئی عورتوں کو اپنی زوجیت میں رکھتا تھا اور یہ دستور تمام دنیا میں رائج تھا حتیٰ کہ حضرات انبیاء بھی اس دستور سے مستثنیٰ نہ تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی دو بیبیاں تھیں حضرت سارہ اور حضرت ہاجرہ حضرت اسحاق علیہ السّلام کے بھی متعدّد بیویاں تھیں حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے بھی کئی بیویاں تھیں اور سلیمان علیہ السّلام کے بیسیوں بیویاں تھیں اور حضرت داؤد علیہ السّلام کے سو بیویاں تھیں اور

توریت وانجیل ودیگر صحف انبیاء میں حضرات انبیاء کی متعدد ازواج کا ذکر ہے اور کہیں اسکی ممانعت کا ادنیٰ اشارہ بھی نہیں پایا جاتا صرف حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السّلام ایسے نبی گزرے ہیں کہ جنہوں نے بالکل شادی نہیں فرمائی ان کے فعل کو اگر استدلال میں پیش کیا جائے تو ایک شادی بھی ممنوع ہو جائے گی احادیث میں ہے کہ عیسیٰ علیہ السّلام قیامت کے قریب آسمان سے نازل ہوں گے اور نزول کے بعد شادی فرمائیں گے اور ان کے اولاد بھی ہوگی۔

غرض یہ کہ علماء یہود اور علماء نصاریٰ کو مذہبی حیثیت سے تعدّد ازدواج پر اعتراض کا کوئی حق نہیں صرف ایک ہی بیوی رکھنے کا حکم کسی مذہب اور ملّت میں نہیں نہ ہندؤں کے شاستروں میں نہ توریت میں اور نہ انجیل میں صرف یورپ کا رواج ہے نہ معلوم کس بنا پر یہ رواج رائج ہوا اور جب سے یورپ میں یہ رواج چلا اس وقت سے مغربی قوموں میں زناکاری کی اس درجہ کثرت ہوئی کہ پچاس فیصدی آبادی غیر ثابت النسب ہے اور جن قوموں نے تعدّد ازدواج کو برا سمجھا ہے وہی قومیں اکثر زناکاری میں مبتلا ہیں۔

اسلام سے پیشتر دنیا کے ہر ملک اور ہر خطہ میں کثرت ازدواج کی رسم خوب زور وشور سے رائج تھی اور بعض اوقات ایک ایک شخص سو سو تک عورتوں سے شادیاں کر لیتا تھا اسلام آیا اور اس نے اصل تعدّد ازدواج کو جائز قرار دیا مگر اسکی ایک حد مقرر کر دی اسلام نے تعدّد ازدواج کو واجب اور لازم نہیں قرار دیا بلکہ بشرط عدل وانصاف اسکی اجازت دی کہ تم کو چار بیویوں کی حد تک نکاح کی اجازت ہے اور اس چار کی حد سے تجاوز کی اجازت نہیں اس لیے کہ نکاح سے مقصود عفت اور تحصین فرج ہے چار عورتوں میں جب ہر تین شب کے بعد ایک عورت کی طرف رجوع کرے گا تو اس کے حقوق زوجیت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا شریعت اسلامیہ نے غایت درجہ اعتدال اور توسط کو ملحوظ رکھا کہ نہ تو جاہلیت کی طرح غیر محدود کثرت ازدواج کی اجازت دی کہ جس سے شہوت رانی کا دروازہ کھل جائے اور نہ اتنی تنگی کی کہ ایک عورت سے زائد کی اجازت ہی نہ دی جائے بلکہ بین بین حالت کو برقرار رکھا کر چار تک اجازت دی تاکہ

(۱) نکاح کی غرض وغایت (یعنی عفت اور حفاظت نظر اور تحصین فرج اور تناسل اور اولاد) بسہولت حاصل ہو سکے اور زنا سے بالکلیہ محفوظ ہو جائے اس لیے کہ بعض قوی اور توانا اور تندرست اور فارغ البال اور خوشحال لوگوں کو ایک بیوی سے زیادہ کی ضرورت ہوتی ہے اور بوجہ قوت اور توانائی اور اوپر سے فارغ البالی اور خوشحالی کی وجہ سے چار بیویوں کے بلا تکلف حقوق زوجیت ادا کرنے پر قادر ہوتے ہیں۔

ایسے قوی اور توانا جن کے پاس لاکھوں کی دولت بھی موجود ہے اگر وہ اپنے خاندان کی چار غریب عورتوں سے اس لیے نکاح کریں کہ ان کی تنگ دستی مبدل بفراخی ہو جائے اور غربت کے گھرانہ سے نکل کر ایک راحت اور دولت کے گھر میں داخل ہوں اور حق تعالےٰ کی نعمت کا شکر کریں تو امید ہے کہ ایسا نکاح اسلامی نقطۂ نظر سے بلاشبہ عبادت اور عین عبادت ہوگا اور قومی نقطۂ نظر سے اعلیٰ ترین قومی ہمدردی ہوگی جس دولت مند اور زمیندار اور سرمایہ دار کے خزانہ سے ہر مہینہ دس ہزار مزدوروں کو تنخواہیں ملتی ہوں اور دس ہزار خاندان اس کی اعانت اور امداد سے پرورش پاتے ہوں تو اگر اس کے خاندان کی چار عورتیں بھی اس کی حرم سرائے میں داخل ہو جائیں اور عیش و عشرت کے ساتھ اُن کی عزت و ناموس بھی محفوظ ہو جائے تو عقلاً و شرعاً اس میں کوئی خرابی نظر نہیں آتی ۔ بلکہ .... اگر کوئی بادشاہ یا صدر مملکت یا وزیر سلطنت یا کوئی صاحب ثروت و دولت بذریعہ اخبار یہ اعلان کرے کہ میں چار عورتوں سے نکاح کرنا چاہتا ہوں اور ہر عورت کو ایک ایک لاکھ مہر دوں گا اور ایک ایک بنگلہ کا ہر ایک کو مالک بنا دوں گا جو عورت مجھ سے نکاح کرنا چاہے وہ میرے پاس درخواست بھیج دے ۔

انہی بیگمات کی درخواستیں پہنچیں گی جو آج تعدّد ازدواج کے مسئلہ پر شور برپا کر رہی ہیں یہی بیگمات سب سے پہلے اپنے آپ کو اور اپنی بیٹیوں اور بھتیجیوں اور بھانجیوں کو لیکر امراء اور وزراء کے بنگلوں پر خود حاضر ہو جائیں گی اور اگر کوئی امیر اور وزیر ان کے قبول کرنے میں کچھ تامل کرے گا تو یہی بیگمات دل آویز طریقہ سے اُن کو تعدّد ازدواج کے فوائد اور منافع سمجھائیں گی ۔

(۲)

نیز بسا اوقات ایک عورت امراض کی وجہ سے یا حمل اور توالد و تناسل کی تکلیف میں مبتلا ہونے کی وجہ سے اس قابل نہیں رہتی کہ مرد اس سے منتفع ہو سکے تو ایسی صورت میں مرد کے زنا سے محفوظ رہنے کی عقلاً اس سے بہتر کوئی صورت نہیں کہ اُس کو دوسرے نکاح کی اجازت دی جائے ۔

حکایت

ایک بزرگ کی بیوی نابینا ہو گئی تو انہوں نے دوسرا نکاح کیا تاکہ یہ دوسری بیوی پہلی نابینا بیوی کی خدمت کر سکے

اہل عقل فتویٰ دیں کہ اگر کسی کی پہلی بیوی معذور ہو جائے اور دوسرا نکاح اس لیے کرے تاکہ دوسری بیوی آکر پہلی بیوی کی خدمت کر سکے اور اس کے بچوں کی تربیت کر سکے کیا یہ دوسرا نکاح عین عبادت اور عینِ مروّت اور عین انسانیت نہ ہوگا۔

(۳)

نیز بسا اوقات عورت امراض کی وجہ سے یا عقیم (بانجھ) ہونے کی وجہ سے توالد اور تناسل کے قابل نہیں رہتی اور مرد کو بقاء نسل کی طرف فطری رغبت ہے ایسی صورت میں عورت کو بے وجہ طلاق دے کر علیحدہ کر دینا یا اس پر کوئی الزام لگا کر طلاق دے دینا (جیسا کہ دن رات یورپ میں ہوتا رہتا ہے) یہ صورت بہتر ہے یا یہ صورت بہتر ہے کہ اس کی زوجیت اور اس کے حقوق کو محفوظ رکھ کر دوسرے نکاح کی اجازت دے دیں بتلاؤ کون سی صورت بہتر ہے۔

اگر کسی قوم کو اپنی تعداد بڑھانی منظور ہو یا عام طور پر بنی نوع کی افزائش نسل مد نظر ہو تو سب سے بہتر یہی تدبیر ہو سکتی ہے کہ ایک مرد کئی کئی شادیاں کرے تاکہ بہت سی اولاد پیدا ہو۔

(۴)

نیز عورتوں کی تعداد قدرتاً اور عادۃً مردوں سے زیادہ ہے مرد بہ نسبت عورتوں کے پیدا کم ہوتے ہیں اور مرتے زیادہ ہیں لاکھوں مرد لڑائیوں میں مارے جاتے ہیں اور ہزاروں مرد جہازوں میں ڈوب کر مر جاتے ہیں اور ہزاروں کانوں میں دب کر اور تعمیرات میں بلندیوں سے گر کر مر جاتے ہیں اور عورتیں پیدا زیادہ ہوتی ہیں اور مرتی کم ہیں پس اگر ایک مرد کو کئی شادیوں کی اجازت نہ دی جائے تو یہ فاضل عورتیں بالکل معطل اور بیکار رہیں کون ان کی معاش کا کفیل اور ذمہ دار بنے اور کس طرح یہ عورتیں اپنے کو زنا سے محفوظ رکھیں پس تعدد ازدواج کا حکم بے کس عورتوں کا سہارا ہے اور اُن کی عصمت اور ناموس کی حفاظت کا واحد ذریعہ ہے اور ان کی جان اور آبرو کا نگہبان اور پاسبان ہے عورتوں پر اسلام کے اس احسان کا شکر واجب ہے کہ تم کو تکلیف سے بچایا اور راحت پہنچائی اور ٹھکانا دیا اور لوگوں کی تہمت اور بدگمانی سے تم کو محفوظ کر دیا دنیا میں جب کبھی عظیم الشان لڑائیاں پیش آتی ہیں تو مرد ہی زیادہ مارے جاتے ہیں اور قوم میں بے کس عورتوں کی تعداد بڑھ جاتی ہے تو اس وقت ہمدردان قوم کی نگاہیں

اس اسلامی اصول کی طرف اُٹھ جاتی ہیں ابھی تیس سال قبل کی بات ہے کہ جنگ عظیم کے بعد جرمنی اور دوسرے یورپی ممالک جن کے مذہب میں تعدّد ازدواج جائز نہیں عورتوں کی بے کسی کو دیکھ کر اندر ہی اندر تعدّد ازدواج کے جواز کا فتویٰ تیار کر رہے تھے۔

جو لوگ تعدّد ازدواج کو برا سمجھتے ہیں ہم اُن سے یہ سوال کرتے ہیں کہ جب ملک میں عورتیں لاکھوں کی تعداد میں مردوں سے زیادہ ہوں تو اُن کی فطری اور طبعی جذبات اور اُن کی معاشی ضروریات کی تکمیل کے لیے آپ کے پاس کیا حل ہے اور آپ نے ان بے کس عورتوں کی مصیبت دور کرنے کے لیے کیا قانون بنایا ہے افسوس اور صد افسوس کہ اہل مغرب اسلام کے اس جائز تعدّد ازدواج پر عیش پسندی کا الزام لگائیں اور غیر محدود ناجائز تعلقات اور بلا نکاح کے لاتعداد آشنائی کو تہذیب اور تمدن سمجھیں زنا جو کہ تمام انبیاء و مرسلین کی شریعتوں میں حرام اور تمام حکماء کی حکمتوں میں قبیح رہا مغرب کے مدعیان تہذیب کو اس کا قبح نظر نہیں آتا اور تعدّد ازدواج کہ جو تمام انبیاء و مرسلین اور حکماء اور عقلاء کے نزدیک جائز اور مستحسن رہا وہ ان کو قبیح نظر آتا ہے ان مہذب قوموں کے نزدیک تعدّد ازدواج تو جرم ہے اور زنا اور بدکاری جرم نہیں۔

(۵)

عورتیں۔ مرد سے عقل میں بھی نصف ہیں اور دین میں بھی نصف ہیں جس کا حاصل یہ نکلا کہ ایک عورت ایک مرد کا ربع یعنی چوتھائی ہے اور ظاہر ہے کہ چار ربع مل کر ایک بنتے ہیں معلوم ہوا کہ چار عورتیں ایک مرد کے برابر ہیں اس لیے شریعت نے ایک مرد کو چار عورتوں سے نکاح کی اجازت دی۔

ایک عورت کیلئے متعدد خاوند ہونے کی ممانعت کی وجہ

(۱) اگر ایک عورت چند مردوں میں مشترک ہو تو بوجہ استحقاق نکاح ہر ایک کو قضاء حاجت کا استحقاق ہوگا اور اس میں غالب اندیشہ فساد اور عناد کا ہے شاید ایک ہی وقت میں سب کو ضرورت ہو اور عجب نہیں کہ نوبت قتل تک پہنچے۔

ہندوؤں کے بعض فرقوں کے مذہب میں یہ جائز ہے کہ پانچ بھائی مل کر ایک عورت رکھ لیں بے غیرتوں کا مذہب بے غیرتی ہی کی باتیں بتلاتا ہے اسلام جیسا باعزت مذہب ہرگز ہرگز اس کی اجازت نہیں دیتا کہ عورت کبھی کسی سے ہم آغوش اور ہم کنار ہو اور کبھی کسی سے۔

(۲) مرد فطرتاً حاکم ہے اور عورت محکوم ہے اس لیے کہ طلاق کا اختیار مرد کو ہے جب تک

مرد عورت کو آزاد نہ کرے تو عورت دوسرے مرد سے نکاح نہیں کر سکتی جیسے باندی اور غلام باختیار خود قید سے نہیں نکل سکتے اسی طرح عورت باختیار خود قید نکاح سے نہیں نکل سکتی باندی اور غلاموں میں اگر اعتاق ہے تو عورتوں میں طلاق غرض یہ کہ جب مرد حاکم ہوا تو عقلاً یہ تو جائز ہے کہ ایک حاکم کے ماتحت متعدد محکوم ہوں اور متعدد اشخاص کا ایک حاکم کے ماتحت رہنا نہ موجب ذلّت وحقارت ہے نہ موجب صعوبت۔ بخلاف اس کے کہ ایک شخص متعدّد حاکموں کے ماتحت ہو تو ایسی صورت میں کہ جب محکوم ایک ہو اور حاکم متعدّد ہوں تو محکوم کے لیے عجب مصیبت کا سامنا کہ کس کس کی اطاعت کرے اور ذلت بھی ہے جتنے حاکم زیادہ ہوں گے اسی قدر محکوم میں ذلت بھی زیادہ ہوگی۔

اس لیے شریعت اسلامیہ نے ایک عورت کو دو یا چار خاوند سے نکاح کی اجازت نہیں دی اس لیے کہ اس صورت میں عورت کے حق میں تحقیر وتذلیل بھی بہت ہے اور مصیبت بھی نہایت سخت ہے۔

نیز متعدد شوہروں کی خدمت بجالانا اور سب کو خوش رکھنا ناقابل برداشت ہے اس لیے شریعت نے ایک عورت کو دو یا چار مردوں سے نکاح کی اجازت نہیں دی تاکہ عورت اس تذلیل وتحقیر اور ناقابل برداشت مشقت سے محفوظ رہے۔

(۳)

نیز اگر ایک عورت کے متعدد شوہر ہوں تو متعدد شوہروں کے تعلق سے جو اولاد پیدا ہوگی وہ ان میں سے کس کی اولاد ہوگی اور اُن کی تربیت کس طرح ہوگی اور ان کی وراثت کس طرح تقسیم ہوگی نیز وہ اولاد چاروں شوہروں کی مشترکہ ہوگی یا منقسم اور تقسیم کس طرح ہوگی اگر ایک ہی فرزند ہوا تو چار باپوں میں کس طرح تقسیم ہوگا اور اگر متعدد اولاد ہوئی اور نوبت تقسیم کی آئی تو بوجہ اختلاف ذکورت وانوثت اور بوجہ تفاوت شکل وصورت اور بوجہ اختلاف قوت وصحت اور بوجہ تفاوت فہم وفراست موازنہ تو ممکن نہیں اس لیے اس تفاوت کی وجہ سے تقسیم اولاد کا مسئلہ غایت درجہ پیچیدہ ہوگا اور نہ معلوم باہمی نزاع سے کیا کیا صورتیں اور فتنے رونما ہوں۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رح کا کلام[1] معرفت الیتام

حق جل شانہٗ کا ارشاد ہے نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ یعنی تمہاری عورتیں تمہارے کھیت

[1] دیکھو اجوبۂ اربعین ص۱۲ ج ۲ - اور دیکھو انتصار الاسلام ص۴۳۔

ہیں۔ اس سے صاف روشن ہے کہ نکاح سے مقصود اولاد ہے کیونکہ کھیت سے مطلوب پیداوار ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ اس کھیت کی پیداوار یہی اولاد ہے گیہوں چنا وغیرہ نہیں اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ شیعوں کے نزدیک جو سارے جہان کے خلاف اپنی بی بی سے اغلام درست ہے وہ کلام اللہ کے بھی مخالف ہے مگر اغلام سے تولد اولاد متصور نہیں مگر ہاں شاید شیعوں میں یہ کرامت ہو کہ نطفہ ادھر سے ادھر چلا جاتا ہو۔ باقی رہا جملہ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ جس کا یہ مطلب ہے کہ اپنی زمین میں بیج ڈالنے کے لیے مشرق کی طرف سے جاؤ یا مغرب کی طرف سے بہر حال تم کو اختیار ہے اور اس سے ہر کوئی یہی سمجھتا ہے کہ مقصود اصلی بونا ہے وہ دونوں طرف سے جانے میں برابر حاصل ہے پیداوار دونوں میں ایک ہی طرح سے ہوگی ایسے ہی اس جملہ سے ہر عاقل یہی سمجھے گا کہ اپنی بیبیوں سے الٹے سیدھے جس طرح چاہو صحبت کرو تولد اولاد میں دونوں صورتیں برابر ہیں یہ نہیں کہ سیدھی صحبت کیجیے تو بچہ اچھا ہو اور الٹی کیجیے تو اَحْوَل (بھینگا) پیدا ہو جیسا کہ یہودی کہا کرتے تھے چنانچہ اسی وہم فاسد کے ازالہ اور دفع کے لیے یہ ارشاد ہوا فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ مگر علماء شیعہ کی خوش فہمی دیکھیے کہ بات کیا تھی اور کیا مطلب سمجھ گئے مگر وہ بھی کیا کریں اگر متعہ اور اغلام نہ ہوتا تو خواص تو متنفر تھے ہی عوام کالانعام بھی اس مذہب کو پسند نہ کرتے۔

علاوہ بریں ولد صالح کا باقیات صالحات میں سے ہونا بھی اولاد کے مقصود ہونے پر شاہد ہے کیونکہ اگر شہوت رانی ہی مقصود ہوتی اور اولاد مقصود نہ ہوتی تو ان کے حساب سے اولاد کا ہونا اور نہ ہونا برابر ہوتا اگر صالح ہوتی تو کیا اور فاسق ہوئی تو کیا اور علی ہذا القیاس سقی ماء غیر یعنی عورت حاملہ من الغیر سے جماع حرام نہ ہوتا چنانچہ ظاہر ہے بہر حال مقصود اصلی نکاح سے اولاد ہے شہوت رانی مقصود اصلی نہیں جیسے اکل غذاء سے بدل ما یتحلل مقصود ہے اور بھوک مثل چپراسی سرکاری اس بیگار کے لیے متقاضی ہے ایسے ہی عورتوں سے اولاد مطلوب ہے اور شہوت جماع تقاضاً جماع کے لیے ساتھ لگا دی گئی ہے مگر جب اولاد مقصود ٹھہری چنانچہ آیت مسطور اس پر شاہد ہے اور نیز عقل سلیم اس پر گواہ تو پھر ایک عورت کو زمانۂ واحد میں دو یا زیادہ مردوں سے نکاح کی اجازت قرین عقل نہ ہوگی اس لیے کہ زمین کی پیداوار تو سب ایک سی ہوتی ہے اور اس کے سب دانے باہم متشابہ ہوتے ہیں خورش میں سب یکساں کسی کو کسی پر کچھ فوقیت نہیں اس لیے شرکت میں کوئی خرابی پیش نہیں آتی علی السویہ تقسیم ہو سکتی ہے پر اولاد میں اگر اشتراک تجویز کیا جائے تو ایک نزاع عظیم برپا ہو جائے اس لیے کہ اول تو یہی کچھ ضرور نہیں کہ ایک سے زیادہ بچہ پیدا ہو اور دو تین پیدا بھی ہوئے تو کچھ ضرور نہیں کہ سب لڑکے ہی ہوں یا سب لڑکیاں ہی ہوں اور پھر سب ایک ہی نمبر کے عاقل و فاضل ہوں بلکہ عادت اللہ یوں ہی جاری ہے کہ جیسے پانچوں انگلیاں یکساں نہیں ہوتیں ایسی ہی تمام اولاد یکساں نہیں ہوتی تو پھر تقسیم اولاد کی کیا صورت ہو

گی۔ خاص کر جب کہ بچہ ایک ہو اور عورت کے خاوند متعدد ہوں یا خاوندوں کا عدد تو زوج ہو اور اولاد کا عدد طاق ہو تو اور بھی دشواری ہو گی ہاں اگر اولاد کاٹنے پھاٹنے کے قابل ہوتی تو مثل غلامِ مشترک یا جامۂ مشترک۔ کاٹ پھانٹ کر برابر کر لیتے اور نزاع دفع کر لیتے یا مثل غلام عورت کا ہر وقت ایک حال رہتا اور یہ تفاوت احوال اور اختلاف کیفیات مزاجی نہ ہوتا تو ہفتہ وار یا ماہوار یا سال وار ایک خاوند کے پاس رہا کرتی مگر اول تو ہر دم اور ہر حال میں رحم زن نطفہ کو قبول نہیں کرتا دوسرے یہ کہ اختلاف احوالِ زن بسا اوقات اختلاف ذکورت و انوثت اور عقلی اور بے عقلی کا سبب بن جاتا ہے چنانچہ جو لوگ دقائق طبیہ اور حقائق موجباتِ اختلاف امزجۂ اولاد سے واقف ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ وقت جماع جو کیفیت والدین اور خصوصًا والدہ پر غالب ہوتی ہے وہی کیفیت اولاد کے حق میں خلق اور طبیعت بن جاتی ہے والدین کی کیفیت مزاجی کو اولاد کے اخلاق اور عقل میں دخل تام ہے الغرض بوجہ تفاوت احوال معلومہ یہ ممکن نہیں کہ غلام کی طرح عورت نوبت بنوبت ہر خاوند کے پاس رہا کرے کیونکہ خدمت غلام کوئی امر معین نہیں جو اس کی مقدار تعین نوبت میں ملحوظ رہے اس لیے وہاں وہ زمانہ جس میں خدمت معتد بہ تمام شرکاء کے نزدیک ادا کر سکے معین ہو سکے گا اور عورت میں خدمت فراش یعنی جماع کی مقدار نوبت کی تعیین نہایت دشوار ہے علاوہ ازیں مرد میں ہر لحظہ حاجت الی الجماع کا احتمال ہے اور یہ حاجت بدون عورت کے رفع ہونا محال ہے بخلاف غلام کے کہ اگر غلام موجود نہ ہو تو وہ اپنا کاروبار اپنے ہاتھ سے بھی انجام دے سکتا ہے اور جماع میں یہ متصور نہیں تو ان وجوہ سے زوجہ میں شرکت خلاف مصلحت ہوئی ملخص از اجوبۂ اربعین از ص۲۲ تا ص۲۲)

الغرض شریعت نے ان فتنوں کا دروازہ بند کرنے کے لیئے ایک عورت کے لیے متعدد مردوں سے نکاح کو ممنوع اور حرام قرار دیا۔

وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً ۚ فَإِن طِبْنَ لَكُمْ عَن

اور دے ڈالو عورتوں کو مہر ان کے خوشی سے پھر اگر وہ اس میں سے کچھ

شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَّرِيئًا ④

چھوڑ دیں تم کو دل کی خوشی سے تو وہ کھاؤ رچتا پچتا

حکم سوم دربارۂ تسلیم مہر

قال تعالیٰ وَ اٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ ... الیٰ ... فَكُلُوْهُ هَنِيْٓئًا مَّرِيْٓئًا ○

(ربط) اوپر نکاح کا بیان تھا اب اس آیت میں مہر کا بیان ہے جو نکاح کے لوازم میں سے ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور دے ڈالو عورتوں کو ان کا مہر خوش دلی کے ساتھ پھر وہ اگر اس میں سے خوشدلی کے ساتھ تمہیں کچھ چھوڑ دیں یا ہبہ کر دیں تو کھاؤ اس کو لذیذ اور مزہ دار اور خوشگوار سمجھ کر ھنیٔ کے معنی لذیذ اور خوشگوار کے ہیں اور مریٔ کے معنی یہ ہیں کہ جس کا انجام بخیر ہو اور ٹھیک ہضم ہو جائے اور کچھ نقصان نہ دے مقصود یہ ہے کہ عورتوں کے اس عطیہ کا کھانا بلاشبہ حلال ہے اور مردوں کا فریضہ یہ ہے کہ وہ عورتوں کا مہر خوشدلی سے ادا کر دیں یہ ان کا حق ہے

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ

اور مت پکڑوا دو بے عقلوں کو اپنے مال جو بنائے اللہ نے تمہاری گزران

قِيٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا

اور ان کو اس میں (کھلاؤ اور پہناؤ اور کہو ان سے بات معقول اور سدھاتے

مَّعْرُوْفًا ۝۵ وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ

رہو یتیموں کو جب تک پہنچیں نکاح کی عمر کو

فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ

پھر اگر دیکھو ان میں ہوشیاری تو حوالے کر دو ان کو ان کے مال

وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ۭ وَمَنْ كَانَ

اور کھا نہ جاؤ ان کو اڑا کر اور گھبرا کر کہ یہ بڑے نہ ہو جاویں اور جو کوئی

غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ

محفوظ ہو تو چاہیے بچتا رہے اور جو کوئی محتاج ہے تو کھاوے

بِالْمَعْرُوْفِ ط فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ

موافق دستور کے پھر جب ان کو حوالے کرو ان کے مال

فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ط وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝۶

تو شاہد کرلو اس پر اور اللہ بس ہے حساب سمجھنے والا

حکم چہارم و پنجم

دربارۂ تفویض اموالِ بسوئے مبذرین و مسرفین و حفظ اموالِ یتامٰی

قال تعالیٰ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ ...... الیٰ ...... وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا.

(ربط) اوپر کی آیتوں میں حق تعالیٰ نے یہ حکم دیا تھا کہ یتیموں کے مال جو تمہارے تصرف میں ہیں وہ ان کے حوالہ کردو اب اس آیت میں یہ بتلاتے ہیں کہ وہ اموال اُن کو کب سپرد کیے جائیں یعنی جب وہ عاقل و بالغ ہوجائیں اور اپنے مال کی حفاظت کرسکیں اور بے وقوف اور فضول خرچ نہ ہوں چنانچہ فرماتے ہیں اور مت دو بے وقوفوں اور بے عقلوں کو اپنے اموال جن کو حق تعالیٰ نے تمہارے گزران اور قیام معیشت کا ذریعہ بنایا ہے اور تمہاری دینی اور دنیوی مصلحتوں اور ضرورتوں کا بقاء مال پر رکھا ہے گزران معاش اور حج اور جہاد وغیرہ سب مال پر موقوف ہیں اس لیے اس قابل قدر نعمت کو ان بے وقوفوں اور فضول خرچوں کے حوالہ نہ کرو بلکہ اس کو اپنی حفاظت میں رکھو اس حکم سے خدا تعالیٰ کا مقصود یہ ہے کہ یتیموں اور ضعیفوں اور عاجزوں کے مال محفوظ رہیں۔

مفسرین کا اختلاف ہے کہ اس آیت میں سفہاء سے کون لوگ مراد ہیں بعض کہتے ہیں کہ اس سے یتیم اور عورتیں مراد ہیں اور اموالکم سے یتیموں کے اموال مراد ہیں چونکہ یہ اموال اولیاء کے تصرف میں ہیں اس لیے مخاطبین کی طرف مضاف کیے گئے گویا کہ وہ ایک طرح پر تمہارے ہی مال ہیں اشارہ اس طرف ہے کہ یتیموں کے مالوں کو اپنا مال سمجھو اور عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن مسعود وغیرہما کی رائے یہ ہے کہ سفہاء سے مخاطبین کے بچے اور عورتیں مراد ہیں اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ مال حق تعالیٰ کی نعمت ہے۔ جو تمہارا

ذریعۂ معاش ہے ایسا مت کرو کہ اپنا مال بیوی اور بچوں کو دے کر خالی ہاتھ ہو جاؤ اور پھر ان کے دست نگر ہو جاؤ جس کی بیوی اور بچے بدسلیقہ ہوں تو اُن کے ہاتھ میں خرچ نہ دینے کیلئے یہ آیت اتری ہے اور بعض کی رائے یہ ہے کہ تخصیص کسی کی نہیں سفہاء سے ہر وہ بے وقوف مراد ہے جس کو اپنے مال کی حفاظت کا سلیقہ نہ ہو اور جو شخص بے وقوفی سے مال کو ضائع اور برباد کر دے وہی سفیہ ہے خواہ وہ یتیم ہو اور خواہ اپنی بیوی اور بچے ہوں اور ان کو انہی مالوں میں سے کھلاؤ اور پہناؤ اور اُن کی تسلی کے لیے اُن سے معقول اور نیک بات کہدو کہ تم گھبراؤ نہیں یہ مال تمہارا ہی ہے چونکہ فی الحال تم ناسمجھ ہو اس لیے تمہارے ہاتھ میں نہیں دیا جب سمجھدار ہو جاؤ گے تو تمہاری یہ امانت تمہارے حوالہ کر دی جائے گی اور مال سپرد کرنے سے پہلے ان یتیموں کی ہوشیاری کا امتحان کر و کہ وقتاً فوقتاً تھوڑا تھوڑا مال اُن کو دیا کرو اور اُن کے ذریعہ کچھ خرید و فروخت کیا کرو تاکہ اُن کی ہوشیاری اور سلیقہ کا اندازہ ہو یہاں تک کہ جب وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں پس اگر تم ان میں ایک گونہ ہوشیاری اور حسن تدبیر کو دیکھو کہ اب اُن کو اتنا سلیقہ آگیا ہے کہ اپنے مال کی حفاظت کر سکیں تو پھر ان کے اموال اُن کے عاقل و بالغ ہوتے ہی بلا تاخیر اُن کے حوالہ کر دو رشد اور صلاحیت کے بعد تاخیر نہ کرو۔

مَسْئلہ

حق جل شانہٗ کے اس ارشاد وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاۗءَ سے بظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ بیوقوفوں کو جب تک اُن کی بے وقوفی زائل ہو اور رشد کو پہنچیں تو اُن کا مال اُن کے حوالے نہ کیا جائے اگرچہ وہ سو برس کے بوڑھے ہو جائیں۔

امام شافعیؒ اور جمہور علماء کی یہی رائے ہے مگر امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ پچیس سال کی عمر کا انتظار کرو اس درمیان میں اگر اُس کو سمجھ آجائے تو مال اُس کے حوالہ کردو ورنہ جب پچیس سال کی عمر ہو جائے تو ہر حال میں اُس کا مال اس کو دے دینا چاہیے پوری سمجھ آئے یا نہ آئے ورنہ کیا ساری عمر ہی نابالغ رہے گا اور کیا بوڑھا ہو کر بھی پیر نابالغ ہی کہلائے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ مرد کی عقل پچیس سال میں اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہے لہذا جب کمال عقل اور تمام رشد کا زمانہ گزر گیا تو اب آئندہ کے لیے کوئی امید باقی نہیں رہی لہذا اب اُس کو محروم نہ رکھنا چاہیے آیت قرآنی میں رُشْدًا نکرہ کے ساتھ آیا ہے معلوم ہوا کہ مال حوالہ کرنے کے لیے ایک نوع کا رشد کافی ہے یعنی اتنا رشد آجائے کہ

سفاہت اور زمانہ طفولیت کا اثر یعنی لا ابالیت نہ رہے تو پھر اُن کا مال اُن کے حوالہ کر دیا جائے تفویض مال کے لیے کمال رشد اور تمام فراست ضروری نہیں پچیس سال کی عمر میں مرد دادا بن سکتا ہے کیونکہ ادنیٰ مدت بلوغ کی مرد کے حق میں بارہ سال ہے اور عورت کے حق میں ادنیٰ مدت حمل کی چھ ماہ ہے پس اگر کوئی لڑکا بارہ سال کی عمر میں بالغ ہو جائے اور اسی وقت اس کا نکاح کر دیا جائے اور چھ ماہ کے بعد اس کے بھی ایک لڑکا پیدا ہو جائے تو اس وقت پہلے باپ کی عمر پچیس سال کی ہوگی جو اس لڑکے کا دادا ہوگا اب اگر دادا ہونے کے بعد بھی عقل نہ آئے تو آخر کہاں تک رشد کا انتظار کریں بہتر یہی ہے کہ اس کا مال اس کے حوالہ کریں۔

حکمِ پنجم

اور مت کھا جاؤ یتیموں کا مال فضول خرچی سے اور اس خوف سے کہ وہ یتیم جب بڑے ہو جائیں گے تو اُن کا مال اُن کے حوالہ کرنا پڑے گا اور وہ خود اپنے اموال پر قابض اور منصرف ہو جائیں گے اور ہمارا اختیار جاتا رہے گا لہٰذا جلدی کر کے اُن کے بڑے ہونے سے پہلے ہی جتنا کھا سکو وہ کھا لو حق تعالیٰ نے اس اسراف اور مبادرت کی ممانعت کر دی کہ ایسا ہرگز نہ کرو اور بلکہ تم کو یہ چاہیے کہ جو یتیم کا ولی اور سرپرست توانگر ہو یعنی اس کے پاس بقدر کفایت موجود ہو اور یتیم کے مال کی اُسے حاجت نہ ہو تو اس کو چاہیے کہ یتیم کا مال لینے سے بالکل احتراز کرے اور جو حاجت مند اور ضرورت مند ہو تو اس کو اجازت ہے کہ دستور کے مطابق کھا لیوے یعنی یتیم کا پرورش کرنے والا اگر حاجت مند ہو تو یتیم کے مال سے صرف اس قدر لے لے جس قدر اس کی خدمت کا عرف میں حق ہے دستور کے مطابق جس قدر اس کام کی اجرت ہوتی ہے صرف اس قدر لے لے اور اگر مستغنی ہے تو کچھ نہ لے پھر جب اُن کے بالغ ہونے کے بعد اُن کے اموال اُن کے حوالہ کرو تو مال سپرد کرتے وقت ان پر گواہ کر لیا کرو تاکہ تم حسن اسلوب کے ساتھ بریٔ الذمہ ہو جاؤ اور آیندہ کے لیے تہمت اور بدگمانی اور نزاع اور اختلاف سے بچ جاؤ اور اللہ کافی ہے حساب لینے والا یعنی اگر ولی نے یا گواہوں نے کسی قسم کی خیانت کی ہے تو اللہ تعالیٰ اُن کے ظاہر و باطن سے خبردار ہے وہ اُن سے حساب لے گا۔

مسئلہ

یتیم کو گواہوں کے سامنے مال سپرد کرنا مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک واجب ہے اور

حنفیہ کے نزدیک مستحب ہے یعنی گواہ کرنا اولیٰ اور افضل ہے واجب نہیں۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَ

مردوں کو بھی حصّہ ہے اس میں جو چھوڑ مریں ماں باپ اور ناتے والے اور

لِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا

عورتوں کو بھی حصّہ ہے اس میں جو چھوڑ مریں ماں باپ اور ناتے والے اس

قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ ۚ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ۝

تھوڑے میں یا بہت میں حصّہ مقرر کیا ہوا

حکم ششم دربارہ حقوق ورثہ در ترکہ

قال تعالیٰ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ ... الیٰ ..... نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ۝

(ربط) گزشتہ آیت میں یتیموں کے ناحق مال کھانے کا حکم تھا اب اس آیت میں وارثوں کی حق تلفی کا ذکر ہے جاہلیت کے زمانہ میں یہ رسم تھی کہ بیٹیوں کو اگرچہ وہ بالغ ہوں اور نابالغ بچوں کو میت کے مال میں سے حصّہ نہیں دیا جاتا تھا صرف مردوں کو جو بڑے ہوں اور دشمنوں سے مقابلہ اور مقاتلہ کر سکتے ہوں اُن کو میراث میں سے حصّہ ملتا تھا اس پر یہ آیت اتری مردوں کے لیے بھی حصہ ہے اس میں سے کہ جو ماں باپ اور رشتہ دار مرتے وقت چھوڑ گئے ہیں اور عورتوں کا بھی حصّہ ہے اس چیز میں سے کہ جو ماں باپ اور رشتہ دار چھوڑ مرے ہیں خواہ وہ مال تھوڑا ہو یا بہت ہو یہ حصّہ خدا کا مقرر کیا ہوا ہے جس کا حق داروں کو دینا واجب ہے اس میں کمی اور زیادتی جائز نہیں یہ اللہ کا مقرر کردہ حصّہ ہے یہ نہیں کہ تم جس قدر چاہو دیدو اس آیت کے نازل کرنے سے زمانۂ جاہلیت کی رسم کو توڑنا مقصود ہے کہ وہ لوگ عورتوں اور اولاد صغار کو مستحق میراث نہیں سمجھتے تھے اُن کا عقیدہ یہ تھا کہ میراث کے مستحق صرف مرد ہیں اور مرد بھی وہ جو دشمن کا مقابلہ کر سکیں۔

حق تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرما کر یہ بتلا دیا کہ مال متروکہ میں مردوں اور عورتوں دونوں کا حصّہ ہے مردوں کی کچھ تخصیص نہیں لیکن حق تعالیٰ نے اس آیت میں حصّہ کی

مقدار نہیں بیان فرمائی یہاں صرف استحقاق حصۂ میراث کو بیان فرما دیا وارثوں کے حصّوں کی تفصیل آئندہ رکوع یُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ الخ میں آتی ہے جس میں اولاد اور والدین اور بیوی اور شوہر سب کا حصہ مقرر فرما دیا بلکہ یہ آیت آئندہ آیت یُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ کی تمہید ہے اولاً اجمالاً استحقاق میراث کو بیان فرمایا اور ثانیاً حصص میراث کی تفصیل فرمائی۔

وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ

اور جب حاضر ہوں تقسیم کے وقت ناتے والے اور یتیم اور محتاج

فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ⑧

تو اُن کو کچھ کھلا دو اس میں سے اور کہو اُن کو بات معقول

وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً

اور چاہیے ڈریں وہ لوگ کہ اگر چھوڑ مریں اپنے پیچھے اولاد

ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ ۖ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا

ضعیف تو خطرہ کھاویں ان پر تو چاہیے ڈریں اللہ سے اور کہیں

قَوْلًا سَدِيْدًا ⑨

بات سیدھی

حکم ہفتم مُراعاۃ غیر مستحقینِ میراث بوقت تقسیمِ ترکہ

قال تعالیٰ وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ ..... الیٰ ..... وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ؕ

(ربط) گزشتہ آیت میں حق دارانِ میراث اور مستحقین ترکہ کا بیان تھا اب اس آیت میں غیر مستحقین میراث کے ساتھ ایک قسم کے سلوک اور احسان کا حکم ہے اور جب تقسیم میراث کے وقت ایسے غریب رشتہ دار بھی حاضر ہو جائیں جن کا میراث میں کوئی حق نہیں اور یتیم اور فقیر بھی اس وقت اس امید پر جمع ہو جائیں کہ شاید اس موقع پر اہل خیر ہمیں کچھ خیرات دے دیں تو تم اُن کو

تبرعًا بالغوں کے حصہ میں سے کچھ دے دیا کرو اور اگر ورثہ یتیم اور نابالغ ہوں تو ان غرباء اور مساکین سے معقول اور نرم بات کہہ کر ان کو رخصت کر دو یعنی نرمی سے یہ عذر کر دو کہ یہ مال یتیموں کا ہے ہم اس کے مالک نہیں اس لیے ہم مجبور اور معذور ہیں مطلب یہ ہے کہ سختی سے جواب نہ دو بلکہ نرمی سے عذر کرو۔

مسئلہ

جمہور علماء کے نزدیک یہ حکم استحبابی ہے اور مقصود اس حکم سے حسن ادب کی تعلیم ہے کہ یہ مال میراث جو تقسیم ہو رہا ہے ایک خدائی عطیہ ہے جو خدا تعالیٰ نے محض اپنی مہربانی سے وارثوں کو بلا محنت اور بلا مشقت عطا کیا ہے لہذا مناسب یہ ہے کہ ایسے موقعہ پر بطور شفقت و مرحمت اپنے غریب رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں کو بھی بطور تبرع اور خیرات کچھ دیدیں تاکہ ان کی دل شکنی نہ ہو اور بعض علماء کے نزدیک یہ حکم وجوبی ہے جو ابتداء میں واجب تھا بعد میں منسوخ ہو گیا۔

اب آئندہ آیت میں اسی رعایت اور شفقت کی تاکید اور تقویت کے لیے ارشاد فرماتے ہیں اور چاہیے کہ اللہ سے ڈریں وہ لوگ کہ اگر وہ اپنے پیچھے ناتواں اولاد چھوڑ جائیں تو ان بچوں کے ضائع ہونے کا اُن کو خوف اور خطرہ ہو پس اُن کو چاہیئے کہ اللہ سے ڈریں یعنی یتیموں اور مسکینوں کی دل آزاری سے بچیں اور زبان سے کہیں سیدھی بات کہ جس سے اُن کی تسلی ہو جائے مطلب یہ ہے کہ دوسرے یتیم کے ساتھ وہ معاملہ کرو جو اپنے بعد اپنی اولاد کے لیے پسند کرتے ہو۔

إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا

جو لوگ کھاتے ہیں مال یتیموں کے ناحق وہ یہی

يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا ﴿١٠﴾

کھاتے ہیں اپنے پیٹ میں آگ اور اب بیٹھیں گے آگ میں

تتمہ حکم سابق

تحقیق جو لوگ ناحق یتیموں کا مال کھا جاتے ہیں جز ایں نیست وہ یہ مال کھا کر اپنے پیٹوں میں

آگ بھر رہے ہیں اور البتہ ضرور داخل ہوں گے دھکتی ہوئی آگ ہیں - - - - یعنی خدا تعالیٰ ان کو یتیموں کا ناحق مال کھانے کی سزا ہیں آگ کھلائے گا اور یہ شخص قیامت کے دن قبر سے اس طرح اٹھے گا کہ اس کے منہ اور کانوں اور آنکھوں سے آگ کے شعلے نکلتے ہوں گے جو شخص بھی اس کو دیکھے گا وہ اس علامت سے پہچان لے گا کہ یہ ناحق یتیم کا مال کھانے والا ہے ۔

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِيٓ أَوۡلَٰدِكُمۡۖ لِلذَّكَرِ مِثۡلُ حَظِّ

کہہ رکھتا ہے تم کو اللہ تمہاری اولاد ہیں مرد کو حصہ برابر دو

ٱلۡأُنثَيَيۡنِۚ فَإِن كُنَّ نِسَآءٗ فَوۡقَ ٱثۡنَتَيۡنِ فَلَهُنَّ

عورت کے پھر اگر ہوویں رزی عورتیں دو سے اوپر تو ان کو

ثُلُثَا مَا تَرَكَۖ وَإِن كَانَتۡ وَٰحِدَةٗ فَلَهَا ٱلنِّصۡفُۚ

دو تہائیاں جو چھوڑ مرا اور اگر ایک ہے تو اس کو آدھا

وَلِأَبَوَيۡهِ لِكُلِّ وَٰحِدٖ مِّنۡهُمَا ٱلسُّدُسُ مِمَّا

اور میت کے ماں باپ کو ہر ایک کو دونوں ہیں چھٹا حصہ اس مال

تَرَكَ إِن كَانَ لَهُۥ وَلَدٞۚ فَإِن لَّمۡ يَكُن لَّهُۥ وَلَدٞ

ہیں جو چھوڑ مرا اگر میت کی اولاد ہے پھر اگر اس کو اولاد نہیں

وَوَرِثَهُۥٓ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ ٱلثُّلُثُۚ فَإِن كَانَ لَهُۥٓ

اور وارث ہیں اس کے ماں باپ تو اسکی ماں کو تہائی پھر اگر میت کے کئی

إِخۡوَةٞ فَلِأُمِّهِ ٱلسُّدُسُۚ مِنۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٖ يُوصِي

بھائی ہیں تو اسکی ماں کو چھٹا حصہ یہ پیچھے وصیت کے جو دلوا مرا

بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۭ اٰبَاۗؤُكُمْ وَاَبْنَاۗؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ

یا قرض کے تمہارے باپ اور بیٹے تم کو معلوم نہیں کون نزدیک ہے

اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۭ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ

ہیں تمہارے کام میں حصہ باندھا اللہ کا ہے اللہ خبردار ہے

عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿١١﴾ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ

حکمت والا اور تم کو آدھا مال جو چھوڑ مریں تمہاری عورتیں

اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ

اگر نہ ہوں ان کو اولاد پھر اگر ان کو اولاد ہے

فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ

تو تم کو چوتھائی مال اس سے جو چھوڑ مریں بعد وصیت کے جو دلوا مریں

بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۭ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ

یا قرض کے اور عورتوں کو چوتھائی مال اس سے چھوڑ مرو تم اگر نہ ہو

يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ

تم کو اولاد پھر اگر تم کو اولاد ہے تو ان کو آٹھواں حصہ

مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ

اس سے جو کچھ تم نے چھوڑا بعد وصیت کے جو تم دلوا مرو یا

دَيْنٍ ۭ وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّ

قرض کے اور جس مرد کی میراث ہے باپ بیٹا نہیں رکھتا یا عورت کا اور

لَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُۚ

اس کا ایک بھائی ہے یا بہن تو دونوں میں ہر ایک کو چھٹا حصہ

فَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ

پھر اگر زیادہ ہوئے اس سے تو سب شریک ہیں ایک تہائی میں

مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ

بعد وصیت کے جو ہو چکی ہے یا قرض کے جب اوروں کے

وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ۝۱۲ تِلْكَ

نقصان نہ کیا ہو یہ حکم ہے اللہ کا اور اللہ سب جانتا ہے تحمل والا

حُدُوْدُ اللّٰهِ ۗ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ

یہ حدیں باندھی اللہ کی ہیں اور جو کوئی حکم پر چلے اللہ کے اور رسول کے اس کو داخل کرے

جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ

باغوں میں جن کے نیچے بہتی ندیاں ہیں رہ پڑے ان میں اور وہی ہے بڑی

وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۱۳ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ

مراد ملنی اور جو کوئی بے حکمی کرے اللہ

رَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا

کی اور رسول کی اور بڑھ جائے اس کی حدوں سے اس کو داخل کرے آگ میں

فِيْهَا ۠ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝۱۴

رہ پڑے اس میں اور اس کو ذلت کی مار ہے

قانونِ میراث
یعنی تفصیلِ حصصِ میراث

(ربط) اوپر کی آیتوں میں اجمالی طور پر استحقاق میراث کا بیان تھا کہ میت کے اقارب خواہ مرد ہوں یا عورت بالغ ہوں یا نابالغ سب وارث ہیں اور ترکہ میں سب کا حق ہے اب ان آیات میں حصوں کی تفصیل بیان فرماتے ہیں

زمانۂ جاہلیت میں اِرْث کے تین سبب تھے (اول نسب) مگر نسب کی رو سے صرف اُن مردوں کو حصہ ملتا تھا کہ جو قبیلہ کی طرف سے دشمنوں سے جنگ کی قابلیت رکھتے ہوں لڑکوں اور عورتوں اور ضعیفوں کو میراث کا مستحق نہیں سمجھا جاتا تھا (دوم) تَبَنِّیْ یعنی کسی کو اپنا متبنیٰ بنا لینا یعنی بیٹا بنا لینا مرنے کے بعد وہ متبنیٰ اس کی میراث کا حق دار ہوتا تھا جیسا کہ ہندوؤں میں اس کا رواج ہے (تیسرا) عہد وحلف - عہد کی صورت یہ تھی کہ ایک شخص دوسرے شخص سے یہ کہتا کہ میرا خون تیرا خون ہے میری جان تیری جان ہے میرے خون کا رائیگاں جانا تیرے خون کا رائیگاں جانا ہے میں تیرا وارث اور تو میرا وارث - میرے بدلے تو پکڑا جائے گا اور تیرے بدلے میں پکڑا جاؤں گا جب وہ دونوں شخص اس طرح کا باہم عہد کر لیتے تو وہ دونوں ایک دوسرے کے وارث ہوتے. جو پہلے مر جاتا دوسرا اس کا وارث ہوتا.

شروع اسلام میں توارث کے دو سبب تھے ایک ہجرت اور- دوسرا مواخاۃ (اسلامی بھائی چارہ) یعنی جب کوئی صحابی ہجرت کرکے آتا تھا تو دوسرا مہاجر ہی اس کا وارث ہوتا اگرچہ وہ اس کا رشتہ دار نہ ہو اور غیر مہاجر مہاجر کا وارث نہیں ہوتا اگرچہ وہ اس کا قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو اور مواخاۃ کا مطلب یہ ہے کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو آپؐ نے دو دو مسلمانوں کو ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا تھا اور وہ دونوں ایک دوسرے کے وارث ہوتے تھے مگر بعد میں اسلام نے زمانۂ جاہلیت اور شروع زمانۂ اسلام کے طریق توارث کو منسوخ کر دیا اور توریث کا دار و مدار تین چیزوں پر رکھا (اول) نسبؔ - یعنی اولاد اور والدین (دوم) نکاح یعنی خاوند اور بیوی بوجہ نکاح کے ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہیں (تیسرے) ولاء یعنی باندی غلام کی آزادی جس کی بنا پر آقا اپنے آزاد کردہ غلاموں اور باندیوں کا اور آزاد شدہ غلام اور باندی اپنے آزاد کرنے والے آقا کی میراث کے وارث ہیں -

حصۂ اولاد

شانِ نزول

ابن ابی شیبہ۔ احمد۔ ابو داؤد۔ ترمذی۔ ابن ماجہ وغیرہم نے حضرت جابرؓ سے روایت کیا ہے کہ سعد بن ربیع کی بیوی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سعد بن ربیع کی دو لڑکیاں ہیں اور اُن کا باپ حضورؐ کے ہمراہ جنگ احد میں شہید ہو گیا اور اُن کا جو مال تھا وہ کل اِن کے چچا نے لے لیا ہے اور بیٹیوں کو کچھ نہیں دیا اور بغیر مال کے ان کا نکاح نہیں ہو سکتا۔ آپؐ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ ان کے بارہ میں فیصلہ فرمائے گا اس پر میراث کی یہ آیت يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِي أَوْلَادِكُمْ الخ نازل ہوئی اس کے نازل ہونے کے بعد آپ نے ان لڑکیوں کے چچا کے پاس آدمی بھیج کر کہلا بھیجا کہ سعدؓ کے ترکہ میں سے اس کی لڑکیوں کو دو تہائی دے دو اور اس کی بیوی کو آٹھواں حصہ اور باقی تیرا ہے علماء فرماتے ہیں کہ یہ سب سے پہلا ترکہ ہے کہ جو اسلام میں تقسیم کیا گیا چنانچہ فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تم کو وصیت کرتا ہے یعنی تاکیدی حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کی میراث کے بارہ میں وہ یہ کہ مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصہ کے برابر ہے پس اگر اولاد صرف لڑکیاں ہی ہوں دو سے زائد تو اُن لڑکیوں کو اس مال میں کا دو تہائی ملے گا جو مورث چھوڑ کر مرا ہے یعنی اگر میت کی اولاد ذکور نہ ہو نری لڑکیاں ہی ہوں اور ہوں دو سے زیادہ تو اس صورت میں ان کا حق اس ترکہ میں سے کل مال کا دو تہائی ہے باقی ایک تہائی دوسرے وارثوں کا حق ہے۔

ف جاننا چاہیے کہ حق تعالیٰ نے اس آیت میں دو سے زائد لڑکیوں کا حصہ بیان فرمایا اور دو لڑکیوں کا حصہ صراحۃً بیان نہیں فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ گزشتہ آیت لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ سے معلوم ہو چکا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کی برابر ہے یعنی دو تہائی ہے تو لا محالہ اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ دو لڑکیوں کا حصہ دو تہائی ہے نیز جب ایک لڑکے کی موجودگی میں لڑکی کا تہائی حصہ ہے تو دوسری لڑکی کی موجودگی میں بدرجہ اولےٰ اس کا حصہ تہائی ہونا چاہیے کیونکہ لڑکا بہ نسبت لڑکی کے زیادہ استحقاق رکھتا ہے۔

نیز اس آیت کے شان نزول میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے سعد بن الربیعؓ کی دو لڑکیوں کو اس کے ترکہ میں دو تہائی دینے کا حکم دیا۔

نیز حق تعالےٰ نے اس آیت میں ایک لڑکی کا اور تین اور تین سے زائد لڑکیوں کا حکم بیان فرمایا اور دو لڑکیوں کا صراحۃً کوئی حکم بیان نہیں فرمایا اور بہنوں کی میراث میں دو بہنوں کا دو تہائی حصہ بیان فرمایا۔ اِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ۔ پس جب دو بہنوں کا حصہ دو تہائی ہے تو دو لڑکیوں کا حصہ بدرجہ اولےٰ دو تہائی ہونا چاہیے کیونکہ لڑکیاں بہ نسبت بہنوں کے زیادہ قریب ہیں غرض یہ کہ دو لڑکیوں کو دو تہائی ملنا پہلی آیت سے معلوم ہو چکا تھا اب شبہ یہ تھا کہ اگر کسی کے تین لڑکیاں ہوں تو شاید ان تین لڑکیوں کو تین تہائی یعنی کل مال مل جائے تو حق تعالیٰ نے اس آیت میں یہ بتلا دیا کہ اگر لڑکیاں دو سے زیادہ ہوں تو ان کا حصہ دو تہائی سے نہ بڑھے گا اور اگر میت کے ایک ہی لڑکی ہو تو اس کو کل مال میں سے نصف مال ملے گا اور نصف باقی دوسرے وارثوں کا حق ہے۔

نکتہ (۱)

مرد کا حصہ عورتوں کے حصہ سے دوچند اس لیے قرار دیا گیا کہ مرد بہ نسبت عورت کے مال کا زیادہ حاجت مند ہے گھر کا تمام خرچ اس کے ذمہ ہے حتیٰ کہ بیوی کا خرچ بھی اس کے ذمہ ہے۔

نکتہ (۲)

حق جل شانہٗ تعالیٰ نے عنوانِ تعبیر یہ اختیار فرمایا لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ۔ یعنی مرد کا حصہ دو عورتوں کی برابر ہے اور یہ نہیں فرمایا کہ دو عورتوں کا حصہ ایک مرد کے حصہ کی برابر ہے یا عورت کا حصہ مرد کے حصہ سے نصف ہے اس طرز بیان کے اختیار کرنے میں حکمت یہ ہے کہ زمانۂ جاہلیت کی رسم عدم توریث نسوان کا پوری طرح ابطال ہو جائے کیونکہ یہ طرز بیان اس طرف مشیر ہے کہ عورت کی میراث مقرر معلوم ہے اور مرد کی میراث اس سے دوچند ہے لہٰذا مرد اپنی میراث کو عورت کی میراث سے دوچند سمجھ کر حق تعالیٰ کا شکر کرے کہ اس نے مجھ کو فضیلت دی اور یہ طمع نہ کرے کہ عورت کو بالکل میراث سے محروم کرے بس اس کے لیے کافی ہے کہ اس کا حصہ عورت سے دوچند ہے۔

حصّۂ والدین

اور میت کے ماں باپ کے لیے ترکہ میں سے ہر ایک کو چھٹا حصّہ ہے اگر میت کے کچھ اولاد ہے خواہ مذکر ہو یا مؤنث پس اگر میت کے کچھ اولاد نہ ہو اور صرف ماں باپ ہی اس کے وارث ہوں تو اس صورت میں پورے مال میں سے اس کی ماں کا تہائی حصّہ ہے اور باقی دو تہائی باپ کا پس اگر میت کے ایک سے زیادہ بھائی بہن ہوں تو پھر اس کی ماں کے لیے چھٹا ہے جاننا چاہیے کہ ماں باپ کی میراث میں حق تعالیٰ نے تین صورتیں بیان فرمائیں: پہلی صورت یہ ہے کہ اگر ماں باپ کے ساتھ میت کی اولاد بیٹا یا بیٹی ہو تو اس صورت میں میت کے ماں باپ کو ترکہ میں سے ہر ایک کو چھٹا حصّہ ملے گا دوسری صورت یہ ہے کہ میت کی اولاد کچھ نہ ہو بھائی بہن بھی نہ ہوں اور صرف ماں باپ ہی وارث ہوں تو اس صورت میں ماں کو ایک ثلث ملے گا اور باقی دو ثلث باپ کو ملیں گے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ ماں باپ کے ساتھ اولاد تو نہ ہو مگر میت کے ایک سے زیادہ بھائی بہن ہوں خواہ حقیقی ہوں یا علاتی یا اخیافی تو اس صورت میں ماں کو ترکہ کا چھٹا حصہ ملے گا اور باقی سب اس کے باپ کو ملے گا بھائی بہن کو کچھ نہیں ملے گا۔

وارثوں کے جس قدر حصے اب تک بیان کیے گئے یہ سب حصّے بعد ادائے وصیت کہ جو میت نے کی ہے اور بعد ادائے قرض وارثوں کو دیے جائیں گے یعنی میت کے مال میں سے اول بمقدار وصیت اور بمقدار قرض روپیہ نکال کر پھر ورثہ پر تقسیم ہوگا اور باجماع علماء امت ترکہ میں جو پہلا حق متعلق ہوتا ہے وہ میت کی تجہیز و تکفین اور تدفین ہے اس لیے میت کے مال میں سب سے پہلے اس کے کفن اور دفن میں لگایا جائے گا اور پھر میت کے قرض میں اور پھر اس کی وصیت میں دیا جائے گا اور پھر جو باقی رہے گا وہ وارثوں پر تقسیم کیا جائے گا۔

نکتہ

ماں باپ کا حق اگرچہ اولاد سے کہیں زیادہ ہے مگر حق تعالیٰ نے میت کے ترکہ میں سے ماں باپ کا حصّہ۔ اولاد کے حصّہ سے کم رکھا ہے کیونکہ جب آدمی صاحب اولاد ہو کر مرتا ہے تو عادۃً اس عمر میں اس کے والدین بوڑھے ہو جاتے ہیں اور ان کی عمر کا تھوڑا حصّہ باقی رہ جاتا ہے اُن کو زیادہ مال کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بخلاف اولاد کے کہ وہ کم عمر ہونے

کی وجہ سے زیادہ حاجت مند ہوتے ہیں نیز ماں باپ کے پاس اپنا اندوختہ اور اپنے والدین کا کچھ ترکہ بھی ہوتا ہے اور میت کی اولاد کا سرمایہ سردست صرف یہی باپ کی کمائی ہوتی ہے اس لیے شریعت نے بہ نسبت ماں باپ کے اولاد کا حصہ زائد رکھا تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے تم نہیں جانتے کہ باعتبار نفع رسانی کے اُن میں سے کون سا تم سے زیادہ قریب ہے یعنی تم نہیں جانتے کہ تمہارے اصول و فروع میں سے دنیا و آخرت میں تمہارے لیے کون زیادہ نفع رساں اور فائدہ مند ہے اور جب تمہیں یہ خبر نہیں تو تقسیم میراث میں تم اپنی عقل اور رائے کو دخل نہ دو خدا کے حکم کے مطابق چلو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو حصہ مقرر اور معین کر دیا گیا اس کی پیروی کرو بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری مصلحتوں کو جاننے والا ہے اور بڑی حکمت والا ہے اس نے جو میراث کے حصے مقرر فرما دیئے وہی عین حکمت اور سراسر مصلحت ہیں اس لیے تم پر لازم ہے کہ حق تعالیٰ کے مقرر کردہ حصوں کی پابندی کرو اور اپنی رائے سے اس میں دخل نہ دو اللہ تعالیٰ علیم و حکیم ہے اس نے اپنی حکمت سے جو حصے مقرر کر دیئے اسی میں حکمت اور مصلحت ہے۔

حِصّہٗ زوجین

اب آیندہ آیت میں زوجین کی میراث کو بیان فرماتے ہیں اور زوجہ اور زوج کی ہر ایک کی میراث کی دو دو صورتیں بیان کیں۔

(۱) میت اگر زوجہ ہو اور اس کے کوئی اولاد نہ ہو تو اس صورت میں زوج یعنی شوہر کو نصف مال ملے گا۔

(۲) اور اگر اولاد ہو تو چوتھائی حصہ اور علیٰ ہذا اگر میت زوج ہو اور زوجہ اس کی وارث ہو تو اس کے بھی دو حال ہیں۔

(۱) زوج کے کوئی اولاد نہ ہو تو زوجہ کو چوتھائی حصہ ملے گا۔

(۲) اور اگر اولاد ہو تو آٹھواں حصہ

چنانچہ فرماتے ہیں اور تمہارے لیے یعنی شوہروں کے لیے اُس مال میں کا نصف حصہ ہے جو تمہاری بیبیاں چھوڑ جائیں اگر ان کے کوئی اولاد نہ ہو نہ مذکر نہ مؤنث نہ واحد نہ کثیر اور اگر ان بیبیوں کے کچھ اولاد ہو خواہ تم سے ہو یا پہلے شوہر سے تو اس صورت میں تم کو ان کے ترکہ سے چوتھائی ملے گا اور دونوں صورتوں میں تم کو یہ حصہ بعد وصیت کے جو کر گئی ہیں یا قرض کی ادائیگی کے بعد جو انہوں نے چھوڑا ہے ملے گا اور بیبیوں کو چوتھائی مال ملے گا اُس ترکہ میں سے جو تم چھوڑ

جاؤ اگر تمہارے کوئی اولاد نہ ہو پس اگر تمہارے کوئی اولاد ہو اس عورت سے یا کسی دوسری عورت سے تو بیبیوں کو تمہارے ترکہ میں آٹھواں حصہ ملے گا بعد وصیت کے جو تم کر جاؤ یا قرض کے بعد جو تم چھوڑ جاؤ تو اس وصیت اور قرض کے ادا کرنے کے بعد جو مال بچے گا تو اس سے بیوی کو آٹھواں حصہ ملے گا خواہ بیوی ایک ہو یا چار ہوں

فائدہ عورت چونکہ مہر بھی پاتی ہے اور شوہر کے مرنے کے بعد دوسرے شخص سے نکاح بھی کر سکتی ہے اس لیے اس کا حصہ ہر حال میں شوہر کے حصہ سے نصف رہا

حصۂ برادر و خواہر اخیافی

اب اس کے بعد ایسے شخص کا حال بیان فرماتے ہیں کہ جس کے وارثوں میں نہ باپ دادا ہو اور نہ اولاد صرف اس کے اخیافی بھائی بہن ہوں تو اگر ایک ہو تو ہر ایک کو چھٹا حصہ ہے اور اگر ایک سے زیادہ ہوں تو ایک تہائی میں سب شریک اور برابر کے حصہ دار ہوں گے۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور اگر کوئی مرد یا عورت جس کی میراث دوسروں کو ملے گی کلالہ ہو یعنی باپ دادا اور بیٹا نہ رکھتا ہو اور اس کے ایک اخیافی بھائی یا ایک اخیافی بہن ہو تو اس کلالہ کے مال میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا اور اگر یہ اخیافی بھائی، بہن ایک سے زیادہ ہوں تو وہ سب ایک تہائی حصہ میں برابر کے شریک ہوں گے اور یہ تقسیم بعد اس وصیت کے نافذ کرنے کے ہو گی جو ہو چکی ہے یا ادائے قرض کے بعد بشرطیکہ وہ وصیت کرنے والا کسی کو ضرر یا نقصان پہنچانے والا نہ ہو یہ جو کچھ کہا گیا یہ سب اللہ کی جانب سے وصیت یعنی تاکیدی حکم ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ضرر دینے والے کو اور نہ دینے والے کو بڑا بردبار ہے سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا۔

فائدہ

جاننا چاہیے کہ بھائی اور بہن تین طرح کے ہوتے ہیں

(۱) سگے۔ جن کے ماں اور باپ دونوں ایک ہوں ان کو عینی اور بنو الاعیان کہتے ہیں۔

(۲) سوتیلے جو صرف باپ میں شریک ہو یعنی باپ تو ایک ہو اور ماں دو ہوں ان کو علاتی کہتے ہیں۔

(۳) وہ سوتیلے کہ جن کی ماں تو ایک ہو اور باپ دو ہوں ان کو اخیافی کہتے ہیں۔

اس آیت میں اس آخری قسم کا ذکر ہے جیسا کہ ابی بن کعبؓ اور سعد بن ابی وقاصؓ کی قرارت میں وَلَهُ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ کے بعد مِنَ الْاُمِّ کا لفظ آیا ہے جس سے آیت کی تفسیر ہو گئی کہ اس جگہ کون سا بھائی اور بہن مراد ہے اور اسی پر سب کا اجماع ہے اور عینی اور علاتی بھائی بہنوں کی میراث کا حکم اس سورت کے آخر میں آئے گا۔

نکتہ

اخیافی بھائی بہن کو میت کی طرف جو نسبت ہے وہ صرف ماں کے واسطے سے ہے اور ماں کا حصہ تہائی سے زیادہ نہیں لہذا وہ صرف اپنی ماں کا حصہ پانے کے مستحق ہیں اور اسی وجہ سے ذکور اور اناث میں کوئی فرق نہیں کیا گیا سب کا حصہ برابر رہا کیونکہ نسبت مذکورہ میں سب مساوی ہیں۔

تاکیدِ اطاعت و تہدید بر معصیت

یہ تمام احکام اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں لوگوں کو چاہیے کہ ان حدود کے اندر رہیں اور ان سے باہر قدم نہ نکالیں اور جس طرح انسان کسی مکان کی حدود سے باہر نکل کر خطرہ میں پڑ جاتا ہے اسی طرح احکام الٰہی کی حدود سے باہر نکلنے میں جان اور ایمان کا خطرہ ہے اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر چلے گا اللہ تعالیٰ اس کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی ایسے اشخاص ہمیشہ ہمیشہ انہی باغوں میں رہیں گے اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے کیونکہ جنت ہمیشگی کا گھر ہے اور اس کا آرام خالص ہے جس میں کسی قسم کے دکھ درد کا شائبہ بھی نہیں اور دنیا کی بڑی سے بڑی کامیابی آخرت کی کامیابی کے مقابلہ میں ہیچ ہے اور جو شخص اللہ اور اسکے رسول کی نافرمانی کرے اور اس کی حدوں سے آگے بڑھے سو اس کو اللہ تعالیٰ آگ میں داخل کرے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے ذلیل اور رسوا کرنے والا عذاب ہے یعنی ہمیشہ کے لیے مصیبت اور ذلت میں گرفتار رہے گا۔

مسئلہ میراث انبیاء کرام
علیہم الف الف صلوٰۃ والف الف سلام

بابت آیت یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْٓ اَوْلَادِکُمْ الآیۃ

شیعہ کہتے ہیں کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمۃ الزہراء کو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ترکہ میں سے جو ان کو اپنے والد محترم کی طرف سے پہنچتا تھا کوئی حصہ نہیں دیا اور عذر یہ کیا کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے کہ یہ فرماتے تھے کہ ہم گروہ انبیاء نہ کسی کے وارث ہوتے اور نہ ہمارا کوئی وارث ہوتا ہے حالانکہ یہ حدیث صریح نص قرآنی۔ یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْٓ اَوْلَادِکُمْ کے خلاف ہے۔

اور یہ آیت عام ہے اس میں نبی اور غیر نبی کی کوئی تخصیص نہیں لہذا یہ کہنا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا کوئی وارث نہیں اس آیت کی تکذیب کرنا ہے۔

نیز دوسری نصوص کے بھی خلاف ہے یعنی وَوَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ اور آیت وَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا. یَّرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ معلوم ہوا کہ انبیاء کرامؑ کے بھی وارث ہوتے ہیں

جواب

(۱) آیت یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْٓ اَوْلَادِکُمْ عام مخصوص البعض ہے جس سے بحکم حدیث نبوی لا نرث ولا نورث انبیاء کرام مخصوص ہیں اور چونکہ یہ حدیث صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے بلا واسطہ سنی اسلیئے علم قطعی اور یقینی کو مفید ہے اور جو چیز نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے بلا واسطہ سنی اس پر عمل کرنا قطعاً فرض ہے خواہ کسی اور سے اس حدیث کو سنے یا نہ سنے اور اسی پر شیعہ اور سنی تمام اہل اصول کا اجماع ہے اور متواتر اور غیر متواتر حدیث کی تقسیم ان لوگوں کے اعتبار سے ہے جنہوں نے اللہ کے نبی کو نہیں دیکھا اور دوسروں کے واسطہ سے حدیث سنی اور جس شخص نے خود اللہ کے نبی کو دیکھا اور بلا واسطہ ان سے حدیث سنی تو یہ حدیث اس کے حق میں متواتر سے بھی بالا اور برتر ہے بلکہ مشاہدۂ عینی سے بھی زیادہ قطعی اور یقینی ہے چونکہ

ملے دیکھو منہاج السنۃ للحافظ ابن تیمیہ از ص۱۵۷ ج ۲ - تا ص۱۶۳ ج ۲ -

ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس حدیث کو بلا واسطہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا اس لیے انہیں دوسروں سے تحقیق و تفتیش کی حاجت نہ تھی۔

نیز اس حدیث کے راوی صرف ابو بکر رضی اللہ عنہ ہی نہیں بلکہ اس حدیث کو حضرت حذیفہ اور حضرت زبیر اور حضرت ابو الدرداء اور حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عباس اور حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم نے بھی روایت کیا ہے غرض یہ کہ حدیث تمام صحابہ میں معروف و مشہور تھی اور درجۂ تواتر کو پہنچی ہوئی تھی اور حدیث متواتر سے قرآن کی تخصیص بالاجماع جائز ہے۔

اور آیت میراث میں حدیث نبوی سے تخصیص ایسی ہے جیسے آیت اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاۤءِ وَالْمَسٰكِيْنِ الخ کے عموم سے انبیاء کرام اور ان کے موالی مخصوص ہیں کہ انبیاء کرام اور ان کے موالی کو باوجود فقر و فاقہ کے زکوٰۃ اور صدقات کا لینا حرام ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ آلِ محمد کے لیے زکوٰۃ اور صدقہ کا مال حلال نہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان فقیری و درویشی ضرب المثل ہے مگر حضور پُر نورؐ بلا شبہ و ریب آیت صدقات کے عموم سے مخصوص اور مستثنیٰ ہیں اور آیت صدقات کے عموم کی تخصیص انہی احادیث سے ثابت ہے جن میں زکوٰۃ و صدقات کا آلِ رسول پر حرام ہونا مروی ہوا ہے اسی طرح سمجھیے کہ جن احادیث میں یہ آیا ہے کہ انبیاء کرام کے ترکہ میں وراثت جاری نہیں ہوتی وہ تمام احادیث آیت میراث کی مخصص ہوں گی دیکھو ہدیۃ الشیعہ ص۳۱۰ مصنفہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رح۔

(۲)

نیز آیت یُوْصِیْكُمُ اللّٰهُ کا سیاق و سباق اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ حکم امتیوں ہی کے لیے ہے جیسا کہ گزشتہ آیات میں چار عورتوں کی تحدید اور مہر اور عدل بین النساء کا واجب ہونا یہ سب امتیوں کا حکم ہے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم پر ان میں سے کوئی شئے واجب نہیں آیت فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاۤءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ۔ اگرچہ عام ہے مگر بحکم آیت احزاب يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْۤ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اس چار کی تحدید سے مستثنیٰ ہیں سورۂ احزاب کی یہ آیت صراحۃً اس پر دلالت کرتی ہے کہ حضور پُرنور کے لیے چار عورتوں سے زیادہ بھی نکاح جائز ہے اور وَاٰتُوا النِّسَاۤءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً بظاہر اگرچہ عام ہے علی العموم سب پر مہر کے واجب ہونے کی دلالت کرتی ہے لیکن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اس حکم سے مخصوص اور مستثنیٰ ہیں جیسا کہ سورۂ احزاب کی یہ آیت وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اس پر دلالت کرتی ہے کہ حضور پُرنورؐ پر کسی قسم کا مہر

واجب نہیں ۔

اور آیت نساء بظاہر اگرچہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ سب پر عدل بین النساء واجب ہے مگر حسب ارشاد خداوندی تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِیْٓ اِلَیْكَ مَنْ تَشَآءُ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اس حکم سے مستثنیٰ ہیں ۔

اسی طرح اگر حکم میراث سے بھی انبیاء کرام مستثنیٰ ہوں تو کیا تعجب ہے مال و جائیداد میں میراث کا جاری ہونا امتیوں کا حکم ہے انبیاء کرام اس حکم سے مستثنیٰ ہیں ۔

(۳)

نیز آیت یُوْصِیْكُمُ اللّٰهُ میں باتفاق فریقین اور بہت سی تخصیص ہوئی ہیں چنانچہ کافر وارث نہیں ہوتا غلام وارث نہیں ہوتا قاتل مورث وارث نہیں ہوتا اور ان تخصیصات پر دلالت کرنے والا کوئی لفظ آیت مذکورہ سے نہ متصل مذکور ہے نہ منفصل بجز اس کے کہ احادیث سے ان لوگوں کی تخصیص کی گئی تو پھر حدیث ما ترکنا صدقۃ کا کیا قصور ہے کہ وہ آیت میراث کیلئے مخصص نہ ہوسکے ۔

شیعہ۔ حدیث سے قرآن کریم کی تخصیص کرنے کی وجہ سے ابوبکرؓ پر معترض ہیں لیکن اپنے لیے اس کو جائز سمجھتے ہیں خود ان کے نزدیک اخبار آحاد سے قرآن کریم کی تخصیص ثابت ہے اُن کا مذہب ہے کہ زمین میں زوجہ کو میراث نہیں پہنچتی اور میت کے ترکہ میں سے قرآن اور تلوار اور انگشتری اور پہننے کے کپڑوں کا وارث صرف بیٹا ہے ۔

نیز اگر آیت یُوْصِیْكُمُ اللّٰهُ ۔ متروکہ رسول کو بھی شامل ہو تو اسی متروکہ کو تو شامل ہوگی کہ جو مملوکہ نبوی بھی ہو کیونکہ میراث تو اشیاء مملوکہ ہی میں جاری ہوتی ہے اور وقف کے مال میں میراث جاری نہیں ہوتی اور سب کو معلوم ہے کہ فدک منجملہ اموال فیئ وقف تھا مملوکہ نبوی نہ تھا کیونکہ آیت مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ الخ = اس پر صاف دلالت کرتی ہے کہ اموال بنی نضیر و فدک وغیرہ سب کے سب منجملہ فیئ کے تھے اور سب وقف تھے اور حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وسلم کا اپنی زندگی میں ان میں جو تصرف تھا وہ محض متولیانہ تھا نہ کہ مالکانہ کیونکہ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ الی آخرہ سے صاف ظاہر ہے کہ مال فیئ میں ذوی القربیٰ اور یتامیٰ اور مساکین اور فقراء مہاجرین اور انصار اور قیامت تک آنے والے مسلمان سب شریک اور حق دار ہیں جن کی تعداد معین نہیں اور نہ ہوسکتی ہے سو اموال فیئ کے مملوک ہونے کی کوئی صورت نہیں اور کتب شیعہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ فدک منجملہ اموال فیئ تھا ۔

پس جب فدک مملوک ہی نہ ہوا تو وہ آیت یُوْصِیْكُمُ اللّٰهُ کے عموم میں کیسے داخل ہوگا اور جس طرح مال غیر مملوک میں میراث جاری نہیں ہوسکتی اسی طرح اس میں ہبہ اور عطیہ بھی جاری

نہیں ہو سکتا معلوم ہوا کہ اہل تشیع جو ہبۂ فدک کی روایت نقل کرتے ہیں وہ قطعاً غلط ہے اور بلاشبہ شیعوں کی ساختہ اور پرداختہ ہے۔

نیز جب حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ترکہ اُن کے قبضہ میں آیا تو انہوں نے اس میں سے نہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا حصہ دیا اور نہ حضرت عباس کے بعد اُن کے بیٹوں کو اور نہ ازواج مطہرات کو اگر آپ کے ترکہ میں میراث جاری ہوتی تو یہ سب حضرات کیوں حق میراث سے محروم رہے جس طرح جناب سیّدہ آپ کے ترکہ کی حق دار تھیں اسی طرح یہ سب حضرات بھی اس کے حق دار تھے۔

حضرات شیعہ اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ ائمۂ غصب شدہ چیز کو واپس نہیں لیتے اور باغ فدک چونکہ غصب ہو چکا تھا اس لیے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس میں تصرف مناسب نہ سمجھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کے نزدیک جیسا باغ فدک غصب ہو چکا تھا اسی طرح آپ کے نزدیک خلافت بھی تو غصب ہو چکی تھی تو پھر اس کی کیا وجہ کہ جناب امیر نے ایک ادنےٰ درجہ کی غصب شدہ چیز (باغ فدک) کو تو چھوڑ دیا اور خلافت جیسی کارآمد غصب شدہ چیز کو قبول کر لیا جس کے پیٹ میں لاکھوں باغ فدک سما جائیں اور پتہ بھی نہ چلے اور آیت وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ اور آیت هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا يَرِثُنِي اس قسم کی آیات میں علم اور حکمت اور منصب نبوت کی وراثت مراد ہے دنیاوی ولی عہدی اور مالی وراثت مراد نہیں دیکھو اجوبۂ اربعین ص۶۵ ج ۲۔

باتفاق اہل تاریخ حضرت داؤد علیہ السّلام کے انیس۱۹ بیٹے تھے جو مالی وراثت میں سب برابر کے مستحق تھے پس اگر آیت مذکورہ میں مالی وراثت مراد ہوتی تو حق تعالیٰ حضرت داؤد علیہ السلام کے سب بیٹوں اور وارثوں کے ذکر کو چھوڑ کر سلیمان علیہ السلام کی تخصیص نہ فرماتے اس لیے کہ مالی وراثت میں سب بیٹے برابر ہیں حضرت سلیمان علیہ السلام کی خصوصیت نہیں۔

نیز مالی وراثت میں دنیا کے تمام نیک و بد اپنے باپ کے مال کے وارث ہوتے ہیں اس میں کوئی فضیلت اور بزرگی نہیں جس کو حق تعالیٰ نے حضرت سلیمان کے فضائل ومناقب میں بطور مدح ذکر فرمایا خدا تعالیٰ کو ایسی کیا ضرورت پیش آئی کہ حضرت سلیمانؑ جیسے جلیل القدر نبی کے فضائل ومناقب میں باپ کی مالی وراثت کا ذکر کیا جس میں دنیا کے تمام نیک و بد شریک ہیں غرض یہ کہ آیت مذکورہ میں وراثت سے مالی وراثت مراد لینے کی صورت میں نہ تو حضرت سلیمانؑ کی تخصیص کا کوئی فائدہ معلوم ہوتا ہے اور نہ اس سے ان کا کچھ فضل وکمال ظاہر ہوتا ہے بخلاف وراثت علم ونبوت سو اس صورت میں حضرت سلیمانؑ کا فضل وکمال بھی ظاہر ہوتا ہے اور انکی تخصیص کی وجہ بھی ظاہر ہے کیونکہ علم ونبوت ایسی چیز نہیں کہ سب لوگ اس

کے وارث ہو سکیں۔

اور علیٰ ہذا آیت هَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا يَّرِثُنِیْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ میں بھی وراثت مالی مراد نہیں بلکہ علم نبوت کی وراثت مراد ہے اسلیئے کہ اگراس آیت میں وراثت سے مال کی وراثت مراد ہو تو یہ کلام محض لغو اور مہمل ٹھہرتا ہے کیونکہ اس صورت میں الفاظ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ کی کوئی صحیح تاویل نہیں ہو سکتی اگر آل یعقوب سے مراد نفس یعقوب ہو تو لازم آئیگا کہ یعقوب علیہ السلام کا مال زکریا علیہ السلام کے زمانہ تک بغیر تقسیم کے باقی رہا اور اس بات کو کوئی عاقل تسلیم نہیں کر سکتا کیونکہ حضرت زکریا علیہ السلام کا زمانہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے زمانہ سے تقریباً دو ہزار برس پیچھے ہے اتنے عرصہ تک ان کے مال کا بغیر تقسیم کے باقی رہنا قیاس میں نہیں آسکتا اور اگر آل یعقوب سے مراد حضرت یعقوب علیہ السلام کی جملہ اولاد ہو تو لازم آئیگا کہ یحییٰ علیہ السلام تمام زندہ اور مردہ بنی اسرائیل کے وارث ہوں اور یہ بات پہلی بات سے بھی زیادہ غیر معقول ہے اور اگر آل یعقوب سے بعض اولاد مراد ہو تو پھر یہ معلوم نہیں کہ وہ کون بعض مراد ہیں۔

نیز حضرت زکریاؑ جیسے پاک نفس کی نسبت جن کے دل میں دنیا کے مال و متاع کی ایک مچھر کے برابر بھی وقعت نہ تھی وہ خدا تعالیٰ سے صرف اس لیے بیٹا مانگیں کہ اُن کے بعد وہ انکے مال و متاع کا وارث ہو سکے اور مبادا ان کے چچا زاد بھائی ان کے مال کے وارث نہ ہو جائیں اس بات کو کوئی عاقل ایک منٹ کے لیے بھی تسلیم نہیں کر سکتا کہ اللہ کا نبی مالی وراثت کی وجہ سے اس درجہ رنجیدہ اور غمگین ہو۔

وَالّٰتِیْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ

اور جو کوئی بدکاری کرے تمہاری عورتوں میں

فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا

تو شاہد لاؤ ان پر چار مرد اپنے پھر اگر وہ گواہی دے دیں

فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِی الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ

تو ان کو بند رکھو گھروں میں جب تک بھر لیوے ان کو موت یا کردے

يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ۞ وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ

اللہ ان کی کچھ راہ اور جو دو کرنے والے کریں تم میں سے

فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ؕ

وہی کام تو ان کو ستاؤ پھر اگر توبہ کریں اور سنوار پکڑیں تو ان کا خیال چھوڑ دو

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۱۶﴾

اللہ توبہ قبول کرتا ہے مہربان

حکم ہشتم دربارۂ تادیب زانیہ

قَالَ تَعَالٰی وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ .... الٰی .... اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا

(ارلبط) گزشتہ آیات میں حدود اللہ سے تعدی کا قانون بیان فرمایا تھا اب اس قانون عام کے بعد اس کی بعض خاص صورتیں بیان فرماتے ہیں اور ان کی اصلاح کا طریقہ ارشاد فرماتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ منجملہ تعدی حدود اللہ ایک زنا ہے اور اس کا حکم یہ ہے کہ تمہاری منکوحہ بیبیوں میں سے جو عورتیں بے حیائی کی مرتکب ہوں یعنی زنا کریں تو تم ان کے اس فعل پر اپنی جنس میں سے یعنی عاقل بالغ آزاد مذکر چار آدمی گواہ لاؤ پس اگر وہ چار آدمی ان پر اپنی چشم دید گواہی دے دیں اور اپنا عینی مشاہدہ بیان کر دیں تو ان عورتوں کو گھروں میں محبوس اور بند رکھو کہ گھر سے باہر نہ نکلنے دو یہاں تک کہ موت ان کی عمر کو تمام کر دے یا مقرر کرے اللہ تعالیٰ ان کے لیے کوئی دوسری راہ یہ حکم ابتداء اسلام میں تھا کہ جس عورت پر زنا کی شہادت گزر جائے اس کو گھر میں محبوس اور مقید رکھا جائے تاکہ وہ کسی سے میل جول نہ کر سکے اس وقت تک زانیہ کے لیے کوئی حد مقرر نہیں ہوئی تھی بعد چندے سورۂ نور میں حکم نازل ہوا کہ جو کنوارا یا کنواری ایسا فعل کرے تو اس کے سو دُرّے مارے جائیں اور جو بیاہا اور بیاہی جس کو محصن اور محصنہ کہتے ہیں ایسا فعل کرے تو اس کو سنگسار کیا جائے چنانچہ حضور پُر نور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا خذوا عنی خذوا عنی قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا (رواہ مسلم) یعنی لے لو مجھ سے یہ حکم یعنی جلد اور رجم کا اللہ نے عورتوں کی یہ راہ نکال دی ہے۔

فائدہ

چار گواہ لانے کا حکم اس لیے دیا کہ معاملہ سنگین اور نازک ہے نیز اس میں پردہ پوشی بھی

ملحوظ ہے نیز زنا ایک مرد اور ایک عورت سے مل کر پایا جاتا ہے اور شہادت کے لیے کم از کم دو گواہ چاہئیں پس دو گواہ بلحاظ مرد کے اور دو گواہ بلحاظ عورت کی اس طرح چار ہو گئے۔ اور جو دو شخص تم میں سے بے حیائی کا ارتکاب کریں خواہ ایک مرد اور ایک عورت ہو یعنی زنا کریں یا دونوں مرد ہوں یعنی لواطت کریں تو ان کو مناسب سزا دو اور آزار پہنچاؤ یعنی ان کو عار دلاؤ اور برا بھلا کہو اور جوتے لگاؤ ابتداء میں یہی حکم تھا کہ حاکم اور قاضی زجر اور عبرت کے لیے جو اور جتنی سزا مناسب سمجھے وہ دے دے۔

اس کے بعد حسب وعدہ حدّ زنا کا حکم نازل ہوا لیکن لواطت کے لیے کوئی جُدا حد نہیں بیان فرمائی اس لیے اس میں فقہاء کا اختلاف رہا کہ لواطت کی بھی وہی حد ہے جو زنا کی ہے کیونکہ لواطت بھی زنا ہی کے معنی میں ہے یا لواطت کی سزا تلوار سے قتل کرنا یا سنگسار کر دینا یا جلا دینا یا منارہ پر سے گرا دینا ہے کیونکہ لواطت کا جرم زنا سے بڑھ کر ہے اسی لیے احادیث میں فاعل ومفعول کے قتل کا حکم آیا ہے اور لغت میں لواطت پر زنا کا اطلاق نہیں ہوتا اسی وجہ سے لواطت کی سزا میں صحابہ کرام کا اختلاف ہے اگر لواطت بعینہٖ زنا ہوتی تو بالاتفاق لواطت میں حد زنا ہوتی۔

فائدہ

آیت وَالَّذٰنِ یَاْتِیٰنِهَا مِنْكُمْ جمہور علماء کے نزدیک زنا کے بارہ میں ہے اور وَالَّذٰنِ بمعنی دو شخص سے مرد اور عورت مراد ہیں اور تثنیہ مذکر کا صیغہ بطریق تغلیب لائے جیسا کہ شمس و قمر کو بطریق تغلیب قمرین کہتے ہیں اور بعض علماء کے نزدیک وَالَّذٰنِ سے وہ دو شخص مراد ہیں جو قوم لوط جیسا فعل کریں اور بعض علماء کے نزدیک یہ آیت لواطت اور زنا دونوں کے حکم کو شامل ہے اس لیے کہ فاحشہ جیسے زنا کو کہتے ہیں ایسے ہی لواطت کو بھی فاحشہ کہتے ہیں جیسا کہ حق تعالیٰ نے قوم لوط کے حق میں فرمایا ہے اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ۔ پس اگر آئندہ کے لیے یہ دونوں بدکار بدکاری سے توبہ کر لیں اور اپنی حالت کو درست کر لیں تو تم ان سے اعراض کرو نہ ملامت کرو اور نہ درپے ایذاء ہو بے شک اللہ تعالیٰ بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے توبہ کرنے والوں پر رحم فرماتا ہے۔

فائدہ اس قسم کے احکام اسلام کی خصوصیت ہیں کہ جن سے زنا کا دروازہ ہی بند ہو جاتا ہے اسی وجہ سے اسلام نے حجاب کا حکم دیا تاکہ انسان کی نگاہ بھی پاک اور محفوظ رہے مہذب قومیں جن میں بے حجابی ہے ان کو دیکھ لو کہ کس طرح ان میں بے حیائی

اور بدکاری کا دروازہ کھلا ہوا ہے ایسی تہذیب تو قابل رجم (سنگساری) ہے جس سے بے حیائی کا دروازہ کھلے۔

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ

توبہ قبول کرنی اللہ کو ضرور سو ان کی جو عمل کرتے ہیں

السُّوٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِن قَرِيبٍ فَأُولَٰٓئِكَ

برا نادانی سے پھر توبہ کرتے ہیں شتاب سے تو ان کو

يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١٧﴾

اللہ معاف کرتا ہے اور اللہ سب جانتا ہے حکمت والا

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ

اور ان کی توبہ نہیں جو کرتے جاتے ہیں برے کام

حَتَّىٰٓ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ

جب تک سامنے آئے ایسے کسی کو موت کہنے لگا میں نے توبہ کی اب

الْـَٰٔنَ وَلَا الَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارٌ ۚ أُولَٰٓئِكَ

اور نہ ان کو جو مرتے ہیں کفر میں ان کے واسطے ہم نے تیار کی

أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٨﴾

دکھ کی مار

حکم نہم بیان شرائط قبول توبہ

قال تعالیٰ إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ ...... الیٰ ...... أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا

(ربط) گزشتہ آیت میں یہ بیان فرمایا تھا کہ جو لوگ بدکاری کے مرتکب ہوں جب وہ توبہ کر کے اپنی اصلاح کر لیں تو ان کو کسی قسم کی ایذاء نہ دو اب اس آیت میں قبول توبہ کی شرط کو بیان فرماتے ہیں

جز ایں نیست کہ قبول توبہ کا وعدہ حق تعالیٰ پر انہیں لوگوں کے لیے ہے جو برا کام کر بیٹھتے ہیں نادانی کے ساتھ پھر اس پر اصرار نہیں کرتے بلکہ جلدی ہی توبہ کر لیتے ہیں یعنی وقت کے اندر حضور موت سے پہلے ہی پس ایسے ہی لوگوں پر اللہ تعالیٰ توجہ فرماتا ہے اور ان کی توبہ قبول کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے جاننے والے اور حکمت والے ہیں خوب جانتے ہیں کہ کس نے اخلاص کے ساتھ حقیقۃً توبہ کی ہے اور حکمت والے ہیں کہ توبہ کے بعد سزا نہیں دیتے اور قبول توبہ کا وعدہ ان لوگوں کے لیے نہیں کہ جو متواتر گناہ کرتے ہیں یہاں تک کہ جب موت ان کے سامنے آگئی اور عالم آخرت کی چیزیں ان کو نظر آنے لگیں تو کہنے لگے کہ اب میں نے توبہ کی اور نہ ان لوگوں کے لیے وعدہ ہے کہ جو کافر مرتے ہیں یعنی تادم مرگ تو کفر پر قائم رہے اور جب مرنے لگے اور احوال مرگ کے مشاہدہ سے آخرت کا یقین آگیا اس وقت اپنے کفر سے توبہ کریں اور ایمان لائیں تو ان کی توبہ اور ایمان مقبول نہیں اس لیے کہ یہ توبہ اور ایمان اضطراری ہے اپنے ارادہ اور اختیار سے نہیں یا یہ مطلب ہے کہ جو لوگ کفر کی حالت میں مر جائیں اگر وہ آخرت میں اپنے کفر سے توبہ کریں گے تو ان کی وہ توبہ قبول نہ ہو گی کیونکہ آخرت دار الجزاء ہے دار العمل نہیں ایسے ہی لوگوں کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کیا ہے پہلی آیت مؤمن عاصی کے بارہ میں ہے اور دوسری آیت کافر کے بارہ میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ جب موت سامنے آکھڑی ہوئی اور آنکھوں سے پردہ اٹھ گیا اور ملک الموت اور اس عالم کی چیزیں نظر آنے لگیں تو ایسے وقت میں گنہگار مسلمان کی گناہوں سے توبہ اور کافر کی اپنے کفر سے توبہ مقبول نہیں اور اصل مقصود گنہگار مسلمان کو تنبیہ ہے کہ اپنے گناہوں سے جلد توبہ کر کافر کی طرح موت کا انتظار نہ کر۔

فوائد و لطائف

(۱) بِجَهَالَةٍ کے ظاہری معنی ناواقفیت اور نادانی کے ہیں جس کا ظاہری مطلب یہ ہے کہ جو گناہ نادانی سے سرزد ہو جائے وہ توبہ سے معاف ہو جائے گا ورنہ نہیں مگر یہ مطلب یہاں مقصود نہیں اس لیے کہ تمام صحابہ کا اس پر اتفاق ہے کہ انسان سے جو گناہ بھی صادر ہو وہ جہالت اور نادانی ہی ہے خواہ عمداً ہو یا سہواً ہر معصیت جہالت میں داخل ہے اور اصطلاح شرع میں ہر گنہگار کو جاہل اور نادان کہتے ہیں اور فراء[1] کہتے ہیں کہ بجہالۃ سے یہ مراد ہے کہ ان لوگوں کو معصیت کی کنہ اور حقیقت

---

[1] قال الفراء معنی قولہ سبحانہ بجھالۃ انھم لایعلمون کنہ مافی المعصیۃ من العقوبۃ فقال الزجاج معنی ذلک اختیارھم اللذۃ الفانیۃ علی اللذۃ الباقیۃ - روح المعانی ص ۲۱۲ ج ۴

اور اس کی عقوبت کا علم نہ تھا۔

اور زجاج کہتے ہیں کہ جہالت سے یہ مراد ہے کہ لذت فانیہ کو لذت باقیہ پر ترجیح دی۔

(۲) مِنْ قَرِيْبٍ کا ظاہری مطلب تو یہ ہے کہ گناہ کے بعد فوراً توبہ کرے تو معاف ہوگا ورنہ نہیں سو جاننا چاہیئے کہ یہ ظاہری مطلب مراد نہیں بلکہ حق تعالیٰ نے اپنی رحمت واسعہ سے بڑی وسعت عنایت فرمائی کہ انسان کی موت تک جس قدر بھی زمانہ ہے وہ سب قریب ہی میں شمار ہوگا کیونکہ جو چیز آنے والی ہے وہ قریب ہی ہے احادیث میں آیا ہے کہ جب تک غرغرہ کی حالت نہ پیدا ہو اس وقت تک توبہ قبول ہوتی ہے اور جب نزعِ روح شروع ہو جائے اور فرشتے وغیرہ دکھائی دینے لگیں تو اس وقت توبہ قبول نہیں ہوتی اس لیے کہ اس وقت ایمان بالغیب نہیں رہا۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ من قریب کے معنی یہ ہیں کہ دل میں گناہ کی محبت رچ جانے سے پہلے توبہ کرلے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ بِجَهَالَةٍ اور مِنْ قَرِيْبٍ کی قید جمہور علماء کے نزدیک قید واقعی ہے احترازی نہیں مگر شیخ الہندؒ کی رائے یہ ہے کہ بہتر یہ ہے کہ قید جہالت اور لفظ قریب دونوں کو اپنے ظاہری معنی پر رکھا جائے اور إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ میں بھی لفظ علی اللہ کو ظاہر پر رکھا جائے اور مطلب آیت کا یہ ہو کہ قبول توبہ کا وعدہ اور ذمہ اُن لوگوں کے لیے مخصوص ہے کہ جو محض ناواقفیت اور نادانی سے کوئی صغیرہ یا کبیرہ کر بیٹھتے ہیں مگر جب اپنی خرابی پر مطلع ہوتے ہیں تو جب ہی نادم ہو کر توبہ کر لیتے ہیں ایسے لوگوں سے تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ان کی توبہ ضرور قبول فرمائے گا اور جو لوگ دیدہ ودانستہ گناہ کرنے کی جرأت کرتے ہیں یا متنبہ ہونے کے بعد بھی توبہ میں تاخیر کرتے ہیں تو اگرچہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی توبہ بھی اپنے فضل واحسان سے قبول کر لیتا ہے مگر ذمہ داری اور وعدہ نہیں جیسا کہ پہلے قسم کے لوگوں سے تھی خوب سمجھ لو کہ یہ مطلب نہایت لطیف ہے اے اللہ تو اپنی رحمت سے معصیت سے ہماری حفاظت فرما اور توبہ کی توفیق عطا فرما آمین۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ

اے ایمان والو حلال نہیں تم کو کہ میراث میں لے لو عورتوں کو

كَرْهًا ؕ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ

زور سے اور نہ ان کو بند رکھو کہ لے لو ان سے کچھ

تو شاید تم کو نہ بھاوے ایک چیز اور اللہ نے رکھی اس میں

خَيْرًا كَثِيرًا ⑲

بہت خوبی ۔

حکمِ دہم ممانعتِ ظلم بر نسواں

قال تعالیٰ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَحِلُّ لَکُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ کَرْھًا ..... الیٰ ... وَیَجْعَلَ اللّٰہُ فِیْہِ خَیْرًا کَثِیْرًا ۰

(ربط) اس آیت میں بھی منجملہ تعدّی حدود اللہ کی ایک خاص صورت کو بیان فرماتے ہیں کہ عورتوں کا زبردستی مالک بن جانا یہ بھی حدود اللہ سے تجاوز کرنا ہے زمانۂ جاہلیت میں یہ رسم تھی کہ جب کوئی شخص بیوی چھوڑ کر مرجاتا تو اس کا سوتیلا بیٹا جو دوسری بیوی سے ہوتا یا کوئی اور وارث آکر اُس بیوہ عورت پر کوئی چادر یا کپڑا ڈال دیتا اور یہ کہتا کہ جس طرح میں میت کے مال کا وارث ہوں اسی طرح اس کی بیوہ کا بھی وارث ہوں اس کے بعد اگر وہ چاہتا تو بغیر مہر کے خود اس سے نکاح کر لیتا یا کسی اور سے نکاح کر دیتا مگر اُس کا مہر خود لے لیتا یا نہ خود نکاح کرتا اور نہ کسی سے اس کو نکاح کرنے دیتا تاکہ وہ جب مالدار بیوہ مرجائے تو اس کے تمام مال پر قبضہ کرے حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے ان تمام ناشائستہ افعال سے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا اے

ایمان والو تمہارے لیے یہ حلال نہیں کہ تم زبردستی عورتوں کی جان و مال کے وارث بن جاؤ مطلب یہ ہے کہ تمہارے لیے یہ حلال نہیں کہ تم عورت کو میت کا ترکہ سمجھ کر اس کے وارث بن جاؤ اور زبردستی اس سے نکاح کر لو یا کسی دوسرے سے نکاح کرا دو اور اس کا مہر خود کھا جاؤ یا اُن کو

نکاح سے روکے رکھو تاکہ جب وہ مر جائیں تو ان کے مال کے وارث ہو جاؤ اس آیت میں یہاں تک تو خطاب اولیاء میت یعنی وارثوں کو تھا اب آیندہ آیت میں شوہروں کی تعدّی کے متعلق حکم ارشاد فرماتے ہیں اور عورتوں کو محض اس لیے تنگ نہ کرو کہ جو کچھ تم ان کو دے چکے ہو اس میں کا کچھ حصّہ ان سے واپس لے لو یعنی تم کو اس کی اجازت نہیں کہ عورتوں کو اپنے نکاح میں رکھ کر ان کو ایسا تنگ کرو کہ وہ خلع کرنے پر مجبور ہو جائیں اور غرض صرف اس قدر ہو کہ جو مال تم اس کو مہر میں دے چکے ہو وہ خلع کے بہانہ سے پھر واپس لے لو مگر اس صورت میں کہ جب عورتیں کھلی بے حیائی کا ارتکاب کریں مثلاً زنا کریں یا بدزبانی یا نافرمانی کریں تو ایسی صورت میں تم کو حق پہنچتا ہے کہ ان کو خلع پر اور مہر کی واپسی پر مجبور کرو جیسا کہ سورۂ بقرہ میں گزرا ہے لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ الاٰية ۔ یعنی زنا اور بدزبانی اور صریح نافرمانی کی صورت میں عورت کو مجبور کر کے مہر واپس لے لینے میں کوئی مضائقہ نہیں جیسے آج کل کی بعض آزاد عورتیں کہ جہاں چاہیں پھرتی ہیں ان کو خلع پر مجبور کرنا فقط جائز ہی نہیں بلکہ امید ہے کہ عند اللہ واجب ہی ہوگا جب عورت کی آزادی سے نسب ہی مشتبہ ہوگیا تو نکاح سے کیا فائدہ ہوا اس کے بعد آیندہ آیت میں شوہروں کو حسنِ معاشرت کا حکم دیتے ہیں اور فرماتے ہیں اور عورتوں کے ساتھ خوبی کے ساتھ گذران کرو یعنی حسن اخلاق کے ساتھ پیش آؤ اور نان و نفقہ کی خبرگیری رکھو اور اگر کئی بیویاں ہوں تو عدل اور انصاف کو ملحوظ رکھو پس اگر کسی وجہ سے تم ان کو ناپسند کرو تو صبر اور تحمل سے کام لو شاید عورتوں کی کوئی چیز تم کو ناپسند ہو اور اللہ اس میں بہت سی خیر اور خوبی پیدا کر دے یعنی اگر تم کو کسی وجہ سے اپنی بیویاں ناپسند ہوں تب بھی ان کے ساتھ حسن اخلاق اور خوبی اور نرمی کے ساتھ معاملہ کرنا چاہیے شاید ان سے کوئی اولاد صالح پیدا ہو جائے جو دنیا اور آخرت میں تمہارے کام آئے تو اس وجہ سے تمہاری کراہت و نفرت مبدل بہ محبت ہو جائے گی یا مثلاً اگر بیوی کچھ بدصورت ہے مگر سیرت اور عادت کے لحاظ سے اچھی ہے تو اس کی ظاہری صورت پر نظر نہ کرو بلکہ اس کی سیرت پر نظر کر کے حسن سلوک کے ساتھ پیش آؤ غرض یہ کہ اس آیت میں اس امر کی ہدایت کی گئی ہے کہ اگر کسی وجہ سے بیوی ناپسند ہو تو اپنی طبیعت پر جبر کر کے صبر اور تحمل سے کام لو اگر ان میں کوئی چیز ناپسند ہو تو شاید کچھ خوبی بھی ہو اور اقل درجہ یہ ہے کہ صبر کا اجر تو کہیں ضائع نہیں ہو سکتا ۔

وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ

اور اگر   بدلنا چاہو   ایک عورت کی جگہ   دوسری   عورت

وَاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ

اور دے چکے ہو ایک کو ڈھیر مال تو پھر نہ لو اس میں سے

شَيْـًٔا ۭ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُھْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ⑳

کچھ کیا لیا چاہتے ہو ناحق اور صریح گناہ سے

وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ

اور کیونکر اس کو لے سکو اور پہنچ چکے ایک دوسرے تک

وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ㉑

اور لے چکیں تم سے عہد گاڑھا

تتمۂ مضمونِ سابق

اوپر کی آیت میں حق تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ تمہاری بیویاں فحاشی کی مرتکب ہوں تو اُن کو ضرر پہنچا کر خلع پر مجبور کرنا اور اس طرح ان سے دیا ہوا مہر واپس لے لینا روا ہے اب اس آیت میں یہ فرماتے ہیں کہ اگر عورتیں بے قصور ہوں اور بدکار اور نافرمان نہ ہوں اور تم ان کو محض اپنی رغبت سے چھوڑنا چاہو تو پھر ان کو ستا کر اور تنگ کر کے اپنا دیا ہوا مہر ان سے واپس لینا تمہارے لیے روا نہیں خواہ وہ دیا ہوا مہر کتنا ہی کثیر کیوں نہ ہو کیونکہ جب وہ بے قصور ہیں تو ان کو ایذاء پہنچانا حرام ہے زمانۂ جاہلیت کا ایک دستور یہ بھی تھا کہ جب کوئی شخص اپنی عورت سے ناخوش ہوتا اور اسے چھوڑ کر دوسری عورت سے نکاح کرنا چاہتا تو پہلی عورت پر جھوٹ موٹ کوئی تہمت لگاتا اور مختلف طرح سے اس کو ستاتا تاکہ مجبور ہو کر مہر واپس کر دے تاکہ یہ مہر جدید نکاح میں کام آئے اس کی ممانعت میں یہ آیت نازل ہوئی اور اگر تم محض اپنی رغبت سے ایک بیوی کی جگہ دوسری یعنی جو بیوی تمہارے نکاح میں ہے اور اس کا کوئی قصور بھی نہیں تو اس کو محض اپنی طبعی رغبت کی بناء پر طلاق دیکر دوسری بیوی کرنا چاہو اور ان میں سے اس بیوی کو مال کا ایک خزانہ بھی دے چکے ہو تو تم اس دیئے ہوئے مال میں سے کوئی چیز واپس نہ لو کیا تم اس دیئے ہوئے مال کو تہمت لگا کر اور صریح

گناہ کے ذریعہ واپس لینا چاہتے ہو۔ یعنی اگر تم بلا وجہ اور بے قصور پہلی بیوی سے مہر واپس لو گے تو یہ ناحق اور کھلا گناہ ہوگا اور بھلا تم اس دیئے ہوئے مہر کو کیسے اور کس طرح لیتے ہو حالانکہ ایک دوسرے سے خلوت اور تنہائی میں مل چکا ہے اور تمتع اور تلذذ سے کوئی مانع باقی نہیں رہا تو مہر تم پر واجب ہو چکا اب کس استحقاق سے تم اس کو ان سے واپس لیتے ہو اسی بناء پر امام اعظم ابو حنیفہؒ کا مذہب ہے کہ جب میاں اور بیوی ایک جگہ خلوت میں جمع ہو جائیں اور کوئی امر شرعی جماع سے مانع نہ رہا ہو تو عورت کا پورا مہر مرد کے ذمہ واجب ہو جاتا ہے خواہ جماع متحقق ہو یا نہ ہو کیونکہ افضاء کے معنی فضاء یعنی خالی جگہ میں جانے کے ہیں معلوم ہوا کہ محض افضاء یعنی خلوت ہو جانے سے پورا مہر واجب ہو جاتا اور یہی جمہور صحابہ و تابعین کا مذہب ہے اور بعض فقہاء کے نزدیک ہمبستری یعنی جماع کے بعد پورا مہر واجب ہوتا ہے اور اگر جماع سے پہلے طلاق دیدے تو اس کے ذمہ آدھا مہر ہوگا تفصیل کیلئے ابوبکر رازیؒ کی احکام القرآن کو دیکھئے

اور علاوہ ازیں وہ عورتیں تم سے مضبوط اور پختہ عہد لے چکی ہیں عہد سے مراد ایجاب اور قبول ہے یعنی جب تم نے گواہوں کے سامنے ایجاب و قبول کر لیا اور مہر اور تمام حقوق اور لوازم نکاح کا التزام کر لیا جو بروئے نکاح تم پر عائد ہوتے ہیں پس اس عہد اور میثاق کے بعد مہر کا واپس لینا سخت بے مروتی اور عہد شکنی ہے اس آیت میں مہر واپس لینے کی حرمت کی دو علتیں بیان فرمائیں۔

اوّل یہ کہ تم ایک دوسرے سے تنہائی اور خلوت میں مل چکے ہو اور جب مرد عورت تک پہنچ گیا اور جماع سے کوئی مانع باقی نہ رہا تو اس پر پورا مہر لازم ہو گیا۔

دوسری علت یہ بیان فرمائی کہ عورتیں ایجاب و قبول کے ذریعہ تم سے پختہ عہد لے چکی اور تمہاری ملک میں آگئی ہیں بغیر تمہارے چھوڑے دوسرے سے نکاح نہیں کر سکتیں پس اس پختہ عہد کے بعد ان سے مہر کو واپس لینا اس عہد کے خلاف ہے

وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ
اور نکاح میں نہ لاؤ جن عورتوں کو نکاح میں لائے

اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّ
تمہارے باپ مگر جو آگے ہو چکا یہ بے حیائی ہے اور

مَقْتًا ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴿۲۲﴾ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَ

کام غضب کا اور بری راہ ہے　حرام ہوئی ہیں تم پر　تمہاری مائیں

بَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ

اور بیٹیاں　اور بہنیں　اور پھوپھیاں　اور خالائیں　اور بھائی کی

الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ

بیٹیاں اور بہن کی بیٹیاں　اور جن ماؤں نے تم کو دودھ دیا

وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَ

اور دودھ کی بہنیں　اور تمہاری عورتوں کی مائیں　اور

رَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ

ان کی بیٹیاں　جو تمہاری پرورشس میں ہیں　جن عورتوں سے تم نے

دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ؗ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ

صحبت کی　پھر اگر تم نے صحبت نہیں کی　تو تم پر گناہ

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ؗ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ

نہیں　اور عورتیں تمہارے بیٹوں کی جو تمہاری

مِنْ اَصْلَابِكُمْ ۙ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ

پشت سے　ہوں　اور یہ کہ اکٹھے کرو دو بہنوں کو

اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۳﴾ۙ

مگر جو آگے ہو چکا　اللہ بخشنے والا مہربان ہے

حکم یازدہم تفصیل محرمات

قَالَ اللّٰہُ تعالیٰ وَلَا تَنْکِحُوْا مَا نَکَحَ اٰبَآؤُکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ ....الیٰ...اِنَّ اللّٰہَ کَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا

(ربط) زمانۂ جاہلیت میں نکاح کے معاملات میں بھی سخت افراط وتفریط ہوتی تھی اور حدود اللہ سے تعدی میں گرفتار تھے بعض لوگ اپنے باپ کی منکوحہ یعنی سوتیلی ماں سے بھی نکاح کر لیتے اور بعض اپنے بیٹوں کی بیویوں سے نکاح کر لیتے اور بعض دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرتے اس لیے حق تعالیٰ نے ان آیات میں اُن عورتوں کا ذکر فرمایا جن سے نکاح حرام ہے اور اس سلسلہ میں سب سے پہلے باپ کی منکوحہ سے نکاح کی حرمت اور ممانعت کو بیان فرمایا اور مت نکاح میں لاؤ ان عورتوں کو جن کو تمہارے آباء و اجداد نکاح میں لا چکے ہیں لیکن جو ہو چکا سو ہو چکا اس پر کوئی مؤاخذہ نہیں کیونکہ جو چیز نہی اور ممانعت سے پہلے کی جا چکی ہے اس پر عذاب نہیں ہاں اگر آئندہ ایسا نکاح کرو گے یا ایسے نکاح پر قائم رہو گے اس پر سخت مؤاخذہ ہوگا کیونکہ باپ کی منکوحہ سے نکاح کرنا سخت بے حیائی ہے باپ کی منکوحہ سے نکاح کرنا اپنی ماں سے نکاح کرنے کے مشابہ ہے اور بڑا ہی مبغوض کام ہے۔ اہل مروت کی نظر میں یہ کام نہایت ہی معیوب اور غایت درجہ قبیح اور قابلِ نفرت ہے اسی وجہ سے اہل عرب اس لڑکے کو جو کہ باپ کی منکوحہ کے بطن سے پیدا ہوتا تھا مقتی کہتے تھے مقت کے معنی لغت میں سخت بغض کے ہیں اور نہایت ہی برا طریقہ ہے کہ باپ کی حرمت اور آبرو کو ملحوظ نہ رکھا کہ اس کی منکوحہ کو اپنے نکاح میں لے آیا۔

براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میرا ماموں میرے پاس سے گزرا اور اس کے پاس ایک جھنڈا تھا میں نے کہا کہ آپ کہاں جا رہے ہیں تو یہ جواب دیا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک آدمی کی طرف بھیجا ہے کہ جس نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کر لیا ہے کہ اس کا سر اتار لاؤں (رواہ احمد والبوداؤد والترمذی وغیرہم)

فائدہ

باپ کی منکوحہ سے نکاح کی حرمت میں تین لفظ فرمائے ایک فاحشہ اور دوسرا مقت اور تیسرا سَاءَ سَبِیلًا فاحشہ سے قبیح عقلی مراد ہے یعنی باپ کی منکوحہ سے نکاح کرنا عقلاً قبیح ہے اور مقتا سے قبیح شرعی مراد ہے یعنی شرعًا اور عند اللہ قبیح ہے موجب غضب خداوندی ہے اور ساء سبیلا

سے قبیح عرفی مراد ہے یعنی برا طریقہ اور بری عادت ہے مطلب یہ ہوا ہے کہ اس نکاح میں قبیح کی تمام مراتب جمع ہیں لہذا غایت درجہ قبیح ہوا اور ایسا شخص مستحق قتل ہوا۔

پھر جب باپ کی منکوحہ سے نکاح کی حرمت بیان فرما چکے تو اب ان عورتوں کی تفصیل فرماتے ہیں جن سے نکاح حرام اور باطل ہے اور ان کی کئی قسمیں ہیں۔

قسم اوّل محرمات نسبیہ

یعنی جو عورتیں نسب میں شریک ہونے کی وجہ سے حرام ہیں وہ یہ ہیں۔ حرام کی گئیں تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں یعنی تمہاری تمام اصول اور فروع عورتیں تم پر حرام ہیں خواہ وہ اصول و فروع بواسطہ ہوں یا بلا واسطہ اور حرام کی گئیں تم پر تمہاری بہنیں خواہ وہ عینی ہوں یا علاتی یا اخیافی اور حرام کی گئیں تم پر تمہاری پھوپھیاں یعنی تمہارے باپ دادا کی بہنیں خواہ کتنے ہی درجہ اوپر کی ہوں اور خواہ وہ باپ دادا کی عینی یا علاتی یا اخیافی بہنیں ہوں اور نانا کی بہن بھی پھوپھی کے حکم میں ہے اور حرام کی گئیں تم پر تمہاری خالائیں یعنی تمہاری ماں کی بہنیں خواہ وہ عینی ہوں یا علاتی یا اخیافی اور حرام کی گئیں تم پر تمہارے بھائی کی بیٹیاں یعنی بھتیجیاں اور حرام کی گئیں تم پر تمہاری بہن کی بیٹیاں یعنی تمہاری بھانجیاں یعنی جو عورتیں بھائی یا بہن کی نسل سے ہوں اور ان کا نسب بھائی یا بہن کی طرف منتہی ہوتا ہو وہ سب تم پر حرام ہیں۔

یہ سات قسمیں محرمات نسبیہ کی ہیں جو آدمی پر اس کے نسب میں شریک ہونے کی وجہ سے حرام ہیں اور ان کی حرمت تابیدی ہے یعنی ہمیشہ کے لیئے ان سے نکاح حرام ہے۔

قسم دوم محرمات رضاعیہ

اور حرام کی گئیں تم پر وہ رضاعی مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا اور ایسے ہی تمہاری رضاعی بہنیں بھی تم پر حرام کی گئیں ہیں اس آیت میں خدا تعالیٰ نے صرف رضاعی ماؤں اور رضاعی بہنوں ہی کی حرمت کا ذکر فرمایا حالانکہ رضاعی نانیاں اور رضاعی پھوپیاں اور خالائیں اور بھانجیاں اور بھتیجیاں بھی حرام ہیں مگر حق تعالیٰ نے صرف رضاعی ماں اور رضاعی بہن کی حرمت کے بیان پر اکتفا فرمایا تاکہ اس طرف اشارہ ہو جائے کہ رضاعت بمنزلہ نسب کے ہے اور جو ساتوں رشتے نسب سے حرام ہیں وہ رضاعت سے بھی حرام ہیں یعنی رضاعی بیٹی اور پھوپھی اور خالہ اور بھتیجی اور بھانجی بھی حرام ہیں اور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کی صراحت فرما دی کہ یحرم من الرضاع ما

یحرم من النسب

ف اور دودھ پینا وہی معتبر ہے جو زمانۂ شیر خوارگی میں پیا ہو۔

قسم سوم محرمات صہریہ

یعنی جن عورتوں سے علاقۂ نکاح کی وجہ سے نکاح حرام ہے اب اُن کا ذکر فرماتے ہیں اور اسکی دو قسمیں ہیں اول وہ کہ اُن سے ہمیشہ کے لیے نکاح حرام ہے اور وہ زوجہ کی ماں یعنی ساس اور اس زوجہ کی بیٹی جو دوسرے شوہر سے ہو مگر شرط یہ ہے کہ تم نے اس زوجہ سے صحبت بھی کی ہو اگر صحبت سے پہلے ہی کسی عورت کو طلاق دے دو تو اس مطلقہ کی بیٹی سے نکاح ہو سکتا ہے یہ شرط بیوی کی بیٹی کے لیے ہے مگر بیوی کی ماں یعنی ساس کے لیے یہ شرط نہیں جس عورت سے نکاح کرلے خواہ اس سے ابھی صحبت نہ کی ہو صرف نکاح کرنے سے اس عورت کی ماں یعنی ساس ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس پر حرام ہو جاتی ہے اور تمہارے صلبی بیٹوں کی عورتیں ان سے بھی تمہارا نکاح کبھی درست نہیں ہو سکتا اور دوسری قسم وہ ہے کہ ان سے ہمیشہ کے لیے نکاح حرام نہیں بلکہ جب تک کوئی عورت تمہارے نکاح میں رہے اس وقت تک اس عورت کی قرابت والی عورت سے نکاح درست نہیں جیسے بیوی کی بہن کہ زوجہ کی موجودگی میں تو اس سے نکاح نہیں ہو سکتا البتہ زوجہ کی موت کے بعد یا اس کو طلاق دے دینے کے بعد اس کی بہن سے نکاح ہو سکتا ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور حرام کر دی گئیں تم پر تمہاری بیویوں کی مائیں یعنی ساسیں اور حرام کی گئیں تم پر تمہاری بیویوں کی بیٹیاں جو تمہاری پرورش میں ہوں لیکن یہ حکم مطلقاً نہیں بلکہ اس میں یہ قید ہے کہ وہ لڑکیاں ان بیویوں سے ہوں کہ جن سے تم نے صحبت کی ہو یعنی کسی عورت کے ساتھ صرف نکاح کر لینے سے اس کی لڑکی (جو پہلے شوہر سے ہو) اس دوسرے شوہر پر حرام نہیں ہو جاتی بلکہ جب نکاح کے بعد اس عورت سے صحبت بھی کرلے تب اس پر بیوی کی لڑکی حرام ہو جاتی ہے پس اگر تم نے ان عورتوں سے صحبت نہیں کی صرف ابھی نکاح ہی ہوا ہے اور صحبت کی نوبت نہیں آئی تو ایسی عورتوں کی بیٹیوں سے نکاح کرنے میں تم پر کوئی گناہ نہیں۔

ف (۱) مرد کی بیوی کی لڑکی جو دوسرے خاوند سے ہو اس کو ربیبہ کہتے ہیں جس کی جمع ربائب ہے۔ اور ربائب کی صفت میں جو فی حجورکم کا لفظ آیا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ جو تمہاری پرورش میں ہیں اور جن کو تم اپنی گود میں پالتے ہو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر وہ ربیبہ یعنی عورت کے پہلے خاوند کی بیٹی تمہاری پرورش میں ہو تب تو اس سے تمہارا نکاح حرام ہے اور اگر تمہاری پرورش

میں نہ ہو تو نکاح حرام نہیں بلکہ ربیبہ سے ہر حال میں نکاح حرام ہے خواہ تمہاری پرورش میں ہو یا نہ ہو اور فی حجورکم کی قید واقعی ہے کہ اکثر و بیشتر ربیبہ دوسرے شوہر کی پرورش میں رہتی ہے اور اس صفت کے بڑھانے میں اشارہ اس طرف ہے کہ وہ ربیبہ جو تمہاری گود میں پل رہی ہے ▪▪ بمنزلہ تمہاری بیٹی کے ہے اس سے نکاح کرنا گویا بیٹی سے نکاح کرنا ہے ربیبہ سے نکاح کی حرمت ظاہر کرنے کے لیے فی حجورکم کی یہ قید بڑھائی گئی اور حرام کی گئیں ہیں تم پر تمہارے صُلبی بیٹوں کی عورتیں یعنی تمہارے حقیقی بیٹوں کی عورتیں تم پر حرام ہیں بشرطیکہ وہ بیٹے تمہارے صلب (پشت) سے ہوں یعنی متبنیٰ اور منہ بولے اور لے پالک نہ ہوں کیونکہ لے پالک بیٹے کے حکم میں نہیں اپنے لے پالک (متبنیٰ) کی بیوی سے طلاق کے بعد نکاح جائز ہے اور حرام کیا گیا تم پر دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا یعنی دو سگی یا رضاعی بہنوں کو ایک ساتھ نکاح میں رکھنا حرام ہے اگر ایک عورت نکاح میں ہو تو اس کی موجودگی میں اس کی بہن سے نکاح کرنا حرام ہے ہاں اگر وہ مر جائے یا اس کو طلاق دے دیں تو اس حالت میں اس کی بہن یعنی اپنی سالی کے ساتھ نکاح کرنے میں مضائقہ نہیں اور اسی طرح ان دو عورتوں کا نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں جن میں اگر کسی ایک کو مرد فرض کیا جائے تو دوسری سے اس کا نکاح ناجائز ہو مثلاً ایک پھوپھی ہو اور ایک بھتیجی یا ایک خالہ ہو اور ایک بھانجی مگر جو اس حکم سے پہلے گزر چکا یعنی ممانعت سے پہلے جو تم اس قسم کے نکاح کر چکے ہو ان پر ہم تم سے مؤاخذہ نہیں کریں گے مگر آئندہ ہرگز ہرگز ایسے نکاح نہ کرو اور جو پہلے سے دو بہنیں تمہارے نکاح میں موجود ہوں تو ان میں سے دوسری کو جدا کر دو بے شک اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا مہربان ہے کہ ممانعت سے پہلے جو کر چکے ہو اس پر مؤاخذہ نہیں کرتا کیونکہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ۔ اور اللہ تعالیٰ کسی قوم کو گمراہ نہیں قرار دیتے جب تک ان کو کھول کر نہ بتلا دیں کہ فلاں چیز سے بچنا ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا اور جب تک ہم رسول نہ بھیج لیں اس وقت تک ہم عذاب نہیں دیتے ۔

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ

اور نکاح بند ہی عورتیں مگر جن کے مالک ہو جاویں تمہارے ہاتھ

كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ج

حکم ہوا اللہ کا تم پر

قسم چہارم شوہر والی عورتیں

قال اللہ تعالیٰ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ج

اور حرام کی گئیں تم پر شوہر دار عورتیں کہ جو کسی کے قید نکاح میں ہیں یعنی خاوند والی عورتیں تم پر حرام ہیں جب تک ان کے خاوند نہ مریں یا طلاق نہ دیں اور وفات یا طلاق کی عدت نہ گزر جائے تو دوسروں کو ان سے نکاح درست نہیں۔

ف (۲) خاوند والی عورتوں کو المحصنٰت اس لیے فرمایا کہ لفظ محصنات۔ حصن بمعنی قلعہ سے مشتق ہے یعنی جو عورتیں نکاح کے قلعہ میں مقیّد ہیں جب تک مالک دروازہ نہ کھولے اس وقت تک قلعہ سے باہر نہیں نکل سکتیں خاوند نے یا نکاح نے ان کو مقیّد کر رکھا ہے مگر وہ خاوند والی عورتیں جو جہاد میں قید ہو کر آئیں اور ان کے شوہر ان کے ساتھ نہ ہوں اور تمہارے ہاتھ ان کے مالک ہو جائیں تو ایسی شوہر والی عورتیں حکم سابق سے مستثنیٰ ہیں مسلمان جب دار الحرب پر چڑھائی کر کے کسی عورت کو قید کر کے دار الاسلام میں لے آئیں اور اس کا شوہر وہیں دار الحرب میں رہ گیا ہو تو وہ عورت جس مسلمان کو غنیمت میں ملے گی وہ اس کے لیے حلال ہے اگرچہ اس کا شوہر دار الحرب میں زندہ موجود ہو اور اس نے طلاق بھی نہ دی اس لیے کہ وہ عورتیں غنیمت میں تقسیم ہو جانے کے بعد تمہاری مملوکہ بن گئیں تو اس سے ان کا سابق نکاح ختم ہو گیا اور اب وہ غیر منکوحہ ہو گئیں اور مجاہدین کے ملک میں داخل ہو جانے کی وجہ سے پہلا ازدواجی تعلق بالکل ختم ہو گیا۔

ف (۳) جو عورت کافرہ دار الحرب سے پکڑی ہوئی آئے اس کے حلال ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ایک حیض گزر جائے اور اگر حاملہ ہو تو وضع ہو جائے اس سے پہلے اس سے صحبت روا نہیں۔

شانِ نزول | صحیح مسلم میں ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ غزوۂ اوطاس میں جو عورتیں قید ہو کر آئیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو صحابہ پر تقسیم کیا اور ان کے شوہر ان کی قوم میں تھے تو صحابہ کو ان عورتوں سے صحبت کرنے میں تردد ہوا اور آپؐ سے اس کا ذکر کیا تو اس پر آیت نازل ہوئی یعنی وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَاۤءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ - یعنی جن عورتوں کے تم مالک ہوگئے وہ تمہارے لیے حلال ہیں اگرچہ ان کے خاوند دار الحرب میں زندہ موجود ہیں (تفسیر قرطبی ص۱۲۱ ج ۵) وہکذا رواہ الامام احمد والترمذی والنسائی وابن ماجہ (تفسیر ابن کثیر ص۴۷۳ ج ۱)

اب ان سب محرمات کو بیان فرما کر اخیر میں بطور تاکید فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے تم پر یہ حکم لکھ دیا ہے اس کی پابندی تم پر لازم ہے اور زجاج نے اس جملہ کے یہ معنی کیے ہیں کہ اللہ کی کتاب یعنی اس کے حکم کو اپنے اوپر لازم پکڑو یعنی اس کے حکموں پر چلو۔

وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَاۤءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ

اور حلال ہیں تم کو جو ان کے سوا ہیں یوں کہ طلب کرو اپنے مال کے بدلہ

مُّحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ ؕ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ

قید میں لانے کو نہ مستی نکالنے کو پھر جو کام میں لائے تم ان

مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِیْضَةً ؕ وَلَا جُنَاحَ

عورتوں میں سے ان کو دو ان کے حق جو مقرر ہوئے اور گناہ نہیں

عَلَیْكُمْ فِیْمَا تَرٰضَیْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِیْضَةِ ؕ

تم کو اس میں جو ٹھہرا لو تم دونوں آپس کی رضا سے مقرر کیے پیچھے

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ﴿۲۴﴾

اللہ ہے خبردار حکمت والا۔

بیانِ شرائطِ نکاح

قال تعالیٰ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ .... الیٰ .... اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝

(ربط) یہاں تک محرمات کا بیان تھا اب آگے یہ بتلاتے ہیں کہ ان کے سوا اور عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں یعنی ان سے نکاح کرنا تمہیں جائز ہے مگر چند شرائط کے ساتھ۔

۱ - اول یہ کہ دونوں طرف سے طلب لسانی ہو یعنی ایجاب وقبول ہو۔

۲ - دوم یہ کہ مال دینا یعنی مہر دینا قبول کرو۔

۳ - تیسرے یہ کہ ان عورتوں کو اپنی قید نکاح میں لانا اور ہمیشہ ہمیشہ اپنے قبضہ میں رکھنا مقصود ہو صرف مستی نکالنا اور شہوت رانی مقصود نہ ہو یعنی ہمیشہ کے لیے وہ اس کی زوجہ ہو جائے بغیر اس کے چھوڑے نہ چھوٹے مطلب یہ کہ کوئی مدت مقرر نہ ہو مہینہ یا برس دن تک اس سے متعہ کا حرام ہونا معلوم ہو گیا جس پر تمام اہل حق کا اجماع ہے۔

۴ - چوتھی شرط سورۂ مائدہ وغیرہ میں ذکر فرمائی کہ مخفی طور پر دوستانہ اور یارانہ نہ ہو یعنی کم از کم دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں اس معاملہ کے شاہد اور گواہ ہوں اگر بدون گواہوں کے ایجاب وقبول ہوا تو وہ نکاح نہیں ہوگا بلکہ زنا سمجھا جائے گا۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور حلال کر دی گئیں تمہارے لیے وہ عورتیں جو ان محرمات مذکورہ کے سوا ہیں یعنی ان محرمات کے علاوہ اور سب عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے مگر چند شرائط کے ساتھ وہ یہ کہ تم اپنے مالوں کے بدلے ان کو اپنے نکاح میں لانا طلب کرو یعنی ایجاب وقبول بھی ضروری ہے اور مہر بھی ضروری ہے لفظ ابتغاء سے ایجاب وقبول مراد ہے اور باموالکم سے مہر کا قبول کرنا مراد ہے درانحالیکہ تم طالب عفت ہو اور بیوی بنا کر اس کو قید نکاح میں رکھنا اور اپنی شرمگاہ کو بدکاری سے محفوظ رکھنا مقصود ہو محض شہوت رانی اور مستی نکالنے والے نہ ہو جیسے زنا اور متعہ میں شہوت رانی مقصود ہوتی ہے عفت اور پاکدامنی مقصود نہیں ہوتی پس جن عورتوں سے تم صحیح نکاح کر کے فائدہ اور نفع اٹھا چکے ہو اور صحبت کی لذت حاصل کر چکے ہو اور کم از کم خلوت سے لطف اندوز ہو چکے ہو تو ان عورتوں کا جو مہر مقرر ہوا ہے وہ ان کو دیدو مطلب یہ ہے کہ صحبت اور خلوت سے پورا مہر لازم ہو جاتا ہے ہاں اگر خلوت اور صحبت سے پہلے ہی مرد عورت کو طلاق دے دے تو پھر نصف مہر دینا ہوگا اور اگر عورت کوئی ایسا کام کر بیٹھے جس سے نکاح ٹوٹ جائے تو زوج کے ذمہ سے سارا مہر ساقط ہو جائے گا اور اس کو کچھ دینا نہیں پڑے گا اور تم پر اس بارہ میں کوئی گناہ نہیں کہ مہر مقرر کرنے کے بعد باہمی رضامندی سے مہر کی مقدار میں کچھ کمی اور زیادتی کر دو مثلاً عورت اپنی خوشی سے مہر کچھ کم کر دے یا مرد اپنی خوشی

سے کچھ زیادہ دیدے تو اس میں کوئی حرج نہیں بے شک اللہ تعالیٰ بڑا دانا اور حکمت والا ہے کہ جس نے ان سراپا حکمت و مصلحت احکام کو مشروع فرمایا اس کی متابعت میں تمہارے لیے خیر و برکت ہے اور اس کی مخالفت میں سراسر خسران اور حرمان ہے۔

فائدہ وَأُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذَٰلِكُمْ کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان محرمات مذکورہ کے سوا سب عورتوں سے نکاح جائز ہے حالانکہ احادیث سے ثابت ہے کہ ان محرمات مذکورہ کے علاوہ اور بھی چند عورتیں ہیں جن سے نکاح حرام ہے سو جاننا چاہیے کہ وہ عورتیں درحقیقت باعتبار عموم اور اشارہ کے انہیں محرمات مذکورہ میں داخل ہیں اور احادیث نبویہ آیات قرآنیہ کی تفسیر ہیں پس وہ عورتیں درحقیقت ماسوا میں داخل ہی نہیں۔

لطائف و معارف

علماء اہل سنت والجماعت یہ کہتے ہیں کہ آیت فَمَا اسْتَمْتَعْتُم بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ میں نکاح صحیح کے ذریعہ نفع اٹھانا مراد ہے اور اجورہن سے منکوحہ عورتوں کے مہر مراد ہیں اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ تم جن عورتوں سے نکاح کر کے خلوت یا صحبت کا نفع اٹھا چکے ہو تو ایسی عورتوں کا پورا مہر دینا تمہارے ذمہ واجب ہو گیا جیسا کہ دوسری جگہ وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً آیا ہے چنانچہ أُجُورَهُنَّ کے بعد فریضہ کا لفظ اس لیے بڑھایا گیا ہے کہ نکاح صحیح کے بعد اگر خلوت صحیحہ کی نوبت آجائے تو جتنا مہر مقرر ہوا ہے وہ سارا دینا آئے گا اور اس آیت میں فریضہ کا لفظ ایسا ہے جیسا کہ دوسری آیت میں ہے قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِي أَزْوَاجِهِمْ اور اگر خلوت اور صحبت سے پہلے ہی ان کو طلاق دے دی ہو تو پھر تم پر پورا مہر واجب نہ ہوگا بلکہ نصف مہر واجب ہوگا جیسا کہ دوسری آیت میں ہے وَإِن طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِن قَبْلِ أَن تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ (شیعہ) کہتے ہیں کہ اس آیت میں استمتاع سے متعہ کرنا مراد ہے اجورھن سے متعہ کا معاوضہ مراد ہے اور یہ آیت صراحۃً جواز متعہ پر دلالت کرتی ہے خصوصًا جب کہ پیشوا اہل سنت ابی بن کعبؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کی قراءت میں فَمَا اسْتَمْتَعْتُم بِهِ مِنْهُنَّ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى کا لفظ آیا ہے جو صراحۃً تحدید مدت پر دلالت کرتا ہے جو متعہ میں ہوا کرتی ہے نہ کہ نکاح میں نیز لفظ اجورھن بھی اسی طرف مشیر ہے کہ یہ عقد اجارہ ہے۔

جواب حق یہ ہے کہ یہ آیت تو صراحۃً اور علانیۃً متعہ کی حرمت پر دلالت کرتی ہے کیونکہ اس آیت میں منھن کی ضمیر انہی منکوحہ عورتوں کی طرف راجع ہے جن سے حق تعالیٰ نے وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَآءَ ذَٰلِكُمْ الخ میں نکاح کو حلال قرار دیا اور جن کی نسبت خدا تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ تم ان

کو اپنے مالوں کے بدلے طلب کرو اور پھر حلت نکاح کے لیے یہ شرط لگا دی کہ ماسوا محرمات مذکورہ کے اور عورتوں سے نکاح اس شرط کے ساتھ حلال ہے کہ تم عفت اور احصان کے طالب ہو مستی نکالنے والے نہ ہو۔

پس جب خدا تعالیٰ نے صریح لفظوں میں مستی نکالنے کی ممانعت کر دی تو متعہ کی کہاں گنجائش رہی نکاح اور زنا میں یہی تو فرق ہے کہ نکاح سے مقصود نسل ہوتی ہے اور زنا سے محض شہوت رانی اور ظاہر ہے کہ زنا اور متعہ میں کوئی فرق نہیں کیونکہ اولاد نہ زنا سے مقصود ہوتی ہے اور نہ متعہ سے دونوں کا مقصود شہوت رانی ہے جس کی خدا تعالیٰ نے ممانعت فرما دی۔

نیز آیت فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ گزشتہ آیت پر متفرع ہے جس میں نکاح اور شرائط نکاح کا بیان تھا یہ تفریع منکوحات سے متعلق ہے کوئی جدید حکم نہیں بلکہ حکم سابق کا جزء ہے کیونکہ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ میں حلت نکاح کا بیان تھا جیسا کہ حرمت علیکم میں حرمت نکاح کا بیان تھا فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ اسی پر تفریع ہے جو اس امر کی صریح دلیل ہے کہ یہ کلام پہلے کلام سے متعلق ہے اگر یہ مستقل کلام ہوتا تو بجائے فاء کے واو لاتے نیز منہن کی ضمیر انہی خاص نساء کی طرف راجع ہے جن کا نکاحی ہونا پہلی آیت میں بیان کیا گیا ہے مضمر کی ضمیر خاص مذکورہ ہی کی طرف راجع ہوتی ہے معلوم ہوا کہ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ میں نکاح صحیح کے ذریعہ استمتاع اور انتفاع مراد ہے شیعوں والے متعہ کا استمتاع اور اور انتفاع مراد نہیں ورنہ اوّل کلام اور آخر کلام میں تعارض لازم آئے گا کہ اوّل کلام میں تو نکاح اور شرائط نکاح کا ذکر ہو اور آخر کلام میں بلا شرط عورتوں سے نفسانی اور شہوانی انتفاع کی اجازت ہو اور ابی بن کعبؓ اور عبد اللہ بن مسعودؓ کی قراءت الیٰ اجل مسمی قراءت شاذہ ہے جو تفسیر کا حکم رکھتی ہے اور وجہ تفسیر کی یہ کہ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى۔ اِسْتَمْتَعْتُمْ کی غایت ہے اور لفظ اجل نکرہ ہے جو قلیل وکثیر سب کو شامل ہے ایک ساعت قلیلہ سے لے کر زمانۂ دراز تک کو اجل کہہ سکتے ہیں اور استمتاع کے معنی انتفاع کے ہیں اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ نکاح صحیح کے بعد جس قدر اور جتنی مدت بھی تم کو استمتاع اور انتفاع کی نوبت آئے تو تم کو سارا مہر لازم ہوگا نکاح کے بعد جس شخص نے منکوحہ سے اجل طویل اور مدت دراز تک استمتاع اور انتفاع کیا ہو جس طرح اس پر پورا مہر واجب ہو جاتا ہے اسی طرح اس شخص پر بھی پورا مہر واجب ہوگا جس نے نکاح صحیح کے بعد اپنی منکوحہ سے استمتاع اور انتفاع قلیل کیا ہو یعنی بقدر خلوت صحیحہ اس سے منتفع ہوا ہو الغرض شیعہ اِلٰٓى اَجَلٍ کو عقد کی انتہاء اور غایت سمجھ کر بہک گئے اگر استمتاع اور انتفاع کی غایت اور نہایت سمجھتے تو اس غلطی میں مبتلا نہ ہوتے اور اِسْتَمْتَعْتُمْ میں تضمین معنی عقد کی ضرورت نہ پڑتی دیکھو اجوبۂ اربعین حصۂ دوم ص۲۷ مصنفہ حضرت مولانا قاسم نانوتوی قدس اللہ سرہٗ۔

شبہ لفظ اُجُوْرَهُنَّ سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ اجرت دیکر مدت معینہ کے لیے استمتاع جائز ہو۔

جواب اس شبہ کا یہ ہے کہ اس آیت کے متصل جو دوسری آیت ہے اس میں ارشاد ہے وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ آیا ہے اس آیت میں صراحۃً ذکر نکاح کے بعد اجورھن کا لفظ موجود ہے اور ظاہر ہے کہ نکاح میں مدت محدود نہیں ہوتی معلوم ہوا کہ لفظ اجورھن۔ تحدید مدت کو متقضی نہیں پس اسی طرح آیت استمتاع میں بھی سمجھو کہ لفظ اجورھن تحدید مدت کو متقضی نہیں کہ شیعوں کی مطلب برآری ہو سکے اور مہر چونکہ درحقیقت عورتوں کے منافع کا عوض اور بدل ہے نہ کہ ان کی ذوات کا اس لیے اس کو اجر کہا گیا اور قرآن کریم میں متعدد جگہ اجر بمعنی مہر آیا ہے از انجملہ یہ آیت ہے لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ

جواب دیگر نیز قراءت الٰی اجل مسمی میں بر تقدیر ثبوت اجل مسمی سے موت مراد ہے یا اجل مسمی فی علم اللہ مراد ہے جو وقت طلاق و موت وغیرہ سب کو شامل ہے اور اجل معین فیما بین المتعاقدین مراد نہیں کہ جس سے متعہ مفہوم ہو سکے۔

جواب دیگر اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ ابی بن کعب کی یہ قراءت الی اجل مسمیٰ صحیح ہے اور شاذ بھی نہیں اور آیت میں استمتاع سے متعہ ہی مراد ہے تو جواب یہ ہے کہ ابتداء اسلام میں متعہ مباح تھا بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا اور آیات اور احادیث میں اس کی حرمت بتلا دی گئی لہٰذا آیت استمتاع سے اگر جواز متعہ ہی مراد لیا جائے تو یہ کہا جائے گا کہ اس آیت میں اس وقت کا حکم مذکور ہے کہ جب متعہ مباح تھا اور نسخ کے بعد یہ حکم باقی نہیں رہا دیکھو منہاج السنۃ ص۱۵۵ ج۲ للحافظ ابن تیمیہؒ۔

وقال سعید بن المسیب نسختها آیة المیراث اذ کانت لا میراث فیها

سعید بن مسیب کہتے ہیں کہ متعہ کو آیت میراث نے منسوخ کر دیا جبکہ متعہ میں متاعی عورت کو میراث نہیں ملتی۔

وروی الدار قطنی عن علی بن ابی طالب قال نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن المتعۃ قال وانما کانت لمن لم یجد فلما نزل النکاح والطلاق والعدۃ والمیراث بین الزوج والمرأۃ نسخت (تفسیر قرطبی ص۱۳۰ ج ۵)

ابتداء اسلام میں کس قسم کا متعہ جائز تھا

حضرات شیعہ جس قسم کے متعہ کے جواز کے قائل ہیں وہ متعہ تو کسی دین میں کسی وقت بھی جائز

نہیں ہوا اور نہ وہ متعہ ابتداء اسلام میں جائز تھا اس لیے کہ شیعوں کے متعہ اور زنا میں کوئی فرق نہیں اور زنا کسی دین میں کسی وقت بھی حلال نہیں ہوا تمام شریعتیں اور تمام ادیان زنا کی حرمت پر متفق ہیں۔

ابتداء عالم سے لے کر اس وقت تک اطراف عالم میں کسی دین میں آسمانی ہو یا زمینی سوائے مذہب شیعہ کے متعہ کا کہیں نام و نشان نہیں ملتا سوائے گرفتاران ہوا و ہوس کوئی ادنیٰ حیا والا بھی اس فحش صریح کی حلت کا تصور بھی نہیں کر سکتا شیعوں کے نزدیک متعہ کی حقیقت یہ ہے کہ محرمات اور شوہر دار کے سوا جس کسی عورت سے جتنی مدت کے لیے چاہے جس قدر اجرت معینہ پر وہ راضی ہو سکے بلا گواہ و شاہد کے اس سے عقد کرے اور اس مدت مقررہ کے گزر جانے کے بعد بلا طلاق کے وہ خود ہی اس سے جدا ہو جاتی ہے اور جدائی کے بعد اس پر کسی قسم کی عدت نہیں اور یہ متعہ اہل تشیع کے نزدیک نکاح کی ایک قسم ہے اور اعلیٰ ترین عبادت ہے اور اہل سنت کے نزدیک متعہ صریح زنا اور کھلی بے حیائی ہے اور جو متعہ شروع اسلام میں جائز یعنی غیر ممنوع تھا اس کی حقیقت صرف نکاح موقت ہے یعنی ایک مدت معینہ کے لیے گواہوں کے سامنے ولی کی اجازت سے کسی عورت سے نکاح کیا جائے اور مدت معینہ گزر جانے کے بعد بلا طلاق کے مفارقت ہو جائے لیکن مفارقت کے بعد استبراء رحم کے لیے ایک مرتبہ ایام ماہواری یعنی ایک حیض کا آجانا ضروری ہے تاکہ دوسرے نطفہ کے ساتھ اختلاط سے محفوظ رہے فقط یہ صورت ابتداء اسلام میں جائز تھی بعد میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حرام ہو گئی باقی رہا متعہ متعارف کہ کوئی شخص کسی عورت سے یہ کہے کہ میں تجھ سے ایک دو روز کے لیے متمتع ہوں گا اور اس ایک روز یا دو روزہ انتفاع کی تجھ کو یہ اجرت دوں گا یہ صریح زنا اور عین زنا ہے متعہ کی یہ صورت کبھی بھی اسلام میں جائز اور مباح نہیں ہوئی تاکہ یہ کہا جائے کہ شروع میں جائز تھا اور بعد میں منسوخ ہو گیا بلکہ متعہ کی یہ صورت تو کسی دین میں بھی حلال نہیں اس لیے کہ متعہ کی یہ صورت تو صریح زنا ہے اور زنا کسی دین میں کبھی حلال نہیں ہوا۔

البتہ متعہ بمعنی نکاح مُوَقّت (یعنی مدت معینہ کے لیے گواہوں کی موجودگی میں ولی کی اجازت سے نکاح کرنا اور پھر مدت معینہ گزر جانے کے بعد ایک حیض عدت گزارنا اور بغیر ایک حیض آئے دوسرے مرد سے متعہ نہ کر سکنا)

اس قسم کا نکاح ایک برزخی مقام ہے یعنی ان قیود و شرائط کے ساتھ نکاح مُوَقّت نکاح مطلق اور زنا محض کے درمیان ایک درمیانی درجہ ہے کہ جو نہ تو زنا محض ہے اور نہ نکاح مطلق ہے کہ جس میں عدت اور میراث ہو نکاح متعہ کی یہ صورت حقیقی نکاح نہیں بلکہ نکاح حقیقی کے ساتھ صرف ظاہری طور پر مشابہ ہے کہ نکاح متعہ کی اس صورت میں گواہوں کے سامنے ایجاب

وقبول اور ولی کی اجازت ضروری ہے اور مرد سے علیحدہ ہوجانے کے بعد اگر دوسرے مرد سے متعہ کرنا چاہے تو جب تک ایک حیض نہ آجائے اس وقت تک دوسرے مرد سے متعہ نہیں کر سکتی اس لیے اس صورت کو محض زنا بھی نہیں کہا جا سکتا ایسے نکاح موقت میں (کہ جس میں ابتداء میں گواہی اور اذن ولی ضروری ہو اور انتہاء میں استبراء رحم کے لیے ایک حیض کا آنا ضروری ہو) اور نکاح صحیح و مؤبّد میں صرف مؤقت اور مؤبد کا اور میراث اور عدم میراث کا فرق ہے باقی شرائط میں متفق ہیں۔

اور احادیث سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے صرف نکاح موقت کی رخصت اور اجازت دی تھی اور متعہ کی اجازت نہیں دی تھی اور جس نے اس کو متعہ کہا تو وہ صرف مجازاً کہا ہے یا باعتبار مشابہت کے کہا ہے۔ امام قرطبی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں

روی اللیث بن سعد عن بکیر بن الاشج عن عمار مولے الشرید قال سألت ابن عباس عن المتعة أسفاح هی ام نکاح قال لا سفاح ولا نکاح قلت فما هی قال المتعة کما قال اللّٰہ تعالی قلت هل علیها عدة قال نعم حیضة قلت یتوارثان قال لا

(تفسیر قرطبی ص ۱۳۲ ج ۵)

امام لیث بن سعد بکیر بن اشج سے راوی ہیں کہ عمار مولائے شرید کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے متعہ کے متعلق سوال کیا کہ متعہ زنا ہے یا نکاح فرمایا متعہ نہ زنا ہے اور نہ نکاح میں نے پھر سوال کیا کہ آخر وہ ہے کیا۔ فرمایا وہ متعہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر لفظ متعہ کا اطلاق کیا ہے میں نے سوال کیا کہ متعہ والی عورت پر عدت ہے فرمایا ہاں متعہ کی مدت کے گزر جانے کے بعد اس پر ایک حیض کا انتظار کرنا واجب ہے میں نے سوال کیا کہ کیا وہ ایک دوسرے کے وارث ہوں گے فرمایا نہیں

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ نکاح متعہ بمعنی نکاح مؤقت بشرائط مذکورۂ بالا ایک برزخی مقام ہے یعنی نکاح مطلق اور زنا محض کے درمیان ایک درمیانی درجہ ہے۔

ابتداء اسلام میں فقط اس قسم کا نکاح متعہ جائز تھا اور بایں معنی جائز اور مباح تھا کہ زمانہ جاہلیت کی رسم ورواج کے مطابق لوگ اس قسم کا متعہ کیا کرتے تھے اور شریعت میں اس نکاح متعہ یعنی نکاح مؤقت بشرائط مذکورۂ بالا کی ممانعت اور حرمت کا ابھی تک کوئی حکم

نازل نہیں ہوا تھا جیسا کہ شراب اور سود کے ابتداء اسلام میں مباح اور حلال ہونے کے معنی یہ ہیں کہ ابتداء اسلام میں حق تعالیٰ کی طرف سے شراب اور سود کی ممانعت کا کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا اور جن لوگوں نے حرمت اور ممانعت سے پہلے شراب پی یا سود لیا شریعت کی طرف سے ان پر کوئی حد جاری نہیں کی گئی اور نہ ان کو کوئی سزا دی گئی یہاں تک کہ شراب اور سود کی حرمت کا حکم نازل ہوا۔

ابتداء اسلام میں شراب اور سود کے حلال ہونے کے یہ معنی نہیں کہ معاذ اللہ شریعت کی طرف سے اجازت تھی کہ جس کا جی چاہے شراب پیئے اور جس کا جی چاہے سود لے اسی طرح نکاح متعہ بمعنی نکاح مؤقت کے ابتداء اسلام میں جائز اور مباح ہونے کے یہ معنی ہیں کہ ابتداء اسلام میں نکاح متعہ کی ممانعت نہ تھی معاذ اللہ۔ معاذ اللہ اباحت کے یہ معنی نہیں کہ حضور پر نور صلے اللہ علیہ وسلم نے قولاً نکاح متعہ کی اجازت دی تھی نکاح متعہ کی حرمت کا پہلا اعلان غزوۂ خیبر میں ہوا اور پھر غزوۂ اوطاس میں اور پھر غزوۂ تبوک میں اور پھر حجۃ الوداع میں تاکہ عوام اور خواص کو اس کی حرمت کا خوب علم ہو جائے اور حضور پرنور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حرمت متعہ کے متعلق یہ بار بار اعلان اسی پہلی حرمت کی تاکید در تاکید کے لیے تھا کہ جو آپ غزوۂ خیبر میں فرما چکے تھے کوئی جدید حکم نہ تھا باقی شیعوں والا متعہ شنیعہ کہ مرد عورت سے ایک دن یا دو دن کے لیے معاوضہ طے کر کے متمتع ہو تو یہ خالص زنا اور صریح بدکاری ہے یہ صورت کبھی بھی اور کسی وقت بھی اسلام میں جائز اور مباح نہیں ہوئی چہ جائیکہ منسوخ ہو جیسے زنا نہ کبھی مباح ہوا اور نہ منسوخ ہوا

دلائل تحریم متعہ

اب ہم اختصار کے ساتھ حرمت متعہ کے چند دلائل ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

دلیل اوّل

قال تعالیٰ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعَادُوْنَ۔ یعنی فلاح اور بہتری ہے ان لوگوں کے لیے جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں مگر صرف اپنی عورتوں پر اور اپنی باندیوں پر سو یہ لوگ قابل ملامت نہیں پس جو شخص اس کے سوا کوئی اور طریقہ نکالے تو ایسا شخص حدود شریعت سے تجاوز کرنے والا ہے اور ظاہر ہے کہ جس عورت سے متعہ کیا جائے اس کو نہ شیعہ زوجہ کہتے اور نہ ان کے مخالفین کے نزدیک وہ زوجہ ہے اس لیے کہ متعہ والی عورت کے لیے مرد کے ذمہ نہ نان و نفقہ ہے

اور نہ سکنی (یعنی رہنے کا مکان) اور نہ اس کے لیے طلاق ہے اور نہ عدت ہے اور نہ میراث ہے اور نہ زن متعہ شرعاً لونڈی اور باندی ہے اور نہ بیع وشراء وہبہ اور عتق کے سب احکام جاری ہوتے ہیں جب یہ ثابت ہو گیا کہ زن متعہ نہ زوجہ ہے اور نہ باندی تو متعہ کرنے والی اور والا منجملہ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ یعنی حدود شرع سے تجاوز کرنے والوں میں سے ہوں گے۔

دلیل دوم

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُکُمْ - یعنی اگر تم کو یہ ڈر ہو کہ یتیم لڑکیوں کے بارہ میں تم عدل اور انصاف نہ کر سکو گے تو ان کے ساتھ نکاح نہ کرو بلکہ دوسری عورتوں کے ساتھ نکاح کر لو جو تم کو پسند آئیں خواہ دو سے خواہ تین سے اور خواہ چار سے پس اگر تم کو یہ ڈر ہو کہ چند عورتوں میں عدل اور انصاف نہ کر سکو گے تو صرف ایک عورت کے نکاح پر اکتفاء کرو یا اپنی شرعی مملوکہ باندی سے منتفع ہو اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ صرف چار عورت تک نکاح میں رکھنا جائز ہے اور ظاہر ہے کہ متعہ میں کسی عدد کی تعیین اور تحدید نہیں پس جس عورت سے متعہ کیا جائے گا نہ تو وہ منکوحہ ہو گی اور نہ شرعی لونڈی ہو گی تو ضرور بضرور وہ حرام ہو گی اس لیے کہ اباحت اور اجازت اس آیت میں صرف انہی دو قسموں میں منحصر ہے کہ منکوحہ ہو یا شرعی باندی ہو۔

دلیل سوم

قال تعالیٰ وَاُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِکُمْ مُّحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ حق جل شانہ نے گزشتہ آیات میں محرمات عورتوں کی تعداد بیان فرمائی اب یہ بیان فرماتے ہیں کہ ان محرمات کے سوا دوسری عورتوں سے نکاح حلال ہے مگر چار شرط کے ساتھ اوّل یہ کہ طلب کرو یعنی زبان سے ایجاب وقبول کرو یہ مطلب ہے اَنْ تَبْتَغُوْا کا دوم یہ کہ مال دینا قبول کرو جسے مہر کہتے ہیں یہ مطلب ہے بِاَمْوَالِکُمْ کا جس سے معلوم ہوا کہ نکاح میں مہر ضروری ہے سوم یہ کہ نکاح سے قید میں لانا مقصود ہو صرف آب ریزی یعنی فقط مستی نکالنا اور منی گرانا مقصود نہ ہو اور قید میں لانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ عورت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بلا شرکت غیرے اس مرد کی ہو جائے کہ بغیر اس کے چھوڑے ہوئے اس کی قید نکاح سے نہ نکل سکے اور اس کی قید نکاح میں ہوتے ہوئے عورت کسی سے راہ و ربط نہ پیدا کر سکے مطلب یہ ہے کہ محرمات مذکورہ کے سوا اور عورتوں سے نکاح جب جائز ہے کہ مہر مقرر کرنے کے بعد نکاح سے غرض احصان (عفت) حاصل کرنا ہو اور عفت کے معنی اپنی شرمگاہ کو بدکاری سے اور نفس کو ملامت اور عذاب سے بچانے کے ہیں اور غیر مسافحین کے معنی یہ ہیں کہ مقصود شہوت رانی نہ ہو لفظ مسافحین - سفح سے ماخوذ ہے جس کے معنی منی گرانے کے ہیں زنا سے یہی مقصود ہوتا ہے بقاء نسل مقصود نہیں ہوتا جیسا کہ نِسَآؤُکُمْ حَرْثٌ لَّکُمْ سے معلوم ہوتا ہے کہ مقصود نکاح سے توالد اور تناسل ہے پس محصنین غیر مسافحین کی قید سے متعہ خود بخود باطل ہو گیا اس لیے کہ متعہ میں صرف

مستی کا نکالنا اور منی کا گرانا مقصود ہوتا ہے عفت اور پاکدامنی مقصود نہیں ہوتی اور نہ وہ عورت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس کے ساتھ مخصوص ہوتی ہے ہر ہفتہ اور ہر مہینہ جدید آشنا کے پاس ہوتی ہے اسی وجہ سے شیعہ مذہب کا یہ فتویٰ ہے کہ جس شخص نے متعہ تو کیا ہو مگر نکاح نہ کیا ہو تو ایسا شخص اگر زنا کر بیٹھے تو اس پر رجم نہیں اس لیے کہ رجم کے لیے احصان شرط ہے جو نکاح سے حاصل ہوتی ہے متعہ سے حاصل نہیں ہوتی معلوم ہوا کہ متعہ میں شیعوں کے نزدیک بھی احصان حاصل نہیں ہوتا

چہارم - یہ ہے کہ علی الاعلان گواہوں کے سامنے ہو پوشیدہ طور پر نہ ہو جیسا کہ سورۂ مائدہ میں ہے وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ - یعنی اور خفیہ اور پوشیدہ طور پر آشنائی کرنے والی نہ ہوں یہی شرط (یعنی گواہوں کے سامنے ہونا) نکاح اور زنا کے درمیان فرق کرتی ہے نکاح گواہوں کے سامنے علی الاعلان ہوتا ہے اور زنا میں مخفی تعلقات ہوتے ہیں الحاصل جب یہ چار شرطیں پائی جائیں گی تب جماع حلال ہوگا اور ظاہر ہے کہ یہ شرطیں متعہ میں نہیں پائی جاتیں اس لیے متعہ حلال نہیں ہوسکتا

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ محرمات مذکورہ کے علاوہ جو عورتیں باقی ہیں وہ کیف ما اتفق حلال نہیں بلکہ بشرط ارادۂ احصان حلال ہیں -

اور احصان کے لغوی معنی حفظ کے ہیں اور اصطلاح میں خاوند کا اپنی عورت کو ننگ و ناموس کی خاطر غیر مرد سے محفوظ رکھنے کا نام احصان ہے اور ننگ و ناموس سے مراد یہ ہے کہ اس کا نسب اختلاط سے محفوظ رہے اور شریعت میں عدت کا حکم اسی اختلاط نسب سے حفاظت کے لیے ہے

دلیل چہارم | قال تعالیٰ وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ - یعنی جو لوگ نکاح کرنے کا مقدور نہیں رکھتے ان کو چاہیے یعنی جو مہر اور نفقہ دینے کی طاقت نہیں رکھتے ان کو چاہیے کہ اپنی عفت اور پاکدامنی کو تھامے رکھیں اور اپنی عفت اور پاکدامنی کے تھامنے میں تکلیف کو گوارا کریں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے اور سامان نکاح (مہر و نفقہ) کی قدرت دے دیں -

پس اگر متعہ جائز ہوتا تو کسی عورت کو ایک رات کے دو چار روپیہ دے کر اور دو چار مرتبہ جماع کر کے فراغت کر لیتے اور عفت اور پاکدامنی کی حفاظت اور تھامنے میں کسی تکلیف اور رنج اٹھانے کی ضرورت نہ ہوتی معلوم ہوا کہ عفت اور پاک دامنی کے بچانے اور تھامنے کے لیے سوائے اس کے کوئی صورت نہیں کہ جب تک نکاح کی استطاعت میسر نہ آئے اسی وقت تک تکلیف برداشت کرے اور روزہ اور صبر سے اپنی پاکدامنی کو تھامے رکھے -

دلیل پنجم۔ حرمت متعہ کی ایک وجدانی دلیل

ہر شریف الطبع اور باغیرت انسان اپنے اور اپنی بیٹی اور اپنی بہن کے نکاح کے اعلان کو فخر سمجھتا ہے اور غایت مسرت اور انبساط کے ساتھ ولیمۂ نکاح پر اقارب اور احباب کو مدعو کرتا ہے بخلاف متعہ کے کہ اس کو چھپاتا ہے اور اپنی بیٹی اور بہن اور ماں کی طرف متعہ کی نسبت کرنے سے عار محسوس کرتا ہے آج تک کسی ادنےٰ غیرت مند بلکہ کسی بے غیرت کے متعلق بھی یہ نہیں سنا گیا کہ اس نے کسی مجلس میں بطور فخر یا بطور ذکر ہی یہ کہا ہو کہ میری بیٹی اور میری بہن اور میری ماں نے اتنے متعے کیے ہیں نیز تمام عقلاء نکاح پر مرد اور عورت کو اور اس کے والدین کو مبارک باد دیتے ہیں مگر متعہ کے متعلق کہیں مبارک باد دیتے نہیں سنا۔

نیز نسب اور مصاہرت تمام عقلاء کے نزدیک ایک عظیم نعمت ہے جیسا کہ آیت قرآن واقعہ سورۂ فرقان هُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا اس کی شاہد عدل ہے اور متعہ میں انسان ان دونوں نعمتوں سے محروم ہو جاتا ہے نہ نسب ہی ثابت ہوتا ہے اور نہ مصاہرت جس طرح انسان زنا میں ان دونعمتوں سے محروم رہتا ہے اسی طرح متعہ میں بھی محروم رہتا ہے پس جس طرح محرومی نعمت میں متعہ اور زنا برابر ہیں اسی طرح حرمت میں بھی دونوں برابر ہیں۔

تحقیق مذہب ابن عباسؓ دربارۂ متعہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اولاً حلت متعہ کے قائل تھے وجہ اس کی یہ تھی کہ ان کو متعہ کے حرام ہونے کی اطلاع نہ تھی حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی روایت اور نصیحت سے جب اس کی حرمت پر مطلع ہوئے تو رجوع کیا اور یہ فرمایا۔ اللّٰهم انی اتوب الیك من قولی بالمتعة وقولی فی الصرف کما ذکرہ صاحب الکشاف وغیرہ من المفسرین وذکرہ الامام الرازی فی تفسیرہ ص۲۰۰ ج۳۔

سبب عدم اطلاع ابن عباسؓ بتحریم متعہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا تحریم متعہ پر مطلع نہ ہونا مستبعد نہیں جن لوگوں کی نظر اس بات پر جاتی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے قرب خاص اور مقام بااختصاص

حاصل تھا ان کو مستبعد معلوم ہوتا ہے کہ ابن عباسؓ کو تحریم متعہ کی اطلاع کیسے نہ ہوئی لیکن یہ حضرات اگر حضرت ابن عباسؓ کی کیفیت عمر اور تعداد ایام سکونت کا لحاظ کرتے تو یہ استبعاد نہ ہوتا حقیقت حال یہ ہے کہ ابن عباسؓ ہجرت مدینہ سے ایک دو سال قبل مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے اور آٹھ نو برس کی عمر تک اپنے والد بزرگوار کے ساتھ مکہ میں رہے جہاں احکام شرعیہ کی اطلاع نہیں پہنچتی تھی جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم غزوۂ فتح کے لیے ہجرت کے آٹھویں سال مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے تو ادھر مکہ مکرمہ سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے عم محترم حضرت عباسؓ مع اہل وعیال کے ہجرت کے لیے مدینہ منورہ روانہ ہوئے راستہ میں جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو تو اپنے ہمراہ لے لیا اور یہ ارشاد فرمایا کہ اہل وعیال کو جن میں ابن عباسؓ بھی تھے ان سب کو مدینہ بھیج دو حسب الحکم حضرت عباسؓ نے ابن عباسؓ کو اور سب ذریات اور مستورات کو مدینہ روانہ کر دیا اور خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ کی طرف روانہ ہوگئے اور غزوۂ خیبر جس میں تحریم متعہ واقع ہوئی تھی وہ ابن عباسؓ کے مدینہ آنے سے دو سال پہلے ہو چکا تھا ان کو تحریم متعہ کی اطلاع کیسے ہوتی اور غزوۂ اوطاس کے بعد جو تحریم متعہ کا اعلان ہوا وہ فتح مکہ کے کچھ دن ہی بعد ہوا ابن عباسؓ اس میں بھی شریک نہ تھے غرض یہ کہ ان غزوات میں جو واقعات پیش آئے ابن عباسؓ کو بذات خاص ان کی کچھ بھی خبر نہ ہو سکی صرف دوسرے صحابہ کی زبانی ان دو غزووں کا حال معلوم ہوا اور ہجرت کے بعد حضرت ابن عباسؓ صرف دو سال صحبت نبوی سے مستفیض ہوئے اور اس عرصہ میں کوئی واقعہ متعہ کا پیش نہیں آیا اس لیے حضرت ابن عباسؓ کو تحریم متعہ کی کوئی خبر نہیں ہوئی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں جب مسئلہ زیر بحث آیا تو ابن عباسؓ کو معلوم ہوا کہ فلاں فلاں آیات قرآنیہ سے متعہ کی حرمت ثابت ہوتی ہے اور ابن عباسؓ کو دوسرے صحابہ سے معلوم ہوا کہ غزوۂ اوطاس میں متعہ کی اباحت واقع ہوئی تو ابن عباس نے یہ سمجھا کہ شدید ضرورت کے وقت فقط رفع ضرورت کی غرض سے فقط سفر میں متعہ حلال کیا گیا اور جب اشد ضرورت نہ ہو تو اس وقت بمقتضائے آیات قرآنیہ متعہ حرام ہے پس اباحت کو وقت ضرورت پر حمل کیا اور تین دن کے بعد جو متعہ حرام کیا گیا تو اس کو حضرت ابن عباسؓ نے انقطاع رخصت بارتفاع ضرورت پر حمل کیا یعنی یہ سمجھا کہ ضرورت باقی نہیں رہی اس لیے متعہ حرام ہو گیا اور ہر حال میں ہمیشہ کے لیے متعہ حرام نہیں ہوا یعنی ابن عباسؓ نے تین دن کے بعد کی تحریم کو تحریم مؤبد نہ سمجھا بلکہ انقطاع رخصت بارتفاع ضرورت پر حمل کیا۔

معلوم ہوا کہ ابن عباس کے مذہب کی بنا ر اجتہاد پر تھی کہ جو مجموعۂ آیات اور قصۂ اوطاس پر نظر کر کے فرمایا۔

لیکن حقیقۃ الامر یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کو اس اجتہاد میں خطا واقع ہوئی چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو جب ابن عباسؓ کے قول کا علم ہوا تو یہ فرمایا۔

انك رجل تائهٌ ان رسول اللّٰه صلے اللّٰه علیه وسلم نهی عن المتعة	تحقیق تو مرد متحیر ہے تحقیق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے متعہ سے منع فرمایا ہے

اس کے بعد عبداللہ بن زبیرؓ کے عہد خلافت میں مابین عبداللہ بن عباس و عبداللہ بن زبیر و دیگر صحابہ کبار بار بار مکالمہ اور مباحثہ ہوا اور روایات حرمت ابدیہ پیش ہوئیں تو ابن عباسؓ نے حلت عند الضرورت سے رجوع فرمایا اور تحریم مؤبد کے قائل ہوئے جیسا کہ جامع ترمذی کی روایت اس پر دلالت کرتی ہے عن ابن عباس انما کانت المتعۃ فی اول الاسلام کان الرجل یقدم البلدۃ لیس له بها معرفة فیتزوج المرأة بقدر مایری انه یقیم فتحفظ له متاعه وتصلح له شیئه حتی اذ انزلت اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ الآیة قال ابن عباس فکل فرج سواهما حرام۔

حاصل یہ کہ ابن عباس ابتداء میں متعہ کو میتہ کی طرح حالت اضطرار میں جائز بتلاتے تھے پھر جب مختلف صحابہ کرام اور حضرت علی وغیرہ سے تحریم کی احادیث کا علم ہوا تو اخیر میں اس سے بھی رجوع فرمایا کیونکہ عبداللہ بن زبیر وغیرہ سے بحث کرنے کے بعد یہ معلوم ہوگیا کہ یہ حکم منسوخ ہے اس لئے اپنے سابق فتوے سے رجوع کیا اور علیٰ ہذا جو جو حضرات لاعلمی کی وجہ سے جواز متعہ کے قائل تھے جب ان کو نسخ کا علم ہوا تو سب نے اپنے قول سے رجوع کیا اور تمام صحابہ و تابعین کا حرمت متعہ پر اجماع ہوگیا۔

اطلاع ناظرین کرام کو تحریم متعہ کی اگر مزید تفصیل درکار ہو تو سیرۃ المصطفیٰ جلد سوم مؤلفہ ناچیز میں غزوۂ خیبر کا بیان ملاحظہ فرمائیں۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ شبہ یہ ہے کہ سورۂ مومنون اور سورۂ معارج کی آیت جس سے متعہ کی حرمت ثابت کی گئی وہ مکی ہے اور تحریم مدینہ میں واقع ہوئی سب سے پہلے جو حرمت متعہ کا اعلان ہوا وہ غزوۂ خیبر میں ہوا ہے جو ۷ھ میں پیش آیا۔

جواب بعض آیات سے بعض احکام بطور اشارہ مفہوم ہوتے پھر جب اللہ کا ارادہ ہوتا ہے کہ یہ حکم واضح کر دیا جائے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر اللہ کی وحی نازل ہو جاتی ہے کہ آپ اس حکم کو لوگوں کے سامنے صاف طور پر بیان کردیں اور صراحت اور وضاحت کے

ساتھ اس کو بتلادیں۔ اس وقت وہ حکم اس آیت سے صراحۃً معلوم ہوجاتا ہے اور عوام اور خواص اس کے مکلف بن جاتے ہیں اور جب تک اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہوتا ہے کہ وہ حکم عام طور پر واضح اور ظاہر نہ ہو اس وقت تک اس کے واضح اور ظاہر کرنے کے لیے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل نہیں ہوتی اگرچہ خواص اور اذکیاء نے بطور اشارہ اس حکم کو سمجھ لیا ہو مگر عام طور پر عام لوگ اس کے مکلف نہیں ہوتے جیسے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وَتَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا اور بناتے ہو تم اس انگور سے نشہ والی چیز اور رزق حسن یعنی عمدہ روزی۔

حق تعالیٰ نے اس آیت میں سکراً کو رزق حسن کے مقابل ذکر فرمایا اور سکراً کے ساتھ حسن کی صفت ذکر نہیں فرمائی جس سے اشارۃً مفہوم ہوتا ہے کہ شراب اچھی چیز نہیں بلکہ حرام اور ممنوع ہے حالانکہ یہ آیت مکی ہے شراب حرام ہونے سے بہت قبل نازل ہوئی۔

نیز حق تعالےٰ کا ارشاد ہے قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا۔ آپؐ کہہ دیجئے کہ شراب اور جوئے میں بہت گناہ ہے اور ان دونوں میں لوگوں کے لیے فوائد اور منافع بھی ہیں لیکن ان کا گناہ ان کے منافع سے بڑھا ہوا ہے اور ظاہر ہے کہ جس میں گناہ غالب ہوگا وہ شئے حرام اور ممنوع ہوگی اس لیے کہ تمام عقلاء کا اس پر اتفاق ہے کہ دفع مضرت جلب منفعت پر مقدم ہے اور اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس بارہ میں یہ دعا کرتے تھے اللّٰھم بیّن لنا فی الخمر بیانا شافیا۔ اے اللہ شراب کے بارہ میں کوئی واضح اور صاف حکم نازل فرما جس سے دل کو شفا اور اطمینان ہو جائے اور یہ دعا نہیں کرتے تھے کہ اللہ شراب کو حرام فرما۔

اسی طرح سمجھیئے کہ آیت مؤمنون اور آیت معارج میں حرمت متعہ کی طرف اشارہ تھا مگر جب تک آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کی صراحت نہیں فرمائی تھی اس وقت تک متعہ کی حرمت کا ثبوت اس آیت سے ظنی تھا آپ کی تصریح کے بعد اس کی حرمت قطعی ہوگئی جب آپؐ نے اس کی حرمت کا اعلان فرما دیا تو وہ اشارہ اب مبدّل بر صراحت ہوگیا اور ظنیت مبدّل بر قطعیت ہوگئی سب سے پہلے آپ نے جنگ خیبر میں متعہ سے منع فرمایا اور اس کے بعد کے غزوات میں بار بار حرمت متعہ کا اعلان خطبوں میں فرماتے رہے یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں حرمت متعہ کا خوب اعلان کرایا تاکہ کوئی شخص ناواقفی اور لاعلمی کی بنا پر متعہ میں مبتلا نہ ہو جائے۔

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ

اور جو کوئی نہ پائے تم میں مقدور اس کا کہ نکاح میں لاوے بیبیاں

الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ

مسلمان تو جو ہاتھ کا مال ہیں آپس کی تمہاری لونڈیاں مسلمان

الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ؕ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ

اور اللہ کو بہتر معلوم ہے تمہاری مسلمانی تم آپس میں ایک

بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ

ہو سو ان کو نکاح کر لو ان کے لوگوں کے اذن سے اور دو ان کے مہر

اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ

موافق دستور کے قید میں آتیاں نہ مستی نکالیاں

وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ

اور نہ یار کرتیاں چھپ کر پھر وہ جب قید میں آچکیں تو اگر کریں

بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ

بے حیائی کا کام تو ان پر ہے آدھی وہ مار جو بیبیوں پر مقرر ہے

مِنَ الْعَذَابِ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ؕ

یہ اس کے واسطے جو کوئی تم میں ڈرے تکلیف میں پڑنے سے

وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۵﴾

اور صبر کرو تو بہتر ہے تمہارے حق میں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

حکم دوازدہم متعلق بہ نکاح کنیزاں

قَالَ تَعَالٰی وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا .... الٰی ..... وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

(ربط) اوپر سے نکاح کے احکام چلے آرہے ہیں اب آگے کنیزوں یعنی شرعی باندیوں سے نکاح کا حکم بیان فرماتے ہیں اس آیت میں حق تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ جس شخص کو آزاد عورت سے نکاح کرنے کی قدرت نہ ہو یعنی اس کے مہر ادا کرنے پر قادر نہ ہو اور اس کے خرچ خوراک اور پوشاک کا متحمل نہ ہو سکے تو وہ کسی مسلمان باندی سے نکاح کرلے اس کے مہر اور نان و نفقہ میں خرچ زیادہ نہ ہوگا اس کے بعد ارشاد ہے کہ اگر زنا کا خوف ہے تو ایسا کرلو ورنہ صبر کرنا بہتر ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور جو شخص تم میں سے آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی استطاعت اور گنجائش نہ رکھتا ہو تو اس باندی اور لونڈی سے نکاح کرلے جو تمہارے مسلمان بھائیوں کی مملوکہ ہے یعنی ایمان والی لونڈیوں میں سے کسی کنیز سے نکاح کرلے اور کنیز کو محض باندی ہونے کی وجہ سے حقیر نہ سمجھو اصل فضیلت کا دار و مدار ایمان اور اسلام اور اعمال صالحہ پر ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے تمہارے ایمان کو کون کس درجہ کا مومن ہے ممکن ہے کہ وہ کنیز ایمان اور اسلام اور اعمال صالحہ میں آزاد مرد اور آزاد عورت سے بڑھ کر ہو اور حسب و نسب کی ظاہری کمتری پر بھی نظر نہ کرو تم میں کا بعض بعض کی جنس سے ہے یعنی سب ایک جنس ہو حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ کی اولاد ہونے میں سب شریک ہو لہٰذا نفرت اور عار کی کوئی وجہ نہیں سو تم ان ایمان والی کنیزوں سے نکاح کرلو ان کے مالکوں کی اجازت سے باندی کا نکاح بغیر اس کے مالک کی اجازت کے درست نہیں آزاد اور بالغ عورت تو اپنا نکاح خود کر سکتی ہے لیکن کنیز اپنا نکاح خود نہیں کر سکتی جب تک اس کے مالک کی اجازت نہ ہو اور دیدو ان کا مہر موافق دستور کے یعنی ان کا مہر مثل دیدو اور ان سے نکاح کی یہ اجازت اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ درحالیکہ وہ عفیفہ اور پاک دامن ہوں زنا کرنے والی اور بدکار نہ ہوں اور نہ درپردہ یارانہ کرنے والی اور چھپے طور پر آشنا بنانے والی ہوں یعنی نکاح انہیں لونڈیوں سے کرو جو پاک دامن ہوں ان سے نہ کرو جو بدکار اور زنا کار ہوں اور چھپے طور پر کسی سے یارانہ رکھتی ہوں۔

ف زنا کار وہ عورت کہلاتی ہے جو ہر ایک سے زنا کرائے اور چھپے طور پر یارانہ رکھنے والی وہ عورت ہے جو ہر ایک سے تو زنا نہ کرائے البتہ کسی ایک شخص کو اپنا یار اور آشنا بنالے جہلائے عرب پہلی قسم کے زنا کو حرام جانتے تھے اور دوسری قسم کے زنا کو حلال (جیسا کہ آج کل کے متمدن قوموں اور ان کے مقلدوں کا مذہب بھی یہی ہے) اس لیے خدا تعالیٰ نے ان دونوں قسموں کو علیحدہ علیحدہ ذکر فرما کر یہ ظاہر فرما دیا کہ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں دونوں ہی حرام ہیں پس جب وہ کنیزیں نکاح میں آجائیں پس اس کے بعد اگر وہ بے حیائی یعنی زنا کریں تو جتنی سزا آزاد عورتوں کی ہے اس سے آدھی سزا ان کنیزوں کی ہے آزاد عورتوں سے صرف کنواری آزاد عورتیں مراد ہیں کیونکہ وہ اگر زنا کریں تو اس کی سزا سو کوڑے ہیں اور باندی کی سزا پچاس دُرّے ہیں شادی شدہ آزاد عورتیں اگر زنا کریں تو ان کی سزا رجم (سنگساری) ہے جس کا نصف ممکن نہیں اور لونڈی اور غلام کے لیے قبل نکاح

اور بعد نکاح ہر حالت میں صرف پچاس کوڑے ہیں زیادہ نہیں اور یہ لونڈیوں سے نکاح کی اجازت اس شخص کے لیے ہے کہ جو تم میں سے گناہ اور بدکاری کی تکلیف میں پڑنے سے ڈرتا ہو یعنی اس کو یہ ڈر ہے کہ اگر نکاح نہیں کروں گا تو زنا میں مبتلا ہو جاؤں گا تو ایسے شخص کو باندی سے نکاح کرنے کی اجازت ہے اور تمہارا صبر کرنا اور باندیوں کے نکاح سے بچا رہنا تمہارے لیے بہت بہتر ہے کیونکہ لونڈی سے اگر نکاح کرو گے تو تمہاری اولاد آزاد نہ ہو گی بلکہ دوسرے کی غلام اور مملوکہ ہو گی جس میں تمہاری بے عزتی ہے اور بیوی کنیز ہونے کی وجہ سے مستقلاً تمہاری خدمت نہیں کر سکتی اور نہ مستقلاً تمہارے پاس رہ سکتی ہے جس میں سراسر تمہارا نقصان ہے لہذا بہتر یہی ہے کہ باندیوں کے ساتھ نکاح نہ کیا جائے لیکن اگر بدرجۂ مجبوری تم نے باندی سے نکاح کر لیا تو مضائقہ نہیں اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا مہربان ہے کہ بدرجۂ مجبوری تم کو باندیوں سے نکاح کی اجازت دی اور تمہاری کوتاہی سے درگذر فرمایا۔

ف امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بلاضرورت مطلق باندی سے خواہ وہ مسلمان ہو یا کتابیہ نکاح فی حد ذاتہ درست ہے مگر مکروہ ہے اس لیے کہ وہ اُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَاءَ ذٰلِكُمْ اور فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُم کے عموم اور اطلاق میں داخل ہے فی حد ذاتہ وہ حرام نہیں البتہ عوارض مذکورہ اور مفاسد بالا کی وجہ سے باندی سے نکاح مکروہ ہوگا اور امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک بدون مجبوری اور لاچاری کے باندی سے نکاح درست نہیں تفصیل کے لیے احکام القرآن کو دیکھیں۔

يُرِيدُ اللَّهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِينَ

اللہ چاہتا ہے کہ تمہارے واسطے بیان کرے اور چلاوے تم کو

مِن قَبْلِكُمْ وَيَتُوبَ عَلَيْكُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٢٦﴾

اگلوں کی راہ اور تم کو معاف کرے اور اللہ جانتا ہے حکمت والا

وَاللَّهُ يُرِيدُ أَن يَتُوبَ عَلَيْكُمْ قف وَيُرِيدُ الَّذِينَ

اور اللہ چاہتا ہے کہ تم پر متوجہ ہوئے اور جو لوگ لگے ہیں

يَتَّبِعُونَ الشَّهَوَاتِ أَن تَمِيلُوا مَيْلًا عَظِيمًا ﴿٢٧﴾

اپنے مزوں کے پیچھے وہ چاہتے ہیں کہ تم مڑ جاؤ راہ سے بہت دور

يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَ خُلِقَ الْاِنْسَانُ

اللہ چاہتا ہے کہ تم سے بوجھ ہلکا کرے اور انسان بنا ہے

ضَعِيْفًا ﴿۲۸﴾

کمزور

ذکر الطاف و عنایات خداوندی بر اہل اسلام

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ .... الیٰ .... وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ۝

(ربط) حلال وحرام کے احکام بیان کرنے کے بعد اہل اسلام پر اپنی عنایات اور الطاف کا ذکر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تم کو ایسی چیزوں کا حکم دیتا ہے جو تمہارے لیے سراسر باعث منفعت اور مصلحت ہوں اور شہوت پرست تم کو دوسری طرف لے جانا چاہتے ہیں شہوت پرستوں کے نزدیک حلال وحرام کی کوئی تقسیم نہیں خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ تمہارے لیے بیان کردے یعنی تمہارے فائدہ اور مصلحت کے لیے حلال وحرام کو خوب کھول کر بیان کر دے تاکہ تمہیں کسی امر میں اشتباہ باقی نہ رہے اور تم حق اور باطل اور حلال اور حرام میں تمیز کر سکو اور تاکہ خدا تعالیٰ تم کو ان لوگوں کی راہ پر چلائے جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں یعنی خدا تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ جو انبیاء اور صالحین تم سے پہلے گزرے ہیں تم ان کی راہ پر چلو اور ان کی تقلید کرو اور تاکہ اللہ تعالیٰ تم پر خاص عنایت اور رحمت مبذول فرمائے اور وہ عنایت اور رحمت یہی ہے کہ تم کو تمہارے حال پر نہ چھوڑے بلکہ تمہارے لیے ایسے احکام بیان کر دے جن میں تمہارے لیے دین و دنیا کی مصلحتیں ہوں اور اللہ اپنے بندوں کی مصلحتوں کو جاننے والا حکمت والا ہے اس نے جو حکم دیئے ہیں انہی میں حکمت اور مصلحت ہے اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم پر متوجہ ہو اور جو لوگ نفسانی شہوتوں کے تابع اور پیرو ہیں جدھر ان کی شہوت ان کو کھینچ کر لے جاتی ہے اس کے پیچھے دوڑے چلے جاتے ہیں اے مسلمانو! ان شہوت پرستوں کی خواہش یہ ہے کہ تم راہ حق سے بہت دور ہٹ جاؤ اور انہی کے ہمرنگ بن جاؤ تم ان شہوت پرستوں کی طرف التفات نہ کرنا ہمارے حکموں پر چلنا اسی میں تمہارا نفع ہے اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوَاتِ سے زیادہ تر مجوس اور یہود اور زنا کار مراد ہیں مجوسیوں کے نزدیک بہنوں اور بھتیجیوں سے نکاح حلال ہے اور یہود اپنے سوتیلی بہنوں اور بھانجیوں اور بھتیجیوں کو حلال جانتے ہیں اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو متنبہ فرمایا کہ یہود اور نصاریٰ اور مجوس جو اپنے خواہشوں کے تابع

اور پیرو ہیں ان کا ارادہ یہ ہے کہ تم کو راہ حق سے ہٹا دیں اور اپنے ڈھنگ کا بنالیں تم خدا کے حکموں پر چلو ان کی بات کی طرف التفات نہ کرو اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ تم سے بوجھ ہلکا کر دے اس لیے تم کو آسان دین عطا فرمایا اور جو چیزیں پہلوں پر حرام تھیں وہ تم پر حلال کر دیں اور انسان فطرۃً کمزور پیدا کیا گیا ہے خواہشوں سے صبر کرنا اس کے لیے دشوار ہے اس لیے بوقت ضرورت اس کو باندی سے نکاح کی اجازت دی اور عورتوں کے باب میں اس پر تنگی نہیں کی اور تمام احکام میں اس کے ضعف کو ملحوظ رکھا اور سخت احکام کا اس کو مکلف نہیں بنایا اور طبعی خواہش پوری کرنے کے لیے جائز طریقے بتلا دیئے خلاصۂ کلام یہ کہ عورتوں کے بارہ میں جس قدر احکام تم کو دیئے گئے ان میں کوئی دشواری اور تنگی نہیں اور ان کی پابندی نہایت ضروری اور مفید ہے اور شہوتوں کا اتباع تمہارے لیے سراسر مضر ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ

اے ایمان والو نہ کھاؤ مال ایک دوسرے

بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ

کے آپس میں ناحق مگر یہ کہ سودا ہو آپس کی خوشی سے

مِنْكُمْ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ

اور نہ خون کرو آپس میں اللہ کو تم پر

رَحِيمًا ﴿٢٩﴾ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ عُدْوَانًا وَظُلْمًا

رحم ہے اور جو کوئی یہ کام کرے تعدی سے اور ظلم سے تو ہم

فَسَوْفَ نُصْلِيهِ نَارًا ۚ وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ

اس کو ڈالیں گے آگ میں اور یہ اللہ پر آسان ہے

يَسِيرًا ﴿٣٠﴾ إِنْ تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ

اگر تم بچتے رہو گے بڑی چیزوں سے جو تم کو منع ہوئیں تو ہم اتار دیں گے

عَنۡكُمۡ سَيِّاٰتِكُمۡ وَنُدۡخِلۡكُمۡ مُّدۡخَلًا كَرِيۡمًا ﴿۳۱﴾

تم سے تقصیریں تمہاری اور داخل کریں گے تم کو عزت کے مقام میں

حکم سیزدہم دربارۂ اتلاف اموال و نفوس

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَاۡكُلُوۡٓا اَمۡوَالَكُمۡ ...... الیٰ ...... وَنُدۡخِلۡكُمۡ مُّدۡخَلًا كَرِيۡمًا ۝

(ربط) شروع سورت سے یتامٰی کے اموال اور مواریث اور بے کس عورتوں کے تنگ کرنے کے متعلق احکام بیان فرمائے اور اخیر میں تعدّی حدود اللہ سے ممانعت فرمائی اب ان آیات میں ارشاد فرماتے ہیں کہ باہمی حقوق کا خیال رکھو نہ کسی کے مال کو ناجائز طریقہ سے کھاؤ اور نہ کسی کو قتل کرو اس لیے کہ کسی کے مال اور نفس میں ناجائز تصرف حدود اللہ سے تعدّی اور تجاوز میں داخل ہے نیز کسی کی جان و مال میں ناجائز تصرف اتباع شہوات ہے اور سُنَنَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ سے میل عظیم ہے چنانچہ فرماتے ہیں اے ایمان والو آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق اور ناجائز طریقہ سے مت کھاؤ مگر سوداگری کے طریقہ سے کہ جو آپس کی رضامندی اور خوشی سے ہو مقصود یہ ہے کہ ناجائز طریقہ سے کسی کا مال لینا جیسے غصب اور چوری اور خیانت اور سود و بیاج وغیرہ یہ تمہارے لیے حرام ہے البتہ تجارت یعنی جائز طریقہ سے مال حاصل کرنا تمہارے لیے حلال ہے اور آپس میں ایک دوسرے کا خون نہ کرو دوسروں کے قتل کرنے کو اپنے قتل کرنے سے اس لیے تعبیر فرمایا کہ جب سب کا دین ایک ہے اور سب مانند شخص واحد کے ہیں لہذا کسی کو قتل کرنا اپنے ہی کو قتل کرنا ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اپنے قتل کرنے سے حقیقۃً اپنا ہی قتل کرنا مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ خودکشی نہ کرو خودکشی حرام ہے تم اپنی جان کے مالک نہیں کہ جو چاہے اس میں تصرف کرسکو مالک اللہ تعالیٰ ہیں اور یہ جان اللہ تعالیٰ کی تمہارے پاس امانت ہے تم پر اس کی حفاظت واجب ہے بے شک اللہ تعالیٰ تم پر بڑا مہربان ہے کہ اس نے اپنی رحمت سے تم کو اچھی باتوں کا حکم دیا اور بری باتوں سے منع کیا تاکہ تم ہلاک نہ ہو جاؤ اللہ کی نافرمانی اپنے کو قتل کرنے کے مرادف ہے اور جو شخص زور اور ظلم سے اور تعدّی اور ستم سے یہ کام کرے کہ ناحق کسی کا مال کھا جائے یا کسی کو بے قصور مار ڈالے پس البتہ ہم اس کو آگ میں ڈالیں گے اور یہ آگ میں جھونکنا اللہ پر بہت آسان ہے اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی چیز دشوار نہیں اس کی قدرت قدیمہ کے سامنے ہر چیز آسان ہے

ف | عدوان کے معنی زیادتی میں حد سے گذر جانا ہے اور ظلم کے معنی کسی کے حق میں ناحق دست درازی کرنا یہ قید اس لیے لگائی کہ کسی کو حق پر مارنا جیسے قصاص یا کسی کا مال دیت میں لینا

یہ عدوان اور ظلم نہیں ۔

اور ذٰلک کا مشار الیہ یا تو اکل اموال بالباطل اور قتل ناحق کو قرار دیا جائے جیسا کہ قریب ہے اور یا ذٰلک کا مشار الیہ اُن تمام امور کو قرار دیا جائے کہ جن کی شروع سورت سے لے کر یہاں تک حق تعالیٰ نے ممانعت فرمائی وہ سب ذٰلک کا مشار الیہ ہیں ۔

ابتدار سورت سے لے کر یہاں تک حق تعالیٰ نے جن گناہوں سے منع فرمایا وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک گناہ کبیرہ ہیں جو موجب عذاب ہیں اب آیندہ آیت میں گناہوں سے بچنے کی ترغیب اور گناہوں سے اجتناب پر کفارۂ سیآت اور جنت کا وعدہ فرماتے ہیں جن باتوں سے تم کو منع کیا جاتا ہے اگر تم ان منہیات اور ممنوعات میں سے بڑی بڑی باتوں یعنی بڑے بڑے گناہوں سے اجتناب اور پرہیز کرو یعنی ان سے کنارہ کش رہو اور پہلو تہی کرتے رہو تو ہم وعدہ کرتے ہیں کہ ان کبائر سے اجتناب اور احتراز کے صلہ میں تمہاری تقصیرات اور برائیاں یعنی چھوٹی چھوٹی خطائیں جو تم کو دوزخ میں لے جاسکتی ہیں تم سے دور کر دیں گے یعنی معاف کر دینگے اور تمہارے نامۂ اعمال سے مٹا دیں گے ایک نماز سے دوسری نماز تک اور ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک اور ایک رمضان سے دوسرے رمضان تک اور تم کو عزت کے مقام میں داخل کر دینگے اور تم سے صغائر پر مؤاخذہ نہیں کریں گے قصور خواہ کتنا ہی معمولی کیوں نہ ہو عقلاً وشرعًا اس پر مواخذہ ہو سکتا ہے اور اگر تم نے کبائر سے اجتناب اور احتراز نہ کیا تو پھر ہماری طرف سے تکفیر سیئات اور عزت کے مقام میں داخل کرنے کا وعدہ نہیں ہماری حکمت لم یزلی ولا یزالی اور شان لا ابالی جو فیصلہ کرے وہ اس کو اختیار ہے وہ پردۂ غیب میں مستور ہے اس کے متعلق کچھ نہیں بتلایا جا سکتا اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے کہ چاہے معاف کرے اور چاہے مؤاخذہ کرے معتزلہ نے آیت کا مطلب یہ سمجھ لیا کہ اگر کبائر سے نہ بچے تو اس کے لیے سزا ضروری ہے اہل سنت کے نزدیک مرتکب کبائر پر سزا ضروری نہیں اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ہاں وعدہ نہیں چاہے معاف کرے اور چاہے مؤاخذہ کرے ۔

ف (۱) گناہ کبیرہ کی تعریف میں علماء کے مختلف اقوال ہیں سب سے زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ گناہ کبیرہ وہ ہے کہ جس پر اللہ اور اس کے رسول نے دنیا میں غصّہ یا کوئی حد مقرر کی ہے اور آخرت میں اس پر عذاب عظیم مرتب کیا ہے یا اس کے مرتکب پر لعنت کی ہے یا اس کو کفر کے ساتھ موسوم کیا ہے اور صغیرہ وہ ہے کہ جس سے منع تو فرمایا مگر اس پر غضب و لعنت وغیرہ جیسے امور کو نہیں فرمایا

ف (۲) ابن عباس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ کبائر کس قدر ہیں فرمایا کہ سات سے لے کر قریب قریب ستر تک ہیں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ایک قول یہ ہے کہ شروع

سورۂ نساء سے کہ اس آیت تک حق تعالیٰ نے جن باتوں کی ممانعت فرمائی وہ سب کبیرہ ہیں حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں صغائر کو کبائر سے ممتاز نہیں کیا تاکہ لوگ، ہر گناہ سے بچنے کی کوشش کریں اگر صغائر کو کبائر سے ممتاز کر دیا جاتا تو لوگ صغائر کو ہلکا سمجھ کر ان سے بچنے کی چنداں پروا نہ کرتے البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض گناہوں کے کبیرہ ہونے پر نص فرما دی ہے مثلاً (۱) اللہ کے ساتھ شرک کرنا (۲) کسی کو ناحق قتل کرنا (۳) والدین کی نافرمانی کرنا (۴) جھوٹی گواہی دینا اور جھوٹ بولنا (۵) یتیم کا مال کھا جانا (۶) جادو کرنا (۷) زنا اور خاص کر ہمسایہ کی بیوی سے زنا کرنا نہایت ہی برا ہے (۸) میدان جنگ سے بھاگنا (۹) اولاد کو فقر و فاقہ کے اندیشہ سے مار ڈالنا (۱۰) پاکدامن بے خبر مسلمان عورت پر بہتان باندھنا یہ بخاری اور مسلم کی روایتوں کا مضمون ہے جن سے مقصود حصر نہیں بلکہ مقصود یہ بتلانا ہے کہ گناہ کبیرہ ایسے ہوتے ہیں کیونکہ احادیث میں کبیرہ گناہوں کی تفصیل آئی ہے چنانچہ جامع ترمذی میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص دو نمازیں بلا عذر جمع کرے وہ ابواب کبائر میں سے ایک دروازہ پر آیا امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند میں حنش (یعنی حسین بن قیس) واقع ہے جس کو امام احمد وغیرہ نے ضعیف کہا ہے اور ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو ابن ابی حاتم نے دوسری سند سے روایت کیا ہے نیز موطاً امام احمد میں ہے کہ فاروق اعظمؓ نے اپنی مملکت کے اطراف و جوانب میں جمع بین الصلاتین کی ممانعت کا حکم لکھ کر بھیج دیا اور اسباب کی سب کو اطلاع دیدی کہ وقت واحد میں دو نمازوں کا جمع کرنا منجملہ بڑے گناہوں کے ایک بہت بڑا گناہ ہے فاروق اعظم کے اس فرمان واجب الاذعان سے معلوم ہوا کہ ابن عباسؓ والی حدیث درحقیقت صحیح ہے اس لیے صحابہ نے دل وجان سے اس حکم کو قبول کیا پس ان احادیث کی بناء پر آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ اے مسلمانو! اگر تم جمع بین الصلاتین جیسے بڑے گناہ سے اجتناب کروگے تو ہم تم سے وعدہ کرتے ہیں کہ تمہارے دوسرے گناہوں کو معاف کر دیں گے ورنہ نہیں۔

ف (۳) یہ آیت یعنی اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ انہی پانچ آیتوں میں سے ہے جن کے متعلق عبداللہ بن مسعود کا قول نقل ہو چکا ہے کہ پانچ آیتیں مجھ کو دنیا اور مافیہا سے زیادہ محبوب ہیں۔

(۴) بعض عارفین کا قول ہے کہ تمام کبائر تین چیزوں میں مندرج ہیں۔

(اول) اتباع ہوی۔ یعنی نفسانی خواہشوں اور لذتوں کی پیروی کما قال تعالیٰ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اور عقوق والدین اور قطع رحمی وغیرہ اتباع ہوی سے پیدا ہوتا ہے

غبار ہوا چشم غفلت بدوخت ∴ سموم ہوس کشت عمرت بسوخت
بکن سرمۂ غفلت از چشم پاک ∴ کہ فردا شوی سرمہ در چشم خاک

(دوم) حُبِ دنیا، قتل اور ظلم اور غصب اور سرقہ اور سود خواری اور مال یتیم کا کھا جانا اور زکوٰۃ کا نہ دینا اور جھوٹی قسمیں کھانا وغیرہ وغیرہ اس قسم کے تمام کبائر حُبِ دنیا سے پیدا ہوتے ہیں اور حدیث میں ہے حب الدنیا رأس کل خطیئۃ۔

عاقلاں میل بسویت نکنند اے دنیا ∴ ہم امید کرم و لطف تو جاہل دارد
ہر کہ خواہد بکند از تو سرا دے حاصل ∴ حاصل آنست کہ اندیشۂ باطل دارد

(سوم) رؤیۃ الغیر یعنی غیر اللہ پر نظر کرنا اور رکھنا شرک اور نفاق اور ریاء اور اس قسم کے کبائر غیر اللہ پر نظر کرنے سے پیدا ہوتے ہیں اسی بناء پر ارشاد ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ وقال تعالیٰ فَمَنْ كَانَ یَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْیَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا یُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا اور حدیث میں ہے الیسیر من الریاء شرک لہذا عاقل کو چاہیئے کہ اپنی انظار کو اغیار سے ہٹا کر واحد قہار پر لگا دے

گرچہ زند النست بر صاحب دلان ∴ ہر کجا بوے ز وصل یار نیست
ہیچ زندان عاشق محتاج را ∴ تنگ تر از صحبت اغیار نیست

(۵) اکل حلال یعنی حلال روزی سے بڑھ کر کوئی چیز اللہ کی طاعت پر آمادہ کرنے والی نہیں اکل حلال تمام طاعتوں کی جڑ ہے خوب سمجھ لو خوب سمجھ لو۔ خوب سمجھ لو۔

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ
اور ہوس مت کرو جس چیز میں بڑائی دی اللہ نے ایک کو ایک سے

لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ
مردوں کو حصہ ہے اپنی کمائی سے اور عورتوں کو حصہ ہے

مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
اپنی کمائی سے اور مانگو اللہ سے اس کا فضل اللہ کو

كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ﴿۳۲﴾
ہر چیز معلوم ہے۔

حکم چہاردہم ممانعت از رشک بتفوق دیگراں

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ .... الٰی .... اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا

(ربط) گزشتہ آیات میں یہ ارشاد فرمایا کہ شہوات کی پیروی نہ کرو اور ناحق طریقہ سے کسی کا مال نہ کھاؤ اب اس آیت میں یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ کسی کے خدا داد شرف اور فضل و امتیاز کو دیکھ کر اس پر رشک نہ کرو اور اس آرزو میں مت پڑو کہ ہم بھی ایسے ہو جائیں جیسا کہ بعض عورتوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ کاش ہم مرد ہوتے اور مردوں کی طرح جہاد کرتے اور میراث میں مرد کا دوہرا حصہ ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے جس کسی کو کوئی فضیلت اور فوقیت عطا کی ہے اس کی آرزو میں پڑنا یہ بھی ایک قسم کا اتباع شہوات ہے جس طرح ظاہری طور پر دوسرے کے مال و منال اور اس کے فضل و کمال کی طرف نظر اٹھانا ممنوع ہے اسی طرح باطنی طور پر کسی کے خدا داد تفوق اور شرف اور فضیلت کی تمنا اور آرزو بھی ممنوع ہے ہر شخص کو اپنی قسمت پر راضی رہنا چاہیے کسی کے خدا داد فضل و کمال و جاہ و جلال و مال و منال کی طرف دیکھنا حرص اور حسد کے مادہ کو ابھارتا ہے اس لیے حق تعالےٰ نے اس آیت میں اس کا حکم دے دیا کہ تم کسی کے تفوق کو دیکھ کر رشک نہ کرو اور اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے کسی کو مال و متاع اور جاہ و منصب وغیرہ امور میں جو برتری عطا کی ہے اس کی تمنا اور آرزو میں مت پڑو تاکہ یہ تمنا تم کو حسد میں مبتلا نہ کر دے اور پھر تم کو ناحق قتل کرنے اور ناحق مال کھانے پر آمادہ کرے اور اس طرح تم شہوات کے متبع اور پیرو بنکر حدود اللہ سے تعدّی کر جاؤ اور سُنَنَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ سے میل اور انحراف کر جاؤ۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور مت تمنا کرو تم اس چیز کی کہ جس کے ذریعہ اللہ تعالےٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت اور فوقیت دی ہے خواہ وہ تفضیل باعتبار دین کے ہو یا دنیا کے ہو مراد اس سے وہ فضائل و کمالات ہیں جو وہبی ہیں یعنی محض اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہیں بندہ کے عمل کو اس میں دخل نہیں جیسے حسن و جمال اور عقل و فہم اور مرد ہونا اس آیت میں اس قسم کے امور خلقیہ اور وہبیہ کی تمنا اور آرزو کی ممانعت مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ ایسے امور کی تمنا اور آرزو مت کرو جو تمہارے اختیار میں نہیں تم کو چاہیئے کہ اپنی نظر اور فکر کو ان فضائل و کمالات کے حاصل کرنے کی طرف متوجہ کرو کہ جس میں تمہارے عمل اور فعل کو دخل ہے ان فضائل اور کمالات کے حاصل کرنے کی کوشش کرو جن کا حصول تمہاری سعی اور جدوجہد اور کسب و اکتساب پر موقوف ہے کیونکہ

مردوں کے لیے حصہ ہے اس چیز سے جو انہوں نے اپنی سعی سے حاصل کیا اور عورتوں کے لیے حصہ ہے اس چیز سے جو انہوں نے اپنی سعی سے حاصل کی پس عمل کے ذریعہ فضل کو طلب کرو محض تمنا اور آرزو اس کے لیے کافی نہیں آخرت کی فضیلت اگر چاہتے ہو تو اپنی استطاعت کے مطابق کسب اور اکتساب میں دریغ نہ کرو آخرت کی فضیلت کا قانوناً دارو مدار یہی اعمال ہیں جن میں کسب اور اختیار کو دخل ہے اس لیے مِمَّا اكْتَسَبُوْا فرمایا اور مما فضلوا بہ نہیں فرمایا۔

اور اعمال اختیاریہ میں کسی کی تخصیص نہیں۔ پس اگر دوسروں پر فضیلت اور فوقیت حاصل کرنے کا شوق ہے تو فضائل کسبیہ (جن کا تعلق کسب واکتساب سے ہے) میں کوشش کرکے دوسروں سے زیادہ ثواب حاصل کر لو اور اعمال صالحہ کی دوڑ میں دوسروں سے سبقت لے جاؤ تاکہ تم کو اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو جائے۔ وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ مگر باوجود قدرت کے اعمال اختیاریہ کے کسب واکتساب میں کوتاہی اور سستی کرنا اور فضائل وھبیہ غیر اختیاریہ کی تمنا میں پڑنا محض ہوس اور فضول ہے پھر فضائل وھبیہ کی دو قسمیں ہیں ایک وہ ہیں جن میں عادۃً تغیر اور تبدل نہیں ہوتا جیسے مرد ہونا یا شریف النسب ہونا یا نبی ہونا ایسے امور کی تو دعا بھی جائز نہیں کہ کوئی عورت مرد ہونے کی دعا کرے یا کوئی جولاہا سید ہونے کی یا کوئی امتی نبی ہونے کی دعا مانگنے لگے تو ایسی دعا بھی ناجائز ہے اور ایک قسم وہ ہے جس میں عادۃً من جانب اللہ تغیر وتبدل ہوتا رہتا ہے جیسے جاہ وجلال اور امیری وفقیری تو ایسے امور وھبیہ کی تمنا اور آرزو تو محض ہوس ہے ہاں اس طرح دعا کرنا جائز ہے کہ اول ان اعمال کو اختیار کرے جن پر حصول وھب کا ترتب عادۃً ہو جاتا ہے ایسے امور وھبیہ کے لیے دعا کرنا جائز ہے جیسا کہ ارشاد ہے اور سوال کرو اللہ سے اس کے فضل کا یعنی غیر کے حصہ کی تمنا مت کرو بلکہ جو کچھ مانگنا ہے خدا کے فضل سے مانگو اس کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں جس طرح اس نے اس کو دیا ہے تم کو دے گا بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے اس کو خوب معلوم ہے کہ تمہارے حق میں کیا بہتر ہے تم تو اللہ سے اس کا فضل مانگے جاؤ اگر وہ تمہارے حق میں بہتر جانے گا تو تمہارے سوال کو پورا کر دے گا ورنہ تمہارے اس سوال اور دعا کا تم کو قیامت میں اجر عطا فرمائے گا جو تمہاری تمنا اور آرزو سے کہیں بالا ہوگا اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ علیم اور حکیم ہے اس نے جس کو جو فضیلت عطاء کی ہے وہ سراسر علم اور حکمت کے مطابق ہے تم اپنی لاعلمی اور نادانی کی وجہ سے خلجان میں مت پڑو اور کسی کی خداداد فضیلت

---

[1] دیکھو عصم الصنوف وعظ سویم از سلسلۂ البلاغ ص۲۲ اور دیکھو اسباب الفضائل وعظ ۲۲ از سلسلۂ تبلیغ ۱۲ منہ عفا اللہ عنہ۔

اور فوقیت کو دیکھ کر حرص اور تمنا اور آرزو کی دلدل میں مت پھنسو آخرت کی فضیلت اور فوقیت کا دار و مدار اعمال صالحہ پر ہے اس میں مرد اور عورت دونوں برابر ہیں ہر ایک کو اس کے اعمال کا پورا اجر ملے گا دنیا میں جو ایک دوسرے پر فضیلت اور برتری ہے اس کا دل میں خیال نہ لاؤ آخرت کی برتری جس سے حاصل ہو اس کی فکر اور کوشش کرو رہا یہ امر کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو مرد اور کسی کو عورت اور کسی کو حسین وجمیل اور کسی کو بدشکل اور بدصورت کیوں بنایا سو اس عقدہ کو کوئی حل نہیں کرسکتا۔

کس نکشود و نکشاید بحکمت ایں معمارا

گر مفلس وگر تونگرت گرد اند ∴ او مصلحتِ تو از تو بہ می داند

وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ ط

اور ہر کسی کے ہم نے ٹھہرا دیئے وارث اس مال میں جو چھوڑ جاوے ماں باپ

وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ ط

اور قرابت والے اور جن سے قرار باندھا تم نے ان کو پہنچاؤ ان کا حصہ

إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا ﴿۳۳﴾

اللہ کے روبرو ہے ہر چیز

قال تعالیٰ وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ .... الیٰ .... كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا ۝

(ربط) گزشتہ آیت میں عورتوں کی اس تمنا کا جواب تھا کہ میراث میں مرد کو بہ نسبت عورت کے دوہرا حصہ دیا جاتا ہے اب آگے ارشاد فرماتے ہیں اور ہر ایک کے لیے خواہ مرد ہو یا عورت ہم نے وارث مقرر کر دیئے ہیں اس مال میں سے جس کو ماں باپ اور قرابت دار چھوڑ جائیں ہم نے اپنی علم وحکمت سے ہر ایک کا حصہ مقرر کر دیا ہے اس میں تغیر و تبدل کرنا حدود اللہ سے تعدی کرنا ہے اور جن لوگوں سے تمہارا عہد اور پیمان ہو چکا ہے۔ یعنی جو لوگ تمہارے حلیف ہیں یا جن سے اسلام میں تمہارا بھائی چارہ ہو چکا ہے تو تم ان کو حصہ دید و بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر حاضر ہے

شروع اسلام میں حلیف کو میت کے مال میں چھٹا حصہ ملتا تھا پھر جب آیت وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِىْ كِتٰبِ اللّٰهِ نازل ہوئی تو یہ حکم منسوخ ہو گیا اور اگر نصیبھو سے بطور وصیت اور بطور احسان اور اعانت دینا مراد ہے تو یہ حکم اب بھی باقی ہے منسوخ نہیں شروع اسلام میں میراث کا یہ دستور تھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب میں سے دو دو شخصوں کو آپس میں بھائی بنا دیا تھا وہی ایک دوسرے کے وارث ہوتے بعد میں یہ آیت اتری کہ میراث تو اقارب اور رشتہ داروں ہی کا حق ہے رہے منہ بولے بھائی تو ان کے لیے میراث نہیں ہاں زندگی میں ان کے ساتھ سلوک کرو اور مرتے وقت ان کے لیے کچھ وصیت کردو تو یہ مناسب ہے مگر میراث میں ان کا کوئی حصہ نہیں ۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ

مرد حاکم ہیں عورتوں پر اس واسطے کہ بڑائی دی اللہ نے

بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ

ایک کو ایک پر اور اس واسطے کہ خرچ کیے انہوں

اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا

نے اپنے مال پھر جو نیک بختیں ہیں سو حکم بردار ہیں خبرداری کرتیاں ہیں بیٹھ پیچھے

حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَالّٰتِىْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ

اللہ کی خبرداری سے اور جن کی بدخوئی کا ڈر ہو تم کو تو ان کو سمجھاؤ

وَاهْجُرُوْهُنَّ فِى الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ

اور جدا کرو سونے میں اور مارو ان کو پھر اگر

اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ

تمہارے حکم میں آویں تو مت تلاش کرو ان پر راہ الزام کی بے شک اللہ ہے

عَلِيًّا كَبِيرًا ۝ وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا

سب سے اوپر بڑا اور اگر تم لوگ ڈرو کہ وہ دونوں آپس میں ضد رکھتے ہیں تو کھڑا کرو

حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا ۚ إِن يُرِيدَا

ایک منصف مرد والوں میں سے اور ایک منصف عورت والوں میں سے اگر یہ دونوں

إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا

چاہیں گے صلح تو اللہ ملاپ دے گا ان میں اللہ سب جانتا ہے

خَبِيرًا ۝

خبر رکھتا

حکم شانزدہم بابت معاشرۂ زوجین

قال تعالیٰ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ ... الٰی ..... اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیْمًا خَبِیْرًا ۝

(ربط) گزشتہ آیات میں میراث کے باب میں عورتوں پر مردوں کی فضیلت بیان کی اب ان آیات میں مطلقاً مردوں کی فضیلت بیان فرماتے ہیں کہ مردوں کو عورتوں پر ہر طرح کی فضیلت حاصل ہے ذاتی اور عرضی دونوں قسم کی فضیلتیں مردوں کو خدا تعالیٰ نے عطا کی ہیں اور مردوں کو عورتوں پر حاکم بنایا ہے اور ان کو اجازت دی ہے کہ بغرض تادیب و اصلاح عورتوں کو تنبیہ کریں اور اگر ضرورت پیش آئے تو مارنے کی بھی اجازت ہے تاکہ عورتوں کا شبہ بھی دور ہو جائے کہ مردوں کو دوہری میراث کیوں ملتی ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ مرد عورتوں پر دو وجہ سے حاکم اور قائم ہیں مردوں کی وجہ سے عورتوں کا وجود قائم ہے ایک وجہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر بزرگی اور بڑائی دی ہے یعنی ذاتی طور پر اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر بہت سی باتوں میں فضیلت دی ہے اور اس فضیلت کا اقتضاء یہی ہے کہ مرد عورتوں پر حاکم ہوں اور عورتیں انکی محکوم ہوں حق تعالیٰ نے بہ نسبت عورتوں کے مردوں کو عقل اور علم اور حلم اور فہم اور حسن تدبر اور قوت نظریہ اور قوت عملیہ اور قوت جسمانیہ وغیرہ وغیرہ کہیں زائد عطا کی اور نبوت اور امامت اور خلافت اور بادشاہت اور قضاء و شہادت اور وجوب جہاد اور جمعہ اور عیدین اور اذان اور خطبہ

اور جماعت اور میراث میں حصہ کی زیادتی اور نکاح کی مالکیت اور تعدد ازدواج اور طلاق کا اختیار اور بلانقصان کے نماز اور روزہ کا پورا کرنا اور حیض اور نفاس اور ولادت سے محفوظ رہنا یہ فضائل حق تعالیٰ نے مردوں ہی کو عطا کیے ہیں انہی فضائل اور خصوصیات کی بناء پر حدیث میں آیا ہے کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں کسی کے لیے حکم دیتا کہ وہ کسی کو سجدہ کرے تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔

جسمانی قوت میں عورتیں مردوں کا مقابلہ نہیں کرسکتیں اور ظاہر ہے کہ کمزور اور ناتواں کو قوی اور توانا پر نہ حکومت کا حق ہے اور نہ وہ کرسکتا ہے قضاء وقدر نے عورتوں کی سرشت میں برودت اور نزاکت رکھی ہے اور مردوں میں حرارت اور قوت رکھی ہے اسی وجہ سے فوجی بھرتی اور جنگ وجدال اور قتال اور شجاعت اور بہادری اور میدانِ جنگ میں حکومت وسلطنت کے لیے جانبازی اور سرحدوں کی حفاظت اور نگرانی اور حکومت کی بقاء کے لیے جس قدر اعمال شاقہ کی ضرورت پڑتی ہے وہ سب مردوں ہی سے سرانجام پاتے ہیں مرد کی ساخت اور بناوٹ ہی اسکی فضیلت اور فوقیت کا ثبوت دے رہی ہے اور عورت کی فطری نزاکت اور اس کا حمل اور ولادت اس کی کمزوری اور لاچاری کی کھلی دلیل ہے الغرض حق تعالیٰ نے مرد کو عورت پر دو قسم کی فضیلتیں عطا کی ہیں ایک ذاتی جس کا بیان گزر گیا اور دوسری فوقیت اور فضیلت عرضی اور کسبی ہے وہ وجہ یہ ہے کہ مردوں نے عورتوں پر اپنے مالوں میں سے بہت کچھ خرچ کیا ہے یہ مردوں کے عورتوں پر حاکم ہونے کی دوسری وجہ ہے اور یہ امر کسبی اور عرضی ہے یعنی مرد عورتوں پر اسلیے حاکم ہیں کہ انہوں نے عورتوں پر اپنے مال خرچ کرکے کہ ان کو مہر دیا اور ان کا نفقہ اور خرچ اپنے ذمہ لیا تو مرد عورتوں کے محسن ہوئے اور محسن کو حکومت کا حق ہے کیونکہ وہ عورتوں کا آقا اور ولی نعمت ہے اپنے سے زیادہ ان کی راحت رسانی کا خیال رکھتا ہے ان ذاتی اور عرضی فضائل اور وہبی اور کسبی کمالات کی بناء پر حکمۃِ قضاء وقدر نے مرد کو عورت پر حاکم مقرر کیا اور مرد کو سرداری کی سند عطا کی اور ظاہر ہے کہ دینے والا ہاتھ اوپر ہوتا ہے اور لینے والا ہاتھ نیچے غرض کہ ان وجوہ کی بنا پر عورتوں کو مردوں کا تابع اور محکوم بنایا۔

عقلی احتمالات

اس مقام پر عقلی احتمالات صرف تین ہیں (۱) مرد حاکم ہو اور عورت محکوم (۲) عورت حاکم ہو مرد محکوم (۳) مرد اور عورت دونوں برابر ہوں نہ کوئی کسی کا حاکم ہو اور نہ کوئی کسی کا محکوم اسکے علاوہ اور کوئی احتمال عقلی ذہن میں نہیں آتا۔

شریعت نے پہلے احتمال کو اختیار کیا یعنی مرد کو حاکم اور عورت کو اس کا محکوم قرار دیا اور اس پر یہ حکم دیا کہ مرد چونکہ حاکم اور بالادست ہے اس لیے عورت کے تمام مصارف کی ذمہ داری مرد پر ہے اور مرد ہی پر مہر واجب ہے پس اگر عورتیں یہ چاہیں کہ ہم حاکم بنیں اور مرد ہمارے محکوم بنیں (جیسا کہ دوسرا احتمال ہے) تو پھر عورتوں کو چاہیئے کہ مرد کے تمام مصارف کی کفیل اور ذمہ دار عورتیں بنیں اور عورتوں ہی پر مردوں کا مہر واجب ہو اور نکاح کے بعد جو اولاد ہو اس کی خورد و نوش اور ان کی تعلیم و تربیت کے کل مصارف کی ذمہ دار عورتیں ہی ہوں حتی کہ مکان کا کرایہ بھی عورتوں کے ذمہ ہو جس طرح مرد حاکم ہونے کی صورت میں ان تمام مصارف کا کفیل اور ذمہ دار تھا اسی طرح جب عورتیں مردوں کی حاکم بنیں تو بجائے مرد کے عورتیں ان تمام مصارف اور اخراجات کی کفیل اور ذمہ دار بنیں اور اگر عورتیں تیسرا احتمال اختیار کرتی ہیں کہ مرد اور عورت دونوں برابر رہیں نہ کوئی حاکم ہو اور نہ کوئی محکوم تو پھر اس کا تقاضا یہ ہے کہ مہر تو پہلے ہی مرحلہ میں ختم ہو جائے گا اور پھر نان نفقہ کا مسئلہ بھی ختم ہو جائے گا اس لیے مساوات یعنی برابری کا تقاضا یہ ہے کہ ہر ایک اپنا اپنا ذمہ دار رہے اور خانگی مصارف خورد و نوش و بنگلہ کا کرایہ آدھا مرد پر اور آدھا عورت پر واجب ہو اور بچوں کے خورد و نوش اور ان کے تعلیمی مصارف آدھے باپ کے ذمہ اور آدھے ماں کے ذمہ رہیں اور مرد اور عورت اپنے اپنے ذاتی مصارف مثلاً لباس وغیرہ کے بطور خود الگ الگ ذمہ دار رہیں عورتیں اگر حقوق میں مرد کی مساوات چاہتی ہیں تو مصارف اور ذمہ داریوں میں بھی تو مساوات کو قبول کریں ہر مساوی اپنا اپنا کفیل اور ذمہ دار ہوتا ہے دوسرے مساوی کا کفیل اور ذمہ دار نہیں ہوتا غرض یہ کہ شریعت نے جو مرد کے حاکم ہونے کا فیصلہ کیا ہے وہ نہایت عادلانہ اور حکیمانہ فیصلہ ہے اور عورتوں کے حق میں اس سے زیادہ نافع اور مفید کوئی فیصلہ نہیں ہو سکتا عورتوں پر اس فیصلہ کا شکر واجب ہے کہ حق تعالیٰ نے ان کے ضعف اور کمزوری اور وسائل معاش سے لاچاری اور مجبوری کی بناء پر اس کو شوہر کا محکوم بنا کر پیکر محبوبیت و نزاکت بنایا کہ مرد پر ناز کرے اور تمام مصارف اور ذمہ داریوں سے اس کو سبکدوش کر دیا پس نیک بخت ہیں وہ عورتیں جو اپنے مردوں کی فرمانبردار ہیں اور ان کی فضیلت اور برتری کو ملحوظ رکھ کر اطاعت گزار ہیں اور غائبانہ اپنے شوہروں کے مال اور ناموس کی حفاظت اور نگہبانی کرتی ہیں اللہ کی حفاظت سے یعنی اللہ کے حکم کے مطابق کہ اس نے حکم دیا ہے کہ شوہروں کی عدم موجودگی میں ان کے مال اور ناموس کی حفاظت کرنا یا معنی یہ کہ اللہ کی نیک توفیق سے یہ کام کرتی ہیں اور اپنے نفس و ناموس میں اور شوہر کے مال و متاع میں کسی قسم کی خیانت نہیں کرتیں۔

خلاصۂ کلام

جب مردوں کو ذاتی فضائل اور کمالات کے علاوہ یہ فضیلت اور فوقیت بھی حاصل ہے کہ مرد عورتوں پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں اور ان کی خوراک اور پوشاک اور جملہ ضروریات کا تکفل کرتے ہیں تو عورتوں کو چاہیئے

کہ مردوں کی حکم برداری کریں کیونکہ مرد ان کے آقا اور ولی نعمت اور محسن ہیں یہ تو نیک بخت عورتوں کا حال بیان ہوا۔

اب آیندہ آیت میں ان عورتوں کا حال بیان کرتے ہیں جو نیک بخت نہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور جن عورتوں کی سرکشی اور بدخوئی کا تم کو ڈر ہو جس کی علامت یہ ہے کہ عورت شوہر کی بات کا سختی سے جواب دے اور جب وہ اس کو اپنے پاس بلائے تو اس کے بلانے کی کچھ پروا نہ کرے یہ علامت ہے اس بات کی کہ وہ عورت شوہر کے سر چڑھنے لگی اور نشوز کے اصلی معنی اونچے ہونے کے ہیں پس جن عورتوں کے متعلق یہ محسوس ہو کہ وہ سر چڑھنے لگی ہیں تو ان کی تادیب اور تنبیہ کا پہلا درجہ یہ ہے کہ ان کو نصیحت اور فہمائش کرو اور نشوز کی برائی ان پر ظاہر کرو اور یہ بتلاؤ کہ تم پر میرا حق ہے اور میری اطاعت تم پر فرض ہے لہذا اپنے نشوز سے باز آجاؤ اور اگر تمہارے سمجھانے اور نصیحت کرنے سے بھی باز نہ آئیں تو پھر تادیب و تنبیہ کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ ان کو بستروں اور خوابگاہوں میں تنہا چھوڑ دو یعنی ان کے پاس سونا چھوڑ دو شاید وہ تمہاری اس بے التفاتی سے متاثر ہو کر اپنے نشوز سے باز آجائیں اور اگر وہ تمہارے بستروں سے الگ ہونے سے بھی متاثر نہ ہوں تو اخیر علاج یہ ہے کہ تم ان کو مارو اور مار کر درست کرو۔

حدیث میں ہے کہ عورت کے منہ پر نہ مارنا ایسا مارے کہ چوٹ زیادہ لگ جائے اور ہڈی ٹوٹ جائے بعض تفسیروں میں ہے کہ مسواک وغیرہ سے مارے مگر چہرہ پر نہ مارے اور ایسا بھی نہ مارے کہ بدن پر نشان پڑ جائے امام شافعی فرماتے ہیں کہ مارنا مباح اور جائز ہے مگر نہ مارنا افضل ہے پس اگر عورتیں تمہاری نصیحت یا علیحدگی یا ضرب و تادیب کے بعد تمہاری مطیع اور فرمانبردار ہو جائیں اور اپنی بدخوئی اور سرکشی سے باز آجائیں تو پھر تم ان کے ستانے کیلئے الزام کی راہ مت تلاش کرنا کہ ان پر ناحق الزام رکھ کر درپئے آزار ہو اور عورتوں کو عاجز سمجھ کر کسی قسم کی زیادتی ان پر نہ کرو بے شک اللہ تعالیٰ نے بہت بلند مرتبہ اور سب سے بڑا ہے کہ وہ اس بات پر قادر ہے کہ ظالم مردوں سے مظلوم عورتوں کا بدلہ لے اور تمہیں اپنی عورتوں پر وہ قدرت نہیں کہ جو اس علی کبیر کو تمام عالم پر حاصل ہے پس جب وہ علی کبیر باوجود اپنے رفعت اور کبریائی اور علوشان کے تم سے نرمی کا معاملہ کرتا ہے تو تم بھی اپنی عورتوں سے نرمی کا معاملہ کرو اور خوب جان لو کہ جس قدر تم اپنے ماتحتوں پر قدرت رکھتے ہو اس سے کہیں زیادہ اللہ تعالیٰ تم پر قدرت رکھتا ہے اور اے مسلمانوں اگر تم کو یہ معلوم ہو جائے کہ میاں اور بیوی کے درمیان مخالفت ہے اور ایسی سخت کشمکش ہے کہ جس کو وہ باہم نہیں سلجھا سکے اور نہ یہ معلوم ہو سکا کہ قصور کس کا ہے اور دن بدن بدمزگی بڑھ رہی ہے تو اس مخالفت کے تصفیہ کا طریقہ یہ ہے کہ ایک پنچ یعنی ایک منصف جس میں تصفیہ کی صلاحیت ہو اور نیک ہو مرد کے

خاندان سے مقرر کردا اور ایک پنچ اور منصف عورت کے کنبہ اور خاندان سے پنچ کے مرد اور عورت کے اقارب میں سے ہونے کی قید اس لیے لگائی کہ اقارب کو بہ نسبت اجانب کے خانگی امور کا علم زیادہ ہوتا ہے نیز اقارب بہ نسبت اجانب کے صلح کرانے میں زیادہ کوشش کریں گے اور یہ شرط بطور استحباب کے ہے اگر دونوں پنچ مرد اور عورت کے کنبہ سے نہ ہوں اور اجنبی ہوں تو تب بھی جائز ہے اور دو پنچ مقرر کرنے میں مصلحت یہ ہے کہ مرد کا پنچ مرد سے اور عورت کا پنچ عورت سے تخلیہ میں ان کی دلی مرضی کو معلوم کرلے گا کہ نکاح پر قائم رہنا چاہتے ہیں یا نکاح سے علیحدہ ہونا چاہتے ہیں اگر یہ دونوں پنچ حقیقۃً اصلاح کا ارادہ کریں گے اور اپنے اپنے کنبہ کی پاسداری اور طرف داری نہ کریں گے تحقیق حال کے بعد جس کا جتنا قصور دیکھیں گے اس کو سمجھا کر راہ راست پر لانے کی کوشش کریں گے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں یعنی میاں بیوی کے درمیان موافقت کرا دیگا بے شک اللہ تعالیٰ بڑا جاننے والا اور خبردار ہے اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ میاں بیوی کے پنچ کس راہ پر جا رہے ہیں اور ان کی کیا نیت ہے ۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا

اور بندگی کرو اللہ کی اور ملاؤ مت اس کے ساتھ کسی کو اور

وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى

ماں باپ سے نیکی اور قرابت والے سے اور یتیموں سے

وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَ

اور فقیروں سے اور ہمسایہ قریب سے اور ہمسایہ اجنبی سے اور برابر کے

الصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ

رفیق سے اور راہ کے مسافر سے اور اپنے ہاتھ کے

اَيْمَانُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۝۳۶

مال سے اللہ کو خوش نہیں آتا جو کوئی ہو اتراتا بڑائی کرتا

الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَ

وہ جو بخل کرتے ہیں اور سکھاتے ہیں لوگوں کو بخل اور

يَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاَعْتَدْنَا

چھپاتے ہیں جو ان کو دیا اللہ نے اپنے فضل سے اور رکھی ہے

لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۳۷﴾ وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ

ہم نے منکروں کو ذلت کی مار اور وہ جو خرچ کرتے ہیں

اَمْوَالَهُمْ رِئَاۗءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا

اپنے مال لوگوں کو دکھانے کو اور یقین نہیں رکھتے اللہ پر اور نہ

بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَاۗءَ

پچھلے دن پر اور جس کا ساتھی ہوا شیطان تو بہت برا ساتھی ہے

قَرِيْنًا ﴿۳۸﴾ وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ

اور کیا نقصان تھا ان کا اگر یقین لاتے اللہ پر اور پچھلے

الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ

دن پر اور خرچ کرتے اللہ کے دیئے میں سے اور اللہ کو ان کی

عَلِيْمًا ﴿۳۹﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ

خوب خبر ہے اللہ حق نہیں رکھتا کسی ایک کا ذرہ برابر اور اگر نیکی

حَسَنَةً يُّضٰعِفْھَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾

ہو تو اس کو دونا کرے اور دیوے اپنے پاس سے بڑا ثواب

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا

پھر کیا حال ہوگا جب بلادیں گے ہم ہر امت میں سے احوال کہنے والا

بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا ﴿٤١﴾ يَوْمَئِذٍ يَوَدُّ الَّذِينَ

اور بلادیں گے تجھ کو ان لوگوں پر احوال بتلانے والا اس دن آرزو کریں گے جو لوگ

كَفَرُوا وَعَصَوُا الرَّسُولَ لَوْ تُسَوَّىٰ بِهِمُ الْأَرْضُ

منکر ہوئے تھے اور رسول کی بے حکمی کی تھی کسی طرح ملا دیجیے ان کو زمین میں

وَلَا يَكْتُمُونَ اللَّهَ حَدِيثًا ﴿٤٢﴾

اور نہ چھپا سکیں گے اللہ سے ایک بات

قال تعالیٰ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهٖ شَيْئًا ... الخ ... وَلَا يَكْتُمُونَ اللّٰهَ حَدِيثًا

(ربط) یہاں تک یتامیٰ اور ورثہ اور زوجین کے حقوق کو بیان فرمایا اب یہاں سے عام لوگوں کے حقوق کو بیان فرماتے ہیں کہ والدین اور اقارب اور احباب کے ساتھ کیا معاملہ رکھنا چاہیے اور سب سے پہلے حق تعالیٰ نے اپنے حق کو یعنی ایمان اور عبادت کو بیان فرمایا کہ خالق کا حق مخلوق کے حق سے مقدم ہے اور حقوق العباد بھی صحیح طور پر وہی شخص ادا کر سکتا ہے جو شخص اللہ اور اس کے رسول اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسی لیے سب سے مقدم ایمان کو بیان فرمایا پھر اعمال صالحہ اور مکارم اخلاق کی تعلیم دی پھر بخل اور تکبر اور ریاء کی مذمت بیان فرمائی اس لیے کہ تکبر اور بخل حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی میں حارج اور مزاحم ہوتے ہیں اور حدود اللہ سے تعدی کا سبب بنتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور عبادت کرو تم خدا تعالیٰ کی اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو یعنی عبادت خالص اسی کی کرو اور عبادت اور ربوبیت میں کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ یہ تو اللہ تعالیٰ کا حق ہوا اور مخلوق کا حق یہ ہے کہ ماں باپ کے ساتھ سلوک اور احسان

کرو اگرچہ وہ کافر ہوں والدین کی حق تربیت کا شکر بجا لانا فرض اور واجب ہے اور قرابت داروں کے ساتھ سلوک اور احسان کرو صلہ رحمی مکارم اخلاق کی جڑ ہے اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ بھی احسان کرو جو یتیموں اور مسکینوں پر رحم کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرتا ہے اور یتیم کو مسکین پر اس لیے مقدم کیا کہ یتیم دو طرح سے عاجز ہے ایک تو صغیر اور کمسن ہونے کی وجہ سے کسی پر اپنی حاجت کا اظہار نہیں کر سکتا دوسرے یہ کہ اس کا کوئی ولی اور سرپرست نہیں اور مسکین صرف ایک وجہ سے عاجز ہوتا ہے یعنی صرف اپنے فقر و فاقہ کی وجہ سے اور قریب کے پڑوسی اور دور کے پڑوسی کے ساتھ بھی سلوک اور احسان کرو جو ہمسایہ تمہارے قریب رہتا ہے وہ قریبی ہمسایہ ہے اور جو تم سے کچھ فاصلہ پر رہتا ہے وہ دور کا ہمسایہ ہے امام زہری سے منقول ہے کہ پڑوس کی حد چالیس گھر ہے یعنی ہر شخص کے گھر سے چاروں طرف چالیس چالیس گھر تک اس کا پڑوس ہے اور رفیق مجلس کے ساتھ بھی سلوک اور احسان کرو یعنی اپنے پاس بیٹھنے والے دوستوں اور اپنے ہم سبقوں اور ہم جماعتوں کے ساتھ احسان کرو ان کے حق صحبت کو ملحوظ رکھو اور مسافر یعنی راستہ کے ساتھی کے ساتھ بھی سلوک اور احسان کرو اور جن باندی اور غلاموں اور مویشیوں کے تمہارے ہاتھ مالک ہیں اور تمہارے قبضہ میں ہیں ان کے ساتھ بھی سلوک و احسان کرو باندی اور غلام کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرو اور جانوروں پر اتنا بوجھ نہ لادو جس کا وہ تحمل نہ کر سکیں غرض یہ کہ ان سب کے حقوق کو ادا کرو تحقیق اللہ تعالیٰ اس شخص کو دوست نہیں رکھتا جو متکبر ہو یعنی جو دل سے اپنے کو بڑا خیال کرے اور دوسرے کو حقیر سمجھے اور زبان سے اپنی بڑائی کرتا ہو یعنی خدا تعالیٰ نے جو اس کو دوسروں سے زائد نعمت دی ہے اس پر فخر کرتا ہو اور کمتر کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہو خدا تعالیٰ نے جس کسی کو کچھ دیا وہ بلا استحقاق محض اپنے فضل سے دیا پھر فخر کس بات پر کرتا ہے نیز جو خود بخل کرتے ہیں اور دوسروں کو بخل کی ترغیب دیتے ہیں جیسے اس زمانہ میں ماہرین علم اقتصاد اور خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے جو ان کو مال و دولت دیا ہے اس کو چھپاتے ہیں کہ کوئی حاجت مند ہمارا مال دیکھ کر ہم سے سوال نہ کر بیٹھے اس ڈر کے مارے اپنے کو مفلس ظاہر کرتے ہیں اس میں مال اور علم دونوں داخل ہیں مستحق سے مال کا اور علم کا چھپانا ناجائز ہے اور ہم نے ایسے ناشکروں کے لیے ذلت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے متکبر اور بخیل دنیا میں بھی ذلیل ہے اور آخرت میں بھی۔

بخیل ار بود زاہد بحر و بر ⁂ بہشتی نباشد بحکم خبر

اور وہ لوگ جو ظاہر میں بخیل نہیں معلوم ہوتے اپنے مالوں کو لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتے ہیں یعنی محض اپنی نمود اور شہرت کے لیے خرچ کرتے ہیں اور اللہ اور روز آخرت پر ایمان نہیں رکھتے خرچ کرنے سے ثواب آخرت انہیں مقصود نہیں ہوتا تو ایسے لوگوں کو بھی اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا ان کا دوست تو شیطان ہے اور شیطان جس کا ساتھی اور دوست ہو تو وہ بہت ہی برا ساتھی اور بہت ہی برا دوست ہے یہ یار تو مار (سانپ) سے بھی برا ہے اور ان پر کیا مصیبت

آجاتی اور ان کا کیا بگڑ جاتا اگر یہ لوگ اللہ اور روز آخر پر ایمان لے آتے اور اس کثیر مال میں سے جو اللہ تعالیٰ نے ہی ان کو دیا ہے کچھ اس کی راہ میں خرچ کر ڈالتے یعنی یہ لوگ اگر یہ کام کرتے تو ان کا کیا حرج ہو جاتا ان کاموں میں تو ان کا نفع ہی تھا مَاذَا عَلَيْهِمْ سے ان کی جہالت اور حماقت پر توبیخ مقصود ہے کہ ان نادانوں نے اس شئ کو جس میں اعلیٰ درجہ کا نفع تھا اس کو ضرر اور نقصان کی شئ سمجھا اور اللہ تعالیٰ ان کو خوب جانتا ہے یعنی جو لوگ اپنی نمود اور شہرت کے لیے اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کو ان کی نیتوں کا حال خوب معلوم ہے تحقیق اللہ تعالیٰ ذرہ برابر بھی کسی پر ظلم نہیں کرتا ہر ایک کو اس کے نیک عمل کا پورا ثواب دیتا ہے ایمان لانے والوں اور راہ خدا میں خرچ کرنے والوں کو آخرت کے دن ضرور ثواب دے گا اور اگر وہ عمل ذرہ برابر نیکی ہو گی تو جہاں تک چاہے گا تو اس کے ثواب اور اجر کو بڑھائے گا یعنی اس کے ثواب کی کوئی حد مقرر نہیں جس قدر چاہتا ہے بڑھاتا چلا جاتا ہے کسی کو دس گونہ اور کسی کو دس لاکھ الی غیر النہایۃ زیادتی کا مدار نیت اور اخلاص پر ہے جتنا جس کا اخلاص ہو گا اتنا ہی خدا اس کی نیکی کو بڑھائے گا اور اس کے علاوہ اپنے پاس سے اجر عظیم دے گا یعنی عمل کے مقابلہ میں جو وعدہ کیا ہے اس کے علاوہ اپنے فضل وکرم سے اور زیادہ دے گا پس کیا حال ہو گا ان لوگوں کا جو نہ اللہ کے حقوق ادا کرتے ہیں اور نہ بندوں کے جس وقت کہ ہم حاضر کریں گے ہر امت میں سے ایک گواہی دینے والا یعنی اس امت کا نبی جو ان پر ان کے بھلے اور برے کی گواہی دے اور اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہم آپ کو ان لوگوں پر گواہی دینے کے لیے حاضر کریں گے یعنی قیامت کے دن ہر نبی اپنی امت کی نافرمانی اور فرمانبرداری کو بیان کرے گا اور اس بات کی گواہی دے گا کہ میں نے اللہ کے احکام امت تک پہنچا دیئے تھے امتیں ان کی تکذیب کریں گی اس وقت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم انبیاء سابقین کی صداقت پر گواہی دیں گے آپؐ کی گواہی کے بعد مجرمین پر جرم ثابت ہو جائے گا اور کافروں کے لیے عجب پریشانی اور اضطراب کا وقت ہو گا اس وقت وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور پیغمبر کی نافرمانی اور عدول حکمی کی یہ تمنا کریں گے کہ کاش ہم زمین کے پیوند ہو جائیں مطلب یہ کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بہائم اور وحوش اور طیور اور درندوں سے کہے گا کہ تم سب مٹی ہو جاؤ وہ سب مٹی ہو جائیں گے اور زمین ان سے ہموار کر دی جائے گی اس حال کو دیکھ کر کافر یہ آرزو اور تمنا کریں گے کہ کاش وہ بھی جانوروں کی طرح زمین کے ساتھ ہموار کر دیئے جاتے اور ان کی طرح مٹی ہو جاتے تاکہ عذاب سے رہائی پاتے جیسا کہ سورۂ نبأ میں ہے وَيَقُولُ الْكَافِرُ يَا لَيْتَنِي كُنْتُ تُرَابًا یعنی قیامت میں کافر یہ کہے گا کہ کاش میں مٹی ہوتا اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے کوئی بات چھپا نہیں سکیں گے شروع میں اگرچہ اپنے کفر وشرک کا انکار کریں گے اور یہ کہیں گے وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ خدا

کی قسم ہم مشرک نہ تھے مگر اس کے بعد ان کے منہ پر مہر لگادی جائے گی اور ان کے اعضاء اور جوارح کو حکم ہوگا کہ وہ شہادت دیں چنانچہ اعضاء وجوارح ان تمام اعمال کی شہادت دیں گے جو انہوں نے کیے ہوں گے اور پھر ذرہ ذرہ کا حساب ہوگا -

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ

اے ایمان والو! نزدیک نہ ہو نماز کے

وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ

جب تم کو نشہ ہو جب تک کہ سمجھنے لگو جو کہتے ہو

وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا

اور نہ جب جنابت میں ہو مگر راہ چلتے ہوئے جب تک کہ غسل کرلو

وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ

اور اگر تم مریض ہو یا سفر میں یا آیا ہے کوئی شخص

مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا

تم میں جائے ضرور سے یا لگے ہو عورتوں سے پھر نہ پایا

مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَ

پانی تو ارادہ کرو زمین پاک کا پھر ملو اپنے منہ کو اور

اَيْدِيْكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۴۳﴾

ہاتھوں کو اللہ ہے معاف کرنے والا بخشتا

حکم ششم متعلق بہ صلوٰۃ وطہارت

قال تعالیٰ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ ... الیٰ ... اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا

(ربط) گزشتہ آیت میں عبادت کا ذکر تھا اور ایمان کے بعد تمام عبادتوں میں سب سے بڑی عبادت نماز ہے اس لیے اس آیت میں نماز کے آداب کو بیان فرماتے ہیں کہ نشہ کی حالت میں نماز نہ پڑھو کیونکہ نشہ کی حالت میں آدمی کو یہ علم نہیں رہتا کہ میں نماز میں کیا پڑھ رہا ہوں اور کس ذات بابرکات کے سامنے کھڑا ہوں اور اس سے کیا عرض و معروض کر رہا ہوں یہ حکم اس وقت تھا کہ جب تک شراب کی حرمت نازل نہیں ہوئی تھی چند صحابہ ایک دعوت میں جمع تھے چونکہ ابھی تک شراب حرام نہیں ہوئی تھی اس لیے ان لوگوں نے شراب پی مغرب کا وقت آگیا تو اسی حالت میں نماز کے لیے کھڑے ہو گئے اور عبدالرحمٰن بن عوف نے نماز پڑھائی اور قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ لَآ أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ کی جگہ أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ نشہ کی حالت میں پڑھ دیا جس سے معنی بالکل غلط ہو گئے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور قطعاً اس کی ممانعت کر دی گئی کہ نشہ کی حالت میں نماز کے قریب بھی نہ آئیں اس آیت کے نازل ہونے کے بعد صحابہؓ نے اوقات نماز میں شراب پینا چھوڑ دی دوسرا ادب نماز کا اس آیت میں یہ بتلایا کہ حالت جنابت میں نماز نہ پڑھنا حالت جنابت میں انسان شیاطین کے مشابہ ہو جاتا ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں اے ایمان والو ایمان کا مقتضیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے حیا کرو اور اس سے شرماؤ اور من جملہ حیاء کے یہ ہے کہ تم نشہ کی حالت میں نماز کے نزدیک نہ جاؤ یہاں تک کہ تم سمجھو اور جانو کہ تم اپنی زبان سے کیا کہہ رہے ہو اور کس ذات پاک سے مناجاۃ اور خطاب کر رہے ہو اور کیا خطاب کر رہے ہو نہ معلوم اس حالت میں تمہارے منہ سے کیا کلمہ نکل جائے اور سکران یعنی مست وہ ہے کہ جو اپنے کہے ہوئے کو نہ سمجھتا ہو اور بعض کہتے ہیں کہ سکران وہ ہے جو مرد اور عورت میں فرق نہ کرے یا زمین اور آسمان میں تمیز نہ کرے یا چلنے میں لڑکھڑاتا ہو۔

اور نہ حالت جنابت میں (جب کہ تم ناپاک ہو اور غسل تم پر فرض ہو) نماز کے قریب جاؤ جب تک غسل نہ کر لو مگر ہاں بحالت سفر جب کہ پانی نہ ملے تو پھر تیمم کر کے نماز پڑھ سکتے ہو یعنی حالت جنابت میں بغیر غسل کے نماز پڑھنے کی اجازت نہیں مگر سفر میں تیمم کر کے نماز پڑھنا جائز ہے جس کا حکم آئندہ آیت میں آتا ہے اور سفر سے عذر کی حالت مراد ہے یعنی عذر کی حالت میں تیمم جائز ہے چونکہ اس آیت میں اجمالی طور پر تیمم کی طرف اشارہ فرمایا اس لیے آئندہ آیت میں اسباب عذر اور مواقع تیمم کو بیان فرماتے ہیں کہ چاروں حالتوں میں تیمم جائز ہے۔ بیماری۔ اور مسافری۔ اور حدث اصغر یعنی پیشاب اور پیخانہ کرنے کے بعد اور حدث اکبر یعنی اپنی عورتوں سے صحبت کے بعد مگر ان چاروں صورتوں میں شرط یہ ہے کہ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً یعنی پانی نہ ملے ان چار حالتوں میں پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم جائز ہے پس فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً کی

قید ان چاروں قسموں سے متعلق ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور اگر تم مریض ہو یا مسافر ہو یا تم میں سے کوئی شخص پیشاب یا پاخانہ سے فارغ ہو کر جائے ضرور سے آیا ہے یعنی قضاء حاجت کرکے آیا ہے یا تم نے عورتوں سے مباشرت اور اختلاط کیا ہے پھر ان تمام صورتوں میں تم طہارت صغریٰ اور طہارت کبریٰ یعنی وضوء اور غسل کے لیے پانی نہ پاؤ جس سے تم حدث اصغر اور حدث اکبر کو زائل کرسکو پانی نہ ملنے کا مطلب یہ ہے کہ پانی موجود ہی نہ ہو یا موجود تو ہو مگر بیماری اور معذوری کی وجہ سے استعمال نہ کرسکتا ہو تو یہ بھی نہ ہونے ہی کے حکم میں ہے پس تم ان تمام حالتوں میں طہارت حاصل کرنے کے لیے تیمم کرو جس کا طریقہ یہ ہے کہ تم پاک زمین کا قصد کرو پس مسح کرلو اپنے چہروں پر اور اپنے ہاتھوں پر پاک زمین کا قصد کرنا یہ تو تیمم کی نیت ہوئی اور چہروں اور ہاتھوں پر مسح کرلینے کا نام تیمم ہے بے شک اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے اور بڑے بخشنے والے ہیں کہ اس نے اپنی رحمت سے مٹی کو پانی کے قائم مقام کردیا کہ جو پانی سے بھی زیادہ سہل الوصول ہے اور تمہارا مبداء اور منتہی ہے مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَىٰ اور تواضع اور خاکساری کا خاص نشان ہے جو ظاہری اور باطنی نجاستوں کے زائل کرنے میں پانی سے کم نہیں

فوائد۔ (۱) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ میں مفسرین کے دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ آیت میں صلوٰۃ سے نماز مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ تم نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ یہاں تک کہ تم سمجھنے لگو کہ تم زبان سے کیا کہہ رہے ہو اور دوسرا قول یہ ہے کہ صلوٰۃ سے موضع صلوٰۃ یعنی مسجد مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ نشہ کی حالت میں مسجد میں نہ جایا کرو جب نشہ اتر جایا کرے اور ہوش آجائے اور اپنے قول کو سمجھنے لگو کہ کیا کہتے ہو اس وقت جایا کرو (۲) اور علیٰ ہذا وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ میں بھی دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ عَابِرِي سَبِيلٍ سے مسافر مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ حالت جنابت میں نماز کے قریب مت جاؤ جب تک غسل نہ کرو الایہ کہ تم مسافر ہو اور وہاں تم کو پانی نہ ملے تو تیمم کرکے نماز پڑھ لو یہ قول حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور عبداللہ بن عباسؓ اور مجاہدؒ اور قتادہؒ کا ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ سے نفس نماز مراد ہے اور دوسرا قول عبداللہ بن مسعودؓ اور سعید بن مسیبؒ اور اور عطاءؒ وغیرہم کا ہے کہ عَابِرِي سَبِيلٍ سے عبور فی المسجد یعنی مسجد سے گزرنا مراد ہے ان حضرات کے نزدیک لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ میں صلوٰۃ سے مواضع صلاۃ یعنی مساجد مراد ہیں اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ نشہ کی حالت اور جنابت کی حالت میں مسجد میں مت جاؤ مگر یہ کہ گزرتے چلے جاؤ اس فریق کے نزدیک جس شخص کو نہانے کی حاجت ہو اس کو مسجد میں سے گزر جانا روا ہے

اور فریق اول کے نزدیک حالت جنابت میں مسجد سے گزر جانا جائز نہیں یہ امام ابوحنیفہؒ کا مذہب ہے فریق ثانی کے نزدیک حالت جنابت میں بیٹھنا اور ٹھہرنا تو گناہ ہے مگر مسجد سے گزر جانا گناہ نہیں اور یہی امام شافعیؒ کا مذہب ہے دلائل کی تفصیل امام فخر الدین رازیؒ اور امام ابو بکر جصاصؒ کے کلام میں دیکھیے (۳) فریق اول یعنی حضرت علیؓ اور عبداللہ بن عباسؓ اور امام ابوحنیفہؒ کے قول کی بناء پر اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ کے استثناء کا تعلق فقط وَلَا جُنُبًا سے ہے اور اَنْتُمْ سُکٰرٰی سے اس کا کچھ تعلق نہیں اور فریق ثانی یعنی عبداللہ بن مسعودؓ اور امام شافعیؒ کے قول کی بناء پر اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ کا تعلق دونوں حالتوں سے ہے یعنی وَاَنْتُمْ سُکٰرٰی اور وَلَا جُنُبًا دونوں سے متعلق ہے اور دونوں حالتوں کے حکم سے استثناء ہے کذا فی تفسیر ابی السعود وروح المعانی وروح البیان (۴) آیت اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ میں ائمہ تفسیر کے دو قول ہیں حضرت علیؓ اور عبداللہ بن عباسؓ اور قتادہؒ اور مجاہدؒ اور حسن بصریؒ اور امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک ملامستہ نساء (عورتوں کے چھونے سے) صحبت اور جماع مراد ہے اور عبداللہ بن مسعودؓ اور عبداللہ بن عمرؓ اور شعبیؒ اور نخعیؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک ایک جسم کا دوسرے جسم سے اتصال یعنی لگ جانا مراد ہے خواہ جماع سے یا بغیر جماع کے اس اختلاف کا نتیجہ یہ ہے کہ فریق اول کے نزدیک عورت کو چھو دینے سے وضوء نہیں ٹوٹتا اور فریق ثانی کے نزدیک ٹوٹ جاتا ہے (۵) صَعِیْدًا کے معنی روئے زمین اور طَیِّبًا کے معنی طاہر کے ہیں یعنی وہ زمین جس پر تیمم کیا جائے پاک ہو نجس نہ ہو زجاجؒ اور امام اعظمؒ کے نزدیک زمین کے تمام سطح کا نام صعید ہے خواہ وہ مٹی ہو یا وہ پاک پتھر ہو جس پر مٹی اور غبار کا نام و نشان بھی نہ ہو اس سے بھی تیمم جائز ہے اگر متیمم ایسے پتھر پر اپنا ہاتھ مار کر اپنے منہ اور ہاتھوں کا مسح کرے تو کافی ہے لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک صعید سے مراد صرف مٹی ہے پس ان کے نزدیک ایسے پتھر سے تیمم جائز نہیں ہے جس پر مٹی یا غبار نہ ہو امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ لفظ صعید صعود سے مشتق ہے جس کے معنی اوپر کو چڑھنے کے ہیں یہ اشتقاق اسبات کو مقتضی ہے کہ تیمم ایسی چیز سے ہونا چاہیے جو بالطبع اوپر چڑھنے والی ہو یعنی مٹی یا غبار سے (۶) تیمم کی کیفیت میں فقہاء کا اختلاف ہے امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اور اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ تیمم میں دو ضربیں ہیں اول دفعہ ہاتھ مٹی پر مار کے منہ پر پھیرے اور دوسری دفعہ ہاتھ مار کر کہنیوں تک پھیرے اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ایک ہی دفعہ ہاتھ زمین پر مار کے منہ پر اور ہاتھوں پر پھیرے کہنیوں تک پھیرنا ضروری نہیں احادیث کثیرہ اور قیاس علی الوضوء پہلے ہی قول کی تاکید کرتی ہیں اور احتیاط بھی اسی میں ہے (۷) عبدالرحمن بن عوفؓ کا نشہ کی حالت میں نماز مغرب میں بجائے لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ کے اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ پڑھ دینا جس سے معنی بالکل برعکس ہو گئے یہ اس امر کی دلیل ہے کہ نشہ کی حالت میں اگر زبان سے کوئی کلمہ کفر اور شرک نکل جائے اور اس کو مطلق اس کی

خبر نہ ہو کہ میری زبان سے کیا نکلا ہے تو ایسا شخص عنداللہ کافر نہ ہوگا۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ

تو نے نہ دیکھے جن کو ملا ہے کچھ ایک حصہ کتاب سے خرید

يَشْتَرُونَ الضَّلَالَةَ وَيُرِيدُونَ أَن تَضِلُّوا السَّبِيلَ ﴿٤٤﴾

کرتے ہیں گمراہی اور چاہتے ہیں کہ تم بھی بھٹکو راہ سے

وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِأَعْدَائِكُمْ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَلِيًّا وَكَفَىٰ

اور اللہ خوب جانتا ہے تمہارے دشمنوں کو اور اللہ بس ہے حمایتی اور اللہ

بِاللَّهِ نَصِيرًا ﴿٤٥﴾ مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ

بس ہے مددگار وہ جو یہودی ہیں بے ڈھب کرتے ہیں بات کو اس کے

عَن مَّوَاضِعِهِ وَيَقُولُونَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ

ٹھکانا سے اور کہتے ہیں ہم نے سنا اور نہ مانا اور سن نہ سنایا

غَيْرَ مُسْمَعٍ وَرَاعِنَا لَيًّا بِأَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّينِ ۚ

جائیو اور راعنا موڑ دے کر اپنی زبان کو اور عیب دیکر دین میں

وَلَوْ أَنَّهُمْ قَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانظُرْنَا

اور اگر وہ کہتے ہم نے سنا اور مانا اور سن اور ہم پر نظر کر تو

لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَأَقْوَمَ وَلَٰكِن لَّعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ

بہتر ہوتا ان کے حق میں اور درست لیکن لعنت کی ان کو اللہ نے ان کے کفر سے

فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿٤٦﴾

سو ایمان نہیں لاتے مگر کم

ف

ذکر بعض قبائح یہود

قال تعالیٰ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ ۔۔۔ الیٰ ۔۔۔ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝

(ربط) یہاں تک مواقع تقوی اور حدود اللہ سے ان تعدیوں کا بیان تھا جن کا تعلق مسلمانوں سے تھا اب آیندہ آیات میں اہل کتاب کی تعدی کو بیان فرماتے ہیں اور مسلمانوں کو متنبہ کرنے کے لیے یہود کی بعض قبائح اور ان کے مکر و فریب اور ان کی پرانی اور جبلی شرارتوں کا ذکر کرتے ہیں کہ یہود ہمیشہ اس کوشش میں رہتے ہیں کہ مسلمانوں کو دین سے پھیر دیں اور توریت میں تحریف کرتے ہیں اور دین اسلام پر طرح طرح کے طعن اور اعتراضات کرتے ہیں تاکہ لوگ شک میں پڑ جائیں اور جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گفتگو کرتے ہیں تو نہایت گستاخانہ اور تمسخر آمیز ہوتی ہے مال[1] و دولت کے نشہ نے اور تکبر اور غرور نے ان کو اندھا بنا رکھا ہے اور یہود کے ان شنائع اور قبائح کے بیان کرنے سے مقصود یہ ہے کہ مسلمان ان کے مکر و فریب پر مطلع ہو جائیں تاکہ ان سے علیحدہ رہیں چنانچہ فرماتے ہیں (اے نبیؐ) کیا آپ نے ان لوگوں کو دیکھا نہیں جن کو کتاب یعنی توریت کے علم سے بہرہ ور کیا گیا ہے اور اس کے علم سے ان کو ایک حصہ دیا گیا ہے یعنی کیا آپ کو ان کی گمراہی اور شرارت کا حال معلوم نہیں کہ وہ کیسے سخت گمراہ اور شریر ہیں کہ وہ لوگ ہدایت کو دیکر گمراہی خرید کر لاتے ہیں یعنی یہود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرکے ہدایت کے بدلے میں گمراہی خریدتے ہیں خود تو گمراہی کے خریدار بنے ہی اور مزید برآں چاہتے یہ ہیں کہ تم بھی سیدھے راستہ سے بھٹک جاؤ لہٰذا تم ان سے احتیاط رکھنا کیونکہ یہ تمہارے دشمن ہیں اور شاید تم کو ان کی دشمنی کا علم نہ ہو مگر اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے یعنی تمہیں ان کی عداوت کا حال معلوم نہیں مگر اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ ان کے سینے تمہاری عداوت سے لبریز ہیں اللہ تعالیٰ نے تم کو بتلا دیا ہے کہ تم ان کو اپنا دشمن سمجھو اور ان سے بچتے رہو اور ان کی باتوں میں نہ آؤ اور ان کی دشمنی کا حال سن کر پریشان بھی نہ ہو جانا کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارا کافی حمایتی ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارا کافی مددگار ہے یعنی ان کی عداوت تم کو نقصان نہیں پہنچا سکتی کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارا حامی ہے اس کی حمایت کے مقابلہ میں سارے عالم کی عداوت ہیچ

[1] چونکہ گزشتہ آیت لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى اور اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا میں تکبر اور فخر کی اور حالت نشہ میں نماز کی ممانعت تھی اس اعتبار سے بھی اس آیت کو گزشتہ آیت سے ربط ہو گیا۔

ہے اور اللہ تمہارا مددگار ہے اس کی نصرت اور حمایت پر بھروسہ رکھو اور ان سے بالکل نہ ڈرو اس کے بعد یہود کی چند عادتیں ذکر فرماتے ہیں تاکہ تم کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ وہ کونسی باتیں ہیں جن سے وہ گمراہی کو خریدتے ہیں اور خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور اوروں کو بھی گمراہ کرنا چاہتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ یہودیوں میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں کہ جو کتاب الٰہی یعنی توریت کے کلمات اور الفاظ کو ان کے موقع اور محل سے لفظاً یا معنیً پھیر دیتے اور ہٹا دیتے ہیں یعنی توریت میں جو محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اوصاف مذکور ہیں کبھی تو ان الفاظ ہی کو بدل ڈالتے اور اصل الفاظ کو نکال کر ان کی جگہ دوسرے الفاظ رکھ دیتے ہیں مثلاً توریت میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حلیہ کے بیان میں لفظ ربعہ لکھا ہوا تھا جس کے معنی میانہ قد کے ہیں انہوں نے اس لفظ کو نکال کر اس کی جگہ آدم طویل رکھ دیا اور اسی طرح لفظ رجم کی جگہ لفظ حدید رکھ دیا یہ تو لفظی تحریف ہوئی اور کبھی ایسا کرتے کہ توریت کی آیتوں کے معنی غلط کرتے اور تاویلات باطلہ سے سامعین کو شبہ ڈالتے غرض یہ کہ یہ لوگ لفظی اور معنوی ہر قسم کی تحریف کرتے کبھی الفاظ کی تفسیر غلط کرتے اور کبھی الفاظ ہی کو بدل ڈالتے اگر سمجھتے کہ لفظوں کے بدلنے کی ضرورت نہیں ہمارا کام تاویل باطل ہی سے چل جائے گا تو لفظوں کو نہ بدلتے فقط غلط معنی بیان کرنے پر اکتفار کرتے جیسا کہ اہل بدعت کا طریقہ ہے کہ قرآن اور حدیث میں لفظی تحریف پر تو قادر نہیں اپنی من مانی تاویلیں کرتے ہیں اور اگر جانتے کہ آیت میں ایسے صریح الفاظ ہیں کہ اس میں ہماری کوئی تاویل نہیں چل سکتی اور مسلمانوں کو اس سے ہمارے خلاف سند اور حجت ملے گی تو اس کے لفظوں ہی کو بدل ڈالتے جیسا کہ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتَابَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ کی تفسیر میں مفصل گزرا قرآن مجید کی یہ آیت یہود کی تحریف لفظی کا صریح اور واضح ثبوت ہے جس میں تاویل کی کوئی گنجائش نہیں اور اگر دیکھتے کہ اس وقت نہ تحریف لفظی کا موقع ہے اور نہ تحریف معنوی کا تو اس کو چھپا لیتے جیسا کہ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ کی تفسیر میں گزرا

ف يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ میں کلمات اور الفاظ کو اپنے ٹھکانوں سے ہٹانے اور پھیرنے کا مطلب یہ ہے کہ جب انہوں نے ایک کلمہ کو اس کی جگہ سے نکال ڈالا تو گویا انہوں نے اس کلمہ کو اپنے اصلی ٹھکانہ سے ہٹا کر بے ٹھکانہ کر دیا اور اسی طرح جب انہوں نے اس کلمہ کی غلط تفسیر اور غلط تاویل کی تو گویا کہ انہوں نے اس کلمہ کو اس کے اصلی ٹھکانہ سے جو باعتبار معنی کے اس کے لیے متعین تھا ہٹا دیا تحریف کی اصل حقیقت ہی یہ ہے کہ حروف کو اپنی جگہ سے منحرف کر دیا جائے تحریف کا اصل تعلق حروف سے ہے اور معنی سے بواسطہ حروف کے ہے۔

ایک اطلاع توریت اور انجیل میں لفظی تحریف اور بے شمار تغیرات اور اختلافات کی تحقیق اگر درکار ہو تو اظہار الحق اور ازالۃ الاوہام اور ازالۃ الشکوک

ہر سہ مصنف حضرت مولانا رحمۃ اللہ کیرانوی قدس سرہٗ کی مراجعت کریں یہود اور نصاریٰ کے جن اور انس بھی اگر جمع ہو جائیں تو انشاء اللہ ثم انشاء اللہ ہرگز ہرگز اس کے جواب پر قادر نہ ہوں گے۔

جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ توریت اور انجیل میں لفظی تحریف نہیں ہوئی صرف معنوی تحریف ہوئی ہے یہ خیال خام ہے جو بالکل غلط ہے اور جو آیات اور احادیث صریح تحریف لفظی پر شاہد ہیں یہ قول ان میں تحریف کے مرادف ہے اور اب تو تحریف اس درجہ بدیہی ہے کہ علماء یہود و نصاریٰ خود تحریف لفظی کے معترف اور مقر ہیں توریت و انجیل میں تحریف لفظی کے منکر مدعی سست اور گواہ چست کے مصداق ہیں جس شخص کا یہ گمان ہے کہ توریت وانجیل میں لفظی تحریف نہیں ہوئی تو وہ یہ بتلائے کہ توریت اور انجیل کے نسخوں میں جو ہزارہا اختلافات موجود ہیں وہ کہاں سے آئے اور قرآن کریم میں جو صراحۃً یہ آیا ہے کہ نبی اُمّی کا ذکر توریت وانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں اور حسب ارشاد باری ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ صحابہ کرام کا ذکر بھی توریت اور انجیل میں موجود تھا پس توریت وانجیل میں تحریف لفظی کے منکر اگر ان آیات قرآنیہ پر ایمان رکھتے ہیں تو بتلائیں اور دکھلائیں کہ توریت وانجیل میں کس جگہ نبی اُمّی اور آپ کے صحابہ کا ذکر ہے اور پھر تاویل کریں کیونکہ تاویل تو موجود میں چلتی ہے نہ کہ معدوم میں الحمد للہ ثم الحمد للہ، ہم اہل اسلام بہانگ دہل کہتے ہیں کہ قرآنِ کریم کی شان تو بہت ہی بلند ہے موطأ اور بخاری اور مسلم اور ابو داؤد اور ترمذی وغیرہ کے نسخوں کو ملا لیجئے بحمدہٖ تعالیٰ مشرق اور مغرب اور شمال اور جنوب کے نسخوں میں بھی تفاوت نہ ملے گا اور یہود کی ایک عادتِ بَدیہ ہے کہ جب آنحضرت کی محفل میں حاضر ہوتے ہیں اور آپؐ ان کو کوئی حکم سناتے ہیں تو یہود جواب میں یہ کہتے ہیں سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ہم نے آپ کے حکم کو سن لیا اور دل میں یا آہستہ سے یہ کہتے ہیں کہ ہم نے نہیں مانا یعنی ہم نے فقط کان سے سن لیا مگر دل سے نہیں مانا مطلب یہ ہے کہ یہ بات ہم کو منظور نہیں اور بعض کہتے ہیں کہ یہ دونوں لفظ ظاہر میں کہتے تھے اور مقصود ان کا آنحضرتؐ کے ساتھ تمسخر تھا لیکن یہ قول ضعیف ہے اس لیے کہ اس میں ان کے نفاق کے کھل جانے کا غالب احتمال ہے اور اثناء گفتگو میں ایک لفظ یہ کہتے ہیں اِسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ سن تو۔ نہ سنایا جائیو اس لفظ کے دو معنی ہو سکتے ہیں اگر یہ معنی لیے جائیں کہ آپ ہماری بات سُنیئے اور خدا آپؐ کو کوئی بات بری اور خلاف مزاج نہ سنائے تو اس معنی کر یہ کلمہ دعا اور تعظیم کا ہے اور اگر اس کے یہ معنی لیے جائیں کہ آپ ہماری بات سنیئے اور خدا آپ کو نہ سنائے یعنی بہرا کر دے یا یہ معنی ہوں کہ تمہاری کوئی بات نہ سنی جائے یا یہ معنی ہوں کہ کوئی ایسی بات نہ سنو کہ جو تمہاری مرضی اور خوشی کے مطابق ہو تو اس معنی کر یہ کلمہ بد دعا اور تحقیر کا ہے غرض یہ کہ شرارت سے پیچدار اور ذو معانی لفظ بولتے تھے کہ سننے والا اچھے معنی پر محمول کرے اور دل میں برے معنی مراد ہوں اور من جملہ ان کی شرارتوں

کے ایک شرارت یہ تھی کہ وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرتے وقت راعنا کہتے اس کے بھی دو معنی ہو سکتے ہیں ایک تو یہ کہ آپ ہماری رعایت فرمایئے اور ہماری طرف توجہ اور التفات فرمایئے دوسرے معنی اس کے احمق اور مغرور کے ہیں رعونت سے مشتق ہے یا یہ کہ یہود کی زبان میں اس کے معنی احمق اور شیخی خورے کے ہیں ان کی زبان میں یہ کلمہ تحقیر کا ہے یا زبان کو دبا کر اور عین کو کھینچ کر راعینا کہتے ۔۔ جس کے معنی یہ ہو جاتے کہ اسے ہمارے چرواہے اور گڈریے یہود کی یہ محض شرارت تھی کہ ذو معانی لفظ بولتے ظاہر یہ کرتے کہ ہم اس کا استعمال اچھے معنی میں کر رہے ہیں مگر ان کا مقصود محض تمسخر ہوتا حالانکہ وہ خوب جانتے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء کرام نے بھی بکریاں چرائی ہیں -

غرض یہ کہ یہود ان ذو معنیین الفاظ کو اپنی زبانیں مروڑ کر اور دین اسلام میں طعنہ کی نیت سے کہتے ہیں عموماً استہزاء کرنے والوں کا یہ طریقہ ہے کہ الفاظ کے ساتھ اپنی زبانوں کو اینٹھتے اور مروڑتے ہیں اور ایسے انداز سے بولتے ہیں کہ سننے والا الفاظ کو اچھے معنی پر محمول کرے اور برے معنی کی طرف اس کا خیال بھی نہ جائے اور ان الفاظ سے یہود کا مقصود دین اسلام پر عیب لگانا اور طعنہ دینا تھا یہود اپنے دوستوں سے کہتے کہ ہم باتوں ہی باتوں میں محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو برا کہہ جاتے ہیں مگر وہ ہماری بات کو نہیں سمجھتا اگر یہ شخص نبی ہوتا تو ہماری بات کو سمجھتا اور ہمارا فریب ضرور معلوم کر لیتا ۔

سو اللہ تعالیٰ نے ان کے فریب کو خوب کھول دیا اور ان کے مکر کو سب پر واضح اور آشکارا کر دیا ۔

اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تو ان کے لب ولہجہ ہی سے ان کے نفاق اور ان کے باطنی خبث کو جان لیتے تھے کما قال تعالیٰ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ مگر حتی الوسع اغماض اور مسامحت فرماتے تھے ۔

اور اگر یہ لوگ بجائے ان ذی وجوہ اور ذو معنیین الفاظ کے یہ کلمات کہتے ۔۔ یعنی بجائے سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا کے سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا کہتے جس کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے آپ کے حکم کو گوش ہوش سے سنا اور دل وجان سے اس کو مانا اور بجائے اِسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ کے صرف اسمع کہتے جس کے معنی یہ ہیں کہ آپ ہماری بات سن لیجئے اور بجائے راعنا کے انظرنا کہتے جس کے معنی یہ ہیں کہ ہماری طرف نظر التفات فرمایئے تو ان کے حق میں بہتر ہوتا اور نہایت درست ہوتا یعنی یہ لوگ اگر بجائے ان پیچدار اور ذو معانی الفاظ کے یہ کلمات کہتے جو ہم نے تلقین کیے تو وہ ان کے حق میں مفید اور نافع ہوتا اور فی حد ذاتہ بات بھی سیدھی اور سچی تھی یعنی حق تھی جس میں کسی قسم کا اینچ پیچ نہ تھا ولیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو کفر اور عناد کے باعث اپنی رحمت سے دور کر دیا اس لیے وہ مفید اور سیدھی بات کو بھی نہیں سمجھتے پس نہیں ایمان لاتے مگر تھوڑے آدمی جیسے

عبداللہ بن سلامؓ اور ان کے ساتھی کو وہ ان خباثتوں اور شرارتوں سے مجتنب رہے اس لیے وہ اللہ کی لعنت سے محفوظ رہے اور مشرف باسلام ہوئے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ آمِنُوا بِمَا نَزَّلْنَا

اے کتاب والو! ایمان لاؤ اس پر جو ہم نے نازل کیا

مُصَدِّقًا لِمَا مَعَكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَطْمِسَ وُجُوهًا

سچ بتاتا تمہارے پاس والے کو پہلے اس سے کہ ہم مٹا ڈالیں کتنے منہ

فَنَرُدَّهَا عَلَىٰ أَدْبَارِهَا أَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّا أَصْحَابَ

پھر الٹ دیں ان کو پیٹھ کی طرف یا ان کو لعنت کریں جیسے لعنت کی

السَّبْتِ ۚ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا ﴿٤٧﴾ إِنَّ اللَّهَ لَا

ہفتہ والوں کو اور اللہ نے جو حکم کیا سو ہوا تحقیق اللہ نہیں بخشتا

يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ

یہ کہ اس کا شریک پکڑے اور بخشتا ہے اس سے نیچے جس

لِمَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدِ افْتَرَىٰ

کو چاہے اور جس نے شریک ٹھہرایا اللہ کا اس نے بڑا

إِثْمًا عَظِيمًا ﴿٤٨﴾

طوفان باندھا

اہل کتاب کو نصیحت اور ایمان کی دعوت

قال تعالیٰ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ آمِنُوا ... الی ... فَقَدِ افْتَرَىٰ إِثْمًا عَظِيمًا ۔

(ربط) گزشتہ آیات میں حق تعالیٰ نے اہل کتاب کی باطنی خباثتوں اور ظاہری شرارتوں کو بیان فرمایا اب بمقتضائے رحمت عامہ وشفقت تامہ ان کو اسلام اور ایمان کی دعوت دیتے ہیں اور بطور نصیحت تحریف اور تکبر اور تمسخر کے برے انجام سے ڈراتے ہیں کہ قبل اس کے کہ ہم تمہارے چہروں کو مٹائیں اور اصحاب سبت کی طرح تم پر لعنت کریں تم کو چاہیے کہ ایمان لے آؤ تاکہ اس ذلت اور رسوائی سے محفوظ ہو جاؤ اور بطور الزام اور اتمام حجت یہ فرمایا کہ یہ قرآن - کتب سابقہ کی تصدیق کرتی ہے اس پر ایمان لانا کتب سابقہ پر ایمان لانا ہے اور اسکی تکذیب کتب سابقہ کی تکذیب ہے چنانچہ فرماتے ہیں اے اہل کتاب جن کو کتاب (توریت) دی گئی حسد اور عناد کو چھوڑو اور اس قرآن پر ایمان لاؤ جو ہم نے اتارا ہے اور حد اعجاز کو پہنچا ہوا ہے درانحالیکہ وہ اس کتاب (توریت کی تصدیق کرنے والا ہے جو تمہارے پاس ہے قرآن کی تصدیق توریت کی تصدیق ہے ایک روز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اثناء گفتگو میں عبداللہ بن صوریا اور کعب بن اسد اور دیگر علماء یہود سے یہ فرمایا -

یامعشر یہود اتقوا اللّٰہ واسلموا	اے گروہ یہود خدا سے ڈرو اور اسلام
فو اللّٰہ انکم لتعلمون ان الذی	قبول کرو قسم ہے خدا تعالیٰ کی تحقیق تم
جئتکم بہ الحق	خوب جانتے ہو کہ میں تمہارے پاس
∴ ∴ ∴	جو دین لے کر آیا ہوں وہ بالکل حق ہے

انہوں نے جواب دیا کہ ہم نہیں جانتے اور دیدہ و دانستہ حق کا انکار کیا اور کفر پر اصرار کیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی (تفسیر قرطبی ص۲۴۴ ج ۵)

مطلب یہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی دعوت اور بشارت کی توریت سے تصدیق ہوتی ہے تو پھر تم کو ان پر ایمان لانے میں کیا عذر ہے تم کو چاہیے کہ توریت میں تحریف نہ کرو اور اس سے قبل ایمان لے آؤ کہ ہم تمہارے چہروں کی صورت اور ہیئت کو مٹا کر پشتوں کی طرف پھیر دیں یعنی تمہارے چہروں کی ناک اور کان اور آنکھ سب مٹا کر گدیوں کی طرح سطح واحد بنا دیں اور تمہارے چہرے تمہاری گدیوں کے ہم شکل ہو جائیں مطلب یہ ہے کہ چہروں پر آنکھوں اور ناک اور بھوؤں کا کچھ نشان باقی نہ رہے اور اس طرح چہرے گدیوں کے ہم شکل ہو جائیں اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ان کی صورتوں کے نشانات اور اثرات کو سامنے سے ہٹا کر گدیوں کی طرف لگا دیں اور ان کی گدیوں کو منہ کی طرف پھیر دیں مقصود اس سے ان کی اہانت اور تذلیل ہو گی یہ ان کی تحریف کی اور کتاب الٰہی میں تغیر و تبدل کی سزا ہو گی یا اس سے بھی بڑھ کر ان کے ساتھ معاملہ کریں وہ یہ کہ ہم ان پر لعنت کریں جیسا کہ ہم نے ہفتہ کی بے حرمتی کرنے والوں پر لعنت کی تھی یعنی جس طرح ہم نے ان یہودیوں کے اسلاف کو اپنی رحمت سے دور کر دیا تھا اسی طرح ان کو بھی اپنی رحمت سے دور کر دیں مفصل قصہ انشاء اللہ تعالیٰ سورۂ اعراف میں آئے گا یہ تشبیہ صرف لعنت میں ہے کیفیت لعنت میں

نہیں ہے مطلب صرف اس قدر ہے کہ جس طرح وہ ملعون ہوئے تھے یہ بھی ملعون ہو جائیں یہ مطلب نہیں کہ جس طرح وہ بندر اور سور ہوئے تھے یہ بھی بندر اور سور بن جائیں کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے یہ امت مسخ کے عذاب سے محفوظ کر دی گئی اور اس کو بعید نہ سمجھو، اللہ کا حکم اور اللہ کا کام تو ہو کر ہی رہتا ہے اللہ پر یہود کے چہروں کا مٹانا اور ان پر لعنت کرنا کچھ دشوار نہیں پس تم کو چاہیے کہ چہروں کو مٹا کر گدّیوں پر لگائے جانے سے پہلے اور لعنت سے پہلے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آؤ اللہ تعالیٰ کے حکم اور ارادہ کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔

جاننا چاہیئے کہ آیت کا مطلب یہ نہیں کہ نہ ایمان لانے کی صورت میں ان امور کا وقوع ضروری ہے بلکہ یہ بتلانا ہے کہ اگر تم ایمان نہ لائے تو ممکن ہے کہ پہلی امتوں کی طرح تم کو بھی یہ سزائیں اور ذلتیں دیکھنا پڑیں کیونکہ اس قسم کی سزاؤں کا واقع ہونا ناممکن اور محال تو نہیں خدا تعالیٰ جب چاہے کر سکتا ہے لہذا تم کو ڈرنا چاہیئے اور اس سے پہلے ہی تم کو ایمان لے آنا چاہیے

چنانچہ بہت سے اہل کتاب جن کے دل میں خوف خدا تھا وہ اس آیت کو سنتے ہی مشرف باسلام ہو گئے عبد اللہ بن سلامؓ وغیرہ تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی میں مسلمان ہو چکے تھے کعب احبارؒ فاروق اعظمؓ کے زمانہ میں اسی آیت کو سن کر اسلام لائے کعب احبار کہیں جا رہے تھے کہ راستہ میں ایک شخص کو یہ آیت پڑھتے سنا سنتے ہی دل پر اس قدر خوف ہوا کہ چہرے پر ہاتھ پھیر کر دیکھا کہ میری صورت تو مسخ نہیں ہو گئی اور اسی جگہ اور اسی وقت اسلام لے آئے (تفسیر قرطبی ص۲۴۴ ج ۵)

عَدَمِ مَغفِرَتِ شرک وکُفر

گزشتہ آیت میں ایمان نہ لانے پر وعید اور تہدید تھی اب آئندہ آیت میں یہ بتلاتے ہیں کہ یہود اور نصاریٰ یہ خیال نہ کریں کہ کفر اور شرک بھی دوسرے گناہوں کی طرح ایک گناہ ہے جس کی معافی اور مغفرت ہو سکتی ہے جیسا کہ یہود کا زعم تھا کہ سَیُغفَرُ لَنَا کہ ہم جو گناہ کریں گے وہ معاف ہو جائے گا بلکہ کفر اور شرک کے متعلق قانونِ خداوندی یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ بلا توبہ کے نہیں بخشتا کفر اور شرک کے جرم کو اس کے ساتھ کسی کو شریک گردانا جائے جیسا کہ تم لوگ عزیر اور عیسیٰ کو خدا اور خدا کا بیٹا کہہ کر خدا کا شریک گردانتے ہو اور کفر اور شرک سے کمتر اور نیچے کے درجہ کے گناہوں کو خواہ وہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ بلا توبہ کے بھی معاف کر دیتا ہے مگر سب کے لیے نہیں بلکہ جس کے لیے وہ معاف کرنا چاہے اس کے لیے معاف کر دیتا ہے۔ بلا توبہ کی قید

اس لیے لگائی کہ توبہ سے تو سو سال کا کفر اور شرک بھی ایک منٹ میں معاف ہو جاتا ہے مقصود بلا توبہ کے مغفرت کا مسئلہ بتلانا ہے کہ کفر اور شرک بلا توبہ کے قابل مغفرت نہیں ان کی سزا دائمی عذاب ہے البتہ کفر اور شرک سے نیچے درجہ کے جو گناہ ہیں صغیرہ ہوں یا کبیرہ وہ سب بلا توبہ کے قابل مغفرت ہیں اللہ تعالیٰ جس کی چاہے مغفرت کر دے اور جس کو چاہے وہ عذاب دے اشارہ اس طرف ہے کہ یہود اور نصاریٰ شرک میں مبتلا ہیں وہ مغفرت کی توقع نہ رکھیں اور جو شخص اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرائے اس نے بڑا ہی طوفان باندھا جو قطعاً قابل مغفرت نہیں خدا تعالیٰ پر افتراء ایسا جرم عظیم ہے کہ وہ کسی طرح قابل معافی نہیں اس لیے کہ اس سے بڑھ کر اور کیا گناہ ہو سکتا ہے کہ مخلوق کو خالق کے برابر ٹھہرائے۔

لطائف ومعارف

(۱) کتاب اور سُنّت اور اجماع امت سے یہ امر قطعاً ثابت ہے کہ کفر اور شرک یعنی کافر اور مشرک دونوں ہی قابل مغفرت نہیں مگر اس جگہ آیت میں شرک کا ذکر ہے کفر کا ذکر نہیں اور بعض کافر ایسے بھی ہیں جو مشرک نہیں بلکہ موحد ہیں مگر اسلام کے قائل نہیں اس شبہ کے چند جواب ہیں۔

جواب اول

ایک جواب یہ ہے کہ اس آیت میں صرف شرک کا ذکر ہے اور دوسری آیات میں صرف کفر کا ذکر ہے اور بعض آیات میں دونوں کا ذکر ہے اور یہ ضروری نہیں کہ ہر آیت میں معًا دونوں کا ذکر ہو پس مجموعہ آیات سے کفر اور شرک دونوں ہی کا غیر مغفور اور ناقابل مغفرت ہونا ثابت ہو گیا حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ اس آیت میں کافرین اہل کتاب اور مشرکین دونوں ہی کے لیے خلود فی جہنم کا ذکر فرمایا جس سے معلوم ہو گیا کہ مشرکین کی طرح کافر کی مغفرت بھی نہیں ہو سکتی اور دوسری جگہ ارشاد ہے فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ الیٰ قولہ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا اور ایک جگہ ارشاد ہے اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ان آیات میں کافروں کے عذاب کا دائمی ہونا اور انکی عدم مغفرت کا ذکر ہے۔

وقال تعالیٰ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا ، اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا اس آیت میں کافروں اور ظالموں یعنی مشرکوں دونوں

ہی کے متعلق فرما دیا کہ ان کی مغفرت نہیں ہوسکتی، ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دوزخ میں رہیں گے۔

دوسرا جواب

آیت میں شرک سے مطلق کفر مراد ہے جیسا کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے (روح المعانی ص۴۲ ج۵) شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح بھی ترجمۂ مشکوۃ میں یہی فرماتے ہیں کہ شرک سے مطلق کفر مراد ہے خواہ وہ کسی قسم کا ہو اور علامہ خیالی حاشیۂ شرح عقائد میں فرماتے ہیں۔

وقوله تعالیٰ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ ای يكفر به وانما عبر عن الكفر بالشرك لان كفار العرب كانوا مشركين ۔ انتهى	اللہ تعالیٰ کا یہ قول اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ اس میں شرک سے مطلق کفر مراد ہے اور کفر کو شرک کے ساتھ اس لیے تعبیر کیا ہے کہ کفار عرب مشرک ہی تھے۔

⁂

تیسرا جواب

(۱) کہ مشرک اس کو کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کو تو مانتا ہو مگر اس کے ساتھ کسی کو شریک گردانتا ہو پس جب اس کی مغفرت نہیں تو جو سرے ہی سے خدا کا کافر اور منکر ہو اس کی تو بدرجۂ اولیٰ مغفرت نہیں ہوگی۔

(۲) کفر اور شرک کے ناقابل مغفرت ہونے کی وجہ یہ ہے کہ کفر اور شرک اسلام کی نقیض ہے اور بغیر اسلام کے مغفرت اور نجات ممکن نہیں پس اگر کفر اور شرک بھی قابل مغفرت ہو جائیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اسلام کے بغیر بھی نجات اور مغفرت ممکن ہے۔

نیز تمام انبیاء کرام کفر و شرک کا دروازہ بند کرنے کے لیے مبعوث ہوئے اور کفار و مشرکین سے جہاد و قتال کیا پس اگر کفر اور شرک کی بھی مغفرت ممکن ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ایمان لانا ضروری نہیں اور انبیاء کرام کی بعثت اور ایمان اور اسلام کی دعوت اور اہل کفر اور اہل شرک سے جہاد و قتال سب عبث تھا معاذ اللہ کفر اور شرک کی مغفرت کا دروازہ اب بھی کھلا ہوا ہے

نیز بے شمار آیات و احادیث سے یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم قطعی دیا ہے کہ کافروں اور مشرکوں کا عذاب دائمی ہوگا کبھی عذاب سے رہا نہ ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے حکم قطعی میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوسکتا پس جب یہ معلوم ہوگیا کہ کافر کا عذاب دائمی ہے تو صاف طور پر معلوم ہوگیا کہ اس کی مغفرت ممکن نہیں۔

امام ربانی مجدد الف ثانی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ کفر اور شرک کا عذاب دائمی اور ابدی ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا جیسا کہ نصوص قطعیہ اور مؤکدہ اس پر دلالت کرتی ہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ کفر اور کافروں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عداوت ذاتیہ ثابت ہو چکی ہے تو ناچار رحمت و رأفت جو صفات جمال میں سے ہے اس سے آخرت میں کافروں کو کوئی حصہ نہیں ملے گا اور صفت رحمت

حق تعالیٰ کی عداوت ذاتی کو دور نہ کرے گی کیونکہ جو چیز ذات سے تعلق رکھتی ہے وہ بہ نسبت اس چیز کے جو صفت سے تعلق رکھتی ہے کہیں زیادہ اقویٰ اور ارفع ہوتی ہے پس مقتضائے ذات کو نہیں بدل سکتا اور یہ جو حدیث قدسی میں ہے کہ سبقت رحمتی علی غضبی۔ (میری رحمت میرے غضب پر بڑھ ہوئی ہے) سو اس غضب سے غضب صفاتی سمجھنا چاہیے جو کہ گنہ گاروں کے ساتھ مخصوص ہے نہ کہ غضب ذاتی جو مشرکوں کے ساتھ مخصوص ہے اور حق تعالیٰ شانہ کا یہ ارشاد وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے سو جاننا چاہیے کہ مؤمنوں اور کافروں کے حق میں رحمت کا وسیع ہونا صرف دنیا ہی میں مخصوص ہے اور آخرت میں تو کافروں کو رحمت کی بو بھی نہ پہنچے گی جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّهٗ لَا یَایْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰہِ اِلَّا الْقَوْمُ الْکٰفِرُوْنَ اللہ کی رحمت سے سوائے کافروں کے کوئی ناامید نہ ہوگا۔

سوال اگر یہ کہا جائے کہ جب کافروں کو دنیا میں خدا کی رحمت سے نصیب اور حصہ ہے تو پھر دنیا میں صفت رحمت نے حق تعالیٰ کی ذاتی عداوت کو کیسے دور کر دیا۔

جواب کافروں کو دنیا میں جو رحمت سے حصہ ملا ہے وہ فقط ظاہر اور صورت کے اعتبار سے ہے اور درحقیقت ان کے حق میں وہ استدراج اور مکر ہے جیسا کہ آیت کریمہ اَیَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّھُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِیْنَ نُسَارِعُ لَھُمْ فِی الْخَیْرٰتِ بَلْ لَّا یَشْعُرُوْنَ اور آیت کریمہ سَنَسْتَدْرِجُھُمْ مِّنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُوْنَ وَاُمْلِیْ لَھُمْ اِنَّ کَیْدِیْ مَتِیْنٌ انہی معنی پر شاہد ہیں فافہم ذلک واستقم (مکتوب ۲۶ از دفتر اول)

(۳) یہ آیت اس امر کی صریح دلیل ہے کہ اگر گناہ کبیرہ کا مرتکب بغیر توبہ کے مر جائے تو وہ اللہ کی مشیت میں ہے وہ اگر چاہے تو اپنے فضل و کرم اور جود و احسان سے اس کو معاف کر کے جنت میں داخل کرے اور چاہے اس کو عذاب دوزخ میں مبتلا کرے پس یہ آیت معتزلہ اور قدریہ پر حجت قاطعہ ہے جو یہ کہتے ہیں کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب کبھی نہیں بخشا جائے گا اور یہ کہتے ہیں کہ گناہوں کی معافی کا وعدہ بشرط توبہ ہے مگر معتزلہ کا یہ قول بالکل غلط بلکہ ایک مضحکہ خیز امر ہے اس لیے کہ حق تعالیٰ نے اس آیت میں یہ وعدہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک کو تو بخشے گا نہیں اور شرک سے کم درجے کے جتنے گناہ ہیں اُن کو اگر چاہے گا تو بخش دے گا اور ظاہر ہے کہ توبہ کے ساتھ یہ وعدہ صحیح نہیں ہو سکتا اس لیے کہ توبہ سے تو بالاتفاق شرک بھی معاف ہو جاتا ہے اور کبیرہ کا توبہ سے معاف ہونا اور بھی یقینی ہے لہذا اس کی نسبت یہ کہنا کیسے صحیح ہوگا کہ اگر خدا چاہے گا بخش دے گا غرض یہ کہ یہ آیت اس امر پر نص قاطع ہے کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہے گا اور بے شمار احادیث اور اقوال صحابہ سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

غرض یہ کہ اہل سنت کے نزدیک گناہ کبیرہ بلا توبہ کے اللہ کی رحمت سے معاف ہوسکتا ہے اور پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے لاتعد ولاتحصیٰ کبائر معاف ہوں گے۔

(۴) مَا دُوْنَ ذٰلِكَ کا بہتر ترجمہ یہ ہے کہ جو گناہ شرک سے کمتر اور نیچے کے درجہ میں ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے زید دون عمرو زید عمرو سے کم تر اور فروتر ہے دون کے معنی کمتر اور فروتر کے ہیں ہر گناہ شرک سے کمتر ہے اور ہر کفر شرک کے یا تو برابر ہے یا اس سے بالا اور برتر ہے۔

(۵) اس آیت کی تفسیر میں معتزلہ کو سخت مشکل پیش آئی ہے کیونکہ معتزلہ کے نزدیک گناہ کبیرہ بھی شرک کی طرح بلا توبہ معاف نہیں ہوسکتا اور علامہ زمخشری نے بڑی دور دراز تاویلیں کی ہیں مگر بنتی اور چلتی نہیں

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۭ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ

تونے نہ دیکھے وہ جو آپ کو پاکیزہ کہتے ہیں بلکہ اللہ ہی پاکیزہ کرتا ہے

مَنْ يَّشَاۗءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝۴۹ اُنْظُرْ كَيْفَ

جس کو چاہے اور ان پر ظلم نہ ہو گا تاگے برابر دیکھ کیسا باندھتے

يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ وَكَفٰى بِهٖٓ اِثْمًا مُّبِيْنًا ۝۵۰

ہیں اللہ پر جھوٹ اور یہی کفایت ہے گناہ صریح ۔

یہود کے دعوائے تقدس کی تردید

قال تعالیٰ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ .... الخ .... وَكَفٰى بِهٖٓ اِثْمًا مُّبِيْنًا ۝

(ربط) گزشتہ آیات میں یہود کا حال بیان کیا کہ وہ کفر اور شرک کی نجاستوں میں ملوث اور آلودہ ہیں اب ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ یہود باوجود ان خرابیوں کے اپنے آپ کو پاک اور مقدس کہتے ہیں کبھی یہ کہتے ہیں نَحْنُ اَبْنٰۗؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّاۗؤُهٗ یعنی ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں اور کبھی یہ کہتے ہیں لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا یعنی جنت میں سوائے یہود کے کوئی اور داخل نہ ہوگا اور کبھی یہ کہتے ہیں لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً یعنی سوائے چند روز کے دوزخ کی آگ ہم کو چھوئے گی نہیں ہمارے باپ دادا نبی تھے ان کی سفارش سے ہم رہا ہو جائیں گے اور کبھی یہ کہتے ہیں

کہ ہم تو معصوم بچوں کی طرح بے گناہ ہیں ان کے اس فخر و مباہات کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی چنانچہ فرماتے ہیں کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نظر نہیں کی جو باوجود گوسالہ پرستی کے اور باوجود حضرت عزیرؑ کو ابن اللہ کہنے کے اپنے آپ کو کفر اور شرک سے پاک اور مقدس بتاتے ہیں حالانکہ کفر اور شرک کی نجاست میں ملوث ہیں خود بخود پاکی اور تقدس کے دعوے سے کچھ نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ ہی جس کو چاہتا ہے پاک کرتا ہے جس کو حق تعالیٰ نے ایمان اور تقویٰ اور عمل صالح کی دولت سے نوازا وہ پاک ہوا۔ جزاء و سزا اعمال کے مطابق ہوگی اور قیامت کے دن تاگے کے برابر بھی ان پر ظلم نہ ہوگا دیکھیے تو سہی کس طرح اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں کہ باوجود کفر اور شرک کے اپنے کو پاک بتلاتے ہیں اور باوجود مغضوب اور معتوب ہونے کے اپنے کو محبوب خداوندی کہتے ہیں اور باوجود بدکار ہونے کے اپنے کو معصوم کہتے ہیں اور یہی بات یعنی دیدہ و دانستہ خدا پر جھوٹ بولنا صریح گناہ اور صریح جرم ہونے کے لیے کافی ہے بالفرض اگر کوئی بھی گناہ نہ ہو تو خدا تعالیٰ پر جھوٹ باندھنا کھلا گناہ ہونے کے لیے کافی ہے۔

فائدہ معلوم ہوا کہ اپنے کو پاک باز کہنا اور تقدس کا دعویٰ کرنا صریح گناہ ہے۔

اگر مردی از مردیئ خود مگوی ❊ نہ ہر شہسوارے بدر برد گوئے
گنہ گار اندیشہ ناک از خدا ❊ بسے بہتر از عابد خود نما
اگر مشک خالص نداری مگو ❊ وگر ہست خود فاش گردد بوی

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ
توسنے نہ دیکھے جن کو ملا ہے کچھ حصہ کتاب کا مانتے ہیں

بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَاۗءِ
بتوں کو اور شیطان کو اور کہتے ہیں کافروں کو یہ زیادہ پائے

اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ﴿۵۱﴾ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ
ہیں مسلمانوں سے راہ وہی ہیں جن کو

لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ﴿۵۲﴾
لعنت کی اللہ نے اور جس کو لعنت کرے اللہ پھر تو نہ پاوے کوئی اس کا مددگار

مذمت یہود بر عداوت اسلام و حسد بر مسلمین

قال تعالیٰ اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ اُوۡتُوۡا نَصِيۡبًا... الیٰ..... فَلَنۡ تَجِدَ لَهٗ نَصِيۡرًا ۝

(ربط) اوپر کی آیت میں یہود کی شرارت اور خباثت کا بیان تھا اب اس آیت میں یہود کی ایک اور قباحت اور خباثت کا بیان ہے وہ یہ کہ یہود کو اسلام سے اس درجہ عداوت ہے کہ مشرکین کو موحدین پر ترجیح دیتے ہیں یہودیوں کو جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے عداوت بڑھی تو یہود خیبر کے علماء اور رؤساء کا ایک وفد جو ستر آدمیوں پر مشتمل تھا اس غرض سے مکہ آیا کہ قریش کے ساتھ آپؐ سے مقابلہ اور مقاتلہ کرنے کے لیے عہد کرلے اور قریش نے وفد یہود کی بہت خاطر تواضع کی اور قریش نے یہ اطمینان دلایا کہ ہم تا حد امکان تمہارے ساتھ ہو کر محمدؐ کے ساتھ لڑنے میں دریغ نہ کریں گے مگر ہم تو ان پڑھ ہیں ہم کو کچھ علم نہیں اور تم علم والے لوگ ہو یہ بتلاؤ کہ ہمارا دین بہتر ہے یا پیروانِ محمد کا کعب بن اشرف نے کہا کہ تم مجھے اپنا دین بتلاؤ کہ وہ کیا ہے ابوسفیان نے کہا کہ ہم حاجیوں کی خدمت کرتے ہیں اور مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں اور قیدیوں کو چھڑاتے ہیں اور خانہ خدا کو آباد رکھتے ہیں اور اس کا طواف کرتے ہیں اور ہم حرم کے رہنے والے ہیں اور محمدؐ نے اپنے بزرگوں کا دین چھوڑ دیا اور رشتوں کو توڑ ڈالا اور حرم سے جدا ہو گیا اور ہمارا دین قدیم ہے پہلے سے چلا آرہا ہے اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا دین نیا ہے کعب نے کہا بخدا تم بہ نسبت محمدؐ کے زیادہ ہدایت اور راہ راست پر ہو اور تمہارا دین اس کے دین سے بہتر ہے اور یہود نے قریش کی خاطر سے بتوں کو سجدہ کیا اور ان کی تعظیم کی اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نظر نہیں کی جن کو کتاب (توراۃ) کے علم سے ایک حصہ دیا گیا ہے باوجود اس کے وہ بتوں اور معبود باطل پر ایمان لاتے ہیں اور شیطان کو مانتے ہیں اور یہ امر کس قدر تعجب خیز ہے کہ وہ مسلمانوں کی عداوت میں کفار مکہ اور مشرکین کی نسبت یہ کہتے ہیں کہ یہ مشرکین مکہ مسلمانوں سے زیادہ راہ ہدایت پر ہیں جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ شرک توحید سے بہتر ہے حالانکہ جس کتاب (توریت) پر یہ ایمان رکھتے ہیں وہ توحید کی تعلیم اور بت پرستی کی مذمت سے بھری پڑی ہے یہی ہیں وہ لوگ جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے یعنی جن لوگوں نے مشرکین کو موحدین پر ترجیح دی اور طریقۂ کفر و شرک کو طریقۂ اسلام سے افضل بتلایا ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اور جس پر اللہ لعنت کرے تو (اے نبی) آپ اس کا کوئی حامی اور مددگار نہ پائیں گے جو اس کو دنیا اور آخرت کی ذلت اور رسوائی سے بچا سکے چنانچہ یہود مسلمانوں کے ہاتھ سے ذلیل اور خوار ہوئے کوئی قید ہوا اور کوئی قتل اور قریش

کی کوئی مدد ان کے کام نہ آئی اس آیت میں اسلام کے غلبہ اور یہود کے مغلوب ہونے کی بشارت ہے۔

ف جبت بتوں کو کہتے ہیں اور طاغوت شیاطین کو اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ طاغوت ہر سرکش کو کہتے ہیں اس جگہ طاغوت سے کعب بن اشرف یہودی مراد ہے جو شیطان تھا صورت میں انسان کے اور بعض کا قول یہ ہے کہ ہر معبود باطل کو طاغوت کہتے ہیں واللہ اعلم۔

أَمْ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَإِذًا لَّا يُؤْتُونَ

یا ان کا کچھ حصہ ہے سلطنت میں پھر تو یہ نہ دیں گے

النَّاسَ نَقِيرًا ﴿۵۳﴾ أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ

لوگوں کو ایک تل برابر یا حسد کرتے ہیں لوگوں کا

عَلَىٰ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ ۖ فَقَدْ

اس پر جو دیا ان کو اللہ نے اپنے فضل سے سو ہم نے

آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُم

دی ہے ابراہیم کے گھر میں کتاب اور علم اور ان کو دی ہم

مُّلْكًا عَظِيمًا ﴿۵۴﴾ فَمِنْهُم مَّنْ آمَنَ بِهِ وَمِنْهُم مَّن

نے بڑی سلطنت پھر ان میں کسی نے اس کو مانا اور کوئی اس سے

صَدَّ عَنْهُ ۚ وَكَفَىٰ بِجَهَنَّمَ سَعِيرًا ﴿۵۵﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا

اٹک رہا اور دوزخ بس ہے جلتی آگ جو لوگ منکر ہوئے ہماری

بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصْلِيهِمْ نَارًا كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُم

آیتوں سے ان کو ہم ڈالیں گے آگ میں جس وقت پک جاوے گی کھال ان کی

بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ ۗ إِنَّ اللَّهَ

بدل کر دیں گے ان کو اور کھال کہ چکھتے رہیں عذاب اللہ ہے زبردست

كَانَ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿٥٦﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
حکمت والا اور جو لوگ یقین لائے اور کیں نیکیاں
سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ
ان کو ہم داخل کریں گے باغوں میں جن کے نیچے بہتی نہریں
خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ لَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ ۖ
رہ پڑے وہاں ہمیشہ ان کو وہاں عورتیں ہیں ستھری
وَنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيلًا ﴿٥٧﴾
اور ان کو ہم داخل کریں گے گھن کی چھاؤں میں

مذمتِ یہود بر بخل و حسد

قال تعالیٰ اَمْ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّنَ الْمُلْكِ .... الیٰ ..... وَنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيلًا ۝

(ربط) یہ آیت بھی یہود کے حق میں ہے گزشتہ آیات میں یہود کے معائب بیان ہوئے کہ وہ باوجود کفر و شرک میں ملوث ہونے کے اپنے آپ کو پاک اور مقدس بتلاتے ہیں اور خدا تعالیٰ پر افتراء کرتے ہیں اور مشرکین کو موحدین پر ترجیح دیتے ہیں اب ان آیات میں یہود کے بخل اور حسد کو بیان فرماتے ہیں کہ یہ لوگ غایت درجہ بخیل اور حاسد ہیں محض حسد کی وجہ سے سیدنا محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لاتے کہ نبی آخرالزمان بنی اسمٰعیل میں سے کیوں ہوئے بنی اسرائیل میں سے کیوں نہ ہوئے نیز یہود کا یہ دعوےٰ اور زعم تھا کہ اخیر زمانہ میں یہود کی سلطنت ہوگی اور یہ کہتے تھے کہ آخر حکومت اور بادشاہت ہمیں کو پہنچ کر رہے گی برائے چندے اگر اوروں کو مل جائے تو مضایقہ نہیں ۔

حق تعالیٰ نے اس آیت میں ان کی تکذیب کی اور ان کے دعوے کو جھوٹا قرار دیا چنانچہ فرماتے ہیں کیا ان کے لیے ان کی آرزو کے مطابق سلطنت اور بادشاہی میں سے کوئی حصہ ہے ہرگز نہیں یہ استفہام انکاری ہے مطلب یہ ہے کہ ان کے پاس سلطنت کا کوئی حصہ نہیں پھر ان کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اتباع سے کیوں عار آتی ہے ان لوگوں پر ظلم اور طغیان

اور عصیان اور عدوان کی وجہ سے ذلت اور مسکنت کی مہر لگ چکی ہے پس اگر ان لوگوں کو سلطنت مل جائے تو یہ لوگ اس درجہ بخیل ہیں کہ لوگوں کو تل برابر بھی کوئی چیز نہ دیں اور سلطنت کے منافع کو اپنے لیے مخصوص کرلیں اور جو لوگ اس درجہ بخیل ہوں کہ سلطنت ملنے کے بعد لوگوں کو ایک تل دینا بھی گوارا نہ کریں وہ سلطنت کے حق دار اور اہل نہیں یہ اُن کے بخل کا بیان تھا اب آیندہ آیت میں ان کے حسد کو بیان کرتے ہیں کیا یہ یہود عرب کے لوگوں یعنی بنی اسماعیل کی اس نعمت پر حسد کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے دی ہے لوگوں سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب مراد ہیں اور نعمت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے منصب نبوت سے سرفراز فرمایا اور نبوت کے ساتھ حکومت اور بادشاہت بھی دی حسد اس پر ہے کہ نبوت اور بادشاہت تو حصہ بنی اسرائیل کا تھا - دین و دنیا کی نعمت بنی اسمٰعیل کو کیسے مل گئی۔

حق تعالیٰ شانہٗ ان کے جواب میں فرماتے ہیں پس تحقیق دی ہے ہم نے اولاد ابراہیم کو کتاب اور حکمت اور ہم نے ان کو بڑی بھاری سلطنت اور بادشاہت بھی دی ہے جیسے حضرت یوسف اور حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہم السّلام کو نبوت کے ساتھ بادشاہت بھی عطا کی جو حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں سے تھے اسی طرح سیدنا محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بھی تو حضرت ابراہیمؑ کی اولاد سے ہیں پھر آنحضرت کی نبوت اور ریاست پر کیوں حسد کرتے ہیں حق تعالیٰ شانہٗ نے پہلے حضرت ابراہیمؑ کے ایک خاندان (بنی اسرائیل) کو نبوت و بادشاہت سے سرفراز کیا اب دوسرے خاندان یعنی بنی اسمٰعیل کو نبوت و بادشاہت عطاء کی تو حسد اور تعجب کی کیا بات ہے یہود بے بہبود کا خیال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت بنی اسرائیل کے علاوہ اور کسی خاندان کو نہیں ملے گا پس ان حاسدین میں سے کوئی تو آپ پر ایمان لایا جیسے عبداللہ بن سلامؓ اور ان کے رفقاء اور کوئی ایمان لانے سے باز رہا جیسے کعب بن اشرف وغیرہ اور ان کی سزا کیلئے دوزخ کی دہکتی ہوئی آگ کافی ہے اور بعض علماء نے بہٖ کی ضمیر انبیاء سابقین کی طرف راجع کی ہے اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اولاد ابراہیم ہی سے جن نبیوں کو ہم نے کتاب و حکمت دی تھی ان پر بعض یہود تو ایمان لائے اور بعض نے ان کو بھی نہ مانا پس اے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اگر یہ لوگ آپ کی نبوت کو بھی نہ مانیں تو کوئی تعجب نہیں ان کی جو روش پہلے تھی وہی اب بھی ہے ایسے ہٹ دھرموں کی سزا کے لیے دوزخ کافی ہے یہ آیت تو یہود کے حق میں تھی اب آیندہ آیت میں عام مؤمنین اور عام کفار کی جزاء و سزا کا بطور قاعدۂ کلیہ ذکر ہے جس میں یہود بھی داخل ہیں تحقیق جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو نہیں مانا ہم ضرور ان کو آگ میں ڈالیں گے جب کبھی (آگ) سے ان کی کھالیں جل جایا کریں گی تو ہم فوراً پہلی کھالوں کے سوا دوسری نئی کھالیں بدل دیا کریں گے تاکہ اچھی طرح عذاب کا مزہ چکھتے رہیں اور ہر لحظہ اور ہر ساعت عذاب کا الم محسوس

کرتے رہیں تازہ کھال کو جس قدر الم محسوس ہوتا ہے جلی ہوئی کھال کو اتنا محسوس نہیں ہوتا بیشک اللہ زبردست حکمت والا ہے وہ سب پر غالب ہے کوئی اس کو عذاب دینے سے روک نہیں سکتا اور حکمت والا ہے اس کا عذاب عین حکمت اور مصلحت ہے اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے ان کو ہم ایسے باغوں میں داخل کریں گے جن کے درختوں اور مکانوں کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے یعنی ان باغوں میں ہمیشہ زندہ رہیں گے اور کبھی وہاں سے نکالے نہ جائیں گے ان کے لیے ان باغوں میں پاک وصاف بیویاں ہوں گی اور ہم ان کو بڑے گنجان سایہ کی جگہ میں بھی داخل کریں گے یعنی جنت میں نہ گرمی ہو گی اور نہ سردی بلکہ ایسا آرام ملے گا جیسا سایہ میں بیٹھ کر ملتا ہے ملک عرب چونکہ نہایت گرم ہے اس سبب وہاں کے لوگ سایہ کو غایت درجہ کی راحت جانتے تھے اس مقام پر لوگ یہ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ جب جنت میں سورج نہیں تو سایہ کیسا کما قال تعالیٰ لَا یَرَوْنَ فِیْہَا شَمْسًا وَّلَا زَمْہَرِیْرًا

جواب یہ ہے کہ روشنی اور دھوپ کے لیے خاص آفتاب کا وجود ضروری نہیں اللہ تعالیٰ جس طرح چاہے نور اور تیز روشنی پیدا کر دے اُخروی نعمتوں کو دنیاوی نعمتوں پر قیاس نہ کرنا چاہیے جس طرح وہ آخرت میں دودھ اور شہد بلا اسباب ظاہرہ کے محض اپنی قدرت سے پیدا فرمائے گا اسی طرح وہ جنت میں روشنی اور سایہ بھی اپنی قدرت سے پیدا فرما دے گا۔

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَھْلِھَا ۙ

اللہ تم کو فرماتا ہے کہ پہنچا دو امانتیں امانت والوں کو

وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ

اور جب چکوتی کرنے لگو لوگوں میں تو چکوتی کرو انصاف سے

اِنَّ اللّٰہَ نِعِمَّا یَعِظُکُمْ بِہٖ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ سَمِیْعًا

اللہ اچھی نصیحت کرتا ہے تم کو اللہ ہے سنتا دیکھتا

بَصِیْرًا ﴿۵۸﴾ یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا

اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو

الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ

رسول کا اور جو اختیار والے ہیں تم میں پھر اگر جھگڑ پڑو کسی چیز میں تو

فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ

اس کو رجوع کرو طرف اللہ کے اور رسول کے اگر یقین رکھتے ہو

بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا ﴿۵۹﴾ ع ۹ / ۵

اللہ پر اور پچھلے دن پر یہ خوب ہے اور بہتر تحقیق کرنا ہے

حکم نوزدہم [۱۹] ادائے امانت و اقامت عدل

قال تعالیٰ اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَهْلِهَا ۔۔۔ الیٰ ۔۔۔ ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا

(ربط) دور سے یہود کے قبائح اور حدود اللہ سے ان کی تعدیوں کا بیان چلا آرہا ہے اب ان آیات میں ان کی ایک اور تعدی کو بیان فرماتے ہیں کہ منجملہ تعدی حدود اللہ کے ایک تعدی امانت میں خیانت اور فیصلہ میں بے انصافی ہے یہود کی یہ عادت تھی کہ امانت میں خیانت کرتے اور فصل خصومات میں رشوت لے کر بے انصافی کرتے اس لیے ان آیات میں اللہ تعالیٰ امانت داری اور عدل و انصاف اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور اولی الامر کی اطاعت کا حکم دیتے ہیں اس لیے دخول جنت[۱] اور ازواج مطہرہ اور ظل ظلیل کے مستحق اہل امانت اور اہل عدالت ہی ہو سکتے ہیں اور اعمال صالحہ میں امانت اور عدالت بہت بڑا عمل صالح ہے بلکہ تمام اخلاق اور اعمال اور معاملات دینیہ و دنیویہ اور حکومت و ریاست کی روح بھی صفت عدل و امانت ہے چنانچہ فرماتے ہیں

تحقیق اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو امانت والوں کے حوالہ اور سپرد کردو خواہ وہ امانتیں دنیا سے متعلق ہوں یا دین سے اس آیت میں عثمان بن طلحہ کے قصہ کی طرف اشارہ ہے امام بغوی فرماتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ کے اندر داخل ہونا چاہا تو عثمان بن طلحہ جو خانہ کعبہ کے کلید بردار تھے ان سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ کی کنجی طلب کی عثمان نے کنجی دینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ اگر میں آپ کو خدا کا رسول جانتا تو میں کنجی دیتے

[۱] جن کا ذکر پہلی آیت میں ہو چکا ہے۔

سے انکار نہ کرتا لیکن میرے علم میں آپ خدا کے رسول نہیں اس پر حضرت علی نے عثمان کا ہاتھ پکڑ کر مروڑ دیا اور کنجی اُن سے چھین لی اور خانہ کعبہ کا دروازہ کھولا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ کے اندر داخل ہوئے اور دو رکعت نماز پڑھی جب آپ باہر نکلے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آپ سے درخواست کی کہ یہ کنجی مجھ کو دے دی جائے تاکہ "سقایتِ زمزم" یعنی حاجیوں کو زمزم پلانے کی خدمت کے ساتھ خانہ کعبہ کی حجابت (کلید برداری) بھی مجھے مل جائے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو حکم دیا کہ کنجی عثمان بن طلحہ کے حوالہ کر دو علی نے کنجی عثمان بن طلحہ کے حوالہ کر دی اور کہا کہ تمہارے بارہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور ان کو یہ آیت پڑھ کر سنائی عثمان بن طلحہ نے جب یہ آیت سنی تو فوراً مسلمان ہو گئے اور کہا کہ اشہد ان لا الٰہ الا اللہ وان محمداً رسول اللہ۔

امام بغوی کی اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عثمان بن طلحہ فتح مکہ کے دن اس آیت کے نزول کے بعد مشرف باسلام ہوئے لیکن اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ عثمان بن طلحہ صلح حدیبیہ کے زمانہ میں خالد بن ولید کے ساتھ مدینہ منورہ حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے اور جب فتح مکہ کے دن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مکہ آئے اور عثمان سے خانہ کعبہ کی کنجی طلب کی تو عثمان نے بے تامل آپ کے حوالے کر دی اور پھر خانہ کعبہ سے باہر آکر جب آپ وہ کنجی عثمان کو دینے لگے تو حضرت عباسؓ بول اٹھے کہ یا رسول اللہ یہ کنجی میرے حوالے کر دی جائے اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور آپؐ نے عثمان کی امانت (کنجی) عثمان کے حوالے کر دی اور یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کنجی تم کو واپس دلائی ہے اب یہ کنجی ہمیشہ تمہارے ہی پاس رہے گی اور جو شخص یہ کنجی تم سے چھینے گا وہ ظالم کہلائے گا مرتے دم تک یہ کنجی عثمان ہی کے پاس رہی مرتے وقت یہ کنجی اپنے بھائی شیبہ کو دی چنانچہ اب تک خانہ کعبہ کی کنجی شیبہ کی اولاد میں ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک اسی کی اولاد میں رہے گی۔

عَدل کا حُکم

اور اللہ تعالیٰ تم کو یہ حکم دیتے ہیں کہ جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف سے فیصلہ کرو یعنی فیصلہ میں کسی کی رعایت نہ کرو اور نہ کسی پر ظلم کرو مدعی اور مدعی علیہ دونوں کو اپنے پاس بٹھا کر دونوں کی طرف متوجہ ہو اور دونوں کی بات سن کر جو حق معلوم ہو اس کے مطابق فیصلہ کر دو اور اپنے اور پرائے کا امتیاز نہ کرو بے شک اللہ تعالیٰ تم کو بہت ہی عمدہ نصیحت کرتا ہے یعنی امانت کا ادا کرنا اور عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا بلا شبہ امانت اور

عدالت نہایت ہی عمدہ خصلت ہے جس پر دین و دنیا کی صلاح اور فلاح موقوف ہے آخرت کا معاملہ تو بہت بڑا ہے دنیائے فانی کی حکومت بھی بدون امانت اور عدالت نہیں چلتی بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اقوال و افعال کو جو فیصلہ کے وقت سرزد ہوتے ہیں سننے والا دیکھنے والا ہے تمہاری امانت اور خیانت اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں پس تم کو چاہیے کہ اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر چلو اور اختلاف کے وقت اللہ اور اس کے رسول یعنی کتاب و سنت کی طرف رجوع کرو چنانچہ فرماتے ہیں اے ایمان والو اطاعت اور فرمانبرداری کرو اللہ تعالیٰ کی جو قانون عدل اور امانت کا واضع ہے اور فرمانبرداری کرو پیغمبر خدا کی جو قانون خداوندی کا شارح ہے رسول جو بھی کہتا ہے وہ سب خدا ہی کی طرف سے ہوتا ہے نبی کی زبان حکم خداوندی کی ترجمان ہے اور فرمانبرداری کرو اپنے فرماں رواؤں کی بشرطیکہ وہ تم میں سے ہوں یعنی مسلمانوں میں ہوں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہوں اور ان حکام کا مقصود حکومت سے یہ ہو کہ احکام شریعت کو لوگوں میں جاری اور نافذ کریں اور کتاب و سنت کے مطابق لوگوں میں امانت اور عدالت کے ساتھ فیصلہ کریں تو ایسے حکام کی اطاعت واجب ہے اور اگر تم میں اور حکام میں کسی وقت کسی شے میں باہم نزاع اور اختلاف ہو جائے کہ یہ حکم اور یہ فیصلہ اللہ اور اس کے رسول کو موافق ہے یا مخالف تو اس کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف راجع کرو یعنی جس بات میں اختلاف ہو تو اس کو کتاب اللہ اور سنت رسول کی طرف لوٹاؤ اگر تم اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو یعنی اگر تم اس پر ایمان رکھتے ہو کہ قانون خداوندی کی اطاعت واجب ہے اور اس پر ایمان رکھتے ہو کہ قیامت کے دن قانون شریعت پر عمل کرنے والوں اور نہ کرنے والوں کو جزاء و سزا ضرور ملے گی تو نزاع کے وقت کتاب و سنت کی طرف رجوع کرو۔ یہ یعنی کتاب و سنت کی طرف رجوع کرنا ہی تمہارے لیے غایت درجہ نافع اور بہتر ہے اور اگر بالفرض والتقدیر اس وقت تم کو حکم شرعی نافع اور مفید نہ معلوم ہو تو خوب سمجھ لو کہ وہ باعتبار انجام کے تمہارے لیے بہت ہی بہتر ہے یعنی اس کی عاقبت محمود ہے فیصلہ میں خدا کی طرف رجوع کرنے کا انجام بہتر ہے اور اپنی خواہش اور غرض کی طرف رجوع کرنے کا انجام برا ہے۔

لطائف و معارف

(۱) امانت کی حقیقت یہ ہے کہ جس کسی کا جو حق تم پر واجب ہو اس کو طیب خاطر کے ساتھ ادا کر دو

(۲) آیت کا نزول اگرچہ خاص واقعہ مفتاح میں ہوا ہے لیکن بالاجماع یہ آیت مال و دیعت کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ لفظ امانات میں جملہ اقسام کی امانتیں داخل ہیں کیونکہ الامانات پر

جو الف لام داخل کیا گیا ہے وہ استغراق کے لیے ہے اور مطلب یہ ہے کہ جملہ اقسام کی امانتوں کی رعایت واجب ہے کسی امانت میں بھی خیانت روا نہیں۔

(۳) جاننا چاہیے کہ انسان کے معاملات کی کل تین قسمیں ہیں ۱؎ تو انسان کا معاملہ خدا تعالیٰ کے ساتھ ہے اور ۲؎ لوگوں کے ساتھ اور ۳؎ اپنے نفس کے ساتھ ہے تینوں قسموں میں امانت کی رعایت ہر انسان پر فرض ہے۔

(۱) خدا تعالےٰ کے ساتھ امانت کی رعایت یہ ہے کہ جن باتوں کا خدا تعالےٰ نے حکم دیا ہے ان کو بجا لائے اور جن باتوں سے منع کیا ہے ان سے رکا رہے احکام خداوندی کی بجا آوری میں خیانت نہ کرے۔

(۲) اور لوگوں کے ساتھ امانت کی رعایت یہ ہے کہ ان کی ودیعتیں اور ان کے قرض ادا کرے ماپ تول میں کمی نہ کرے اور بادشاہوں کی امانت یہ ہے کہ رعایا کے حقوق ادا کریں عہدہ اور منصب کسی نااہل کو نہ دیں نااہل کو عہدہ اور منصب دینا رعایا کے ساتھ خیانت ہے اور علماء کی امانت یہ ہے کہ احکام خداوندی بلا کم و کاست شریعت کے مطابق لوگوں تک پہنچا دیں۔

(۳) اور اپنے نفس کے ساتھ امانت کی رعایت یہ ہے کہ اپنے اعضاء وجوارح سے وہ کام نہ لے جو دنیا اور آخرت میں اس کے لیے مضر ہوں مثلاً زبان کو کلمات کفر اور بدعت اور کذب و غیبت سے محفوظ رکھے اور آنکھ کی امانت یہ ہے کہ اس کو حرام کی طرف دیکھنے سے محفوظ رکھے اور کان کی امانت یہ ہے کہ جھوٹ اور غیبت اور گانے بجانے کے سننے سے محفوظ رکھے اور شرمگاہ کی امانت یہ ہے کہ اس کو حرام سے بچائے۔

قرآن کریم میں جا بجا امانت ادا کرنے کی تاکید آئی ہے اور حدیث میں ہے کہ جس میں امانت نہیں اس میں ایمان نہیں اور جس کو اپنے عہد کا پاس نہیں اس میں دین نہیں۔

(۴) دوسری آیت یعنی وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ میں حکام کو حکم دیا گیا کہ لوگوں کے اختلافات اور نزاعات کا فیصلہ عدل اور انصاف کے ساتھ کریں حق کے مطابق فیصلہ کریں ذرہ برابر کسی کی رعایت نہ کریں۔

دنیا کے اعتبار سے عدل کا فائدہ یہ ہے کہ حکومت کا بقاء اور استحکام عدل و انصاف پر موقوف ہے حکومت کفر کے ساتھ چل سکتی ہے مگر ظلم کے ساتھ نہیں چل سکتی جس حکومت سے عدل و انصاف رخصت ہو جاتا ہے تو اس کے ساتھ ملک کی برکتیں بھی رخصت ہو جاتی ہیں آسمان کی بارشیں کم ہو جاتی ہیں اور زمین کی پیداوار بھی گھٹ جاتی ہے مروتیں مضمحل ہو جاتی ہیں ملک میں مکر و فریب پھیل جاتا ہے اور سکون اور اطمینان گم ہو جاتا ہے اور جب مظلوم

دادرسی اور فریاد سے محروم ہو کر آسمان کی طرف دیکھتا ہے تو قہر خداوندی جوش میں آتا ہے اور پھر بعد چندے وہ ہوتا ہے جو دنیا دیکھتی ہے اللہ پناہ میں رکھے اور آخرت کے اعتبار سے عدل کا فائدہ یہ ہے کہ عدل وانصاف قیامت کے دن حق تعالیٰ کے قرب ورضا اور اعزاز واکرام کا ذریعہ ہے۔

حدیث میں ہے کہ عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے والے حاکموں کو قیامت کے دن نور کے منبروں پر بٹھایا جائے گا۔

اور حدیث میں ہے کہ تین شخصوں کی دعا رد نہیں ہوتی عادل[1] فرمانروا اور روزہ[2] دار اور مظلوم[3]

اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سات شخصوں کو عرش کے سایہ میں جگہ دے گا منجملہ ان کے ایک عادل فرمانروا ہے۔

(۵) اولو الامر کے بارہ میں علماء کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ اولی الامر سے امراء اور حکام مراد ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ اولی الامر سے فقہاء اور علماء دین مراد ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ حسن بصریؒ ضحاکؒ مجاہدؒ کا یہی قول ہے (تفسیر در منثور ص۱۷۶ ج ۲)

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ کے نزدیک بھی یہی قول مختار اور پسندیدہ ہے اور مجاہد کہتے ہیں کہ اولی الامر سے صحابہ کرام مراد ہیں اور عکرمہ کہتے ہیں کہ اس سے ابوبکرؓ وعمرؓ مراد ہیں (تفسیر قرطبی ص۲۵۹ ج ۵)

اور شیعہ کہتے ہیں کہ اولی الامر سے ایمہ اثناء عشر مراد ہیں یعنی ایمہ معصومین مراد ہیں جن کا دنیا میں کہیں وجود نہیں نہ معلوم کہ حضرات شیعہ نے معدوم کی اطاعت کی کیا صورت نکالی ہے۔

اور غور وفکر کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ اولی الامر کے معنی ارباب حکومت اور اہل اختیار کے ہیں جو امراء اور حکام[1] اور علماء دین اور خلفاء راشدین سب پر صادق آتی ہیں کیونکہ شاہ عبد القادرؒ نے اولی الامر کا ترجمہ (اور جو اختیار والے ہیں تم میں) کیا ہے اور مولانا اشرف علی صاحبؒ نے اولی الامر کا ترجمہ اس طرح کیا ہے اور جو لوگ تم میں اہل حکومت ہیں اور حکومت اور اختیار عام ہے خواہ دنیا کے اعتبار سے ہو یا دین کے اعتبار سے تدبیر ملکی اور حرب اور ضرب میں امراء وحکام کی اطاعت واجب ہے بشرطیکہ ان کے احکام شریعت کے مطابق ہوں اور اگر امیر اور حاکم معصیت کا حکم

---

[1] قال العلامة الألوسی وحمله کثیر علی ما یعم الجمیع لتناول الاسم لہم لان للامراء تدبیر امر الجیش والقتال وللعلماء حفظ الشریعة ولیس ببعید (روح المعانی ص۵۹ ج۵)
وقال ابن کثیر والظاهر واللہ اعلم انها عامة فی کل اولی الامر من الامراء والعلماء کما تقدم (تفسیر ابن کثیر ص۵۱۸ ج۱)

دے تو پھر امیر اور حاکم کی اطاعت جائز نہیں ۔

اور دینی اعتبار سے علماء اور فقہاء حاکم اور ذی اختیار ہیں عوام پر علماء اور فقہاء کا اتباع واجب ہے اس لیے کہ علماء انبیاء کرام کے وارث ہیں اور احکام شریعت کے خازن و امین ہیں اور خزانہ علم نبوی کے حفیظؑ علیم ہیں ۔

اور حق جل شانہٗ کا یہ ارشاد وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ[1] بھی اسی پر دلالت کرتا ہے کہ اولی الامر سے علماء مجتہدین مراد ہیں جو اجتہاد اور استنباط کی صلاحیت رکھتے ہوں ان کی طرف رجوع کرنا واجب ہے جو احکام اور مسائل بصراحت کتاب وسنت میں نہ پائے جائیں وہاں عوام پر علماء مجتہدین و مستنبطین کی تقلید اور اتباع واجب ہے غرض یہ کہ جو کوئی مسلمانوں کی دینی یا دنیوی صلاح کا والی اور متولی ہو وہ اولی الامر کے تحت میں داخل ہے اور خلفاء راشدین چونکہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے قائم مقام تھے اس لیے وہ دونوں قسم کی اصلاح کے والی اور متولی تھے اور دین دنیا دونوں اعتبار سے حاکم اور فرمانروا اور ذی اختیار تھے اور سب سے زیادہ اولی الامر کے لقب کا استحقاق رکھتے تھے جو خلفاء راشدین کی سنت کے اتباع کو واجب نہ سمجھے وہ اہل سنت والجماعت میں سے نہیں ۔

(۶) اصول دین اور اَدِلّۂ شرعیہ

امام رازی[2] قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ اس آیت شریفہ میں اصول دین اور ادلۂ شرعیہ کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ علماء اصول نے لکھا ہے کہ ادلۂ شرعیہ چار ہیں کتاب اللہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجماع امت اور قیاس فقہاء مجتہدین، اَطِيْعُوا اللّٰهَ میں کتاب اللہ کے اتباع کی طرف اشارہ ہے جو اصول دین میں اصل اول ہے اور اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ میں سنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اتباع کی طرف اشارہ ہے جو دین کی اصل ثانی ہے اور اولی الامر کی اطاعت سے اجماع علماء کے اتباع کی طرف اشارہ ہے جو دین کی اصل ثالث ہے کیونکہ حقیقت میں امراء اور اولی الامر سے وہی علماء ربانیین اور راسخین فی العلم مراد ہیں جو کتاب وسنت سے احکام خداوندی کا استنباط کر سکتے ہوں اور علماء اصول کی اصطلاح میں ایسے ہی لوگوں کو اہل حل وعقد کہا جاتا ہے اور ایسے ہی علماء مستنبطین کے قول و اقرار سے اجماع منعقد ہوتا ہے ۔

---

[1] اخرج ابن ابی شیبة وابن جریر عن ابی العالیة فی قوله وَاُولِي الْاَمْرِ قال هم اهل العلم الا تری انه یقول وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ (تفسیر در منثور ص ۱۷۶ ج ۲ و تفسیر قرطبی ص ۲۶۳ ج ۵)

[2] تفصیل کے لیے حضرات اہل علم اصل تفسیر کی مراجعت کریں ۔ ۱۲

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قطعی اور جزمی طور پر جس کا اتباع واجب اور لازم ہے وہ اجماع علماء ہے علماء فرداً فرداً اگرچہ غیر معصوم ہیں لیکن علماء ربانیین اور مستنبطین کا اجماع معصوم عن الخطاء ہے جیسا کہ حدیث میں ہے لا تجتمع امتی علی الضلالۃ اسلیئے اولی الامر کے اجماع کی اطاعت اور اتباع کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے ساتھ ملا کر ایک اطیعوا کے تحت میں ذکر فرمایا ہے اور فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ میں نزاع اور اختلاف سے اس شئ میں نزاع اور اختلاف مراد ہے جس کا حکم کتاب وسنت واجماع میں منصوص اور مصرّح نہ ہو کیونکہ جس کا حکم منصوص ہوگا وہ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ میں داخل ہوگا پھر اس قضیہ شرطیہ یعنی فان تنازعتم لانے کی کیا ضرورت ہوگی۔

عالم میں جو واقعات پیش آتے ہیں وہ دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جن کے احکام منصوص ہیں دوم وہ جو منصوص نہیں اول الذکر کے متعلق أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ کا حکم دیا گیا اور دوسری قسم یعنی جس واقعہ کا حکم منصوص نہ ہو اس کے متعلق یہ حکم دیا گیا کہ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ یعنی جس واقعہ کا حکم منصوص نہ ہو تو اس غیر منصوص کا حکم معلوم کرنے کیلئے کتاب وسنت کی طرف رجوع کرو اور اس جیسے واقعات کا جو حکم کتاب وسنت میں ہے وہی اس غیر منصوص کے لیے ثابت کر دو اور مشابہت اور مماثلت کی بناء پر غیر منصوص کے لیے منصوص کا حکم ثابت کرنا اسی کا نام قیاس اور اجتہاد اور استنباط ہے جو دین کی اصل چہارم ہے کتاب وسنت احکام خداوندی کا خزینہ اور دفینہ ہے جو احکام کتاب وسنت میں منصوص اور صراحۃً مذکور ہیں وہ بمنزلہ ایسے خزانہ کے ہیں جو گھر میں رکھا ہوا ہے ہر ایک بصیر اور بینا کو دکھائی دے سکتا ہے اور جو احکام غیر منصوص ہیں وہ بمنزلہ دفینہ کے ہیں جو کتاب وسنت کے عمق اور گہرائی میں مدفون اور مستور ہیں جن کا سوائے حاذق اور ماہر کے کسی کو پتہ نہیں چل سکتا پس جو علوم اور احکام کتاب وسنت کی تہ میں مدفون اور مخزون ہیں ان کو اپنی باطنی حذاقت اور اندرونی بصیرت سے باہر نکال لانے کا نام اجتہاد اور استنباط ہے اور جو شخص خود استنباط نہ کر سکے اس کو مستنبطین کا اتباع لازم ہے ع چوں تو یوسف نیستی یعقوب باش، اور اسی کا نام تقلید ہے جو لوگ اجتہاد اور استنباط کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں ان پر راسخین فی العلم اور مستنبطین کا اتباع واجب ہے اور اپنی ناقص رائے اور ناتمام فہم کا اتباع ناجائز ہے۔

حضرت مولانا سید محمد انور شاہ قدس اللہ سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ حق تعالیٰ نے دنیا میں دو نعمتیں اتاریں ایک حفظ کی اور ایک فہم کی حفظ کی نعمت سے محدثین اور لغویین کو سرفراز فرمایا اور فہم وفراست کی نعمت سے فقہاء اور عارفین یعنی اولیاء اللہ کو سرفراز فرمایا انتہی کلامہ۔

پس جس طرح حق تعالیٰ شانہ نے ذخیرۂ حدیث کی تدوین کے لیے بخاری اور مسلم اور ابوداؤد

وترمذی کو خاص طور پر منتخب فرمایا اور امت محمدیہ کو ان حضرات کی تدوین کردہ کتابوں کی تلقی بالقبول کا الہام فرمایا اسی طرح تدوین فقہ اور استنباط مسائل کے لیے ایمۂ اربعہ یعنی امام ابوحنیفہ اور امام مالک اور امام شافعی اور امام احمد کو منتخب فرمایا اور امت کے علماء، وصلحاء، عوام وخواص کے دلوں میں ان کی تقلید کا داعیہ پیدا فرمایا کہ ان حضرات کے فہم واستنباط پر بھروسہ اور اعتماد کرکے ان کے سمجھے ہوئے کے مطابق شریعت پر عمل کریں ایمہ مجتہدین کی تقلید پر انکار کرنے والوں اور تقلید شخصی کو شرک وبدعت بتانے والوں پر تعجب ہے کہ صحت حدیث اور جرح وتعدیل میں بخاری اور مسلم اور صحاح ستہ کا اتباع اور تقلید تو مستحسن ہو اور مسائل اجتہادیہ میں ابوحنیفہ اور شافعی کا اتباع کورانہ تقلید اور بدعت اور شرک کہلائے دنیا میں سینکڑوں محدث اور بے شمار حدیث کی کتابیں ہیں مگر ان میں سے جس طرح صحیحین اور صحاح ستہ کو علماء نے منتخب کر لیا ہے اور بلادلیل ان کتابوں کی حدیث کو معتبر سمجھا جاتا ہے اور کوئی شرک اور بدعت نہیں بتلاتا اسی طرح دنیا میں بہت سے مجتہد گزرے مگر من جانب اللہ امت محمدیہ کے محدثین اور مفسرین اور اولیاء اور متکلمین انہی چار کی اتباع اور تقلید میں منحصر ہوگئے اور سب علماء کا اس پر اجماع ہوگیا کہ ان چار حضرات سے زیادہ کوئی عالم کتاب وسنت اور احکام شریعت کو سمجھنے والا نہیں عقلاً اگرچہ اب بھی اجتہاد ممکن ہے نبوت کی طرح اجتہاد کا دروازہ بند نہیں ہوا لیکن یہ امکان ایسا ہی ہے جیسا کہ یہ کہا جائے کہ بخاری اور مسلم جیسا حافظ حدیث ہونا اب بھی ممکن ہے حافظ بخاری اور مسلم پر ختم نہیں ہوگیا بے شک امکان عقلی اب بھی موجود ہے لیکن فقہاء جیسا اجتہاد اور استنباط اور بخاری ومسلم جیسا حافظ من جانب اللہ دنیا سے اٹھالیا گیا اور یہ امکان عادۃً مفقود ہوگیا۔

جو لوگ صحیحین اور سنن اربعہ کی احادیث کو بلا دلیل معتبر سمجھتے ہیں ان کے پاس بجز حسن ظن کے کوئی دلیل نہیں منکرین تقلید کو نہ اسانید کا علم ہے اور نہ رجال سند کے اسماء اور کنیٰ اور موالید اور نہ وفیات اور انکی ثقاہت اور ضعف کی کچھ خبر ہے محض بخاری اور مسلم کی امامت اور جلالت قدر پر بھروسہ اور اعتماد کرکے بلا دلیل ان کی احادیث کو محض حسن ظن کے بناء پر صحیح تسلیم کرتے ہیں کیا یہ تقلید نہیں۔

اسی طرح مقلدین امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے تفقہ اور اجتہاد واستنباط پر حسن ظن کی بناء پر اعتماد کرکے شریعت کا اتباع کرتے ہیں اور یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ امت محمدیہ کے علماء کا اجماع ہے کہ ابوحنیفہ اور مالک اور شافعی اور احمد تفقہ اور اجتہاد کے آسمان تھے اور ہم ذرۂ بے مقدار ہیں اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ ہم ان مستنبطین کی طرف رجوع کریں اور جو شخص ان ایمۂ ھدیٰ کے تقلید شخصی سے منحرف ہے وہ اپنے ظلوم وجہول نفس کی تقلید شخصی میں گرفتار ہے

(۷) ان چار اصول یعنی کتاب وسنت اور اجماع اور قیاس مجتہدین کے ذکر کے بعد حق تعالیٰ کا یہ ارشاد

فرمانا اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اس امر کی دلیل ہے کہ جس طرح کتاب وسنت کا اتباع لوازم ایمان میں سے ہے اسی طرح اجماع امت اور قیاس مجتہد کا اتباع بھی مقتضیات ایمان میں سے ہے اور ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا کا مصداق ہے کیونکہ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ کی قید جمیع امور مذکور فی الآیت سے متعلق ہے اور ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا بھی سب سے متعلق ہے

(۸) تمام علماء امت کے نزدیک ادلۂ شرعیہ چار ہیں کتابؔ سنتؔ اجماعؔ اور قیاسؔ۔

اور امام بخاری نے صحیح بخاری کی کتاب الاعتصام میں اجماع اور قیاس کا دلیل شرعی ہونا کتاب وسنت سے ثابت کیا ہے۔

مگر غیر مقلدین کے نزدیک ادلۂ شرعیہ صرف دو ہیں ایک کتاب اور ایک سنت اجماع اور قیاس کی حجیت کے قائل نہیں حتےٰ کہ اجماع صحابہ کے بھی قائل نہیں بیس رکعت تراویح اور تین طلاق کے تین ہونے کے قائل نہیں اور نام اپنا اہل حدیث رکھ لیا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ

تو نے نہ دیکھے وہ جو دعوے کرتے ہیں کہ یقین

اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ

لائے ہیں جو اترا تیری طرف اور جو اترا تجھ

مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ

سے پہلے چاہتے ہیں کہ قضیہ لے جاویں شیطان کی طرف

وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ۭ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ

اور حکم ہو چکا ہے ان کو کہ اس سے منکر ہو جاویں اور چاہتا ہے شیطان

اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ۞ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ

کہ ان کو بہکا کر دور لے ڈالے اور جو ان کو کہیے آؤ

تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ

اللہ کے حکم کی طرف جو اس نے اتارا اور رسول کی طرف تو تو دیکھے

الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ﴿۶۱﴾ فَكَيْفَ اِذَآ

منافقوں کو بند ہو رہتے ہیں تیری طرف سے اٹک کر پھر وہ کیسا کہ جب

اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ثُمَّ جَآءُوْكَ

ان کو پہنچے مصیبت اپنے ہاتھوں کے کیے سے پیچھے آویں

يَحْلِفُوْنَ ۖ بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًا ﴿۶۲﴾

تیرے پاس قسمیں کھاتے اللہ کی کہ ہم کو غرض نہ تھی مگر بھلائی اور ملاپ

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۗ فَاَعْرِضْ

یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ جانتا ہے جو ان کے دل میں ہے سو تو ان سے

عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًا ۢ بَلِيْغًا ﴿۶۳﴾

تغافل کر اور ان کو نصیحت کر اور ان سے کہہ ان کے حق میں بات کام کی

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَ

اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس واسطے کہ اس کا حکم مانیں اللہ کے

لَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا

فرمان سے اور اگر ان لوگوں نے جس وقت اپنا برا کیا تھا آتے تیرے پاس پھر اللہ سے

اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا

بخشواتے اور رسول ان کو بخشواتا اللہ کو پاتے معاف کرنے والا

رَّحِيْمًا ﴿۶۴﴾ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ

مہربان سو قسم ہے تیرے رب کی ان کو ایمان نہ ہو گا جب تک تجھ ہی کو منصف نہ

فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا

جائیں جو جھگڑا اٹھے آپس میں پھر نہ پاویں اپنے جی میں خفگی تیری

مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿٦٥﴾ وَلَوْ أَنَّا كَتَبْنَا

چکوتی سے اور قبول رکھیں مان کر اور اگر ہم ان پر

عَلَيْهِمْ أَنِ اقْتُلُوا أَنفُسَكُمْ أَوِ اخْرُجُوا مِن دِيَارِكُم

حکم کرتے کہ ہلاک کرو اپنی جان یا چھوڑ نکلو اپنے گھر

مَّا فَعَلُوهُ إِلَّا قَلِيلٌ مِّنْهُمْ ۖ وَلَوْ أَنَّهُمْ فَعَلُوا مَا

تو کوئی نہ کرتے مگر تھوڑے ان میں اور اگر یہی کریں جو ان کو

يُوعَظُونَ بِهِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَأَشَدَّ تَثْبِيتًا ﴿٦٦﴾

نصیحت ہوتی ہے تو ان کے حق میں بہتر ہو اور زیادہ ثابت ہوں دین میں

وَإِذًا لَّآتَيْنَاهُم مِّن لَّدُنَّا أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٦٧﴾ وَ

اور اسی میں ہم دیں ان کو اپنے پاس سے بڑا ثواب اور

لَهَدَيْنَاهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ﴿٦٨﴾ وَمَن يُطِعِ

چلا دیں ان کو سیدھی راہ اور جو لوگ حکم میں

اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم

چلتے ہیں اللہ کے اور رسول کے سو ان کے ساتھ ہیں جن کو اللہ نے نوازا

مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ ۚ

نبی اور صدیق اور شہید اور نیک بخت

وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا ﴿٦٩﴾ ذَٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللَّهِ

اور خوب ہے ان کی رفاقت یہ فضل ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ

وَكَفَىٰ بِاللَّهِ عَلِيمًا ﴿٧٠﴾

بس ہے خبر رکھنے والا۔

مذمت منافقین بر انحراف از فیصلہ شریعت

قال تعالیٰ اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ يَزۡعُمُوۡنَ .... الیٰ .... وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيۡمًا

(ربط) یہ آیت بھی اہل کتاب سے متعلق ہے ان میں کے کچھ لوگ منافقانہ طور پر مسلمان بن گئے تھے اور فصل خصومات میں رعایت اور رشوت کے عادی ہوگئے تھے ان لوگوں کے دل میں کفر والحاد تھا محض زبان سے توحید ورسالت کا اقرار کر لیا تھا جب کوئی مقدمہ پیش آتا تو اپنا معاملہ یہودیوں کے عالموں اور سرداروں کے پاس لے جانا پسند کرتے کہ وہ ان کی رعایت کریں گے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس فیصلہ کے لیے جانے سے گریز کرتے اس لیے کہ آپ جو فیصلہ کریں گے وہ غایت درجہ عادلانہ ہوگا اس میں ذرہ برابر کسی کی رعایت نہ ہوگی چنانچہ مدینہ منورہ میں ایک مرتبہ ایک منافق بشر نامی کا ایک یہودی سے جھگڑا ہوگیا۔ یہودی نے اس خیال سے کہ وہ حق پر تھا یہ چاہا کہ اس مقدمہ کا فیصلہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے کرایا جائے کہ آپ بلا کسی رعایت کے حق فیصلہ کریں گے منافق نے چاہا کہ کعب بن اشرف یہودی سے فیصلہ کرایا جائے۔ یہودی نے کعب بن اشرف کے پاس جانے سے انکار کر دیا اور سوائے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے کسی اور کے فیصلہ پر راضی نہ ہوا آخر یہ طے ہوا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ کرایا جائے آپ نے یہودی کے حق میں فیصلہ کر دیا اور یہودی ہی حق پر تھا وہ منافق اس پر راضی نہ ہوا جب وہ دونوں آپ کے پاس سے باہر آئے تو منافق یہودی کو چمٹ گیا اور کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس چلو وہ ٹھیک فیصلہ کریں گے منافق کو غالباً یہ گمان ہوا کہ عمر رضی اللہ عنہ کافروں کے حق میں بہت سخت ہیں اور میں کلمہ گو ہوں اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بمقابلہ یہودی میری رعایت کریں گے۔ یہودی اس پر راضی ہوگیا اور سمجھا کہ گو عمر رضی اللہ عنہ کافروں کے حق میں سخت ہیں مگر حق پرست ہیں دونوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور ان سے فیصلہ چاہا۔ یہودی نے سارا ماجرا ان سے کہا

یہ سن کر وہ گھر میں تشریف لے گئے اور فرمایا کہ ٹھہرو میں ابھی آتا ہوں اور آکر تمہارا فیصلہ کرتا ہوں یہ کہہ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اندر چلے گئے اور تلوار لے کر آئے اور آتے ہی اس منافق کو قتل کر دیا اور فرمایا کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ پر راضی نہ ہو اس کا فیصلہ عمر رضی اللہ عنہ اس طرح کیا کرتا ہے منافق کے رشتہ دار آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور قتل کا دعویٰ کیا اور قسمیں کھانے لگے کہ عمر رضی اللہ عنہ کے پاس صرف اس لیے گئے تھے کہ شاید عمر رضی اللہ عنہ صلح کرا دیں یہ وجہ نہ تھی کہ ہم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر راضی نہ تھے اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں جن میں اصل حقیقت ظاہر کر دی گئی۔

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ اسی واقعہ میں یہ آیتیں نازل ہوئیں اور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فرمایا۔ انت الفاروق تو فاروق ہے۔

اور جبریلؑ نے یہ کہا

اِنَّ عُمَرَ فرق بین الحق والباطل فسمّی الفاروق۔ — تحقیق عمرؓ نے حق اور باطل کے درمیان فرق کر دیا اس لیے ان کا نام فاروق رکھا گیا۔

اور اسی بارہ میں یہ تمام آیتیں نازل ہوئیں (تفسیر قرطبی ص۲۶۴ ج ۵)

اور بطور تعجب ارشاد فرماتے ہیں کہ اسے نبی کریم کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نظر نہیں کی کہ جو زبان سے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اس کتاب پر جو آپ کی طرف اتاری گئی اور ایمان لائے اس کتاب پر جو آپ سے پہلے نازل کی گئی باوجود اس دعوائے ایمان کے چاہتے یہ ہیں کہ فیصلہ اور تصفیہ کے لیے ایک سرکش کی طرف جائیں یعنی سردارانِ کفر اور کاہنوں کے پاس اپنا مقدمہ لے جانا چاہتے ہیں تاکہ رشوت یا رو رعایت سے مطلب برآری ہو سکے حالانکہ انکو تمام کتب الٰہیہ میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ طاغوت کے معتقد نہ بنیں اور اس کے حکم کو نہ مانیں کیونکہ طاغوت (سرکش) تو طغیان (سرکشی) اور حکم خداوندی سے انحراف ہی کی طرف بلائے گا اور طاغوت کے پاس جاکر یہ لوگ شیطان کے تابعدار اور فرمانبردار بنیں گے کیونکہ شیطان اِنسی اور جِنّی یہ چاہتا ہے کہ ان کو بہکا کر ہدایت سے اتنا دور لیجا کر ڈال دیں کہ پھر ہدایت کی طرف لوٹنا مشکل ہو جائے اور شیطان اپنے اس مقصد میں کامیاب ہو گیا کہ ہدایت سے ان کو بہت دور لے جا کر ڈال دیا دلیل اس کی یہ ہے کہ جب ان سے یہ کہا جاتا ہے کہ آؤ اس حکم کی طرف جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے اور رسول کی طرف آؤ تو آپ دیکھیں گے منافقین کو کہ وہ آپ کی طرف رجوع کرنے سے اعراض کرتے ہیں کنارہ کشی اور انحراف کے طور پر اور حکم خداوندی اور حکم رسول کی طرف رجوع سے اعراض یہی دلیل ہے اس امر کی کہ شیطان نے ان کو بہکا کر ہدایت سے دور لے جا کر ڈالا ہے بہرحال اس وقت تو آپکی طرف رجوع کرنے سے اعراض کرتے ہیں اور کسی حیلہ سے

اپنی جان بچالیتے ہیں پس اس وقت کیا کریں گے کہ جب ان کو گزشتہ بد اعمالیوں کی سزا میں کوئی مصیبت پہنچے گی اور اپنی بد اعمالیوں کا نتیجہ سامنے آئے گا مصیبت سے مراد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اس منافق کو قتل کرنا یا نفاق کا کھل جانا اور خباثت باطنی کا پردہ چاک ہو جانا اور لوگوں میں ذلیل ہونا اور باز پرس ہونا ہے یعنی اس وقت فکر ہوتی ہے کہ طاغوت کے پاس مقدمہ لے جانے کی کیا تاویل کریں تو پھر چار و ناچار خدا کی قسمیں کھاتے ہوئے آپ کے پاس کہتے ہیں کہ آپ کے غیر کے پاس مقدمہ لے جانے سے ہمارا مقصود سوائے بھلائی اور باہمی میل و ملاپ کے اور کچھ نہ تھا یعنی ہم جو آپ کے پاس سے عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تھے اس سے ہمارا مقصود صرف یہ تھا کہ شاید وہ فریقین میں باہم صلح اور ملاپ کرا دیں کیونکہ آپ جو فیصلہ فرمائیں گے تو وہ عین حق اور عین عدل ہوگا اس میں ذرہ برابر کسی کی رعایت نہ ہوگی اور باہمی فیصلہ میں کچھ نہ کچھ رعایت ہو جاتی ہے یا رسول اللہ آپ ہم کو اپنا مخلص اور نیاز مند سمجھیے دوسری جگہ مقدمہ لے جانے سے ہماری غرض اور نیت بری نہ تھی، ہم کو اس مصیبت یعنی ذلت سے بچائیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کو شرم نہیں آتی کہ کیسی ذلت اور ندامت کے ساتھ اس کے پاس عذر لے کر حاضر ہوئے جس سے ان کو نفرت تھی یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ خوب جانتا ہے ان کے دلوں میں کیا نفاق اور جھوٹ اور باطل کا میلان بھرا ہوا ہے لاکھ زبانی باتیں بنائیں، اللہ تعالےٰ کو ان کی دلی باتوں کا خوب علم ہے لاکھ اپنے نفاق کو چھپائیں مگر خدا سے کہاں چھپ سکتا ہے پس اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب آپ خدا تعالیٰ کے بتلانے سے ان کے نفاق سے آگاہ ہو گئے تو مصلحت یہ ہے کہ آپ ان سے تغافل برتیے اور ان کی سزا اور مؤاخذہ سے اعراض فرمایئے اور فی الحال علم خداوندی پر اکتفاء کیجیے ان کے ساتھ ظاہری معاملہ اسلام کا سا رکھیے اور دل کا حال اللہ کے سپرد کیجیے اور ان کو نصیحت کیجیے یعنی نفاق اور کذب کے برے انجام سے ان کو ڈرایئے کہ اگر تم نے یہ نفاق نہ چھوڑا تو صریح کفر کے احکام تم پر جاری ہوں گے اور ان سے ایسی بات کہیے جو ان کے دلوں میں خوب اچھی طرح پہنچ جائے یعنی ان کے دلوں میں اتر جائے اور اثر کر جائے مطلب یہ ہے کہ آپ ان کی ان باتوں کو دیکھ کر مایوس نہ ہوں وعظ و نصیحت برابر ان کو کرتے رہیں شاید ان میں سے کوئی راہ راست پر آجائے۔

آگے ارشاد فرماتے ہیں اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی پیغمبر مگر اس لیے کہ بحکم خداوندی اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کی جائے اور دل و جان سے اس کے حکم کو مانا جائے محض زبان سے رسالت کا اقرار کافی نہیں یہ ان منافقین پر زجر و توبیخ ہے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ سے ناخوش تھے اور مطلب یہ ہے کہ اے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم آپ اللہ کے رسول ہیں اور ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے وہ اسی لیے بھیجا ہے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت

کی جائے لہذا دل وجان سے آپکی اطاعت ان پر فرض ہے پس جو آپ کا حکم نہیں مانتا وہ درحقیقت اللہ کا حکم نہیں مانتا تو باذن اللہ کے یہ معنی ہوئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بے چون وچرا اطاعت اللہ کے حکم سے فرض ہے اور بعض علماء نے باذن اللہ کے معنی بتوفیق اللہ کے لیے ہیں اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے رسولوں کو اس لیے بھیجا کہ ان کی اطاعت کی جائے مگر ان کی اطاعت وہی شخص کرے گا جس کو خدا تعالیٰ توفیق دے گا آگے پھر انہیں منافقین کے حق میں ارشاد ہے اور اگر یہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم وستم یعنی گناہ کرنے کے بعد آپ کے پاس حاضر ہو جاتے پھر اللہ سے معافی مانگتے اور رسول صلے اللہ علیہ وسلم بھی ان کے لیے معافی چاہتے تو ضرور پاتے اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان یعنی قبول توبہ کے بعد اللہ کی مہربانی بھی ہوتی معافی کے بعد انعام بھی ملتا مطلب یہ ہے کہ اگر یہ منافق گناہ کرنے کے بعد بھی متنبہ ہو جاتے اور اس وقت آپ کے پاس چلے آتے جب کہ انہوں نے طاغوت کے پاس اپنا مقدمہ لے جاکر اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا اور اس طرح آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی غیر حاضری کا تدارک اور کفارہ کرتے اور پھر اپنے نفاق سے توبہ اور استغفار کرتے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بھی ان کے لیے دعاء مغفرت کرتے تو امید تھی کہ اللہ تعالیٰ ضرور ان کی توبہ قبول فرما لیتا اور ان پر مہربان ہو جاتا مگر انہوں نے تو یہ غضب کیا کہ اول تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم اور فیصلہ سے اعراض کیا جو بعینہٖ اللہ کے حکم اور فیصلہ سے اعراض کے مرادف تھا پھر جب اس کا وبال ان پر پڑا اور ذلیل وخوار ہوئے تو جب بھی متنبہ اور تائب نہ ہوئے بلکہ جھوٹی قسمیں کھانے اور تاویلیں گھڑنے لگے پھر ایسوں کی مغفرت کیسے ہو عذر گناہ بدتر از گناہ ■

اس آیت میں وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ یعنی رسول ان کے لیے معافی مانگتا اس سے مقصود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کا اظہار ہے کہ جس شخص کو خدا تعالیٰ نے منصب نبوت ورسالت سے سرفراز فرمایا ہے اور اس کو اپنے اور اپنی مخلوق کے درمیان سفیر اور ترجمان ٹھہرایا اگر اس کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اس سے دعاء مغفرت کی درخواست کرتے تو اللہ تعالیٰ اس کی سفارش ضرور قبول کرتا ہر گناہ خواہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو اس کے لیے ذاتی توبہ اور استغفار کافی ہے اس کے ساتھ کسی اور چیز کی ضرورت نہیں لیکن اس آیت میں منافقین کی معافی کے لیے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے استغفار کو بھی شرط قرار دیا یا وجہ اس کی یہ ہے کہ جو منافقین رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر راضی نہ ہوئے اور طاغوت کے فیصلہ کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر ترجیح دی تو ان لوگوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے دل کو صدمہ اور ایذاء پہنچائی لہٰذا بغیر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو راضی کیے انکی توبہ قبول نہیں ہو سکتی۔

شرائط ایمان

اب آیندہ آیات میں مضمون سابق کی تائید کے لیے فرماتے ہیں کہ ایمان کی شرط یہ ہے کہ ہر معاملہ میں اپنا فیصلہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے چاہیے اور جو فیصلہ وہ فرما دیں اس کو حق جان کر دل وجان سے اس کو مان لے اور دل سے اس پر راضی ہو اور دل میں اس سے کوئی تنگی اور ناگواری نہ پائے جب تک دل وجان سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں پر راضی نہ ہو اس وقت تک ایمان صحیح نہیں محض ظاہری اطاعت ایمان کے لیے کافی نہیں بلکہ بلاشبہ نفاق ہے حدیث میں ہے کہ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی نفسانی خواہش میرے حکم کے تابع نہ ہو جائے یعنی میرا حکم آگے آگے ہو اور اس کی نفسانی خواہش میرے حکم کے پیچھے دوڑ رہی ہو۔

چنانچہ فرماتے ہیں پس یہ لوگ جو آپ کے فیصلہ سے اعراض کرتے ہیں اگرچہ زبان سے دعوے کریں کہ ہم مومن ہیں لیکن حقیقت میں یہ لوگ مومن نہیں دعوائے ایمان اور تحاکم الی الطاغوت جمع نہیں ہو سکتے قسم ہے تیرے رب کی یہ لوگ جو زبانی ایمان کا دعوے کرتے پھرتے ہیں حقیقی مومن نہیں ہو سکتے جب تک باہمی جھگڑوں میں آپ کو حَکَم اور منصف نہ جانیں اور پھر آپ کے فیصلہ اور تصفیہ سے اپنے دلوں میں کوئی تنگی اور ناگواری یعنی شک اور تردد کا کوئی ادنیٰ شائبہ بھی نہ پائیں اور طیب خاطر اور شرح صدر اور طمانینت قلب سے آپ کے فیصلہ کو دل وجان سے تسلیم کریں کما حقہٗ تسلیم کرنا یعنی پورے طور سے تسلیم کریں۔

مطلب یہ ہے کہ جب تک آپ کے حکم کو اپنی رائے پر مقدم نہ سمجھیں گے مسلمان نہ ہوں گے پیغمبر خدا کے سامنے بے چون وچرا سر تسلیم خم کر دینے ہی کا نام اسلام ہے

زباں تازہ کردن باقرار تو ✽ نیگیختن علت از کار تو

حق جل شانہٗ جب اہل کتاب کی شرارتوں کو بیان کر چکے اور ناقابل عفو شرارتوں کے معاف کرنے کا طریقہ بھی بتلا دیا تو اب اپنی رحمت کاملہ کا اظہار فرماتے ہیں کہ دیکھو دین اسلام میں اللہ تعالیٰ نے کیسی آسانی رکھی ہے کوئی حکم اس کا سخت نہیں دیکھو اگلے زمانہ میں جب کوئی گناہ کرتا تھا تو اس کی توبہ قبول ہونے کے لیے یہ شرط تھی کہ وہ اپنے آپ کو قتل کرے جیسا کہ سورۂ بقرہ میں گوسالہ پرستوں کے بارہ میں گذرا فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِىِٕكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اور ہم نے تمہاری توبہ قبول ہونے کے لیے کوئی سخت شرط نہیں لگائی صرف رسول خدا سے معافی کا خواستگار ہونا اور پیغمبر خدا کی سفارش کرنا مقرر کیا ہے مگر افسوس تم اس پر بھی اطاعت اور

انابت کے لیے تیار نہیں ۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور اگر ہم ان منافقین پر یہ حکم کرتے کہ اپنے آپ کو قتل کر ڈالو یا اپنے گھروں سے نکل جاؤ ان میں سوائے چند آدمیوں کے اکثر اس کام کو نہ کرتے یعنی اگر ہم ان منافقین پر یہ باتیں فرض کر دیتے تو بہت ہی تھوڑے لوگ جن کے دل میں ایمان کا داعیہ بہت ہی قوی ہوتا وہ اس حکم پر عمل کرتے لہٰذا ان کو ہمارا مشکور ہونا چاہیے کہ ہم نے ان کو کوئی سخت حکم نہیں دیا بلکہ ایسے آسان حکم دیئے جن پر نہایت آسانی سے عمل کر سکتے ہیں اگر ہم ان کو سخت حکم دیتے تو کیسی ذلت اور رسوائی ہوتی مطلب یہ ہے کہ صادق الایمان وہ شخص ہے جو خدا کی راہ میں جان دینے اور وطن سے ہجرت کرنے میں دریغ نہ کرے جیسا کہ صحابہ کرام نے اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں جان و مال دھن اور وطن سب قربان کر دیا ۔

اور اگر یہ لوگ وہ کام کرتے جس کی ان کو نصیحت کی جاتی ہے تو دین و دنیا کے اعتبار سے ان کے حق میں نہایت بہتر ہوتا اور ان کے دین و ایمان کی زیادہ مضبوطی اور ثبات قدمی کا باعث ہوتا یعنی احکام خداوندی پر عمل کرنے سے ان کا دین اور ایمان مضبوط اور مستحکم ہو جاتا اور اسلام پر ثابت قدم ہو جاتے ایمان اور اسلام میں تردد اور تزلزل نہ رہتا اخلاص اور اتباع حق سے قلب میں قوت آتی ہے اور نفاق سے بزدلی اور کمزوری منافق کا دل ہمیشہ ڈانوا ڈول رہتا ہے اور اس وقت ہم ان کو البتہ اپنے پاس سے اجر عظیم عطا کرتے اور البتہ چلاتے ہم ان کو سیدھی راہ پر یعنی ہم ان کو اس صراط مستقیم پر چلاتے جو انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین کی راہ ہے جس تذبذب اور تردد کی راہ پر منافقین چل رہے ہیں وہ مغضوبین اور ضالین کی راہ ہے اللہ اس سے محفوظ رکھے آمین ۔

وعدۂ معیت اہل انعام بر اطاعت احکام

مرافقت

اوپر سے سلسلۂ کلام اطاعتِ خدا و رسول کی ترغیب و تاکید کے بارہ میں چلا آرہا ہے اب اس آیت میں اطاعت پر ایک خاص بشارت اور مطیعین کے لیے ایک خاص وعدہ کا ذکر فرماتے ہیں وہ یہ کہ جو لوگ ضروری احکام میں خدا و رسول کی اطاعت اور فرمانبرداری کریں جن کو مطیعین کہتے ہیں یہ لوگ اگرچہ فضائل و کمالات میں مرتبۂ کمال کو نہ پہنچے ہوں مگر بسبب اطاعت خدا و رسول ان کو جنت میں کاملین یعنی نبیین و صدیقین اور شہداء و صالحین کی معیت اور مرافقت نصیب ہوگی باوجود قصور رتبہ کے ان کو اہل انعام کی معیت اور مرافقت کا شرف حاصل ہوگا جیسا کہ حدیث میں ہے المرأ مع من احب جو شخص خدا کے برگزیدہ بندوں سے محبت رکھے

گا وہ قیامت کے دن ان کے ساتھ ہوگا اور جو کفار و فجار سے محبت رکھے گا وہ قیامت کے دن ان کے ساتھ ہوگا۔

اس آیت کا شانِ نزول جیسا کہ حافظ ابن کثیرؒ اور حافظ سیوطیؒ نے متعدد اسانید کے ساتھ روایت کیا ہے یہ ہے کہ آپؐ کے آزاد کردہ غلام حضرت ثوبانؓ اور دیگر چند صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم آپ ہمیں ہماری جانوں اور اولاد سے زیادہ محبوب ہیں اور ہماری حالت یہ ہے کہ جب کبھی گھر میں آپ یاد آجاتے ہیں تو بے چین ہو جاتے ہیں اور جب تک آپ کو دیکھ نہیں لیتے تو صبر نہیں آتا خیر یہاں تو آپ کو دیکھ لیتے ہیں لیکن جب آخرت کا خیال آتا ہے تو دل بے چین ہو جاتا ہے کہ وہاں آپ کو کیسے دیکھ سکیں گے اسلیئے کہ آپ تو اعلیٰ علیین اور جنت کے اعلیٰ درجوں میں ہوں گے وہاں حاضر ہو کر ہم آپ کو کیسے دیکھ سکیں گے اس پر خدا تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور جو شخص اطاعت اور فرمانبرداری کرے اللہ کی اور رسول کی پس ایسے مطیع اور فرمانبردار لوگ قیامت کے دن ان برگزیدہ بندوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنا خاص الخاص انعام فرمایا یعنی انبیاء کرام اور صدیقین اور شہداء اور صالحین کے ساتھ ہوں گے۔

ہمچو بلبل دوستیٔ گل گزیں ⁂ تاشوی باخبرِ من گل ہمنشیں
زاغ چوں مردار راشد ہمنفس ⁂ یار او مردار خواہد بود و بس

جاننا چاہیئے کہ ساتھ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ سب ایک درجہ میں ہوں گے کیونکہ یہ تو محال ہے ھُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰہِ. اللہ تعالیٰ کے یہاں لوگوں کے درجے مختلف ہیں ساتھ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ نیچے کے درجہ والے اوپر کے درجے والوں سے ملتے رہیں گے درجات اور مراتب کا تفاوت زیارت اور ملاقات سے مانع نہ ہوگا جس طرح دنیا میں تفاوتِ درجات مانع ملاقات نہیں اسی طرح آخرت میں بھی مانع نہ ہوگا۔

حق جل شانہ نے اس آیت میں اہل انعام کی چار قسمیں ذکر فرمائیں انبیاء کرام۔ صدیقین شہداء۔ صالحین اور ان چار کے علاوہ ایک پانچویں قسم مطیعین کی ذکر فرمائی جو درجہ اور مرتبہ میں ان چار قسموں سے کمتر اور فروتر ہیں اس پانچویں قسم یعنی مطیعین کے لیے حق تعالیٰ نے اس آیت میں یہ وعدہ فرمایا کہ مطیعین اگرچہ درجہ اور رتبہ میں اہل انعام سے کمتر ہیں مگر ہم ان مطیعین کو باوجود قصور رتبہ کے اہل انعام کی معیت اور مرافقت سے نوازیں گے اور یہ لوگ جنت میں ایک دوسرے کی زیارت سے مشرف ہوتے رہیں گے

حق جل شانہ نے اس آیت شریفہ میں مراتب کمالات انسانی کو ترتیب وار ذکر کیا ہے۔

پہلا مرتبہ نبوت کا ہے

جو تمام مراتب انسانی میں سب سے اعلیٰ مرتبہ ہے نبی وہ برگزیدہ شخص ہے جس کو خدا تعالیٰ نے اپنا پیغام دیکر بندوں کے پاس بھیجا ہو اور اس پر اللہ کی وحی نازل ہوتی ہو اب یہ مرتبہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگیا آپؐ کے بعد کسی کو نبوت نہیں ملے گی حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے قریب آسمان سے نازل ہوں گے بیشک وہ نبی ہوں گے مگر ان کو نبوت حضور پُر نورؐ سے پہلے مل چکی ہے ۔

دوسرا مرتبہ صدیقیت کا ہے

نبوت کے بعد دوسرا مرتبہ صدیقیت کا ہے نبی کے بعد سب سے افضل صدیق ہوتا ہے صدیق وہ ہے کہ جس کی رگ و پے میں ظاہر اور باطن میں صدق ایسا سرایت کر گیا ہو کہ کذب کے جزء لایتجزیٰ کی بھی اس میں گنجائش نہ رہی ہو اور پیغمبرِ خدا جو حق اور صدق لے کر آیا ہے سنتے ہی اس کی بلا دلیل اور بلا تردد و تأمل صدقِ دل سے اس طرح تصدیق کرے کہ گویا کہ یہ اس کے دل کی آواز ہے اور جب نبی اس کو دعوت دے تو فوراً وہ اپنے نورِ قلب سے اس کی نبوت کو پہچان لے اور اس کی تصدیق کرے جس طرح کہ ابو بکر صدیقؓ اس امت مرحومہ کے صدیق اکبر تھے کہ بلا تردد و تامل نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی تصدیق کی

چشم احمد بر ابوبکرؓ سے زدہ
از یکے تصدیق صدیق آمدہ

بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ آیت میں صدیقین سے مراد وہ لوگ ہیں کہ جو دین کے تمام امور کی تصدیق کریں اور ان کو دین میں ذرہ برابر بھی شک نہ ہو جیسا کہ حق جل شانہٗ کا یہ ارشاد ہے وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ یعنی جو لوگ اللہ اور اسکے رسولوں پر ایمان لائے وہی صدیق ہیں اور اس امت میں اس وصف میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سب کے پیشوا اور مقتدا ہیں سب سے پہلے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور ہر موقعہ پر نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے کوئی مشہد اور غزوہ ایسا نہیں جس میں ابو بکر رضی اللہ عنہ آپؐ کے ساتھ نہ ہوں یارِ غار جس طرح غار میں آپؐ کے ساتھ تھے اسی طرح وفات کے بعد آپؐ کے پہلو میں مدفون ہیں ۔

تیسرا درجہ شہادت کا ہے صدیقیت کے بعد درجہ شہادت کا ہے جیسا کہ حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کو حاصل ہوا شہید وہ ہے جو پیغمبر کے حکم پر اپنی جان قربان کرے

چوتھا درجہ صلاحیت کا ہے صالحین وہ لوگ ہیں کہ جو اپنے اعتقادات اور اعمال میں صحیح طریق پر ہوں یعنی ان کے اعتقادات اور اعمال میں کسی قسم کا خلل اور فساد نہ ہو لغت میں صلاح نقیض فساد کی ہے صالح اور نیک بخت وہ لوگ ہیں جن کی طبیعت نیکی ہی پر پیدا ہوئی اور اپنے نفس اور بدن کی اصلاح اور صفائی کر چکے ہیں (ماخوذ از موضح القرآن)

خلاصۂ کلام جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اور فرمانبرداری میں لگے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو قیامت کے دن اہل انعام کے ساتھ گنے گا اور باوجود قصور رتبہ کے ان کو کاملین ہی کی شمار اور ذیل میں سے لیا جائے گا ان حضرات کی رفاقت اور معیت بھی بڑی دولت اور فضیلت کی بات ہے اور یہ فضیلت ان کو محض اللہ کے فضل وکرم سے ملی ہے ورنہ ان کی اطاعت اس کے لیے کافی نہ تھی اور رہروانِ آخرت کے لیے یہ گروہ بہترین رفیق طریق ہیں اور ان حضرات کی معیت اور رفاقت یہ محض اللہ کا فضل ہے کہ عمل تو تمہارا اس درجہ کا نہ تھا مگر حق تعالیٰ نے محض اپنے فضل اور مہربانی سے تم پر یہ انعام کیا کہ کاملین کی معیت اور رفاقت سے سرفراز کیا ورنہ قاعدہ کا اقتضاء یہ تھا کہ ہر عمل کا اجر اسی کے درجہ کے مطابق دیا جائے اور اللہ تعالیٰ کافی ہے جاننے والا اس کو خوب معلوم ہے کہ یہ اطاعت کس درجہ کی ہے اور استحقاق سے زیادہ کسی کو کچھ دیدینا یہ فضل ہے ۔

يٰٓاَيُّهَا	الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا	خُذُوْا	حِذْرَكُمْ
اے ایمان	والو	کر لو	خبر داری	پھر

فَانْفِرُوْا	ثُبَاتٍ	اَوِ انْفِرُوْا	جَمِيْعًا ﴿۷۱﴾	وَاِنَّ
کوچ کرو جدی جدی فوج		یا سب	اکٹھے	اور تم میں

مِنْكُمْ لَمَنْ	لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ	فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ	قَالَ
کوئی ایسا ہے	کہ البتہ دیر لگاویگا	پھر اگر تم کو مصیبت پہنچے	کہے

قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِیْدًا ﴿۷۲﴾

اللہ نے مجھ پر فضل کیا کہ میں نہ ہوا ان کے ساتھ

وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَیَقُوْلَنَّ كَاَنْ

اور اگر تم کو پہنچا فضل اللہ کی طرف سے تو اس طرح کہنے لگے گا

لَّمْ تَكُنْۢ بَیْنَكُمْ وَبَیْنَهٗ مَوَدَّةٌ یّٰلَیْتَنِیْ كُنْتُ

کہ گویا نہ تھی تم میں اور اس میں کچھ دوستی اے کاش کہ میں

مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِیْمًا ﴿۷۳﴾ فَلْیُقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ

ہوتا ان کے ساتھ تو بڑی مراد پاتا سو چاہیے لڑیں اللہ کی

اللّٰهِ الَّذِیْنَ یَشْرُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا بِالْاٰخِرَةِ ؕ وَ

راہ میں جو لوگ بیچتے ہیں دنیا کی زندگی آخرت پر اور

مَنْ یُّقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَیُقْتَلْ اَوْ یَغْلِبْ

جو کوئی لڑے اللہ کی راہ میں پھر مارا جاوے یا غالب ہووے

فَسَوْفَ نُؤْتِیْهِ اَجْرًا عَظِیْمًا ﴿۷۴﴾ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ

ہم دیں گے اس کو بڑا ثواب اور تم کو کیا ہے کہ نہ لڑو

فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ

اللہ کی راہ میں اور واسطے ان کے جو مغلوب ہیں مرد

وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا

اور عورتیں اور لڑکے جو کہتے ہیں اے رب ہمارے نکال ہم کو

مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ

اس بستی سے کہ ظالم ہیں لوگ اس کے اور پیدا کر ہمارے واسطے

لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚۙ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ۗ ﴿۷۵﴾

اپنے پاس سے کوئی حمایتی اور پیدا کر ہمارے واسطے اپنے پاس سے مددگار

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ

وہ جو ایمان والے ہیں سو لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں اور وہ جو

كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا

منکر ہیں سو لڑتے ہیں مفسدوں کی راہ میں سو لڑو تم

اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ﴿۷۶﴾ ع

شیطان کے حمایتیوں سے بے شک فریب شیطان کا سست ہے

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا

تونے نہ دیکھے وہ لوگ جن کو حکم ہوا تھا کہ اپنے ہاتھ بند رکھو اور قائم

الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ

کرو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ پھر جب حکم ہوا ان پر لڑائی کا

اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ

اسی وقت ان میں ایک جماعت ڈرنے لگی لوگوں سے جیسا

اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ

ڈر ہو اللہ کا یا اس سے زیادہ ڈر اور کہنے لگے اے رب ہمارے کیوں فرض کی ہم پر لڑائی

لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۭ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا

کیوں نہ جینے دیا ہم کو تھوڑی سی عمر تو کہہ فائدہ دنیا کا

قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۣ وَلَا تُظْلَمُوْنَ

تھوڑا ہے اور آخرت بہتر ہے پرہیزگار کو اور تمہارا حق نہ رہے گا

فَتِيْلًا ۷۷ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ

ایک تاگا جہاں تم ہو گے موت تم کو آپکڑے گی اگرچہ تم ہو

فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ۭ وَاِنْ تُصِبْھُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا

مضبوط برجوں میں اور اگر پہنچے لوگوں کو کچھ بھلائی کہیں

هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْھُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا

یہ ہے اللہ کی طرف سے اور اگر ان کو پہنچے برائی کہیں یہ

هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ۭ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ فَمَالِ

تیری طرف سے تو کہہ سب اللہ کی طرف سے ہے سو کیا

هٰٓؤُلَاۗءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ۷۸

حال ہے ان لوگوں کا لگتے نہیں کہ سمجھیں ایک بات

مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۡ وَمَآ اَصَابَكَ

جو تجھ کو بھلائی پہنچے سو اللہ کی طرف سے اور جو تجھ کو برائی

مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ۭ وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ

پہنچے سو تیرے نفس کی طرف سے اور ہم نے تجھ کو بھیجا پیغام

رَسُوْلًا ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿٧٩﴾ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ

پہنچانے والا لوگوں کو اور اللہ بس ہے سامنے دیکھتا جس نے حکم مانا رسول کا اس

فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ

نے حکم مانا اللہ کا اور جو الٹا پھرا تو ہم نے تجھ کو نہیں بھیجا ان پر

حَفِيْظًا ﴿٨٠﴾ وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ۡ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ

نگہبان اور کہتے ہیں کہ قبول پھر جب باہر گئے تیرے

عِنْدِكَ بَيَّتَ طَاۗىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِيْ تَقُوْلُ ۭ

پاس سے مشورت کرتے ہیں بعضے بعضے ان ہیں رات

وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ

کو سوائے تیری بات کے اور اللہ لکھتا ہے جو ٹھہراتے ہیں سو تو تغافل کر ان سے اور

عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿٨١﴾ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ

بھروسہ کر اللہ پر اور اللہ بس ہے کام بنانے والا کیا غور نہیں کرتے قرآن

الْقُرْاٰنَ ۭ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا

میں اور اگر یہ ہوتا کسی اور کا سوائے اللہ کے تو پاتے

فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴿٨٢﴾ وَاِذَا جَاۗءَھُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ

اس میں بہت تفاوت اور جب ان پاس پہنچتی ہے کوئی خبر امن

اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ۭ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ

کی یا ڈر کی اس کو مشہور کرتے ہیں اور اگر اس کو پہنچاتے رسول تک اور

إِلَىٰٓ أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنۢبِطُونَهٗ

اپنے اختیار والوں تک تو تحقیق کرتے اس کو جو ان میں تحقیق کرنے والے ہیں

مِنْهُمْ ۗ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ

اس کی اور اگر نہ ہوتا فضل اللہ کا تم پر اور اس کی مہر تو تم

الشَّيْطٰنَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿۸۳﴾ فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ۚ لَا

شیطان کے پیچھے جاتے مگر تھوڑے سو تو لڑ اللہ کی راہ میں تجھ پر

تُكَلَّفُ إِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ ۚ عَسَى اللّٰهُ

ذمہ نہیں مگر اپنی جان سے اور تاکید کر مسلمانوں کو قریب ہے کہ اللہ

أَنْ يَكُفَّ بَأْسَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۗ وَاللّٰهُ أَشَدُّ بَأْسًا وَّ

بند کر دے لڑائی کافروں کی اور اللہ سخت ہے لڑائی والا

أَشَدُّ تَنْكِيلًا ﴿۸۴﴾

اور سخت ہے سزا دینے والا

حکم لستم وجوب جہاد برائے احیاء دین وتخلیص ضعفاء ومظلومین

قال تعالیٰ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ .... الیٰ .... وَاَشَدُّ تَنْكِيْلًا ۔

(ربط) گزشتہ آیات میں اہل کتاب اور منافقین اور اعداء دین کی شرارتوں کا ذکر تھا اب ان آیات میں مسلمانوں کو ان سے جہاد کا حکم دیتے ہیں جو احیاء دین اور اعلاء کلمۃ اللہ کا ذریعہ ہے اور بدبختوں کے قلع قمع کا بہترین طریقہ ہے اور جو مسلمان کافروں کے پنجۂ ظلم میں بے طرح گرفتار ہیں ان کی خلاصی اور رہائی کی سبیل ہے اور جہاد فی سبیل اللہ اطاعت خدا اور رسول صلے اللہ علیہ وسلم کا جس کا ماقبل میں ذکر تھا، اعلیٰ اور اکمل فرد ہے جس سے اندرونی اخلاص اور نفاق ظاہر ہو جاتا ہے کیونکہ جہاد کا حکم منافقین پر بہت شاق اور گراں گذرتا ہے اسی وجہ سے یہاں سے لے کر چھ رکوع

تک اسی مضمون کے متعلقات کا بیان چلا گیا ہے۔

اور اس ضمن میں حق جل شانہٗ نے منافقین کی ایک عجیب کیفیت بیان فرمائی وہ یہ کہ جب کسی غزوہ میں مسلمانوں کو شکست ہوتی ہے تو یہ منافقین بہت خوش ہوتے ہیں اور اپنے شریک جنگ نہ ہونے کو انعام الٰہی سمجھتے ہیں اور جب مسلمانوں کو فتح ہوتی ہے تو بہت پچھتاتے ہیں اور حسرت سے یہ کہتے ہیں کہ کاش ہم بھی شریک جنگ ہوتے تو ہم کو بھی مال غنیمت میں سے حصہ ملتا چنانچہ فرماتے ہیں اے ایمان والو! ایمان کا مقتضیٰ یہ ہے کہ خدا کا بول بالا کرنے کے لیے دشمنانِ خدا سے جہاد و قتال کرو خدا اور رسول کی بہترین اطاعت یہ ہے کہ اس کی راہ میں جانبازی و سرفروشی دکھلاؤ مگر اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو تم اپنی احتیاط اور بچاؤ کو پوری طرح ملحوظ رکھو پس ہتھیاروں اور سامان جنگ اور تدبیر عقل سے اور تیر و تلوار سے درست ہو کر اور دشمن کے داؤ گھات سے ہوشیار اور باخبر ہو کر دشمنوں سے مقابلہ اور مقاتلہ کے لیے گھر سے باہر نکلو خواہ متفرق اور دستے دستے بن کر نکلو یا سب مجتمع اور اکٹھے ہو کر ایک لشکر عظیم کی صورت میں دشمن کے مقابلہ کے لیے نکلو جیسا موقع اور مصلحت ہو ویسا کرو اور تحقیق تم سے بعض ایسے بھی ہیں مراد اس سے منافقین ہیں جو تمہارے ساتھ جہاد میں نکلنے سے دیر کرتا ہے یعنی جہاد میں تمہارے ساتھ شریک نہیں ہوتے پھر اگر جہاد اور لڑائی میں تم کو کوئی مصیبت پہنچ جاتی ہے جیسے شکست وغیرہ تو یہ منافق خوش ہو کر یہ کہتا ہے تحقیق اللہ تعالیٰ نے مجھ پر بڑا ہی فضل کیا کہ میں ان لوگوں کے ساتھ لڑائی میں حاضر نہ ہوا اور اگر تمہیں حق تعالیٰ کا فضل پہنچے اور لڑائی میں تم فتحیاب ہو جاؤ اور کچھ مال غنیمت تم کو مل جائے تو یہ منافق نہایت حسرت کے ساتھ اس طرح کہتا ہے کہ گویا تمہارے اور اس کے درمیان کبھی کوئی دوستانہ تعلق ہی نہ تھا مالی اور دنیوی نفع کے فوت ہونے پر اس طرح کہتا ہے اے کاش میں ان کے ساتھ ہوتا تو بڑی مراد پاتا۔ یعنی ان منافقین کا مطمح نظر فقط دنیاوی نفع ہے مالی فائدہ کو وہ اپنی بڑی کامیابی سمجھتے ہیں خدا کی فرمانبرداری سے ان کو کوئی سروکار نہیں مطلب یہ ہے کہ اگر خدا کے فضل سے مسلمانوں کو فتح ہو گئی اور بہت سامال غنیمت ہاتھ آگیا تو یہ منافق پچھتاتے ہیں اور دشمنوں کی طرح غلبۂ حسد سے کف افسوس ملتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ افسوس اگر میں بھی جہاد میں مسلمانوں کے ساتھ ہوتا تو مجھ کو بھی بڑی کامیابی نصیب ہوتی یعنی مال غنیمت میں سے حصہ ملتا پس مسلمانوں کو چاہیے کہ ان دنیا طلب لوگوں کی طرح دنیاوی نفع پر نظر نہ رکھیں اور یہ منافقین اگر دنیوی منافع کو تکتے رہتے ہیں تو تکتے رہیں مگر جو لوگ دنیاوی زندگی کو فروخت کر کے اس کے بدلے آخرت لے رہے ہیں اور دنیائے فانی پر لات مار چکے ہیں ان کو چاہیے کہ خدا کی راہ میں دشمنانِ خدا سے محض خدا کے لیے جہاد و قتال کریں دنیاوی زندگی اور اس کے مال و دولت پر نظر نہ رکھیں اور جو خدا کی راہ میں جنگ کرے پھر مارا جائے یا دشمن پر غالب آوے تو ہر حالت میں ہم اس کو ضرور اجر

عظیم دیں گے جس کے سامنے دنیاوی منافع کی کوئی حقیقت نہیں آگے ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر ہم بالفرض تم سے اجر عظیم کا وعدہ بھی نہ کرتے تب بھی تم پر دو وجہ سے کافروں سے لڑنا ضروری ہے ایک تو یہ کہ اللہ کا دین غالب اور بلند ہو دوسرے یہ کہ جو مظلوم مسلمان مکہ میں کافروں کے پنجہ میں گرفتار ہیں اور جو معصوم بچے ان کے ظلم وستم کا نشانہ بنے ہوتے ہیں ان کی نجات اور رہائی کی صورت نکلے چنانچہ فرماتے ہیں اور تم کو کیا ہوا کہ تم خدا کی راہ میں جہاد و قتال نہ کرو اور اس کا بول بالا کرنے کے لیے اس کے دشمنوں سے نہ لڑو اور تم کو کیا ہوا کہ تم بے چارہ اور بے بس مردوں اور عورتوں اور بچوں کے چھڑانے کے لیے نہیں لڑتے جو کفار کی اذیتوں سے تنگ آکر یہ دعا مانگتے ہیں اے ہمارے پروردگار کسی طرح ہم کو اس بستی سے نکال جس کے باشندے بڑے ہی ظالم اور ستم گر ہیں جن کے ساتھ نباہ بہت ہی مشکل ہے اور اپنے پاس سے ہمارے لیے کوئی کارساز مقرر کر دیجئے جو ہمارے دین و ایمان کی حفاظت کر سکے اور اپنے پاس سے ہمارے لیے کوئی مددگار مقرر کر دیجئے جو کافروں کے مقابلہ میں ہماری مدد کر سکے اور ان ظالموں کے پنجہ سے ہم کو چھڑائے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو ان کی حمایت کے لیے کھڑا کیا۔ چنانچہ آپ نے مکہ فتح کیا اور کافروں کے ہاتھ سے ان کو چھڑایا اور عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو ان پر حاکم مقرر کیا جو مظلوموں کی مدد کرتے تھے اور زبردست سے کمزور کا بدلہ لیتے تھے جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ بتقاضائے ایمان خدا کی راہ میں لڑتے ہیں تاکہ اللہ کا دین سربلند ہو اور حق باطل پر غالب آجائے اور جو لوگ کافر ہیں وہ معبود باطل کی راہ میں لڑتے ہیں تاکہ دنیا میں طغیان اور سرکشی اور گمراہی کا خوب دور دورہ ہو اور نفس اور شیطان کے مقابلہ میں نیکی اور سچائی کا اثر بڑھنے نہ پائے پس اے خدا کے دوستو! تم شیطان کے دوستوں سے جنگ کرو اور ان کے کید اور مکر کی پروانہ کرو تحقیق شیطان کا داؤ اور فریب بہت کمزور ہے خدا کے دوستوں کے مقابلہ میں کارگر نہیں ہو سکتا تمہارا حامی اور مددگار اللہ ہے تمہارے مقابلہ میں ان کا لشکر نہیں ٹھہر سکتا لہٰذا تم خدا پر نظر کر کے خدا کی راہ میں جہاد و قتال کرو اور ہرگز ان سے نہ ڈرو ان کی سب تدبیریں غلط ہو جائیں گی تم غالب ہوگے اور وہ مغلوب۔

پادری لوگ مسئلہ جہاد پر یہ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ دین کے سلسلہ میں تو صرف وعظ و پند پر اکتفاء کرنا چاہیئے قتل وقتال کی کیا ضرورت ہے جیسا کہ حضرت مسیحؑ نے کیا اس آیت میں اس اعتراض کے جواب کی طرف اشارہ ہے کہ شیطان کے دوست تو شیطان کی راہ میں باطل اور دنیاوی اور نفسانی اغراض کے لیے لڑتے ہیں ان پر تو تم اعتراض نہیں کرتے اور جو حق اور صداقت کی نصرت اور حمایت کے لیے خدا کی راہ میں لڑتے ہیں اس کو تم معیوب سمجھتے ہو۔

شکایت دوستاں بر تمنائے التوار حکم جہاد

گزشتہ آیات میں جہاد و قتال کی ترغیب تھی اب ان آیات میں پھر جہاد پر جوش اور غیرت دلائی جاتی ہے اور اس بارہ میں ایک خاص شکایت کی جاتی ہے وہ یہ کہ جب مسلمان مکہ مکرمہ میں کفار کی اذیتوں اور مظالم سے تنگ آگئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ ہم ان لوگوں سے سخت تنگ آگئے ہیں آپ ہم کو اجازت دیں کہ ہم ان سے جہاد و قتال کریں آپؐ نے ارشاد فرمایا ابھی تک جہاد کی اجازت نازل نہیں ہوئی لہٰذا فی الحال تم صبر کرو اور اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو اور حسب دستور نماز پڑھتے رہو اور زکوٰۃ[1] دیتے رہو ہجرت کے بعد جب جہاد کی اجازت ملی تو بعضے کچے مسلمان اور دل کے کمزور طبعی طور پر ڈرنے لگے اور موت کے خوف سے یہ کہنے لگے کہ کاش اگر اور تھوڑی مدت جہاد و قتال کا حکم نازل نہ ہوتا تو اچھا ہوتا اس پر اللہ تعالیٰ نے شکایت فرمائی کہ جب جہاد کا حکم نازل ہوا تو تم ڈرنے لگے تم کو خوش ہونا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری درخواست قبول کی اور تمہاری دلی تمنا اور آرزو پوری ہوئی یا تو پہلے یہ زور و شور تھا یا اب یہ بے نمکی ہے اور آئندہ انکو نصیحت فرماتا ہے کہ دنیا تو چند روزہ ہے اسکے آرام و تکلیف کا خیال نہ کرو موت اپنے وقت مقرر پر آئیگی وقت سے پہلے نہ آئیگی اسلیئے اس کا خوف بے سود ہے یہ دنیا فانی یا تو خواب ہے یا سراب ہے۔

دنیا خوابیست زندگانی دروے ⁂ خوابست کہ در خواب بہ بینی آنرا

چنانچہ فرماتے ہیں کہ کیا آپ نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا کہ جنکو ابتداء میں یہ حکم ہوا تھا کہ ابھی اپنے ہاتھوں کو جہاد و قتال سے روکے رکھو اور حسب سابق نماز کو قائم رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو یہ حکم ہجرت سے پہلے تھا پس جب ہجرت کے بعد انپر جہاد و قتال فرض کر دیا گیا تو ناگہاں ایک گروہ ان میں سے اپنے مخالف لوگوں سے ایسا ڈرنے لگا جیسے خدا سے ڈرنا چاہیئے بلکہ اس سے بھی زیادہ ڈرنے لگا اس گروہ سے یا تو منافقین کا گروہ مراد ہے یا ضعیف الایمان اور کمزور اور کچے مسلمان مراد ہیں اور یہ خوف انکا طبعی تھا اعتقادی نہ تھا کہ معاذ اللہ دل سے حکم خداوندی کو ناپسند کرتے ہوں جیسے مؤمن موت کو حق سمجھتا ہے مگر طبعًا موت اسکو گراں معلوم ہوتی ہے اسلیئے بعض ضعیف الایمان طبعی کمزوری کی بناء پر برائے چندے التوار جہاد کی تمنا اور آرزو میں یہ کہنے لگے اے ہمارے پروردگار آپ نے ابھی سے ہم پر جہاد و قتال کو فرض کر دیا کیوں نہ ڈھیل دی آپ نے ہم کو ایک قریبی وقت تک یعنی ذرا اور بے فکری سے جی لیتے ضعیف الایمان مسلمانوں کا یہ کہنا بطور اعتراض نہ تھا بلکہ طبعی کمزوری کی بناء پر بطور حسرت اور تمنا تھا ان پر کوئی گناہ نہیں ہوا آگے اس کا جواب ارشاد ہے اے نبی کریمؐ! آپ کہدیجیے کہ دنیا کی بہرمندی بہت تھوڑی ہے دنیا کے فوائد فنا اور زائل ہونے والے ہیں اُن سے دل لگانا نہیں چاہیئے لہٰذا اس التوار کی تمناء بے سود ہے آخر تا بکے - اور آخرت پرہیزگار کے لیئے دنیا سے بدرجہا بہتر ہے اور نعماء آخرت کے حصول کا بہترین ذریعہ یہ جہاد ہے اور آخرت میں تم پر تاگے

---

[1] مکی آیتوں میں جو زکوٰۃ کا ذکر ہے بعض علماء کے نزدیک اس سے فقراء اور محتاجین کے ساتھ سلوک اور احسان کرنا مراد ہے یا یوں کہو کہ اجمالی طور پر زکوٰۃ کا حکم اگرچہ مکی آیتوں میں ہے مگر زکوٰۃ کی مقدار اور انصاب کی تفصیل مدینہ جاکر ہوئی۔ واللہ اعلم۔

کے برابر بھی ظلم نہ ہوگا خوب سمجھ لو کہ اگر جہاد نہ بھی کیا تو موت سے بچ نہیں سکتے جس جگہ بھی تم ہوگے تو موت تم کو آپکڑے گی اگرچہ تم مضبوط محلوں میں ہو جہاں اگرچہ قاتل نہ پہنچ سکے لیکن موت کا فرشتہ تو ضرور پہنچ جاتا ہے لہذا موت کے ڈر سے جہاد سے جان چرانا نادانی ہے اور اسلام میں کمزوری اور کچے ہونے کی دلیل ہے

آئندہ آیات میں منافقین کے ایک خیال خام کا دفعیہ فرماتے ہیں جو بعض منافقین کو ہوتا تھا وہ یہ کہ جب کبھی جہاد میں کوئی فتح ونصرت ہوتی اور مال غنیمت ہاتھ آتا تو یہ کہتے کہ یہ اللہ کی طرف سے اتفاقاً بات بن گئی ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تدبیر کے قائل نہ ہوتے اور جب کبھی شکست ہوتی اور کچھ نقصان پہنچتا تو اس کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتے اور یہ کہتے کہ یہ مصیبت آپ کی اور آپ کے اصحاب کی نحوست سے ہم کو پہنچی ہے آئندہ آیت میں منافقین کی اس بے ہودہ بات کا جواب دیتے ہیں اور اگر پہنچتی ہے ان منافقین کو کوئی نعمت اور راحت یعنی خوشحالی اور کامرانی تو یہ کہتے کہ یہ منجانب اللہ اتفاقاً ہوگئی ہے اس میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی تدبیر کو کوئی دخل نہیں جیسے محاورہ میں کہہ دیا کرتے ہیں کہ یہ بات تو منجانب اللہ ہے یعنی تمہاری تدبیر کا نتیجہ نہیں اور اگر ان منافقین کو کوئی برائی اور تکلیف پہنچ جائے تو یہ کہتے ہیں کہ (اے محمد) یہ مصیبت اور بلا آپ کے پاس سے آئی ہے یعنی یہ آپ کی نحوست ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر جب مدینہ منورہ رونق افروز ہوئے تو ان ایام میں مدینہ میں غلہ اور پھلوں کی افراط تھی اور ہر چیز کا نرخ ارزاں تھا پھر جب منافقوں نے اپنے نفاق کا اور یہودیوں نے اپنی عناد کا اظہار کیا تو خدا تعالیٰ نے ان کے رزق میں کسی قدر تنگی کردی پیداوار کم ہوئی اور نرخ چڑھ گیا اس پر یہودیوں اور منافقوں نے کہا کہ جب سے یہ شخص ہمارے شہر میں آیا ہے اسی وقت سے ہمارے پھلوں اور کھیتوں میں نقصان ہونے لگا اس آیت میں انہی منافقوں کا بیان ہے پس حسنہ (بھلائی) سے مراد پیداوار کی کثرت اور نرخ کی ارزانی ہے اور سیئہ (برائی) سے مراد قحط اور مہنگائی ہے اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بھلائی سے مراد فتح اور غنیمت ہے اور برائی سے مراد قتل اور ہزیمت ہے بہرحال جو بھی مراد ہو حسنہ اور سیئہ کا لفظ سب کو شامل ہے۔

اور اس روایت کی بناء پر مطلب یہ ہے کہ اگر لڑائی میں مسلمانوں کو فتح ہوتی ہے اور غنیمت ان کے ہاتھ آتی ہے جیسے بدر میں تو منافق یہ کہتے ہیں کہ یہ فتح اور غنیمت اللہ کی

طرف سے اتفاقاً پیش آگئی ہے اور مسلمان جو اس فتح کو اپنی تائید غیبی اور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی دلیل نبوت اور برہان صداقت سمجھتے ہیں یہ سب غلط ہے یہ فتح محض ایک اتفاقی امر ہے اور اگر مسلمانوں کی شکست ہوتی ہے جیسے احد میں تو کہتے ہیں کہ یہ بات محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے یعنی آپ صلے اللہ علیہ وسلم کی بے تدبیری کا نتیجہ ہے آپ ان کے جواب میں یہ کہہ دیجئے کہ یہ سب اللہ کی طرف سے ہے یعنی فتح و شکست اور قتل اور غنیمت اور سما اور ارزانی اور قحط اور گرانی سب خدا ہی کے طرف سے ہے میرا ان میں کوئی دخل نہیں جو امور باعث آرام ہیں وہ خدا تعالٰے کا انعام ہیں اور جو باعث تکلیف ہیں وہ اس کی طرف سے ابتلاء اور آزمائش ہیں پس کیا حال ہے ان منافقین کا کہ ایک بات کے سمجھنے کے پاس نہیں جاتے یعنی ان کو اتنی سمجھ نہیں کہ بھلائی اور برائی سب اللہ کی طرف سے ہے انسان کا اس میں کوئی دخل نہیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ اگر ان منافقین کو عقل ہوتی تو سمجھ لیتے کہ ہر راحت اور مصیبت کا خالق اور موجد حق تعالیٰ ہی ہے ارزانی اور گرانی اور فتح اور شکست سب اللہ ہی کی قضاء و قدر سے ہے اس میں کسی دوسرے کو دخل نہیں اور پیغمبر کی تدبیر بھی اللہ کی قضا و قدر سے ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کے الہام سے ہے لہذا نبی پر تمہارا الزام رکھنا غلط اور کم فہمی ہے اور بگڑے کو بگڑا نہ سمجھو یہ اللہ کی حکمت ہے اللہ تعالیٰ تم کو تمہاری تقصیروں پر متنبہ کرتا ہے اور تم کو سدھارتا اور سنوارتا اور آزماتا ہے یہ منافقین کے الزام کا اجمالی جواب ہوا آئندہ آیت میں اس کی تفصیل ہے اے انسان تجھ کو نعمت اور راحت اور بھلائی کی قسم سے جو چیز پہونچے تو وہ اللہ کی طرف سے ہے اور برائی کی قسم سے جو چیز تجھ کو پہنچے تو وہ تیرے نفس کی طرف سے ہے مطلب یہ ہے کہ انسان کو جو نعمت اور راحت پہنچتی ہے وہ محض اللہ کا فضل اور احسان ہے اور جو تکلیف اُسے پہنچتی ہے وہ اس کے اعمال کی شامت سے پہنچتی ہے۔

اس سے اوپر کی آیت میں حق تعالیٰ نے یہ فرمایا تھا کہ بھلائی ہو یا برائی سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اس آیت میں یہ فرمایا کہ بھلائی تو اللہ کی طرف سے ہے اور برائی بندہ کی طرف سے ہے بظاہر ان دونوں باتوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے مگر درحقیقت تعارض نہیں دوسری آیت پہلی آیت کی تفصیل ہے۔

خلاصۂ جواب یہ ہے کہ عالم اسباب سے قطع نظر کرکے فاعل حقیقی اور مسبب الاسباب کی طرف خیال کرو تو ہر بھلائی اور برائی کا خالق اور موجد صرف وہی ہے اس اعتبار سے تمہارا بھلائی اور برائی میں تفرقہ کرنا یہ بھلائی تو اللہ کی طرف سے ہے اور یہ برائی رسول کی طرف سے ہے سراسر حماقت ہے فَمَا لِهٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا یعنی یہ لوگ ایسے نادان ہیں کہ اپنی حماقت کو بھی نہیں سمجھتے اور اگر عالم اسباب پر نظر کرتے ہو تو خوب سمجھ لو

کہ عالم اسباب میں تم کو جو خیر اور بھلائی پہنچتی ہے وہ محض اللہ کا فضل اور احسان ہے اس میں تمہارے کسی عمل کو دخل نہیں تم جو عمل صالح کرتے بھی ہو تو وہ بھی اللہ ہی کا فضل اور احسان ہے اس کی توفیق سے اور اس کی دی ہوئی قدرت سے اور اس کے دیئے ہوئے اعضاء اور جوارح سے کرتے ہو تمہارا وجود بھی اسی کا فضل اور احسان ہے اور اگر تم کو کوئی برائی اور تکلیف پہنچے تو سمجھ لو کہ وہ تمہارے اعمال بد کا نتیجہ ہے کما قال تعالیٰ وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ لہذا ادب کا مقتضیٰ یہ ہے کہ برائی کو اپنی طرف اور بھلائی کو خدا کی طرف منسوب کرو اور فتح اور کامرانی کو اللہ کا فضل جانو اور قحط اور گرانی اور شکست اور ناکامی کو اپنے اعمال کی شامت جانو پیغمبر خدا پر کوئی الزام نہ رکھو اور یقین رکھو کہ بھلائی اور برائی کا خالق اور موجد صرف حق تعالیٰ کی ذات والاصفات ہے تم کو جو برائی پہنچتی ہے بے شک اس کا خالق اور پیدا کرنے والا تو حق تعالیٰ ہی ہے مگر تمہارا عمل اس کا سبب ہے اور پیغمبرؐ خدا اس بلائی کے نہ خالق اور موجد ہیں اور نہ سبب ہیں لہذا پیش آمدہ برائی کو معاذ اللہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی نحوست بتلانا کمال حماقت ہے۔

حق تعالیٰ شانہٗ منافقین کے الزام دور کرنے کے بعد نبی کریمؐ سے خطاب کر کے فرماتے ہیں اور اے نبی صلے اللہ علیہ وسلم، آپ کا سبب نحوست ہونا تو قطعًا ناممکن اور محال ہے اس لیے کہ ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے نفع اور ہدایت کے لیے پیغام دیکر بھیجا ہے تاکہ آپ لوگوں کو ہر خیر کی طرف دعوت دیں اور ہر شر سے ڈرائیں آپؐ کی ذات بابرکات تو ہر خیر اور رحمت کا منبع اور سرچشمہ ہے وہ نحوست کا سبب کیسے بن سکتی ہے نحوست کا منبع خود ان کا نفس امارہ ہے اور یہود اور منافقین جس برائی کا مشاہدہ کر رہے ہیں وہ ان کے اعمال کی شامت ہے اے نبی کریم آپ ان کے بے ہودہ الزام کی پرواہ نہ کیجیے اور غمگین اور رنجیدہ نہ ہو جائیے اپنا کار رسالت کیے جائیے اور اگر یہ لوگ آپ کی رسالت کا انکار کریں تو اللہ تعالیٰ آپ کی رسالت کا کافی گواہ ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو معجزات عطا کیے ہیں وہ سب من جانب اللہ آپ کی نبوت و رسالت کے گواہ ہیں اور ظاہر ہے کہ رسالت اور نحوست کا اجتماع عقلاً ناممکن ہے نحوست جب آتی ہے تو بارگاہ رسالت کی مخالفت سے آتی ہے اس لیے کہ جس کسی نے رسول کی اطاعت کی تو تحقیق اس نے بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت موجب خیر و برکت اور باعث رحمت ہے نہ کہ باعث شوم و نحوست اور جو آپ کی اطاعت سے اعراض کرے تو اس کو اختیار ہے کہ خیر و برکت سے روگردانی کر کے نحوست میں داخل ہو جائے ہم نے آپ کو ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا کہ آپ جبراً و قہراً ان کو نحوست سے بچالیں یا نکال لیں آپ بے فکر رہیں ان کے بارہ میں آپ سے کوئی باز پرس نہ ہوگی آپ کا کام پیغام پہنچا دینا ہے۔

فرستادۂ خاص پروردگار ❊ رسانندۂ حجت استوار
گرامایہ تر تاج آزادگاں ❊ گرامی تراز آدمی زادگاں

بیان حقیقتِ حال منافقین

اور منافقین کی حالت یہ ہے کہ بظاہر نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا دم بھرتے ہیں اور آپ کے سامنے یہ کہتے ہیں ہمارا شیوہ تو آپ کی فرمانبرداری ہے زبان سے تو اظہار فرمانبرداری کرتے ہیں پھر جب آپ کی مجلس سے اٹھ کر باہر جاتے ہیں تو ان میں کے کچھ لوگ یعنی ان کے سردار رات کے وقت آپ کے فرمودہ اور حکم کے برخلاف مشورے کرتے ہیں اور ان کو یہ معلوم نہیں کہ یہ جو کچھ مشورے کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو ان کے نامہائے اعمال میں لکھتا ہے اور پھر بذریعہ وحی کے اپنے نبی کو ان کے پوشیدہ مشوروں سے مطلع کرتا ہے اور منافقین یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے پوشیدہ مشوروں کی کسی کو کیا خبر ہو سکتی ہے پس اے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ پر ان کا نفاق ظاہر کر دیا ہے لہذا آپ ان سے تغافل برتیئے نہ ان کو سزا دیں نہ ان کی فکر میں پڑیں اور اللہ پر بھروسہ رکھیئے اور خدا تعالیٰ پورا کارساز ہے خدا تعالیٰ آپ کو ان کے شر سے محفوظ رکھے گا یہ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔

اثبات رسالت محمدیہ باعجاز قرآن

اوپر کی آیتوں میں خدا تعالیٰ نے منافقین کی انواع واقسام کی دورنگیاں اور دغابازیاں بیان کیں جن کا اصل منشار اور سبب یہ تھا کہ وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو دعوائے رسالت میں سچا نہیں سمجھتے تھے اور قرآن کریم کو کلام الٰہی نہیں جانتے تھے اس لیے اس آیت میں ان کو یہ حکم دیا کہ تم قرآن میں غور و فکر کرو جو آپ کی نبوت کی سب سے بڑی دلیل ہے اگر تم نے اس میں صدق دل سے غور و فکر کیا تو تم پر روز روشن کی طرح یہ امر واضح ہو جائے گا کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کے رسولِ برحق ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کیا یہ منافقین قرآن میں غور و فکر نہ کریں گے تاکہ اس کے اسرار بلاغت اور دلائل اعجاز کو دیکھ کر اس کا کلام الٰہی ہونا ان پر واضح ہو جائے۔ اور یہ سمجھ جائیں کہ جس پر یہ کلام الٰہی نازل ہوا ہے وہ بلاشبہ خدا کا رسول ہے
اس لیے کہ اول قرآن کی فصاحت و بلاغت ایسی بے نظیر ہے جو طاقت بشری سے باہر

ہے اور اس کے تمام احکام عین حکمت اور عین صواب ہیں اور جا بجا قرآن میں غیب کی خبریں ہیں جن کا علم سوائے خدا کے کسی کو نہیں ہو سکتا گزشتہ کی اس میں خبریں ہیں اور آئندہ کی اس میں پیشین گوئیاں ہیں اور یہ سب کو معلوم ہے کہ حضور پر نور اُمّی ہیں پڑھے لکھے نہیں جو کسی سے پڑھ کر یا کسی کتاب کو دیکھ کر یہ علوم و معارف بیان کرتے ہوں جس سے بخوبی ثابت ہوا کہ بلاشبہ یہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور آپ اپنے دعوائے رسالت میں سچے ہیں اور اگر یہ قرآن غیر اللہ کی طرف سے ہوتا یعنی اگر خدا کا کلام نہ ہوتا بلکہ معاذ اللہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا بنایا ہوا ہوتا یا کسی اور بشر کا کلام ہوتا جیسا کہ مخالفین اسلام کہتے ہیں تو ضرور پاتے اس میں بہت سخت اختلاف اور تناقض اور تفاوت کوئی خبر اسکی صحیح ہوتی اور کوئی غلط کوئی جملہ اس کا فصیح ہوتا اور کوئی رکیک مگر اس میں کسی قسم کا اختلاف اور تناقض نہیں فصاحت و بلاغت میں اول سے آخر تک یکساں ہے اس کے ایک بیان سے دوسرے بیان کی تصدیق ہوتی ہے اس کی پیشین گوئیاں تمام صحیح اور واقع کے مطابق ہیں باہمی تناقض اور اختلاف کا نام و نشان نہیں اور ظاہر ہے کہ غیب کا علم سوائے خدا تعالیٰ کے کسی کو نہیں ان باتوں سے ہر شخص بخوبی یہ سمجھ سکتا ہے کہ قرآن خدا کا کلام ہے۔ کیونکہ بشر کا کلام ایک اسلوب اور ایک حال پر کبھی بھی نہیں رہ سکتا بشر پر مختلف احوال پیش آتے ہیں ہر حالت میں اسی حالت کے مطابق کلام کرتا ہے دوسری حالت کا دھیان نہیں رہتا نیز آدمی جب کلام طویل کرتا ہے تو وہ یکساں نہیں ہوتا بلکہ کوئی جملہ فصیح ہوتا ہے اور کوئی غیر فصیح اور قرآن عظیم اتنی بڑی کتاب ہے اس کا ان جملہ اختلافات سے پاک ہونا اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ یہ خداوند ذوالجلال کا کلام ہے خلاصۂ مطلب یہ ہے کہ کیا یہ منافقین قرآن میں غور نہیں کرتے کہ اس کے عدم اختلاف اور عدم تناقض سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا صدق معلوم کر لیں کم از کم اسی میں غور کر لیں کہ قرآن کریم تمہارے باطنی نفاق اور اندرونی عقائد اور خیالات کی صحیح صحیح خبر دے رہا ہے جو اس امر کی دلیل قطعی ہے کہ یہ وحی خداوندی ہے سوائے خدا کے کون کسی کے دل کا حال بتلا سکتا ہے اگر یہ قرآن خدا کی طرف سے نہ ہوتا تو منافقین کے نفاق اور اسرار باطنی کے متعلق جو خبریں دی جاتی ہیں تو منافقین ان میں ضرور اختلاف اور فرق پاتے منافقین کے متعلق قرآن کی کوئی خبر سچی نکلتی اور کوئی جھوٹی اور اگر ان منافقین کو قرآن میں کوئی اختلاف اور تناقض نظر آتا تو ضرور اس کو شائع کرتے اس لیے کہ ان کی عادت یہ تھی کہ جب ان کے پاس امن یا خوف کی کوئی خبر آتی ہے تو اسی وقت اس کو شائع اور مشہور کر دیتے ہیں منافقوں کی عادت یہ تھی کہ جب مسلمانوں کی فتح یا شکست کی خبر ان کو کہیں سے ملتی تو بلا تحقیق اس کو شائع اور مشہور کر دیتے جس سے مسلمانوں کو نقصان پہنچتا کیونکہ بعض خبریں تو جھوٹی ہوتی ہیں اور بعض کا ظاہر کرنا خلافِ مصلحت ہوتا ہے اسی طرح اگر ان منافقین کو قرآن میں کوئی اختلاف اور تناقض نظر آتا تو اس کو بھی ضرور شائع اور مشہور کر ڈالتے اور ان

کے نفاق کے متعلق قرآن میں جو خبریں دی جارہی ہیں ان میں سے اگر کوئی خبر غلط نکلتی تو آسمان وزمین ایک کر دیتے اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ اگر ان منافقین کے پاس مسلمانوں کی فتح اور غنیمت یا قتل اور ہزیمت کی کوئی خبر آتی ہے تو خواہ مخواہ جھوٹی ہو یا سچی اور اس کے ظاہر کرنے میں مصلحت ہو یا نہ ہو یہ لوگ اس کو مشہور کر دیتے ہیں اور اگر بجائے خود مشہور کرنے کے یہ لوگ اس خبر کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف اور صحابہ میں جو لوگ ذی رائے اور ذی اختیار ہیں ان تک پہنچاتے یعنی یہ لوگ اگر خبر سننے کے بعد اس خبر کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور اکابر صحابہ تک پہنچا دیتے اور از خود اس کو شائع نہ کرتے تو اہل اسلام میں سے جو لوگ بات کی تہ اور گہرائی کو پہنچنے والے ہیں تو وہ بے شک پہچان لیتے کہ یہ خبر مشہور کرنے کے قابل ہے یا نہیں ہر شخص بات کی تہ اور گہرائی کو نہیں پہنچتا لہذا ایسے اشخاص کو چاہیئے کہ وہ مستنبطین اور مجتہدین کی طرف رجوع کریں اور ان سے بغیر دریافت کیے دین کی کوئی خبر اور بات زبان سے نہ نکالیں

استنباط کے لغوی معنی زمین کھود کر اس کی تہ میں سے پانی نکالنے کے ہیں اور اصطلاح شریعت میں نصوص شریعت کی تہ میں جو حقائق اور معارف مستور ہیں ان کو خدا داد فہم و فراست سے کھود کر نکالنے کا نام استنباط اور اجتہاد ہے شریعت کے بہت سے احکام آیات اور احادیث کے ظاہر سے مفہوم نہیں ہوتے لیکن وہ بلاشبہ نصوص شریعت اور کتاب وسنت کی گہرائیوں میں مستور اور پوشیدہ ہوتے ہیں یہ ناممکن ہے کہ شریعت نے کوئی امر چھوڑ دیا ہو اور اس کے متعلق کوئی حکم نہ دیا ہو فقہاء کرام جن کے ساتھ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے خاص خیر کا ارادہ فرمایا وہ اپنے دقیق اور عمیق نظر اور فکر کے ذریعہ سے زمین شریعت کو کھود کر اس کی تہ اور گہرائیوں میں سے ان پوشیدہ احکام کو نکال کر لاتے ہیں جو زمین شریعت کی ظاہری سطح پر نمایاں نہ تھے شریعت کی تہ اور گہرائی میں سے کسی پوشیدہ حکم کے نکال لینے کا نام استنباط اور اجتہاد اور قیاس ہے۔

اسی بناء پر حضرات فقہاء لکھتے ہیں کہ قیاس مظہر حکم ہے نہ کہ مُثبِت حکم یعنی قیاس سے کوئی حکم شرعی ثابت نہیں ہوتا بلکہ جو حکم قرآن وحدیث میں پہلے موجود تھا مگر مخفی تھا قیاس نے اس کو اب ظاہر کر دیا حکم درحقیقت کتاب وسنت ہی کا ہے قیاس خدا اور رسول کے پوشیدہ حکم کا مظہر اور محض ظاہر کرنے والا ہے قیاس مثبتِ حکم نہیں یعنی قیاس اپنی طرف سے کوئی حکم نہیں دیتا عرف عام میں چونکہ قیاس کے معنی خیال اور گمان اور وہم کے ہیں اس لیے بہت سے نادانوں نے یہ گمان کر لیا کہ قیاس شرعی کی حقیقت بھی یہی ہے اور اصطلاح شریعت میں قیاس شرعی کی حقیقت یہ ہے کہ غیر منصوص الحکم کو منصوص الحکم کے مشابہ اور مماثل دیکھ کر بوجہ مماثلت اور مشابہت کے منصوص الحکم کے حکم کو غیر منصوص کے لیے ثابت کرنا اس کا نام قیاس ہے۔ یعنی جس

چیز کا حکم کتاب و سنت اور اجماع امت میں منصوص اور مصرح نہیں اس میں یہ غور و فکر کرنا کہ جس چیز کا حکم شریعت میں موجود ہے یہ غیر منصوص کس کے ساتھ زیادہ مشابہ اور مماثل ہے مشابہت کی بناء پر غیر منصوص کے لیے اس حکم کے ثابت کرنے کا نام قیاس شرعی ہے جیسے ہائی کورٹ کا کوئی فاضل جج جس مقدمہ کا حکم صراحۃً قانون میں موجود نہ ہو وہاں نظائر کو پیش نظر رکھ کر فیصلہ صادر کرتا ہے یہ بھی تو ایک قسم کا قیاس ہی ہوا عدالتوں میں ہزارہا مقدمات کا فیصلہ نظائر ہی پر ہوتا ہے نظیر کے موافق حکم دینا یہی قیاس ہے معلوم ہوا کہ ہر قانون میں قیاس موجود ہے بلا قیاس کے عدالتوں کا فیصلہ ناممکن ہے امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی قیاس کی یہی حقیقت قرار دی ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں باب من شبہ اصلا معلوما باصل مبین قد بیّن اللہ حکمہا لیفہم السائل جس سے اشارہ اس طرف ہے کہ قیاس کی حقیقت تشبیہ اور تمثیل ہے اور اس بارہ میں امام بخاری نے متعدد تراجم قائم فرمائے ہیں سب کا حاصل یہ ہے کہ قیاس اور رائے کی دو قسمیں ہیں ایک محمود اور ایک مذموم مذموم وہ ہے جس کی کتاب و سنت اور اجماع میں کوئی اصل موجود نہ ہو اور محمود وہ ہے جو کتاب و سنت اور اجماع امت سے ماخوذ ہو حضرات اہل علم فتح الباری جلد سیزدہم باب الاعتصام کی مراجعت فرمائیں

اور اگر تم پر خدا کا یہ خاص فضل اور یہ خاص مہربانی نہ ہوتی یعنی اگر بالفرض تمہاری ہدایت کے لیے حق تعالیٰ یہ قرآن نازل نہ فرماتے اور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو تمہاری تعلیم اور تزکیہ کیلئے مبعوث نہ فرماتے جس نے تم پر حق اور باطل کا فرق واضح کیا تو البتہ تم شیطان کے پیرو ہو جاتے اور کفر و شرک میں مبتلا ہو جاتے مگر بہت کم ایسے ہوتے جو خدا داد نور فہم و فراست سے توحید کو اختیار کرتے اور شرک سے محفوظ رہتے جیسے زید بن عمرو بن نفیلؓ اور ورقہ بن نوفل وغیرہم کہ جو خداداد نور فہم سے زمانۂ جاہلیت میں کفر و شرک سے محفوظ رہے اتباع شیطان سے اس قسم کی محفوظیت اور معصومیت سے بہت ہی کم افراد کو نوازا جاتا ہے لہٰذا اتباع شیطان سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ بغیر مستنبطین کی اجازت کے کوئی خبر شائع نہ کریں بغیر اہل الرائے کے صلاح اور حکم کسی خبر کو شائع کرنا شیطان کی پیروی ہے۔

پس اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اگر یہ منافقین اور ضعیف الایمان مسلمان تمہارا ساتھ چھوڑ دیں تو پروا نہ کیجئے آپ تن تنہا خدا کی راہ میں جہاد و قتال کیجئے آپ صرف اپنی ذات کے ذمہ دار ہیں غیروں کی ذمہ داری آپ پر نہیں اور آپ تو صرف مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دیجئے ماننا نہ ماننا ان کا کام ہے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کی جنگ کو روک دے گا اور اللہ تعالیٰ سخت ہیبت والا اور سخت عذاب دینے والا ہے اس کے مقابلہ میں کوئی نہیں جیت سکتا اور نہ کوئی اس کے عذاب سے چھڑا سکتا ہے۔

حکم بست ویکم ترغیب در شفاعت حسنہ و ترہیب از شفاعت سیئہ

قال تعالیٰ مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً .... الیٰ .... وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ٥

(ربط) گزشتہ آیات میں جہاد کی ترغیب تھی اب ان آیات میں سفارش کے متعلق ایک قانون بیان فرماتے ہیں کہ جو شخص عمدہ سفارش کرے (مثلاً شرکت جہاد کی ترغیب دے) اس کو اس میں سے حصہ ملے گا یعنی اس کو بھی اسی قدر ثواب ملے گا جس قدر اس پر عمل کرنے والوں کو اور جو کوئی بری سفارش کرے مثلا لوگوں کو شرکت جہاد سے روکے اور ان کو جہاد میں جانے سے ڈرائے تو اس کو گناہ میں سے حصہ ملے گا۔

چنانچہ فرماتے ہیں جو شخص نیک کام کی سفارش کرے گا اس کو اس نیک کام کے ثواب سے حصہ ملے گا اور جو شخص بری سفارش کرے گا اس کو اس بُرے کام کے گناہ سے حصہ ملے گا مثلاً کسی امیر سے سفارش کر کے کسی حاجت مند کو کچھ دلوا دے تو اس خیرات کے ثواب میں یہ بھی شریک ہوگا اور اگر کسی حاکم سے سفارش کر کے کسی چور اور بدکار کو چھڑوا دیا تو یہ بھی اس چوری اور بدکاری میں شریک اور حصہ دار ہوگا کیونکہ شفاعت کی حقیقت غیر کے لیے حصول خیر میں واسطہ بننے کے ہیں پس اگر وہ خیر حقیقۃً خیر ہے تو اس کو اجر ملے گا ورنہ گناہ ہوگا۔

گزشتہ آیت کے ساتھ اس آیت کا تعلق یہ ہے کہ منافقین ایک دوسرے کے لیے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ سفارش کیا کرتے تھے کہ آپ انہیں جنگ سے پیچھے رہنے کی اجازت دیدیں اور مومنین کا طریقہ یہ تھا کہ وہ اگر کسی کے پاس سامان جنگ نہ دیکھتے تو دوسرے صاحب مقدرت مسلمانوں سے کہہ سن کر ان کو سامان جنگ دلوا دیتے تاکہ جہاد میں شریک ہو سکیں اس پر یہ آیت

نازل ہوئی اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ جو شخص اچھی یا بری سفارش کرے گا اس کی جزاء و سزا اسکو بھگتنی پڑے گی اور ہے اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر۔ یعنی وہ اچھی سفارش پر ثواب اور بری سفارش پر عذاب دینے پر قادر ہے نہ کوئی اس کے ثواب کو روک سکتا ہے اور نہ کوئی اس کی سزا کو۔ اور بعض علماء نے مُقِیت کے معنی نگہبان کے کیے ہیں اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر نگہبان ہے یعنی اچھی اور بری سفارش اسکی نظروں سے پوشیدہ نہیں وہ ہر سفارش کرنے والے کے حال سے بخوبی واقف ہے

وَإِذَا حُيِّيتُم بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ

اور جب تم کو دعا دیوے کوئی تو تم بھی دعا دو اس سے بہتر یا وہی کہو

رُدُّوهَا ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَسِيبًا ﴿٨٦﴾

الٹ کر اللہ ہے ہر چیز کا حساب کرنے والا

حکم بست و دوم بابت تحیۂ اسلام و تعلیم جواب سلام

قال تعالیٰ وَإِذَا حُيِّيتُم بِتَحِيَّةٍ ...... الی ...... حَسِيبًا

(ربط) گزشتہ آیت میں شفاعت حسنہ کا ذکر تھا اب اس آیت میں تحیۂ اسلام یعنی کسی کو السلام علیکم کہنے کا حکم مذکور ہے اور کسی مسلمان کو سلام کرنا یا دعا دینا یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ سے اس کی سلامتی کی شفاعت حسنہ ہے کہ اے اللہ اس کو دنیا اور آخرت کی امن اور سلامتی عطا فرما۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور جب تم کو کسی قسم کا سلام کیا جائے تو تم اس سے بہتر الفاظ میں اس کے سلام کا جواب دو مثلاً کوئی شخص تم کو السلام علیکم کہے جو دنیا اور آخرت کے امن اور سلامتی کی دعا ہے تو تم اس کے جواب میں وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ کہو دعاء سلامتی پر دعاءِ رحمت اور برکت کا اضافہ کرو تاکہ تمہارا جواب اس سے بہتر ہو جائے یا جواب میں وہی الفاظ لوٹا دو یعنی السلام علیکم کے جواب میں فقط وعلیکم السلام کہدو۔

اشارہ اس طرف ہے کہ اگر احسان کا بدلہ اصل سے زیادہ ہو تو بہتر ہے ورنہ برابر سرابر بھی کافی ہے بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب کرنے والا ہے یعنی سلام کرنے والے اور اس کے جواب دینے والے کو بقدر اس کے سلام اور بقدر زیادتی کے جزاء دے گا۔

ف تحیہ کے لغوی معنی دعاء حیات کے ہیں زمانۂ اسلام سے پیشتر عرب میں یہ رواج تھا

کہ جب دو آدمی ملتے تو ایک دوسرے کو حَیَّاکَ اللہ کہتے یعنی خدا تعالیٰ تجھ کو زندہ رکھے یہ دعا اُن کے یہاں تحیہ کہلاتی تھی شریعت اسلام نے اس دعا کو لفظ السلام علیکم سے بدل دیا اور تحیۂ اسلام اس کا نام رکھا پس آیت میں تحیہ سے اسلامی تحیہ یعنی السلام علیکم مراد ہے شریعت اسلام نے جو تحیہ مقرر کیا وہ زمانۂ جاہلیت کے تحیہ سے کہیں زیادہ فاضل اور کامل ہے کیونکہ السلام علیکم کے معنی یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ تم کو ہر قسم کے غم اور الم اور جملہ آفات اور بلیات سے سلامت اور محفوظ رکھے اور حَیَّاکَ اللہ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ تم کو زندہ رکھے اور ظاہر ہے کہ سلامتی کے لیے زندگی لازم ہے اور زندگی کے لیے سلامتی لازم نہیں اس لیے کہ جو شخص آفات اور بلیات میں مبتلا ہے زندگی اس کو حاصل ہے مگر سلامتی اس کو حاصل نہیں نیز دعاءِ سلامتی ایک خاص بشارت ہے اور لفظ سلام دراصل اللہ کا نام ہے لہذا ملاقات کی ابتداء اللہ کے نام اور بشارت سے ہونا یہ غایت درجہ بہتر ہے۔

صحیحین میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب خدا تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السّلام کو پیدا کیا تو فرشتوں کی ایک جماعت جو وہاں بیٹھی تھی اس کی طرف اشارہ کر کے حضرت آدم علیہ السلام کو حکم دیا کہ اس جماعت کو جا کر سلام کرو اور سنو کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں وہی تمہارا اور تمہاری اولاد کا سلام ہے آدم علیہ السلام نے ان کے پاس جا کر کہا السلام علیکم انہوں نے جواب دیا وعلیک السلام ورحمۃ اللہ تو فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السّلام کے جواب میں لفظ ورحمۃ اللہ زیادہ کیا۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ

اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہیں تم کو جمع کرے گا قیامت کے دن اس میں

لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴿۸۷﴾

شک نہیں اور اللہ سے سچی کس کی بات

قال تعالیٰ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ...... الیٰ .... اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ■

(ربط) گزشتہ آیت یعنی اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا میں وعید اور تہدید تھی اب اس

آیت میں اس کی تاکید کے لیے اپنی توحید اور عظمت اور قیامت کا ذکر فرماتے ہیں اللہ کی شان یہ ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ضرور تم سب کو قیامت کے دن جمع کرے گا جس میں ذرہ برابر کسی قسم کا شک نہیں یعنی قیامت ضرور آئے گی اور حساب وکتاب اور جزاء اعمال کے لیے سب ایک جگہ ضرور جمع ہوں گے اور اللہ سے کون زیادہ بات میں سچا ہو سکتا ہے یعنی جب اس نے قیامت کی خبر دیدی تو اس کو سچ جانو اور تعمیل احکام کا خاص اہتمام کرو اور یقین جانو کہ جو اس کے احکام کی تعمیل میں کوتاہی کرے گا قیامت کے دن اس کو سزا دے گا۔

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ

پھر تم کو کیا پڑا ہے منافقوں کے واسطے دو جانب ہو رہے ہو اور اللہ نے

بِمَا كَسَبُوْا ۭ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ

ان کو الٹ دیا ان کے کاموں پر کیا تم چاہتے ہو کہ راہ پر لاؤ جس کو بھٹلایا

اللّٰهُ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۸۸﴾

اللہ نے اور جس کو اللہ راہ نہ دے پھر تو نہ پاوے اس کے واسطے کہیں راہ

وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَاۗءً فَلَا

چاہتے ہیں کہ تم بھی کافر ہو جیسے وہ ہوئے پھر سب برابر ہو جاؤ سو تم

تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَاۗءَ حَتّٰي يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

ان میں کسی کو مت پکڑو رفیق جب تک وطن چھوڑ آویں اللہ کی راہ میں

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ

پھر اگر قبول نہ رکھیں تو ان کو پکڑو اور مارو جہاں پاؤ اور نہ

وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۸۹﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ

ٹھہراؤ کسی کو رفیق اور نہ مددگار مگر وہ جو

يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ اَوْ

مل رہے ہیں ایک قوم سے جن میں اور تم میں عہد ہے یا آئے ہیں

جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ

تمہارے پاس خفا ہو گئے ہیں دل ان کے تمہارے لڑنے سے اور

يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ ؕ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ

اپنی قوم کے لڑنے سے بھی اور اگر اللہ چاہتا تو ان کو تم پر زور دیتا

فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَ اَلْقَوْا

پھر تم سے لڑتے تو اگر تم سے کنارہ پکڑیں پھر نہ لڑیں اور تمہاری

اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ﴿۹۰﴾

طرف صلح لاویں تو اللہ نے نہیں دی تم کو ان پر راہ

سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ وَ

اب تم دیکھو گے ایک اور لوگ چاہتے ہیں کہ امن میں رہیں تم سے بھی اور

يَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ ؕ كُلَّمَا رُدُّوْۤا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْهَا ۚ

اپنی قوم سے بھی جس بار بلائے جاتے ہیں فساد کرنے کو الٹ جاتے ہیں اس

فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ وَ يُلْقُوْۤا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَ يَكُفُّوْۤا

ہنگامہ میں پھر اگر تم سے کنارہ نہ پکڑیں اور صلح نہ لاویں اور اپنے

اَيْدِيَهُمْ فَخُذُوْهُمْ وَ اقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ ؕ

ہاتھ نہ روکیں تو ان کو پکڑو اور مارو جہاں پاؤ اور ان پر

وَ اُولٰٓئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۹۱﴾ ع

ہم نے ملا دی تم کو سند صریح

قال تعالیٰ فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ ..... الیٰ ..... جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ۝

(ربط) گزشتہ آیات میں منافقین کے احوال کا ذکر تھا اب ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ مسلمانوں کو منافقین کے ساتھ کیا معاملہ رکھنا چاہیے حاصل حکم یہ ہے کہ منافقین کے ساتھ مسلمانوں جیسا معاملہ اس وقت تک کیا جائے گا کہ جب تک ان کا نفاق چھپا رہے اور جب ان کا کفر اور نفاق واضح اور ظاہر ہو جائے تو پھر ان کی ساتھ وہی معاملہ کیا جائے جو کفار کے ساتھ کیا جاتا ہے جب دلائل کفر کے واضح ہو جائیں تو پھر تردد کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ رکوع کی تفسیر سمجھنا چند روایات کے نقل پر موقوف ہے اسلئے ہم ان روایات کو نقل کرتے ہیں

پہلی روایت مشرکین عرب میں سے کچھ لوگ مدینہ آئے اور یہ ظاہر کیا کہ ہم مسلمان اور مہاجر ہو کر آئے ہیں کچھ دنوں مدینہ میں مقیم رہے پھر مدینہ کی آب وہوا کے موافق نہ آنے کا عذر کر کے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ اجازت مانگی کہ یا رسول اللہ اگر آپ اجازت دیں تو ہم جنگل میں جا کر رہیں یہاں کی آب وہوا ہم کو موافق نہیں آپ نے ان کو اجازت دے دی یہ بہانہ کر کے جب مدینہ سے باہر نکل گئے تو منزل بمنزل کوچ کرتے اور کھسکتے رہے یہاں تک کہ مشرکین مکہ سے جا ملے اور گھر پہنچ کر آنحضرت کو ایک جھوٹ موٹ خط لکھا کہ آپ ہماری طرف سے کچھ خیال نہ کریں ہم آپ ہی کے دین پر ہیں اور ہم مدینہ کی آب وہوا کی ناموافقت کی وجہ سے اپنے وطن مکہ چلے آئے ہیں یہ حال سن کر مسلمان ان کے ایمان اور کفر میں اختلاف کرنے لگے بعض نے کہا کہ یہ منافق ہیں ہم ان کو قتل کریں گے اگر وہ ہماری طرح مسلمان ہوتے تو مصائب پر صبر کرتے اور ہجرت کو ترک کر کے واپس نہ ہوتے اور بعض نے کہا ایسا نہیں وہ مسلمان ہیں ہم کو ان سے بدگمانی نہ کرنی چاہیئے جب تک ہم پر ان کا پورا حال نہ کھل جائے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور ان کا کفر اور نفاق ظاہر کر دیا اور ارشاد فرمایا کہ اے مسلمانو ان منافقوں کے بارہ میں دو گروہ کیوں ہو گئے یہ لوگ تو ایسے پکے کافر ہیں کہ تم کو بھی کافر اور گمراہ بنانے کی فکر میں ہیں (تفسیر قرطبی ص۳۰۶ ج ۵ و تفسیر کبیر ص۲۸۹ ج ۳ و روح المعانی ص۹۷ ج ۵)

دوسری روایت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ تشریف لے جانے سے قبل ہلال بن عویمر اسلمی سے یہ عہد کیا تھا کہ وہ نہ آپ کو مدد دے گا اور نہ آپ کے مقابلہ میں کسی کو مدد دیگا اور جو شخص ہلال کے پاس چلا جائے اور اس کی پناہ پکڑے تو اس کو ہماری طرف سے ایسی ہی پناہ ہو گی جیسے خود ہلال کو خواہ وہ شخص اس کی اپنی قوم کا ہو یا کسی غیر قوم کا اس پر یہ آیتیں وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا اِلَّا

الَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ اِلٰی قَوْمٍۭ بَیْنَکُمْ وَبَیْنَهُمْ مِّیْثَاقٌ ۔ الی۔ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَیْهِمْ سَبِیْلًا۔ نازل ہوئیں (تفسیر قرطبی ص۳۰۹ ج ۵ و تفسیر کبیر ص۲۹۱ ج ۳۔)

تیسری روایت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آیت سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِیْنَ الخ اسد اور غطفان کے بارہ میں نازل ہوئی یہ لوگ جب مدینہ آتے تو اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے تاکہ ان کو مسلمانوں سے کسی قسم کی مضرت نہ پہنچے اور جب اپنی قوم میں جاتے تو کفر کا اظہار کرتے اور اُن جیسی کہتے تاکہ اُن سے بھی امن رہے اور جب اُن کی قوم کا کوئی آدمی پوچھتا کہ تم کس چیز پر ایمان لاتے ہو تو کہتے ہم بندر اور بچھو پر ایمان لاتے ہیں سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِیْنَ میں اس فرقہ کا حکم بیان کیا گیا ہے (تفسیر قرطبی ص۳۱۱ ج ۵۔)

خلاصۂ کلام یہ کہ اس رکوع کی آیتیں ان تین گروہوں کے بارہ میں نازل ہوئیں جن کا ذکر ان روایات میں گزرا اب ان آیات کی تفسیر دیکھیے

پہلے فرقہ کا بیان

پس اے مسلمانو جب تم نے ان منافقین کے کفر اور ارتداد اور ان کی باطنی خباثت کو ظاہر طور پر دیکھ لیا تو تمہیں کیا ہوا کہ ان منافقین کے بارہ میں تم دو گروہ ہو گئے ایک فریق ان کو مسلمان بتاتا ہے اور دوسرا کافر حالانکہ ان سے ایسی باتیں ظہور میں آچکی ہیں جو ان کے کفر اور نفاق کی صریح دلیل ہیں لہذا تم کو ان کے کفر میں شک نہ کرنا چاہیے۔

ف ان[1] لوگوں کو گزشتہ حالت کے اعتبار سے منافقین کہا گیا ہے ورنہ جب کفر واضح اور ظاہر ہو گیا تو اب کھلے کافر کہلائیں گے اور ان کے ساتھ منافقین کا سا معاملہ نہیں کیا جائے گا بلکہ کھلے کافروں کے احکام ان پر جاری ہوں گے (روح المعانی ص۹۷ ج ۵)

غرض یہ کہ جب ان منافقین کا پردہ چاک ہو چکا ہے تو تم ان کے بارہ میں کیوں اختلاف کرتے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے اعمال قبیحہ کی بدولت علانیہ کفر کی طرف لوٹا دیا ہے اسلام کی راہ راست چھوڑ کر الٹے کفر میں جا پڑے اور کافروں سے جا ملے کیا تم یہ چاہتے ہو کہ جس کو خدا نے گمراہ کیا تم اس کو راہ راست پر لے آؤ اور جس کو خدا گمراہ کرے تو اے مخاطب تو اس کو ہدایت پر لانے کی کوئی سبیل نہ پائے گا یہ بدنصیب کہاں راہ راست پر آسکتے ہیں ان کا حال تو یہ ہے کہ یہ ازلی گمراہ تو یہ چاہتے ہیں کہ تم بھی انہی جیسے کافر ہو جاؤ اور پھر تم اور وہ گمراہی میں سب برابر اور یکساں ہو جاؤ بھلا ایسے لوگوں کے کفر میں کیوں شک اور اختلاف کرتے ہو اب آگے ان منافقین کے بارہ میں حکم دیتے ہیں پس جب ان منافقین کی یہ حالت ہے تو

---

[1] وذکرہم بعنوان النفاق باعتبار وصفہم السابق (روح المعانی ص۹۷ ج ۵)

تم ان منافقین میں سے کسی کو دوست نہ بناؤ یعنی ان کے ساتھ مسلمانوں جیسے دوستانہ تعلقات نہ رکھو تاوقتیکہ یہ لوگ خدا کی راہ میں ہجرت نہ کریں یعنی تاوقتیکہ خدا کی راہ میں گھر بار اور خویش واقارب کو چھوڑ کر مؤمن مخلص نہ بن جائیں اس وقت تک ان کو اپنا دوست نہ بناؤ ابتداء اسلام میں تکمیل ایمان کے لیے ہجرت بھی فرض تھی بغیر ہجرت کے ایمان معتبر نہ تھا پس اگر وہ اسلام اور ہجرت سے منہ موڑیں اور اپنے کفر پر قائم رہیں تو تم ان کو پکڑو یعنی قید کرو اور اسیر بناؤ اور ان کو قتل کرو جہاں کہیں بھی پاؤ یعنی ان کا قتل حِل اور حرم دونوں جگہ مباح ہے اور ان میں سے کسی کو نہ اپنا دوست بناؤ اور نہ مددگار کیونکہ سب تمہارے دشمن ہیں یہ تمہارے دوست اور مددگار کیوں بننے لگے مطلب یہ ہے کہ ان سے کوئی تعلق نہ رکھو اور نہ ان سے کوئی مدد مانگو۔

دوسرے فرقہ کا بیان

مگر ان میں کے جو کافر ان لوگوں سے جا ملیں جن کے ساتھ تمہارا کوئی معاہدہ ہے یہ استثناً قید اور قتل کے حکم سے ہے اور مطلب یہ ہے کہ ان منافقوں کو جہاں پاؤ گرفتار کرو اور قتل کرو لیکن جو منافق ان لوگوں کی پناہ میں چلے جائیں جن کے ساتھ تمہارا صلح کا عہد ہے تو ان کو قتل نہ کرنا کیونکہ وہ جب تمہارے ہم عہدوں کی پناہ میں آگئے تو حکماً ان کے ساتھ بھی تمہارا عہد ہو گیا حلیف کا حلیف بھی ایک درجہ میں حلیف ہی ہوتا ہے ان کو قتل کرنا ایک قسم کی عہد شکنی ہو گی یا وہ منافق تمہارے پاس ایسی حالت میں آئیں کہ ان کے سینے تمہارے ساتھ لڑنے سے اور اپنی قوم کے ساتھ بھی لڑنے سے تنگ ہوں یعنی جو کافر اور منافق ایسے ہوں کہ نہ تو اپنی قوم کے ساتھ ہو کر تم سے لڑیں اور نہ تمہارے ساتھ ہو کر اپنی قوم سے لڑیں بلکہ حقیقۃً غیر جانبدار رہیں تو ان لوگوں کو بھی تم قتل نہ کرنا کیونکہ جب ان سے تمہیں نقصان کا اندیشہ نہیں تو پھر ان کے قتل کی ضرورت نہیں خلاصۂ کلام یہ کہ جو تم سے بالواسطہ یا بلا واسطہ صلح کا خواستگار ہو تو وہ حکم اخذ اور قتل سے مستثنیٰ ہے کیونکہ باوجود قوت اور قدرت کے ان کا یکسو اور غیر جانبدار رہنا ان کے امن پسندی کی دلیل ہے اور اگر اللہ چاہتا تو انہیں تم پر ضرور مسلط کر دیتا پھر وہ ضرور ہی تم سے لڑتے یعنی یہ خدا تعالیٰ کا احسان ہے کہ باوجود قوت وقدرت کے ان کا دل تمہارے ساتھ لڑنے سے تنگ کر دیا اور تمہاری ہیبت ان کے دل میں ڈال دی ورنہ وہ تم سے ضرور لڑتے پس خدا کی اس نعمت کا شکر کرو کہ اس نے تم کو اس پریشانی سے بچا لیا لہذا تم ان سے تعرض نہ کرو پس اگر وہ تم سے کنارہ کش رہیں اور تمہارے ساتھ نہ لڑیں اور تمہاری طرف صلح کا پیغام ڈالیں تو اللہ نے تمہارے لیے ان پر دست درازی کی کوئی راہ نہیں رکھی یعنی اس صورت میں ان سے لڑنے کی خدا نے اجازت

نہیں دی۔

تیسرے فرقہ کا بیان

عنقریب تم ان کے علاوہ کچھ ایسے چالاک اور عیار لوگوں کو پاؤ گے جو یہ چاہتے ہیں کہ تم سے بھی امن میں رہیں اور اپنی قوم سے بھی امن میں رہیں یہ قبیلہ اسد اور غطفان کا حال بیان فرمایا کہ جب مدینہ آتے ہیں تو اسلام ظاہر کرتے ہیں اور جب اپنی قوم کے پاس جاتے ہیں تو ان کی سی کہتے ہیں تاکہ ہر طرف سے امن میں رہیں

مگر ان منافقوں کا حال یہ ہے کہ جب کبھی بھی فساد اور فتنہ کی طرف بلائے جاتے ہیں تو اس میں اوندھے ہو کر گرتے ہیں یعنی جب کبھی ان کو اسلام کے مقابلہ اور مسلمانوں سے لڑنے کیلئے بلایا جاتا ہے تو افتاں وخیزاں یعنی نہایت خوشی کے ساتھ تم سے لڑنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں غرض یہ کہ بڑے مفسد اور چالاک ہیں پس اگر یہ لوگ تم سے یکسو اور کنارہ کش نہ ہوں اور اپنی شرارت سے باز نہ آئیں اور تمہاری طرف صلح کا پیغام نہ ڈالیں اور تمہاری لڑائی سے اپنے ہاتھوں کو نہ روکیں تو تم ان کو پکڑو اور جہاں کہیں بھی ان کو پاؤ قتل کرو اور یہی لوگ ہیں کہ ہم نے تم کو ان کے قتل کرنے کی صریح حجت اور واضح سند دی ہے یعنی ان کی عہد شکنی نے تمہارے لیے ان کے قتل کو جائز کر دیا ہے جب ان کی عداوت اور خباثت اور عہد شکنی اور غداری اور مکاری واضح ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے تم کو ان کے پکڑنے اور قتل کرنے کی اجازت دیدی ایسے لوگوں سے درگذر مت کرو تمہارے ہاتھ تو صریح حجت آگئی کہ انہوں نے اپنا عہد خود توڑ ڈالا۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ

اور مسلمان کا کام نہیں کہ مار ڈالے مسلمان کو مگر چوک کر اور جس نے

قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ

مارا مسلمان کو چوک کر تو آزاد کرنی گردن ایک مسلمان کی اور خون بہا پہنچانا اس

مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ۭ فَاِنْ كَانَ

کے گھر والوں کو مگر وہ خیرات کریں پھر اگر وہ تھا

مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ

ایک قوم میں کہ تمہارے دشمن ہیں اور آپ مسلمان تھا تو آزاد کرنی گردن ایک

مُّؤْمِنَةٍ ؕ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ

مسلمان کی اور اگر وہ تھا ایک قوم میں کہ تم میں اور ان میں عہد ہے تو

مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ

خون بہا پہنچانا اس کے گھر والوں کو اور آزاد کرنی گردن

مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۫

ایک مسلمان کی پھر جس کو میسر نہ ہو تو روزے دو مہینے لگتے

تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۹۲﴾

بخشوانے کو اللہ سے اور اللہ جانتا سمجھتا ہے ۔

حکم بست و چہارم متعلق بہ قتل خطا

قال تعالیٰ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا ... الیٰ ... وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝

(ربط) گذشتہ آیات میں کافروں اور منافقوں کے قتل کی اجازت دی تھی اب ان آیات میں مومنین کے قتل کی ممانعت فرماتے ہیں اور چونکہ بعض اوقات لڑائی میں ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو غلطی اور خطاء سے کافر سمجھ کر مار ڈالتا ہے اس لیے ان آیات میں کچھ احکام قتل خطاء کے متعلق بیان فرماتے ہیں اور اسی ذیل میں دار الکفر سے دار الاسلام کی طرف ہجرت کی ضرورت اور سفر اور خوف کی نماز کی کیفیت کو بھی بیان فرماتے ہیں ۔

شان نزول اس آیت کے شان نزول میں مفسرین نے تین روایتیں نقل کی ہیں جو حسب ذیل ہیں ۔

پہلی روایت یہ آیت عیاش بن ربیعہ مخزومی کے بارہ میں نازل ہوئی جو ابوجہل کا اخیافی بھائی تھا جس کا سبب یہ ہوا کہ ہجرت سے پیشتر جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مکہ میں تھے عیاش آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف

باسلام ہوا مگر گھر والوں کے ڈر سے اپنے اسلام کو ظاہر نہیں کیا اور جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مکہ سے مدینہ آ گئے تو عیاش بن ابی ربیعہ بھی مدینہ آ گیا اور اپنے بھائیوں کے ڈر کے مارے کسی قلعہ میں چھپ کر رہنے لگا عیاش کی ماں کو جب اس کی خبر ملی تو اس کو سخت قلق ہوا اور عیاش کے غم میں کھانا پینا چھوڑ دیا اور اپنے دونوں بیٹوں حارث اور ابوجہل کو جو عیاش کے اخیافی بھائی تھے عیاش کو واپس لانے کے لیے روانہ کیا اور ماں نے یہ قسم کھائی کہ جب تک تم عیاش کو میرے پاس واپس نہ لاؤ گے میں چھت کے نیچے نہیں بیٹھوں گی اور نہ دانہ پانی کا مزہ چکھوں گی ماں کا یہ کلام سن کر دونوں بھائی عیاش کی تلاش میں روانہ ہوئے اور حارث بن زید بن اُنیسہ کنانی بھی ان کے ساتھ ہو لیئے بالآخر پتہ لگا کر یہ تینوں مدینے پہنچے اور عیاش سے جا کر ملے عیاش قلعہ میں روپوش تھا ان تینوں نے باہر سے کہا کہ تو قلعہ سے نیچے اتر آ جب سے تو اپنی ماں سے جدا ہوا ہے اس وقت سے تیری ماں چھت کے نیچے نہیں بیٹھی اور نہ اس نے دانہ پانی کا مزہ چکھا ہے اور اس نے یہ قسم کھائی ہے کہ جب تک تو اس کے پاس لوٹ کر نہیں جائے گا اس وقت تک دانہ پانی اس پر حرام ہے اور ہم خدا کو درمیان میں ڈال کر تجھ سے عہد کرتے ہیں کہ تجھ کو کسی ایسی بات پر مجبور نہ کریں گے جو تیرے دین کے خلاف ہو عیاش نے جب ماں کی بے قراری اور بے چینی کا حال سنا تو دل بھر آیا اور قلعہ سے اتر کر انکے پاس آ گیا اور ان کے ساتھ ہو لیا مدینہ سے باہر نکلنے کے بعد انہوں نے عیاش کو ایک تسمہ میں باندھ لیا اور تینوں میں سے ہر ایک نے عیاش کے سو سو کوڑے لگائے اور اسی طرح اس کو اس کی ماں کے پاس لے گئے" ماں نے دیکھ کر یہ کہا کہ میں تجھے اس وقت تک نہ کھولوں گی جب تک اس کا انکار نہ کرے جس پر تو ایمان لایا ہے اور ہاتھ پاؤں باندھ کر دھوپ میں چھوڑ دیا اور عرصہ تک اس کو تکلیف دیتے رہے بالآخر عیاش نے مجبور ہو کر بادل نخواستہ جبراً و قہراً جو انہوں نے کہلایا کہہ دیا۔

اس پر حارث بن زید نے (جو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے شدید ترین دشمنوں میں سے تھا) اس کو چھیڑا اور کہا اے عیاش جس دین پر تو تھا اگر وہ راہ ہدایت تھا تو تو نے ہدایت کو کیوں چھوڑا اور اگر وہ گمراہی تھا تو تو اتنے دنوں گمراہی پر رہا اس پر عیاش کو سخت طیش آیا اور یہ قسم کھائی کہ اگر بخدا تو مجھے کہیں تنہائی میں مل گیا تو میں تجھے ضرور قتل کر دوں گا بعد چندے عیاش نے دوبارہ اسلام قبول کیا اور ہجرت کر کے مدینہ چلا گیا اس کے بعد خدا تعالیٰ نے حارث بن زید کو بھی اسلام کی توفیق بخشی اور وہ بھی مسلمان ہو کر مدینہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہجرت کر کے حاضر ہوا اتفاق سے اس دن عیاش مدینہ میں موجود نہ تھا اس کو حارث کے مسلمان ہونے کی خبر نہ ہوئی ایک دن عیاش قبا کو جا رہا تھا اتفاقاً اس کو حارث مل گیا عیاش نے اس کو قتل کر دیا

اور اپنی قسم پوری کی جب لوگوں کو اس کا علم ہوا تو عیاش کو ملامت کی کہ تونے یہ کیا کیا حارثؓ تو مسلمان تھا عیاشؓ یہ سنتے ہی حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ آپؐ کو میرا اور حارث کا قصہ معلوم ہے لیکن جب میں نے اس کو قتل کیا تو مجھے اس کے مسلمان ہونے کی خبر نہ تھی اور اپنی اس غلطی اور لاعلمی پر ندامت ظاہر کی اس پر یہ آیت نازل ہوئی (تفسیر در منثور ص۱۹۲ ج ۲) وہکذا فی تفسیر القرطبی مختصراً ص۳۱۳ ج ۵ وتفسیر ابن کثیر ص۵۳۴ ج ۱۔

دوسری روایت

یہ ہے کہ یہ آیت حذیفہ بن الیمان کے والد کے بارہ میں نازل ہوئی جو جنگ احد میں مسلمانوں کی غلطی سے مارے گئے مسلمانوں نے غلطی سے ان کو کافر سمجھ کر ان پر تلواریں چلائیں حذیفہ نے دور سے دیکھ کر یہ کہا بھی کہ یہ میرے باپ ہیں مگر ہنگامہ میں کوئی نہ سمجھا یہاں تک کہ وہ قتل ہو گئے جب وہ قتل ہو گئے تب معلوم ہوا کہ یمان مسلمان تھے حذیفہ نے ان کو تسلی دی اور کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری غلطی اور خطا کو معاف کرے مسلمانوں کو جب اپنی اس غلطی کا علم ہوا تو بہت سخت ملول ہوئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

تیسری روایت

یہ ہے کہ یہ آیت حضرت ابو الدرداءؓ کے بارہ میں نازل ہوئی جس کا سبب یہ ہوا کہ ابو الدرداءؓ کسی لشکر میں تھے اتفاقاً اپنے لشکر سے جدا ہو کر کسی ضرورت سے پہاڑ کی ایک گھاٹی میں گئے وہاں ایک شخص کو دیکھا جو اپنی بکریاں چرا رہا تھا ابو الدرداءؓ نے اس پر تلوار چلائی اس نے کہا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ابو الدرداء نے یہ سمجھا کہ محض اپنی جان بچانے کے لیے کہہ رہا ہے اس لیے اس کو قتل کر دیا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے آکر جب اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ تونے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھا تب ابو الدرداء کو اور بھی ندامت ہوئی اس پر یہ آیت نازل ہوئی (تفسیر در منثور ص۱۹۲ ج ۲ وتفسیر ابن کثیر ص۵۳۴ ج ۱)

غرض یہ کہ آیت کا جو بھی شان نزول ہو سب کا ماحصل یہ ہے کہ کسی مؤمن کو کسی مؤمن کا قتل کرنا ہرگز درست نہیں مگر بھول چوک سے اگر کوئی مسلمان کسی مسلمان کو کافر سمجھ کر یا کسی اور غلطی کی بناء پر قتل کر ڈالے تو وہ معذور ہے لیکن دیت اور کفارہ واجب ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور کسی مسلمان کی یہ شان نہیں کہ وہ کسی مسلمان کو قتل کرے مگر غلطی اور بھول چوک سے اگر ایسا ہو جائے تو اور بات ہے اب آگے قتل خطائ کے کچھ احکام بیان کرتے ہیں۔

حکم اوّل

اور جو شخص کسی مسلمان کو بلا قصد غلطی سے قتل کر دے تو اس غلطی کا کفارہ یہ ہے کہ ایک تو

اس پر ایک مسلمان بُردہ یعنی مسلمان غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا واجب ہے اور دوسرے اس قتل کرنے والے پر دیت (خونبہا) بھی واجب ہے جو مقتول کے گھر والوں کے حوالہ اور سپرد کی جائے یعنی مقتول کے وارثوں کو بقدر حصص میراث دیت ان کے حوالہ کی جائے اور اگر کوئی وارث نہ ہو تو بیت المال قائم مقام وارثوں کے ہے مگر یہ کہ اولیاء مقتول دیت اور خون بہا کو معاف کر دیں تو معاف ہے پھر اس کا مطالبہ نہیں خواہ وہ کل دیت معاف کر دیں یا بعض اتنی ہی معاف ہو جائے گی۔

حکم دوم

پھر اگر وہ مقتولِ خطاء اس گروہ سے ہو جو تمہارے دشمن ہیں یعنی دار الحرب کا باشندہ ہو اور وہ مقتول شخص خود بذاتہ مومن ہے خود مسلمان تھا مگر دار الحرب میں رہتا تھا اور کسی وجہ سے ہجرت کر کے دار الاسلام میں نہیں آیا تھا کسی مسلمان نے اس کو اپنا دشمن سمجھ کر مار ڈالا تو قاتل پر صرف کفارہ واجب ہے یعنی صرف ایک مسلمان بردہ کا آزاد کرنا اس پر واجب ہے دیت واجب نہیں اس لیئے کہ حربی کا کوئی حق نہیں جو اس کی دیت واجب ہو البتہ بحق اسلام اس کے قتل کا کفارہ دینا ہوگا۔

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ قیاس کا مقتضیٰ بھی یہی ہے کہ صورت مذکورہ میں فقط کفارہ واجب ہو اور دیت واجب نہ ہو اس لیے کہ اگر دار الحرب میں رہنے والے مسلمان کے قتل میں دیت واجب کی جاتی تو جو لوگ دار الحرب میں غزوہ کرنے جاتے تو اس بات پر مجبور ہوتے کہ غزوہ کرنے سے پہلے اس امر کی تحقیق کریں کہ کون مسلمان ہے اور کون کافر اور مشرک ہے اور یہ امر نہایت دشوار ہے مجاہدین کو سخت تنگی اور ضیق میں ڈالنے والا ہے لہذا حق تعالیٰ نے دار الحرب میں رہنے والے مسلمان کے قتل میں دیت واجب نہیں کی تاکہ لوگ احتیاط کے خیال سے جہاد اور غزوہ سے پرہیز نہ کرنے لگیں البتہ بحق اسلام اس پر کفارہ واجب کر دیا۔ یہ کفارہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے کہ تم نے اس کے ایک مسلمان بندہ کو مار ڈالا (تفسیر کبیر ص ۲۹۸ ج ۳)

حکم سوم

اور اگر وہ مسلمان مقتول جو غلطی سے مارا گیا اس گروہ سے ہو جن کے اور تمہارے درمیان کسی قسم کا کوئی عہد اور پیمان ہو تو قاتل پر ایک تو دیت خون بہا واجب ہوگا جو اس مقتول کے وارثوں کو پہنچائی جائے اگر اس مسلمان مقتول کے مسلمان وارث موجود ہوں تو دیت انکو پہنچا دی جائے اور اگر اس مقتول کے اقارب مسلمان نہ ہوں تو پھر یہ دیت ان کو نہ دی جائے اگرچہ وہ

معاہد ہی کیوں نہ ہو اور علاوہ دیت کے ایک مسلمان بردہ کا آزاد کرنا بھی واجب ہے مطلب یہ ہے کہ اس صورت میں دیت اور کفارہ دونوں واجب ہیں پس جس شخص کو آزاد کرنے کے لیے بردہ غلام یا لونڈی یسّر نہ آسکے تو اس پر بجائے اس آزاد کرنے کے متواتر (لگاتار) دو مہینہ کے روزے واجب ہیں، جمہور کے نزدیک روزے صرف بردہ کا بدل ہیں دیت مفلس اور مالدار ہر ایک پر واجب ہے لیکن مسروق کے نزدیک کفارہ اور دیت دونوں کا بدل ہیں یہ حکم اللہ کی طرف سے خطا کرنے والے کی توبہ کے لیے مشروع اور مقرر ہوا ہے اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے کہ وہ خطاء اور غلطی کی مقدار اور کمیت اور اس کی حقیقت اور کیفیت کو خوب جانتا ہے اور اس نے جو دیت اور کفارہ کا حکم دیا ہے اس میں بڑی حکمت ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کے دو قول ہیں (ایک قول) تو یہ ہے کہ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ الآیۃ میں ضمیر کان مقتول مومن کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر وہ مقتولِ خطاء مومن ہو مگر اس قوم سے ہو کہ تمہارے اور ان کے درمیان عہد ہو تم پر اس کی دیت اور کفارہ دونوں واجب ہیں۔

حسن بصری اور جابر بن زید اور ابراہیم نخعی وغیرہم کا یہی قول ہے اور دلیل اسکی یہ ہے کہ ابتداء سے سلسلۂ کلام قتل مومن کے بارہ میں آرہا ہے لہذا ضمیر مقتول مومن ہی کیطرف راجع کرنا اولیٰ ہوگا نیز ایک قراءت میں اس طرح آیا ہے وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ وَهُوَ مُؤْمِنٌ امام قرطبی ص۳۲۵ ج ۵ میں فرماتے ہیں کہ حسن بصری کی قراءت میں اسی طرح آیا ہے اور ابوحیان فرماتے ہیں کہ حسن بصری کی قراءت میں اس طرح آیا ہے وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ وَهُوَ مُؤْمِنٌ اور اس کو امام مالکؒ نے اختیار کیا ہے (البحر المحیط ص۳۲۵ ج ۳)

اور امام فخر الدین رازی اور شیخ الاسلام ابوالسعود اور علامہ آلوسی وغیرہم نے اسی قول کو اختیار کیا ہے اور اس ناچیز نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے اور مطلب یہ ہوا کہ آیت میں قتل مومن خطاً کی تین صورتیں مذکور ہوئیں اول یہ کہ جس مسلمان کو غلطی سے مارا گیا اس کے وارث مسلمان ہیں تو اس صورت میں دیت اور کفارہ دونوں واجب ہوں گی دوم یہ کہ اس مسلمان مقتول کے وارث ایسے کافر ہیں جن سے تمہارا کوئی عہد اور پیمان ہے تو اس صورت میں بھی دیت (خون بہا) اور کفارہ دونوں واجب ہوں گے سوم یہ کہ اس مسلمان مقتول کے وارث ایسے کافر ہیں جن سے تمہاری دشمنی ہے تو اس صورت میں صرف کفارہ واجب ہوگا اور دیت (خون بہا) دینا لازم نہ ہوگا

دوسرا (۲) قول

یہ ہے کہ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ کی ضمیر ایسے مقتول کافر کی طرف راجع ہے کہ جو ذمی یا معاہد ہو یہ قول ابن عباس اور شعبی اور نخعی اور امام شافعی کا ہے اور اس کو امام ابن جریر طبری نے اختیار کیا ہے کیونکہ گزشتہ آیت کی طرح اس آیت میں وھو مومن کی قید مذکور نہیں (تفسیر قرطبی ص۳۲۵ ج ۵)

امام ابوبکر جصاص رازی نے احکام القرآن ص۲۴۴ ج ۲ میں اسی قول کو اختیار کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ فقہاء

حنفیہ کا مذہب بھی یہی ہے کہ کافر ذمی اور معاہد کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر ہے اور صدیق اکبر اور فاروق اعظم اور عثمان غنی کا بھی یہی عمل رہا کہ کافر ذمی کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر دینے کا حکم دیتے تھے (احکام القرآن للجصاص ص ۲۲۹ ج ۲)

حضرت تھانوی قدس اللہ سرہٗ نے بیان القرآن میں اسی قول کو اختیار کیا ہے۔

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ

اور جو کوئی مارے مسلمان کو قصد کر کر تو اس کی سزا دوزخ ہے پڑا رہے

خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ

اس میں اور اس پر غضب ہوا اللہ کا اور اس کو لعنت کی اور اس کے واسطے

لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿۹۳﴾

تیار کیا بڑا عذاب

تتمۂ حکم سابق

تہدید شدید و وعید اکید بر قتلِ عمد مؤمن را

قال تعالیٰ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا ..... الیٰ ..... عَذَابًا عَظِيْمًا ۝

(ربط) گزشتہ آیات میں قتل خطاء کے احکام مذکور ہوئے اب اس آیت میں کسی مؤمن کو عمداً قتل کرنے کی وعید مذکور ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور جو شخص کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کر ڈالے تو دنیاوی حکم تو اس کا قصاص ہے جیسا کہ سورۂ بقرہ میں گذرا اور حکم اُخروی اس کا یہ ہے کہ اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب نازل ہوگا اور اللہ اس پر لعنت کرے گا یعنی اس کو اپنی خاص رحمت سے دور کر دے گا اور اس نے اس کے لیے بڑا عذاب تیار کیا ہے جو دوسرے کبائر کے عذاب سے بہت بڑھ کر ہے اس آیت میں جو حکم مذکور ہے وہ اس شخص کے لیے ہے جو شخص جان بوجھ کر بلا وجہ کسی مؤمن کو مار ڈالے اور پھر بغیر توبہ کے مر جائے تو وہ طویل مدت تک دوزخ میں رہے گا اس لیے کہ توبہ سے تو ہر گناہ معاف ہو جاتا ہے

حتی کہ کفر اور شرک بھی معاف ہو جاتا ہے کل قرآن کا طرز بیان ایسا ہی واقع ہوا ہے کہ جہاں کہیں بھی کسی گناہ کی سزا بیان کی گئی ہے اس کے ساتھ عدم توبہ شرط ہے خواہ وہ شرط لفظوں میں مذکور ہو یا نہ ہو خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ تحقیق اللہ تعالیٰ شرک کو نہیں بخشتا اظہار ہے کہ شرک اسی حالت میں نہیں بخشا جائے گا جب کہ مشرک بغیر توبہ کے مرجائے اس لیے کہ توبہ سے شرک کا بخشا جانا قطعی اور یقینی ہے ہر جگہ اس شرط کے ذکر کرنے کی اس لیے ضرورت نہیں کہ توبہ سے ہر گناہ کا بخشا جانا اسلام کے اصول مسلمہ میں سے ہے اور خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں جا بجا اس کی تصریح فرمادی کہ توبہ سے ہر گناہ معاف ہو جاتا ہے کما قال تعالیٰ وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا۔ یعنی میں بلاشبہ اس کو معاف کرنے والا ہوں جس نے توبہ کرلی اور ایمان لے آیا اور آیندہ کو نیک کام کیے یہ حکم تو عمومی ہے جس میں کفر اور شرک اور تمام اعمال قبیحہ سب اس میں داخل ہیں اور سورۂ فرقان میں تو اسی قتل کے بارہ میں فرماتے ہیں وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ یَلْقَ اَثَامًا یُّضٰعَفْ لَہُ الْعَذَابُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَیَخْلُدْ فِیْہٖ مُھَانًا اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِھِمْ حَسَنٰتٍ وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ○

نیز اس آیت میں خلود سے طویل مدت تک دوزخ میں رہنا مراد ہے کافروں کی طرح غیر محدود اور ابدی طور پر رہنا مراد نہیں اس لیے کہ احادیث متواترہ سے یہ امر ثابت ہے کہ جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا وہ دوزخ میں ہمیشہ نہ رہے گا اور اسی پر تمام سلف اور خلف کا اجماع ہے اور سب اس کے قائل ہیں کہ آیت میں خلود سے زیادہ مدت تک رہنا مراد ہے قاتل کے خلود اور کافر کے خلود میں فرق ہے کافر کا خلود ابدی ہے اسی وجہ سے قرآن کریم میں کافروں کے خلود کے ساتھ اَبَدًا کا لفظ آیا ہے اور قاتل کا خلود غیر ابدی ہے۔

اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سورۂ فرقان میں قتل نفس پر توبہ کا ذکر ہے وہ اس شخص کے حق میں ہے جس نے حالت شرک میں کسی کو قتل کیا اور بعد میں توبہ کی تو اس کی توبہ قبول ہے اور یہ آیت یعنی وَمَنْ یَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُہٗ جَھَنَّمُ خَالِدًا فِیْھَا وَغَضِبَ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَلَعَنَہٗ وَاَعَدَّ لَہٗ عَذَابًا عَظِیْمًا۔ اس شخص کے حق میں ہے جو مؤمن ہو پھر وہ دوسرے مؤمن کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اسکی توبہ قبول نہیں اور ابن عباسؓ سے یہ بھی منقول ہے کہ یہ آیت اپنے ظاہر پر محمول ہے اور اس میں کوئی تاویل بھی نہیں اور نہ یہ آیت منسوخ ہے بلکہ آیات مغفرت کے لیے ناسخ ہے۔

محققین کی رائے یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ قول تغلیظ اور تشدید پر محمول ہے تاکہ لوگ اس وعید کو سن کر قتل مؤمن پر جرأت نہ کریں ورنہ آیت اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ اور احادیث اس بارہ میں صریح ہیں کہ کفر اور شرک سے کم درجہ کے جو گناہ ہیں وہ اللہ کے مشیت میں ہیں چاہے اللہ ان کو معاف کرے اور چاہے ان کو عذاب

دے گزشتہ امتوں میں سے ایک شخص کا سو آدمیوں کا قتل کرنا اور پھر اس سے توبہ کرنا اور پھر اس کی توبہ کا مقبول ہونا بخاری اور مسلم میں مذکور ہے

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ

اے ایمان والو جب سفر کرو اللہ کی

سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ

راہ میں تو تحقیق کرو اور مت کہو جو شخص

اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ

تمہاری طرف سلام علیک کرے کہ تو مسلمان نہیں چاہتے ہو مال

عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۡ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ۭ

دنیا کی زندگی کا تو اللہ کے ہاں بہت غنیمتیں ہیں تم ایسے ہی

كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ۭ

تھے پہلے پھر اللہ نے تم پر فضل کیا سو اب

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۹۴﴾ لَا يَسْتَوِي

تحقیق کرو اللہ تمہارے کام سے واقف ہے برابر نہیں

الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَ

بیٹھنے والے مسلمان جن کو بدن کا نقصان نہیں اور

الْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ

لڑنے والے اللہ کی راہ میں اپنے مال سے اور جان سے

فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى

اللہ نے بڑائی دی لڑنے والوں کو اپنے مال اور جان سے ان پر جو

الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَ

بیٹھنے ہیں درجہ میں اور سب کو وعدہ دیا اللہ نے خوبی کا اور

فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ۙ۝۹۵

زیادہ کیا اللہ نے لڑنے والوں کو بیٹھنے والوں سے بڑے ثواب میں

دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَكَانَ اللّٰهُ

بہت درجوں میں اپنے ہاں کے اور بخشش میں اور مہربانی میں اور اللہ ہے

غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۹۶

بخشنے والا مہربان

حکم بست و پنجم وجوب احتیاط در قتل مسلم

قال تعالیٰ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ... الیٰ..... غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۰

(ربط) یہ بھی حکم سابق کا تتمہ ہے کہ مسلمان کا قتل قطعاً حرام ہے مجاہدین کو چاہیئے کہ جہاد میں غایت درجہ احتیاط سے کام لیں اثناء سفر میں اگر کوئی شخص تم کو ملے اور تم کو مسلمانوں کے طریقہ سے سلام کرے یا زبان سے کلمۂ شہادت پڑھے تو تم یہ گمان کر کے کہ اس کا یہ فعل محض جان بچا لینے کے لیے ہے اس کے قتل پر جرأت نہ کرو جیسا کہ بعض غزوات میں بعض لوگوں سے یہ غلطی ہوئی کہ کسی چرواہے نے ان کو السلام علیکم کہا وہ سمجھے کہ یہ شخص محض جان بچانے کے لیے سلام کر رہا ہے اس لیے اس کو قتل کر دیا اور اس کی بکریاں لے کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہو گئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور انہیں سخت تنبیہ کی گئی کہ آئندہ ہرگز ہرگز نہ کرنا علامات اسلام کا اظہار کافی ہے چنانچہ فرماتے ہیں اے ایمان والو! ایمان کا مقتضی یہ ہے کہ جہاں ایمان کی جھلک نظر آوے تو اپنے ہاتھوں کو روک لو جب تم اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے سفر کرو تو خوب تحقیق کر لیا کرو اور جو تم کو سلام علیک کرے تو اس کو یہ نہ کہو کہ تو دل سے مسلمان نہیں محض جان بچانے کے لیے تو سلام علیک کہہ رہا ہے تم دنیاوی زندگانی کا سامان چاہتے ہو حالانکہ تمہیں اس حقیر سامان کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ اللہ کے یہاں تمہارے لیے بہت سی غنیمتیں ہیں جن کے سامنے ان چند

بکریوں کی کوئی حقیقت نہیں پہلے تم بھی ایسے ہی تھے یعنی مکہ میں تمہاری یہی حالت تھی کہ تم اپنا ایمان چھپاتے تھے اور شروع اسلام میں سوائے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کے کچھ نہیں جانتے تھے جیسے یہ چرواہا چھپاتا تھا اور تمہارے سامنے ظاہر کیا تم پر اللہ نے احسان کیا کہ تمہارے اسلام کو قوی کیا اور کافروں پر تم کو غلبہ عطار کیا اور تم علانیہ طور پر اسلام ظاہر کرنے لگے پس جس طرح حق تعالیٰ نے ابتداء میں تمہارے ظاہری اسلام کو قبول کیا اور باطن کی تحقیق و تفتیش پر موقوف نہیں رکھا پس اسی طرح تم بھی احتیاط سے کام لو اور تحقیق کر لیا کرو جو شعارِ اسلام کو ظاہر کرے اس کو قتل نہ کرو تحقیق اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے پورا خبردار ہے تمہاری بے احتیاطی اور جلد بازی اس سے پوشیدہ نہیں.

فضائل مجاہدین

اب آیندہ آیات میں مجاہدین کے فضائل بیان فرماتے ہیں کہ مبادا احتیاط میں غلو کی وجہ سے ایسا نہ کرنا کہ جہاد میں جانا ہی چھوڑ بیٹھو اور یہ خیال کرنے لگو کہ لاؤ گھر بیٹھے ہی عبادت کر لیا کریں گے سو ارشاد فرماتے ہیں کہ معذور لوگوں کے سوا جو مسلمان جہاد سے گھر میں بیٹھے رہیں وہ رتبہ میں ان مسلمانوں کے برابر نہیں ہو سکتے جو خدا کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرتے ہیں غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ سے وہ لوگ مراد ہیں جو کسی عذر کی وجہ سے جہاد کے شرکت سے معذور رہیں جیسے عبداللہ بن ام مکتومؓ بوجہ نابینا ہونے کے جہاد میں شریک نہیں ہو سکتے تھے اور جیسے حضرت عثمان غنی جنگ بدر کی شرکت سے معذور رہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی جو اُن کے نکاح میں تھیں وہ شدید بیمار تھیں اُن کی تیمارداری کے لیے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو ٹھہرنے کا حکم دیا تھا اس وجہ سے غنائم بدر میں سے حضرت عثمان کو حصّہ دیا گیا اور حضرت عثمان بدریین میں شمار کیے گئے.

اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ بغیر عذر. جہاد میں شریک نہ ہونے والے مسلمان مرتبہ اور ثواب میں ان مسلمانوں کے برابر نہیں جو جہاد میں شریک ہوتے ہیں لیکن جو مسلمان کسی معذوری یا مجبوری کی بناء پر جہاد میں شریک نہیں ہوتے مثلاً وہ اندھے یا لنگڑے یا بیمار ہیں یا کسی بیمار کے تیماردار ہیں مگر دل شوق جہاد سے لبریز ہے تو ایسے معذورین حُسنِ نیت کی بناء پر مجاہدین کے برابر ہو سکتے ہیں یعنی ان کو وہی ثواب ملے گا جو مجاہدین کو ملتا ہے بشرطیکہ جہاد میں نہ شریک ہونا صرف اسی معذوری اور لاچاری کی بناء پر ہو اللہ نے ان لوگوں کو جو اپنے مال اور جان سے جہاد کرتے ہیں ایسے بیٹھنے والوں پر جن کی نیت تو جہاد کی تھی مگر معذوری کی وجہ سے جہاد میں شرکت نہ کر سکے ایک درجہ فضیلت دی ہے اور وعدہ بھلائی کا اللہ نے ہر ایک سے کیا ہے یعنی وعدہ نیکی کا مجاہدین

اور قاعدین دونوں سے ہے کیونکہ جہاد کی نیت سب کی تھی مگر مجاہدین کو قاعدین پر ایک درجہ فضیلت ہے اس لیے کہ یہاں نیت جہاد کے ساتھ عمل جہاد بھی مقرون ہے اور اللہ نے مجاہدین کو ان بیٹھنے والوں پر جو تندرست تھے اور معذور نہ تھے اجر عظیم کے لحاظ سے فضیلت دی ہے یعنی اپنے پاس سے اُن کو بڑے مرتبے عطا کرے گا اور مغفرت اور رحمت سے ان کو نوازے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے جس پر جہاد فرض نہ ہو وہ اگر گھر بیٹھے بھی عبادت و ریاضت کرتا ہے تو اللہ اس کی بھی مغفرت فرمائے گا۔

ف | چونکہ بظاہر دونوں آیتوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے پہلی آیت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مجاہدین کو قاعدین پر ایک درجہ فضیلت ہے اور دوسری آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کئی درجہ فضیلت ہے اس لیے ہم نے اس شبہ کے رفع کرنے کے لیے یہ تفسیر اختیار کی کہ پہلی آیت میں قاعدین سے قاعدینِ معذورین مراد ہیں اور دوسری آیت میں قاعدین سے قاعدینِ غیر معذورین مراد ہیں قاعدین معذورین پر مجاہدین کو ایک درجہ فضیلت ہے اور قاعدین غیر معذورین پر مجاہدین کو کئی درجہ فضیلت حاصل ہے اور جمہور علماء نے پہلی آیت میں درجہ سے جنس کا مرتبہ مراد لیا ہے اور دوسری آیت کو اس کی تفصیل قرار دیا ہے (روح المعانی ص۱۱ ج ۵ و تفسیر مظہری ص۲۰۴ ج۲)

اِنَّ الَّذِیۡنَ تَوَفّٰىہُمُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ ظَالِمِیۡۤ

جن لوگوں کی جان کھینچتے ہیں فرشتے اس حال میں کہ وہ برا

اَنۡفُسِہِمۡ قَالُوۡا فِیۡمَ کُنۡتُمۡ ؕ قَالُوۡا کُنَّا

کر رہے ہیں اپنا کہتے ہیں تم کس بات میں تھے وہ کہتے ہیں ہم تھے

مُسۡتَضۡعَفِیۡنَ فِی الۡاَرۡضِ ؕ قَالُوۡۤا اَلَمۡ تَکُنۡ اَرۡضُ

مغلوب اس ملک میں کہتے ہیں کیا نہ تھی زمین اللہ کی

اللّٰہِ وَاسِعَۃً فَتُہَاجِرُوۡا فِیۡہَا ؕ فَاُولٰٓئِکَ مَاۡوٰىہُمۡ جَہَنَّمُ ؕ

کشادہ کہ وطن چھوڑ جاؤ وہاں سو ایسوں کا ٹھکانا ہے دوزخ

وَ سَآءَتۡ مَصِیۡرًا ﴿۹۷﴾ اِلَّا الۡمُسۡتَضۡعَفِیۡنَ مِنَ

اور بہت بری جگہ پہنچنے کی مگر جو ہیں بے بس

الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً
مرد اور عورتیں اور لڑکے نہ کر سکتے ہیں تلاش
وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ﴿٩٨﴾ فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ
اور نہ جانتے ہیں راہ سو ایسوں کو امید ہے
اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿٩٩﴾
کہ اللہ معاف کرے اور اللہ ہے معاف کرنے والا بخشتا

حکم لبست و ششم وجوب ہجرت

قَالَ تَعَالٰی اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ..... الخ ..... كَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ○

(ربط) گزشتہ آیات میں جہاد کی ترغیب اور بے عذر جہاد ترک کرنے والوں کا بیان تھا اب اس آیت میں ہجرت کی ترغیب دیتے ہیں اس لیے کہ ہجرت جہاد کا مقدمہ ہے اور بے عذر ہجرت ترک کرنے والوں کا حال بیان فرماتے ہیں کہ مرنے کے بعد ان پر کیا گزرتی ہے اسلیے کہ ایمان کے بعد پہلے ہجرت کا حکم ہوا اور پھر ہجرت کے بعد جہاد کا حکم ہوا پس گویا کہ جو لوگ باوجود قدرت کے ہجرت نہیں کرتے گویا کہ وہ لوگ عمداً تارک جہاد ہیں اس لیے ان آیات میں ہجرت کی ترغیب کا بیان ہے کہ ہجرت سعادت دارین کا سبب ہے اور ترک ہجرت محرومی کا سبب ہے اس لیے کافروں میں رہ کر نہ تو احکام اسلام کو کھل کر بجا لا سکتا ہے اور نہ دین کی تبلیغ کر سکتا ہے اور نہ اسلام اور نہ مسلمانوں کی کوئی مدد کر سکتا ہے اس لیے ابتداء اسلام میں ہجرت فرض تھی فتح مکہ کے بعد ہجرت کی فرضیت منسوخ ہو گئی۔

شان نزول

کچھ لوگ ایسے تھے جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے مگر مکہ میں مشرکوں کے ساتھ رہے اور مشرکین کے ڈر کے مارے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت بھی نہیں کی اور بدر کی لڑائی میں مشرکین مکہ کی فوج میں شامل ہو کر مسلمانوں سے لڑنے آئے اور مارے گئے ان کے بارہ میں یہ آیت نازل ہوئی (تفسیر قرطبی

ص۲۴۵ ج ۵ وصحیح بخاری و فتح الباری کتاب التفسیر)

تحقیق جن لوگوں کی فرشتوں نے اس حال میں جانیں نکالیں کہ وہ لوگ دارالحرب میں پڑے پڑے اپنے دین کو برباد کرکے اپنی جانوں پر ظلم کر رہے تھے یعنی اسلام لانے کے بعد باوجود قدرت کے ہجرت نہ کی اور اپنی خیالی کمزوری اور وہمی مجبوری کی بناء پر کافروں ہی میں پڑے رہے اور ان کا ساتھ دیتے رہے اور مشرکوں کی فوج میں شامل ہوکر مسلمانوں سے لڑنے کے لیے جاتے رہے حتیٰ کہ اسی حالت میں وہ مر گئے تو اس وقت موت کے فرشتوں نے ان سے بطور توبیخ اور سرزنش یہ پوچھا کہ تم کس حال میں تھے یعنی مسلمانوں کے ساتھ تھے یا کافروں کے ساتھ ان ظالموں نے یہ جواب دیا کہ دل سے تو ہم مسلمان تھے مگر سرزمین مکہ میں ہم نہایت کمزور اور بے بس تھے اس لیے ہم احکام اسلام کو علانیہ طور پر بجا نہیں لا سکتے تھے اور ظاہر میں کافروں میں رہتے تھے اور ان کا ساتھ دیتے تھے فرشتوں نے کہا کیا اللہ کی زمین کشادہ اور فراخ نہ تھی کہ تم ہجرت کرکے اس میں چلے جاتے اس طرح تم کفار کے نرغہ سے نکل جاتے اور وہاں جاکر اطمینان سے اللہ کی عبادت کرتے حاصل یہ کہ تمہارا یہ عذر کہ ہم بے بس تھے غلط ہے تم بے بس نہ تھے ہجرت پر تو قادر تھے اس سے وہ لاجواب ہو جائیں گے اور جرم ان کا ثابت ہو جائے گا سو ایسے لوگوں کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بہت بری جگہ ہے مگر جو مرد اور عورتیں اور بچے ایسے بے چارہ اور بے بس ہیں کہ وہ کسی حیلہ سے بھی ہجرت پر دسترس نہیں رکھتے مثلاً کفار کی قید میں ہیں یا نابینا اور معذور ہیں یا ان کے پاس سفر خرچ نہیں اور نہ وہ راستہ سے واقف ہیں سو ایسے لوگوں کے متعلق امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے قصور کو معاف کر دیں گے اور اللہ تعالیٰ بڑا معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے خدا کے دشمنوں میں پڑا رہنا کوئی معمولی جرم نہ تھا مگر بے بسی اور معذوری کی بناء پر خدا تعالیٰ سے معافی کی توقع ہے شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی کہ مسلمان کافروں کی سرزمین میں ذلیل اور خوار ہوکر پڑا رہے اور احکام اسلام کو آزادی کے ساتھ بجا نہ لا سکے اور آزادی کے ساتھ دین کا علم حاصل نہ کر سکے کافر حکومت جو جبری تعلیم نافذ کر دے اس کے حاصل کرنے پر مجبور ہو ایسی حالت میں ہجرت فرض ہے۔

وَمَنۡ يُّهَاجِرۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ يَجِدۡ فِى الۡاَرۡضِ مُرٰغَمًا

اور جو کوئی وطن چھوڑے اللہ کی راہ میں پاوے اس کے مقابلہ میں جگہ بہت اور کشایش

كَثِيۡرًا وَّسَعَةً‌ ؕ وَمَنۡ يَّخۡرُجۡ مِنۡۢ بَيۡتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ

اور جو کوئی نکلے اپنے گھر سے وطن چھوڑ کر اللہ اور رسول کی طرف

وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى

پھر آپکڑے اس کو موت سو ٹھہر چکا اس کا ثواب

اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۱۰۰

اللہ پر اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

ترغیب ہجرت

قال تعالیٰ وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ..... الٰے ... وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

گزشتہ آیت میں ترک ہجرت پر وعید تھی اب اس آیت میں ہجرت کی ترغیب ہے اور اس پر سعادت دارین کا وعدہ ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور جو شخص خدا کی راہ میں دارالکفر اور دارالحرب سے ہجرت کر جائے تو وہ وطن کے مقابلہ میں خدا کی زمین میں علی رغم الاعداء بہت جگہ اور وسعت رزق پائے گا اور جو شخص اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف نکلے اور پھر مقام ہجرت تک پہنچنے سے پہلے ہی راستہ میں اس کو موت آجائے تو تحقیق اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ثابت ہو گیا یعنی گو اس کی ہجرت پوری نہیں ہوئی لیکن چونکہ اس کی نیت ہجرت کرنے کی تھی اس لیے اس کو ہجرت کا پورا ثواب ملے گا اور یہی حال ہے تمام اعمال کا جس عمل کو انسان خدا کے لیے شروع کرے اور اختتام سے پہلے مر جائے تو اس کو پورے عمل کا ثواب ملے گا اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے۔ یعنی اس ہجرت سے پہلے جو کافروں اور مشرکوں میں ٹھہرا رہا اللہ تعالیٰ اس کی گزشتہ خطا کو معاف کر دے گا کیونکہ وہ غفور رحیم ہے۔

حق جل شانہٗ نے ان آیات میں مسلمانوں کو ہجرت کی رغبت دلائی ہے کہ وطن مالوف چھوڑنے سے یہ خیال نہ کریں کہ پردیس میں تکلیف ہو گی۔ نہیں بلکہ انہیں وطن سے زیادہ آرام ملے گا کشادہ جگہ اور فراخ روزی ملے گی اور نہ یہ خیال کریں کہ شاید منزل مقصود پر پہنچنے سے پہلے ہی راستہ میں انتقال ہو جائے اس لیے کہ ہجرت کا ثواب پورا ہی ملے گا سعید بن جبیرؒ سے مروی ہے کہ جب اوپر کی آیتیں یعنی اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ الخ نازل ہوئیں تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے مسلمانوں کے پاس بھیج دیں جنہوں نے ہجرت نہیں کی تھی تو جندب بن ضمرۃؓ جو ایک بوڑھا اور بیمار شخص تھا اس نے جب یہ آیتیں سنیں تو کہا کہ میں ان لوگوں میں سے نہیں جن کو اللہ تعالےٰ نے ہجرت کے حکم سے مستثنیٰ کیا ہے کیونکہ میں ہجرت پر حیلہ

پاتا ہوں اور میرے پاس اس قدر مال موجود ہے جس کے سہارے میں مدینہ پہنچ سکوں اور قسم کھائی کہ میں بخدا اب رات مکہ میں نہیں گزاروں گا ان کے بیٹے ان کو ایک تخت پر لٹکا کر لے چلے جب مقام تنعیم میں پہنچے تو موت نے آپکڑا نزع کے وقت انہوں نے اپنا بایاں ہاتھ اپنے داہنے ہاتھ پر رکھ کر کہا کہ اے پروردگار یہ ہاتھ تیرے لیے ہے اور یہ ہاتھ تیرے رسول کے لیے تجھ سے ان باتوں پر بیعت کرتا ہوں جن باتوں پر تیرے رسول بیعت لیتے ہیں اور انتقال کر گیا جب اس کی خبر صحابہ کو پہنچی تو کہنے لگے کہ اگر مدینہ پہنچ کر موت آتی تو کیا اچھا ہوتا اس پر یہ آیت نازل ہوئی

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ

اور جب تم سفر کرو ملک میں تو تم پر گناہ نہیں

جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ اِنْ

کہ کچھ کم کرو نماز میں سے اگر

خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ اِنَّ

تم کو ڈر ہو کہ ستاویں گے تم کو کافر البتہ کافر

الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ﴿۱۰۱﴾ وَاِذَا كُنْتَ

تمہارے دشمن ہیں صریح اور جب تو ان میں

فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ

ہو پھر ان کو نماز میں کھڑا کرے تو چاہیئے ایک جماعت ان کی

مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ ۟ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا

کھڑی ہو تیرے ساتھ اور ساتھ لیویں اپنے ہتھیار پھر جب یہ سجدہ کر چکیں تو ہو

مِنْ وَّرَآئِكُمْ ۪ وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا

ہو جاویں اور آوے دوسری جماعت جن نے نماز نہیں کی وہ نماز کریں

فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ ۚ

تیرے ساتھ اور پاس لیویں اپنا بچاؤ اور ہتھیار

وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَ

کافر چاہتے ہیں کسی طرح تم بے خبر ہو اپنے ہتھیاروں سے اور

اَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ۭ وَلَا

اسباب سے تو تم پر جھک پڑیں ایک حملہ کر کر اور

جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ

گناہ نہیں تم پر اگر تم کو تکلیف ہو مینہ سے یا تم

مَّرْضٰٓى اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ ۭ اِنَّ

بیمار ہو کر اتار رکھو اپنے ہتھیار اور ساتھ لو اپنا بچاؤ اللہ

اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۱۰۲﴾ فَاِذَا قَضَيْتُمُ

نے رکھی ہے منکروں کے واسطے ذلت کی مار پھر جب نماز

الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ ۚ

کر چکو تو یاد کرو اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور پڑے

فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ

پھر جب خاطر جمع سے ہو تو درست کرو نماز یہ نماز ہے

كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾ وَلَا تَهِنُوْا

مسلمانوں پر وقت باندھا حکم اور مت ہارو

فِي ابْتِغَاۗءِ الْقَوْمِ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ

ان کا پیچھا کرنے سے اگر تم بے آرام ہوتے ہو تو وہ بھی بے آرام ہیں

كَمَا تَأْلَمُونَ ۚ وَتَرْجُونَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُونَ ۚ

جس طرح تم بے آرام ہو اور تم کو اللہ سے امید ہے جو ان کو نہیں

وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۰۴﴾ ع

اور اللہ سب جانتا ہے حکمت والا

حکم لبست و ہفتم متعلق بہ صلوٰۃ سفر و صلاۃ خوف

قال تعالیٰ وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِى الْاَرْضِ ..... الیٰ ...... عَلِيْمًا حَكِيْمًا ہ

(ربط) گزشتہ آیات میں جہاد و ہجرت کا ذکر تھا اور غالب احوال میں جہاد اور ہجرت کے لیے سفر کرنا پڑتا ہے اب ان آیات میں حالت جہاد اور سفر میں نماز پڑھنے کا طریقہ تعلیم فرماتے ہیں اور سفر اور خوف کی وجہ سے نماز میں جو رعایتیں اور سہولتیں عطا کی ہیں ان کا ذکر کرتے ہیں۔

حکم صلاۃ سفر

اور جب تم سفر کرو زمین میں جس کی مقدار تین منزل ہو یا اڑتالیس ۴۸ میل ہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں بلکہ ضروری ہے کہ تم رباعی (چار رکعت والی نماز میں سے دو رکعت) کم کر دو اگر تم کو یہ اندیشہ ہو کہ کافر تم کو ستائیں گے بے شک تمام کافر تمہارے کھلے دشمن ہیں ابتدا میں قصر کا حکم خوف کے ساتھ مشروط تھا بعد میں اللہ تعالیٰ نے یہ شرط ساقط کر دی جیسا کہ صحیح مسلم وغیرہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے قصر نماز میں خوف کی قید کی بابت دریافت کیا تو آپ نے یہ فرمایا کہ بغیر خوف کے بھی نماز میں قصر ہے اور یہ اللہ کی طرف سے صدقہ ہے اس کو قبول کرنا چاہیئے نیز آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر و عمر اور صحابہ کرام نے سفر میں بحالت امن بھی قصر کیا ہے معلوم ہوا کہ قصر کی مشروعیت خوف پر موقوف نہیں اور داؤد ظاہری کا مذہب یہ ہے کہ سفر کی نماز میں قصر کرنا اس شرط سے جائز ہے کہ جب کافروں سے فتنہ کا خوف ہو اور جمہور سلف اور خلف کے نزدیک بدون شرط مذکور کے بھی قصر درست ہے اور آیت میں جو اِنْ خِفْتُمْ کی شرط ہے وہ قید احترازی نہیں بلکہ بیان واقع کے لیے ہے جس کا مفہوم معتبر نہیں۔

مسافت قصر

اہل ظاہر اس آیت کے ظاہری عموم سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ سفر کی کوئی مقدار یا حد معین نہیں ہر سفر میں قصر جائز ہے خواہ وہ تھوڑا ہو یا بہت ہو یہاں تک کہ تین میل کے سفر میں بھی قصر جائز ہے کیونکہ آیت میں سفر کی کوئی حد نہیں بیان کی گئی لیکن تمام فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ تھوڑے سفر میں قصر نہیں اور سب نے الگ الگ سفر کی حد بیان کی ہے فقہاء حنفیہ کے نزدیک قصر صرف اس سفر میں ہے جو تین دن کا ہو جیسا کہ حدیث میں ہے کہ مسافر کے لیے مسح علی الخفین تین دن تک کے لیے جائز ہے اور مقیم کے لیے ایک دن اور ایک رات اور عثمان غنیؓ اور عبداللہؓ بن مسعودؓ اور حذیفۃ بن الیمانؓ کا بھی یہی مذہب ہے۔

اور امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک چار برید کی مسافت کے سفر میں قصر ہے یعنی اگر اڑتالیس میل کا سفر ہو تو قصر جائز ورنہ نہیں جیسا کہ حدیث میں ہے کہ اے اہل مکہ چار برید (اڑتالیس میل) سے کم میں قصر نہ کرو رواہ الطبرانی عن ابن عباسؓ

قاضی[1] ابوبکر بن عربی فرماتے ہیں کہ جو لوگ سفر کی مقدار یا حد معین نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ ہر سفر میں قصر جائز ہے وہ دین کے ساتھ کھیل اور تماشہ کرتے ہیں تین چار میل بلکہ دس میل جانا بھی عرف میں سفر نہیں کہلاتا یہ مذہب اس قابل نہیں کہ اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھا جائے یا اس کو خیال اور خاطر میں لایا جائے یا اس کا ذکر بھی کیا جائے (تفسیر قرطبی ص ۳۵۴ ج ۵)

لطیفہ[2]

ایک غیر مقلد صاحب جب اپنے کھیت پر جاتے تو نماز میں قصر کرتے کسی نے سوال کیا

---

[1] قال القاضی ابن العربی وقد تلاعب قوم بالدین فقالوا ان من خرج من البلد الی ظاهره قصر واکل وقائل هذا اعجمی لا یعرف السفر عند العرب او مستخف بالدین ولولا ان العلماء ذکروه لما رضیت ان المحه بموخر عینی ولا افکر فیه بفضول قلبی اهـ تفسیر قرطبی ص ۳۵۴ ج ۵

[2] یہ لطیفہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ کے وعظ مسمی بہ عصم الصنوف ص ۲ وعظ سوم از سلسلۂ البلاغ و وعظ الہدی والمغفرۃ نمبر ۲ از سلسلۂ تبلیغ میں مذکور ہے۔

کہ بندۂ خدا تم بدون مسافت قصر کے کیسے قصر کرتے ہو انہوں نے جواب دیا کہ قصر کے لیے کسی خاص مسافت کا ہونا شرط نہیں اس لیے کہ آیت میں ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ آیا ہے جس کے معنی زمین میں چلنے کے ہیں اور یہ مفہوم کھیت پر جانے کی صورت میں بھی صادق آتا ہے ایک حنفی عالم نے اس کا خوب جواب دیا کہ پھر تم کو ہمیشہ ہی قصر کرنا چاہیئے اس لیے کہ جب تم اپنے گھر سے مسجد جاتے ہو تو سیر فی الارض اس پر بھی صادق آجاتا ہے غیر مقلد صاحب کے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا۔

حکم صلاۃ الخوف

اور اے نبی کریم جب آپؐ مسلمانوں کی فوج میں موجود ہوں پھر ان کو نماز پڑھانے کیلئے کھڑے ہوں اور اندیشہ ہو کہ کافر نماز میں حملہ نہ کر دیں تو ایسی حالت میں یہ چاہیئے کہ مسلمانوں کے دو گروہ ہو جائیں ان میں سے ایک گروہ آپ کے ساتھ نماز پڑھنے کھڑا ہو جائے اور دوسرا گروہ نگرانی کی خاطر دشمن کے مقابل کھڑا ہو جائے تاکہ دشمن کو دیکھتے رہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ نماز میں کھڑے ہیں وہ بھی نماز میں اپنے ہتھیار ساتھ لیے رہیں شاید کسی وقت ضرورت پڑ جائے پھر جب یہ لوگ آپ کے ساتھ سجدہ کر چکیں یعنی ایک رکعت پوری آپ کے ساتھ پڑھ چکیں تو پیچھے ہٹ جائیں یعنی دشمن کے مقابلہ پر چلے جائیں اور دوسرا طائفہ (گروہ) آجائے جس نے ابھی تک نماز نہیں پڑھی یعنی پہلا طائفہ جس نے آپؐ کے ساتھ ایک رکعت نماز پڑھی ہے وہ تو دشمن کے مقابلہ میں چلا جائے اور دوسرا طائفہ جو اب تک دشمن کے مقابلہ میں تھا وہ آجائے پھر وہ آکر آپ کے ساتھ باقی ماندہ نماز میں شریک ہو جائیں اور آپ کے ساتھ نماز پڑھیں اور اپنی احتیاط اور بچاؤ کو مضبوط پکڑے رہیں اور اپنے ہتھیار بھی لیئے رہیں کافروں کی تمنا اور آرزو یہ ہے کہ کسی طرح تم اپنے ہتھیاروں اور سامان حرب سے غافل ہو تو یکبارگی ہی تم پر حملہ کر دیں اور تم پر ٹوٹ پڑیں پس احتیاط اور ہوشیاری کا مقتضیٰ یہی ہے کہ ہتھیار ساتھ لیے رہو۔ اس آیت میں دونوں گروہوں کے ایک ایک رکعت پڑھنے کا ذکر فرمایا بقیہ نماز کا حکم بیان نہیں کیا کہ وہ کس طرح ادا کریں اس کا طریقہ احادیث میں یہ آیا ہے کہ دوسرا گروہ امام کے سلام پھیر دینے کے بعد دشمن کے مقابلہ میں چلا جائے اور ہر گروہ بطور خود اپنی باقی نماز پوری کرلے اور یہ حکم اس وقت کے لیے ہے کہ جب جماعت ممکن ہو اور اگر جماعت ممکن نہ ہو تو پھر ہر شخص تنہا یا جس طرح ممکن ہو نماز پڑھ لے نیز یہ حکم جب ہے کہ جب سب ایک ہی امام کے پیچھے نماز پڑھنا چاہیں ورنہ دو جماعتیں کرلی جائیں ایک گروہ کو ایک امام نماز پڑھا دے اور دوسرے گروہ کو دوسرا امام جیسا کہ در مختار میں ہے اور عجب نہیں کہ وَإِذَا كُنتَ فِيهِمْ سے اشارہ اسی طرف ہو کہ جب آپؐ جیسا امام ہو اور سب اس کے پیچھے نماز پڑھنا چاہیں تو پھر مسلمانوں کی فوج کے دو حصے کر

دیئے جائیں اور امام ہر ایک حصہ کو ایک ایک رکعت نماز پڑھاوے اس طرح ہر گروہ کی آدھی آدھی نماز اس محبوب امام کے پیچھے ہو جائے اور باقی آدھی نماز دونوں گروہ جدا جدا پڑھ لیں واللہ اعلم ۔

اور تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تم کو بارش کی تکلیف ہو یا تم بیمار ہو اور ایسی حالت میں تم کو ہتھیار اٹھانا دشوار ہو تو ایسی حالت میں تم اپنے ہتھیار اتار کر رکھ دو تو کوئی حرج نہیں اور پھر بھی اپنی احتیاط اور بچاؤ اور حفاظت کو خوب پکڑے رہو یعنی اگر بارش اور بیماری کی وجہ سے تم کو ہتھیار اٹھانا دشوار ہو تو ایسی حالت میں ہتھیار اتار کر رکھ دینے میں کچھ مضائقہ نہیں ہاں اپنی احتیاط پھر بھی رکھو بیشک اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے رسوا کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے آخرت میں تو ان کو عذاب ہوتے ہی گا مگر منشاء خداوندی یہ ہے کہ دنیا میں کافر تمہارے ہاتھوں ذلیل اور رسوا ہوں لہٰذا تم کو احتیاط بہت ضروری ہے پھر جب تم نماز خوف کو ختم کر چکو تو اللہ کی یاد میں لگ جاؤ کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے یعنی اس کی تسبیح و تحمید و تہلیل و تکبیر میں لگ جاؤ کیونکہ اللہ کی یاد سے خوف جاتا رہتا ہے اور دل کو سکون اور اطمینان ہوتا ہے پھر جب تم مطمئن ہو جاؤ اور خوف اور سفر کی حالت ختم ہو جائے اور تم کو امن حاصل ہو جائے تو پھر معمول کے مطابق پوری نماز اطمینان کے ساتھ اور اصلی ہیئت کے ساتھ ادا کرو اس لیے کہ قصر اور نماز میں آمد و رفت کی جو اجازت تھی وہ ایک عارض کی وجہ سے تھی اب وہ ختم ہو گئی بے شک نماز مسلمانوں پر بقید اوقات وقت معین پر فرض کی گئی اس کو اپنے اوقات سے نکالنا اور اس کی ہیئت میں کسی قسم کا تغیر کرنا جائز نہیں جہاد جیسی عظیم عبادت کی وجہ سے عارضی طور پر نماز میں آمد و رفت کی اجازت دے دی گئی اور جب یہ عارض ختم ہوا تو اجازت بھی ختم ہوئی اور اے مسلمانو جب تمہیں یہ معلوم ہو گیا کہ جہاد ایسی عظیم عبادت ہے کہ اس کی وجہ سے نماز میں آمد و رفت کی اجازت دی گئی تو خوب سمجھ لو کہ کافروں کے تعاقب یعنی پیچھا کرنے میں سستی نہ کرنا جب ابو سفیان اور اس کے ہمراہی اُحد سے واپس ہوئے تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے تعاقب میں کچھ آدمی بھیجے ان آدمیوں نے زخموں کے درد کی شکایت کی اس پر یہ آیت نازل ہوئی اگر تم زخموں کی تکلیف سے دردمند ہو تو بے شک وہ بھی دردمند اور بے آرام ہیں جیسے تم دردمند اور بے آرام ہو پھر تم ان کے تعاقب میں سستی اور اپنے زخموں کی شکایت کیوں کرتے ہو جب وہ اپنے زخموں کی پروا نہیں کرتے اور برابر تم پر حملہ کیے جا رہے ہیں تو تم کو کیا ہوا تم اللہ سے وہ امیدیں رکھتے جو وہ نہیں رکھتے اس لیے تمہاری تکلیف ان کی تکلیف سے کم ہے تم جزاء اعمال کے قائل ہو تم کو خدا تعالیٰ سے دنیا میں فتح و نصرت کی اور آخرت میں جنت کے درجات عالیہ کی وہ امیدیں ہیں جو اُن کو نہیں پھر تم اُن کے مقابلہ میں کیوں سست ہو اور ہے اللہ جاننے والا اور حکمت والا تم کو جو حکم دیتا ہے اس کی نسبت وہ جانتا ہے کہ اس میں حکمت اور مصلحت ہے لہٰذا تم کو چاہیئے کہ اس کے حکم کو مانو اور اپنی رائے کو اس میں دخل نہ دو ۔

مسائل (۱) امام شافعی رح فرماتے ہیں کہ سفر میں قصر کرنا جائز ہے واجب نہیں کیونکہ حق تعالیٰ کا یہ ارشاد لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم پر قصر کرنے میں کوئی گناہ نہیں تو معلوم ہوا کہ قصر کرنا واجب نہیں بلکہ جائز ہے اور اکثر اہل علم کے نزدیک قصر واجب ہے اور یہی قول حضرت عمر اور علی اور ابن عمر اور جابر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کا ہے اور یہی حسن بصری اور خلیفہ عمر بن عبدالعزیز اور قتادہ اور دیگر علماء تابعین کا قول ہے اور یہی امام ابوحنیفہ اور امام مالک کا مذہب ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضؓ سے مروی ہے کہ نماز اوّل دو دو رکعت فرض ہوئی پھر نماز سفر تو اسی طرح برقرار رہی اور نماز حضر میں زیادتی کردی گئی لہٰذا جب سفر کی اصل نماز دو رکعت ہوئی تو اس میں زیادتی جائز نہ ہوگی۔

اور لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ سے یہ استدلال کرنا کہ قصر کرنا رخصت ہے اس لیے کہ لاجناح کا استعمال رخصت کے لیے ہوتا ہے تو جواب یہ ہے کہ یہ کلیہ نہیں حق تعالیٰ کا یہ ارشاد لَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا طواف صفا اور مروہ کے حق میں آیا ہے حالانکہ سعی بین الصفا والمروہ واجب ہے اور امام شافعی کے نزدیک فرض ہے سو جاننا چاہیے کہ لاجناح کا لفظ رخصت اور اباحت کیلیے نہیں لایا گیا بلکہ ان لوگوں کا وہم دفع کرنے کے لیے لایا گیا، کہ جو اس کو گناہ خیال کرتے تھے ان کا انقباض رفع کرنے کے لیے لفظ لاجناح لایا گیا ہے

(۲) اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا سے معلوم ہوتا ہے کہ نمازوں کے اوقات معین ہیں ان میں تقدیم و تاخیر جائز نہیں اور قرآن کریم میں ہے حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى۔ نمازوں کی حفاظت کرو یعنی ان کو اپنے وقت پر ادا کرو اور جامع ترمذی میں ابن عباسؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے جمع بین الصلاتین کیا یعنی دو نمازوں کو وقت واحد میں پڑھا وہ گناہ کبیرہ کے دروازہ میں داخل ہوا اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں مگر صرف ایک راوی ایسا ہے کہ جس کو بعض نے ضعیف کہا اور بعض نے اسکو ثقہ بتایا اور اگر بالفرض کسی حدیث کے تمام راوی ضعیف ہوں اور حدیث آیت قرآنی اور شریعت کے اصول مقررہ اور خلفاء راشدین کی سنت مستمرہ کے موافق ہو تو وہ ضعیف حدیث بھی حجت ہے اور مؤطا امام محمد میں حضرت عمرؓ سے باسناد صحیح منقول ہے

انه كتب الى الآفاق ينهٰهم ان يجمعوا بين الصلوٰتين ويخبرهم ان الجمع بين الصلاتين فى وقت واحد كبيرة

من الكبائر یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ممالک اسلامیہ کی اطراف و جوانب میں یہ فرمان روانہ کیا جس میں ان کو اس بات سے منع کیا کہ دو نمازوں کو جمع کریں اور ان کو خبردار کیا کہ دو نمازوں کو وقت واحد میں جمع کرنا بہت بڑا گناہ ہے من جملہ بڑے گناہوں کے (ترجمہ ختم ہوا)

اور اسی پارہ پنجم کے شروع میں یہ آیت گزر چکی ہے اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا اے مسلمانو اگر تم بڑے گناہوں سے بچتے رہو

گے تو ہم تمہارے چھوٹے گناہوں کا کفارہ کر دیں گے اور تم کو جنت میں داخل کریں گے اور ابن عباسؓ کی حدیث اور حضرت عمرؓ کے فرمان واجب الاذعان سے یہ معلوم ہوگیا کہ جمع بین الصلاتین گناہ کبیرہ ہے لہٰذا اس حدیث کو آیت کے ساتھ ملا کر یہ مطلب ہوگا کہ جو جمع بین الصلاتین سے اجتناب کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کا کفارہ فرما دیں گے اور یہی امام ابو حنیفہؒ کا مذہب ہے کہ ان کے نزدیک سوائے عرفات اور مزدلفہ کے کسی جگہ بھی جمع بین الصلاتین جائز نہیں اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ حالت سفر میں خاص شرائط کے ساتھ جمع بین الصلاتین جائز ہے کیونکہ بعض احادیث میں یہ آیا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بحالت سفر جمع بین الصلاتین فرمایا۔

جواب فقہاء حنفیہ یہ فرماتے ہیں کہ جن بعض احادیث میں جمع بین الصلاتین کا ذکر آیا ہے وہ مجمل ہیں اور جو روایتیں مفصل اور واضح آئی ہیں ان میں اس کی تصریح ہے کہ ظہر کی نماز کو اخیر میں پڑھا اور عصر کو اول وقت میں پڑھا پس ظاہراً ایسا معلوم ہوا کہ دونوں نمازیں ایک وقت میں پڑھی گئیں حالانکہ حقیقت میں دونوں نمازیں اپنے اپنے وقت کے اندر پڑھی گئیں خوب سمجھ لو زیادہ تفصیل کے لیے شروح بخاری اور شروح ہدایہ کو دیکھو۔

إِنَّآ أَنزَلْنَآ إِلَيْكَ ٱلْكِتَٰبَ بِٱلْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ

ہم نے اتاری تجھ کو کتاب سچی کہ تو انصاف کرے

ٱلنَّاسِ بِمَآ أَرَىٰكَ ٱللَّهُ ۚ وَلَا تَكُن

لوگوں میں جو سوجھاوے تجھ کو اللہ اور تو مت ہو

لِّلْخَآئِنِينَ خَصِيمًا ﴿١٠٥﴾ وَٱسْتَغْفِرِ ٱللَّهَ ۖ إِنَّ ٱللَّهَ

دغا بازوں کی طرف سے جھگڑنے والا اور بخشوا اللہ سے بے شک اللہ

كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿١٠٦﴾ وَلَا تُجَٰدِلْ عَنِ ٱلَّذِينَ

بخشنے والا مہربان ہے اور مت جھگڑ ان کی طرف سے

يَخْتَانُونَ أَنفُسَهُمْ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يُحِبُّ مَن كَانَ خَوَّانًا

جو اپنے جی میں دغا رکھتے ہیں اللہ کو خوش نہیں آتا جو کوئی ہو دغا باز

اَثِيْمًا ۝۱۰۷ يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ

گنہ گار چھپتے ہیں لوگوں سے اور نہیں چھپتے

مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ

اللہ سے اور وہ ان کے ساتھ ہے جب رات کو ٹھہراتے ہیں جس بات سے

الْقَوْلِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ۝۱۰۸ هٰٓاَنْتُمْ

وہ راضی نہیں اور جو کرتے ہیں اللہ کے قابو میں ہے سنتے ہو

هٰٓؤُلَاۗءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۣ فَمَنْ

تم لوگ جھگڑتے ان کی طرف سے دنیا کی زندگی میں پھر

يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ

کون جھگڑے گا ان کے بدلے اللہ سے قیامت کے دن یا کون ہوگا اُن کا

عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ۝۱۰۹ وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْۗءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ

کام بنانے والا اور جو کوئی کرے گناہ یا اپنا بُرا کرے

ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۱۱۰ وَمَنْ

پھر اللہ سے بخشواوے پاوے اللہ کو بخشنے والا مہربان اور جو

يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰي نَفْسِهٖ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ

کوئی کماوے گناہ سو کماتا ہے اپنے حق میں اور اللہ سب

عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝۱۱۱ وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْۗئَةً اَوْ اِثْمًا

جانتا ہے حکمت والا اور جو کوئی کماوے تقصیر یا گناہ

ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْۗئًا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا

پھر لگاوے بے گناہ کو اس نے سر دہرا طوفان اور گناہ

مُّبِينًا ﴿١١٢﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهُ لَهَمَّتْ

صریح اور اگر نہ ہوتا تجھ پر فضل اللہ کا اور مہر تو قصد کیا

طَّائِفَةٌ مِّنْهُمْ أَنْ يُّضِلُّوكَ ۖ وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا

ہی تھا ان میں ایک جماعت نے کہ تجھ کو بہکادیں اور بہکا نہ سکتے مگر

أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّونَكَ مِنْ شَيْءٍ ۚ وَأَنْزَلَ اللّٰهُ

آپ کو اور تیرا کچھ نہ بگاڑتے اور اللہ نے نازل کی

عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ

تجھ پر کتاب اور کام کی بات اور تجھ کو سکھایا جو تو نہ جان

تَعْلَمُ ۚ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا ﴿١١٣﴾ لَا خَيْرَ

سکتا اور اللہ کا فضل تجھ پر بڑا ہے کچھ بھلی

فِي كَثِيرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ

نہیں اکثر ان کی مشورت مگر جو کوئی کہے خیرات کو یا

مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ

نیک بات کو یا صلح کروانے کو لوگوں میں اور جو کوئی یہ چیزیں

ذٰلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا

کرے اللہ کی خوشی چاہ کر تو ہم اس کو دیں گے بڑا

عَظِيمًا ﴿١١٤﴾ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا

ثواب اور جو کوئی مخالفت کرے رسول سے جب کھل چکی

تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ

اس پر راہ کی بات اور چلے سب مسلمانوں کی راہ سے سوا ہم اس

نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۖ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿١١٥﴾

کو حوالے کریں وہی طرف جو اس نے پکڑی اور ڈالیں اس کو دوزخ میں اور بہت بری جگہ پہنچا

حکم ہشت و ہشتم ممانعت از حمایتِ اہل خیانت

قَالَ تَعَالٰى اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ...... الٰے ..... وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۝

(ربط) گزشتہ آیات میں کفار اور منافقین کے معاملات کا ذکر تھا اب ان آیات میں منافقین کے ایک شرانگیز قصہ کا بیان ہے اور یہ بتلانا مقصود ہے کہ کافروں پر ظلم کرنا اور بے گناہ پر تہمت اور الزام لگانا جائز نہیں اور خیانت کرنے والے کی حمایت جائز نہیں اگرچہ وہ کلمہ گو ہو مقدمہ کا فیصلہ عدل و انصاف سے ہونا چاہیے

شانِ نزول

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک منافق طعمہ بن اُبیرق نامی نے ایک انصاری کے گھر میں نقب لگائی اور آٹے کا ایک تھیلا جس میں زرہ و ہتھیار رکھے ہوئے تھے چرا کر لے گیا اتفاق سے اس تھیلہ میں ایک سوراخ تھا چور کے گھر تک راستہ میں آٹا گرتا گیا جس سے لوگوں کو پتہ چل گیا کہ طعمہ بن ابیرق کی یہ کارسازی ہے طعمہ کو جب ڈر ہوا کہ میں پکڑا جاؤں گا تو اس نے یہ تدبیر کی کہ رات ہی کو وہ مال لے جا کر زید بن سمین یہودی کے پاس رکھ دیا جو اس کا ہمسایہ تھا صبح کو جب تحقیق و تفتیش شروع ہوئی تو آٹے کے سراغ سے طعمہ کو جا پکڑا مگر تلاشی کے بعد اس کے گھر میں سے کچھ نہ نکلا اور چور نے قسم کھائی کہ بخدا مجھے اس کا کچھ علم نہیں لوگوں نے چھوڑ دیا اور یہودی کے گھر کی تلاشی لی جہاں سے وہ زرہ برآمد ہوئی جب اس یہودی سے پوچھا گیا تو اس نے کہا میں چور نہیں میرے پاس تو طعمہ بن ابیرق امانت رکھ گیا ہے طعمہ نے اس سے صاف انکار کر دیا اور اپنے عزیزوں سے خفیہ مشورہ کر کے اپنی قوم کے لوگوں کو لے کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مال فلاں شخص کے گھر سے برآمد ہوا ہے اور لوگ مجھ پر چوری کی تہمت لگا رہے ہیں آپ سب کے سامنے میری صفائی اور برا‌ءت کر دیں اور یہودی کو چور ٹھہرائیں مگر نفس الامر میں یہودی اپنے قول میں سچا تھا اور طعمہ اپنے قول میں جھوٹا تھا اور واقع میں وہی چور تھا

عہ منقول از تفسیر ابن کثیر ص۵۵۱ ج ۱ و تفسیر قرطبی ص۳۷۵ ج ۵

قتادہ بن النعمان وغیرہ جو طعمہ کو چور بتلا رہے تھے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن سے یہ فرمایا کہ تم بغیر کسی ثبوت اور کسی شہادت کے کسی پر کیسے چوری کی تہمت لگاتے ہو اس پر حق تعالیٰ نے پورے دو رکوع نازل فرمائے جن میں طعمہ کی خیانت اور یہودی کی برارت کی طرف اشارہ فرمایا اور اشارہ فرمایا کہ خیانت کرنے والوں کی حمایت کا تصور بھی نہ کیجئے اور اللہ تعالیٰ سے اس بیجا حمایت کے تصور کی بھی معافی مانگئے ظاہر حال اور لاعلمی کی بنار پر آپ نے جو فرمایا اگرچہ وہ فی حد ذاتہ گناہ نہ ہو مگر آپؐ کی شان عالی کے لیے مناسب نہیں کہ لسان نبوت سے کوئی ایسا کلمہ نکل جائے جو نفس الامر کے خلاف ہو اگرچہ اس کلمہ کا صدور لاعلمی ہی کی بنار پر ہو چنانچہ فرماتے ہیں (اے نبی) تحقیق یہ مقدس کتاب ہم نے آپؐ کی طرف حق اور راستی کے ساتھ اتاری ہے تاکہ آپ لوگوں کے درمیان خواہ وہ مسلمان ہوں یا کافر اس چیز کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ تعالیٰ آپ کو سمجھائے یا دکھلائے یا صراحۃً یا اشارۃً آپ کو بتلائے یا سمجھائے امام قرطبی فرماتے ہیں کہ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ سے دل کی آنکھ سے دکھلانا مراد ہے کیونکہ حکم اور فیصلہ سر کی آنکھ سے نہیں دیکھا جا سکتا (تفسیر قرطبی[1])۔

لغت میں سر کی آنکھ سے دیکھنے کو رؤیت کہتے ہیں اور دل کی آنکھ سے دیکھنے کو رأی کہتے ہیں امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب کو اہل الرائی اس لیے کہتے ہیں کہ وہ کتاب و سنت میں دل کی آنکھ سے دیکھ کر حکم دیتے ہیں علماء اصول نے لفظ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ سے استدلال کیا ہے کہ کبھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بھی رائے اور اجتہاد سے حکم دیتے

اور اگر کسی وقت حضور پرنور کی رائے اور اجتہاد میں کسی قسم کی کوئی خطا واقع ہوتی تو فوراً بذریعہ وحی صریح اس پر مطلع کر دیا جاتا ہے اور حق تعالیٰ کی طرف سے اس بارہ میں کوئی وحی نازل نہ ہو تو مدت انتظار گذر جانیکے بعد نبی کا اجتہاد اور اسکی رائے بمنزلہ وحی جلی اور نص صریح کے ہو جاتا۔ جاننا چاہیے کہ نبی کا اجتہاد اور اسکی رائے وحی باطنی ہے اور قطعی ہے اور مجتہدین کی رائے اور ان کا اجتہاد ظنی ہے

اور اے ہمارے نبی آپ خیانت کرنے والوں کے حمایتی نہ بننا اور لاعلمی اور بے خبری کی حالت میں اصل واقعہ نہ معلوم ہونے کی وجہ سے محض ظاہر حال کی بنا پر جو کلمہ آپ کی زبان سے

---

[1] قال القرطبی قولہ تعالیٰ بما اراک اللہ معناہ علی قوانین الشرع اما بوحی ونص او بنظر جار علی سنن الوحی وھذا اصل فی القیاس وھو یدل علی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا رأی شیئا اصاب لان اللہ تعالیٰ اراہ ذلک وقد ضمن اللہ تعالیٰ لانبیائہ العصمۃ فاما احدنا اذا رأی شیئا یظنہ فلا قطع فیما رأہ ولم یرد رؤیۃ العین ھنا لان الحکم لا یری بالعین وفی الکلام اضمار ای بما اراکہ اللہ وفیہ اضمار آخر وامض الاحکام علی ما عرفناک من غیر اغترار باستدلالھم (تفسیر قرطبی ص۳۷۶ ج۵)

نکل گیا ہے اس کی اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیئے طعمہ جیسے خائن کی برأت کا تصوّر بھی گناہ ہے[1] اور قابل استغفار ہے بظاہر حکم استغفار کا حضور پُر نورؐ کو ہے مگر دراصل خائنین کو سنانا مقصود ہے بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور مہربان ہے یا یہ مطلب ہے کہ جن لوگوں نے حسن ظن کی بناء پر طعمہ اور بنی ابیرق کو سچا اور بری سمجھ لیا تھا ان کے لیے استغفار کیجئے اس میں ان مؤمنین مخلصین کے لیے تنبیہ ہوگئی جو بوجہ حسن ظن یا اسلامی تعلق کی بناء پر طعمہ کی برارت اور یہودی کے چور بتلانے میں ساعی ہوئے اور آیندہ بھی اے نبی ایسے لوگوں کی طرف سے نہ جھگڑنا جو دوسروں کی خیانت کرکے درحقیقت اپنی جانوں سے خیانت اور دغا کر رہے ہیں بے شک اللہ تعالیٰ دغاباز اور گنہگار کو پسند نہیں کرتا کہ گناہ (چوری) تو خود کریں اور چالاکی سے دوسروں کے سر لگا دیں یہ دغاباز لوگ اپنی خیانتوں کو لوگوں سے چھپانا چاہتے ہیں اور لیکن اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں رہ سکتے اور اللہ سے کیسے چھپا سکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ تو اس وقت بھی ان کے ساتھ ہے جب وہ رات کو ان باتوں کے مشورے کرتے ہیں جن کو اللہ پسند نہیں کرتا یعنی جب طعمہ کی قوم کے لوگ یہ مشورہ کر رہے تھے کہ ہم اپنی جھوٹی قسم اور شہادت سے طعمہ کی برارت اور یہودی کی چوری ثابت کر دیں گے اس وقت بھی اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ تھا اور ان کے حال کو دیکھ رہا تھا اور ہے اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کا احاطہ کرنے والا اس پر تمہاری کوئی بات پوشیدہ نہیں رہ سکتی تمہارا ظاہر و باطن سب اس کے احاطہ میں ہے خبردار اے طعمہ کے حامیو اور طرف دارو تم ہی ایسے نادان لوگ ہو کہ تم ان خائنین کی طرف سے دنیا کی زندگی میں تو جھگڑے۔ اور خیانت کے الزام سے انکو بری کر لیا سو یہ تو بتاؤ کہ قیامت کے دن کون ان کی طرف سے جھگڑے گا یا کون ان کا وکیل بنے گا اور جو شخص ان خائنین کی حمایت اور وکالت سے توبہ کرلے اللہ تعالیٰ اس کو بخشدے گا اس لیے کہ حق تعالیٰ کا یہ قانون ہے کہ جو شخص ایسا برا کام کرے جس سے دوسروں کو تکلیف پہونچے جیسے چوری وغیرہ اور کسی پر تہمت لگانا یا صرف اپنی جان پر ظلم کرے یعنی یا ایسا کام کرے جس کا ضرر اسی کی ذات تک محدود رہے پھر اس کے بعد حق تعالیٰ سے معافی چاہے تو اللہ تعالیٰ کو بخشنے والا مہربان پائے گا اشارہ اس طرف ہے کہ طعمہ اور اس کی قوم کو توبہ کرلینی چاہیے اگر وہ توبہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ کو قبول فرمالے گا اور جو شخص گناہ کرتا ہے وہ اپنے ہی برے کے لیے کرتا

---

[1] ذهب الطبری الی ان المعنی استغفر اللّٰہ من ذنبك فی خصامك الخائنين فامره بالاستغفار لما هَمَّ بالدفع عنهم وقطع يد اليهودی وهذا مذهب من جوز الصغائر علی الانبياء قال ابن عطية وهذا ليس بذنب لان النبی صلی اللّٰہ عليه وسلم انما دافع علی الظاهر وهو يعتقد براءتهم (تفسير قرطبی ص ۳۷۷ ج ۵)

ہے کیونکہ اس کا وبال اسی پر پڑے گا اور اللہ بڑا دانا اور حکمت والا ہے اور جو شخص نادانستہ کوئی خطا کر گزرے یا دیدہ و دانستہ کسی گناہ کا ارتکاب کر بیٹھے پھر بجائے شرمندہ اور تائب ہونے کے اس گناہ کو کسی بے گناہ پر لے جاکر پھینک دے یعنی اپنا گناہ کسی دوسرے کے سر لگا دے تو بے شک اس شخص نے بڑے بہتان اور کھلے گناہ کو اپنے سر پر اٹھا لیا اس آیت میں خطاء سے گناہ صغیرہ اور اثماً سے گناہ کبیرہ مراد ہے اور اے نبی اگر آپ پر اللہ کا خاص فضل اور خاص رحمت نہ ہوتی تو ان منافقین میں کا ایک گروہ یہ ارادہ کر چکا تھا کہ اپنی چرب لسانی سے آپ کو غلطی میں ڈال دیں۔ یعنی طعمہ کی قوم آپؐ سے خلاف حق فیصلہ کرانا چاہتی تھی مگر اللہ تعالی نے آپؐ پر اپنا فضل کیا کہ بذریعہ وحی کے اصل واقعہ سے آپ کو مطلع کر دیا اور آپ کی عصمت کو قائم رکھا اور چونکہ خدا تعالیٰ کا خاص فضل آپ کا شامل حال ہے اسی لیے یہ لوگ سوائے اپنے نفسوں کے اور کسی کو گمراہ نہیں کر سکتے اور آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے کیونکہ اللہ تعالی آپؐ کا حافظ و ناصر ہے اور کسی کا آپ کو نقصان پہنچانا ناممکن اور محال ہے اس لیے کہ اللہ نے اپنے فضل و رحمت سے آپ پر کتاب کو نازل کیا اور حکمت کی باتیں اتاریں اور آپ کو وہ باتیں سکھائیں جو آپ نہیں جان سکتے تھے یعنی بہت سی غیب کی خبروں پر آپ کو مطلع کیا جن کا آپ کو پہلے سے کچھ علم نہ تھا اور یہ اس وجہ سے ہے کہ تجھ پر اللہ کا بڑا ہی فضل ہے اور ظاہر ہے کہ جس پر اللہ کا خاص فضل ہو اس کو کون ضرر اور نقصان پہنچا سکتا ہے (اے نبی) ان لوگوں کی اکثر سرگوشیوں اور مشوروں میں کوئی خیر اور بھلائی نہیں مگر اس سرگوشی اور مشورہ میں نیکی اور بھلائی ہے جس میں کوئی صدقہ اور خیرات کا یا نیک بات کا یا لوگوں میں صلح کرانے کا حکم دے یہ آیت اگرچہ خاص طعمہ کی قوم کی سرگوشیوں کے بارہ میں نازل ہوئی مگر حکم عام ہے اور مطلب یہ ہے کہ سوائے ان تین قسم کی باتوں کے جو مذکور ہوئیں کسی اور بات میں سرگوشی نہیں کرنی چاہیے اور جو شخص یہ کام محض اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کریگا ہم اس کو بڑا ثواب دیں گے یعنی جو شخص خیرات یا نیکی کی بات یا صلح کرائے گا تو ہم اس کو بڑا ثواب ضرور دیں گے مگر شرط یہ ہے کہ یہ کام اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کرے شہرت اور نمود کے لیے نہ کرے اور جو شخص رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرے بعد اس کے کہ راہ ہدایت اس پر کھل چکی ہے اور جو شخص مسلمانوں کی راہ کو چھوڑ کر کسی اور راہ کی پیروی کرے یعنی مسلمانوں کے مسلّم اور متفق علیہ طریقہ کو چھوڑ کر جو شخص نیا طریقہ اختیار کرے گا تو ہم ایسے شخص کے منہ کو اسی طرف پھیر دیں گے جس طرف وہ متوجہ ہوا ہے یعنی اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور جو کرتا ہے وہ کرنے دیں گے اور جس طرف وہ پھرا ہے اسی طرف اس کو پھیر دیں گے اور کبھی اس کو ہدایت نصیب نہ ہوگی اور اخیر میں اس کو جہنم میں جھونک دیں گے اور وہ بہت بری جگہ ہے یہ آیت اس امر کی دلیل

ہے کہ اجماع امت حجت ہے اور مسلمانوں پر اس کی پیروی واجب ہے امام شافعی نے اس آیت سے اجماع کی حجیّت پر استدلال کیا ہے اس لیے کہ سبیل المؤمنین سے وہ عقیدہ اور عمل مراد ہے جس پر تمام صحابہ وتابعین کا اتفاق ہو

حجیّتِ اجماع اُمّت

پہلے گزر چکا ہے کہ اصولِ شریعت چار ہیں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور اجماع امت اور قیاس اجماع کے معنی لغت میں اتفاق رائے کے ہیں اور اصطلاح شریعت میں ایک زمانہ میں مجتہدین اور علماء ربانیین اور راسخین فی العلم کا کسی دینی امر پر اتفاق رائے کر لینے کا نام اجماع ہے اور جس طرح قرآن وحدیث حجت ہیں اسی طرح اجماع بھی حجت ہے اور اجماع کی حجیّت کتاب وسنت اور اجماع امت اور قیاس عقلی سے ثابت ہے منجملہ ان آیات قرآنیہ کے جن سے علماء نے اجماع کے حجت ہونے پر استدلال کیا یہ آیت ہے یعنی وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ جس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرے یا مسلمانوں کی راہ کو چھوڑ کر کوئی اور راہ اختیار کرے تو اس کا انجام جہنم ہے معلوم ہوا کہ جس راہ کو مسلمانوں نے اختیار کیا ہو اور اسی کا ترجمہ اجماع ہے اس کی مخالفت ایسی ہی موجب عذاب ہے جیسے رسول کی مخالفت موجب عذاب ہے پس جس طرح رسول کا حکم حجت اور واجب التسلیم ہے اسی طرح اجماع بھی حجت اور واجب التسلیم ہوگا اور حدیث میں ہے لا تجتمع امتی علی الضلالۃ یعنی میری امت گمراہی پر اجماع نہیں کر سکتی معلوم ہوا کہ جو حکم اجماع سے ثابت ہوگا وہ سراسر ہدایت ہی ہوگا حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں بعض علماء نے اس حدیث کو متواتر المعنی کہا ہے یعنی اس مضمون کی حدیثیں اس کثرت سے آئی ہیں کہ سب سے مل کر یہ مضمون حد تواتر کو پہنچ جاتا ہے اور امام شافعیؒ نے بہت غور و فکر کے بعد اس آیت سے اجماع کی حجیت پر استدلال کیا ہے اور وہ بہترین اور نہایت قوی استنباط ہے (تفسیر ابن کثیر ص۵۵۵ ج۱) اور حدیث میں ہے ید اللہ علی الجماعۃ فمن شذ شذ فی النار اخرجہ الترمذی، یعنی جو شخص جماعت سے علیحدہ ہوا وہ علیحدہ جہنم میں جائے گا (ترمذی)

اور خلفاء راشدین خصوصًا صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کا طریقہ رہا کہ جب کسی مسئلہ میں اشکال پیش آتا تو جو صحابہ اہل الرأی اور اہل فقہ تھے ان کو جمع کر کے مشورہ کرتے اور جس پر وہ متفق ہو جاتے اس کے مطابق حکم صادر فرماتے اور قیاس عقلی اور فطری کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اجماع کو حجت مانا جائے خصوصًا اس زمانہ میں تو کثرت رائے ایک مسلّم اصول بن گیا ہے کہ اگر سو میں سے انچاس ایک طرف ہوں اور اکیاون ایک طرف ہوں تو اکیاون والی رائے کو اختیار کیا جاتا ہے اور انچاس والی رائے کو محض ایک رائے کی کمی کی وجہ سے چھوڑ دیا جاتا ہے اور کسی بات پر سو کے سو کو اتفاق ہو اور ایک رائے بھی اس کے خلاف نہ ہو تو وہ بات نہایت صحیح اور ریختہ سمجھی جاتی ہے

اور اسی کا ترجمہ اجماع ہے پھر اجماع میں اور کثرت رائے میں فرق یہ ہے کہ آج کل اسمبلیوں میں محض کثرت آراء یا اتفاق آراء سے فیصلہ ہو جاتا ہے اور اجماع شرعی میں یہ شرط ہے کہ رائے دینے والے علماء اور صلحاء اور اتقیاء ہوں ہر کس و ناکس کی رائے کا اعتبار نہیں دنیا کا مسلمہ اصول ہے کہ علاج کے متعلق اطباء کا متفقہ فیصلہ اور تعمیر کے متعلق انجنیروں کا متفقہ فیصلہ حجت اور سند ہے تو علماء شریعت کا کسی امر پر اتفاق کیسے حجت نہ ہوگا۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ

اللہ یہ نہیں بخشتا کہ اس کا شریک ٹھہرائے اور اس سے نیچے بخشتا ہے جس کو

ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ ضَلَّ

چاہے اور جس نے اللہ کا شریک ٹھہرایا وہ دور پڑا بھول کر

ضَلَالًا بَعِيدًا ﴿١١٦﴾ إِنْ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا إِنَاثًا ۚ

اس کے سوا پکارتے ہیں سو عورتوں کو اور اس

وَإِنْ يَدْعُونَ إِلَّا شَيْطَانًا مَرِيدًا ﴿١١٧﴾ لَعَنَهُ اللَّهُ ۘ

کے سوائے پکارتے ہیں سو شیطان سرکش کو جس کو لعنت

وَقَالَ لَأَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيبًا مَفْرُوضًا ﴿١١٨﴾

کی اللہ نے اور وہ بولا کہ میں البتہ لوں گا تیرے بندوں سے حصہ ٹھہرایا

وَلَأُضِلَّنَّهُمْ وَلَأُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ

اور ان کو بہکاؤں گا اور اُن کو توقعیں دوں گا اور ان کو سکھاؤں گا کہ چیریں جانوروں کے

آذَانَ الْأَنْعَامِ وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللَّهِ ۚ

کان اور ان کو سکھاؤں گا کہ بدلیں صورت بنائی اللہ کی

وَمَنْ يَتَّخِذِ الشَّيْطَانَ وَلِيًّا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَقَدْ

اور جو کوئی پکڑے شیطان کو رفیق اللہ کو چھوڑ کر

خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۹﴾ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ۭ وَمَا

وہ ڈوبا صریح نقصان میں ان کو وعدہ دیتا ہے اور توقعیں بتاتا ہے اور جو

يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲۰﴾ اُولٰۗىِٕكَ مَاْوٰىهُمْ

توقع دیتا ہے ان کو شیطان سو سب دغا ہے ایسوں کا ٹھکانہ ہے

جَهَنَّمُ ۡ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ﴿۱۲۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

دوزخ اور نہ پاویں گے وہاں سے بھاگنے کو جگہ اور جو یقین لائے اور

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ

اور عمل کیے نیک ان کو ہم داخل کریں گے باغوں میں جن کے نیچے بہتی

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ

نہریں رہ پڑے وہاں ہمیشہ کو وعدہ ہے اللہ کا سچا

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿۱۲۲﴾ لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ

اور اللہ سے سچی کس کی بات نہ تمہاری آرزو پر ہے

وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ۭ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْۗءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ

نہ کتاب والوں کی آرزو پر جو کوئی برا کرے گا اس کی سزا پاوے گا

وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۲۳﴾

اور نہ پاوے گا اللہ کے سوا اپنا کوئی حمایتی نہ مددگار

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى

اور جو کوئی کچھ عمل نیک کرے گا مرد ہو یا عورت

وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰۗىِٕكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا

اور ایمان رکھتا ہو گا سو وہ لوگ داخل ہوں گے جنت میں اور

يَظْلِمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿١٢٤﴾ وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ
ان کا حق ذرا سے تل بھر ۔ اور اس سے بہتر کس کی راہ جس نے منہ
وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ
دھرا اللہ کے حکم پر اور نیکی میں لگا اور چلا دین ابراہیم پر جو ایک طرف کا تھا
حَنِيْفًا ؕ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿١٢٥﴾ وَلِلّٰهِ مَا
اور اللہ نے پکڑا ابراہیم کو یار اور اللہ کا ہے
فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ
جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں اور اللہ کے قابو میں ہے

شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴿١٢٦﴾

سب چیز

شرک اور اہل شرک کی مذمت اور رسوم جاہلیت کا ابطال

قال تعالیٰ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ ۔۔۔۔ الیٰ ۔۔۔۔ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا

یہ آخری آیت وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى بھی طعمہ ہی کے بارہ میں نازل ہوئی جب اس نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا پردہ فاش کر دیا تو وہ مرتد ہو کر چلا گیا ایک شخص کی دیوار میں نقب لگایا اتفاقاً دیوار اس پر گر پڑی اور وہ مرگیا۔ اب اس کے بعد اللہ تعالیٰ شرک کی بابت ارشاد فرماتے ہیں کہ شرک تو بغیر توبہ کے کسی حال میں نہیں بخشا جاتا البتہ شرک اور کفر کے علاوہ اور گناہ بغیر توبہ کے بھی بخشے جا سکتے ہیں پس اگر طعمہ مرتد نہ ہوتا اور مشرکین کے ساتھ نہ جا ملتا تو ممکن تھا کہ چوری وغیرہ کا گناہ بغیر توبہ ہی کے اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو معاف کر دیتا لیکن وہ بدنصیب کافر اور مرتد ہو جانے کی وجہ سے اور پھر کفر و شرک پر مر جانے کی وجہ سے بالکلیہ خدا تعالیٰ کی عفو اور مغفرت سے محروم ہو گیا چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق اللہ تعالیٰ بلا توبہ نہیں بخشتا اس بات کو اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے چہ جائیکہ سرے ہی سے خدا تعالیٰ کا انکار کر دیا جائے اور کفر اور شرک سے نیچے اور کم درجے کے گناہ کو بلا توبہ کے بھی جس کے لیے چاہیں

معاف کر دیں اور جو شخص اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرائے وہ بلاشبہ گمراہ ہو کر ایسی گمراہی میں جا پڑا کہ جو ہدایت سے بہت ہی دور ہے اور ہدایت سے اتنا دور ہو گیا کہ قابل عفو و مغفرت نہ رہا بخلاف مسلمان کے کہ وہ کتنا ہی سخت گنہگار کیوں نہ ہو اس کی گمراہی صرف اس کے اعمال تک ہے اور اس کا عقیدہ گمراہی اور خرابی سے محفوظ ہے۔

فائدہ شروع سورت کی تمہید میں گزر چکا ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ اس سورت میں پانچ آیتیں مجھ کو دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہیں ان میں سے ایک آیت یہ ہے یعنی إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ الآية. بظاہر وجہ یہ ہو گی کہ گنہگاروں کے لیے سہارا ہے

نکتہ یہ آیت اسی سورت میں پہلے بھی گزر چکی ہے مگر پہلی بار اہل کتاب کے سلسلہ میں گزری جو اہل علم تھے اور جان بوجھ کر خدا کے لیے بیٹا اور شریک ٹھہراتے تھے اس لیے وہاں آیت کے ختم پر فَقَدِ افْتَرَىٰ إِثْمًا عَظِيمًا فرمایا کیوں کہ اہل کتاب جان بوجھ کر اللہ پر افترا کرتے تھے اور اس جگہ اس آیت کو مشرکین عرب اور مرتدین کے سلسلہ میں ذکر فرمایا جو جاہل اور گمراہ تھے اس لیے یہاں آیت کے ختم پر فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا فرمایا کہ مشرکین عرب جہالت کی بنا پر گمراہی میں مبتلا ہیں (روح المعانی ج ۵ ص ۱۴۳) باقی شرک اور کفر کی عدم مغفرت کی وجوہ بالتفصیل پہلی آیت کے ذیل میں گذر چکی ہیں۔

اب آیندہ آیات میں ان کی ضلال بعید کے وجوہ بیان فرماتے ہیں یہ مشرک خدا کو چھوڑ کر نہیں پرستش کرتے مگر عورتوں کی یعنی بتوں کی جو ان کے خیال میں عورت ہیں اس لیے کہ اہل عرب اپنے بتوں کے نام مؤنث رکھتے تھے جیسے لات اور عزیٰ اور مناۃ حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ ہر قبیلہ کے بت کو اس قبیلہ کا انثیٰ کہا کرتے تھے اور عورتوں کی طرح ان کو زیورات پہنایا کرتے تھے اور وہ لوگ اپنے بتوں کو خدا کی لڑکیاں بھی کہا کرتے تھے اور انثیٰ کا اطلاق اس سبب سے کرتے تھے کہ وہ بے جان ہیں اور بے جان چیز کے لیے زبان عرب میں مؤنث کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے بہرحال مقصود یہ ہے کہ یہ لوگ گمراہی میں بہت دور جا پڑے ہیں کہ قادر توانا کو چھوڑ کر کمزور اور عاجزوں اور عورتوں کی پرستش کرتے ہیں کس درجہ کے بے عقل اور ناسمجھ اور گمراہ ہیں اور درحقیقت نہیں پرستش کرتے مگر شیطان سرکش کی یعنی بتوں کو جو پوجتے ہیں تو صرف شیطان کے اغوار سے پوجتے ہیں تو گویا درحقیقت شیطان کو پوجتے ہیں جس پر اللہ نے لعنت کی ہے اور اس کو اپنی رحمت خاصہ سے دور پھینک دیا ہے اور ظاہر ہے کہ عورتوں کی اور ملعون اور مردود کی پرستش بلاشبہ ضلال بعید ہے شیطان کی پرستش تو حماقت معنویہ ہے۔ اور عورتوں کی پرستش حماقت حسیہ ہے اس لیے کہ عورتیں باعتبار جسم کے مردوں سے زیادہ کمزور ہیں فوج میں بھرتی ہونے کے قابل نہیں اسی طرح اور اسی نسبت سے عورتیں عقل میں بھی مردوں سے بہت کمزور ہیں کامل العقل

جنس کا ناقص العقل جنس کی پرستش کرنا کیا یہ حسّی اور ظاہری حماقت اور ضلال بعید نہیں اور جس وقت شیطان سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے بارگاہ خداوندی سے ملعون اور مردود ہوا تو اس وقت اس نے یہ کہا کہ میں تو غارت ہو ہی چکا مگر اولاد آدم کے غارت کرنے میں بھی کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھوں گا اور اے پروردگار میں تیرے بندوں میں ایک معین حصّہ جو تیرے علم ازلی میں مقرر اور معین ہے ضرور لے کر رہوں گا یعنی اے پروردگار تیرے کچھ بندے تجھے چھوڑ کر میری راہ پر ہو لیں گے تو اس طرح تیرے بندوں میں میرا حصّہ بھی ضرور ہو گا اور عقائد میں ان کو طریق ہدایت سے ضرور گمراہ کرونگا اور بہکاؤں گا اور اعمال زندگانی میں ان کو طرح طرح کی امیدوں اور آرزوؤں میں ضرور مبتلا کروں گا تاکہ بے دھڑک ہو کر وہ تیری معصیتیں کریں جنے کہ جزاء و سزا اور آخرت کا ان کو خیال بھی نہ آئے اور میں انہیں ضرور اعمال کفریہ و رسوم شرکیہ کا حکم دوں گا کہ وہ میرے حکم سے بتوں کے نام پر جانوروں کے کان کاٹیں گے مشرکین عرب کا یہ دستور تھا کہ جب اونٹنی پانچ بچے جن لیتی اور پانچواں بچہ نر ہوتا تو اس کے کان چیر کر بتوں کے نام پر اس کو چھوڑ دیتے نہ اس کا دودھ پیتے اور نہ اس پر سوار ہوتے اور نہ اس کی اُون سے منتفع ہوتے اور یہ سمجھتے کہ یہ فعل خدا کے تقرب کا ذریعہ ہے اس آیت میں اسی رسم کی طرف اشارہ ہے اور میں ان کو یہ حکم بھی ضرور دوں گا جس سے وہ اللہ کی بنائی ہوئی صورت کو بگاڑیں گے جیسے داڑھی منڈانا اور بتوں کے نام کی سر پر چوٹی رکھنا اور عورتوں کا اپنی کھال کو گدوانا اور اپنے بالوں میں دوسرے بال وصل کرانا وغیرہ وغیرہ۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ مردوں کا سیاہ خضاب کرنا اور مردوں کا عورتوں کے مشابہ بننا اور عورتوں کا مردوں کے مشابہ اور ہم لباس بنناوہ بھی تغیر خلق اللہ میں داخل ہے۔

خلاصہ مطلب یہ کہ شیطان تمہارا ازلی دشمن اور حاسد ہے اور وہ اپنی دشمنی کو صاف ظاہر بھی کر چکا ہے اور جب حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے جنت سے نکالا گیا تھا تو اس وقت یہ کہہ کر آیا تھا کہ اے خدا میں تیرے بندوں کو ضرور گمراہ کروں گا تو اس واضح دشمنی اور عداوت کے بعد کیوں اس کی پیروی کرتے ہو اور اس کے بہکانے پر کیوں عمل کرتے ہو اور کیا لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ جو خدا کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا دوست بنلائے اور اس کے مشوروں پر چلے تو وہ صریح نقصان میں جا پڑا کہ جنت کو فروخت کر کے جہنم خرید لی شیطان ان سے وعدے کرتا ہے اور طرح طرح کی امیدیں ان کو دلاتا ہے شیطان کے پاس سوائے زبانی وعدوں اور خیالی آرزوؤں کے کیا رکھا ہے اور نہیں وعدہ کرتا شیطان ان سے مگر خالص دھوکے اور فریب کا یعنی شیطان لوگوں سے وعدے کرتا ہے کہ دنیا کی لذتیں ہمیشہ ان کو نصیب ہوتی رہیں گی اور حساب و کتاب سب ڈھکوسلہ ہے اور جو شخص حساب و کتاب اور قیامت کے انکار پر آمادہ نہیں ہوتا اسے یہ آرزو دلاتا ہے کہ ابھی زندگی بہت پڑی ہے جلدی کیا ہے اخیر وقت میں توبہ کر لینا جیسا کہ کسی شاعر نے

کہا ہے ۔

ناصحا توبہ کی جلدی کیا ہے ؎ یہ بھی کر لیں گے جو فرصت ہو گی

حق تعالیٰ فرماتے ہیں خوب سمجھ لو کہ شیطان کے وعدے سب جھوٹے ہیں ایسے ہی لوگ جنہوں نے شیطان کو اپنا رفیق بنایا ہے ان سب کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ کبھی اس دوزخ سے مفر اور مخلصی نہ پائیں گے یعنی اس سے بھاگ کر کبھی رہائی نہ پاسکیں گے اور برخلاف ان کے جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے عنقریب ہم ان کو ایسے باغوں میں داخل کریں گے کہ ان کے درختوں کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی اور ان باغات میں ان کا داخل ہونا عارضی نہ ہو گا بلکہ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے خدا تعالیٰ نے ان سے اس کا پکا اور سچا وعدہ کیا ہے اور خدا تعالیٰ سے بات میں کون زیادہ سچا ہو سکتا ہے اور جب تم کو یہ معلوم ہو چکا تو تم کو چاہیے کہ اللہ کے وعدوں پر بھروسہ کر کے عمل کرو شیطان کے جھوٹے وعدوں پر بھروسہ کر کے دھوکہ میں نہ آؤ اس لیے کہ آخرت کا ثواب اے مسلمانو نہ تمہاری آرزوؤں پر ہے اور نہ اہل کتاب کی آرزوؤں پر ہے خالی آرزوؤں اور تمناؤں سے کام نہیں چلتا جب تک کہ ایمان اور عمل صالح نہ ہو اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ ایک مرتبہ اہل کتاب اور اہل اسلام میں گفتگو ہوئی اہل کتاب نے کہا ہماری کتاب مقدم ہے اور ہمارے نبی تمہارے نبی سے مقدم ہیں اور مسلمانوں نے کہا ہمارے نبی خاتم الانبیاء ہیں اور ہماری کتاب تمام کتابوں کی ناسخ ہے لہٰذا ہم تم سے بہتر ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ قرب خداوندی اور اُخروی کامیابی محض تمناؤں سے حاصل نہیں ہو سکتی بلا ایمان اور بلا عمل صالح عقبیٰ کی راحت کی توقع رکھنا سراسر نادانی ہے قانون خداوندی یہ ہے کہ جو برا کام کرے گا سزا پائے گا اور آخرت کے دن وہ اللہ کے سوا کسی کو اپنے لیے نہ حمایتی پائے گا اور نہ مددگار جو اس کو خدا کے عذاب سے چھڑائے اور جو شخص نیک عمل کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مؤمن ہو یعنی مسلمان ہو پس یہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور تل برابر بھی ان پر ظلم نہ کیا جائے گا اور مؤمن کی قید اس لیے لگائی کہ بغیر ایمان اور اسلام کے کسی عمل صالح کا اعتبار نہیں مطلب یہ ہے کہ عمل صالح کا اہتمام کرو محض تمنا اور نری آرزو کافی نہیں اب اہل کتاب کے اس خیال کی تردید فرماتے ہیں کہ ان کا دین مسلمانوں کی دین سے بہتر ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور اہل کتاب کا یہ خیال کہ ان کا دین مسلمانوں کے دین سے بہتر ہے محض غلط ہے کیونکہ باعتبار دین کے اس شخص سے کون اچھا ہو سکتا ہے کہ جو اپنے چہرہ یعنی اپنی ذات کو خدا کے سپرد کر دے یعنی سراپا خدا کا مطیع اور فرمانبردار بن گیا ہو درانحالیکہ وہ مخلص ہو اور ملت ابراہیمی کا پیرو ہو جو کہ حنیف تھے یعنی ماسوی اللہ سے یکسو تھے یعنی دین اسلام سے بہتر اور کوئی دین نہیں کیونکہ مسلمانوں نے اپنے آپکو خدا کے حوالہ اور سپرد کر دیا ہے جو حکم وہ دیتا ہے وہی کرتے ہیں اور مخلص اور نیکوکار ہیں اور ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ پر ہیں جو خدا کے خاص الخاص بندہ تھے اور

جن کو خدا نے اپنا جانی دوست بنایا تھا اور جو بڑے موحد تھے اور سب سے الگ ہو کر ایک طرف یعنی ایک خدا کی طرف ہو رہے تھے اور تمام حنفاء اور موحدین کے مقتدا اور پیشوا تھے اور انبیاء و مرسلین کے جدِ امجد تھے تو ان کی راہ سب راہوں سے زیادہ بہتر ہوگی اور دین اسلام ہی حضرت ابراہیمؑ کا مذہب تھا تو جب مسلمانوں کی یہ کیفیت ہے تو پھر اُن کے دین سے بڑھ کر کس کا دین ہو سکتا ہے لہٰذا آخرت کی نعمتیں انہیں لوگوں کو ملیں گی جو ملت ابراہیمی کے خط کے متبع ہوں گے یعنی حنیف اور موحد ہوں گے اور کسی کو خدا کا شریک اور بیٹا نہ سمجھتے ہوں اور اس وجہ سے کہ ابراہیمؑ سب کو چھوڑ کر ایک خدا کے ہو گئے تھے اللہ نے ابراہیمؑ کو اپنا خالص دوست بنایا جن کے خِلال قلب میں اللہ کی محبت اور عظمت ایسی سرایت کر چکی تھی کہ کسی غیر کی اس میں گنجائش باقی نہ رہی تھی اور پورے طور پر وہ خدا کے مطیع اور فرمانبردار ہو چکے تھے پس مسلمان اسی ابراہیم خلیل اللہ کے طریقہ پر ہیں جو حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ سب پر مقدم ہیں حنیف اس شخص کو کہتے ہیں جو بصیرت کے ساتھ غیر اللہ کو چھوڑ کر بالکلیہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائے۔

اور خلیل اللہ وہ شخص ہے جو حق تعالیٰ کی محبت میں اس درجہ فنا ہو چکا ہو کہ طبعی اور فطری طور پر اس کا ارادہ اور اختیار اور رغبت اللہ کے حکم کے تابع ہو جائے اور خلیل اللہ ہونا بارگاہ خداوندی میں تقرب کا اعلیٰ ترین مقام ہے اور یہ مقام ہمارے نبی اکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حاصل تھا جیسا کہ صحیحین (بخاری و مسلم) میں ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مرض الوفات میں جو آخری خطبہ دیا اس میں یہ فرمایا۔

امابعد ایھا النّاس فلو کنت متخذًا من اھل الارض خلیلا لاتخذت ابابکر بن ابی قحافۃ خلیلا ولکن صاحبکم خلیل اللہ	امابعد اے لوگو اگر میں کسی کو اہل زمین سے اپنا خلیل بناتا تو ابوبکر بن ابی قحافہ کو اپنا خلیل بناتا لیکن تمہارا صاحبِ خطاب (یعنی ذات قدسی) خلیل اللہ ہے یعنی اللہ کا خلیل ہے

اور جندب بن عبد اللہ البجلیؓ اور عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ اور عبد اللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ان اللہ اتخذنی خلیلا کما اتخذ ابراھیم خلیلا	تحقیق اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اپنا خلیل بنایا ہے جس طرح ابراہیم کو اپنا خلیل بنایا تھا۔

اس مضمون کی روایتیں تفسیر ابن کثیر ص۵۶۰ ج ۱ میں مذکور ہیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم خلیل اللہ ہونے کے علاوہ حبیب اللہ بھی تھے جیسا کہ ترمذی کی ایک روایت میں ہے انا حبیب اللہ ولا فخر۔ غرض یہ کہ ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو مقام خلت اور مقام محبت دونوں حاصل تھے بعض محققین کا قول ہے کہ محبت کا دائرہ خلت کے دائرہ سے زیادہ وسیع ہے تفصیل کیلئے روح المعانی

صنہ۱۴ ج ۵ کو دیکھیے

خلاصۂ کلام یہ کہ حضرت ابراہیمؑ کی فضیلت اور بزرگی اور ان کا تقدمِ زمانی اور رُتبی تمام ملل اور امم میں مسلّم ہے کہ وہ خلیل اور حنیف تھے یعنی فانی فی اللہ اور باقی باللہ تھے اور دین اسلام اپنے اندر ملت ابراہیمی کو مع شیٔ زائد سموئے ہوئے ہے۔

دین اسلام ملت ابراہیمی کے علاوہ اور بہت سے علوم اور احکام پر مشتمل ہے اور توحید و تفرید اور انقیاد ظاہری و باطنی اور اخلاص کامل اور فنار فی اللہ اور بقار باللہ کی تعلیم و تلقین کرتا ہے تو اس سے بڑھ کر اور کونسا دین ہوسکتا ہے اور یہودیت اور نصرانیت میں سوائے گمراہانہ عقیدۂ ابنیت و کفارہ کے اور سوائے جاہلانہ آرزوؤں کے اور کیا رکھا ہے بس عیسائیوں کا یہ گمان کہ تمام گناہ حضرت مسیح اٹھا کر لے گئے اور اب ہم شریعت اور حلال و حرام کی قید سے آزاد ہیں اور اسی طرح یہودیوں کا یہ گمان کہ ہم پیغمبروں کی اولاد ہیں اور ہم خدا کے دوست ہیں ہمیں دوزخ میں جانا نہیں پڑے گا اور اگر جائیں گے بھی تو تھوڑے دنوں کے لیے اور پھر ہمارے باپ دادا جو پیغمبر تھے وہ ہم کو چھڑا لائیں گے یہ سب یہود و نصاریٰ کی آرزوئیں ہیں جن سے کچھ کام نہیں چلتا اطاعت کے بغیر نجات ممکن نہیں اور ان آیات سے فرقہ مرجیہ کا بھی رد ہوگیا جو یہ کہتے ہیں کہ فقط ایمان نجات کے لیے کافی ہے اور اعمال صالحہ ضروری نہیں حسن بصریؒ فرمایا کرتے تھے کہ ایمان صرف آرزو کا نام نہیں تا وقتیکہ دل میں اعتقاد نہ ہو اور عمل اس کی تصدیق نہ کرے۔

پس ثابت ہوا کہ یہود و نصاریٰ کا دعویٰ باطل ہے اور دین اسلام سے بہتر کوئی دین نہیں اور دین اسلام کے سوا کوئی دین مقبول نہیں اور مسلمانوں سے زیادہ کوئی گروہ حضرت ابراہیمؑ سے قریب نہیں کما قال تعالیٰ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ اور یہود اور نصاریٰ اخلاص اور توحید اور اسلام اور احسان سے جو حضرت ابراہیمؑ کا طریق تھا کوسوں دور ہیں پس ان کا یہ دعویٰ کہ ہم ملت ابراہیمی پر ہیں بالکل غلط ہے اور اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمان میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے یعنی جب وہ آسمان اور زمین کی سب چیزوں کا مالک ہے تو ابراہیمؑ کا بھی وہی مالک اور خدا ہے اور ابراہیمؑ اس کے بندہ ہیں اس مالک مطلق نے اپنے اختیار سے ابراہیمؑ کو اپنا خلیل اور مقرب بنایا مقام خُلّت سے اُن کو شرف اور عزت حاصل ہوئی مگر دائرۂ عبودیت اور مملوکیت سے باہر نہیں ہوئے اور ہے اللہ تعالیٰ ہر چیز کا اپنی قدرت اور علم و حکمت سے احاطہ کرنے والا کوئی شئی اس کے احاطۂ قدرت اور قہر سے باہر نہیں پس وہی ذات اس قابل ہے کہ خالص اسی کی بندگی کی جائے اور کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ کیا جائے اور یہود اور نصاریٰ اور مشرکین عرب سب شرک میں مبتلا ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سب کے اعمال کو اپنے احاطہ میں لیے ہوئے

ہے پس قیامت کے دن ضرور ان کے اعمال کی ان کو سزا دے گا۔

وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ۭ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ

اور تجھ سے رخصت مانگتے ہیں عورتوں کی تو کہہ اللہ

فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ

تم کو رخصت دیتا ہے اُن کی اور وہ جو تم کو سناتے ہیں کتاب میں

يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَ

سو حکم ہے یتیم عورتوں کا جن کو تم نہیں دیتے جو ان کا مقرر ہے اور

تَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ

چاہتے ہو کہ ان کو نکاح میں لو اور مغلوب لڑکوں کا

الْوِلْدَانِ ۙ وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ۭ وَمَا تَفْعَلُوْا

اور یہ ہے کہ قائم رہو یتیموں کے حق میں انصاف پر اور جو کروگے بھلائی

مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ﴿۱۲۷﴾ وَاِنِ امْرَاَةٌ

سو وہ اللہ کو معلوم ہے اور اگر ایک

خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا

عورت ڈرے اپنے خاوند کے لڑنے سے یا جی پھر جانے سے تو

جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۭ وَالصُّلْحُ

گناہ نہیں دونوں پر کہ کرلیں آپس میں کچھ صلح اور صلح

خَيْرٌ ۭ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ۭ وَاِنْ تُحْسِنُوْا

خوب چیز ہے اور جیوں کے سامنے دھری ہے حرص اور اگر تم نیکی کرو

وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿١٢٨﴾ وَ

اور پرہیزگاری کرو تو اللہ کو تمہارے سب کام کی خبر ہے اور

لَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ

تم ہرگز برابر نہ رکھ سکوگے عورتوں کو اگرچہ

حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ

اس کا شوق کرو سو نرے پھر بھی نہ جاؤ کہ ڈال رکھو ایک کو جیسے ادھر میں لٹکتی

وَإِنْ تُصْلِحُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُورًا

اور اگر سنوارتے رہو اور پرہیزگاری کرو تو اللہ بخشنے والا مہربان

رَحِيمًا ﴿١٢٩﴾ وَإِنْ يَتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِنْ

ہے اور اگر دونوں جدے ہوجاویں تو اللہ ہر ایک کو محفوظ

سَعَتِهِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيمًا ﴿١٣٠﴾ وَلِلّٰهِ مَا

کرے گا اپنی کشائش سے اور اللہ کشائش والا ہے تدبیر جانتا اور

فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا

اللہ کا ہے جو کچھ ہے آسمان اور زمین میں اور ہم نے کہہ رکھا ہے

الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَإِيَّاكُمْ أَنِ

پہلی کتاب والوں کو اور تم کو کہ

اتَّقُوا اللّٰهَ ۚ وَإِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

ڈرتے رہو اللہ سے اور اگر منکر ہوگے تو اللہ کا ہے جو کچھ ہے آسمان

وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيدًا ﴿١٣١﴾ وَ

و زمین میں اور اللہ بے پرواہ ہے سب خوبیوں سراہا اور

رجوع بسوئے احکام نساء و ولدان

قال تعالیٰ وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَاۗءِ ... الیٰ .... وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا

(ربط) حق جل شانہٗ نے اس سورۃ کو تقویٰ اور پرہیزگاری کے حکم سے شروع فرمایا اور عورتوں اور یتیموں کے حقوق کی ادائیگی کا حکم دیا اور مہر اور میراث کے بارہ میں زمانہ جاہلیت سے رسم چلی آرہی تھی کہ عورتوں اور بچوں کو میراث نہیں دیتے تھے اس ظالمانہ رسم کو باطل کیا اور فرمایا کہ یہ اللہ کی حدود ہیں ان سے ہرگز تعدی نہ کرنا دور تک سلسلۂ کلام اسی طرح چلا گیا کہ عورتوں اور یتیموں اور نکاح و مہر وغیرہ کے متعلق احکام بیان فرمائے اور پھر اللہ کی عبادت اور اہل قرابت اور فقراء و مساکین کے ساتھ سلوک اور احسان کا حکم دیا یہاں تک حقوق العباد کے متعلق تقویٰ کے احکام اور حدود الٰہیہ کا بیان ہوا.

اس کے بعد اہلِ کتاب کو توحید اور تقویٰ اور دین حق کی دعوت دی اور دور تک یہی سلسلۂ کلام چلا گیا اور درمیان میں آخرت کے متعلق مختلف مضامین آتے رہے جس سے اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آجائے اور قرآن کریم کا یہ خاص طریقہ ہے. کہ چند احکام بیان کرنے کے بعد اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی عظمت و جلال اور دار آخرت کی خوبی اور اعمال صالحہ کی ترغیب اور اعمال سیئہ

سے ترتیب ذکر کرتے ہیں اور وعدہ اور وعید اور ثواب اور عقاب کو ملا کر بیان کرتے ہیں دین حق کی طرف دعوت کا یہ بہترین طریقہ ہے اسی ترتیب کے مطابق جب اس سورت کے شروع میں عورتوں اور یتیموں کے احکام بیان فرمائے جو فروع دین سے تھے اور بعد میں اہل کتاب کے متعلق جو مضامین بیان ہوئے وہ زیادہ تر اصول دین سے متعلق تھے اب پھر عورتوں اور یتیموں کے احکام کی طرف رجوع فرماتے ہیں جس سے مقصود یہ ہے کہ حقوق العباد میں کسی کو ضعیف اور کمزور (عورت اور یتیم) سمجھ کر کوتاہی کرنا سراسر تقویٰ کے منافی ہے اور حدود اللہ سے تعدی ہے قرآن کریم کا یہ طریقہ نہیں کہ ایک موضوع سے متعلق تمام احکام کو ایک سیاق میں جمع کر دے یہ طریقہ مصنفین اور مؤلفین کا ہے قرآن کریم کا مقصد وحید ہدایت حق اور نصیحت اور موعظت اور تذکیر آخرت ہے اگر ایک مضمون کی تمام آیات کو ایک جگہ کر دیا جائے تو یہ مقصد فوت ہو جائے یا یوں کہو کہ گزشتہ آیات میں شرک اور اعمال شرک کا ذکر تھا اب ان آیات میں رسوم شرکیہ کو بیان کرتے ہیں جو عورتوں کے متعلق ہیں اور قریب العہد بجاہلیت ہونے کی وجہ سے فی الجملہ بعض مسلمانوں میں بھی موجود تھیں۔

شان نزول

زمانہ جاہلیت سے عرب میں یہ دستور چلا آرہا تھا کہ عورتوں اور بچوں کو میراث نہیں دیتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ میراث اسی کا حق ہے جو قبیلہ اور خاندان کی طرف سے دشمنوں سے لڑے۔

اور اگر کوئی یتیم لڑکی اپنے باپ سے مال کی وارث ہوتی اور پھر وہ کسی کی ولایت اور پرورش میں ہوتی تو اگر وہ خوبصورت ہوتی تو اس کا ولی اور متولی خود اس سے نکاح کر لیتا مگر اس کا مہر پورا نہ دیتا اور اگر وہ لڑکی بدصورت ہوتی تو نہ خود اس سے نکاح کرتا اور نہ کسی دوسرے شخص سے اس کا نکاح کرتا تاکہ اس لڑکی کا مال دوسرے کے قبضہ میں نہ چلا جائے اس پر سورۂ نساء کی شروع کی آیتیں نازل ہوئی جس میں عورتوں اور یتیموں کے حقوق اور ان کی میراث کے احکام مفصل بیان کر دیئے گئے۔

سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ جب قرآن کریم میں احکام میراث نازل ہوئے تو لوگوں پر یہ چیز (طبعاً) شاق ہوئی اور یہ کہنے لگے کہ کیا لڑکا اور عورت بھی مرد کی طرح وارث ہوں گے (اور اپنے خیال میں یہ سمجھے کہ لڑکا اور عورت قابل میراث ہی نہیں) اس لیے یہ گمان کیا کہ شاید یہ حکم وقتی طور پر دیا گیا ہو اور بعد چندے یہ حکم منسوخ ہو جائے اور نسخ کی توقع اور انتظار میں رہے جب دیکھا کہ اس حکم کا کوئی ناسخ بھی نازل نہیں ہوتا تو پھر مشورہ یہ ہوا کہ ہم کو خود جا کر حضور پر نورؐ سے دریافت کرنا چاہیے چنانچہ حاضر ہو کر دریافت کیا اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَآءِ الآیات اخرجہ ابن جریر و ابن المنذر عن سعید بن جبیر

(تفسیر در[1] منثور ص۲۳۱ ج ۲ و روح المعانی ص۱۴۳ ج ۵)

بخاری اور مسلم میں عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ جب لوگوں نے عورتوں اور یتیموں کے حقوق میں کوتاہی کی تو اس پر سورۂ نساء کی شروع کی آیتیں نازل ہوئیں بعد چندے صحابہ نے پھر عورتوں کے متعلق کچھ مسائل دریافت کیے اس پر یہ آیت (وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ الی آخرھا) نازل ہوئی غالبا صحابہ کرام کا دوبارہ سوال سے مقصد یہ ہوگا کہ شاید احکام سابقہ میں کوئی ترمیم و تنسیخ یا تخفیف ہو جائے۔

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی جس کا حاصل یہ ہے کہ اس باب میں جو حکم نازل ہو چکا ہے وہ قطعی ہے اور وہ اسی طرح قائم رہے گا اور اس میں کوئی تغیر و تبدل نہ ہوگا عورتوں کے نکاح اور ان کی میراث اور یتیم لڑکیوں کے ساتھ نکاح کا جو حکم پہلے بیان ہو چکا ہے وہ بدستور قائم ہے اسی پر عدل و انصاف اور ایمانداری کے ساتھ عمل کرو اور خدا تعالیٰ اور اس کی کتاب نے تم کو جو فتویٰ دیا ہے اس کی پابندی کرو غرض یہ کہ ان آیات میں عورتوں کے متعلق کچھ احکام بیان فرماتے ہیں میراث کی تخصیص نہیں اور بعض مفسرین نے جو میراث کا ذکر کیا ہے وہ بطور تخصیص نہیں بلکہ بطور تمثیل ہے اس لیے ان آیات میں میراث کے علاوہ اور بھی احکام بیان کیے ہیں

شیخ الاسلام ابو السعودؒ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عورتوں کے متعلق مختلف مسائل دریافت کیے جن امور کا حکم پہلے نازل ہو چکا تھا اس آیت میں ان کا حوالہ دے دیا گیا اور جو مسائل اور امور ایسے تھے جن کا حکم پہلے بیان نہ ہوا تھا ان کا حکم ان آیات میں بیان کر دیا گیا

[1] اخرج ابن جریر و ابن المنذر عن سعید بن جبیر قال کان لا یرث الا الرجل الذی قد بلغ ان یقوم فی المال ویعمل فیہ ولا یورث الصغیر ولا المرأۃ شیئا فلما نزلت المواریث فی سورۃ النساء شق ذلک علی الناس وقالوا ایرث الصغیر الذی لا یقوم فی المال والمرأۃ التی ھی کذلک فیرثان کما یرث الرجل فرجوا ان یاتی فی ذلک حدث من السماء فانتظروا فلما رأوا انہ لا یاتی حدث قالوا لئن تم ھذا انہ لواجب ما عنہ بد ثم قالوا سلوا فسألوا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فانزل اللہ تعالیٰ وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ وَمَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ فی اول السورۃ فِي يَتَامَى النِّسَاءِ اللَّاتِي لَا تُؤْتُونَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُونَ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ (کذا فی الدر المنثور ص۲۳۱ ج ۲)

(تفسیر ابی السعودؒ برحاشیہ تفسیر کبیر ص۲۱ ج ۲)

چنانچہ عورتوں پر ظلم کی حرمت کے بارہ میں تو ابتداء سورت کی آیتوں کا حوالہ دیا گیا کہ وہاں یہ مسئلہ بیان ہو چکا ہے اور دوسرا مسئلہ عورتوں کے نشوز اور ایک بیوی کی طرف میلان کلی اور دوسری بیوی سے اعراض اور بوقت ضرورت اجازت طلاق کا مسئلہ تھا اس کا حکم ان آیات میں بیان کر دیا گیا چنانچہ فرماتے ہیں اور لوگ آپ سے عورتوں کے بارہ میں فتوے پوچھتے ہیں کہ ہم ان کے ساتھ کس قسم کا برتاؤ رکھیں اور بعض یہ امید رکھتے ہیں کہ عورتوں کے بارے میں جو احکام سابق میں نازل ہو چکے ہیں شاید ان میں کچھ تخفیف ہو جائے آپ کہدیجئے کہ اللہ تم کو ان کے بارہ میں وہی فتوی اور حکم دیتا ہے جو پہلے دے چکا ہے اور وہ آیتیں بھی تم کو فتویٰ دیتی ہیں جو کتاب الٰہی میں تم پر ان یتیم عورتوں کے بارہ میں پڑھی جاتی ہیں جن کو تم وہ حقوق نہیں دیتے جو میراث اور مہر وغیرہ کے بارہ میں ان کے لیے مقرر کیے گئے ہیں اور اگر وہ عورتیں صاحب مال ہوں مگر صاحب جمال نہ ہوں تو چاہتے ہو کہ بغیر حقوق ادا کیئے تھوڑے سے مہر پر ان سے نکاح کر لو تاکہ یہ مال کہیں اور نہ چلا جائے اس لیے کسی اور سے اس کو نکاح نہیں کرنے دیتے اس لیے حکم یہ ہے کہ اگر اس کا حق ادا نہ کر سکو تو نکاح میں نہ لاؤ اور کسی اور کو دے دو تاکہ تم اس کے حمایتی اور سرپرست رہو اور اگر ولی خود اس لڑکی کے حقوق ادا کرے تو اجازت ہے کہ ولی اس کو اپنے نکاح میں لا دے کیونکہ جو خاطر اور مدارات تم کر سکتے ہو وہ غیر نہیں کر سکتا اور جو آیتیں ناتواں اور کمزور بچوں کے حقوق کی حفاظت کے بارہ میں پڑھی جاتی ہیں وہ بھی تم کو فتوی دیتی ہیں اور حکم خداوندی سے تم کو آگاہ کرتی ہیں اور اس بارہ میں تم کو حکم دیتی ہیں کہ یتیموں کے بارہ میں عدل اور انصاف کو قائم رکھو اور اس کے علاوہ جو بھلائی

لہ قال شیخ الاسلام ابو السعود قال تعالیٰ وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَآءِ ای فی حقهن على الاطلاق کما ینبئ عنه الاحکام الآتیة لا فی حق میراثهن فانه صلے اللہ علیه وسلم قد سئل عن احوال کثیرة مما یتعلق بهن فما بیّن حکمه فیما سلف احیل بیانه علی ما ورد فی ذلك من الکتاب وما لم یُبیّن حکمه بعد بیّن ههنا. (تفسیر ابی السعود ص۲۱ ج ۲) وکذا فی روح المعانی ص۱۴۲ ج ۵ وما ورد من تخصیص ذکر المیراث فی تفسیر الاستفتاء فهو علی سبیل التمثیل لا علے سبیل التخصیص لان اللہ تعالیٰ قد ذکر فی الآیة احکاما سوی احکام المیراث فافهم

لہ شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہٗ اپنے فارسی ترجمہ کے فوائد میں لکھتے ہیں جواب این استفتاء تفصیلے داشت پس خدا تعالیٰ بعض مسائل را حوالہ فرمود بر آیات (و آن مسئلہ تحریم ظلم بر یتامی النساء است و بعض را اینجا جواب داد و آں مسئلہ نشوز و تحریم میل کلی بیک زن و اعراض از زن دیگر و اباحت طلاق در صورت ضرورت) واللہ اعلم.

اور نیکی کروگے وہ سب اللہ کو معلوم ہے تم کو اس کی جزاء خیر دینگے مطلب یہ ہے کہ سورت کے شروع میں عورتوں اور یتیموں کے بارہ میں جو آیتیں نازل ہو چکی ہیں وہ اب بھی حسب سابق واجب العمل ہیں جیسا کہ وَاِنْ خِفْتُمْ اَنْ لَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى یتامیٰ النساء کے بارہ میں نازل ہوئی اور وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَھُمْ بِالْقِسْطِ یتیموں کے اموال کی حفاظت کے بارہ میں نازل ہوئی۔

اور بعد ازاں آیت لَا تَاْكُلُوْھَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا میں اور مزید تاکید فرمادی اور لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ الخ میں سب کی میراث کو مجملاً اور يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ الخ میں مرد اور عورت کی میراث کو مفصلاً بیان فرمایا اور وَلَا تَعْضُلُوْھُنَّ میں عورتوں پر نکاح کے بارہ میں جو ظلم و زیادتی کرتے تھے اس کی ممانعت فرمائی حاصل مطلب آیت کا یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ تم کو یتیم عورتوں اور بچوں کے حق میں وہی فتویٰ اور حکم دیتا ہے جو اس سورت کے شروع آیتوں میں تم کو سنا دیا گیا اور اب پھر اجمالاً تمکو سنایا جاتا ہے کہ جو احکام عورتوں اور یتیموں کے بارہ میں پہلے نازل ہو چکے ہیں ان پر عمل کرو اور جو کوئی ان کے بارہ میں تم سے کچھ دریافت کرے تو یہ کہدو کہ اس کا جواب اور حکم وہی ہے کہ جو پہلے سورۂ نساء کے شروع میں بیان ہو چکا ہے جن سب کا خلاصہ اور اجمال یہ ہے وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ یعنی یتیموں کے بارہ میں انصاف پر قائم رہو۔

بیان بعض احکام متعلقہ بہ معاشرۂ زوجین

قال تعالیٰ وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِھَا نُشُوْزًا ..... الٰے ..... وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا

اوپر آیتوں میں ان احکام کا حوالہ تھا جو سورۂ نساء کے شروع میں گزر چکے اب یہاں سے عورتوں کے متعلق دوسرے نئے احکام کا بیان شروع ہوتا ہے جو میاں اور بیوی کے باہمی معاشرت سے متعلق ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور اگر کوئی عورت اپنے خاوند کی بدمزاجی یا بے التفاتی اور بے اعتنائی سے ڈرے مثلاً عورت بدشکل ہو یا بڑھیا ہو گئی ہو اور اس کو قرائن سے یہ معلوم ہو جائے کہ اسکا شوہر اس کو طلاق دینا چاہتا ہے یا دوسری بیوی کرنا چاہتا ہے تو ایسی صورت میں میاں بیوی پر گناہ نہیں کہ آپس میں صلح کر لیں مثلاً یہ کہ عورت اپنا نفقہ اور باری معاف کر دے یا کم کر دے اور مرد اس کو اپنے نکاح میں رہنے دے اور طلاق اور مفارقت اور باہمی منازعت سے صلح ہی بہتر ہے عورت کو اس بات پر ضد نہ کرنی چاہیے کہ وہ اپنا پورا ہی حق لے گی اور مرد کو اس بات پر نہ اڑنا چاہیے کہ وہ اس کو جدا ہی کر کے رہے گا اور طبیعتیں حرص اور بخل پر حاضر کر دی گئی ہیں یعنی حرص اور بخل انسان کی سرشت میں رکھا ہوا ہے مرد اور عورت کوئی بھی اپنے حق اور نفع میں کمی نہیں کرنا چاہتا ہر ایک اپنے لیے حریص اور بخیل ہے مگر آدمی کو چاہیے کہ اپنی حرص اور بخل کو دبائے اور دوسرے کے ساتھ سلوک کرے اور اے مردو اگر تم عورتوں کے ساتھ سلوک

اور احسان کرو اور ان کی حق تلفی سے بچو تو بے شک جو کچھ بھی تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے تمہیں اس کی جزاء دے گا اور ہم تم کو بتلائے دیتے ہیں کہ تم متعدد بیبیوں کے درمیان پوری برابری ہر گز نہیں کر سکتے گو تم کتنا ہی چاہو یعنی جس شخص کی کئی بیبیاں ہوں تو یہ اس کے قدرت اور اختیار سے باہر ہے کہ محبت اور میلان قلبی میں سب کو برابر رکھے کیونکہ سب صورت اور سیرت میں سب برابر نہیں تو سب کے ساتھ محبت کیونکر ہو سکتی ہے جب متعدد عورتوں میں پوری برابری نہیں کر سکتے تو ایسا بھی نہ کرو کہ بالکل اور ہمہ تن ایک ہی کی طرف جھک جاؤ اور دوسری بی بی کو معلق (ادھر میں لٹکی ہوئی) چھوڑ دو نہ بیوہ ہی ہے اور نہ خاوند ہی والی نہ نکاح کر سکتی ہے اور نہ شوہر سے فائدہ ہی اٹھا سکتی ہے مطلب یہ ہے کہ اگر محبت اور میلان قلبی میں مساوات نہیں کر سکتے تو یہ بھی نہ کرو کہ تقسیم نوبت اور نفقہ میں بھی ایک ہی طرف کو جھک پڑو یہ تو تمہاری قدرت میں ہے کہ تقسیم نوبت اور نفقہ وغیرہ میں سب کے ساتھ یکساں سلوک رکھو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو باوجودیکہ عائشہ صدیقہؓ سے زیادہ محبت تھی (اس لیے کہ عائشہ صدیقہ کمالات باطنی میں مریم صدیقہ کا نمونہ تھیں اور صدیقہ بنت صدیق تھیں) مگر پھر بھی تمام ازواج کے حقوق برابر ادا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اے اللہ میں اختیار کے موافق ہر ایک کا حق برابر ادا کرتا ہوں مگر جو امر میرے اختیار میں نہیں یعنی قلبی محبت اس میں تو مجھ کو معذور رکھ اور اگر تم اصلاح کر لو یعنی گزشتہ میں جو بے انصافی کر چکے ہو اس کی تلافی کر لو اور آیندہ کے لیے عورت کے حق میں ناانصافی سے بچتے رہو تو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے تمہاری گذشتہ کوتاہیوں اور خطاؤں کو معاف کر دے گا اور اگر صلح اور موافقت کی کوئی صورت نہ ہو سکے اور میاں بیوی طلاق یا خلع کے ذریعہ ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں تو اللہ ہر ایک کو کفایت کرے گا اپنی وسعت سے یعنی خدا ہر ایک کا کارساز ہے مرد کو دوسری عورت مل جائے گی اور عورت کو دوسرا شوہر مل جائے گا اور روزی میں ایک دوسرے کا محتاج نہ رہے گا اور ہے اللہ وسعت والا اور حکمت والا اس کی تو انگری اور رحمت بہت وسیع ہے اور اس کے تمام احکام حکمت پر مبنی ہیں اور اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اس کی ملک ہے جس کو جتنا چاہے دے یہ اس کے واسع ہونے کی دلیل ہے اس سے بڑھ کر اور کیا وسعت ہو سکتی ہے کہ وہ آسمان اور زمین کی کل چیزوں کا مالک ہے.

وصیت ونصیحت

اب آگے بطور تتمہ ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ احکام عدل و انصاف کچھ تمہارے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ پہلی امتوں کو بھی ان احکام پر عمل کرنے کی تاکید کی تھی چنانچہ فرماتے ہیں اور البتہ تحقیق ہم نے تاکیدی حکم دیا ان لوگوں کو جنکو تم سے پہلے کتاب دیگئی یعنی یہود اور نصاریٰ اور تمام اہل کتاب کو تاکیدی حکم دیا ہے اور خاص تم کو بھی اسکی تاکید ہے کہ اللہ سے ڈرو یعنی تقویٰ اور پرہیزگاری اور خدا ترسی کا حکم شریعت قدیمہ ہے تمام امتوں کو اللہ نے اس کا حکم دیا ہے

سب آسمانی کتابوں میں اس کی تاکید اکید ہے اور اگر تم منکر ہو جاؤ یعنی اللہ کی وصیت کو نہ مانو تو تم کو خوب معلوم ہے کہ اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے تمہارے کفر سے اس کا کیا بگڑتا ہے اور ہے اللہ تعالیٰ تو انگر اور بے پروا اس کو تمہارے تقویٰ اور اطاعت کی ذرہ برابر احتیاج نہیں اور وہ ہر حال میں قابل تعریف ہے اس کی شان و شوکت تمہاری اطاعت پر موقوف نہیں کسی کی نافرمانی سے اس کی شان میں کوئی فرق نہیں آتا کوئی اس کی حمد و ثنا کرے یا نہ کرے وہ ہر حال میں حمید ہے اور اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ کافی کارساز ہے اس لیے کہ وہ قادر و مختار مطلق ہے لہذا اس کے سوا کسی اور پر بھروسہ نہ چاہیے اے لوگو! اگر وہ چاہے تو تم سب کو نابید کر دے اور تمہاری جگہ دوسروں کو لا بسائے اس کو تمہاری پروا کیا ہے اور ہے اللہ اس پر قادر یعنی وہ تمہارے نابید کرنے اور تمہاری جگہ دوسرے لوگوں کو آباد کرنے پر پوری قدرت رکھتا ہے لیکن یہ اس کی مہربانی ہے کہ اس نے تم کو ہلاک نہیں کیا تو تم ایسے حلیم و کریم کی اطاعت کیوں نہیں کرتے اس سے سرکشی کر کے اس کا کیا بگاڑو گے اپنا ہی نقصان کرو گے۔

فائدہ حق جل شانہ نے اس مقام پر تین دفعہ فرمایا لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ پہلی دفعہ میں وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا یعنی اللہ کی وسعت، جود و کرم اور کشائش کی دلیل بیان کرنا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں کسی چیز کی کمی نہیں اور دوسری بار اپنی بے نیازی اور بے پروائی کی دلیل بیان کرنا مقصود ہے کہ اللہ کو کسی کی اطاعت اور تقویٰ سے نفع نہیں اور سارے عالم کے کفر اور فسق و فجور سے اس کا کوئی نقصان نہیں اور تیسری بار میں اپنی کارسازی کی دلیل بیان کرنا مقصود ہے کہ اگر تم تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار کرو تو اللہ تمہارا کارساز ہے اس لیے کہ وہ زمین و آسمان کی سب چیزوں کا مالک ہے اور ایک ہی دلیل سے متعدد دعوؤں کو ثابت کرنا اور ہر دعوے کے بعد اسی دلیل کو لانا اہل ذوق کے نزدیک قند مکرر ہے۔

(ربط) آگے ارشاد فرماتے ہیں کہ سب مل کر اللہ کے دین پر قائم رہو اللہ تم کو دین اور دنیا دونوں ہی دے گا فقط دنیاوی فوائد کو مطمح نظر نہ بناؤ۔ چنانچہ فرماتے ہیں جو شخص اپنے اعمال کے صلہ میں صرف دنیا کا انعام چاہتا ہے تو یہ اس کی نادانی ہے اسے معلوم نہیں کہ اللہ کے یہاں دنیا اور آخرت دونوں کا انعام ہے تو جب اعلیٰ اور ادنیٰ سب اس کی قدرت میں ہیں تو اعلیٰ (آخرت) کو چھوڑ کر ادنیٰ اور خسیس یعنی دنیا کو مانگنا تو کیا یہ کمال ابلہی نہیں اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِيْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ اللہ تعالیٰ سے دنیا اور آخرت دونوں کی نعمتیں مانگو اس کے یہاں کسی چیز کی کمی نہیں اور اگر تم اللہ کے سچے محب اور مخلص ہو تو صرف اخروی ثمرات کو پیش نظر رکھو اور ہے اللہ سننے والا دیکھنے والا وہ بندوں کی دعائیں سنتا ہے کہ کون دنیا کی درخواست کرتا ہے اور کون آخرت کی اور

تمہاری نیتوں کو دیکھتا ہے کہ دل میں کیا چھپا ہوا ہے۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ كُونُوا۟ قَوَّٰمِينَ بِٱلْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰٓ أَنفُسِكُمْ أَوِ ٱلْوَٰلِدَيْنِ وَٱلْأَقْرَبِينَ ۚ إِن يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَٱللَّهُ أَوْلَىٰ بِهِمَا ۖ فَلَا تَتَّبِعُوا۟ ٱلْهَوَىٰٓ أَن تَعْدِلُوا۟ ۚ وَإِن تَلْوُۥٓا۟ أَوْ تُعْرِضُوا۟ فَإِنَّ ٱللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿۱۳۵﴾

اے ایمان والو قائم رہو انصاف پر گواہی دو اللہ کی طرف اگرچہ نقصان ہو اپنا یا ماں باپ کا یا قرابت والوں کا اگر کوئی محظوظ ہے یا محتاج ہے تو اللہ ان کا خیرخواہ ہے تم سے زیادہ سو تم جی کی چاہ نہ مانو اس بات میں کہ برابر سمجھو اور اگر تم زبان ملوگے یا بچا جاؤگے تو اللہ تمہارے کام سے واقف ہے

حکم لسبت ۲۹ وہم اقامت عدل و اداءِ شہادت حق

قَالَ تَعَالٰی یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ... الٰی ... بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا

(ربط) ابتداءِ سورت میں حق تعالیٰ نے عورتوں اور یتیموں کے حقوق کے بارہ میں عدل اور انصاف کا حکم دیا پھر اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىکَ اللّٰهُ کی تفسیر میں طعمہ بن اُبیرق منافق کا قصہ مذکور ہوا جو جھوٹی شہادت اور اہل خیانت کی حمایت سے متعلق تھا پھر وَیَسْتَفْتُوْنَکَ فِی النِّسَآءِ الخ کے ذیل میں وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْیَتٰمٰی بِالْقِسْطِ میں قیام عدل وانصاف کا حکم ہوا اب ان احکام مختلفہ کے بعد آیات ذیل میں حکام کو تو یہ حکم دیا جاتا ہے کہ تم مقدمات کا فیصلہ انتہائی عدل وانصاف کے ساتھ کرو فیصلہ میں ذرہ برابر کسی کی رعایت نہ کرو اور گواہوں کو یہ حکم دیا جاتا ہے کہ تم حق اور صدق کے ساتھ شہادت دو اور بلا رو رعایت سچی گواہی دو حتی کہ ماں باپ

عزیز و قریب کی بھی رعایت نہ کرو اور یہی دو چیزیں یعنی عَدل و انصاف اور شہادت حق، دُنیا اور آخرت کی صلاح اور فلاح کا اصل اصول ہیں اور تمام احکام سابقہ مع شئ زائد انہی دو چیزوں میں مندرج ہیں گویا کہ قیام عدل و ادار شہادتِ حق کا حکم احکام سابقہ کا تتمہ اور تکملہ ہے گزشتہ آیات میں عدلِ خاص کا ذکر تھا جو خاص عورتوں اور یتیموں سے متعلق تھا اب ان آیات میں عدل عام اور تام کا حکم دیتے ہیں جو تمام حقوق کو حاوی اور شامل ہو اور ان آیات میں اہل کتاب کو تنبیہ ہے کہ توریت و انجیل میں نبی آخر الزمان کی بشارت مذکور ہے تم اس کی شہادت کیوں نہیں دیتے اس کو چھپاتے کیوں ہو

قرآن کریم میں یہودیوں کی جا بجا جو مذمت بیان کی گئی ہے اس میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اَکّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ (رشوت خوار ہیں) یہود نے کتاب الٰہی میں تحریف کی اور امراء اور حکام کی خاطر احکام الٰہی کو بدلا اور رشوت لے کر فیصلے کیے اس لیے یہود پر ذلت اور مسکنت کی مہر لگا دی گئی اس وقت کے نام نہاد مسلمان حاکم جو رشوت لے کر فیصلے کر رہے ہیں وہ یہود کے نقش قدم پر جا رہے ہیں اسلام ان پر نفرین بھیجتا ہے چنانچہ فرماتے ہیں اے ایمان والو! تمہارے ایمان کا مقتضیٰ یہ ہے کہ ہو جاؤ تم تمام معاملات میں انصاف کے قائم رکھنے والے اور محض اللہ کی خوشنودی کے لیے سچی گواہی دینے والے اگرچہ اس گواہی کا نقصان اور ضرر تمہاری ہی جانوں پر پڑے یا تمہارے والدین پر یا رشتہ داروں پر یعنی گواہی میں اپنا اور اپنے والدین کا بھی خیال نہ کرو جو حق ہو وہ کہو چاہے اس میں کسی کا نفع ہو یا نقصان ہو حق کو کسی حال میں نہ چھپاؤ اگر وہ شخص جس پر تم گواہی دیتے ہو مالدار یا محتاج ہے تو اللہ تعالیٰ ان پر تم سے زیادہ مہربان ہے یعنی گواہی میں نہ مال دار کا پاس کرو اور نہ محتاج کا جو سچ ہو وہی کہو واللہ کو ان کے ساتھ تم سے زیادہ ہمدردی ہے پس گواہی میں نفسانی خواہش کی پیروی نہ کرنا کہ عدل و انصاف سے عدول کر جاؤ اور اگر تم گواہی میں پیچ دار بات کہو گے یعنی گول مول بات کہو گے صاف کھول کر حق کو بیان نہ کرو گے یا گواہی دینے سے اعراض اور کنارہ کشی کرو گے تو خوب سمجھ لو کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے وہ تمہیں اس گول مول اور پیچ دار گواہی کی اور حق کے اظہار سے اعراض کی ضرور سزا دیگا

مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَ
پہلے اور جو کوئی یقین نہ رکھے اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور
كُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا
کتابوں پر اور رسولوں پر اور پچھلے دن پر وہ دور پڑا بھول کر
بَعِيْدًا ﴿۱۳۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا
جو لوگ مسلمان ہوئے پھر منکر ہوئے پھر مسلمان ہوئے
ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ
پھر منکر ہوئے پھر بڑھتے رہے انکار میں اللہ ان کو بخشنے والا
لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ﴿۱۳۷﴾
نہیں اور نہ ان کو دکھوے راہ

بیان ارکان خمسۂ ایمان
وترغیب در ایمانے کہ نزد شرع صحیح ومعتبر باشد وذکر ذمائم منافقین

قَالَ تعالیٰ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ۔۔۔الخ ...... لَمْ یَکُنِ اللّٰهُ لِیَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِیَهْدِیَهُمْ سَبِیْلًا

(ربط) یہاں تک زیادہ تر احکام فرعیہ کا بیان ہوا اور قریب ہی میں اولین اور آخرین کو تقویٰ کی وصیت اور کفر سے بچنے کی تاکید اور ثواب آخرت کی ترغیب بیان فرمائی اور گذشتہ آیات میں عدل اور انصاف اور شہادت حق وصدق کی تاکید اکید فرمائی اور ظاہر ہے کہ تقویٰ و طہارت اور عدالت و شہادت حق اور آخرت کی فکر و رغبت کا تمام تر دار و مدار ایمان باللہ والیوم الآخر پر ہے اس لیے اب آیندہ آیات میں ایمان کے ارکان خمسہ کو بیان فرماتے ہیں اور یہ بتلاتے ہیں کہ شریعت میں کونسا ایمان صحیح اور معتبر ہے اور کونسا دعوائے ایمان غیر معتبر ہے پس جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور اس کے تمام رسولوں پر اور تمام فرشتوں پر اور اس کی تمام نازل کردہ کتابوں پر اور یوم آخرت پر اخلاص کے ساتھ ایمان لائے وہ ایمان تو شریعت میں معتبر ہے اور جو شخص محض ظاہری طور پر ایمان لائے اور دل

ہیں متردد اور مذبذب ہو یا اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کرتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کو تو مانتا ہو مگر پیغمبروں کو نہ مانتا ہو اور پیغمبروں کے اقوال و افعال کو حجت نہ سمجھتا ہو تو ایسا شخص پکا کافر اور منافق ہے پھر اس سلسلہ میں منافقین کے ذمائم کو بیان فرمایا اور ان کے ساتھ مجالست اور موالاۃ کی ممانعت فرمائی اور ضمن میں اہل کتاب کا بھی رد فرمایا جو دعویٰ ایمان کا رکھتے تھے اور جس نبی آخرالزمان کی بشارتیں توریت و انجیل میں مذکور ہیں اس پر ایمان نہیں لاتے اور نہ اس کی شہادت دیتے ہیں اور یہی شہادت کو چھپا کر لوگوں کے سامنے جھوٹی شہادت دیتے ہیں کہ یہ وہ نبی آخرالزمان نہیں جس طرح طعمہ کی قوم نے اپنی قوم کی رعایت سے جھوٹی گواہی دی تھی اسی طرح اہل کتاب بھی اپنی قوم کی رعایت سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بشارتوں کو چھپاتے ہیں اور آپ کے بارہ میں جھوٹی گواہی دیتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اے مسلمانو ایمان لاؤ خدا تعالیٰ پر اور اس کے رسول محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر جو عدالت اور راستی کے قائم کرنے کے لیے مبعوث ہوئے ہیں اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر نازل کی ہے یعنی قرآن مجید پر جو عدل اور احسان اور انصاف اور امانت و دیانت کے قائم کرنے کے لیے اتارا گیا ہے اور ان تمام کتابوں پر جو خدا نے انبیاء سابقین پر قرآن سے پہلے اتاری ہیں بغیر ان باتوں کا یقین کیے ہوئے خدا کے یہاں آدمی مسلمان نہیں ہو سکتا اس آیت میں حق تعالےٰ نے تین چیزوں پر ایمان لانے کا ذکر فرمایا (۱) اللہ تعالیٰ پر یعنی اس کی ذات و صفات پر (۲) اور اس کے رسول پر جو حق تعالیٰ کے نائب اور سفیر اور برگزیدہ بندہ ہیں (۳) اور قرآن پر اور ان تمام کتابوں پر جو اللہ تعالیٰ نے پہلے پیغمبروں پر نازل کی ہیں اور ملائکہ (فرشتے) اور روز قیامت پر ایمان لانے کا ذکر اس آیت میں نہیں فرمایا اس لیے کہ انبیاء کرام اور کتب الٰہیہ پر ایمان لانا ملائکہ اور یوم جزاء پر ایمان لانے کو مستلزم ہے گویا یہ تین امور تمام عقائد اسلامیہ کا اجمال اور خلاصہ ہیں مطلب[1] یہ ہے کہ جو شخص اسلام میں داخل ہو اس کے لیے تفصیلی طور پر ان چیزوں کی تصدیق ضروری ہے بغیر ان سب چیزوں کے ماننے مسلمان نہیں ہو سکتا۔

اس آیت میں اجمالاً صرف تین چیزوں پر ایمان لانے کا ذکر فرمایا اب آئندہ آیت میں ملائکہ اور یوم آخر یعنی روز جزاء کا بھی ذکر فرماتے ہیں جو اسی اجمال کی تفصیل ہے اور جو شخص اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کی کتابوں کا اور اس کے پیغمبروں کا اور روزِ آخرت کا منکر ہو وہ بے شک دور کی گمراہی میں جا پڑا یعنی جو شخص ایسا کرے وہ حد درجہ کا گمراہ ہے جس سے بڑھ کر کوئی گمراہی نہیں اللہ کا انکار تو کھلی گمراہی ہے اور اللہ کی کتابیں اور اللہ کے فرشتے اور اس کے پیغمبر ہی رشد اور

[1] شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں مترجم گوید مراد آنست کہ ہر کہ در ملت اسلامیہ داخل شد بہ تفصیل تصدیق ایں چیز ہا باید کرد ۔ ۱۲

ہدایت کا ذریعہ ہیں اس لیے ان کا انکار بھی سخت گمراہی ہے بلکہ انبیاء کرام کا انکار درحقیقت کلام خداوندی اور احکام خداوندی کا انکار ہے اور روز آخرت کے انکار کا مطلب یہ ہے کہ جزاء و سزا اور ثواب و عقاب اور جنت و جہنم سب غلط ہے ایسے شخص کی زندگانی انسانی زندگانی نہیں بلکہ حیوانی زندگی ہے کہ جہاں چاہا منہ مارا اور کھا لیا اور جس مادہ سے چاہا جفتی کر لی حیوانی زندگی میں حلال و حرام کی تقسیم نہیں اور نہ حیوان کو نکاح کی ضرورت ہے آج کل مغربی تہذیب کا یہی حال ہے۔

ذم مرتدین

(ربط، گزشتہ آیت میں اہل کفر کی مذمت مذکور ہوئی اب اس آیت میں مرتدین کے ایک خاص فرقہ کا بیان کرتے ہیں یا یوں کہو کہ گزشتہ آیت میں فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا فرمایا تھا اب اس آیت میں اصحاب ضلال بعید کا ذکر فرماتے ہیں کہ جو محض ظاہری طور پر اسلام کا کلمہ پڑھتے تھے اور کفر و نفاق ان کے دلوں پر اس درجہ چھایا ہوا تھا کہ ان کے دلوں سے ایمان کی استعداد ختم ہو چکی تھی بے شک جو لوگ پہلے تو مسلمان ہوئے پھر کافر اور مرتد ہو گئے پھر دوبارہ مسلمان ہوئے اور اس دوسری بار کے اسلام پر بھی قائم نہ رہے بلکہ پھر کافر ہو گئے پھر کفر میں بڑھتے چلے گئے یہاں تک کہ کفر کی حالت ہی میں ان کی موت آگئی تو اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہرگز نہیں بخشیں گے اور نہ ان کو راہ ہدایت دکھائیں گے یہ آیت منافقین کے خاص گروہ کے بارہ میں اتری ہے جو کبھی مسلمان ہوتے اور کبھی کافر جب مسلمانوں کے پاس آئے تو مسلمان بن گئے اور کافروں کے پاس گئے تو کافر بن گئے ایسے لوگ جو دین کو کھیل اور تماشہ بنا لیتے ہیں عادۃً ان کا دل مسخ ہو جاتا ہے پھر ان کو ایمان کی توفیق ہی نہیں ہوتی کہ اس پر مغفرت مرتب ہو سکے آیت کا یہ مطلب نہیں کہ اگر یہ لوگ اخلاص کے ساتھ اور صحیح طور پر ایمان لے آتے تو ان کا ایمان اور ان کی توبہ قبول نہ ہوتی ہزار بار کفر کے بعد بھی اگر صدق دل سے صحیح توبہ کرے تو وہ قبول ہے بلکہ آیت سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے دین کو کھیل و تماشہ بنا لیا ہے ایسے لوگ اللہ کی مغفرت اور ہدایت سے محروم کر دیئے گئے

بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۳۸﴾

خوشی سنا منافقوں کو کہ ان کو ہے دکھ کی مار

الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ

وہ جو پکڑتے ہیں کافروں کو رفیق مسلمان چھوڑ کر

سو عزت اللہ کی ہے ساری

ذمائم منافقین

قَالَ تَعَالٰی بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا .... الٰی .... فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۝

(ربط) پہلی آیتوں میں اہل کفر کا بیان تھا اب ان آیات میں منافقین کے ذمائم کو بیان فرماتے ہیں کہ یہ لوگ دنیا کے مقابلہ میں دین کی پروا نہیں کرتے کبھی کرسٹان بنتے ہیں اور کبھی مسلمان اور کفار و مشرکین کے جاہ و حشم کو دیکھ کر ان سے یارانہ جوڑتے ہیں کہ ہم کو عزت و شوکت حاصل ہو گی اور یہ لوگ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست بناتے ہیں حالانکہ ان کو یہ معلوم ہے کہ جس جگہ احکام الٰہی کا مذاق اڑایا جاتا ہو وہاں بیٹھنا بھی ناجائز ہے چہ جائیکہ اُن سے دوستی کی جائے چنانچہ فرماتے ہیں منافقین کو خوشخبری سنا دیجیے کہ ان کے لیے آخرت میں دردناک عذاب ہے کیونکہ یہ منافقین باوجود دعوائے اسلام کے مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں کیا وہ ان کے پاس عزت ڈھونڈتے ہیں یعنی یہ منافق جو مسلمانوں کو چھوڑ کر یہودیوں سے دوستی کرتے ہیں تو کیا ان کا خیال یہ ہے کہ یہودیوں کے پاس بیٹھنے سے ان کو دنیا میں عزت ملے گی یہ سب غلط ہے اور خیال خام ہے پس ان کو سمجھ لینا چاہیے کہ تحقیق بلاشبہ ساری عزت اللہ ہی کے لیے ہے اس کے سوا کون عزت دے سکتا ہے اسی عزیز مقتدر کی چوکھٹ پر سر ذلّت ٹیکنے ہی سے عزت ملتی ہے۔ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ۔

عزیزیکہ از درگہش سر بتافت ❊ بہر در کہ شد ہیچ عزت نیافت

جس کے پاس خود عزت نہیں وہ دوسروں کو کہاں سے عزت دیدے گا دنیا میں فرمانروائے سلطنت اور ارکان دولت سے تعلق اور ان کی وفاداری اور اطاعت شعاری سے عزت حاصل ہوتی ہے اور بادشاہ اور وزراء کی نافرمانی اور عدول حکمی اور دشمنان سلطنت اور باغیان حکومت سے دوستی اور آشنائی ذلیل و خوار بناتی ہے پس اسی طرح جو احکم الحاکمین کا اور اس کے وزراء اور سفراء یعنی انبیاء و مرسلین کا وفادار اور اطاعت شعار رہے گا بقدر وفاداری اور بقدر اطاعت شعاری اسکو بارگاہ خداوندی سے عزت حاصل ہو گی اور جو خدا اور اسکے رسول کا منکر اور باغی ہو گا وہ ذلیل و خوار ہو گا اور یہی ایمان اور کفر کی حقیقت ہے خداوند احکم الحاکمین اور

اس کے وزراء وسفراء یعنی انبیاء ومرسلین کے ساتھ حلف وفاداری کا نام ایمان ہے اور حلف وفاداری سے انکار کا نام کفر ہے نمرود اور فرعون اگرچہ دنیاوی تخت وتاج کے مالک تھے مگر حقیقی عزت حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور حضرت موسیٰ کلیم اللہ کو حاصل تھی "جوہر اگر در خلاب افتد ہماں نفیس است وغبار اگر برفلک رود ہماں خسیس"۔

عزت کی تعریف

کسی کی محبت اور عظمت کی بناء پر محض اس کے حکم پر جان اور مال اور آبرو قربان کر دینے کا نام عزت ہے یہ عزت سوائے انبیاء ومرسلین کے اور سوائے ان کے وارثوں کے کسی کو دنیا میں حاصل نہیں ہوئی ساری دنیا کو معلوم ہے کہ صحابہ کرام نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت اور عظمت کے جوش اور ولولہ میں بلا کسی مال ومنال اور بلا کسی دنیوی فائدہ اور غرض کے اپنے اہل وعیال اور خویش واقارب سب کو چھوڑ دیا بلکہ آپ کی محبت میں اپنے بیٹوں اور بھتیجوں اور بھانجوں اور خویش واقارب کا مقابلہ کیا اور غزوات میں بے دریغ ان پر تلوار چلائی اور سوائے آپ کی خوشنودی کے کوئی دنیاوی فائدہ ان کی نظروں کے سامنے نہ تھا کیا کوئی فرمانروا اور شہنشاہ اس عزت کا کوئی نمونہ دکھلا سکتا ہے

بخدائے ذوالجلال اگر اس بے مثال عزت کی زکوٰۃ (یعنی چالیسواں حصہ) نکالا جائے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندوں کو عطا فرمائی اور پھر اس کا چالیسواں حصہ کل عالم کے بادشاہوں اور شہنشاہوں پر تقسیم کر دیا جائے تو عزت ورفعت کے دولتمند بنجائیں۔

دنیا میں بڑے بڑے صاحب جاہ وجلال اور صاحب جود ونوال بادشاہ گذرے اور اپنے وفاداروں کی جائز اور ناجائز خواہشیں پوری کیں اور طرح طرح کے ان کو انعام دیئے مگر تاریخ عالم شاہد ہے کہ کسی زمانہ میں بھی کسی بادشاہ کا کوئی عاشق اور شیدائی نہیں ہوا بخلاف حضرات انبیاء ومرسلین کے کہ ہزاروں اور لاکھوں ان کے ایسے عاشق صادق اور شیدائی گزرے کہ مجنوں کی محبت بھی انکی محبت کے سامنے گرد ہے حالانکہ انبیاء کرام لوگوں کو لذات وشہوات اور ناجائز امور سے روکتے اور منع کرتے تھے۔

حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جب وضوء فرماتے یا تھوکتے یا سنکتے تو آپ کا تھوک اور سنک اور وضوء کا دھوون زمین پر نہیں گرتا تھا بلکہ صحابہ کرام اس کو اپنے ہاتھوں پر لے کر اس کو منہ پر مل لیتے تھے یہ تو محبت کا حال تھا اور عظمت کا یہ حال تھا کہ کسی کی مجال نہ تھی کہ بے محابا آپ کی طرف نظر اٹھا کر دیکھ سکے پس جس ذات بابرکات کی محبت اور عظمت دلوں میں ایسی راسخ ہو عزت اس کو حاصل ہے اور اصل عزت یہ ہے اور فوج اور پولیس کے چند ملازمین کا کسی امیر اور وزیر کے اردگرد کھڑے ہو جانے کا نام عزت نہیں بہت سے بہت اس کو عزت کی صورت اور نمائش کہا جا سکتا ہے عزت وہ ہے جو دل سے ہو جو لوگ انبیاء کے دشمن تھے دل سے

وہ بھی ان کی عزت کرتے تھے اور ان کی بد دعا سے ڈرتے تھے۔

نصیحت بہت سے نادان یہ سمجھتے ہیں کہ مغربی تہذیب اور تمدن اور انگریزی لباس میں عزت ہے یہ نادانی ہے ان نادانوں کو یہ معلوم نہیں کہ عزت کس کو کہتے ہیں خوب سمجھ لو کہ اصل عزت اتباع شریعت میں ہے غیر قوموں کی نقل میں کوئی عزت نہیں غیروں کی نقل در پردہ غلامی کا اعتراف ہے

علامہ ابن خلدون نے اپنے مقدمۂ تاریخ میں ایک فصل منعقد کی ہے کہ مغلوب وضع اور قطع اور لباس اور معاشرت میں غالب کا اتباع کرتا ہے اور یہ در پردہ اپنی کمتری اور دوسرے کی برتری کا اقرار ہے اور ادبار اور زوال کی علامت ہے انتہی کلامہ۔

اور آج کل مسلمانوں کی ذلت کا سبب یہی ہے کہ انہوں نے احکام شریعت کو پس پشت ڈال دیا بڑے بڑے وزراء اور ارکان دولت کے پاس انگریزی لباس موجود ہے مگر عزت مفقود ہے عزت وہ ہے کہ جس سے دلوں پر قبضہ ہو اور لوگ بلا غرض کے اس کے لیے جان و مال فدا کرنے کے لیے تیار ہوں جیسے اللہ اور اس کے رسولؐ کے لیے جان و مال قربان کرتے ہیں محض کسی کو دیکھ کر کھڑے ہو جانا عزت نہیں اگر بھیڑیا آجائے تو سب کھڑے ہو جاتے ہیں سو یہ تعظیم اور عزت نہیں بلکہ اپنا بچاؤ ہے ظالموں کی عزت اسی قسم کی ہے ان کو دیکھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور دل سے بد دعا دیتے ہیں اور خلوتوں میں اُن کو بُرا کہتے ہیں خلاصۂ کلام یہ کہ جس طرح تموّل اور دولت ملک مال کا نام ہے اسی طرح عزت مُلکُ القلوب کا نام ہے یعنی لوگوں کے دل کسی پر شیدا اور فریفتہ ہوں اور یہ بات اللہ اور اس کے رسول اور اہل ایمان ہی کو حاصل ہے اسی وجہ سے ارشاد ہے وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۔

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ

اور حکم اتار چکا تم پر کتاب میں کہ

اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ

جب سنو اللہ کی آیتوں پر انکار ہوتے اور ہنسی ہوتے

بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ

تو نہ بیٹھو ان کے ساتھ جب تک وہ بیٹھیں

حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ؕ اِنَّ

اور بات میں اس کے سوائے نہیں تو تم بھی ان کے برابر ہوئے اللہ

اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ

اکٹھا کرے گا منافقوں کو اور کافروں کو دوزخ میں

جَمِيْعًا ۙ﴿۱۴۰﴾ الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ

ایک جگہ وہ جو تکا کرتے ہیں تم کو پھر اگر تم کو فتح

فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۖ وَاِنْ

ملے اللہ کی طرف سے کہیں کیا ہم نہ تھے تمہارے ساتھ اور اگر

كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ

ہوئی کافروں کی قسمت کہیں ہم نے گھیر نہ لیا تھا

عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ فَاللّٰهُ

تم کو اور بچا دیا تم کو مسلمانوں سے سو اللہ

يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ

چکوتی کرے گا تم میں قیامت کے دن اور ہرگز نہ دے گا اللہ

لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ؑ﴿۱۴۱﴾

کافروں کو مسلمانوں پر راہ

جس جگہ احکامِ خداوندی کیساتھ تمسخر (مذاق) کیاجاتا ہو وہاں بیٹھنے کی ممانعت

قال تعالیٰ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ ... الیٰ ... وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا

(ربط) اوپر کی آیتوں میں کافروں سے دوستی کی ممانعت تھی اب ان آیات میں ان لوگوں کی مجالست سے منع فرماتے ہیں کہ ایسے لوگوں کے پاس بیٹھنا بھی ممنوع ہے جو احکام خداوندی کے ساتھ تمسخر (مذاق) کرتے ہوں کسی کے ساتھ تمسخر کرنا یہ اس کی انتہائی تحقیر اور تذلیل ہے جس طرح احکام حکومت کے ساتھ تمسخر (مذاق) عدالت اور حکومت کی توہین ہے اور ایسے لوگوں کے ساتھ نشست و برخاست اور دوستانہ تعلقات قانوناً جرم ہے اسی طرح احکام شریعت کے ساتھ تمسخر قانون خداوندی کی توہین و تذلیل ہے ایسے لوگوں کے پاس بیٹھنا بھی شرعاً ممنوع اور جرم ہے چہ جائیکہ ان سے دوستی کی جائے چنانچہ فرماتے اور اے مسلمانو جس کتاب پر تم ایمان رکھتے ہو اس کتاب میں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل کیا ہے کہ جب تم اللہ کی آیتوں کا انکار ہوتے ہوئے یا انکا تمسخر اور مذاق ہوتے ہوئے سنو تو اس حالت میں ان کفر کرنے والے مسخروں کے ساتھ نہ بیٹھو یہاں تک کہ وہ اس کفر اور مسخرہ پن کو چھوڑ کر کسی اور بات میں نہ لگ جائیں کیونکہ اس حالت میں اگر تم ان کے پاس بیٹھے تو تم بھی انہی جیسے ہو جاؤ گے اس لیے کہ جب تم احکام خداوندی کا تمسخر کرنے والوں کے ساتھ بیٹھے اور اس کی تردید نہ کی تو تم اور وہ برابر ہو گئے اس لیے کہ ایسی حالت میں تمہارا ان کے ساتھ بیٹھنا اس بات کی علامت ہے کہ تم بھی اس کفر اور استہزاء پر راضی ہو مشرکین مکہ اپنی مجلسوں میں بیٹھ کر قرآن کا مشغلہ بناتے اور اس کی آیتوں کا مذاق اڑاتے اور اگر کوئی مسلمان کسی ضرورت سے اُن کی مجلس میں جاتا تو اس کو قرآن کریم کے نسبت نامناسب الفاظ سننے پڑتے اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۃ انعام میں یہ حکم نازل کیا وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ اور جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو احبار یہود نے بھی وہی طریقہ اختیار کیا اور مشرکین مکہ کی تقلید کی منافق ان کی مجلسوں میں جاتے اور مضحکہ میں ان کے ساتھ شریک ہوتے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ جو شخص آیات خداوندی کے ساتھ ہنسی کرنے والوں کے پاس بیٹھے گا وہ بھی کفر اور استہزاء میں ان کا شریک ہوگا۔

فائدہ بے دینوں کا قدیم دستور ہے کہ وہ انبیاء کرام اور ان کی باتوں کا مذاق اڑایا کرتے ہیں جو شخص باوجود دعوائے اسلام کے احکام شریعت اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کا مذاق اڑاتے وہ شخص بلاشبہ منافق ہے اور پہلے زمانہ کے منافقوں سے بڑھ کر ہے اس لیے کہ یہ مہذب اور متمدن بے دین احکام خداوندی کا مذاق اڑانے میں پہلے منافقوں سے آگے ہے بے شک اللہ تعالیٰ منافقوں اور کافروں کو دوزخ میں ایک جگہ جمع کرے گا جس طرح وہ دنیا میں اکٹھے ہو کر اللہ کی آیتوں کا مذاق کرتے تھے اسی طرح وہ عذاب دوزخ میں بھی اکٹھے رہیں گے آگے اللہ تعالیٰ منافقین کا ایک اور حال بیان کرتے ہیں جس سے ان کی دو رنگی ظاہر کرنا مقصود ہے کہ جدھر غلبہ دیکھا اسی طرف ہو گئے اور وہ حال یہ ہے کہ یہ منافق لوگ تمہارے متعلق انتظار کی راہ دیکھتے رہتے ہیں کہ

دشمنوں کے مقابلہ میں تم غالب ہوتے ہو یا مغلوب تاکہ جس فریق کا غلبہ دیکھیں اس کی رفاقت اور دوستی کا دم بھرنے لگیں پس اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم کو فتح نصیب ہو جائے تو تم سے یہ کہتے ہیں کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے، ہم کو بھی مال غنیمت میں سے حصہ دو اور اگر وقتی طور پر کسی وقت کافروں کو غلبہ سے کوئی حصہ مل جائے یعنی اتفاق سے کافروں کو فتح اور غلبہ حاصل ہو جائے تو کافروں سے یہ کہتے ہیں کہ کیا ہم تم پر غالب نہ تھے اور کیا ہم نے تم کو مسلمانوں کی مار سے نہیں بچایا یعنی اگر کسی وقت کافر مسلمانوں پر غلبہ پاتے ہیں تو یہ منافق کافروں سے حصہ مانگتے ہیں اور ان پر یہ احسان رکھتے ہیں کہ مسلمان تو تم پر غالب آ ہی گئے تھے مگر ہم نے ان کا ساتھ نہ دیا اور ایسی تدبیر کیں کہ مسلمان تم پر غالب نہ آئیں ان کی مدد میں ہم نے کوتاہی کی اور تمہاری طرف سے انہیں ایسا خوف دلایا جس سے وہ سست پڑ گئے اس طرح ہم نے تم کو ان کی مار سے بچایا اگر ہم تمہارے بچانے کی کوشش نہ کرتے تو مسلمان تم کو کبھی زندہ نہ چھوڑتے غرض یہ کہ منافق درہم و دینار کے بندے ہیں ہر طرف ہاتھ مارتے ہیں پس اے منافقو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمہارے اور مسلمانوں کے درمیان فیصلہ کرے گا اس وقت تم پر اسلام کی خوبی اور نفاق کی برائی کھل جائے گی اور دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کافروں کو مسلمانوں پر غالب ہونے کی کوئی راہ ہرگز نہیں دے گا کہ اسلام اور مسلمانوں کا خاتمہ ہو جائے اور اسلام اور مسلمانوں کا نام و نشان نہ رہے شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں یعنی نہ شود کہ اسلام را استاصل گرداند واللہ اعلم۔

یا یہ مطلب ہے کہ مسلمان جب تک اسلام پر قائم رہیں اس وقت تک کوئی ان پر غلبہ نہیں پا سکتا کما قال تعالیٰ وَاَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت دنیا کے متعلق نہیں تاکہ یہ شبہ ہو کہ دنیا میں بعض دفعہ کفار کو مسلمانوں پر غلبہ ہو جاتا ہے بلکہ یہ آیت قیامت کے متعلق ہے جیسا کہ اس آیت کے پہلے جملہ فَاللّٰهُ يَحۡكُمُ بَيۡنَكُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ میں اس کی تصریح ہے پس معنی یہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مسلمانوں اور کافروں میں فیصلہ فرمائیں گے اور وہ فیصلہ مسلمانوں کے موافق ہوگا کہ وہ حق پر تھے اور کافر باطل پر تھے وہ فیصلہ کا دن ہے وہاں حق کو اور اہل حق ہی کو غلبہ ہوگا۔

۱؎ امام قرطبیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں متعدد اقوال نقل فرمائے الاول ان ذلک یوم القیامۃ۔ قال ابن العربی ہذا ضعیف۔ والثانی ان اللہ لا یجعل لہم سبیلا یمحو بہ دولۃ المؤمنین ویذہب آثارہم ویستبیح بیضتہم (اور اسی قول کو شاہ ولی اللہ نے اختیار فرمایا اور اس ناچیز نے بھی اسی کو راجح سمجھا) الثالث ان اللہ سبحانہ لا یجعل للکافرین علی المؤمنین سبیلا الا ان یتواصوا بالباطل ولا یتناہوا عن المنکر باقی حاشیہ آئندہ صفحہ پر ہے۔

پس مطلب یہ ہوا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمہارا فیصلہ فرمائیں گے اور اس فیصلہ میں کافروں کو مسلمانوں کے مقابلہ میں غلبہ کی کوئی راہ نہ دیں گے مگر علماء محققین اس طرف گئے ہیں کہ پہلی آیت فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ میں آخرت کے متعلق حکم مذکور ہے اور دوسری آیت وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا میں دنیا کے متعلق حکم مذکور ہے کہ دنیا میں کافروں کو یہ قدرت نہ ہوگی کہ مسلمانوں کا قلع قمع کردیں اور صفحۂ ہستی سے ان کا نام و نشان مٹا دیں کما قال تعالیٰ اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فلا تخشون شیخ جلال الدین سیوطی نے تفسیر جلالین[1] میں اسی قول کو اختیار فرمایا اور اسی کو شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہ نے اختیار فرمایا جیسا کہ ہم نقل کرچکے ہیں اور اس ناچیز کے نزدیک بھی یہی قول راجح ہے واللہ اعلم۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ

منافق جو ہیں دغابازی کرتے ہیں اللہ سے اور وہی ان کو دغا دے گا

وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ

اور جب کھڑے ہوں نماز کو تو کھڑے ہوں جی ہارے دکھانے کو

النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۴۲﴾

لوگوں کے اور یاد نہ کریں اللہ کو مگر کم

مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ

ادھر میں لٹکتے دونوں کے بیچ نہ ان کی طرف اور نہ

بقیہ حاشیہ ویتقاعدوا عن التوبۃ فیکون تسلیط العدو من قبلھم کما قال تعالیٰ وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ قال ابن العربی ھذا نفیس جدا (الرابع) ان اللہ سبحانہ لا یجعل للکافرین علی المؤمنین سبیلا شرعا فان وجد فبخلاف الشرع (الخامس) وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ای حجۃ عقلیۃ ولا شرعیۃ یستظھرون بھا الا ابطلھا ودحضت (کذا فی تفسیر القرطبی ص۴۱۹ ج۵ ملخصا)

[1] قولہ تعالیٰ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ای طریقا بالاستیصال ۱۲ جلالین

ان کی طرف اور جس کو بھٹکاوے اللہ پھر تو نہ پاوے اس کے واسطے

سَبِيْلًا ﴿۱۴۳﴾

کہیں راہ

تتمہ ذمائم منافقین

قال تعالیٰ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ ... الی ...... فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ۝

اب ان آیات میں منافقوں کی ایک ظاہری علامت بیان فرماتے ہیں تاکہ مسلمان اپنے آپ کو اس سے بچائیں اور اس وصف سے اجتناب کا خاص طور پر خیال رکھیں جو نفاق کی علامت ہے اور جس میں یہ علامت پائی جاتی ہو اس کو مومن جان کر دھوکہ نہ کھائیں چنانچہ فرماتے ہیں بے شک یہ منافق لوگ دعوائے ایمان اور ظاہری اطاعت سے خدا کو دھوکہ اور فریب دیتے ہیں اس لیے کہ دعوائے ایمان اور نماز وغیرہ سے ان کا مقصود لوگوں کو دکھلانا اور دنیوی فوائد حاصل کرنا ہے اللہ کی خوشنودی مقصود نہیں اور ان بے عقلوں کو معلوم نہیں کہ اللہ ہی ان کے ساتھ فریب کر رہا ہے اللہ کو خوب معلوم ہے کہ یہ کافر اور منافق ہیں اور اس کے دین کے دشمن ہیں مگر معاملہ دوستوں کا سا ہو رہا ہے دنیا کی عیش و راحت میں کوئی کمی نہیں تاکہ دل کھول کر گناہ کر لیں اور جب پیمانہ لبریز ہو جائے تو پکڑ کر دائمی جیل خانہ (دوزخ) میں ڈال دیا جائے خدا تعالیٰ کے فریب دینے کے یہ معنی ہیں کہ ظاہر میں اعزاز اور اکرام ہے اور در پردہ تذلیل و تحقیر مقدر ہو چکی ہے جس طرح وہ دوستی کے پردہ میں اسلام کی دشمنی کر رہے ہیں اسی طرح خدا تعالیٰ کی طرف سے دوستی کے پردہ میں ان سے دشمنی کی جا رہی ہے اور یہ منافق جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو کاہلی اور بے دلی کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں ان کا مقصود نماز ہے ہی نہیں محض لوگوں کو دکھلانے کے لیے نماز کیلئے کھڑے ہو جاتے ہیں آخرت کا ثواب ان کو مقصود نہیں اور نہ وہ نماز کو واجب سمجھتے ہیں اُن کی غرض صرف یہ ہوتی ہے کہ مسلمان ہم کو نمازی سمجھیں قتادہؒ کہتے ہیں کہ اگر لوگوں کا ڈر نہ ہوتا تو منافق کبھی کوئی نماز نہ پڑھتے اور نہیں ذکر کرتے اللہ کا مگر بہت ہی کم یعنی لوگوں کے سامنے نماز پڑھ لیتے ہیں مگر اس میں نہ تسبیح و تہلیل ہوتی ہے اور نہ خشوع و خضوع صرف اٹھنا اور بیٹھنا ہوتا ہے اور جب تنہا ہوتے ہیں تو بالکل ہی نہیں پڑھتے۔

یا یہ مطلب ہے کہ نماز کے علاوہ دن رات میں بجز دنیاوی باتوں کے ان کے منہ سے

اللہ کا نام نہیں نکلتا مگر بہت ہی کم بخلاف مسلمان کے کہ وہ دنیا میں مشغول رہتے ہوئے بھی کبھی انشاء اللہ کہتا ہے اور کبھی لاحول ولاقوۃ الاباللہ اور کبھی الحمد للہ اور کبھی سبحان اللہ موقع بموقع اس کی زبان سے اللہ کا نام نکلتا رہتا ہے آگے منافقین کا ایک اور حال بیان فرماتے ہیں وہ یہ کہ یہ لوگ کفر اور اسلام کے درمیان متردد ہیں نہ پورے ان کی طرف ہیں اور نہ ان کی طرف نہ مؤمنین مخلصین ہی کے ساتھ ہیں اور نہ کھلے کافروں ہی کے ساتھ ہیں اور جس کو خدا گمراہ کر دے تو اس کے لیے ہدایت کی کوئی سبیل ہرگز نہ پاؤ گے جو شخص تذبذب اور تردد کی وادی تیہ میں داخل ہوجاتا ہے وہ اس طرح بھٹکتا پھرتا ہے کبھی ادھر اور کبھی ادھر۔

بدرد یقین پردہائے خیال ❊ نماند سراپردہ الا جلال

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَتَّخِذُوا۟ ٱلْكَٰفِرِينَ

اے ایمان والو! نہ پکڑو کافروں کو رفیق

أَوْلِيَآءَ مِن دُونِ ٱلْمُؤْمِنِينَ ۚ أَتُرِيدُونَ

مسلمان چھوڑ کر کیا لیا

أَن تَجْعَلُوا۟ لِلَّهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَٰنًا مُّبِينًا ﴿۱۴۴﴾

چاہتے ہو اپنے اوپر اللہ کا الزام صریح

إِنَّ ٱلْمُنَٰفِقِينَ فِى ٱلدَّرْكِ ٱلْأَسْفَلِ مِنَ

منافق ہیں سب سے نیچے درجہ میں

ٱلنَّارِ وَلَن تَجِدَ لَهُمْ نَصِيرًا ﴿۱۴۵﴾ إِلَّا ٱلَّذِينَ

آگ کے اور ہرگز نہ پاوے گا تو ان کے واسطے کوئی مددگار مگر جنہوں نے

تَابُوا۟ وَأَصْلَحُوا۟ وَٱعْتَصَمُوا۟ بِٱللَّهِ وَأَخْلَصُوا۟ دِينَهُمْ

توبہ کی اور سنوارا آپ کو اور مضبوط پکڑا اللہ کو اور نرے حکم بردار ہوئے

لِلَّهِ فَأُو۟لَٰٓئِكَ مَعَ ٱلْمُؤْمِنِينَ ۖ وَسَوْفَ يُؤْتِ ٱللَّهُ

اللہ کے سو وہ ہیں ایمان والوں کے ساتھ اور آگے دے گا اللہ

الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا (۱۴۶)

ایمان والوں کو بڑا ثواب

ممانعت از موالاۃ کفار[1]

قال تعالیٰ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ ..... الیٰ ..... اَجْرًا عَظِیْمًا ۝

حق جل شانہ، جب منافقین کے اعمال قبیحہ کا بیان کر چکے تو اب مسلمانوں کو حکم دیتے ہیں کہ تم ان لوگوں سے دوستی نہ کرنا ورنہ جو ان کی سزا ہے وہ تمہاری ہوگی جیسا کہ حدیث میں ہے المرء مع من احب کیونکہ ان کی دوستی سے تمہارے دلوں سے خدا تعالیٰ کی محبت جاتی رہے گی آخرت کو بھول جاؤ گے اور ان کی طرح دنیا کے شیدائی اور فدائی بن جاؤ گے کیونکہ ایک دل دو طرف نہیں رہ سکتا مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَیْنِ فِیْ جَوْفِهٖ اللہ اپنی پناہ میں رکھے اے ایمان والو ایمان کے مقابلہ میں کفر کو ترجیح نہ دو اور منافقوں کی طرح مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بناؤ مبادا ان کی دوستی سے کفر کے جراثیم تم کو نہ لگ جائیں ایک دوست دوسرے دوست کی خصلتوں کو مقناطیس کی طرح اپنی طرف کھینچتا ہے کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ کا صریح الزام اپنے اوپر قائم کر لو یعنی اگر تم کافروں اور منافقوں کو دوست بناؤ گے تو اللہ تعالیٰ کی حجت تم پر قائم ہو جائے گی کیونکہ اللہ نے تم کو ان کی دوستی کی ممانعت کی ہے قیامت کے دن تم پر اللہ یہ حجت قائم کریں گے کہ دعوے تو ایمان کا تھا مگر دوست رکھتے تھے میرے دشمنوں کو اور اجتماع ضدین باتفاق عقلاء محال ہے خوب سمجھ لو کہ کافروں اور منافقوں کی دوستی سے تم کو کوئی نفع نہ ہوگا اس لیے کہ بلاشبہ منافقین دوزخ کے سب سے نیچے کے طبقہ میں ہوں گے جس کا عذاب تمام طبقوں سے بڑھا ہوا ہے دوزخ کے سات طبقے ہیں ایک کے نیچے ایک۔ سب سے نیچے کے طبقہ میں سب سے زیادہ سخت عذاب ہے اور یہ طبقہ خاص منافقوں کے لیے ہے اس لیے کہ کھلے کافر صرف کافر تھے مسلمانوں کو فریب تو نہ دیتے تھے اور منافق کفر کے علاوہ جھوٹ بھی بولتے تھے اور مسلمانوں کو فریب بھی دیتے تھے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب منافقین اور اصحاب مائدہ اور آل فرعون کو ہوگا اور قرآن کریم میں اس کی تصدیق موجود ہے اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْکِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ۔ اور اصحاب مائدہ کے بارہ میں ہے فَاِنِّیْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ۔ اور آل فرعون کے بارہ میں ہے اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ

[1] یعنی کافروں سے دوستی کی ممانعت۔

اَشَدَّ الْعَذَابِ (تفسیر قرطبی ص۴۲۵ ج۵)

اور اے مخاطب تو ان منافقین کے لیے ہرگز کوئی مددگار نہ پائے گا جو ان کو نیچے کے طبقہ سے نکال سکے مگر ہاں ان میں جو لوگ نفاق سے توبہ کر لیں اور اپنے عقائد اور اعمال کی اصلاح کر لیں اور اللہ کے دین کو مضبوط پکڑ لیں یعنی تذبذب اور تردد میں نہ رہیں بلکہ اللہ کی باتوں پر پورا پورا یقین رکھیں اور اپنے دین کو خالص اللہ کے لیے کر دیں یعنی دین سے مقصود محض اللہ کی رضا اور خوشنودی ہو ریاء ونمود اور دنیاوی غرض کا اس میں شائبہ نہ ہو پس ایسے لوگ جنہوں نے نفاق سے سچی توبہ کر لی ہے اور عقائد و اعمال کی اصلاح کر لی ہے اور بلا کسی تردد اور تذبذب کے مضبوطی کے ساتھ دین کی رسی کو پکڑ لیا اور اخلاص اور صدق نیت کے ساتھ اللہ کے مطیع اور فرمانبردار بن گئے تو ایسے[1] لوگ جہنم کے کسی طبقے میں نہ ہوں گے بلکہ جنت میں ان مومنین کاملین کے ساتھ ہوں گے کہ جو از اول تا آخر صدق اور اخلاص کے ساتھ ایمان پر قائم رہے اور ہمیشہ ہمیشہ ان کا ایمان نفاق اور ریاء کے شائبہ سے محفوظ رہا۔

یا یہ[2] معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نفاق سے توبہ کرنے والوں کو مومنین کی جماعت میں شمار کرے گا اور عنقریب اللہ تعالیٰ ان مومنین صادقین اور مخلصین کو جو از اول تا آخر صدق اور اخلاص کے ساتھ ایمان اور اسلام پر قائم رہے ان کو آخرت میں اجر عظیم دے گا جو ان تائبین کے اجر اور ثواب سے بڑھ کر ہوگا یا یہ معنی ہیں کہ نفاق سے سچی توبہ کرنے والوں کو مومنین صادقین اور عباد مخلصین کے ساتھ اجر اور ثواب میں شریک کر دیا جائے گا۔

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ؕ

کیا کرے گا اللہ تم کو عذاب کر کر اگر تم حق مانو اور یقین رکھو

وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۷﴾

اور اللہ قدر دان ہے سب جانتا

[1] قال العارف المهايمی فاولٰئك یعلو رتبتهم بهذه الامور لا یکونون فی درك من النار فضلا عن الاسفل بل مع المؤمنين المستمرين على الايمان بلا نفاق فی الجنات تفسیر مہائمی ص۱۷۱ ج۱ [2] قال الفرّا معنى فاولٰئك مع المؤمنين ای من المؤمنين وقال القتبی حاد عن كلامهم غضبا عليهم فقال فاولٰئك مع المؤمنين و لم يقل هم المؤمنون (تفسیر قرطبی ص۴۲۵ ج۵)

خطاب بسوئے منافقین

قال تعالیٰ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ... الى... وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيمًا ٥

اب آگے منافقین کو خطاب فرماتے ہیں کہ عذاب خداوندی کا دار و مدار کفر اور فسوق اور عصیان پر ہے خواہ مخواہ اللہ تعالیٰ کسی کو عذاب نہیں دیتے کیا کرے گا اللہ تعالیٰ تم کو عذاب دے کر اگر تم اللہ کے شکر گذار ہو جاؤ اور اللہ پر ایمان لے آؤ اور اللہ تعالیٰ بڑا ہی قدردان اور دانا ہے تمہاری سب باتوں کو جانتا ہے اور تمہارے نیک کاموں کا قدر دان ہے تو جو شخص خدا کا شکر گذار اور فرمانبردار اور اطاعت شعار بندہ ہو تو وہ ایسے شخص کو ہرگز عذاب نہ دے گا وہ تو عذاب صرف انہی لوگوں کو دیتا ہے جو پرلے درجہ کے سرکش اور متمرد ہیں اور اس کا حکم نہیں مانتے اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ ناحق بلا وجہ کسی کو عذاب دے جو جاننے والا اور قدر دان ہو وہ بلا وجہ کسی کو عذاب نہیں دے سکتا اور اس سے زیادہ کیا قدر دانی ہوگی کہ ایک نیکی کا ثواب دس گونہ سے لے کر سات سو گونہ اور اس سے زیادہ بھی عطا فرماتے ہیں۔

الحمد للہ آج بروز چہارشنبہ۔ ۲۷۔ شعبان المعظم ۱۳۸۲ھ بوقت ساڑھے تین بجے بین الظہر والعصر جامعہ اشرفیہ۔ لاہور مسلم ٹاؤن پارۂ پنجم کی تفسیر سے فراغت ہوئی الحمد للہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم وتب علینا انک انت التواب الرحیم آمین یا ارحم الراحمین۔

حکم سیٔ ام

جوازِ شکایت ظالم برائے مظلوم وفضیلت عفو

قَالَ تعالیٰ لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ .... الے .... وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا قَدِيْرًا ۝

(ربط) گذشتہ آیات میں منافقین کے جبلی کج طبعی اور آیات خداوندی میں ان کی طعنہ زنی اور عیب جوئی اور مسلمانوں پر ان کے مظالم بیان کیے گئے اب ان آیات میں یہ نصیحت فرماتے ہیں کہ اللہ بڑا حلیم وکریم اور ستار العیوب ہے کسی کا عیب ظاہر کرنا اور کسی کی برائی کرنا اور کسی کا پردہ فاش کرنا پسند نہیں کرتا اسی طرح ہم کو بھی حلم اور پردہ پوشی سے کام لینا چاہیئے ہاں مگر جس کسی پر ظلم ہوا ہو سو وہ مظلوم اگر ظالم کی برائی یا زیادتی کا افشا کرے تو کچھ مضائقہ نہیں لیکن اگر معاف کر دے تو وہ اور بھی بہتر ہے اس لیے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی عادت باوجود قدرت کے خطا کاروں سے معاف کرنے اور درگذر کرنے کی ہے مگر حق تعالیٰ نے منافقین کے معایب اس لیے بیان فرمائے کہ یہ بڑے ہی ظالم ہیں ان کا کید اور مکر عظیم ہے اور ان کا ضرر شدید ہے اللہ کے رسول کو دھوکہ

ابتداء یوم جمعۃ المبارک ۲۸ شعبان ۱۳۸۲ھ بوقت دس بجے دن کے ۔

دینا چاہتے ہیں اور ہر وقت مسلمانوں کی ایذاء رسانی کے درپے رہتے ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو منافقین کے شر اور فتنہ سے آگاہ کرنے کے لیے ان کے معایب اور مثالب بیان کیے پس حق تعالیٰ نے ان ظالموں کے پوشیدہ عیوب اور برائیوں کو علیٰ الاعلان بیان کیا تاکہ مسلمان ان کے شر اور ان کے ظلم وستم سے محفوظ رہیں اور ان جیسے اخلاق واعمال سے بھی اجتناب اور پرہیز کریں کما قال تعالیٰ وَلَا یَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَیْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَكَثِیْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ لہٰذا مسلمانوں کے لیے جائز ہے کہ ان ظالموں کے مظالم اور معایب کو بیان کریں جیسا کہ ایک حدیث میں ہے۔ کہ فاسق اور بدکار کے عیوب کو ظاہر کرو تاکہ لوگ اس سے احتیاط اور پرہیز کریں مطلب یہ ہوا کہ جس ظالم کا ضرر شدید ہو اور اس کا کید اور مکر عظیم ہو تو اس کے فضائح اور قبائح کے اعلان اور اظہار میں کوئی حرج نہیں خلاصۂ کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان ظالم منافقوں کی برائیاں اس لیے بیان فرمائیں تاکہ لوگ ان کی شرارتوں سے آگاہ اور باخبر ہو جائیں اور ان کے شر اور ضرر سے محفوظ ہو جائیں اور اپنے آپ کو ان جیسے اخلاق اور اعمال سے بچائیں اور ان ظالموں نے مسلمانوں پر حد سے زیادہ ظلم وستم کیا ہے اور ظلم کی کوئی حد باقی نہیں چھوڑی لہٰذا مسلمانوں کے لیے جائز ہے کہ ان ظالموں کے مظالم اور معایب کو ظاہر کریں حاصل یہ ہے کہ ہم کو ظالم کے ظلم کی پردہ دری اور شکایت کا جواز بیان کرنا مقصود تھا اس لیے ہم نے ان منافقوں کی برائیاں بیان کیں (تفسیر کبیر ص ۴۹۵ ج ۳ اور تفسیر البحر المحیط ص ۳۸۲ ج ۳)

یا[1] یوں کہو کہ اللہ تعالیٰ نے گذشتہ آیات میں منافقین کے عیوب بیان کیے مگر نام کسی کا نہیں لیا اس لیے کہ اللہ کو یہ ناپسند ہے کہ کسی کا نام لے کر اس کا عیب بیان کیا جائے ہاں اگر مظلوم اپنے ظالم کا نام لے کر اس کا عیب بیان کرے اور اس کی شکایت کرے تو یہ جائز ہے ظالم کی شکایت داخل غیبت نہیں سمجھی جائے گی کیونکہ بغیر ظالم کا نام لیے ہوئے مظلوم چارہ جوئی نہیں کر سکتا اور اسکے علاوہ اور بھی بعض صورتیں ہیں جن میں غیبت روا ہے تفصیل کے لیے احیاء العلوم ص ۱۳۲ ج ۳ وشرح احیاء العلوم للزبیدی ص ۵۵۳ ج ۷، کو دیکھیں۔

اور یہ حکم شاید یہاں اس لیے بیان فرمایا کہ مسلمان کو چاہیئے کہ کسی منافق کا نام مشہور نہ کرے اور علی الاعلان اس کو بدنام نہ کرے اصل مقصود نصیحت ہے نہ کہ فضیحت اس لیے حق تعالیٰ نے مبہم طریقہ سے منافقین کا حال بیان فرمایا اور کسی کا نام نہیں لیا شاید منافق اس مبہم نصیحت سے سمجھ جائے اور ہدایت پا جائے اور منافق اس پردہ پوشی کو دیکھ کر مخلص صادق بن جائے ہدایت اور اصلاح کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ بغیر کسی کا نام لیے اجمالی طور پر معایب اور اعمال قبیحہ اور ان کے مفاسد اور ان کی خرابیوں

---

[1] ہذا توضیح مافی موضح القرآن۔

کو بیان کیا جائے تاکہ لوگ آگاہ ہو جائیں اور نام کسی کا نہ لیا جائے شاید اس پردہ پوشی کو دیکھ کر وہ مجرم اور بدکار اپنے دل میں شرمندہ ہو اور ہدایت پر آجائے اور ممکن ہے کہ بدنام کرنے سے اس کا دل اور سخت ہو جائے اور پہلے سے زیادہ بے باک ہو جائے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا یہی طریقہ تھا کہ کسی کا نام لے کر نہیں فرماتے تھے۔

یا یوں کہو کہ گذشتہ آیات میں منافقوں کی بری عادتوں کا ذکر فرمایا اور حدیث میں ہے کہ منافق کی ایک عادت یہ ہے کہ وہ لڑائی اور جھگڑے کے وقت منہ سے گالی نکالتا ہے اس لیے اس آیت میں مسلمانوں کو ہدایت کی جاتی ہے کہ زبان سے بری بات نہ نکالیں مگر مظلوم کیلئے جائز ہے کہ وہ ظالم کی بقدرِ ظلم کے واجبی شکایت زبان سے نکال سکتا ہے اور اگر مظلوم معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو معاف کر دے گا۔

یا یوں کہو کہ گذشتہ آیت اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا الخ میں یہ بیان تھا کہ بدکار اور گنہگار توبہ کے بعد مؤمنین کاملین کے زمرہ میں داخل ہو جاتا ہے اب اس آیت میں یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ توبہ کے بعد گذشتہ نفاق اور مکر و فریب اور دیگر عیوب کا ذکر کر کے طعن و تشنیع کرنا اور اس کو برا بھلا کہنا روا نہیں ہاں مظلوم کو بقدر ظلم و ستم اپنے ظالم کو برا کہنا جائز ہے حدیث میں ہے ان لصاحب الحق مقالا رواہ احمد صاحب حق کو کہنے اور بولنے کی گنجائش ہے۔

(تفسیر کبیر ص۴۹۵ ج ۳)

یا یوں کہو کہ گذشتہ آیت میں یہ فرمایا تھا مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ یعنی اللہ تعالیٰ کسی کو بلاوجہ عذاب دینا پسند نہیں کرتے اب اس آیت میں یہ فرماتے ہیں کہ اللہ کو یہ بھی پسند نہیں کہ کسی کو برا بھلا کہا جائے مگر مظلوم کو اجازت ہے کہ وہ بقدر ظلم کے زبان سے کچھ کہہ دے لیکن وہ بھی اگر معاف کر دے تو بہت اچھا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ عفوٌّ قدیر ہے باوجود قدرت کے معاف کرتا ہے۔

یا یوں کہو کہ گذشتہ آیت وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا۔ میں اس طرف اشارہ تھا کہ اللہ تعالیٰ شکر کے اعلان اور اظہار کو پسند کرتے ہیں اب اس آیت میں اس کی ضد کو بیان فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ برائی کے اعلان اور اظہار کو ناپسند کرتے ہیں دیکھو حاشیۃ الشہاب خفاجی علی تفسیر البیضاوی ص۱۹۳ ج ۳۔ و روح المعانی ص۳ ج ۶۔

یا یوں کہو کہ اللہ تعالیٰ اپنے شکر گذار بندوں کو عذاب نہیں دیتا اللہ تعالیٰ تو ان لوگوں کو عذاب دیتا ہے جو بجائے شکر کے اس کی شکایت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ تو مخلوق کی شکایت کو بھی پسند نہیں کرتے اس لیے کہ اللہ نہیں پسند کرتا بری بات کے افشاء اور اظہار کو یعنی اللہ کو یہ پسند نہیں کہ کسی کی برائی کو ظاہر کیا جائے مگر مظلوم کو اپنے ظلم و ستم کے اظہار اور بیان کی اجازت ہے کہ بغیر اس کے اس کو چارہ نہیں لہذا اگر مظلوم اپنے ظالم کی شکایت کرے تو

وہ گناہ نہیں جاننا چاہیے کہ جہر سے آواز بلند کرنا مراد نہیں بلکہ مطلق اظہار مراد ہے اگرچہ آواز بلند نہ ہو
اور ہے اللہ سننے والا جاننے والا وہ مظلوم کی دعا کو سنتا ہے اور اس کو معلوم ہے کہ ظالم نے کتنا
ظلم کیا ہے اور وہ کتنی سزا کا مستحق ہے اگرچہ مظلوم اپنی زبان سے کچھ نہ کہے اور اس کو یہ بھی معلوم
ہے کہ مظلوم کی شکایت ظالم کے ظلم کی مقدار کے مطابق ہے یا اس سے زیادہ ہے پھر آگے یہ
ارشاد فرماتے ہیں کہ اگرچہ مظلوم کو شکایت کی اجازت ہے مگر برائی کرنے والے کے ساتھ احسان
یا عفو کا معاملہ خدا کے یہاں اس سے کہیں زیادہ محبوب ہے اگر تم برائی کرنے والے کے ساتھ
کوئی بھلائی کرو خواہ اس بھلائی کو ظاہر کرو یا چھپاؤ تو یہ بہت بلند مقام ہے کما قال تعالیٰ
اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ یا برائی
سے درگذر کرو یعنی معاف کر دو تو یہ اہل ہمت کا مقام ہے اور تخلّق باخلاق الٰہیہ ہے اس لیے کہ
بے شک اللہ بڑا معاف کرنے والا قدرت والا ہے قدرت کے بعد عفو اللہ کی خاص صفت ہے
تمہیں چاہیے کہ اللہ کی اس صفت اور عادت کا اتباع کرو ع درعفو لذتیست کہ در انتقام نیست۔

اور ایک اثر میں ہے کہ حاملان عرش اللہ کی تسبیح کرتے ہیں بعض ان میں سے یہ کہتے ہیں
سبحانك علی حلمك بعد علمك اور بعض یہ کہتے ہیں سبحانك علی عفوك بعد قدرتك۔

فائدہ حق تعالیٰ نے اس آیت میں تین مرتبے بیان فرمائے اوّل یہ کہ انتقام جائز
ہے کما قال تعالیٰ وَالَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْیُ هُمْ یَنْتَصِرُوْنَ
وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَیْهِمْ مِّنْ سَبِیْلٍ یہ ضعفاء کی شان ہے دوم
عفو یعنی معاف کر دینا یہ اہل ہمت کی شان ہے سوم برائی کرنے والے کے ساتھ سلوک اور احسان یہ
اہل عزم اور کاملین کا مقام ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ
جو لوگ منکر ہیں اللہ سے اور اس کے رسولوں سے

وَیُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ
اور چاہتے ہیں کہ فرق نکالیں اللہ میں اور اس کے رسولوں

وَیَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّ نَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّ
میں اور کہتے ہیں ہم مانتے ہیں بعضوں کو اور نہیں مانتے بعضوں کو اور

يُرِيدُونَ أَنْ يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا ﴿١٥٠﴾ أُولَٰئِكَ

چاہتے ہیں کہ نکالیں بیچ میں ایک راہ ایسے لوگ

هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا ۚ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا

وہی ہیں اصل کافر اور ہم نے تیار رکھی ہے منکروں کے واسطے ذلت

مُهِينًا ﴿١٥١﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَلَمْ

کی مار اور جو لوگ یقین لائے اللہ پر اور اس کے رسولوں پر اور

يُفَرِّقُوا بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ أُولَٰئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيهِمْ

جدا نہ کیا کسی کو ان میں ان کو دے گا ان کے ثواب

أُجُورَهُمْ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿١٥٢﴾

اور اللہ ہے بخشنے والا مہربان

اہل کتاب کی اعتقادی وعملی قباحتوں وشرارتوں کا ذکر

قال تعالیٰ اِنَّ الَّذِیۡنَ یَکۡفُرُوۡنَ بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ .... الیٰ .... وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا ○

(ربط) منافقین کے بعد اب اہل کتاب کی قباحتوں اور شرارتوں کا ذکر فرماتے ہیں کیونکہ منافقین زیادہ تر یہود میں سے تھے یا یہودیوں سے ربط وضبط رکھتے تھے اس لیے قرآن کریم میں اکثر منافقین اور یہود کا ذکر اکٹھا ہی فرماتے ہیں دور تک اہل کتاب کی قباحتوں اور شناعتوں اور ان کی جہالتوں اور شرارتوں کا ذکر چلا گیا ہے اسی سلسلہ میں حق تعالیٰ نے سب سے پہلے ان کی ایک عظیم قباحت کو بیان فرمایا وہ یہ کہ یہ لوگ تفریق فی الایمان کے قائل ہیں۔

تفریق فی الایمان

اس آیت میں یہ بیان فرماتے ہیں کہ یہود کے عقائد کفریہ ہیں ان کا سب سے بڑا کفر تفریق فی الایمان ہے یعنی خدا اور اس کے رسولوں کے درمیان ایمان لانے میں تفریق کرتے ہیں اور تفریق

کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کو ماننے اور رسول کو نہ ماننے جیسے یہود حضرت موسٰی علیہ السّلام وغیرہ کو مانتے ہیں مگر حضرت عیسٰیؑ اور حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہما وسلم کو نہیں مانتے اور نصاریٰ حضرت عیسٰیؑ کو مانتے ہیں مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو نہیں مانتے نصاریٰ تمام انبیاء کو مانتے ہیں مگر خاتم الانبیاء اور اشرف الرسل کے منکر ہیں حق سبحانہٗ وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ کیا یہ لوگ ایمان اور کفر کے درمیان کوئی دوسرا طریقہ نکالنا چاہتے ہیں حالانکہ ایمان اور کفر کے درمیان کوئی دوسری چیز نہیں نکل سکتی مقصود یہ ہے کہ اگر مومن بننا چاہتے ہیں تو سب نبیوں پر ایمان لائیں جس نے ایک نبی کا انکار کیا اس نے سارے نبیوں کا انکار کیا کیونکہ ہر نبی پر ایمان لانا فرض ہے پس آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار تمام انبیاء کی نبوتوں کا انکار ہے اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کا ارادہ رکھتے ہوں تو خوب سمجھ لیں کہ وہ اللہ کے نزدیک پکّے کافر ہیں جن کے کفر میں کوئی شبہ نہیں چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق جو لوگ منکر ہیں اللہ کے یعنی اللہ ہی کو نہیں مانتے اور منکر ہیں اس کے پیغمبروں سے اور یہ چاہتے ہیں کہ تفریق کریں اللہ میں اور اس کے رسولوں میں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض پیغمبروں پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ کفر اور ایمان کے درمیان میں ایک راہ نکالیں ایسے ہی لوگ بلاشبہ پکّے کافر ہیں اور منکروں کے لیے ہم نے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے اور برخلاف ان کے جو لوگ ایمان لاتے اللہ پر اور اس کے سب پیغمبروں پر اور انہوں نے رسولوں کے درمیان ایمان لانے میں کوئی تفرقہ نہیں کیا ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کا اجر ضرور دیں گے اور ہے اللہ بڑا بخشنے والا مہربان یعنی ایمان کی برکت سے ان کے اعمال کا اجر دیگا اور گناہوں کو معاف کرے گا۔

نکتہ یہ آیت پہلی آیت یعنی اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا کے مقابل ہے مگر اس آیت میں اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا نہیں فرمایا صرف اجر اور ثواب کا ذکر فرمایا وجہ یہ ہے کہ اس آیت میں فقط ایمان کا ذکر ہے اور اعمال صالحہ کا ذکر نہیں اور بغیر اعمال صالحہ کے مومن کامل نہیں ہو سکتا دوسری جگہ ارشاد ہے اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ پس معلوم ہوا کہ جن لوگوں میں یہ صفات فاضلہ پائی جائیں وہ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا کے مصداق ہو سکتے ہیں۔

يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ

تجھ سے مانگتے ہیں کتاب والے کہ ان پر اتار لاوے کتاب آسمان سے

السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا

سو مانگ چکے ہیں موسیٰ سے اس سے بڑی چیز بولے ہم کو دکھاوے

اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ

اللہ کو سامنے پھر ان کو پکڑا بجلی نے ان کے گناہ پر پھر

اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ

بنا لیا بچھڑا نشانیاں پہنچے پیچھے پھر ہم نے وہ بھی

فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۵۳﴾

معاف کیا اور دیا موسیٰ کو غلبہ صریح

وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ

اور ہم نے اٹھایا ان پر پہاڑ ان کے قول لینے میں اور ہم نے کہا

ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِي

داخل ہوؤ دروازے میں سجدہ کر کر اور ہم نے کہا ان سے زیادتی مت کرو

السَّبْتِ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۱۵۴﴾ فَبِمَا

ہفتہ کے دن اور ان سے لیا قول گاڑھا سو ان کے

نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ

قول توڑنے پر اور منکر ہونے پر اللہ کی آیتوں سے اور خون کرنے پر

الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ

پیغمبروں کا ناحق اور اس کہنے پر کہ ہمارے دل پر غلاف ہے کوئی نہیں

طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۵۵﴾

پر اللہ نے مہر کی ہے ان پر مارے کفر کے سو یقین نہیں لاتے مگر کم۔

وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ﴿۱۵۶﴾
اور ان کے کفر پر اور مریم پر بڑا طوفان باندھنے پر
وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ
اور اس کہنے پر کہ ہم نے مارا مسیح عیسٰی مریم کے بیٹے کو
رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ
جو رسول تھا اللہ کا اور نہ اس کو مارا ہے اور نہ اس کو سولی پر چڑھایا ہے لیکن
شُبِّهَ لَهُمْ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ
وہی صورت بن گئی ان کے آگے اور جو لوگ اس میں کئی باتیں نکالتے ہیں وہ اس جگہ
شَكٍّ مِّنْهُ ۭ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ
شبہ میں پڑے ہیں کچھ نہیں ان کو اس کی خبر مگر اٹکل پر چلنا
الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ﴿۱۵۷﴾ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ
اور اس کو مارا نہیں بے شک بلکہ اس کو اٹھا لیا اللہ نے اپنی

وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۵۸﴾
طرف اور ہے اللہ زبردست حکمت والا

بیان دیگر ذمائم اہل کتاب

قال تعالیٰ يَسْئَلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ .... الی .... وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝

(ربط) گذشتہ آیت میں اہل کتاب کی عظیم شناعت یعنی تفریق فی الایمان کو بیان کیا اب یہاں سے اہل کتاب کی دوسری قباحتوں اور شناعتوں کو اور ان پر جو عقوبتیں اور مصیبتیں نازل ہوئیں ان کو قدرے تفصیل کے ساتھ بیان فرماتے ہیں (اے نبی) اہل کتاب یعنی یہود آپ سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ آپ ان پر ایک کتاب آسمان سے اتار لادیں جس کو آسمان سے اترتے ہوئے ہم

بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں جیسا کہ کعب بن اشرف اور فنحاص بن عازوراء وغیرہ علماء یہود نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ اگر آپ واقعی نبی ہیں تو ایک ہی دفعہ ایک لکھی ہوئی پوری کتاب آسمان سے ہم پر اتارو اور ایک روایت میں ہے کہ یہ کہا کہ ہم آپ کے ہاتھ پر جب بیعت کریں گے کہ جب فلاں اور فلاں شخص کے نام اللہ کی طرف سے یہ تحریر آجائے کہ آپ اللہ کے رسول اور نبی آخرالزمان ہیں اور یہ قرآن اللہ کا کلام ہے حالانکہ یہ لوگ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے دلائل نبوت اور اعجاز قرآنی کا مشاہدہ کر چکے ہیں ان کی یہ درخواست تحقیق حق کے لیے نہیں محض ضد اور عناد پر مبنی ہے بالفرض اگر ان کی یہ درخواست پوری کر دی جائے تو کل کو اور اسی قسم کی درخواست کریں گے اس لیے حق تعالیٰ شانہٗ فرماتے ہیں کہ اے ہمارے نبی پس آپ ان کے اس قسم کے معاندانہ اور متکبرانہ سوالات سے تعجب نہ کیجئے اس لیے کہ تحقیق ان کے اسلاف موسیٰ علیہ السّلام سے اس سے بڑھ کر درخواست کر چکے ہیں چنانچہ انہوں نے موسی علیہ السلام سے یہ کہا تھا کہ ہمیں اللہ کو کھلم کھلا دکھلادو یعنی ضد اور عناد اور کٹ حجتی ان کی قدیمی اور موروثی عادت ہے ان کے آباء واجداد موسیٰ علیہ السّلام سے اس سے بڑھ کر درخواست کر چکے ہیں کیونکہ کتاب الٰہی کا دنیا میں آسمان سے نازل ہونا فی حد ذاتہٖ ممکن ہے مگر دنیا میں بلا کسی حجاب اور پردہ کے علانیہ اور آشکارا طور پر دیدار خداوندی ناممکن اور محال ہے پس اس گستاخی کی وجہ سے بجلی نے ان کو آپکڑا اور آناً فاناً سب کو ہلاک کر ڈالا لیکن موسیٰ علیہ السّلام کی دعا سے خدا نے ان کو دوبارہ زندہ کیا مقصود اس آیت سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کو تسلی دینا ہے کہ آپ ان کے سوال کی پرواہ نہ کیجئے ضد اور عناد ان کی سرشت میں رکھا ہوا ہے کسی طور پر بھی حق کی طرف آنا نہیں چاہتے اگر ہم آج ان کی یہ درخواست پوری بھی کر دیں تو اور کوئی حیلہ نکال کھڑا کریں گے جیسا کہ موسیٰ علیہ السّلام کے معجزات میں ہمیشہ شبہے نکالتے رہے اور اس سے ان کے شبۂ مذکورہ کا جواب اس طرح ہوا کہ یہ سب تمہارے حیلے بہانے ہیں اگر ایک مرتبہ کتاب کا مل جانا سچ ہونے کی دلیل سمجھتے ہیں تو موسیٰ علیہ السّلام سے جن کو ایک ہی مرتبہ توریت مل گئی تھی یہ سوال کیوں کیا تھا کہ ہم کو اللہ پاک کا دیدار کرادو تب یقین کریں گے ان کو تو کتاب ایک ہی دفعہ ملی تھی یقین کے واسطے کیوں کافی نہ ہوئی پھر اس گستاخانہ درخواست سے بڑھ کر ایک اور حرکت کر چکے ہیں وہ یہ کہ انہوں نے بچھڑے کو معبود بنا لیا بعد اس کے کہ ان کے پاس حق تعالیٰ کی توحید اور موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے واضح اور قطعی دلائل آچکے تھے پھر جب انہوں نے توبہ کی تو ہم نے ان کا قصور معاف کر دیا اور عبادت عجل یعنی گوسالہ پرستی کو دیدار خداوندی کی درخواست سے بڑھ کر اس لیے فرمایا کہ رؤیت خداوندی تو فقط دنیا ہی میں محال ہے اور آخرت میں ممکن ہے مگر غیر اللہ کا معبود ہوتا تو ہر زمان اور ہر مکان میں قطعاً ناممکن اور محال ہے مطلب یہ ہے

کہ جن لوگوں نے معجزات اور دلائل واضحات کے دیکھنے کے بعد بھی ایک احمق حیوان یعنی بچھڑے کو اپنا معبود بنالیا ان سے ہدایت اور ایمان کی کیا توقع کی جاسکتی ہے جب کسی کو احمق اور کودن بتلانا ہوتا ہے تو یہ کہتے ہیں کہ یہ تو حیوان ہے اور یہ تو بیل ہے۔ بیل اور بچھڑا حماقت میں ضرب المثل ہے پس جس قوم نے ایک احمق حیوان کو اپنا معبود بنایا حماقت کا اندازہ لگالو کہ احمق معبود کے بندے کیسے ہونگے باقی مفصل قصہ سورۂ بقرہ میں گذر چکا ہے وہاں دیکھ لیا جائے اور فعفونا عن ذلک سے مقصود یہ ہے کہ اگر یہ لوگ اب بھی اپنے ناشائستہ سوال اور شرارتوں سے توبہ کریں تو ہم ان کا بھی قصور معاف کر دینگے اور دیا ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کھلا غلبہ یعنی ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو ایسے معجزات قاہرہ عطا کیے جنکو دیکھکر فرعون جیسا متکبر بھی ڈر گیا گویا کہ یہ آیت نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کو بشارت ہے کہ آپ ان لوگوں کی سرکشی سے شکستہ دل نہ ہوں موسیٰ علیہ السلام کی طرح آپ کو بھی اللہ تعالیٰ ان سرکشوں پر غلبہ عنایت کرے گا اور آپ کے دشمن ہلاک ہوں گے اور جب یہود نے احکام توراۃ کے قبول کرنے سے انکار کر دیا تو ہم نے ان کے سروں پر کوہ طور کو اٹھا کر معلق کھڑا کر دیا ان سے پختہ عہد اور میثاق لینے کے لیے جب بنی اسرائیل نے توریت کے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ اس کے احکام سخت ہیں ہم سے ان تمام احکام پر عمل نہیں ہو سکے گا تو خدا تعالیٰ نے کوہ طور کو اکھاڑ کر ان کے سروں پر معلق کھڑا کر دیا اور فرمایا کہ قبول کرتے ہو تو کرو ورنہ ابھی تم پر پہاڑ گرا دیا جائے گا اور سب کچلے جاؤ گے تب مجبور ہو کر اس کو قبول کیا اور کہا کہ بہت اچھا آپ کا حکم ہم کو منظور ہے ہماری توبہ ہم کبھی خدا کے حکم کے خلاف نہیں کریں گے کما قال تعالیٰ وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ الاٰیۃ مفصل قصہ سورۂ اعراف میں مذکور ہے اور ہم نے ان کے غرور اور سرکشی کو توڑنے کیلئے یہ حکم دیا کہ شہر ایلیاء کے دروازہ میں خشوع اور خضوع اور نیازمندی کے ساتھ سر جھکائے ہوئے داخل ہونا مگر ان سرکشوں نے اس حکم کو بھی نہ مانا اور بجائے سر جھکانے کے سرین کے بل گھسٹتے ہوئے شہر میں داخل ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان پر طاعون مسلط کیا جس میں قریب ستر ہزار کے مر گئے اور ہم نے ان کو یہ حکم بھی دیا کہ ہفتہ کے دن میں تعدی اور زیادتی نہ کرنا یعنی ہفتہ کے دن مچھلیوں کا شکار نہ کرنا کہ وہ تم پر حرام ہے اور خدا کے اس حکم سے تجاوز نہ کرنا اور ہم نے ان سے پختہ عہد لیا مگر ان بدعہدوں نے حیلہ اور بہانہ سے اللہ کے صریح حکم اور پختہ عہد کو توڑا جس کا مفصل قصہ سورۂ اعراف میں مذکور ہے وَاسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ یہاں تک قدرے یہود کی شرارتوں اور سرکشیوں کو بیان کیا اب[1] آگے یہود کا مورد غضب اور محل لعنت اور مستحق ذلت و مسکنت ہونا بیان کرتے ہیں پس ہم نے ان باتوں کی وجہ سے جن کو ہم ذکر کرتے ہیں یہود پر لعنت کی اور ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیا ان کے اپنے پختہ عہد و پیمان کے توڑنے کی وجہ سے ان پر لعنت کی اور اللہ کی آیتوں کے نہ ماننے کی وجہ سے بھی اور

[1] حاشیہ اگلے صفحہ پر

خدا کے پیغمبروں کو دیدہ و دانستہ ناحق اور بے وجہ محض عناد اور سرکشی کی بناء پر قتل کرنے کی وجہ سے اور اس قسم کے متکبرانہ اور مغرورانہ کلمات کی وجہ سے مثلاً اس کہنے کی وجہ سے کہ ہمارے دل غلاف اور پردوں میں ہیں یعنی جس طرح باہر کی چیز کا اثر پردہ کے اندر نہیں پہونچتا اسی طرح (اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم) آپ کی باتوں کا اثر ہمارے دلوں تک نہیں پہونچتا ان کا مقصود یہ ہوتا تھا کہ آپ جو بات کہتے ہیں وہ ہمارے دل کو نہیں لگتی جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے وَقَالُوا قُلُوبُنَا فِيٓ أَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُونَآ إِلَيْهِ یا یہ مطلب ہے کہ ہمارے دل علم و حکمت کے غلاف و مخزن ہیں یعنی ان میں شریعت موسویہ کا علم بھرا ہوا ہے، ہمیں کسی دوسری شریعت کے علم کی ضرورت نہیں

حق تعالیٰ فرماتے ہیں یہ سب غلط ہے کوئی بات نہیں نہ دل ان کے پردہ میں ہیں اور نہ ان کے دل علم کا مخزن ہیں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر کردی ہے کہ باہر سے کوئی ہدایت اور نصیحت اندر نہیں پہنچتی اور دلوں کے اندر جو کفر اور گمراہی سربمہر ہو چکی ہے وہ اندر سے باہر نہیں نکلتی ان کے دل علم کا مخزن نہیں بلکہ کفر اور گمراہی کا مخزن ہیں سو وہ ایمان نہیں لاتے مگر بہت تھوڑا یعنی صرف موسیٰ علیہ السلام اور ان کی توریت پر ایمان رکھتے ہیں جو کفر کے مساوی ہے اس لیے کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہ ماننا تمام انبیاء کی تکذیب کے مرادف ہے اور نیز ان کے کفر پر کفر[2] کرنے کی وجہ سے اور نیز حضرت مریم پر ایک ایسا عظیم بہتان لگانے کی وجہ سے جس کو آدمی سن کر مبہوت ہو جائے اور تعجب اور حیرت میں پڑ جائے ان پر لعنت کی یعنی لوگوں نے حضرت مریمؑ پر زنا کی تہمت لگائی جو حضرت عیسیٰؑ کی اہانت اور تکذیب کو متلزم ہے اہانت کو تو اس لیے کہ کسی کی ماں کو زانیہ اور بدکار کہنے کے یہ معنی ہیں کہ معاذ اللہ یہ شخص ولد الزنا ہے جو صریح اس کی توہین ہے اور العیاذ باللہ نبی کے حق میں ایسا تصور بھی بدترین کفر

---

[1] اشارہ اس طرف ہے کہ فَبِمَا نَقْضِهِم کی بار جارّہ لَعَنَّا فعل محذوف کے متعلق ہے کما قال القرطبی والباء متعلقة بمحذوف والتقدیر فبنقضهم میثاقهم لعناهم وحذف هذا العلم السامع (تفسیر قرطبی ص ج ۶) [2] اشارہ اس طرف ہے کہ وَبِكُفْرِهِمْ کا عطف فَبِمَا نَقْضِهِم مِّيثَاقَهُمْ پر ہے اور بِكُفْرِهِمْ میں کفر کا تکرار تاکید کے لیے ہے اس لیے کہ وَكُفْرِهِم بِآيَاتِ اللَّهِ میں ایک مرتبہ ان کے کفر کا ذکر ہو چکا ہے اب دوبارہ وَبِكُفْرِهِمْ فرمانا تاکید کے لیے جیسا کہ امام قرطبیؒ فرماتے ہیں ثم کرر وبکفرهم لیخبرانهم کفروا کفرا بعد کفر - وقیل المعنی وبکفرهم بالمسیح فحذف لدلالة ما بعده علیه (تفسیر قرطبی ص ج ۶)

ہے اور تکذیب اس طرح لازم آئی کہ حضرت عیسٰی علیہ السّلام کے معجزات سے حضرت مریمؑ کی برارت اور نزاہت ظاہر ہو چکی ہے اب اس کے بعد کسی پر تہمت لگانا برارت اور نزاہت کا صاف انکار کرنا ہے۔

حضرت عیسٰی علیہ السّلام کے مقتول اور مصلوب ہونیکی تردید

اور نیز ان کے اس قول کی وجہ سے کہ جو بطور فخر کہتے تھے تحقیق ہم نے مار ڈالا مسیح کو یعنی مریم کے بیٹے عیسٰی کو جو رسول کہلاتا تھا اللہ کا۔ ان پر لعنت کی اول تو ان کا کہنا دلیل ہے عداوت کی اور انبیاء کرام کی عداوت بلاشبہ کفر ہے اور پھر اس کفر پر فخر کرنا کفر بالائے کفر ہے پس ان تمام وجوہ مذکورہ کی بنار پر ہم نے یہود پر لعنتیں اور مصیبتیں نازل کیں اور ذلت اور مسکنت کی مہر ان پر لگائی۔

ف یہود عیسٰی علیہ السّلام کو رسول اللہ نہیں مانتے تھے مگر اس مقام پر اُن کا رسول اللہ کہنا بطور تمسخر تھا جیسے فرعون نے کہا تھا اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِیْٓ اُرْسِلَ اِلَیْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ اور جیسے کفار مکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو بطور تمسخر اس طرح خطاب کیا کرتے تھے یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْ نُزِّلَ عَلَیْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ اس طرح یہود نہایت فخر سے طنزاً کہا کرتے تھے کہ ہم نے عیسٰی بن مریمؑ کو جو خدا کے رسول ہونے کا دعویٰ کرتے تھے قتل کر ڈالا اب آیندہ آیت میں اُن کے دعوائے قتل وصلب کی تکذیب فرماتے ہیں اور یہود بے بہبود کا یہ دعویٰ اور ان کا یہ قول کہ ہم نے عیسٰی بن مریم کو قتل کر ڈالا بالکل غلط ہے اس لیے کہ یہود نے نہ تو عیسٰی علیہ السّلام کو قتل کیا اور نہ ان کو سولی پر چڑھایا ولیکن ان کے لیے ایک دوسرا[1] شخص حضرت عیسٰی کے مشابہ اور ہمشکل بنا دیا گیا اور اسی ہمشکل کو انھوں نے عیسٰی سمجھ کر سولی پر چڑھا دیا مطلب یہ ہے کہ بظاہر جو قتل اور

---

[1] اشارہ اس طرف ہے کہ شُبِّهَ کا نائب فاعل ضمیر مستتر ہے کہ جو شخص مقتول ومصلوب کی طرف لاجع ہے اس لیے کہ یہ الفاظ یعنی وَقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ اسبات پر دلالت کرتے ہیں کہ کسی شخص کو قتل کرنا اور صلیب پر چڑھانا چاہتے ہیں اس لیے شُبِّہ کی اسناد شخص مقتول ومصلوب کی طرف نہایت درست ہوئی چنانچہ شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے اسی کو اختیار فرمایا ہے (حاشیہ جمل علی الجلالین ص ۵۳۳ ج ۱) اور امام قرطبیؒ فرماتے ہیں قولہ تعالیٰ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ اے القی شبہہ علی غیرہ کما تقدم فی آل عمران (تفسیر قرطبی ص ۹ ج ۶) اور مزید تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ لطائف ومعارف کے ذیل میں آئیگی ۱۲۔

صلب پیش آیا ہے اس کا عیسٰی علیہ السلام سے کوئی تعلق نہیں بلکہ اس کا تعلق ایک دوسرے شخص سے ہے جو من جانب اللہ اُن کے ہمشکل بنا دیا گیا تھا اور تحقیق جن لوگوں نے حضرت عیسٰی کے بارہ میں اختلاف کیا البتہ وہ لوگ حضرت عیسٰی کی طرف سے شک اور شبہ میں پڑے ہوئے ہیں ان لوگوں کو حضرت عیسٰی کے اصل حال کا کوئی علم نہیں صرف اٹکل کی پیروی کر رہے ہیں خود اُن کو بھی حضرت عیسٰی کے قتل کیے جانے اور سولی پر چڑھائے جانے کا یقین نہیں اس لیے کہ علماء یہود و نصارٰی کے نزدیک یہ امر مسلّم ہے کہ حضرت مسیح کی گرفتاری کے وقت حواری تو سب بھاگ گئے تھے اور یہودی جو گرفتار کرنے کے لیے گئے تھے وہ حضرت مسیح کو پہچانتے نہ تھے پس مسیح کی صحیح خبر نہ ان کو اور نہ ان کو سب شک میں ہیں یقین کسی کو بھی نہیں بلکہ جس وقت انہوں نے اپنی دانست میں عیسٰی علیہ السلام کو قتل کیا اسی وقت سے شک میں ہیں۔

حضرت عیسٰی علیہ السّلام کا عروج آسمانی و رفع جسمانی

اور خوب سمجھ لو کہ یقیناً انہوں نے عیسٰی علیہ السّلام کو قتل نہیں کیا بلکہ البتہ اور یقینی اور قطعی بات یہ ہے کہ جس وقت وہ لوگ حضرت عیسٰیؑ کے قتل اور صلب کا ارادہ ہی کر رہے تھے تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ صحیح سالم بذریعہ فرشتہ اپنی طرف اٹھا لیا یعنی آسمان پر اٹھا لیا تاکہ اُن کے قتل اور صلب کا امکان ہی ختم ہو جائے یہود حضرت عیسٰیؑ کے قتل کے درپے تھے اللہ تعالیٰ نے قتل کے مقابلہ میں رفع کو ذکر فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ قتل و صلب واقع نہیں ہوا بلکہ قتل اور صلب کے بدلہ میں رفع الی السماء واقع ہوا یہود کا دعوائے قتل یعنی اِنَّا قَتَلْنَا کہنے سے حضرت مسیح کی موت کو ثابت کرنا تھا اللہ تعالیٰ نے بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ سے اس کے بالمقابل ان کی حیات کو ثابت کیا پس معلوم ہوا کہ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ میں رفع جسمانی مراد ہے اس لیے کہ یہود حضرت مسیح کے جسم کے قتل اور صلب کے مدعی تھے اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید اور ابطال کے لیے بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ فرمایا یعنی تم غلط کہتے ہو کہ تم نے ان کو قتل کر دیا یا صلیب پر چڑھایا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے جسم کو صحیح سالم آسمان پر اٹھا لیا گذشتہ آیت میں جس چیز کے قتل اور صلب کی نفی کی گئی تھی اس آیت یعنی بل رفعہ اللہ الیہ میں اسی چیز کا رفع الی السماء یعنی اوپر اٹھایا جانا بیان فرمایا مزید تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ لطائف و معارف کے ذیل میں آئیگی

نکتہ اوّل حق جل شانہ نے اس آیت میں یہود کے ملعون ہونے کے اسباب بیان کیے ہیں جن میں ایک سبب یہ ذکر فرمایا وَقَتْلِهِمُ الْاَنْبِيَاۤءَ بِغَيْرِ حَقٍّ یعنی انبیاء کو قتل کرنے کی وجہ سے ملعون اور مغضوب ہوئے اور ایک سبب یہ بیان فرمایا وَقَوْلِهِمْ

اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ یعنی یہود کا حضرت عیسیٰؑ کے بارہ میں صرف یہ کہنا کہ ہم نے اُن کو قتل کر ڈالا ان کی لعنت کا سبب بن گیا معلوم ہوا کہ اُن سے سوائے اس قول کے کوئی ناشائستہ فعل سرزد نہیں ہوا ورنہ اگر اُن سے کوئی اور فعل سرزد ہوا ہوتا مثلاً پکڑنا یا سر پر کانٹوں کا تاج رکھنا اور منہ پر تھوکنا اور منہ پر طمانچے مارنا تو اسباب لعنت میں ان ناشائستہ امور کو ضرور ذکر کیا جاتا اور صرف اس زبانی قول کے ذکر پر اکتفاء نہ کیا جاتا ایسے موقعہ میں صرف دعوائے قتل کو تو نقل کرنا اور جو جرائم و ذمائم اس سے ہزار درجہ بڑھ کر ہوں اُن سے سکوت کرنا سمجھ میں نہیں آتا یہود چونکہ قتل انبیاء کے دعوے میں صادق تھے اس لیے حق تعالیٰ نے اس بارہ میں اُن کی کوئی تردید نہیں کی اور نہ اس معاملہ میں کسی شک اور اشتباہ کا ذکر فرمایا صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں اُن کے دعوائے قتل کو وَقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ کے عنوان سے ذکر کیا اور پھر شد و مد سے اُن کے قول کی تردید کی اور اُن کے لیے شک اور اشتباہ کو بیان کیا

نکتہ دوم نیز اس آیت میں حضرت مسیحؑ کے دعوائے قتل کو ذکر کر کے بل رفعہ اللہ فرمایا اور گذشتہ آیت میں انبیاء سابقین کے قتل کو بیان کر کے بَلْ رَّفَعَهُمُ اللّٰهُ اِلَيْهِ نہیں فرمایا حالانکہ قتل کے بعد انبیاء کرام کی ارواح طیبہ بلاشبہ آسمان پر اٹھائی گئیں معلوم ہوا کہ صرف حضرت عیسیٰؑ جسم سمیت آسمان پر اٹھائے گئے۔

نکتہ سوم ابتداء میں قتل اور صلب کو علیحدہ علیحدہ ذکر فرمایا اور فرداً فرداً ہر ایک کی نفی کی مگر چونکہ یہود کا اصل مقصود قتل تھا اس لیے اخیر کلام میں فقط قتل کی نفی کا اعادہ فرما کر رفع الی السماء کو ثابت کیا اور اس طرح فرمایا وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ (عقیدۃ الاسلام ص۱۸۶ و ص۱۸۱)۔

اور اُن کے آسمان پر اٹھائے جانے کو مستبعد نہ سمجھو اس لیے کہ ہے اللہ غالب اور حکمت والا اس کی قدرت کے اعتبار سے آسمان اور زمین سب برابر ہیں اور اس کا کوئی فعل حکمت اور مصلحت سے خالی نہیں اس نے اپنی کسی حکمت کی بناء پر کسی شخص کو حضرت عیسیٰؑ کے ہمشکل بنا کر ان کی جگہ قتل کرا دیا اور حضرت عیسیٰؑ کو زندہ آسمان پر اٹھا لیا اور آسمان میں ان کو دشمنوں سے محفوظ کر دیا رہا یہ امر کہ کیا خدا زمین پر حفاظت نہیں کر سکتا حفاظت کے لیے رفع الی السماء کا طریقہ کیوں اختیار کیا اس میں کیا حکمت ہے سو اس کا علم سوائے خداوند علیم وحکیم کے کسی کو نہیں یہ سوال تو ہر طریقہ حفاظت میں جاری ہو سکتا ہے کیا کوئی یہ بتلا سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ کو محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے مدینہ اور ابراہیم علیہ السلام کو عراق سے شام لے جانے کی کیا ضرورت تھی کیا اللہ اس پر قادر نہ تھا کہ ان کو اپنے وطن عزیز ہی میں رہنے دیتا اور وہیں اُن کی حفاظت فرماتا اس طرح کے ہزاروں سوال ہو سکتے ہیں جس کا

جواب حافظ شیرازی نے دیا ہے سہ

حدیث از مطرب ومی گو و راز دہر کمتر جو ٭ کہ کس نہ کشود و نہ کشاید بحکمت ایں معما را

وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ

اور جو فرقہ ہے کتاب والوں میں سو اس پر یقین لاویں گے اس کی

مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ

موت سے پہلے اور قیامت کے دن ہوگا ان کا

شَهِيْدًا ۚ ﴿۱۵۹﴾

بتانے والا

نزول عیسیٰ علیہ السلام

یعنی انکے نزول جسمانی اور آمد ثانی کی خبر بہجت اثر

قال اللہ تعالیٰ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا

یہاں تک اللہ تعالیٰ نے یہود کے قبائح اور فضائح کو بیان کیا اور یہ بتلایا کہ یہود حضرت مسیحؑ کے ساتھ جس ذلت وخواری کا ارادہ رکھتے تھے اس میں وہ سراسر ناکام رہے بجائے ذلت وخواری کے اللہ تعالیٰ نے اُن کو بے مثال عزت و رفعت عطا فرمائی کہ ان کو صحیح سالم زندہ آسمان پر اٹھا لیا اب آیندہ آیات میں حضرت عیسیٰؑ کی ایک اور بڑی عزت کی خبر دیتے ہیں جو ان کو قیامت کے قریب حاصل ہوگی یعنی ان کے نزول جسمانی اور آمد ثانی کی خبر دیتے ہیں وہ یہ کہ حضرت عیسیٰؑ اخیر زمانہ میں قیامت کے قریب خاص شان کے ساتھ آسمان سے نازل ہوں گے اور اس وقت اہل کتاب میں سے کوئی شخص ایسا باقی نہ رہے گا جو حضرت عیسیٰ پر حضرت عیسیٰ کے مرنے[1] سے پہلے

---

[1] اشارہ اس طرف ہے کہ قبل موتہ کی ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے جیسا کہ آیت کے سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ وَمَا قَتَلُوْهُ اور وَمَا صَلَبُوْهُ اور مَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا اور بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ میں تمام ضمائر حضرت عیسیٰؑ ہی کی طرف راجع ہیں اور عبداللہ بن عباسؓ سے بھی

باقی اگلے صفحہ پر

ایمان نہ لے آئے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابھی آسمان میں زندہ موجود ہیں اور قیامت کے قریب جب یہود میں مسیح دجال ظاہر ہوگا اس وقت عیسیٰ بن مریم آسمان سے اتریں گے اور اترنے کے بعد مسیح دجال کو قتل کریں گے اس وقت یہود و نصاریٰ حضرت عیسیٰ کی نبوت و رسالت پر ایمان لے آئیں گے اور سب پر صحیح حقیقت واضح ہو جائے گی کہ عیسیٰ علیہ السلام خدا اور خدا کے بیٹے نہیں بلکہ اللہ کے برگزیدہ بندہ اور رسول برحق ہیں اور زندہ ہیں مرے نہیں اور یہود جو یہ سمجھتے تھے کہ ہم نے ان کو مار ڈالا وہ بالکل غلط تھا وہ تو خدا کے پاس زندہ تھے یہ دیکھ کر یہود تو اپنی دشمنی اور عداوت سے تائب ہو جائیں گے اور نصاریٰ عقیدۂ ابنیت سے تائب ہو جائیں گے اور سب اہل کتاب اسبات پر ایمان لے آئیں گے کہ قرآن اور حدیث نے جو حضرت عیسیٰؑ کے زندہ آسمان پر اٹھائے جانے کی اور قیامت کے قریب آسمان سے زندہ نازل ہونے کی خبر دی تھی وہ بالکل حق اور صدق تھی۔

ف اس آیت میں قبل موتہٖ کا لفظ اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام ابھی فوت نہیں ہوئے بلکہ زندہ ہیں جیسا کہ حسن بصریؒ سے مرسلاً روایت ہے۔

قال رسول اللّٰہ صلے اللّٰہ علیہ وسلم ان عیسٰے لم یمت وانہ راجع الیکم قبل یوم القیامۃ (تفسیر ابن کثیر وتفسیر در منثور ص۳۶ ج۲)	رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تحقیق عیسٰے علیہ السلام ابھی تک مرے نہیں اور وہ قیامت کے قریب تمہاری طرف واپس آنے والے ہیں۔

نازل ہونے کے بعد جب سب اہل کتاب ان پر ایمان لے آئیں گے تب اس کے بعد ان کی دفات ہوگی حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں یہ آیت یعنی وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ الخ باعتبار مضمون کے دوسری آیت وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ کے مشابہ ہے یعنی جس طرح وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ میں نزول عیسٰی علیہ السلام کو قیامت کی علامت بتلایا ہے اسی طرح وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ الخ میں نزول عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اشارہ ہے (تفسیر ابن کثیر ص۵۸۳ ج۱)

اور قیامت کے دن عیسیٰ علیہ السلام ان پر گواہ ہوں گے یعنی قیامت کے دن حضرت عیسٰی علیہ السلام یہود و نصاریٰ دونوں کے برخلاف گواہی دیں گے یہود کی نسبت یہ کہیں گے کہ انہوں نے میری تکذیب کی اور نصاریٰ کے نسبت یہ کہیں گے کہ انہوں نے میرے حکم کے خلاف مجھے خدا اور خدا کا بیٹا بنایا اور شرک میں مبتلا ہوئے حالانکہ میں نے ان سے صاف صاف کہدیا تھا کہ میں خدا

باسناد صحیح یہی منقول ہے کہ بہٖ اور قبل موتہٖ کی دونوں ضمیریں عیسٰی علیہ السلام کی طرف راجع ہیں اور اس کو امام ابن جریر طبری اور حافظ ابن کثیرؒ نے اختیار کیا ہے (فتح الباری ص۳۵۷ ج۶)

کا بندہ اور رسول ہوں صرف خدا کی عبادت کرو اور بحق رسالت میری اطاعت کرو یہی سیدھا راستہ ہے مگر انہوں نے میری نصیحت نہیں سنی اسے خداوند عالم میں ان سے بری ہوں اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ

اقوال مفسرین

اس آیت یعنی وَإِنْ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ الخ کی تفسیر میں صحابہ و تابعین و علماء مفسرین کے دو قول ہیں ایک قول) تو یہ ہے کہ لَيُؤْمِنَنَّ کی ضمیر تو کتابی کی طرف راجع ہے اور بہ اور قبل موتہ کی دونوں ضمیریں عیسیٰ علیہ السّلام کی طرف راجع ہیں اس صورت میں آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ زمانہ آئندہ میں جب عیسیٰ علیہ السّلام آسمان سے نازل ہوں گے اس وقت اہل کتاب میں سے کوئی شخص ایسا نہ رہے گا کہ جو حضرت عیسیٰؑ پر حضرت عیسیٰؑ کے مرنے سے پہلے ایمان نہ لے آئے پس اس آیت میں اہل کتاب سے اس زمانہ کے اہل کتاب مراد ہوں گے جو حضرت عیسیٰؑ کے نزول من السماء کے وقت موجود ہوں گے۔

اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی باسناد صحیح یہی منقول ہے کہ بہ اور قبل موتہ کی ضمیریں حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی طرف راجع ہیں چنانچہ حافظ عسقلانی شرح بخاری میں فرماتے ہیں

وبھذا اجزم ابن عباس فیما رواہ ابن جریر من طریق سعید بن جبیر عنہ باسناد صحیح ومن طریق ابی رجاء عن الحسن قال قبل موت عیسیٰ واللہ انہ الاٰن لحیّ ولکن اذا نزل اٰمنوا بہ اجمعون ونقلہ اکثر اھل العلم ورجحہ ابن جریر وغیرہ (فتح الباری ص ۳۵۷ ج ۶)

اور ابن عباسؓ نے اسی کا جزم اور یقین کیا ہے جیسا کہ ابن جریر نے ابن عباس سے باسناد صحیح اس کو روایت کیا ہے اور حسن بصری سے مروی ہے کہ قبل موتہ سے قبل موت عیسیٰ مراد ہے حسن بصری فرماتے ہیں خدا کی قسم عیسیٰ علیہ السلام ابھی زندہ ہیں جب آسمان سے نازل ہوں گے اس وقت سب اہل کتاب ان پر ایمان لے آئیں گے اور یہی تفسیر اکثر اہل علم سے منقول ہے اور اس کو امام ابن جریر وغیرہ نے راجح قرار دیا ہے۔

امام ابن جریر ص ۱۴ ج ۶ میں فرماتے ہیں کہ قتادہ اور ابو مالک سے بھی یہی منقول ہے کہ قبل موتہ کی ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے۔

نیز صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی ایک حدیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ بہ اور قبل موتہ کی ضمیریں عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہیں۔

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول

صلے اللہ علیہ وسلم والذی نفسی بیدہ لیوشکن ان ینزل فیکم ابن مریم حکما عدلا فیکر الصلیب ویقتل الخنزیر ویضع الحرب ویفیض المال حتی لا یقبلہ احد حتی تکون السجدۃ الواحدۃ خیرالہ من الدنیا وما فیہا ثمّ یقول ابوھریرۃ واقرؤا ان شئتم وان من اھل الکتاب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ ویوم القیامۃ یکون علیہم شہیدا

اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے بے شک عنقریب تم میں عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے درآنحالیکہ وہ فیصلہ کرنے والے اور انصاف کرنے والے ہوں گے صلیب کو توڑیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے اور لڑائی کو ختم کر دیں گے اور مال کو پانی کی طرح بہا دیں گے یہاں تک کہ کوئی مال کا قبول کرنے والا نہ ملے گا اور اس وقت ایک سجدہ دنیا و ما فیہا سے بہتر ہوگا پھر اس حدیث کو بیان کر کے ابوہریرہ یہ کہتے کہ اگر قرآن سے اس حدیث کے مضمون کی تصدیق چاہتے ہو تو یہ آیت پڑھ لو وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ الخ

حافظ عسقلانی اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں۔

وھذا مصیر من ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ الی ان الضمیر فی قولہ بہ وموتہ یعود علی عیسی علیہ السلام ای الا لیؤمنن بعیسی قبل موت عیسی (فتح الباری ص۳۵۷ ج۶)

روایت حدیث کے بعد ابوہریرہ کا اس آیت کو حدیث کی تصدیق کے لیے پڑھنا اس امر کی دلیل ہے کہ آیت میں بہ اور موتہ کی دونوں ضمیریں عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہیں یعنی ہر شخص زمانہ آیندہ میں حضرت عیسیٰ کی موت سے پہلے حضرت عیسیٰؑ پر ضرور ایمان لے آئے گا۔

قول ثانی

آیت کی تفسیر میں دوسرا قول یہ ہے کہ بہ کی ضمیر تو عیسی السّلام کی طرف راجع ہے لیکن قبل موتہ کی ضمیر کتابی کی طرف راجع ہے اور ابی بن کعب کی قرأت وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنُنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهِمْ اس معنی کی مؤید ہے اس لیے کہ اس قرأت میں بجائے قبل موتہ کے قبل موتہم بصیغہ جمع آیا ہے جو صراحۃً اسبات پر دلالت کرتا ہے کہ قبل موتہم کی ضمیر اہل کتاب کی طرف راجع ہے لہذا اسی طرف دوسری قرأت میں بھی قبل موتہ کی ضمیر کتابی کی طرف راجع ہونی چاہیے تاکہ دونوں قرأتیں متفق ہو جائیں حافظ عسقلانی نے فتح الباری[1]

[1] اصل عبارت اس طرح ہے ورجح جماعۃ ھذا المذھب بقراءۃ ابی بن کعب الا
باقی اگلے صفحہ پر

ہیں فرماتے ہیں کہ علماء کی ایک جماعت نے ابی بن کعب کی قرأت کی بناء پر اس دوسرے قول کو ترجیح دی ہے کہ موتہ کی ضمیر کتابی کی طرف راجع کی جائے انتہی۔ اس قول کی بناء پر آیت کا مطلب یہ ہو گا کہ اہل کتاب میں سے کوئی شخص ایسا نہیں کہ جو اپنے مرنے سے پہلے حضرت عیسیٰ کی نبوت و رسالت اور ان کی عبدیت پر ایمان نہ لے آتا ہو یعنی جب وہ قریب المرگ ہوتا ہے اور علامات موت اس پر ظاہر ہوتی ہیں تو اس وقت اس پر حقیقت حال منکشف ہو جاتی ہے اور اس وقت حضرت عیسیٰ پر صحیح ایمان لے آتا ہے کہ بے شک وہ خدا کے برگزیدہ بندے اور رسول برحق تھے معاذ اللہ نہ وہ مفتری اور کذاب تھے اور نہ خدا اور خدا کا بیٹا تھے مگر اس وقت کا ایمان بے سود اور بے فائدہ ہے کما قال تعالیٰ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْاٰنَ یہودی کے پاس جب ملائکۃ الموت آتے ہیں تو اس کے منہ اور سرین پر دُرّے مارتے ہیں کہ اے عدو اللہ تیرے پاس عیسیٰؑ روح اللہ آئے اور تو نے ان کی تکذیب کی اور ان کے قتل کے درپے ہوا اس وقت یہودی ایمان لے آتا ہے کہ بے شک عیسیٰ بن مریم خدا کے رسول برحق تھے اور نصرانی کو ملائکۃ الموت یہ کہتے ہیں کہ اے عدو اللہ تیرے پاس اللہ کے بندے اور رسول عیسیٰ بن مریم آئے تو تو نے اُن کو خدا اور خدا کا بیٹا بنا دیا اس وقت وہ ایمان لے آتا ہے کہ بے شک عیسیٰ بن مریم خدا کے بندہ اور رسول برحق تھے خدا نہ تھے

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب یہودی یا نصرانی اپنی حیات سے بالکل ناامید ہو جاتا ہے اور اس کی جان نکلنے لگتی ہے تو وہ اس وقت حضرت عیسےؑ کے عبداللہ اور رسول ہونے پر ایمان لے آتا ہے خواہ آگ میں جل کر مرے یا پہاڑ سے گر کر یا اور کسی طرح سے غرض جان کنی کے وقت ہر ایک کتابی حضرت عیسیٰ پر ایمان لے آتا ہے اور مقصود اس خبر دینے سے یہود و نصاریٰ کو شرم دلانا ہے کہ اے یہود و نصاریٰ جب تم مرو گے تو مرتے وقت چار و ناچار حضرت عیسیٰؑ پر قرآن کی تعلیم کے مطابق ایمان لانا ہی پڑے گا تو بہتر یہی ہے کہ پہلے ہی ایمان لے آؤ تاکہ تمہیں اس ایمان سے فائدہ پہنچ جائے ورنہ مرتے وقت کا ایمان بے کار ہے۔

اس قول کی بناء پر آیت میں اہل کتاب سے ہر زمانہ کے تمام اہل کتاب مراد ہوں گے بخلاف پہلے قول کے کہ اس کے مطابق آیت میں اہل کتاب سے وہی اہل کتاب مراد ہوں گے جو حضرت عیسیٰؑ کے نزول کے زمانہ میں موجود ہوں گے۔

ليؤمنن به بالفصم قبل موتهم الخ (فتح البارى ص۳۵۵ج ۶)

ترجیح ارجح و تصحیح اصحؒ جمہور سلف اور خلف کے نزدیک آیت کی تفسیر میں پہلا ہی قول ارجح اور اصح ہے اور احادیث نزول عیسیٰ جو حد تواتر کو پہنچتی ہیں وہ اسی کی مؤید ہیں اور اسی قول کو امام ابن جریرؒ اور حافظ ابن کثیرؒ نے راجح اور مختار قرار دیا ہے اور دوسرا قول ضعیف ہے اس لیے کہ اس کا دارومدار ابی ابن کعب کی قرآت شاذہ پر ہے جو کسی صحیح یا حسن سند سے ثابت نہیں بلکہ اس کی سند کے راوی ضعیف اور مجروح ہیں واللہ اعلم

تطبیق وتوفیق جاننا چاہیئے کہ دو قراءتیں دو مستقل آیتوں کا حکم رکھتی ہیں ابی ابن کعبؓ کی قراءت سے ہر کتابی کا اپنے مرنے سے پہلے حضرت عیسیٰؑ کی عبدیت اور رسالت پر ایمان لانا معلوم ہوتا ہے اور قراءت متواترہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ آیندہ میں تمام اہل کتاب حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی موت سے پہلے حضرت عیسیٰؑ پر ضرور ایمان لے آئیں گے ان دونوں قراءتوں میں کوئی تعارض نہیں دونوں حق ہیں ہر ایک قراءت بمنزلہ مستقل آیت کے ہے قراءت متواترہ میں حضرت عیسیٰؑ کی حیات اور نزول کا ذکر ہے اور اہل کتاب کے اس ایمان کا ذکر ہے جو وہ نزول کے بعد حضرت عیسیٰؑ پر ان کی موت سے پہلے صحیح ایمان لائیں گے اور ابی بن کعبؓ کی قراءت شاذہ میں حضرت مسیح کی نہ حیات کا ذکر ہے اور نہ نزول کا اور نہ موت اور وفات کا ذکر ہے صرف اہل کتاب کے اس ایمان کا ذکر ہے جو کہ اہل کتاب اپنی روح نکلتے وقت لاتے ہیں غرض یہ کہ ہر قرآت میں ایک جدا واقعہ کا ذکر ہے جیسا کہ الٓمّٓ غُلِبَتِ الرُّوْمُ میں دو قراءتیں ہیں ایک قراءت غلبت بصیغہ ماضی معروف ہے اور ایک قرآت بصیغہ ماضی مجہول اور ہر قراءت میں علیحدہ علیحدہ واقعہ کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ کتب تفسیر میں مذکور ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جن حضرات صحابہ وتابعین سے یہ قراءت شاذہ منقول ہے وہ سب کے سب بالاتفاق حضرت مسیحؑ کے بجسدہ العنصری زندہ آسمان پر اٹھائے جانے اور قیامت کے قریب آسمان سے نازل ہونے کے بھی قائل ہیں چنانچہ تفسیر درمنثور میں ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور محمد ابن الحنفیہ سے مروی ہے کہ جو لوگ حضرت مسیح کے نزول سے پہلے مریں گے وہ لوگ اپنی موت سے پہلے حضرت مسیحؑ پر صحیح ایمان لاتے رہیں گے اور جو اہل کتاب حضرت مسیحؑ کے زمانہ نزول کو پائیں گے وہ تمام کے تمام حضرت مسیح پر حضرت مسیح کی موت سے پہلے ضرور ایمان لے آئیں گے لہذا ابی بن کعب کی قراءت نزول عیسیٰ سے پہلے مرنے والے اہل کتاب کے حق میں ہے اور قراءت متواترہ اُن اہل کتاب کے حق میں ہے جو نزول کے بعد حضرت مسیح کی موت سے پہلے حضرت مسیح پر ایمان لائیں گے دونوں میں کوئی تعارض نہیں

(در منثور[1] صفحہ ۲۴۱ ج ۲) اور (عقیدۃ الاسلام ص ۲۰۹ طبع جدید)

پھر یہ کہ جو اہل کتاب اپنے مرنے سے پہلے ایمان لاتے ہیں وہ بھی یہی ایمان لاتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام ابھی فوت نہیں ہوئے بلکہ زندہ صحیح و سالم آسمان پر اٹھائے گئے جیسا کہ روایت ذیل سے معلوم ہوتا ہے۔

اخرج عبد بن حمید وابن المنذر عن شہر بن حوشب فی قولہ تعالیٰ وان من اھل الکتاب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ عن محمد بن علی بن ابی طالب وھو ابن الحنفیۃ قال لیس من اھل الکتاب احد الا اتتہ الملائکۃ یضربون وجھہ ودبرہ ثم یقال یا عدو اللہ ان عیسیٰ روح اللہ وکلمتہ کذبت علی اللہ وزعمت انہ اللہ ان عیسیٰ لم یمت وانہ رفع الی السماء وھو نازل قبل ان تقوم الساعۃ فلا یبقی یھودی ولا نصرانی الا آمن بہ انتھٰی

(تفسیر در منثور ص ۲۴۱ ج ۲)

امام عبداللہ بن حمید اور امام ابن منذر نے شہر بن حوشب سے روایت کیا کہ محمد بن حنفیہؒ (حضرت علی کے صاحبزادے) آیت وان من اھل الکتاب الخ کی اس طرح تفسیر فرماتے ہیں کہ نہیں ہے کوئی شخص اہل کتاب میں سے مگر آتے ہیں فرشتے اس کی موت کے وقت اور خوب مارتے ہیں اس کے چہرے پر اور سرین پر اور کہتے ہیں کہ اے اللہ کے دشمن بے شک عیسیٰ اللہ کی خاص روح ہیں اور اس کا کلمہ ہیں تو نے اللہ پر جھوٹ بولا اور یہ گمان کیا کہ عیسیٰ خود خدا ہیں خوب سمجھ لے تحقیق بلا شبہ عیسیٰ ابھی نہیں مرے ہیں بلکہ زندہ ہیں اور تحقیق وہ آسمان کی طرف اٹھائے گئے اور وہ قیامت سے پہلے آسمان سے نازل ہوں گے پس اس وقت کوئی یہودی اور نصرانی ایسا نہ رہے گا جو حضرت مسیح پر ایمان نہ لے آئے۔

امام ابن جریر اور ابن کثیر فرماتے ہیں کہ جب موت انسان کے سر پر آجاتی ہے تو حق اور باطل کا فرق واضح ہو جاتا ہے جب تک دین حق اور دین باطل کا امتیاز نہ ہو جائے اس وقت تک روح نہیں نکلتی اسی طرح کتابی پر مرنے سے پہلے حضرت عیسیٰ کے بارہ میں اس پر حق واضح ہو جاتا ہے کہ وہ خدا کے بندہ اور رسول برحق تھے معاذ اللہ خدا اور خدا کے بیٹے نہ تھے جیسا کہ نصاریٰ کہتے ہیں اور نہ وہ مقتول و مصلوب ہوئے جیسا کہ یہود کہتے ہیں بلکہ وہ زندہ آسمان پر اٹھائے اور قیامت کے قریب آسمان سے نازل ہوں گے۔

---

[1] وہ روایت یہ ہے۔ اخرج ابن المنذر عن شہر بن حوشب قال قال الحجاج یا شہر آیۃ من کتاب اللہ ما قرأتھا الا اعترض فی نفسی منھا شیئ قال اللہ ان من اھل الکتاب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ وانی اوتی بالاساری فاضرب اعناقھم ولا اسمعھم یقولون فقلت رفعت الیک علی غیر وجھھا ان النصرانی اذا خرجت روحہ ضربتہ الملائکۃ من قبلہ ومن دبرہ وقالوا ای خبیث ان المسیح الذی زعمت انہ اللہ او ابن اللہ او ثالث ثلاثۃ عبد اللہ وروحہ فیؤمن حین لا ینفعہ ایمانہ وان الیھودی اذا خرجت نفسہ ضربتہ الملائکۃ من قبلہ ودبرہ وقالوا ای خبیث ان المسیح الذی زعمت انک قتلتہ عبد اللہ وروحہ فیؤمن بہ حین لا ینفعہ الایمان فاذا کان عند نزول عیسیٰ آمنت بہ احیاؤھم کما آمنت بہ موتاھم فقال من این اخذتھا فقلت من محمد بن علی قال لقد اخذتھا من معدنھا قال شہر وایم اللہ ما حدثنیہ الا ام سلمۃ ولکنی احببت ان اغیظہ (تفسیر در منثور)

فَبِظُلۡمٍ مِّنَ الَّذِيۡنَ هَادُوۡا حَرَّمۡنَا عَلَيۡهِمۡ

سو یہود کے گناہ سے ہم نے حرام کیں ان پر

طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتۡ لَهُمۡ وَبِصَدِّهِمۡ عَنۡ سَبِيۡلِ

کتنی پاک چیزیں جو ان کو حلال تھیں اور اس سے کہ اٹکتے تھے اللہ کی راہ سے

اللّٰهِ كَثِيۡرًا ۝١٦٠ وَّاَخۡذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدۡ نُهُوۡا

بہت اور ان کے سود لینے پر اور ان کو اس

عَنۡهُ وَاَكۡلِهِمۡ اَمۡوَالَ النَّاسِ بِالۡبَاطِلِ ؕ

سے منع ہو چکا ہے اور لوگوں کے مال کھانے پر ناحق

وَاَعۡتَدۡنَا لِلۡكٰفِرِيۡنَ مِنۡهُمۡ عَذَابًا

اور تیار کی ہے ہم نے منکروں کے واسطے دکھ کی مار

اَلِيۡمًا ۝١٦١ لٰكِنِ الرّٰسِخُوۡنَ فِى الۡعِلۡمِ مِنۡهُمۡ وَ

لیکن جو ثابت ہیں علم پر ان میں اور

الۡمُؤۡمِنُوۡنَ يُؤۡمِنُوۡنَ بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ

ایمان والے سو مانتے ہیں جو اترا تجھ پر اور جو اترا تجھ سے

مِنۡ قَبۡلِكَ وَالۡمُقِيۡمِيۡنَ الصَّلٰوةَ وَالۡمُؤۡتُوۡنَ

پہلے اور آفرین نماز پر قائم رہنے والوں کو اور دینے والے زکوٰۃ کے

الزَّكٰوةَ وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ ؕ اُولٰۤئِكَ

اور یقین رکھنے والے اللہ پر اور پچھلے دن پر ایسوں کو

سَنُؤۡتِيۡهِمۡ اَجۡرًا عَظِيۡمًا ۝١٦٢

ہم دیں گے بڑا ثواب

تتمۂ ذمائم یہود

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِیْنَ ھَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَیْھِمْ طَیِّبٰتٍ ... الیٰ ... سَنُؤْتِیْھِمْ اَجْرًا عَظِیْمًا۔

گزشتہ آیات میں یہود کی نافرمانیوں اور سرکشیوں کو بیان فرمایا اب ان آیات میں بھی ان کی اور چند نافرمانیوں اور سرکشیوں کا ذکر کرتے ہیں مثلاً سود کھانا اور رشوت لینا اور خدا کی راہ سے روکنا اور لوگوں کا مال ناحق اپنے تصرف میں لانا اور ان شرارتوں کے علاوہ اُن بعض عقوبتوں اور سزاؤں کا بھی ذکر کرتے ہیں کہ جو دنیا میں اُن پر نازل ہوئیں منجملہ ان سزاؤں کے ایک سزا یہ تھی کہ بہت سی حلال چیزیں اُن کی نافرمانیوں کی سزا میں ان پر حرام کردی گئیں جیسا کہ سورۂ انعام کی آیت میں اسکی تفصیل ہے وَعَلَی الَّذِیْنَ ھَادُوْا حَرَّمْنَا کُلَّ ذِیْ ظُفُرٍ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَیْھِمْ شُحُوْمَھُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُھُوْرُھُمَآ اَوِ الْحَوَایَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ذٰلِکَ جَزَیْنٰھُمْ بِبَغْیِھِمْ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ یعنی ان پر ان حلال چیزوں کے حرام ہونے کی علت وہی ان کی سرکشی اور ظلم اور زیادتی اور سود خواری اور رشوت ستانی وغیرہ ہے رہا یہ امر کہ یہ چیزیں کس زمانہ میں اور کس نبی کے عہد میں یہود پر حرام کی گئیں سو کتب تفسیر میں اسکی تصریح نہیں غالباً یہ چیزیں حضرت موسیٰؑ کے بعد مختلف زمانوں میں حرام ہوئیں جیسے جیسے یہود کی شرارت بڑھتی گئی حرام ہوتی گئیں واللہ اعلم پس خلاصۂ کلام یہ کہ یہودیوں کے عظیم ظلم اور زیادتی کی وجہ سے جسکی کچھ تفصیل پہلے بیان ہو چکی ہے اور کچھ آیندہ آتی ہے ہم نے ان پر وہ پاکیزہ چیزیں حرام کر دیں جو پہلے ان کے لیے حلال کی گئی تھیں یعنی جب یہود کے ظلم و زیادتی اور عناد اور سرکشی کی کوئی حد نہ رہی تو خدا تعالیٰ نے ان کو یہ سزا دی کہ جو چیزیں پاک اور حلال تھیں وہ ان پر حرام کردیں تاکہ رزق کا دائرہ تنگ ہو جائے اور ان کی سرکشی ٹوٹے اور بسبب ان کے روکنے کے خدا کی راہ سے بہتوں کو یعنی ہم نے ان پر پاک چیزوں کو ان کے ظلم کے سبب سے حرام کیا اور نیز اس لیے بھی حرام کیا کہ وہ بہتوں کو خدا کی راہ سے روکتے تھے اور بسبب اُن کے سود لینے کے حالانکہ اُن کو اس کی ممانعت کی گئی تھی اور بسبب اس کے کہ وہ لوگوں کا مال ناحق کھا لیتے تھے ان وجوہ کی بناء پر ہم نے حلال چیزیں ان پر حرام کر دیں۔ یہ تو دنیا کی سزا تھی اور آخرت میں ہم نے اُن کے لیے جو ان میں سے کافر ہیں دردناک عذاب تیار کیا ہے پس عام حالت تو اہل کتاب کی یہی ہے جو بیان کی گئی لیکن ان میں سے جو علم میں پختہ اور مضبوط ہیں جیسے عبداللہ بن سلامؓ اور ان کے رفقاء جن کی ان بشارتوں پر نظر ہے کہ جو انبیاء سابقین نے نبی آخر الزمانؐ کے ظہور کی دی ہیں سو یہ لوگ اور دیگر مسلمان ایمان لاتے ہیں اس کتاب پر جو آپ کی طرف اتاری گئی اور اس کتاب پر بھی جو آپ سے پہلے اتاری گئی اور خاص کر وہ لوگ کہ جو نماز کو قائم رکھتے ہیں وہ قابل صد آفرین ہیں اور وہ لوگ

جو زکوٰۃ دیتے ہیں وہ بھی اس پر ایمان لاتے ہیں جو آپ پر اترا ہے اور آپ سے پہلے نبیوں پر جو اترا ہے اور وہ لوگ کہ جو ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور پچھلے دن پر یعنی اللہ کی وحدانیت اور قیامت کی تصدیق کرنے والے ہیں اور مبداء اور معاد کو مانتے ہیں یہ بھی اس چیز پر جو آپ پر اور پچھلے پیغمبروں پر اتری ہے ایمان لاتے ہیں ایسے لوگوں کو ہم ضرور اجر عظیم عطا کریں گے جو ان کے وہم و گمان سے کہیں بالا ہوگا۔

ف (۱) وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ قواعد نحویہ کے مطابق والمقیمون چاہیئے تھا کیونکہ معطوف علیہ مرفوع ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جب چند مرفوعات کا بطور عطف ذکر ہوتا ہے اور ان میں سے ایک چیز سب سے اشرف ہوتی ہے تو اہل عرب اس کو اپنے کلام میں بطور مدح یا بطور اختصاص منصوب لاتے ہیں جو اَمْدَحُ یا اَخُصُّ مقدر کا معمول ہوتا ہے جس سے ان کا مقصد اس چیز کی شرافت اور فضیلت اور خصوصیت کا اظہار ہوتا ہے اسی قاعدہ کے مطابق اس جگہ وَالْمُقِيْمِيْنَ منصوب لایا گیا اور مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں میں اوصاف مذکورہ پائے جاتے ہیں اگرچہ وہ اوصاف سب کے سب نہایت عمدہ ہیں مگر نماز ان میں سے خصوصیت سے قابل ذکر ہے اور اس وجہ سے شاہ عبدالقادرؒ نے وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ کا ترجمہ اس طرح فرمایا: اور آفرین نماز قائم رکھنے والوں کو: اور شاہ ولی اللہ نے اس طرح ترجمہ فرمایا: و مدح می کنم بر پا دارندگان نماز را۔ باپ اور بیٹے کے ترجموں میں اشارہ اس طرف ہے کہ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ منصوب علی المدح والاختصاص ہے۔

ف (۲) وَاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت موسویہ میں بھی سود حرام تھا۔

لطائف و معارف

حق جل شانہ نے ان آیات میں یہود کے قبائح اور فضائح کو بیان کیا اور خاص طور پر ان کے اس قول کی تردید اور تکذیب کی کہ ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا کہ ان کا یہ قول بالکل غلط ہے وہ نہ مقتول ہوئے اور نہ مصلوب ہوئے بلکہ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو بے مثال عزت و رفعت عطا کی کہ ان کو آسمان پر اٹھا لیا کما قال تعالیٰ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ اور اس کے علاوہ حق تعالیٰ نے ان آیات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ایک دوسری پیش آنے والی عظیم الشان عزت و شوکت کی خبر دی کہ وہ قیامت کے قریب آسمان سے نازل ہوں گے اور اس وقت ان کی شان و شوکت و جاہ و جلال کو دیکھ کر اہل کتاب میں

سے ہر شخص حضرت عیسیٰؑ پر ان کی موت سے پہلے ضرور ایمان لے آئے گا پھر قیامت کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان پر گواہی دیں گے

اب ہم اس اجمال کے بعد مضامین مذکورہ بالا کی قدرے تفصیل اور تشریح کرنا چاہتے ہیں تاکہ ناظرین کرام کے لیے موجب ہدایت و طمانیت ہو۔

اس سلسلہ میں مناسب بلکہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے دلائل و براہین سے اس امر کو واضح کر دیا جائے کہ عیسیٰ علیہ السلام قطعاً مقتول اور مصلوب نہیں ہوئے بلکہ زندہ آسمان پر اٹھائے گئے جیسا کہ حق تعالیٰ نے خبر دی ہے وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ اور وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ اور حق تعالیٰ نے جو خبر دی ہے وہی حق اور صدق ہے وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا۔

(۱) عقیدۂ قتل وصلب کا ابطال

قَالَ تَعَالٰی مَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ

نصاریٰ کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مقتول و مصلوب ہوئے اور تین دن قبر میں مردہ رہ کر زندہ ہو گئے اور اٹھ کر آسمان پر چڑھ گئے۔

نصاریٰ کا یہ مسئلہ سراسر خلاف عقل ہے اس لیے کہ قتل اور صلب اور موت سب مخلوق کیلئے ہے نہ کہ خالق کے لیے اور اہل اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت مسیح بن مریمؑ نہ مقتول ہوئے اور نہ مصلوب بلکہ صحیح و سالم اسی جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر اٹھائے گئے اور یہود بے بہبود کی جو جماعت ان کے قتل کے ارادہ سے اُن کے مکان میں داخل ہوئی تھی انہی میں کا ایک شخص بحکم خداوندی حضرت مسیحؑ کی ہم شکل بنا دیا گیا دشمنوں نے اسی کو مسیح سمجھ کر قتل کر ڈالا۔

قرآن کریم اس دعوے کی نہایت شد و مد سے تردید کرتا ہے کہ انہوں نے مسیح کو قتل کیا یا صلیب پر چڑھایا وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ۔

اور قرآن یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو زندہ آسمان پر اٹھایا اور اہل کتاب کو اصل حقیقت کا علم ہی نہیں یہ لوگ شک اور اختلاف کی وادی تیہ میں سرگرداں ہیں۔

یہ قرآن کریم کی شہادت ہے جو سب سے بڑی شہادت ہے اور نصاریٰ کے متعدد فرقے بھی اسی کے قائل ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ مقتول ہوئے اور نہ مصلوب بلکہ زندہ آسمان پر اٹھائے گئے دیکھو نوید جاوید ص۳۷۲ تا ص۳۹۴ کلیسا نمبر (۸) اور انشاء اللہ تعالیٰ ہم عنقریب اس کا خلاصہ ہدیۂ ناظرین کریں گے۔

نصاریٰ حضرت عیسیٰؑ کا مصلوب ہونا اپنی محرّف انجیلوں سے اور مؤرخین کے اقوال سے ثابت کرتے ہیں اور علاوہ محرف ہونے کے اناجیل کے بیانات اس درجہ مختلف اور متعارض ہیں کہ بیان سے باہر ہیں جیسا کہ نوید جاوید از ص۳۸۵ تا ص۳۹۲ میں ان اختلافات کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

قرآن پاک یہ کہتا ہے کہ یہود و نصاریٰ کے پاس اس دعوے کی کوئی دلیل نہیں اور نہ ان کے پاس اس واقعہ قتل کا کوئی عینی شاہد موجود ہے اس لیے کہ تاریخی حیثیت سے یہ امر مسلّم ہے کہ جب یہود حضرت مسیح کو گرفتار کرنے کے لیے گئے تو وہ رات کا وقت تھا اور گرفتاری کے وقت مصلوبی سے پہلے ہی تمام حواری حضرت مسیح کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے واقعہ کے وقت کوئی حواری حاضر نہ تھا تو پھر متی اور لوقا اور مرقس اور یوحنا اور پولوس کس بات کی شہادت دیتے ہیں کیا کسی انگریزی عدالت میں ایسے شخص کی شہادت قبول کی جا سکتی ہے جو واقعہ کے وقت موجود نہ ہو بلکہ یہ کہے کہ میں خود تو موجود نہ تھا ہاں کسی سے سنا ہے کہ فلاں آدمی کو سولی پر چڑھایا گیا اور جس سے سنا ہے اس کا نام بھی معلوم نہیں اس لیے کسی انجیل میں کسی حواری نے کسی سند متصل کے ساتھ یہ روایت نہیں کیا کہ فلاں شخص نے اپنی آنکھ سے دیکھ کر یہ واقعہ بیان کیا۔

غرض[1] یہ کہ گرفتاری کے وقت حضرت مسیح کو ان کے تمام شاگرد تن تنہا چھوڑ کر بھاگ گئے جیسا کہ انجیل متی باب ۲۶ درس ۵۶ میں ہے۔

سب نے بے وفائی کی حالانکہ پہلے وفا کا بڑا دم بھرتے تھے نیز اگر نامردی اور بے وفائی کی وجہ سے ایسی پریشانی کے وقت میں حضرت مسیحؑ کے ساتھ گرفتار ہونا یا جان دینا مشکل تھا تو کیا حضرت مسیحؑ کے لیے رات کو جاگتے رہنا بھی مشکل تھا مگر حواری بے فکری کے ساتھ سوتے رہے حالانکہ حضرت مسیحؑ نے ان کو تاکید کی تھی کہ میرا دل مرنے تک بہت غمگین ہے تم یہاں میرے ساتھ جاگتے رہو دیکھو انجیل متی باب ۲۶ درس (۳۸) پھر اس حکم کے بعد حضرت ذرا دور جا کر سر بسجود دعا میں مشغول ہو گئے (۴۰) پھر شاگردوں کے پاس آکر انہیں سوتے پایا اور پطرس (حواری سے خاص طور پر یہ) کہا کیوں تم میرے ساتھ ایک گھڑی بھی نہ جاگ سکے (۴۱) جاگو اور دعا مانگو تاکہ آزمائش میں نہ پڑو دیکھو انجیل متی باب ۲۶ از درس ۳۸ تا درس ۴۶

افسوس کہ حضرت مسیح نے بار بار شکایت کی کہ تم اب بھی سوتے ہو اور آرام کرتے ہو اور ظاہر ہے کہ اگر حواریین کو مسیح سے کچھ بھی محبت ہوتی تو ایسے وقت میں کبھی ان کو نیند نہ آتی دنیا داروں کا یہ حال ہے کہ اگر ان کے کسی عزیز اور دوست پر کوئی پریشانی آجاتی ہے تو گھبرا اٹھتے ہیں اور آنکھوں سے نیند اڑ جاتی ہے۔

---

[1] دیکھو ازالۃ الشکوک ص۱۵۰ ج ۱ مصنفہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ کیرانوی رح

اور یہوداہ نے تو یہ ستم کیا کہ تیس درہم رشوت لے کر اپنے خداوند یسوع مسیح کو یہودیوں کے ہاتھ گرفتار کرا دیا جیسا کہ انجیل متی باب ۲۶ آیت ۱۴ میں ہے اور انجیل مرقس باب ۱۴ درس ۱۰-۱۱ میں ہے اور انجیل لوقا باب ۲۲ درس ۳ میں مذکور ہے اور پطرس جو کہ نصاریٰ کے نزدیک اعظم الحواریین ہے اُس نے تو قسم کھا کر کہدیا کہ میں اس شخص (مسیح) کو جانتا ہی نہیں جیسا کہ ولیم میور نے اپنی تاریخ کے پہلے باب کے تیرھویں دفعہ میں لکھا ہے کہ مسیح کے حواریوں اور شاگردوں نے اب تک (یعنی مسیح کے مصلوب ہوتے تک) اس کی تعلیم کی حقیقت اور مطلب کو بالکل نہیں سمجھا تھا اور اُن کا سُست ایمان دنیوی نعمتوں اور فائدوں کی امید میں لگا تھا اس کے گرفتار ہوتے ہی وہ سب بھاگ گئے اور پطرس نے جو عدالت میں گیا وہاں ا پنے خداوند کا انکار کیا منقول از ازالۃ الشکوک صـ۱۷۹ ج ۱۔

غرض یہ کہ یہ تو حواریین کا حال ہوا کہ حضرت مسیح کی گرفتاری کے وقت سب بھاگ گئے تھے ان میں سے کوئی موجود نہ تھا جو گواہی دے سکے اور اپنا عینی مشاہدہ بیان کر سکے حتی کہ حضرت مسیحؑ کی والدہ محترمہ حضرت مریمؑ بھی اس وقت موجود نہ تھیں جب اُن کے لخت جگر کو پھانسی دی جا رہی تھی اس وقت اگر شاگرد بھاگ گئے تھے تو والدہ کو تو ضرور بالضرور موجود رہنا چاہیئے تھا باقی رہے یہود بے بہبود جن کو نصاریٰ گواہی میں پیش کرتے ہیں علاوہ ازیں کہ وہ ایک ظالم حاکم کے پولیس کے چند بے دین سپاہی چپراسی تھے وہ کہتے ہیں کہ ہم مسیح کو قتل کر آئے جن کا حال یہ تھا کہ وہ حضرت مسیحؑ کو پہچانتے ہی نہ تھے اور اشتباہ میں پڑے ہوئے تھے اسلیے کہ اگر یہود کو اشتباہ نہ تھا تو حضرت مسیح کے ایک شاگرد کو تیس درہم رشوت دینے کی کیا ضرورت تھی تیس روپیہ رشوت کے اسی لیے دیئے کہ وہ اُن کو بتا سکے کہ مسیح یہ ہیں چنانچہ یہود جب وہاں پہنچے تو یسوع نے اُن سے کہا کہ کسے ڈھونڈتے ہو انہوں نے جواب دیا یسوع ناصری کو یسوع نے اُن سے کہا کہ میں ہی ہوں اور یہ کہتے ہی سب زمین پر بے ہوش ہو کر گر پڑے بار بار ایسا ہی ہوا دیکھو انجیل یوحنا باب ۱۸ درس ۵

پس اس حالت میں اللہ تعالیٰ نے حاضرین میں سے ایک شخص کو حضرت مسیح کا ہم صورت اور ہمشکل بنا دیا جس کو یہود نے مسیح سمجھ کر قتل کر ڈالا اس طرح اللہ نے ان کو اشتباہ میں ڈال دیا اور ایک فرشتہ حضرت مسیح کی مدد کے لیے آسمان سے نازل ہوا جو اُن کو اٹھا کر آسمان پر لے گیا (دیکھو دلیل خامس وسادس از کتاب الفارق صـ۲۸۷)

وعدۂ خداوندی

اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح سے پہلے ہی وعدہ کر لیا تھا کہ وہ تیری بابت فرشتوں کو حکم دیگا اور وہ تجھے ہاتھوں پر اٹھا لیں گے ایسا نہ ہو کہ تیرے پاؤں کو پتھر سے ٹھیس لگے دیکھو انجیل متی باب ۴ درس ۶ اور

انجیل لوقا باب ۴ درس دہم میں اس طرح ہے کیونکہ لکھا ہے کہ وہ تیری بابت اپنے فرشتوں کو حکم دے گا کہ تیری حفاظت کریں (۱) اور یہ بھی کہ وہ تجھے ہاتھوں پر اٹھا لیں گے ایسا نہ ہو کہ تیرے پاؤں کو پتھر کی ٹھیس لگے - اھ

حضرت مسیحؑ کی پیشین گوئی

حق تعالیٰ نے حضرت مسیح سے وعدہ فرمایا کہ تم دشمنوں سے گھبرانا نہیں اللہ تمہاری حفاظت کے لیے فرشتوں کو حکم دے گا حضرت مسیح کو حق تعالیٰ کے وعدہ پر یقین واثق تھا اس لیے حضرت مسیح نے حادثہ صلیب سے چند دن پہلے ہی یہ پیشین گوئی فرما دی تھی کہ میں صرف چند روز تمہارے ساتھ ہوں پھر میں عنقریب اپنے خدا کے پاس چلا جاؤں گا اور لوگ مجھے ڈھونڈیں گے مگر نہیں پائیں گے اور جہاں میں ہوں وہاں نہیں آسکیں گے دیکھو انجیل یوحنا باب ۷ درس ۳۳ اور یہی مضمون انجیل یوحنا کے باب ہشتم از درس ۲۱ تا درس ۲۴ میں مذکور ہے اور اسی کے قریب قریب انجیل یوحنا باب ۱۶ درس ۵ میں مذکور ہے اور انجیل متی کے باب ۲۳ درس ۳۹ میں ہے میں تم سے کہتا ہوں کہ اب سے مجھے ہرگز نہ دیکھو گے

معلوم ہوا کہ کوئی حضرت مسیح کے پکڑنے پر قادر نہ ہوگا اور کوئی ڈھونڈنے والا ان کو ہرگز نہ پاسکے گا اور نہ کوئی ان کو دیکھ سکے گا پس جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہود نے حضرت مسیح کو ڈھونڈ کر پالیا اور پکڑ کر ان کو سولی پر چڑھا دیا پس وہ لوگ حضرت مسیح کے اس قول کی تکذیب کرتے ہیں

حضرت مسیح تو یہ فرماتے ہیں کہ جہاں میں جاتا ہوں وہاں کوئی نہیں آسکتا اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ (معاذ اللہ) حضرت مسیح نے غلط کہا جہاں حضرت مسیح گئے وہاں اُن کے دشمن یہود بھی پہنچ گئے اور ڈھونڈ کر ان کو پالیا پس نصاریٰ تو اس عقیدۂ صلب سے حضرت مسیح کے اس قول کی تکذیب کر رہے ہیں اور اہل اسلام حضرت مسیح کی تصدیق کرتے ہیں کہ حضرت مسیح نے سچ فرمایا کہ کوئی ڈھونڈنے والا ان کو نہیں پاسکا اور جہاں یعنی آسمان پر وہ تشریف لے گئے وہاں کوئی نہیں جاسکتا اور نہ کوئی ان کو دیکھ سکا دیکھو الفارق ص ۲۸۹ دلیل رابع عشر اور دیکھو الجواب الفسیح لما لفقہ عبد المسیح ص ۲۷۲

حضرت مسیح علیہ السلام کی دُعاء

(۱) چار انجیلوں سے یہ ثابت ہے کہ جب حضرت مسیح کو یہ محسوس ہوا کہ یہود میرے قتل پر آمادہ ہیں تو سجدہ میں گر کر اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی کہ موت کا یہ پیالا مجھ سے ٹل جائے اور آنسو بہا بہا کر خدا سے دعائیں اور التجائیں کیں اور خدا ترسی کی وجہ سے ان کی دعا سنی گئی جیسا کہ پولوس کے خط عبرانیوں کے نام کے پانچویں باب اور ساتویں درس میں اس کی تصریح ہے دیکھو دلیل اول از کتاب الفارق ص ۲۸۶۔

پس جب اُن کی دعا قبول ہوئی تو پھر گرفتاری کے کیا معنی۔

(۲) نیز زبور باب ششم کے درس ہشتم میں ہے

۸ مجھ سے دور ہواے سارے بدکردارو کہ خداوند نے میرے رونے کی آواز سنی

۹ خداوند نے میری فریاد سنی ہے خداوند میری دعا قبول کرے گا۔

۱۰ میرے سارے دشمن شرمندہ ہوجائیں گے اور نہایت کپکپی میں پڑیں گے وہ پھریں گے اور ناگہانی خجالت کھینچیں گے انتہی

علماء نصاریٰ کے نزدیک یہ زبور حضرت مسیح کے حق میں ہے جس میں صراحۃً یہ مذکور ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی دعا قبول ہوگی اور ان کے دشمن ناکام اور شرمندہ ہوکر واپس ہوں گے۔

معلوم ہوا کہ دشمن حضرت مسیحؑ کے قتل وصلب پر قادر نہ ہوں گے حتی کہ ان کے قریب بھی نہ جاسکیں گے۔

(۳) نیز زبور باب ۱۰۹ ایک سو نو اور درس ۲۶ چھبیس میں ہے

۲۶ اے خداوند میرے خدا میری کمک کر اپنے رحمت کے مطابق مجھے نجات دے

۲۷ تاکہ وہ جانیں کہ یہ تیرا ہاتھ ہے کہ تو نے اے خداوند یہ کیا ہے۔

۲۸ وہ لعنت کریں پر تو برکت دے جب وہ اٹھیں تو شرمندہ ہوں پر تیرا بندہ شادمان ہو

۲۹ میرے دشمن خجالت کی پوشاک سے ملبّس ہوں اور اپنی شرمندگی کے چادر سے آپ کو چھپالیں۔

۳۰ میں اپنے منہ سے خداوند کی بہت ہی ستائش کروں گا ہاں بہتوں کے بیچ اس کی حمد گاؤں گا۔ اھ

یہ زبور بھی باتفاق علماء نصاریٰ حضرت مسیح کے حق میں ہے جس میں حضرت مسیح نے اپنی نجات اور دشمنوں کی خجالت کی دعا کی ہے۔

نصاریٰ یہ کہتے ہیں کہ معاذ اللہ حضرت مسیح نے ایک مایوس انسان کی طرح خدا کا شکوہ کرتے کرتے جان دے دی اس لیے کہ ایلی ایلی لما سبقتنی کہتے ہوئے جان دیدینا صریح مایوسی اور شکوہ خداوندی ہے اور یہ قطعًا ناممکن اور محال ہے کہ پیغمبر خدا تعالیٰ سے مایوس ہوکر اس کا شکوہ کرنے لگے اِنَّهٗ لَا يَا۟يْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ۔

علماء نصاریٰ کے نزدیک یہ مسلّم ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسحٰقؑ اور حضرت یعقوبؑ اور حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ پر جب موت کا وقت آیا تو غایت درجہ شاداں وفرحاں تھے کہ اب خداوند ذوالجلال سے لقاء کا وقت آیا اور کوئی بھی ان میں سے موت سے نہیں گھبرایا۔

اور نصاریٰ کے اعتقاد میں تو حضرت مسیح خدا تھے تو بجائے اس کے کہ بندے (یہود)

خدا سے ڈرتے معاملہ برعکس تھا کہ خدا بندوں سے ڈر رہا تھا معلوم ہوا کہ جزع فزع کرنے والا شخص مصلوب حضرت مسیح کے علاوہ کوئی اور شخص تھا جو حضرت عیسیٰؑ کے شبہ میں قتل کیا گیا اس لیے کہ موت سے گھبرانا معمولی شخص کا کام ہے موت کے متعلق تو اولیاء کا یہ حال ہوتا ہے

خرم آنروز کزیں منزل ویراں بروم راحت جاں طلبم وزپے جاناں بروم

اور حضرات انبیاء کرام کی شان تو اولیاء اللہ سے کہیں بلند ہے دیکھو دلیل تاسع از کتاب الفارق صفحہ ۲۸۸ ۔

حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ کا واقعہ مشہور ہے کہ وہ محض ایک خواب کی بناء پر انتہائی ذوق و شوق کے ساتھ اپنے باپ کے ساتھ اپنے آپ کو ذبح کرانے کے لیے مذبح کی جانب روانہ ہوئے

فرشتہ کا حضرت مسیح کی مدد کیلئے نمودار ہونا

حضرت مسیح جب دعا کر چکے تو خدا تعالےٰ کی جانب سے ایک فرشتہ ان کی تائید اور اعانت کے لیے آیا جیسا کہ انجیل لوقا باب ۲۲ آیت ۳۹ میں ہے اور آسمان سے ایک فرشتہ اس کو دکھائی دیا وہ اُسے تقویت دیتا تھا اھ

یعنی آسمان سے فرشتہ نازل ہوا کہ حضرت مسیح کو آسمان پر اٹھائے جائے ورنہ اگر حضرت مسیح یہود کے ہاتھ سے قتل ہو گئے تو پھر اس فرشتہ نے حضرت مسیح کی کیا مدد کی اور اس کے آنے سے کیا فائدہ ہوا کیا وہ فرشتہ محض قتل کا تماشہ دیکھنے آیا تھا۔

حضرت مسیح کا لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہو جانا

اس کے بعد حضرت مسیح لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہو گئے جیسا کہ انجیل یوحنا باب ۱۲ درس ۳۷ میں ہے یسوع یہ باتیں کہہ کر چلا گیا اور اپنے آپ کو اس سنے چھپا لیا ۔ اھ

اور انجیل یوحنا کے باب ۲۰ آیت ۲۰ میں ہے یسوع آیا اور بیچ میں کھڑا ہوا بولا تم پر سلام الخ اور اس کے بعد کتاب الاعمال باب ۱ آیت ۹ میں ہے اور وہ یہ کہہ کے اُن کے دیکھتے ہوئے اوپر اٹھایا گیا اور بدلی سنے اُسے اُن کی نظروں سے چھپا لیا اور اس کے جاتے ہوئے جب وسے آسمان کی طرف تک رہے تھے دیکھو دو مرد سفید پوشاک پہنے ان کے پاس کھڑے تھے اور کہنے لگے اے جلیلی مردو تم کیوں کھڑے آسمان کی طرف دیکھتے ہو یہی یسوع جو تمہارے پاس سے آسمان پر اٹھایا گیا ہے اسی طرح جس طرح تم نے آسمان پر جاتے دیکھا پھر آئے گا ناظرین غور کریں کیا انجیل کے ان بیانات سے قرآن کریم کے اس قول وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ کی صراحۃً تصدیق اور تائید نہیں ہوتی ۔

دعوائی صلب وقتل خلاف عقل بھی ہے

نصاریٰ کا یہ دعویٰ کہ حضرت مسیح مصلوب ہوئے خلاف عقل بھی ہے اس لیے کہ نصاریٰ کے نزدیک جب حضرت مسیح خدا ہیں اور یہود اُن کے بندے ہیں تو خدا کا اپنے بندوں کے ہاتھ سے مقہور ومجبور ہونا اور صلیب پر لٹکایا جانا سراسر خلاف عقل ہے جس دین میں معاذ اللہ خدا بندوں کے ہاتھ سے سولی دیا جاسکے وہ دین نصاریٰ ہی کو مبارک ہو۔

تواتر اور شہرت میں فرق

نصاریٰ کا یہ زعم ہے کہ واقعۂ صلیب تواتر سے ثابت ہے سو یہ زعم زعم فاسد ہے اس لیے کہ تواتر اس کو کہتے ہیں کہ عین واقعہ کے وقت چشم دید شہادت دینے والے اتنے کثیر تعداد میں ہوں کہ عادۃً اُن کا متفق ہوکر جھوٹ بنا لینا محال ہو اور جب عین واقعہ کا کوئی عینی گواہ ہی نہ ہو تو زمانۂ مابعد کی شہرت محض افواہ کا درجہ رکھتی ہے اسکو تواتر نہیں کہا جا سکتا جیسا کہ ہندوؤں میں یہ مشہور ہے کہ راون کے دس سر تھے اور رہنومان جی نے پہاڑ اٹھا لیا تھا تو اس قسم کی بے سروپا خبروں کو متواتر نہیں کہا جا سکتا۔ رہا نصاریٰ کا یہ دعویٰ کہ حضرت مسیح علیہ السلام تین دن قبر میں رہنے کے بعد زندہ ہوگئے اور قبر سے اُٹھ کھڑے ہوئے نصاریٰ کے پاس اس کا کوئی شاہد عینی موجود نہیں نہ حواریین میں سے نہ عوام سے نہ عورتوں میں سے اور نہ یہود میں سے اور نہ چپراسیوں میں سے اور نہ پہرہ داروں میں سے کوئی بھی اس کا گواہ نہیں کہ میں نے حضرت مسیح کو قبر سے اٹھتے دیکھا ہے اور مریم کی جو روایت نقل کی جاتی ہے اس میں فقط اتنا ہے کہ مریم نے قبر کے پاس دور سے کچھ فرشتے اور کچھ آدمی دیکھے باقی حضرت مسیح کو قبر سے اٹھتے ہوئے دیکھنا مریم نے بھی بیان نہیں کیا دیکھو الفارق ص۲۹۰ دلیل سادس عشر

اسی مضمون کی ایک دوسری آیت

وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۔

حق تعالیٰ نے جب سورۂ مائدہ میں حضرت عیسیٰؑ پر اپنے انعامات کا ذکر کیا تو ان میں ایک بڑا انعام یہ شمار کیا ہے کہ عیسیٰؑ یاد کرو اس وقت کو کہ بنی اسرائیل کو تم سے روک دیا تھا کہ وہ تمہارے پاس آنے پر بھی قادر نہ ہوئے۔

جس سے صاف ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل عیسیٰ علیہ السلام کو گزند نہیں پہنچا سکے۔

جیسا کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں ہے اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ۔

پس جس طرح ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم دشمنوں سے بالکلیہ محفوظ رہے اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی یہود سے بالکلیہ محفوظ رہے۔

لطیفہ ایک پادری صاحب ایک مجلس میں تشریف لائے اور لوگوں کو دین مسیحی کی تبلیغ

کرنے لگے اثناء گفتگو میں یہ بیان کیا کہ خداوند یسوع نے لوگوں کے لیے تمام رنج اٹھائے اور سولی پر چڑھا اور مدفون ہوا اور تین دن جہنم میں رہا تو مجلس میں ایک ظریف الطبع مسیحی بھی تھا سن کر کہنے لگا کہ باپ بڑا ہی سخت دل تھا کہ بیٹے کو طرح طرح کی ایذاؤں میں مبتلا کیا اور تین روز تک جہنم میں پڑا رہنے دیا پادری صاحب نے خفا ہو کر اس کو مجلس سے نکال دیا مجلس سے باہر آنے کے بعد وہ مسیحی اس جہل عقیدہ سے تائب ہوا اور مسلمان ہو گیا۔

اطلاع علامہ شیخ عبدالرحمٰن آفندی نے اپنی کتاب الفارق بزبان عربی میں از ص۲۸۰ تا ص۲۹۱ اخبار تاریخیہ اور ادلۂ عقلیہ سے دعوائے صلب کی مفصل تردید فرمائی ہے حضرات اہل علم اصل کی مراجعت کریں اور شیخ ابوالفضل مالکی مسعودی نے منتخب التجیل میں باب ہفتم اور باب ہشتم میں ص۹۷ تا ص۱۲۳ اس پر کلام کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مقتول و مصلوب نہیں ہوئے بلکہ ان کا کوئی شبیہ اور مثیل مقتول و مصلوب ہوا ہے حضرات اہل علم اصل کتاب کو دیکھیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ واقعۂ قتل کے وقت حواریین اور اصحاب عیسیٰ علیہ السلام میں سے موقعہ پر کوئی موجود نہ تھا صرف پولیس کے چند یہودی موجود تھے جو حضرت مسیح کو پہچانتے بھی نہ تھے اُن کو خود معلوم نہ تھا کہ مسیح کون ہے اور ہم کس کو گرفتار کر رہے ہیں اُن کو خود یقین نہ تھا کہ ہم نے حضرت مسیح کو قتل کیا ہے نشان دہی کے مطابق ایک شخص کو مسیح سمجھ کر قتل کیا پس کیا پولیس کے ایسے چند بے خبر چپراسیوں کی خبر کو خبر متواتر کہا جا سکتا ہے اور کیا اہل عقل کے نزدیک ایسی خبر سے کوئی جزم اور یقین حاصل ہو سکتا ہے عجب نہیں کہ کسی منافق نے یہود سے رشوت لے کر انجیلوں میں قتل و صلب کی فرضی داستان شامل کر دی ہو تاکہ لوگ نصاریٰ کے دین کا مذاق اڑائیں نصاریٰ کے نزدیک جب رشوت لے کر خدا کو گرفتار کرا دینا ممکن ہے تو رشوت لے کر بائبل میں کوئی الحاق کر دینا کیا مشکل ہے (دیکھو منتخب التجیل ص۱۰۵)

(۲) وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ

ایمۂ تفسیر نے اس آیت کی دو[1] طرح تفسیر فرمائی ایک تو یہ کہ لفظ لھم کو شُبِّہ کا نائب

[1] قال الامام الرازی قولہ شبہ مسند الی ماذا؟ فیہ وجہان (الاول) انہ مسند الی الجار والمجرور وھو کقولک خیّل الیہ کانہ قیل وقع لھم الشبہ (الثانی) ان یسند الی ضمیر المقتول لان قولہ وما قتلوہ یدل علی انہ وقع القتل علی غیرہ فصار ذلک الغیر مذکورا بھذا الطریق فحسن اسناد شبہ الیہ تفسیر کبیر ص۳۵۰ ج۳ وکذا فی البحر المحیط ص۳۹۰ ج۳ وروح المعانی ص۱۰ ج۵ وتفسیر غرائب القرآن للنیسابوری ص۱۷ ج۶)

فاعل قرار دیا جائے اور مطلب یہ ہو کہ یہود جب گرفتاری کے لیے اندر گھسے تو وہاں عیسیٰ علیہ السلام کو نہ پایا یہ دیکھ کر حیران رہ گئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے حضرت مسیح کو آسمان پر اٹھا لیا اور یہود کو شبہ اور اشتباہ میں ڈال دیا گیا جیسا کہ شاہ ولی اللہؒ نے اس کا ترجمہ اس طرح فرمایا ہے "ولیکن مشتبہ شد برایشان" اور شاہ رفیع الدینؒ نے اس طرح ترجمہ کیا اور لیکن شبہ ڈالا گیا واسطے ان کے۔ اھ

امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ بعض متکلمین یہ فرماتے ہیں کہ جب یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہ پایا تو انہوں نے کسی اور شخص کو قتل کر کے مشہور کر دیا کہ ہم نے مسیح بن مریمؑ کو قتل کر ڈالا دوسری تفسیر یہ ہے کہ شُبِّہَ کی ضمیر مقتول و مصلوب کی طرف راجع کی جائے جو لفظ اِنَّا قَتَلْنَا، اور وَمَا قَتَلُوْهُ سے سمجھا جاتا ہے اور مطلب یہ ہے کہ ایک دوسرا شخص حضرت عیسیٰؑ کا شبیہ اور مثیل بنا دیا گیا جس طرح حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے عصا کو اژدہا کے مشابہ بنا دیا اسی طرح خدا تعالیٰ نے ایک شخص کو حضرت عیسیٰؑ کے مشابہ بنا دیا چنانچہ شاہ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں "ولیکن وہی صورت بن گئی اُن کے آگے"، یعنی من جانب اللہ ایک شخص کو حضرت عیسیٰؑ کا ہم صورت اور ہم شکل بنا دیا گیا تاکہ لوگ اس کو عیسیٰؑ سمجھ کر قتل کریں اور ہمیشہ کے لیے اشتباہ اور التباس میں پڑ جائیں۔

یہ دوسرا ترجمہ پہلے ترجمہ کے مغایر نہیں بلکہ اسی شبہ اور اشتباہ کی توضیح اور تفسیر ہے کہ شبہ میں دوسرے شخص کو عیسیٰؑ سمجھ کر سولی دیدی اور اُن کو ایسا ہی معلوم ہوا کہ ہم عیسیٰ کو سولی دے رہے ہیں یعنی اس صورت و شباہت سے وہ اشتباہ اور التباس میں پڑ گئے کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو تو آسمان پر اٹھا لیا اور حاضرین میں سے ایک شخص پر اُن کی شباہت ڈال دی گئی لوگوں نے اس ہم شکل کو عیسیٰ سمجھ کر سولی پر چڑھا دیا اور یہ اُن کے شبہ اور اشتباہ کا سبب بنا اور اسی وجہ سے وہ اختلاف میں پڑ گئے۔

تفسیر دیگر اور بعض علماء تفسیر اس طرف گئے ہیں کہ شُبِّہَ کی ضمیر عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام تو دشمنوں کی نظروں سے پوشیدہ کر دیئے گئے مگر اُن کی شبیہ اور اُن کی مثال ان کے سامنے کر دی گئی دیکھو حاشیہ عقیدۃ الاسلام ص۱۷۸۔

جیسا کہ حدیث میں ہے رأیت الجنۃ والنار ممثلتین فی قبلۃ الجدار دیکھو حاشیہ عقیدۃ الاسلام ص۱۷۹۔

یا یوں کہو کہ مطلب یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اُن کے لیے مشتبہ بنا دیئے گئے حتیٰ کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کو نہ پہچان سکے اور اس اشتباہ میں دوسرے کو عیسیٰ سمجھ کر سولی پر چڑھا دیا۔

غرض یہ کہ ظاہر قرآن سے یہی مفہوم ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام تو قتل اور صلب سے محفوظ رہے اور اُن کے شُبہ اور اشتباہ میں کسی دوسرے شخص کو ان کے ہمشکل سمجھ کر سولی پر چڑھا دیا اور یہی حق ہے اور چاروں انجیلیں بھی اس کی تائید کرتی ہیں ۔

(۱) اس لیے کہ چاروں انجیلوں سے یہ ثابت ہے کہ شخص مصلوب نے اس وقت یہود سے پانی مانگا تو یہود نے اس کو ایک نہایت کڑوا سرکہ لاکر دیا جس کو وہ نہ پی سکا ۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ مصلوب حضرت مسیح نہ تھے اس لیے کہ حضرت مسیح تو چالیس دن و رات کا صوم وصال رکھتے تھے اُن کو اپنے دشمنوں سے ذلت اور نیازمندی کے ساتھ پانی مانگنے کی کیا حاجت تھی معلوم ہوا کہ جس پانی مانگنے والے کو سولی دیدی گئی وہ عیسٰی علیہ السلام کے علاوہ کوئی دوسرا شخص تھا جو اُن کے ہم صورت اور ہمشکل ہونے کی وجہ سے سولی چڑھایا گیا دیکھو دلیل ثامن از کتاب الفارق ص۲۸۷ ۔

(۲) نیز توراۃ سے یہ امر ثابت ہے کہ شریر نیک کا فدیہ ہوتا ہے یہ اس امر کی دلیل ہے کہ شخص مصلوب حضرت مسیح کے علاوہ کوئی دوسرا شخص تھا ورنہ لازم آئے گا کہ معاذ اللہ حضرت مسیح اشرار میں سے ہوں دیکھو دلیل ثامن عشر از فارق ص۲۹۰ ۔

۳- نیز حضرت مسیح علیہ السلام نے یہودیوں کے درمیان نشوونما پائی حضرت مسیح دن رات اُن کو وعظ کہتے اور اُن سے مناظرے کرتے اور وہ آپ کی فصاحت و بلاغت اور حکمت و موعظت سے تعجب کرتے تھے جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہود حضرت مسیح کو خوب جانتے پہچانتے تھے مگر صلیب کے وقت ان کو نہ پہچان سکے پس جس ذات کو تیس۳۰ سال سے دیکھ رہے ہوں اس کو نہ پہچاننا یہ اس امر کی صریح دلیل ہے کہ من جانب اللہ کوئی اشتباہ پیش آیا ہے کما قال تعالیٰ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ حضرات اہل علم الاجوبۃ الفاخرۃ از ص۷۶ تا ص۸۲ ملاحظہ کریں ۔

تنبیہ: سلف صالحین کا اس میں اختلاف ہے کہ جس شخص پر حضرت عیسیٰؑ کی شباہت ڈالی گئی وہ یہودی تھا جیسا کہ وہب بن منبہ سے منقول ہے اور اسی کو امام ابن جریرؒ نے اختیار کیا یا منافق عیسائی تھا یا حضرت عیسیٰ کا مخلص حواری تھا حافظ عماد الدین ابن کثیر فرماتے ہیں کہ تفسیر ابن ابی حاتم میں باسناد صحیح عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ فرمایا تھا کہ جس شخص پر میری شباہت ڈالی جائیگی وہ جنت میں میرا رفیق ہوگا دیکھو تفسیر ابن کثیر ص۵۷۴ ج۱ اور تفسیر قرطبی ص۱۰۰ ج۴ سورۂ آل عمران اور اسی طرح مجاہد اور قتادہ اور سدی سے تفسیر ابن جریر ص۱۱ ج۶ میں مذکور ہے کہ جس پر حضرت عیسیٰ کی شباہت ڈالی گئی وہ اُن کے حواریین میں سے تھا

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شخص حضرت عیسیٰ کے مطیع اور فرمانبرداروں میں سے تھا اور ابن عباسؓ کی مفصل روایت تفسیر قرطبی اور تفسیر ابن کثیر میں مذکور ہے جس کو ہم ہدیۂ ناظرین

کرتے ہیں۔

قال ابن ابی حاتم حدثنا احمد بن سنان حدثنا ابومعاویۃ عن الاعمش عن المنہال بن عمرو عن سعید بن جبیر عن ابن عباس قال لما اراد اللہ ان یرفع عیسٰی الی السماء خرج علٰے اصحابہ وفی البیت اثنا عشر رجلا من الحواریین یعنی فخرج علیہم من عین فی البیت ورأسہ یقطر ماء فقال ان منکم من یکفر بی اثنی عشر مرۃ بعد ان آمن بی ثم قال ایکم یلقی علیہ شبہی فیقتل مکانی ویکون معی فی درجتی فقام شابٌّ من احدثہم سنا فقال لہ اجلس ثم اعاد علیہ فقام الشاب فقال انا فقال ھوانت ذاک فالقی علیہ شبہ عیسٰی ورفع عیسٰی من روزنۃ فی البیت الی السماء قال وجاء الطلب من الیہود فاخذوا الشبہ فقتلوہ ثم صلبوہ فکفر بہ بعضہم اثنی عشر مرۃ بعد ان آمن بہ وافترقوا ثلاث فرق فقالت فرقۃ کان اللہ فینا ماشاء ثم صعد الی السماء وھولاء الیعقوبیۃ وقالت فرقۃ کان فینا ابن اللہ ماشاء ثم رفعہ اللہ الیہ وھولاء النسطوریۃ وقالت فرقۃ کان فینا عبد اللہ و رسولہ ماشاء اللہ ثم رفعہ

امام ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ عبد اللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب حق تعالیٰ نے حضرت عیسٰی کو آسمان پر اٹھانے کا ارادہ فرمایا تو گھر میں ایک چشمہ تھا وہاں جاکر حضرت عیسٰے نے غسل فرمایا اور غسل فرماکر باہر مجلس میں تشریف لائے جہاں بارہ حواری موجود تھے (غالباً یہ غسل آسمان پر جانے کے لیے تھا جیسے مسجد میں آنے سے پہلے وضو کرتے ہیں) حواریوں کو دیکھ کر یہ ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ تم میں سے ایک شخص مجھ پر ایمان لانے کے بعد بارہ مرتبہ میرا کفر (انکار) کرے گا بعد ازاں یہ فرمایا کہ تم میں سے کون شخص اس پر راضی ہے کہ اس پر میری شباہت ڈال دی جائے اور وہ میری جگہ قتل ہو اور پھر وہ جنت میں میرا رفیق بنے یہ سنتے ہی ایک نوجوان کھڑا ہو گیا اور اپنے آپ کو اس جاں نثاری اور فدائیت کے لیے پیش کیا عیسے علیہ السّلام نے فرمایا بیٹھ جا اور پھر عیسٰی علیہ السّلام نے اپنے اسی سابق کلام کا اعادہ فرمایا پھر وہی نوجوان کھڑا ہوا اور عرض کیا کہ میں حاضر ہوں

(شعر: نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت
سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی)

عیسٰی علیہ السّلام نے فرمایا اچھا تو ہی وہ شخص ہے اس کے فوراً بعد ہی اس نوجوان پر عیسٰی علیہ السّلام کی شباہت ڈال دی گئی اور عیسٰی علیہ السّلام مکان کے ایک روشندان

اللّٰه اليه وهؤلاء المسلموت فتظاهرت الكافرتان على المسلمة فقتلوها فلم يزل الاسلام طامسا حتى بعث الله محمدا صلے الله عليه وسلم وهذا اسناد صحيح الى ابن عباس ورواه النسائى عن ابى كريب عن ابى معاوية بنحوه وكذا ذكره غير واحد من السلف انه قال لهم ايكم يلقى عليه شبهى فيقتل مكانى وهو رفيقى فى الجنة۔ انتهى۔ تفسیر ابن کثیر ص۵۷۴ ج ۱۔ اور اسی طرح قرطبی ص۱۰۰ ج۴ ۔ تفسیر آل عمران میں ہے

سے آسمان پر اٹھا لیے گئے بعد ازاں یہود کے پیادے عیسیٰ علیہ السّلام کے پکڑنے کے لیے گھر میں داخل ہوئے اور اسی شبیہ کو عیسیٰ سمجھ کر گرفتار کر لیا اور قتل کر کے صلیب پر لٹکا دیا اور ایک شخص نے بارہ مرتبہ عیسیٰ کا انکار کیا بعد ازاں لوگوں میں تین فرقے ہو گئے ایک فرقہ نے تو یہ کہا کہ اللہ ہمارے درمیان میں جب تک چاہا رہا پھر وہ آسمان پر چڑھ گیا اس فرقہ کو یعقوبیہ کہتے ہیں دوسرے فرقہ نے یہ کہا کہ اللہ کا بیٹا ہمارے درمیان تھا جب تک چاہا رہا پھر اللہ نے اس کو اپنی طرف اٹھا لیا اس فرقہ کو نسطوریہ کہتے ہیں تیسرے فرقہ نے یہ کہا کہ حضرت عیسیٰ اللہ کے برگزیدہ بندہ اور رسول تھے جب تک خدا نے چاہا ہمارے درمیان رہے پھر اللہ نے ان کو اپنی طرف اٹھا لیا یہ لوگ مسلمان تھے اول کے دو کافر فرقوں نے اس مسلمان فرقہ پر چڑھائی کر کے اس کو قتل کر دیا اس دن سے اسلام یعنی حق بے نام و نشان ہو گیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو بھیجا (جنہوں نے آکر دنیا کو صحیح حقیقت سے آگاہ کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام مقتول و مصلوب نہیں ہوئے بلکہ زندہ آسمان پر اٹھائے گئے) حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ ابن عباس تک روایت کی سند نہایت صحیح ہے اور اسی طرح نسائی نے بھی روایت کیا ہے اور اسی طرح بہت سے سلف نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ نے یہ فرمایا کہ جس پر میری شباہت ڈالی جائے اور وہ میرے بدلہ میں قتل ہو تو وہ جنت میں میرا رفیق ہو گا انتہی

بہر حال جس پر بھی حضرت عیسیٰ کی شباہت ڈالی گئی خواہ وہ یہودی تھا یا حواری اسبات پر تمام روایات متفق ہیں کہ عیسیٰ علیہ السّلام قتل اور صلب سے بالکل محفوظ رہے اور یہود نے کسی اور شخص کو عیسیٰ سمجھ کر سولی پر چڑھا دیا۔

جس نے یہود و نصاریٰ سب کو شبہ اور اشتباہ میں ڈال دیا اور ان کے باہمی اختلاف کا سبب بن گیا وہ اللہ کا ارادہ اور اس کی مشیت اور اس کی حکمت تھی کما قال اللّٰه تعالیٰ وَلٰكِنْ

شُبِّهَ لَهُمْ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ

مسیلمۂ قادیان کا ہذیان[1]

یہود اور نصاریٰ اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت عیسیٰ کو سولی دے کر مار دیا گیا بعد میں ان میں اختلاف ہوگیا کہ وہ مرنے کے بعد زندہ ہوئے یا نہیں سو یہود کا قول یہ ہے کہ وہ زندہ نہیں ہوئے اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ وہ زندہ ہوئے اور آسمان پر چلے گئے۔

اور اس چودھویں صدی کا مسیلمۂ پنجاب یعنی متنبیِّ قادیان یہ کہتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السّلام قتل تو نہیں ہوئے مگر ہاں وہ سولی ضرور دیئے گئے جب وہ بے ہوش ہوگئے تو یہود نے اُن کو مردہ سمجھ کر قبر میں دفن کر دیا جب قبر میں اُن کو ہوش آیا تو وہ قبر سے خفیہ طور پر نکل کر چلے گئے اور ریاست کشمیر کے مشہور شہر سری نگر میں جا کر قیام کیا اور خفیہ طور پر اپنے زخموں کا علاج کراتے رہے اور ستاسی سال زندہ رہ کر فوت ہوئے اور وہیں محلہ خان یار میں مدفون ہوئے اور وہی ان کا مزار ہے یہ سب مرزائے قادیان کی بکواس ہے جس پر کسی قسم کی کوئی دلیل نہیں دیوانہ گفت ابلہ باور کرد۔ کا مصداق ہے مرزائے قادیان کے قول کی بناء پر آیت اس طرح ہونی چاہیئے تھی وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلٰى كَشْمِيْر

حق جل شانہٗ نے ان آیات میں یہود و نصاریٰ دونوں ہی کا رد فرمایا اور اگرچہ دونوں کے رد کے لیے صرف وَمَا قَتَلُوْهُ کافی تھا مگر علام الغیوب نے اس کے ساتھ وَمَا صَلَبُوْهُ بھی بڑھا دیا یعنی دشمن حضرت مسیح کو سولی پر بھی نہیں چڑھا سکے جس سے یہود و نصاریٰ کا نہایت بلیغ طریقہ سے رد ہوگیا یعنی قتل تو درکنار ان کو تو سولی بھی نہیں دی گئی جس کے وہ مدعی ہیں اور جس کو سولی دی گئی وہ حضرت مسیح کا شبیہ اور مثیل تھا۔

اور یہود و نصاریٰ کے رد کے ساتھ قادیانی فرقہ کا بھی رد ہوگیا جو اس بارہ میں اُن کا مقلد تھا اور حق تعالیٰ نے قتل اور صلب کی علیحدہ علیحدہ نفی فرما دی تاکہ ان کی حیات اور سلامتی اور محفوظیت میں کسی قسم کا کوئی شبہ باقی نہ رہے۔

قرآن کریم تو یہ کہتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السّلام قتل اور صلب سے بالکل محفوظ رہے اور قادیان کے دہقان یہ کہتے ہیں کہ مسیح بن مریم صلیب سے نجات پاکر خفیہ طور پر کشمیر چلے آئے شاید مرزا صاحب کے نزدیک اس زمانہ میں کشمیر بیت المقدس سے زیادہ متبرک ہوگا حیرت کا مقام ہے کہ قرآن کریم نے جس زمین کے متعلق اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا فرمایا ہو اور جو زمین انبیاء بنی

[1] دیکھو حل القرآن ص۱۷۷ دیکھو عقیدۃ الاسلام ص۱۸۵ ص۱۹۰ ص۱۹۳۔

اسرائیل کا مولد و مسکن ہو اور جس زمین میں ان کا قبلہ یعنی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ ہو حضرت عیسیٰ علیہ السّلام اُس مبارک زمین کو چھوڑ کر سرزمین کشمیر کی طرف ہجرت فرمائیں جہاں اس وقت سوائے شرک اور بت پرستی کے خدا پرستی کا نام و نشان نہ ہو اور پھر ہجرت فرمانے کے بعد حضرت عیسیٰ اپنی تمام زندگی خاموشی اور گمنامی میں گزار دیں اور کشمیر پہنچ کر کسی کو توحید کی دعوت نہ دیں اور نہ کسی کو قیامت سے ڈرائیں اور نہ کسی کو خدا کی عبادت کی تعلیم و تلقین فرمائیں اسی طرح خاموشی میں زندگی بسر کر کے شہر سری نگر میں انتقال فرما جائیں اور محلہ خان یار میں اسی طرح دفن ہو جائیں کہ سوائے مرزا قادیان کے روئے زمین پر کسی کو اس کا علم نہ ہو لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

۳- وَاِنَّ الَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا فِیْہِ لَفِیْ شَکٍّ مِّنْہُ مَا لَھُمْ بِہٖ مِنْ عِلْمٍ

حق جل شانہٗ نے اس آیت میں خبر دی ہے کہ اہل کتاب حضرت عیسیٰ کے قتل اور صلب کے بارہ میں اختلاف رکھتے ہیں یہ قرآن کریم کی شہادت ہے جو سب سے بڑی اور سب سے زیادہ سچی شہادت ہے۔

نصاریٰ کے متعدد فرقے اس کے قائل ہیں کہ عیسیٰ علیہ السّلام مقتول و مصلوب نہیں ہوئے بلکہ زندہ آسمان پر اٹھائے گئے جیسا کہ تواریخ میں مذکور ہے اور پادری سیل نے بھی اپنے ترجمہ میں سورۂ آل عمران میں ان بعض فرقوں کا ذکر کیا ہے کہ جو یہ کہتے ہیں کہ حضرت مسیح مقتول و مصلوب نہیں ہوتے اور یہ بتلایا ہے کہ محمد رسول اللہ علیہ وسلم سے بہت مدت پہلے عیسائیوں کے بہت سے فرقوں کا یہی اعتقاد تھا کہ عیسیٰ ؑ مقتول و مصلوب نہیں ہوئے چنانچہ فرقہ بے سی لی ڈین اور فرقہ سیر نہ تھبس اور فرقہ کار پاکریشن۔ جو سب کے سب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے گذرے ہیں ان سب کا اعتقاد یہی تھا کہ حضرت عیسیٰ ؑ مصلوب نہیں ہوئے بلکہ ایک دوسرا شخص جو آپ کے ہمشکل تھا وہ صلیب دیا گیا (ختم ہوا خلاصہ کلام جارج سیل کا) معلوم ہوا کہ واقعۂ صلیب نصاریٰ کے نزدیک متفق علیہ نہیں بلکہ نصاریٰ کے بہت سے قدیم فرقوں کا مذہب یہی ہے کہ حضرت عیسیٰ مقتول و مصلوب نہیں ہوتے جیسا کہ قرآن کریم نے خبر دی ہے۔

مولانا سید ابو منصور امام فن مناظرہ نوید جاوید ص۳۸۲ میں لکھتے ہیں اور قرآن مجید کے اس ترجمہ میں جس پر عیسائی علماء نے اپنے طور کا حاشیہ لکھا اور پریسبیٹرین مشن پریس الہ آباد میں ۱۸۴۴ء کو چھاپا۔

ترجمۂ آل عمران آیت ۵۳ کے حاشیہ صفحہ ۸۳ میں لکھا ہے کہ زمانۂ اسلام سے آگے عیسائیوں میں باسیلیدی ایک فرقہ تھا جو خیال کرتے تھے کہ آپ مسیح آپ مصلوب نہ ہوا پر شمعون قرینی (جو صلیب اٹھا کر چل رہا تھا اس کے عوض پکڑا گیا اور مصلوب بھی ہوا پھر سرنتھی اور کارپوکراتی اور دوسیتی تین فرقے تھے جو زمانۂ اسلام سے پیشتر یہی خیال رکھتے تھے انتھی و تم کلامہ (نوید

جاوید صـ۳۸۲) ۔

گناستی فرقہ کے عیسائیوں کا یہ قول تھا کہ دنیا مادہ سے پیدا ہوئی اور مادہ کے لیے شرارت اور معصیت ضرور ہے اور مسیح مادہ سے پیدا نہیں ہوا تھا اس لیے مصلوب نہیں ہو سکا کیونکہ اس کا جسم نہ تھا انتہی چنانچہ تعلیم الایمان چھاپہ لدھیانہ ۱۸۶۹ء صفحہ ۲۳۶ میں لکھتے ہیں کہ اگلے زمانہ میں ایک فرقہ نے یہ گمان کیا کہ مسیح کا حقیقی جسم نہ تھا اور نہ وہ پیدا ہوا نہ اس نے دکھ اٹھایا پر اس کا جسم ایک مجازی طور پر تھا جیسا کہ فرشتے اکثر اوقات انسانیت کو اختیار کر لیتے تھے یا جیسا کہ روح کبوتر کی مانند اتری تھی چنانچہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی تعلیم کو اختیار کر کے اپنے تابعین کو تلقین کیا کہ مسیح خود نہیں مارا گیا انتہی اور دیکھو رومن تواریخ کلیسا چھاپہ مرزا پور ۱۸۵۶ء صفحہ ۹۶ دین حق کی تحقیق مصنفہ پادری اسمتھ صاحب وغیرہ مطبوعہ الٰہ آباد ارفن پریس ۱۸۶۶ء صفحہ ۸۸ میں لکھا ہے کہ عیسیٰ مسیح کا احوال کہ کس طرح وہ ہندو ولے میں بولا مٹی کی چڑیاں بنائیں اور یہودیوں کو بندر بنایا اور یہ کہ وہ نہیں مارا گیا بلکہ دوسرا اس کے عوض مصلوب ہوا یہ باتیں اس نے (یعنی محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم) نے ناصریوں کے قصے سے نکالیں جن کو دو تین شخصوں نے مسیح کے پانچ یا چار سو برس بعد بنایا تھا انتہی، اور برنباس کی انجیل میں مسیح نے اپنی مصلوبی کا بطلان صاف بیان کر دیا یہ کہتے ہوئے کہ دنیا ہی میں یہودا کی موت کے سبب میری تضحیک ہو جائے اور ہر شخص یہ گمان کرے کہ میں صلیب پر کھینچا گیا پر یہ ساری ہتک اور ہنسائی محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے آنے تک رہے گی جب وہ دنیا میں آئے گا تو ہر ایک ایمان دار کو اس غلطی سے آگاہ کر دے گا اور یہ دھوکا لوگوں کے دل سے اٹھا دے گا انتہی ترجمہ قرآن شریف مصنفہ سیل صاحب صفحہ ۴۳ ۔ انتہی دیکھو (نوید جاوید صـ۳۸۳) اور دیکھو دلیل ثانی عشر از کتاب الفارق صـ۲۸۹

پس ان عبارات سے یہ امر بخوبی واضح ہو گیا ہے کہ اسلام سے پیشتر نصاریٰ کے متعدد فرقے اسی بات کے قائل تھے جو قرآن کریم نے خبر دی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ مقتول ہوئے اور نہ مصلوب۔

اسی بناء پر بہت سے محققین علماء نصاریٰ اس طرف گئے ہیں کہ عقیدۂ صلیب اور کفارہ اور الوہیت یہ سب پولوس کی اختراع ہے حواریین اور متقدمین نصاریٰ اس کے قائل نہ تھے دیکھو (الدلیل الحادی عشر من کتاب الفارق صـ۲۸۸)

شک اور اختلاف کے متعلق حضرت مسیح کی پیشین گوئی

انجیل مرقس ومتی ولوقا ویوحنا اور ان کی تفاسیر میں یہ مذکور ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام جب حواریین کے ساتھ جبل زیتون کی طرف گئے تو شاگردوں سے یہ فرمایا۔ کلکم تشکون بی فی ھذا اللیل (تم سب اس رات میرے بارہ میں شک کروگے)

ناظرین غور فرمائیں کہ چاروں انجیلوں میں حضرت مسیح کا یہ لفظ کلمہ تشکوں بی قرآن کریم کے اس ارشاد وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ کے حرف بحرف اور لفظ بلفظ مطابق ہے دیکھو دلیل عاشر از کتاب الفارق ص۲۸۲ اور الجواب الفسیح لما لفقہ عبدالمسیح ص۲۷ اور اجوبۂ فاخرہ از ص۷۹ تا ص۸۲

۴ - وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ

اور یہودیوں نے بالیقین حضرت عیسیٰؑ کو نہیں قتل کیا بلکہ یقینی بات یہ ہے کہ جس زندہ شخصیت کو وہ قتل کر کے اس کی حیات کو ختم کرنا چاہتے تھے اللہ تعالیٰ نے اس کو زندہ اور صحیح سالم اپنی طرف اٹھا لیا تاکہ قتل اور صلب کا امکان ہی ختم ہو جائے اس لیے کہ قتل وصلب تو جب ہی ممکن ہے کہ وہ جسم ان کے اندر موجود رہے اور جب خدا تعالیٰ نے اسی جسم ہی کو اپنی طرف اٹھا لیا تو قتل اور صلب کا امکان ہی ختم ہوا معلوم ہوا کہ آیت میں رفع سے اسی جسم کا رفع مراد ہے جس کو قتل کرنا چاہتے تھے آیت میں نہ روح کا کوئی تذکرہ ہے اور نہ روح کے قتل وصلب کا کوئی مسئلہ ہے جس کی طرف رفعہ کی ضمیر راجع ہو سکے لفظ بَلْ کلام عرب میں اضراب اور ابطال کے لیے آتا ہے یعنی مضمون سابق کی نفی کر کے اس کے منافی اور مقابل مضمون کو ثابت کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ رفع قتل کے جب ہی منافی ہو سکتا ہے جب رفع سے جسم کا زندہ اور صحیح سالم اٹھانا مراد لیا جائے ورنہ رفعِ روح یا رفع روحانی بمعنی بلندی رتبہ قتل کے منافی نہیں جو شخص بھی خدا کی راہ میں مارا جائے گا اس کا مرتبہ ضرور بلند ہوگا پس رفع کے معنی بلندی رتبہ کے لینا کسی طرح بھی قتل کے منافی نہیں اور لفظ بَلْ یہ بتلا رہا ہے کہ یہاں رفع سراسر قتل کے منافی ہے لہٰذا قطعاً ثابت ہو گیا کہ رَفَعَہٗ میں رفع سے حضرت عیسیٰ کا جسم عنصری کے ساتھ زندہ آسمان پر اٹھایا جانا مراد ہے

نیز یہودی جسم کے قتل اور صلب کے مدعی تھے اللہ نے اوّلاً جسم کے قتل اور صلب کی نفی فرمائی اور وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ فرمایا اور پھر اسی جسم کے لیے رفع ثابت فرمایا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ معلوم ہوا کہ جس جسم کا قتل اور صلب چاہتے تھے اسی جسم کو اللہ نے اپنی طرف صحیح سالم اٹھا لیا اور ظاہر ہے کہ قتل اور صلب جسم ہی کا ہوتا ہے نہ کہ روح کا اس لیے کہ روح کا قتل اور صلب ناممکن ہے معلوم ہوا کہ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ میں جسم ہی کا رفع مراد ہے۔

نیز رفع کے اصل معنی اٹھانے اور بلند کرنے اور اوپر لے جانے کے ہیں اس میں نہ جسم کی خصوصیت ہے اور نہ روح کی رفع کبھی اجسام کا ہوتا ہے اور کبھی معانی اور اعراض کا ہوتا ہے اور کبھی اقوال اور افعال کا اور کبھی مرتبہ اور درجہ کا جس جگہ لفظ رفع کا مفعول یا متعلق کوئی جسمانی شئ ہوگی تو اس جگہ یقیناً رفع جسمانی مراد ہوگا کما قال تعالیٰ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ اٹھایا ہم نے

تم پر کوہ طور اللّٰهُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا اللہ ہی نے بلند کیا آسمانوں کو بغیر ستون کے جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ یاد کرو اس وقت کو کہ جب ابراہیم بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے اور اسمعیل ان کی ساتھ تھے وَرَفَعَ اَبَوَیْهِ عَلَی الْعَرْشِ یوسف علیہ السّلام نے اپنے والدین کو تخت کے اوپر اٹھایا ان تمام مواقع میں لفظ رفع اجسام میں مستعمل ہوا ہے اور ہر جگہ رفع جسمانی مراد ہے اور وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ ہم نے آپ کا نام بلند کیا اور وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ ہم نے بعض کو بعض پر درجہ اور مرتبہ کے اعتبار سے بلند کیا۔

اس قسم کے مواضع میں رفعت شان اور بلندی رتبہ مراد ہے اس لیے کہ رفع کے ساتھ خود ذکر اور درجہ کی قید مذکور ہے اور ایک حدیث میں ہے اذا تواضع العبد رفعه الله الی السماء السابعة رواه الخرائطی فی مکارم الاخلاق (بندہ جب اللہ کے لیے تواضع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ساتویں آسمان تک اٹھا لیتے ہیں) اس حدیث میں قرینہ کی بناء پر رفع معنوی مراد لیا گیا ہے اس لیے کہ ظاہر ہے کہ تواضع سے انسان جسمانی طور پر آسمان پر نہیں اٹھا لیا جاتا اور قرینہ کی بناء پر اگر کسی لفظ کے معنی مجازی ہی مراد لیے جائیں تو اس سے لازم نہیں آتا کہ جب کبھی یہ لفظ بولا جائے گا تو معنی مجازی ہی مراد ہوں گے یہ تو بالکل ایسا ہے جیسے کوئی شخص یہ کہے کہ لفظ اسد کے معنی شیر کے نہیں بلکہ بہادر آدمی کے ہیں اور مثال میں یہ مقولہ پیش کرے رایت اسدًا یرمی (میں نے ایک شیر کو تیر چلاتے دیکھا) تو کیا اس سے یہ ثابت ہو جائے گا کہ لفظ اسد کے حقیقی معنی شیر کے نہیں اور یہ لفظ ہمیشہ بہادر ہی کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے اسی طرح اگر لفظ رفع کسی جگہ کسی قرینہ کی بناء پر رفع درجات کے معنی میں مستعمل ہو جائے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ لفظ رفع کبھی رفع جسمانی کے لیے مستعمل نہیں ہوتا مزید تفصیل کے لیے اس ناچیز کا رسالہ (کلمۃ اللہ فی حیات روح اللہ) مطالعہ کریں۔

ایک شبہ رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ میں خدا کی طرف اٹھانا مذکور ہے آسمان کا کوئی ذکر نہیں۔

ازالۂ شبہ جواب یہ ہے کہ خدا کی طرف اٹھانے کے معنی ہی یہ ہیں آسمان کی طرف اس کو اٹھایا گیا اس لیے کہ خدا کے لیے بے چون وچگون فوقیت اور علو ثابت ہے۔

نیز خود مرزائے قادیان نے رفعہ اللہ کے معنی آسمان کی طرف اٹھائے جانے کے کیے ہیں لکھتا ہے قرآن سے ثابت ہے کہ حضرت عیسٰی کے فوت ہو جانے کے بعد اُن کی روح آسمان کی

طرف اٹھائی گئی (ازالۃ الاوہام صفحہ ۲۶۴/۱۰۹ ط ۱/۲)

مرزا صاحب کی اس عبارت سے صاف واضح ہے کہ رفع سے تو آسمان پر ہی اٹھایا جانا مراد ہے لیکن اختلاف اس میں ہے کہ آسمان پر روح کا اٹھایا جانا مراد ہے یا جسم مع الروح کا اور ہم یہ پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ آیت میں رفع جسم مراد ہے۔

نیز مرزا صاحب لکھتے ہیں۔

اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ (یعنی پاک روحیں خدا کی طرف صعود کرتی ہیں اور عمل صالح ان کا رفع کرتا ہے) ازالہ صفحہ ۴۴/۱۸۲ ط ۱/۲)

اس جگہ بھی مرزا صاحب نے پاک روحوں کے صعود سے آسمان ہی کی طرف جانا مراد لیا ہے

مرزائے قادیان کا ھذیان

مرزائے قادیان یہ کہتا ہے کہ رفع کے معنی عزت کے موت دینا ہے یا مرنے کے بعد روحانی طور پر بہشت میں داخل ہونا مراد ہے

جواب

یہ کہ رفع کے معنی اٹھانے اور بلند کرنے کے ہیں جیسا کہ تمام لغت کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے اور "عزت کے موت" یہ رفع کے معنی نہیں یہ مرزا صاحب کی گھڑت ہے نیز احادیث میں نزول عیسیٰ علیہ السلام کی خبر دی گئی ہے اور اس نزول کو بمقابلہ اُن کے مرفوع ہونے کے بیان کیا گیا ہے جیسا کہ سیاق احادیث سے ظاہر ہے پس جب دونوں لفظ اس حیثیت سے متقابل ٹھہرے تو یقیناً جو ایک لفظ کے معنی ہوں گے دوسرے لفظ میں اس کا مقابل مراد ہو گا پس اگر رفع سے مع الجسم آسمان پر اٹھایا جانا مراد لیا جائے تو نزول سے مع الجسم زمین پر اترنا مراد ہو گا جس میں نہ تقابل فوت ہوا اور نہ کوئی خرابی لازم آئی اور اگر بقول منکرین رفع جسمانی رفع سے عزت کی موت مراد لی جائے تو نزول سے بقرینہ مقابلہ ذلت کے پیدائش مراد لینی چاہیئے پس معنی حدیث نزول کے یہ ہوں گے کہ معاذ اللہ پھر عیسیٰ علیہ السلام ذلت کے ساتھ پیدا ہوں گے اور اگر یہاں یہ معنی مراد نہ لیے جائیں تو مقابلہ فوت ہو جائے گا پس ثابت ہوا کہ رفع سے عزت کی موت کے معنی مراد لینا صحیح نہیں نیز بعض روایات میں ینزل من السماء کا لفظ آیا ہے اور صحیح مسلم میں ہے فینزل بین مھرودتین واضعا کفیہ علی اجنحۃ ملکین پس بقول منکرین نزول من السماء کی حدیث کے معنی یہ ہوں گے عیسیٰ بن مریم آسمان سے پیدا ہوں گے اور دو رنگین کپڑے پہنے ہوئے اور دو فرشتوں کے بازوؤں پر ہاتھ رکھے ہوئے ہوں گے اول تو یہ مطلب مہمل ہے پھر افسوس کہ مدعی مسیحیت میں یہ صفت بھی نہیں پائی جاتی اور اپنے کو اس کا مصداق بتانا صریح جھوٹ ہے۔

(۵) وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ

اس آیت کی تفسیر میں ہم دو قول نقل کر چکے ہیں، جمہور کے نزدیک جو قول راجح ہے اس بناء پر اس آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے نزول کی خبر دی گئی ہے جو احادیث متواترہ سے بھی ثابت ہے اور تمام امت محمدیہ کا اس پر اجماع ہے کہ اخیر زمانہ میں عیسیٰ علیہ السّلام آسمان سے زمین پر نازل ہوں گے اور دجال کو قتل کریں گے اور جس طرح ان علامات قیامت پر ایمان لانا فرض ہے جو قرآن اور احادیث متواترہ سے ثابت ہیں اسی طرح نزول عیسیٰ پر بھی ایمان لانا فرض ہے اس لیے کہ نزول عیسیٰ علیہ السّلام بھی قرآن سے اور احادیث متواترہ اور اجماع امت سے ثابت ہے انشاء اللہ تعالیٰ اگر حق تعالیٰ کی توفیق ہوئی تو مسئلہ نزول کے متعلق احادیث کو وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ کی تفسیر میں ہدیۂ ناظرین کریں گے وما توفیقی الا باللہ

ناچیز نے اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ لکھ دیا ہے جس کا نام القول المحکم فی نزول سیدنا عیسیٰ بن مریم ہے ناظرین اس رسالہ کا مطالعہ فرمائیں۔

نزول عیسیٰ علیہ السّلام کی حکمت

کتب سابقہ میں دو مسیح کی آمد کی پیشین گوئی کی گئی تھی ایک مسیح ہدایت کی اور ایک مسیح ضلالت کی مسیح ہدایت کے مصداق حضرت عیسیٰ علیہ السّلام ہیں اور مسیح ضلالت کا مصداق دجّال اکبر ہے جو قوم یہود سے ہوگا اور بنی اسرائیل ان دو شخصیتوں کے منتظر تھے کہ کب ان کا ظہور ہوتا ہے جس وقت مسیح ہدایت یعنی عیسیٰ علیہ السلام کا ظہور ہوا تو یہود نے ان کو مسیح ضلالت سمجھا اور ان کے قتل کے درپے ہوئے اور اپنے زعم میں اُن کو قتل کر ڈالا اور نصاریٰ نے مسیح ہدایت کو مانا تو سہی مگر اُن کی تعظیم میں غلو کیا اور نبوت و رسالت کے مرتبہ سے بڑھا کر اُن کو خدا اور خدا کا بیٹا مان لیا اخیر زمانہ میں جب مسیح دجال ظاہر ہوگا تو یہود اس کو مسیح ہدایت سمجھ کر اس کا اتباع کریں گے اس وقت مسیح ہدایت یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السّلام آسمان سے نازل ہوں گے تاکہ اہل کتاب کے دونوں گروہ یہود اور نصاریٰ کی غلطی واضح ہو جائے یہود پر تو یہ واضح ہو جائے کہ جس مسیح ہدایت کو تم نے اپنے زعم میں قتل کر دیا تھا وہ زندہ آسمان پر اٹھایا گیا اور اب زندہ آسمان سے نازل ہو رہا ہے تاکہ مسیح ضلالت یعنی دجال کو قتل کرے اور تم جس مسیح کے قتل کے مدعی تھے تم اس کو قتل نہیں کر سکے تھے بلکہ اس وقت اللہ تعالیٰ نے اُس کو زندہ آسمان پر اٹھایا اور اب وہ زندہ آسمان سے یہودیوں کے سردار مسیح دجال کے قتل کے لیے نازل ہو رہا ہے تاکہ یہود جب مسیح ہدایت کے ہاتھ سے مسیح ضلالت کا قتل دیکھیں تو اپنی گمراہی سے تائب ہو جائیں اور نصاریٰ پر یہ واضح ہو جائے کہ عیسیٰ علیہ السّلام اللہ کے برگزیدہ بندے اور رسول برحق تھے معاذ اللہ خدا اور خدا کے بیٹے نہ تھے دیکھو الجواب الصحیح ص ۳۴۱/۱ و ص ۱۸۱/۱ للحافظ ابن تیمیہ

(فتح الباری ص۳۵۷ ج ۶۔ باب نزول عیسیٰ علیہ السلام۔
اور اس بارہ میں ناچیز کا مستقل رسالہ ہے جس کا نام لطائف الحکم فی اسرار نزول عیسیٰ بن مریم ہے جو چھپ چکا ہے اس کو دیکھ لیا جائے۔

عقیدۂ قتل وصلب میں یہود و نصاریٰ کا فرق

یہود فخر کے ساتھ کہتے ہیں اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِیْحَ عِیْسَی بْنَ مَرْیَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ اور اس قتل کو حضرت مسیح کے لیے موجب لعنت سمجھتے ہیں اور نصاریٰ یہود کی طرح قتل اور صلب کے تو قائل ہیں مگر اس قتل اور صلب کو کفارۃ الذنوب سمجھتے ہیں۔

حق تعالیٰ نے اصل قتل اور صلب ہی کی نفی فرما دی کہ سرے ہی سے نہ قتل ہوا اور نہ صلب تاکہ جب اصل واقعہ ہی کی تردید کر دی جائے تو یہود و نصاریٰ کی یہ ذہنی اور خیالی تفریعات خود بخود ختم ہو جائیں گی اس لیے کہ قتل کو موجب لعنت سمجھنا یا موجب کفارہ سمجھنا یہ سب یہود و نصاریٰ کے ذہنی خیالات اور فکری اختراعات ہیں جو سب کے سب وقوع قتل وصلب پر موقوف ہیں پس جب اصل ہی کی نفی ہو گئی اور ثابت ہو گیا کہ قتل کا سارا قصہ محض ایک افسانہ ہے تو اس فرضی افسانہ پر جو ذہنی تفریعات لگائی گئی ہیں وہ خود بخود ختم ہو جائینگی اس لیے کہ کاذب اور غلط پر جو تفریع قائم کی جائیگی وہ بھی کاذب اور غلط ہی ہوگی۔

قرآن کریم نے قتل وصلب کے بارہ میں تو یہود اور نصاریٰ دونوں ہی کی تردید کی مگر رفع الی السماء کے بارہ میں نصاریٰ کی تصدیق کی اور قتل وصلب کے نفی سے نصاریٰ کا مسئلہ کفارہ بھی ختم ہو گیا جس کا بہت سے علماء نصاریٰ کو بھی اقرار ہے کہ یہ مسئلۂ کفارہ پولوس کی ایجاد و اختراع ہے اور بہت سے علماء یہود اس بات کے معترف ہیں کہ پولوس نے قتل وصلب کا مسئلہ علماء یہود کے حکم سے یہودیت کی حمایت میں اختراع کیا اور منافقانہ طور پر اسکو دین نصاریٰ کا ایک بنیادی عقیدہ بنا دیا دیکھو عقیدۃ الاسلام از ص۱۶۱ تا ص۱۶۶۔

آیت نساء اور آیت آل عمران کے سیاق میں فرق

سورۂ نساء کی آیات کا سیاق اہل کتاب کی تردید میں ہے اس لیے ان آیات میں نہایت تاکید کے ساتھ قتل وصلب کی نفی کی گئی اور رفع الی السماء کو ثابت کیا اور حضرت عیسیٰ کی موت سے پہلے ان پر اہل کتاب کے ایمان لانے کو نہایت تاکید کے ساتھ بیان کیا۔ بخلاف آل عمران کی آیتوں کے ان کا تمام سیاق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تسلی کے لیے ہے سورۂ آل عمران میں حضرت عیسیٰ کی تسلی کے لیے توفی اور رفع اور تطہیر اور غلبۂ متبعینِ عیسیٰ وغیرہ وغیرہ کا ذکر فرمایا تاکہ یہود کے مکر و فریب سے قلب پر جو خوف و ہراس تھا وہ یکلخت دور ہو جائے اور یہ تمام امور جب ہی باعث تسلی ہو سکتے ہیں

کہ جب عیسٰی علیہ السّلام زندہ اور صحیح وسالم آسمان پر اٹھائے جائیں اگر سورۂ آل عمران میں توفی سے وفات بمعنی موت مراد ہوتی تو اس سے حضرت عیسٰی کی تو تسلی نہ ہوتی بلکہ یہود کو تسلی اور بشارت ہو جاتی کہ تم بے فکر رہو کہ قتل سے جو تمہارا مقصود ہے وہ ضرور حاصل ہو جائے گا دیکھو عقیدۃ الاسلام صہ ۱۷۹۔

پس آل عمران میں توفی کا ذکر حضرت عیسٰی کی تسلی کے لیے ہے کہ اے عیسٰی میں تم کو پورا پورا لے لوں گا۔

اور آیات نساء کا سیاق تسلی کے لیے نہیں بلکہ یہود و نصاریٰ کے قول کی تردید کے لیے اس لیے ہے کہ سورۂ نساء میں قتل اور صلب کی نفی کی اور رفع الی السماء کو ثابت کیا اور توفی سے کوئی تعرض نہ کیا نیز آل عمران میں حضرت عیسی کی تسلی کے لیے رفع الی السماء کا وعدہ فرمایا کما قال تعالیٰ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ اور سورۂ نساء میں سابق وعدۂ رفع الی السماء کے ایفاء کا ذکر ہے بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ کہ اللہ نے رفع کا وعدہ پورا کر دیا۔

اور سورۂ مائدہ کے اخیر میں فقط توفی کا ذکر فرمایا وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ اس لیے کہ سورۂ مائدہ میں بنی اسرائیل کے خلاف حضرت عیسٰی کی شہادت کا ذکر ہے اس لیے وہاں فقط توفی کا ذکر فرمایا کہ توفی کے بعد کا حال مجھ کو معلوم نہیں کہ جس کی میں گواہی دیکوں اور اس جگہ قتل اور صلب کی نفی کا کوئی ذکر نہیں فرمایا صرف توفی کا ذکر فرمایا کہ جو مانع شہادت تھی اس لیے سیاق شہادت میں صرف مانع شہادت کو ذکر فرمایا دیکھو عقیدۃ الاسلام صہ ۱۹۱۔

خلاصۂ کلام یہ کہ سورۂ آل عمران اور سورۂ نساء کی آیات میں امور ذیل کا بغیر کسی ابہام کے نہایت واضح الفاظ میں یہ اعلان کر دیا گیا ہے کہ حضرت عیسی علیہ السّلام قتل اور صلب سے بالکلیہ محفوظ رہے اور اسی جسم عنصری کے ساتھ صحیح سالم زندہ آسمان پر اٹھائے گئے عہد صحابہ وتابعین سے لے کر چودہ صدی کے علماء مفسرین نے ان آیات کا یہی مطلب بیان کیا ہے جو ہم نے ہدیۂ ناظرین کیا ہے اس کے خلاف جو تفسیر ہے وہ تفسیر نہیں بلکہ تحریف ہے

تنبیہ اس مقام پر تین چیزیں ہیں اوّل حضرت عیسٰی علیہ السّلام کا دشمنوں کے قتل اور صلب سے بالکلیہ محفوظ رہنا دوم مسیح علیہ السّلام کا زندہ مع جسم کے آسمان پر اٹھایا جانا سوم اُن کا دوبارہ دنیا میں آسمان سے نازل ہونا امر اول اور امر دوم کا نہایت صراحت اور وضاحت کے ساتھ آیات قرآنیہ میں بیان ہوا ہے اور امر سوم کا قرآن کریم کی متعدد آیات میں اجمالاً بیان ہوا ہے مگر احادیث صحیحہ اور صریحہ جو حد تواتر کو پہنچی ہیں ان میں حضرت عیسی بن مریم کا نزول اس درجہ تفصیل اور توضیح کے ساتھ مذکور ہے کہ ان میں ذرہ برابر کسی تاویل اور تحریف کی گنجائش نہیں۔

حیاتِ عیسٰی ونزولِ عیسٰی علیہ السلام مسلمانوں کا اجماعی عقیدہ ہے

جاننا چاہیئے کہ حضرت عیسٰی بن مریم صلے اللہ علیہ وسلّم کے زندہ آسمان پر اٹھائے جانے اور پھر قیامت کے قریب آسمان سے دنیا میں نازل ہونے کا عقیدہ تمام اہل اسلام کا اجماعی عقیدہ ہے جو آیات قرآنیہ اور احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔

اور صحابہ و تابعین کے وقت سے لے کر آج تک تمام علماء امت اس پر متفق چلے آتے ہیں اس اجماعی عقیدہ کا انکار سب سے پہلے سرسید علی گڑھی نے کیا اور پھر اس کی تقلید میں مرزا غلام احمد قادیانی نے کیا اور وفات مسیح کو اپنی صداقت کا معیار قرار دیا۔

حالانکہ بفرض محال اگر تھوڑی دیر کے لیے حضرت مسیح کی وفات کو مان بھی لیا جائے تو اس سے مرزائے قادیان کی نبوت کیسے ثابت ہو سکتی ہے۔

مان لو کہ ایک بادشاہ مرگیا اور اس کا تخت بھی خالی ہے اور بادشاہت کا سلسلہ بھی بند نہیں ہوا تو کیا اس سے کسی بھنگی یا چمار کی بادشاہت ثابت ہو سکتی ہے جس میں نہ کسی قسم کی قابلیت ہے اور نہ کوئی لیاقت بلکہ اس میں وہ تمام باتیں موجود ہیں جو منصب بادشاہی کے بالکل مباین اور مخالف ہیں

کس نیاید بزیر سایۂ بوم ⁂ ور ہما از جہاں شود معدوم

لہٰذا ہر مسلمان کو چاہیئے کہ جب کسی مرزائی شخص سے بحث کا موقع آجائے تو یہ کہدے کہ حیات اور وفات کی بحث کو علماء پر چھوڑو مرزا صاحب میں اوصاف نبوت کو ثابت کرو خود مرزا کو اپنے مراق اور خرابی حافظہ کا اقرار ہے کیا معاذ اللہ خبطی اور مراقی بھی نبی ہو سکتا ہے اور علماء اسلام نے کتابوں میں مرزا کے جھوٹ نقل کیے ہیں کیا جھوٹا بھی نبی ہو سکتا ہے۔

دعوائے نبوت سے پہلے خود مرزائے قادیان کا یہی عقیدہ تھا چنانچہ مرزا صاحب اپنی الہامی کتاب میں لکھتے ہیں۔

اور جب مسیح علیہ السّلام دوبارہ اس دنیا میں تشریف لاویں گے تو انکے ہاتھ سے دین اسلام جمیع آفاق و اقطار میں پھیل جائے گا براہین احمدیہ ص ۴۹۸ و ص ۴۹۹ مصنفہ مرزا صاحب اور مرزائے قادیان لکھتا ہے اس بات پر تمام سلف وخلف کا اتفاق ہو چکا ہے کہ عیسی جب نازل ہو گا تو امت محمدیہ میں داخل ہو گا (ازالۃ الاوہام صفحہ ۵۷۹ سطر ۶)

إِنَّآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ كَمَآ أَوْحَيْنَآ إِلَىٰ نُوحٍ

ہم نے وحی بھیجی تیری طرف جیسے وحی بھیجی نوح کو

وَّالنَّبِيِّـۧنَ مِنۢ بَعْدِهِۦ ۚ وَأَوْحَيْنَآ إِلَىٰٓ إِبْرَٰهِيمَ

اور نبیوں کو اس کے بعد اور وحی بھیجی ابراھیم کو

وَإِسْمَٰعِيلَ وَإِسْحَٰقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ

اور اسمعیل کو اور اسحٰق اور یعقوب کو اور اس کی اولاد کو

وَعِيسَىٰ وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ وَهَٰرُونَ

اور عیسیٰ کو اور ایوب کو اور یونس کو اور ہارون کو

وَسُلَيْمَٰنَ ۚ وَءَاتَيْنَا دَاوُۥدَ زَبُورًا ﴿۱۶۳﴾ وَ

اور سلیمان کو اور ہم نے دی داؤد کو زبور اور

رُسُلًا قَدْ قَصَصْنَٰهُمْ عَلَيْكَ مِن قَبْلُ وَرُسُلًا

کتنے رسول جن کا احوال سنایا ہم نے تجھ کو آگے اور کتنے رسول

لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۚ وَكَلَّمَ ٱللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا ﴿۱۶۴﴾

جن کا احوال نہیں سنایا تجھ کو اور باتیں کیں اللہ نے موسیٰ سے بول کر

رُّسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ

کتنے رسول خوشی اور ڈر سنانے والے تاکہ نہ رہے لوگوں کو

عَلَى ٱللَّهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ ٱلرُّسُلِ ۚ وَكَانَ ٱللَّهُ عَزِيزًا

اللہ پر الزام کی جگہ رسولوں کے بعد اور اللہ ہے زبردست حکمت

حَكِيمًا ﴿۱۶۵﴾ لَّٰكِنِ ٱللَّهُ يَشْهَدُ بِمَآ أَنزَلَ إِلَيْكَ

والا لیکن اللہ شاہد ہے اس پر جو تجھ کو نازل کیا کہ یہ

أَنْزَلَهُ بِعِلْمِهِ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُونَ ۚ وَكَفٰى بِاللّٰهِ
نازل کیا ہے اپنے علم کے ساتھ اور فرشتے گواہ ہیں اور اللہ بس ہے
شَهِيدًا ﴿۱۶۶﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ
حق ظاہر کرنے والا جو لوگ منکر ہوئے اور انکے اللہ کی
سَبِيلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوا ضَلٰلًا بَعِيدًا ﴿۱۶۷﴾ إِنَّ
راہ سے وہ دور پڑے ہیں بھول کر جو
الَّذِينَ كَفَرُوا وَظَلَمُوا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ
لوگ منکر ہوئے اور حق دبا رکھا ہرگز اللہ بخشنے والا نہیں ان کو
وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيقًا ﴿۱۶۸﴾ إِلَّا طَرِيقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِينَ
اور نہ ان کو ملاوے راہ مگر راہ دوزخ کی پڑے رہیں
فِيهَا أَبَدًا ۚ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيرًا ﴿۱۶۹﴾
اس میں ہمیشہ اور یہ اللہ پر آسان ہے

جواب از شبہ اہل کتاب

قَالَ تَعَالٰى اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ .... لسلے .... وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًاہ

(ربط) گذشتہ رکوع میں اہل کتاب کی شناعتوں اور قباحتوں کو بیان کیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ اہل کتاب کا وہ سوال جو یَسْئَلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ میں منقول ہوا وہ سراسر جہل اور عناد پر مبنی ہے جس کا اجمالی اور الزامی جواب تو فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ کے ذریعہ دیدیا گیا اب اصل سوال کا تحقیق اور تفصیل جواب ارشاد فرماتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ اہل کتاب کا یہ کہنا کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح آپ پر بھی دفعۃً کوئی کتاب آسمان سے نازل کی جائے یہود کا یہ سوال سراسر جاہلانہ اور معاندانہ ہے اس لیے کہ اثبات نبوت کے لیے یہ سوال کہ توریت کی طرح آپ پر کوئی کتاب دفعۃً نازل کی جائے محض لغو اور مہمل ہے

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے بہت سے نبی گذر چکے ہیں جن کی نبوت اہل کتاب کے نزدیک مسلّم ہے حالانکہ یہ حضرات کوئی آسمانی نوشتہ لے کر نہیں آئے تھے معلوم ہوا کہ نبوت کا ثبوت آسمانی نوشتہ کے نزول پر موقوف نہیں نبوت کی تصدیق کے لیے معجزہ کا صادر ہوجانا کافی ہے خواہ کوئی معجزہ ہو ثبوت مدعا کے لیے یہ کافی ہے کہ کسی دلیل سے مدعا ثابت ہوجائے۔ خصم کو یہ اختیار نہیں کہ کسی خاص دلیل اور کسی خاص گواہ کا مطالبہ کرے اور نہ مستدل اور مدعی پر یہ ضروری ہے کہ خصم کی یہ خواہش پوری کرے خصوصًا جب کہ اثبات دعوی کے لیے متعدد دلائل پیش ہوچکے ہوں پس جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت صدہا دلائل نبوت یعنی سینکڑوں معجزوں سے ثابت ہوچکی تو بغیر اس کے کہ ان میں کوئی خرابی نکالی جائے ایک خاص معجزہ اور من مانی دلیل کی درخواست کرنا صاف دلالت کرتا ہے کہ صرف عناد اور جھگڑا مقصود ہے طلب حق مقصود نہیں چنانچہ فرماتے ہیں (اے بنی)

تحقیق ہم نے وحی بھیجی تیری طرف جیسے وحی بھیجی ہم نے نوح کی طرف اور ان پیغمبروں کی طرف جو نوح کے بعد ہوئے اور جس طرح ہم نے ابراہیم اور اسمعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اولاد یعقوب میں جو نبی گذرے اور عیسی اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان کی طرف وحی بھیجی اور جس طرح ہم نے داؤد کو بتدریج زبور دی یعنی جیسے ہم نے حضرت نوحؑ اور حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ وغیرہم کو نبی بنایا ویسا ہی تم کو بھی نبی بنایا آپ کی نبوت اور اُن کی نبوت میں کوئی فرق نہیں لوگوں کو ان حضرات کی نبوت کا علم مختلف معجزات سے ہوا موسیٰ علیہ السّلام کی طرح پوری لکھی ہوئی کتاب یکدم ان میں سے کسی پر نازل نہیں ہوئی تمام نبیوں میں صرف موسیٰ علیہ السّلام ایک ایسے نبی گزرے ہیں جن کو ساری کتاب ایک دفعہ ملی تھی ان کے سوا جتنے پیغمبر ہیں ان پر حسب ضرورت وقتًا فوقتًا وحی نازل ہوتی رہی پس جس طرح وحی کا تھوڑا تھوڑا اترنا اور لکھی ہوئی کتاب کا یکدم نازل نہ ہونا ان حضرات کی نبوت میں خلل انداز نہیں تو محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں کیسے خلل انداز ہو سکتا ہے غرض یہ کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی بھیجنے میں خدا تعالیٰ نے وہی طریقہ اختیار کیا جو حضرت نوح اور حضرت ابراہیم اور دیگر انبیاء کرام کی طرف وحی نازل کرنے میں اختیار کیا اور حضرت داؤد علیہ السّلام کو جو زبور عطا کی سو وہ بھی اسی کیفیت سے اتری ہے جس کیفیت سے قرآن اترا ہے یعنی زبور بتدریج نازل ہوئی اور علماء اہل کتاب زبور کو منزل من اللہ مانتے ہیں چونکہ مقصود ان آیات سے یہود کے اس شبہ کا جواب دینا ہے کہ تصدیق نبوت کے لیے یکدم لکھی ہوئی کتاب کا نازل ہونا ضروری نہیں اس لیے سلسلۂ کلام میں موسیٰ علیہ السّلام کا ذکر نہیں فرمایا

اور کتنے ہی رسول جن کا حال اس سے پہلے ہم نے مکّی سورتوں میں آپ سے بیان کر چکے ہیں اور کتنے ہی رسول ہیں جن کا حال ہم نے آپ سے بیان نہیں کیا ان سب کو اللہ نے پیغمبر بنایا

اور حسب ضرورت تھوڑی تھوڑی وحی ان پر نازل کی مگر بلاواسطہ فرشتہ کے ان میں سے کسی سے بھی اللہ نے کلام نہیں کیا اور موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے بلاواسطہ فرشتہ کے کلام کیا یہ خاص اُن کی خصوصیت تھی تو کیا اس سے یہ لازم آیا کہ سوائے موسیٰ علیہ السّلام کے جن سے خدا نے بلاواسطہ فرشتہ کے کلام نہیں کیا وہ نبی نہ ہوں اسی طرح اگر کسی نبی کو موسیٰ علیہ السّلام کی طرح یکبارگی کتاب نہ ملے تو کیا اس کی نبوت میں کوئی خلل آجائے گا۔

تمام نبیوں پر وحی فرشتہ کے ذریعہ آئی ہے مگر موسیٰ علیہ السّلام کو خدا تعالیٰ نے یہ خصوصیت عطا کی کہ خدا نے اُن سے پس پردہ کلام کیا اور فرشتہ کا واسطہ درمیان میں نہ رکھا یہ ان پر خدا تعالیٰ کی خاص عنایت تھی اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جس میں یہ خصوصیت نہ پائی جائے وہ نبی ہی نہیں اسی طرح لکھی ہوئی کتاب کا یکدم نازل ہونا موسیٰ علیہ السّلام کی خاص خصوصیت تھی نبوت کی شرط نہیں حق تعالیٰ کی سنت ہے کہ ہر نبی کو کسی خاص فضیلت اور کسی خاص معجزہ سے سرفراز فرماتے ہیں کسی میں کوئی فضیلت رکھی اور کسی میں کوئی موسیٰ علیہ السّلام کو حق تعالیٰ نے اپنا کلام سنایا مگر اپنے دیدار سے محروم رکھا اور ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو شب معراج میں اپنے کلام سے اور اپنے دیدارِ پُر انوار سے مشرف فرمایا (ھذا کلہ توضیح کلام الامام الرازی فی التفسیر الکبیر ص ۲۵۴/۳ وھو نفیس ولطیف جدا)

خلاصۂ کلام یہ کہ موسیٰ علیہ السّلام کی نبوت اس پر موقوف نہیں کہ ان پر لکھی ہوئی کتاب (توریت) یکدم نازل ہوئی تھی بلکہ اگر بالفرض ان پر کوئی نوشتۂ خداوندی بھی نازل نہ ہوتا تو اُن کا صاحب وحی اور صاحب کلام الٰہی اور صاحب معجزات ہونا یہ اُن کے دعوائے نبوت کی تصدیق کے لیے کافی تھا نیز موسیٰ علیہ السّلام کا یہ فرمانا کہ توریت کتاب الٰہی ہے یہ موسیٰ علیہ السّلام کا ایک دعویٰ ہے اس کی تصدیق خود ان کی تصدیق نبوت پر موقوف ہے پس ثابت ہو گیا کہ یہود کا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ کہنا کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو موسیٰ علیہ السلام کی طرح لکھی کتاب یکدم آپ پر بھی نازل ہونی چاہیئے بالکل مہمل اور لایعنی ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں ہم نے بشارت دینے والے اور ڈرانے والے رسول اس لیے بھیجے ہیں تاکہ رسولوں کے آنے کے بعد لوگوں کو اللہ پر الزام رکھنے کی کوئی جگہ نہ رہے یعنی رسولوں کے بھیجنے سے ہماری محض یہ غرض ہے کہ لوگوں کو احکام خداوندی سے آگاہ کریں اور فرمانبرداروں کو انعام خداوندی کی خوشخبری سنائیں اور نافرمانوں کو عذاب سے ڈرائیں تاکہ قیامت کے دن لوگ خدا کے سامنے یہ عذر نہ کر سکیں کہ ہمیں آپ کے احکام اور مرضی، نامرضی کا علم نہ تھا اگر ہمارے پاس آپ کے پیغمبر آتے تو ہم ضرور ان کا حکم مانتے کما قال تعالیٰ لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ یہ آیت بھی یہود

کے اسی سابق سؤال کا دوسرا جواب ہے اور مطلب یہ ہے کہ انبیاء کرام کے بھیجنے سے مقصود فرمانبرداروں کو بشارت دینا اور نافرمانوں کو ڈرانا ہے خواہ ایک دم کتاب نازل کی جائے یا پارہ پارہ کر کے نازل کی جائے مقصود ہر حال میں حاصل ہے بلکہ تھوڑا تھوڑا نازل کرنے میں فائدہ زیادہ ہے اس لیے کہ انسان یکبارگی تمام احکام نازل ہونے سے گھبراتا ہے اور تھوڑے تھوڑے احکام پر عمل کرنا آسان ہوتا ہے پس یکدم کتاب نازل کرنے کی درخواست کرنا سراسر لغو اور بیجا ہے اور ہے اللہ غالب اور حکمت والا اُسے یکدم کتاب کا نازل کرنا دشوار نہیں لیکن اس کی حکمت اس امر کو مقتضی ہوئی کہ یہود کی اس معاندانہ اور مہمل درخواست کو پورا نہ کیا جائے اور نہایت حکیمانہ طریق سے اس شبہ کا قلع قمع کر دیا جائے

خلاصۂ کلام[1]

حضرت نوح اور حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل اور حضرت اسحٰق وغیرہم کی طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلاشبہ اللہ کے رسول ہیں یہود اپنے عناد اور ہٹ دھرمی سے آپ کی نبوت و رسالت کی شہادت نہ دیں تو نہ دیں لیکن واقع میں آپ اللہ کے سچے نبی ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے آپ کی نبوت و رسالت کی بذریعہ اس کتاب کے جو اس نے آپ کی طرف اتاری یعنی یہ قرآن آپ کی نبوت کی گواہی دیتا ہے اس لیے کہ اس کا اعجاز اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ نے اس قرآن کو اپنے خاص علم کے ساتھ اتارا ہے جو علوم اور معارف اس کتاب میں ودیعت رکھے ہیں وہ کسی کتاب میں نہیں اس کے علوم و معارف ادراکِ بشری سے کہیں بالا اور برتر ہیں یہی وجہ ہے کہ قرآن کے عجائب و غرائب کبھی ختم نہیں ہو سکتے یہ قرآن منبع ہدایت ہے جس قدر ہدایت لوگوں کو قرآن سے ہوئی وہ اور کسی کتاب سے نہیں ہوئی اور فرشتے بھی آپ کی نبوت و رسالت کی گواہی دیتے ہیں جنگ بدر اور جنگ حنین اور دیگر مواضع میں بحکم خداوندی فرشتے آپ کی تائید کے لیے نازل ہوئے اور بالفرض کوئی بھی آپ کی نبوت کی شہادت نہ دے تو خدا تعالیٰ آپ کی نبوت و رسالت کا کافی گواہ ہے اللہ کی گواہی کے بعد کسی کی گواہی کی ضرورت نہیں مطلب یہ ہے کہ یہود باوجود شبہ رفع ہو جانے کے پھر بھی آپ کی نبوّت کی

---

[1] خلاصۂ کلام سے جو عبارت ہے وہ لٰکِنِ اللّٰہُ یَشْہَدُ کے استدراک کی توضیح و تشریح کے لیے ہے کما قال الامام الرازیؒ وغیرہ لما انزل انا اوحینا الیك قالوا نحن لا نشهد لك بذلك لكن الله يشهد الخ (تفسیر کبیر ص ۳۵۵ ج ۳ والبحر المحیط ص ۳۹۹ ج ۳) وقال شیخ الاسلام ابو السعود وهو استدراك عما يفهم مما قبله كانهم لما تعنتوا عليه بما سبق من السؤال واحتج عليهم بقوله انا اوحينا اليك الخ قيل انهم لا يشهدون بذلك لكن يشهد بما انزل اليك۔

شہادت نہ دیں تو پرواہ نہ کیجئے خدا تعالیٰ آپ کی نبوت کی شہادت دیتا ہے اور خدا کی شہادت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے آپ کو دلائل نبوت یعنی معجزات عطا کیے اور یہ کتاب مستطاب یعنی قرآن آپ پر اتارا جس کا اعجاز اور اس کی بے نظیر فصاحت و بلاغت اور اس کا اخبار غیبیہ پر مشتمل ہونا اس امر کی کافی دلیل ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور وہ آپ کے نبی ہونے کی شہادت دیتا ہے بے شک جن لوگوں نے شبہ دور ہو جانے کے بعد بھی آپ کی نبوت کا انکار کیا اور آپ کی بشارتوں اور صفتوں کو چھپایا اور لوگوں کو خدا کی راہ سے روکا یقیناً وہ راہ راست سے بہت دور جا پڑے تحقیق جن لوگوں نے کفر کیا اور حق کو دبایا اور حق قبول کرنے والوں کو ستایا تو نہیں ہے خدا تعالیٰ ایسا کہ ایسوں کو معاف کر دے اور نہ وہ ایسا ہے کہ ان کو کوئی راہ دکھا دے یا چلا دے مگر جہنم کی راہ انہیں سیدھا جہنم میں پہنچائے گا جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے کسی وقت بھی کوئی راہ اس سے نکلنے کی نہ ہوگی یہود اس خیال خام میں نہ رہیں کہ چند روز کے بعد جہنم سے باہر آجائیں گے اور یہ امر اللہ پر بہت ہی آسان ہے یعنی اہل عناد کو ہمیشہ کے لیے دوزخ میں ڈال دینا اللہ پر آسان ہے اس امر کے لیے اسے کسی سامان اور اہتمام کی ضرورت نہیں .

يَاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ

اے لوگو تم پاس رسول آچکا ٹھیک بات لے کر تمہارے رب کی سو مانو

فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِى

کہ بھلا ہو تمہارا اور اگر نہ مانو گے تو اللہ کا ہے جو کچھ

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۷۰﴾

آسمان اور زمین میں اور اللہ سب خبر رکھتا ہے حکمت والا

خطاب عام برائے قبول دعوت حق

قَالَ تَعَالٰى يَاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ... الیٰ..... وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝

(ربط) نبوت محمدیہ کے متعلق یہود کے تمام شکوک اور شبہات کا کافی اور شافی جواب دینے کے بعد تمام

بنی آدم کو حق کی دعوت دیتے ہیں کہ دین محمدی میں داخل ہو جاؤ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول برحق ہیں اللہ کی طرف سے حق کو لیکر آئے ہیں اسکو قبول کرو اسی میں تمہاری بھلائی اور بہتری ہے اور اگر نہیں قبول کرتے تو اللہ کو اس کی پرواہ نہیں وہ آسمان و زمین کا مالک ہے تمام فرشتے اور شجر و حجر سب اسکی تسبیح و تحمید کرتے ہیں اُسے تمہاری تسبیح و تحمید کی کوئی حاجت نہیں چنانچہ فرماتے ہیں اے لوگو تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے اللہ کے سچے رسول محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم دین حق لے کر آچکے ہیں جس سے مقصود تمہاری تربیت ہے اور حق تو جس طرح بھی پہنچے اس کے قبول میں تامل نہ کرنا چاہیئے تھوڑا تھوڑا اور چاہے یکدم اور پھر مزید برآں یہ کہ وہ رسول برحق۔ حق اور صداقت کو لے کر خود تمہارے پاس پہنچ گیا چاہیئے تو یہ تھا کہ تم خود حق کی تلاش میں نکلتے لیکن ستم بالائے ستم یہ ہے کہ پیغمبر خدا تو حق لے کر تمہارے پاس پہنچ گیا اور تم ہو کہ اس میں خدشے نکال رہے ہو کہ یہ دین حق تھوڑا تھوڑا ہو کر کیوں نازل ہو رہا ہے یکدم کتابی شکل میں کیوں نازل نہیں ہو جاتا پس عقل اور دانائی کا مقتضی یہ ہے کہ اس حق اور اس رسول برحق پر تم فوراً ایمان لے آؤ ایمان لانا ہی تمہارے لیے بہتر ہوگا اور اگر آپ کی نبوت و رسالت کو نہیں مانو گے تو اللہ کو تمہارے ایمان کی کوئی حاجت نہیں تحقیق اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے ایمان لانے میں تمہارا ہی نفع ہے اُس کا کوئی فائدہ نہیں اور ہے اللہ جاننے والا حکمت والا اسے تمہارے ایمان اور کفر کی سب خبر ہے اور اس کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں۔

يَٰٓأَهْلَ الْكِتَٰبِ لَا تَغْلُوا۟ فِى دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا۟

اے کتاب والو مت مبالغہ کرو اپنے دین کی بات میں اور مت بولو

عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ ۚ إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ

اللہ کے حق ہیں مگر بات تحقیق مسیح جو ہے عیسیٰ مریم کا بیٹا

مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُۥٓ أَلْقَىٰهَآ إِلَىٰ مَرْيَمَ وَ

رسول ہے اللہ کا اور اس کا کلام جو ڈال دیا مریم کی طرف اور

رُوحٌ مِّنْهُ ۖ فَـَٔامِنُوا۟ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِۦ ۖ وَلَا تَقُولُوا۟ ثَلَٰثَةٌ ۚ

روح ہے اس کے ہاں کی سو مانو اللہ کو اور اس کے رسولوں کو اور مت بتاؤ اسکو تین

اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبْحٰنَهٗٓ

یہ بات چھوڑو کہ بھلا ہو تمہارا اللہ جو ہے سو ایک معبود ہے اس لائق نہیں

اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي

کہ اس کی اولاد ہو اسی کا ہے جو کچھ آسمان و زمین میں ہے

الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿١٧١﴾ لَنْ يَّسْتَنْكِفَ

اور اللہ بس ہے کام بنانے والا مسیح ہرگز برا نہ

الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ

مانے اس سے کہ بندہ ہو اللہ کا اور نہ فرشتے

الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ

نزدیک والے اور جو کوئی کنیاوے اللہ کی بندگی سے اور تکبر کرے

فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ﴿١٧٢﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

سو وہ جمع کرے ان سب کو اپنے پاس اکٹھا پھر جو لوگ ایمان

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ

لائے ہیں اور عمل کیے نیک سو ان کو پورا دے گا ان کا ثواب اور بڑھتی دے گا

فَضْلِهٖ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا

اپنے فضل سے اور جو کنیلائے اور تکبر کیا سو ان کو مارے گا

فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ

دکھ کی مار اور نہ پاویں گے اپنے

مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿١٧٣﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ

واسطے اللہ کے سوائے کوئی حمایتی اور نہ مددگار اے لوگو

قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ

تم پاس پہنچ چکی تمہارے رب کی طرف سے سند اور اتاری ہم نے

نُوْرًا مُّبِيْنًا ﴿۱۷۴﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا

تم پر روشنی واضح سو جو یقین لائے اللہ پر اور اس کو مضبوط

بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَ فَضْلٍ ۙ وَّ

پکڑا تو اُن کو داخل کرے گا اپنی مہر میں اور فضل میں اور

يَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۱۷۵﴾

پہنچا دے گا اپنی طرف سیدھی راہ

خطاب خاص باہل کتاب باعتاب نصیحت آب

قال تعالیٰ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ ..... الی .... صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝

(ربط) گزشتہ آیات میں یہود کے شبہات اور معاندانہ سوالات کے جوابات ارشاد فرمائے اور اُن کے قبائح وفضائح سب کے سامنے کھول دیئے جنہیں وہ چھپاتے تھے پس جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت ثابت ہوگئی تو اس کے بعد ایک خطاب عام فرمایا اور تمام بنی آدم کو دین حق اور رسالت محمدیہ کی تصدیق کی دعوت دی اب خطاب عام کے بعد پھر اہل کتاب کو خطاب خاص فرماتے ہیں اور گو عنوان عام ہے مگر اصل مقصود بالخطاب، نصاریٰ ہیں جس میں اُن کو اس کی نصیحت ہے کہ اپنے عقائد فاسدہ سے باز آکر خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کریں اور اگر انحراف کریں گے تو انہیں بہت سخت عذاب ہوگا اور چونکہ ان کے عقائد فاسدہ کا اصل سبب یہ تھا کہ اُن کی طبیعت میں غلو یعنی مبالغہ پسندی تھی جس کے معتقد ہوتے اس کو حد سے بڑھا دیا حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کو نبوت ورسالت سے بڑھا کر الوہیت کا درجہ دے دیا اس لیے حق تعالیٰ نے سب سے پہلے اسی غلو اور مبالغہ کے ترک کا حکم دیا جو ان کی گمراہی کا اصل سبب تھا اور خاص طور پر اہل کتاب کو مخاطب بنایا کہ اے اہل کتاب اپنے دین میں غلو نہ کرو کیونکہ یہ ایسی پاکیزہ اور عمدہ بات ہے کہ کسی کو اس کے تسلیم کرنے میں تردد نہیں ہوسکتا اور یہی بلاغت کا کمال ہے اور اسی کو حسن استدلال کہتے ہیں کہ اولاً ایک مقدمہ مسلمہ پیش کر دیا جائے تاکہ مخاطب اس کا انکار

نہ کر سکے.

چنانچہ فرماتے ہیں اے اہلِ کتاب اپنے دین میں مبالغہ نہ کرو یعنی حد سے آگے نہ بڑھو اور حد سے زیادہ کسی کی تعظیم نہ کرو اور اللہ کی نسبت سوائے حق کے کوئی لفظ نہ کہو تمہارا حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا کہنا خدا تعالیٰ کی تنقیص ہے اور خدا کے ذمہ جھوٹ لگانا ہے کہ اس نے حضرت عیسیٰ کو اپنا بیٹا بنایا ہے اہل کتاب کے دو گروہ تھے ایک یہود اور ایک نصاریٰ یہود نے حضرت مسیح کی تنقیص کی اور اُن کی شان کو گھٹایا اور اُن کے قتل کے درپے ہوئے اور ان کی والدہ مطہرہ کو متہم کیا غرض یہ کہ یہود حضرت عیسیٰؑ کی تحقیر میں حد سے گذر گئے اور نصاریٰ اُن کی تعظیم میں حد سے گذر گئے اور اُن کی تعظیم میں یہاں تک مبالغہ کیا کہ اُن کو خدا اور خدا کا بیٹا کہا اس آیت میں اہل کتاب سے خاص طور پر نصاریٰ مراد ہیں گزشتہ رکوع میں یہود کی غلطی بیان فرمائی اب اس کے بعد خاص طور پر نصاریٰ کو نصیحت فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کے متعلق غلط عقیدہ نہ رکھیں اور نصاریٰ کے اکثر فرقے خدا کی ذات میں بامتیاز حقیقی تین اقنوم کے قائل ہوتے اور اس کا نام تثلیث رکھا اور پھر تماشہ یہ کہ یہ کہا کہ تین ایک ہیں ہیں اور ایک تین ہیں ہے اور یہ نصاریٰ کا بنیادی عقیدہ ہے اور نجات کی سیڑھی ہے اور اس کو وہ توحید فی التثلیث اور تثلیث فی التوحید کے نام سے موسوم کرتے ہیں نصاریٰ کے کل چار فرقے تھے یعقوبیہ، ملکانیہ، نسطوریہ، مرقوسیہ ان میں سے یعقوبیہ اور ملکانیہ مسیح کو خدا کہتے تھے اور نسطوریہ خدا کا بیٹا اور مرقوسیہ ان کو تین کا تیسرا قرار دیتے تھے یعنی اُن کا عقیدہ یہ تھا کہ خدا تین اقنوم ہیں یعنی خدا باپ اور بیٹے اور روح القدس سے مرکب ہے ان میں سے ایک اقنوم عیسیٰ ہے تو عیسیٰ تین خداؤں سے ایک خدا ہے گویا کہ عیسائی مذہب میں الوہیت کے تین رکن ہیں جن سے خدائی قائم ہے.

حق جل شانہ نے اس آیت میں ان چاروں فرقوں کی تردید فرمائی ہے اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ اے اہل کتاب دین میں غلو اور مبالغہ نہ کرو یعنی حد سے تجاوز نہ کرو اور جو باتیں دین میں نہیں ہیں اُن کو اپنی طرف سے دین میں نہ داخل کرو اپنی طرف سے دین میں کسی بات کو داخل کرنا درحقیقت اللہ پر جھوٹ بولنا ہے کہ یہ اللہ کا حکم ہے حالانکہ اللہ نے اس کا حکم نہیں دیا لفظ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ سے گمراہی کا مبداء اور منشا بیان فرمایا کہ ہر گمراہی کا اصل سبب دین میں غلو اور مبالغہ ہے اور لفظ لَا تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰہِ اِلَّا الْحَقَّ سے گمراہی کا منتہی اور اس کا انجام بیان فرمایا کہ غلو اور مبالغہ کا انجام یہ ہوتا ہے کہ دین میں وہ باتیں داخل ہو جاتی ہیں جن کا اللہ نے حکم نہیں دیا اور بغیر حکم خداوندی کسی چیز کو دین کہنا اور موجب ثواب و عقاب بتانا یہ اللہ پر جھوٹ بولنے کے مرادف ہے و قال تعالےٰ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اسی طرح حضرت عیسیٰؑ کو خدا اور خدا کا بیٹا کہنا خدا تعالیٰ پر جھوٹ باندھنا ہے وہ وحدہٗ لاشریک لہٗ ہے

نہ کوئی اس کا شریک ہے اور نہ کوئی اس کی بیوی ہے اور نہ کوئی اس کی اولاد ہے خدا تعالیٰ شرکت اور حلول سب سے پاک اور منزہ ہے خدا نے ہرگز نہیں کہا کہ مسیح میرا بیٹا ہے جز این نیست کہ مسیح یعنی عیسیٰ بن مریم خدا کے پیغمبر ہیں وہ خدا کے بیٹے نہیں بلکہ وہ مریم کے بیٹے ہیں اور ظاہر ہے کہ عورت کا مولود معبود اور معبود کا بیٹا نہیں ہو سکتا حضرت عیسیٰ صرف پیغمبر خدا ہیں خدا سے انکا کوئی نسب اور رشتہ نہیں اور وہ اللہ کا کلمہ ہیں جس کو اللہ نے مریم کی طرف ڈالا اور اللہ کی طرف سے ایک خاص روح ہیں مسیح کو خدا کا کلمہ اس لیے کہا کہ وہ محض کلمۂ کن سے پیدا ہوئے ان کی پیدائش عام لوگوں کی طرح کسی مادہ منویہ سے نہیں ہوئی اور چونکہ اُن کی ولادت، روح الامین کے نفخۂ روحانیہ سے ہوئی اور روحانیت ان پر خاص طور پر غالب تھی اس لیے اُن کو رُوحٌ مِّنْہُ فرمایا۔

اس جگہ حق تعالیٰ نے حضرت عیسٰی کے چار وصف بیان فرمائے

پہلا وصف یہ ہے کہ وہ ابن مریم ہیں یعنی بحکم خداوندی بغیر باپ کے صرف ماں سے پیدا ہوئے ہیں معاذ اللہ حرام فعل کی بناء پر نہیں جیسا کہ یہود کہتے ہیں اور معاذ اللہ نہ خدا ہیں اور نہ خدا کے بیٹے جیسا کہ نصاریٰ کہتے ہیں۔

دوسرا وصف رسول اللہ ہے یعنی وہ خدا کے رسول تھے اس میں یہود کا بھی رد ہے اور نصاریٰ کا بھی یہود اُن کو خدا کا رسول نہیں سمجھتے تھے بلکہ معاذ اللہ اُن کو جھوٹا اور جادوگر کہتے تھے اور نصاریٰ اُن کو خدا اور خدا کا بیٹا کہتے تھے کہ خدا نے مریم کے پیٹ میں حلول کیا اور انسانی صورت میں ظاہر ہوا جیسا کہ ہنود اپنے اوتاروں کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے ہیں لفظ رسول اللہ میں اللہ تعالیٰ نے دونوں کا رد فرمایا

تیسرا وصف یہ کہ وہ اللہ کا کلمہ تھے یعنی صرف کلمۂ کن سے بلا توسط اسباب پیدا ہوئے اگرچہ تمام لوگوں کی خلقت اللہ ہی کے کلمہ سے ہوتی ہے مگر چونکہ بظاہر اور لوگوں میں کچھ اسباب ظاہری کا بھی لگاؤ ہوتا ہے اور حضرت مسیح کی ولادت میں یہ بھی نہ تھا اس لیے ان پر کلمۃ اللہ کا اطلاق زیادہ موزوں ہوا اس صفت میں اشارہ اس طرف تھا کہ دشمن آپ کے قتل پر قادر نہ ہوں گے اس لیے کہ کوئی شخص اللہ کے کلمہ کو پست نہیں کر سکتا اللہ کا کلمہ اوپر ہی کو چڑھے گا کما قال تعالیٰ اِلَیْہِ یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُہٗ۔

چوتھا وصف رُوْحٌ مِّنْہُ ہے یعنی حضرت عیسٰی اللہ کی طرف سے ایک پاکیزہ اور لطیف روح ہیں جو روح الامین کے پھونک مارنے سے ظہور پذیر ہوتی ہے صورت آپ کی اگرچہ بشری ہے مگر فطرت اور اندرونی حقیقت ملکی اور جبریلی ہے

نقش آدم لیک معنی جبرئیل ❊ رستہ از جملہ ہواؤ وقال و قیل

اور عجب نہیں کہ اسی بناء پر آپ کو کلمۃ اللہ کہا گیا ہو کہ جس طرح کلمہ کے الفاظ اور حروف میں ایک لطیف معنی مستور ہوتے ہیں اسی طرح حضرت مسیح کی صورت بشریہ میں ایک نہایت لطیف شئ یعنی حقیقت ملکیہ اور معنیٔ جبرئیلی مستور اور مخفی تھے

ے نقابیست ہر سطر من زیں کتیب ❊ فرو ہشتہ بر عارض دلفریب
معانی است در زیر حرف سیاہ ❊ چو در پردہ معشوق ودرمیغ ماہ

اور اس وصف میں اشارہ اس طرف تھا کہ جب آپ کی فطرت ملکی اور روحانی ہے تو ملائکہ اور روحانیین کی طرح آپ کے لیے عمر بھر میں ایک مرتبہ عروج الی السماء اور نزول ضرور پیش آئے گا۔ کما قال تعالےٰ۔

تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ ❊ فرشتے اور روح جبرئیل آسمان پر جاتے ہیں
تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ ❊ فرشتے اور روح (جبرئیل) آسمان سے اترتے ہیں

پس جس طرح روح الامین کے لیے عُرُوج اور نزول ثابت ہے اسی طرح جناب مسیح علیہ السّلام جو خدا کی ایک خاص روح ہیں اور روح الامین کے پھونک مارنے سے ظہور پذیر ہوتے ہیں اُن کے لیے بھی ضرور عروج الی السماء اور نزول الی الارض ہوگا اور چونکہ حضرت مسیح کو سراپا روح قرار دیا گیا اور یہ کہا گیا کہ وہ سراپا من جانب اللہ ایک روح ہیں اور یہ نہیں کہا گیا فیہ روح (یعنی اس میں روح ہے) اس لیے یہود اُن کے قتل پر قادر نہ ہوئے اس لیے کہ قتل جسم کا ممکن ہے روح کا قتل ممکن نہیں پس جس کو خدا تعالیٰ روحٌ منہ کہے اُسے کون قتل کر سکتا ہے۔

اور چونکہ حق تعالیٰ نے آپ کو روحٌ منہ فرمایا اور روح کا خاصہ یہ ہے کہ جس شئ سے روح کا اتصال ہو جاتا ہے وہ شئ زندہ ہو جاتی ہے اس لیے آپ کو احیاء موتےٰ کا معجزہ عطا کیا گیا حضرت عیسیٰ کے ہاتھ پھیرنے پر مردہ زندہ ہو جاتا تھا اس لیے کہ حضرت عیسیٰ خدا تعالیٰ کی خاص روح تھے جس سے خدا کی یہ روح ملتی وہ شئ باذن اللہ زندہ ہو جاتی۔

خلاصہ کلام یہ کہ عیسیٰ علیہ السّلام خدا تعالیٰ کے برگزیدہ بندہ اور رسول برحق تھے اور ان صفات فاضلہ مذکورہ کے ساتھ موصوف تھے معاذ اللہ خدا اور خدا کا بیٹا نہ تھے پس اے اہل کتاب تم اللہ پر اور اس کے رسولوں پر صحیح ایمان لاؤ کہ اللہ ایک ہے نہ اس کے بیوی ہے اور نہ اولاد ہے اور حضرت عیسیٰ اللہ کے رسول ہیں اور یہ نہ کہو کہ خدا تین ہیں یعنی یہ خیال نہ کرو کہ خدائی تین چیزوں کا مجموعہ ہے جیسا کہ بعض نصاریٰ کا عقیدہ ہے کہ خدا تین ہیں باپ، بیٹا، روح القدس اور انہی تین چیزوں کو نصاریٰ اقانیم ثلاثہ کہتے ہیں پس اے اہل کتاب تم باز آجاؤ تین خدا کہنے سے۔ یعنی

تثلیث اور اتحاد اور حلول کے عقیدہ سے توبہ کرو یہی تمہارے لیے دنیا اور آخرت میں بہتر ہوگا کیونکہ جز ایں نیست کہ اللہ ہی تمہارا ایک معبود ہے اس کے سوا کوئی دوسرا اور تیسرا معبود نہیں اور جو شخص تین خدا کا قائل ہے وہ توحید کا منکر ہے اور وہ نادان الوہیت میں جمہوریت کا قائل ہے اور توحید کا قائل ہو جانا اور تثلیث سے باز آجانا اسی میں دنیا اور آخرت کی بہتری ہے دنیا کی بہتری تو یہ ہے کہ لوگ تم کو بے عقل نہ کہیں گے اور آخرت کا فائدہ یہ ہے کہ عذاب سے نجات پاؤ گے۔

عقیدۂ تثلیث کے ابطال کے بعد عقیدۂ ابنیت کو باطل فرماتے ہیں اللہ منزہ ہے اس سے کہ اس کے لیے کوئی فرزند ہو کیونکہ ولد۔ والد کا جزء ہوتا ہے اور باپ سے حادث (پیدا) ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ تجزی اور حدوث سے پاک ہے نیز ولادت خلاصہ حیوان کا ہے جس سے خدا تعالیٰ منزہ ہے نیز جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسکی ملک ہے جنمیں حضرت عیسیٰؑ بھی داخل ہیں اور غلام کی طرح بیٹا باپ کا مملوک نہیں نیز بیٹا باپ کے مماثل اور مشابہ ہوتا ہے اور خدا کا کوئی مثل نہیں نیز باپ ایک درجہ میں اولاد کا محتاج ہوتا ہے اس لیے کہ اولاد اس لیے ہوتی ہے کہ زندگی میں باپ کی مددگار ہو اور مرنے کے بعد باپ کے قائم مقام ہو اور اللہ تعالیٰ ان سب باتوں سے پاک اور منزہ ہے اور اللہ کافی کارساز ہے اسے اپنی کارسازی میں اولاد کی امداد کی حاجت نہیں پس وہ جب اپنی تدبیر اور کارسازی میں اکیلا کافی ہے تو دوسرے اور تیسرے معبود ماننے کی کیا ضرورت اور بے ضرورت اور فالتو چیز کو معبود بنانا اور خدائی میں اس کو شریک ٹھہرانا بے عقلی نہیں تو اور کیا ہے۔

نصاریٰ کا ایک شبہ اور اسکا جواب

الوہیت مسیح اور ابنیت مسیح کے باطل کرنے کے بعد نصاریٰ کے ایک شبہ کا جواب دیتے ہیں کہ اگر نصاریٰ یہ کہیں کہ ہم تو دین میں غلو نہیں کرتے لیکن اے مسلمانو تم حضرت عیسیٰ کی تنقیص کرتے ہو کہ اُن کو تم خدا کا بندہ بتاتے ہو حالانکہ اُن سے خدائی افعال سرزد ہوتے تھے وہ مردوں کو زندہ کرتے تھے اور مادر زاد اندھوں کو اچھا کرتے تھے ایسی برگزیدہ ذات کو خدا کا بندہ کہنا یہ ان کی تنقیص اور تحقیر ہے سو اس کا جواب یہ ہے کہ مسیح بن مریم ہرگز اللہ کا بندہ ہونے سے عار نہیں کرتے بلکہ وہ خدا کی بندگی کو اعلےٰ درجہ کی عزت اور رفعت سمجھتے تھے تم خود مقر ہو کہ حضرت مسیح رات بھر زیتون کی پہاڑی پر اللہ کی عبادت کیا کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ ذوق و شوق کے ساتھ خدا کی عبادت وہی کرے گا جو خدا کا بندہ ہونے پر فخر کرے گا معبود کسی کی عبادت نہیں کیا کرتا اور نہ مقرب فرشتے خدا کی بندگی سے عار کرتے ہیں حالانکہ فرشتے نورانیت اور روحانیت میں حضرت مسیح سے بڑھے ہوئے ہیں فرشتے بغیر ماں باپ کے محض نور سے بلا اسباب ظاہری کے محض کلمہ کن سے پیدا ہوئے اور ظہور خوارق اور عالم غیب کے علم و ادراک میں اور آسمان و زمین کے عروج و نزول میں حضرت مسیح سے بڑھ کر ہیں فرشتوں کا اصل مسکن آسمان ہے اور حضرت

مسیح اصل باشندہ زمین کے ہیں جو بہ نسبت آسمانوں کے بہت پست ہے مگر با ایں ہمہ فرشتے خدا اور خدا کے بیٹے نہیں دن رات اللہ کی تسبیح و تحمید و تہلیل و تمجید میں لگے رہتے ہیں

نجران کے عیسائیوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اے محمد آپ ہمارے خداوند یسوع مسیح کا رتبہ گھٹاتے ہیں کہ آپ اُن کو خدا کا بندہ بتلاتے ہیں اس سے قرآن کی کسرشان ہوتی ہے آپ نے فرمایا کہ عیسیٰؑ کو خود خدا کا بندہ بننے سے عار نہیں ہے اور یہ آیت نازل ہوئی کہ نہ مسیح کو خدا کا بندہ بننے سے عار ہے اور نہ ملائکہ مقربین کو اس سے عار ہے یہ تمہاری اور مشرکوں کی حماقت اور نادانی ہے کہ تم مسیح کو خدا کا بیٹا کہتے ہو اور مشرک فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے ہیں خدا کا بندہ بننا کسی طرح بھی موجب عار نہیں بلکہ موجب صد فخر اور باعث صد شکر ہے اور حضرت مسیح اور ملائکہ مقربین کو یہ خوب معلوم ہے کہ جو شخص اللہ کی بندگی سے عار کرے اور تکبر کرے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حساب کے لیے مستنکفین اور غیر مستنکفین سب کو جمع کرے گا جس دن سوائے بندگی کے کوئی چیز نفع نہ دے گی پس جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے اور اس کی عبودیت اور عبادت سے استنکاف اور استکبار نہیں کیا پس اللہ ایسے لوگوں کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا اور بلکہ انہیں اپنے فضل سے اور زیادہ دے گا یعنی جس قدر ثواب کے وہ مستحق ہیں وہ اس سے زیادہ دے گا اور جن لوگوں نے اس کی بندگی کو موجب عار سمجھا اور تکبر کیا سو ان کو دردناک عذاب دے گا جو خدا کی بندگی سے عار کرنے والوں کی ذلت و رسوائی کا ذریعہ ہوگا اور نہ پاویں گے یہ لوگ اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور نہ کوئی مددگار جو ان کو ذلت سے بچا سکے یا چھڑا سکے ۔

خاتمہ کلام بر خطاب عام

جس طرح یہود کے خطاب کے بعد عام لوگوں کو مخاطب بنایا اسی طرح اب نصاریٰ کے خطاب خاص کے بعد عام لوگوں سے خطاب فرماتے ہیں اے لوگو! تحقیق آچکی تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے ایک روشن دلیل یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ؎[1]

آفتاب آمد دلیل آفتاب ؎ گر دلیلے باید از وے رو متاب

اور اتارا ہم نے آپ کی طرف ایک واضح روشنی کو تاکہ تم کو حق اور باطل کا فرق نظر آتے پس لوگوں پر اللہ کی حجت قائم ہوگئی اور کسی کے لیے حق قبول نہ کرنے میں کوئی عذر باقی نہیں

---

[1] یعنی برہان سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات مراد ہے جیسا کہ سفیان ثوریؒ سے منقول ہے (تفسیر قرطبی ص۲۷ ج ۶)

رہا پس جو لوگ ایمان لائے اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ پر اور اس کی رسی کو مضبوط پکڑا اور خدا کی برہان اور اس کے نور مبین کو اپنے لیے مشعل راہ بنایا سو اللہ اُن کو اپنی رحمت اور فضل میں داخل کریگا رحمت سے مراد جنت اور ثواب عظیم ہے اور فضل سے وہ نعمت مراد ہے کہ جو وہم وگمان سے کہیں زائد ہو اور اُن کو سیدھے راستہ پر چلا کر اپنے تک پہنچا دے گا خدا تعالیٰ کی عطا کردہ برہان اور اس کے نازل کردہ نور مبین ہی کی روشنی میں آخرت کی راہ طے ہو سکتی ہے۔

اِبطال اُلوہیت عیسیٰ علیہ السّلام

تمام تاریخوں اور ناقابل تردید روایتوں اور انجیل کی بے شمار آیتوں سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن آدم اور انسان مجسم تھے حضرت مریمؑ کے پیٹ سے پیدا ہوئے اُن کا جسم انسانوں ہی کا سا تھا انسانوں کی طرح اعضاء رکھتے تھے انسانوں ہی کی طرح کھانے پینے کے محتاج تھے انسانوں کی طرح زندگی بسر کرتے تھے سوتے اور جاگتے تھے چلتے اور پھرتے تھے غرض یہ کہ انسانیت کے تمام لوازم ان میں موجود تھے پس ایسے وجود کو کیسے خدا مان لیا جائے اور کس طرح اس کے لیے خدائی صفات ثابت کر دی جائیں۔

(۱) خدا تو اس ذات پاک کا نام ہے کہ جو خود بخود موجود ہو اور تمام صفات کمال وجلال کے ساتھ متصف ہو اور تمام نقائص اور عیوب سے پاک ہو قادر مطلق ہو عاجز نہ ہو۔

اے نصاریٰ اے حیارسے خدا را یہ تو بتلاؤ کہ کیا خدا کو بھی مجبوری لاحق ہو سکتی ہے اور کیا سولی پر چلا کر دم دے دینا خدا کی شان کے شایان ہے انجیل لوقا باب ہشتم آیت ۲۲ و ۲۳ و ۲۴ میں ہے۔

"پھر ایک دن ایسا ہوا کہ وہ (مسیح) اور اس کے شاگرد کشتی پر چڑھے اور اس نے ان سے کہا کہ آؤ جھیل کے پار چلیں پس وہ روانہ ہوئے مگر جب کشتی چلی جاتی تھی تو وہ سو گیا اور جھیل پر بڑی آندھی آئی اور کشتی پانی سے بھری جاتی تھی اور وہ خطرے میں تھے انہوں نے پاس آکر اُسے جگایا اور کہا کہ صاحب ہم ہلاک ہوئے جاتے ہیں"

(۲) پس مسیح اگر خدا ہوتا تو اس قدر بے خبر نہیں ہو سکتا اور نہ اس پر نیند طاری ہو سکتی تھی۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ

اللہ وہ ذات پاک ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایسا زندہ ہے جس پر موت نہیں وارد ہو سکتی وہ تمام کائنات کے وجود کو

(سُوْرَۃُ بَقَرَہ) قائم رکھنے والا اور تھامنے والا ہے نہ اس کو اونگھ آتی ہے اور نہ نیند۔

سب کو معلوم ہے کہ عیسیٰ علیہ السّلام کو بشری عوارض لاحق تھے اور کوئی خدائی صفت ان میں موجود نہ تھی پس کس طرح اُن کو ازلی اور ابدی اور غیر مخلوق اور خدا تسلیم کیا جا سکتا ہے۔

(۳) حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کو باوجود صاحب جسم و صاحب لحم و دم ہونے کے خدا اور خالقِ عالم ماننے کا مطلب یہ ہوگا کہ رب معبود کا کچھ حصہ تو قدیم اور ازلی ہے اور کچھ حصہ مخلوق اور حادث ہے اس لیے کہ جسم اور لحم اور دم بلا شبہ مخلوق اور حادث ہے اور بقول نصاریٰ اندر کی روح قدیم ہے

(۴) نیز نصاریٰ ایک طرف تو حضرت عیسیٰ کو ساری دنیا کا خالق مانتے ہیں اور دوسری طرف یہ بھی مانتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ دنیا کا ایک جز تھے تو نتیجہ یہ نکلا کہ دنیا کا یہ جز خالق بھی ہے اور مخلوق بھی ہے۔

(۵) نیز انجیل سے یہ ثابت ہے کہ عیسیٰ علیہ السّلام اپنے بال بھی کٹواتے تھے اور ناخن ترشواتے تھے جو زمین میں گر کر لاشئ بن جاتے تھے تو نصاریٰ کے مذہب پر نتیجہ یہ نکلے گا کہ خالق ازلی کے بعض اجزاء کا کٹ جانا اور کٹ کر زمین میں مل جانا اور پھر اُن کا فنا ہو جانا سب جائز ہے۔

(۶) نیز نصاریٰ کے نزدیک یہ بھی مسلّم ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نے پیدا ہونے کے بعد بتدریج نشو و نما پایا اور اُن کے طول و عرض میں زیادتی ہوئی حتّٰی کہ جوان ہوئے اور پیدائش سے لے کر اخیر عمر تک قسم قسم کے تغیرات بشریہ اُن کو لاحق ہوتے رہے۔

تو حضرات نصاریٰ بتائیں کہ معاذ اللہ کیا خدا بھی بتدریج نشو و نما پاتا ہے اور بشری تغیّرات اس کو لاحق ہوتے ہیں اور رفتہ رفتہ اس کے طول و عرض میں زیادتی ہوتی ہے (الجواب الفسیح لما لفّقہ عبد المسیح صلا)

(۷) نیز نصاریٰ حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا بھی مانتے ہیں اور قدیم اور ازلی بھی مانتے ہیں حالانکہ یہ امر بدیہی ہے کہ والد اور ولد کا وجود ساتھ نہیں ہوتا بلکہ ولد کا وجود والد کے وجود سے مؤخر ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ جو شئے وجود میں مؤخر ہوگی وہ کسی طرح قدیم اور ازلی نہیں ہو سکتی بلا شبہ وہ حادث اور مخلوق ہوگی (الجواب الفسیح ص۲۰)

(۸) نیز عیسیٰ علیہ السّلام اگر خدا ہوتے تو یہودیوں سے خائف نہ ہوتے اور نہ اُن سے چھپنے کی کوشش کرتے اور نہ موت کا پیالہ ٹلنے کی خدا سے دعا مانگتے دشمنوں سے ڈرنا اور دعا مانگنا بندہ کا کام ہے خدا تعالیٰ نہ کسی سے ڈرتا ہے اور نہ کسی سے کچھ مانگتا ہے۔

(۹) نیز ابتداء ولادت سے لے کر اخیر عمر تک بچپن اور جوانی وغیرہ وغیرہ کے مراحل سے گزرنا یہ بھی تردید الوہیت کے لیے کافی ہے کیونکہ اس قسم کے بے شمار تغیرات بلا شبہ الوہیت کے

منافی ہیں ۔

(۱۰) نیز نصاریٰ جب اُن کی موت کا عقیدہ رکھتے ہیں تو عقیدۂ موت کے بعد تو تردید الوہیت کیلئے کسی دلیل کی حاجت ہی نہیں رہتی کیونکہ باتفاق عقلاء خدا کا حیٌ لایموت ہونا ضروری ہے خدا تعالیٰ دکھ اور بیماری اور موت سے پاک ہے ۔

نصاریٰ کے چند شبہات اور انکے جوابات

نصاریٰ یہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم کی ان آیات میں حضرت مسیح کو روح اللہ اور کلمۃ اللہ یعنی اللہ کی روح اور اللہ کا کلمہ کہا گیا ہے اور خدا کی روح خدا سے کمتر نہیں معلوم ہوا کہ حضرت مسیح مرتبۂ الوہیت میں تھے اور علی ہذا لفظ کلمۃ اللہ میں مرتبۂ الوہیت کی طرف اشارہ ہے قرآن کریم میں کسی نبی کو اللہ کی روح اور اللہ کا کلمہ نہیں کہا گیا قرآن کریم نے ان دو صفتوں سے حضرت مسیح کو تمام پیغمبروں پر فوقیت دی ہے اس سے اشارہ ان کے مرتبۂ الوہیت کی طرف ہے حضرت مسیح کلمۂ خدا تھے اسی سے سارا جہان پیدا ہوا اس لحاظ سے لفظ کلمۃ اللہ میں حضرت مسیح کی الوہیت کی طرف اشارہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کل کائنات کے مبداء ہیں ۔

پہلی بات کا جواب

(۱) روحٌ منہ کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک پاکیزہ روح ہیں جن کو حق تعالیٰ نے بغیر باپ کے محض نفخ جبریل علیہ السّلام سے پیدا کیا جیسے جبریل امین کو روح الامین کہا جاتا ہے اس لیے کہ وہ خدا تعالیٰ کی پیدا کردہ پاک روح ہیں جو محض نور سے پیدا کی گئیں اور روح منہ میں روح کی نسبت اور اضافت اللہ کی طرف محض تشریف و تکریم کے لیے ہے جیسے بیت اللہ اور ناقۃ اللہ میں بیت اور ناقہ کی اضافت اللہ کی طرف محض تشریف کے لیے ہے روح کے معنی خدا کے نہیں قرآن کریم میں حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السّلام کے نفس ناطقہ پر من روحہٖ اور من روحی کا اطلاق فرمایا ہے کما قال تعالٰے ثُمَّ سَوّٰہُ وَنَفَخَ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِہٖ وقال تعالیٰ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سَاجِدِیْنَ ۔

(۲) نیز جو چیز بطور خرق عادت عجیب و غریب طریقہ سے ظہور میں آتے تو خاص طور پر اس کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف کرتے ہیں جیسے هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ میں صالح علیہ السّلام کی ناقہ کو خدا تعالیٰ کی طرف اس لیے مضاف کیا ہے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ اونٹنی خلاف عادت الٰہیہ محض اللہ کی قدرت سے پتھر سے نکلی ہے اور اس کے لیے کوئی مادّہ اور نر نہ تھا اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کو اس لیے روح اللہ کہتے ہیں کہ وہ بغیر باپ کے بلا سبب ظاہری کے پیدا ہوئے نہ کہ اس وجہ

سے کہ معاذ اللہ وہ خدا ہیں یا خدا کی روح ہیں۔

(۳) نیز لفظ روح۔ رحمت کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے اور قرآن کریم میں روح کا اطلاق وحی خداوندی پر آیا ہے کما قال تعالیٰ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا اس لیے کہ وحی خداوندی رحمت عظمیٰ ہے اور لوگوں کی روحانی حیات کا ذریعہ ہے اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وجود باجود لوگوں کے لیے ابر رحمت اور آب حیات تھا اس لیے اُن کو روح اللہ کہا گیا۔

(۴) نیز انجیل میں جابجا ہر سچے واعظ پر روح اللہ اور روح الحق کا اطلاق آیا ہے چنانچہ انجیل یوحنا میں ہے اسے دوستو ہر روح پر ایمان نہ لاؤ بلکہ ان کا امتحان کرو جو روح اللہ کی طرف سے ہو اس پر ایمان لاؤ پس اس اعتبار سے حضرت عیسیٰ پر روح اللہ کا اطلاق بالکل درست ہے کہ وہ بلاشبہ سچے واعظ تھے۔

(۵) نیز عہد عتیق میں روح اللہ کا اطلاق ہر اس نفس ناطقہ پر بھی آیا ہے جو کامل الادراک ہو اور منبع حسنات اور مصدر امور غریبہ ہو جیسا کہ کتاب پیدائش باب ۴۱ درس ۳۸ میں بادشاہ مصر کا قول یوسف علیہ السلام کے حق میں یوں منقول ہے اور فرعون نے اپنے نوکروں سے کہا کیا تم ایسا جیسا یہ مرد ہے کہ جس میں خدا کی روح ہے پا سکتے ہو۔

اور کتاب دانیال میں شاہ بابل کا قول دانیال علیہ السلام کے حق میں اس طرح منقول ہے کہ خدا کی مقدس روح تیرے اندر ہے۔

پس اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نفس ناطقہ کامل الادراک اور منبع حسنات و برکات تھا اس لیے ان کو روح اللہ کہا گیا۔

خلاصۂ کلام | یہ کہ اس قسم کے اطلاقات سے الوہیت ثابت کرنا کمال ابلہی اور غایت سفاہت ہے ہاں اس قسم کے اطلاقات سے ایک قسم کی فضیلت ثابت ہوتی ہے سو اس میں بحمدہ تعالیٰ اہل اسلام کو کوئی کلام نہیں عہد عتیق اور عہد جدید میں روح اللہ کا اطلاق بکثرت خدا کے برگزیدہ بندوں پر آیا ہے کیا نصاریٰ ان سب کو خدا اور خدا کا بیٹا ماننے کیلئے تیار ہیں تفصیل کے لیے ازالۃ الشکوک حصہ اول از صفحہ ۲۰۸ تا صفحہ ۲۱۴ دیکھئے۔

دوسری بات کا جواب | لفظ کلمہ۔ کلام عرب میں کہیں بھی بمعنی ذات خدا یا بمعنی اقنوم علم مستعمل نہیں ہوا قرآن کریم میں جہاں کہیں لفظ کلمہ یا کلمات خدا تعالیٰ کی طرف مضاف ہے مثلاً كَلِمَةُ اللّٰهِ وَكَلِمَةُ رَبِّكَ، وَكَلِمٰتُ رَبِّهَا وغیرہ وغیرہ بمعنی کلام خدا یا حکم خدا مستعمل ہوا ہے کما قال تعالیٰ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا۔ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا۔ وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ وغیرہ وغیرہ ان

تمام مواضع میں لفظ کلمہ یا کلمات خدا تعالیٰ کی طرف اضافت کے ساتھ مستعمل ہوا ہے اور سب جگہ خدا کی باتیں اور خدا کے احکام کے معنی میں مستعمل ہوا ہے لفظ کلمہ یا کلمات جو خدا کی طرف مضاف ہو تمام قرآن میں کہیں بھی بمعنی ذات خدا یا اقنوم علم کے معنی میں مستعمل نہیں ہوا۔

اور عہد عتیق اور عہد جدید کی کتابوں میں بکثرت لفظ کلمۃ اللہ اور کلمۃ الرب بمعنی کلام خدا یا حکم خدا آیا ہے چنانچہ زبور ۳۳- درس ۶ میں ہے بکلمۃ الرب تثبت السمٰوات وبروح فیہ جمیع جنودھا اور فارسی نسخہ مطبوعہ ۱۸۴۵ء میں ہے آسمانہا بکلام خداوند وتمامی عساکر آنہا بنفس دہانش ساختہ شدہ اند - اور ہندی نسخہ مطبوعہ ۱۸۴۳ء میں ہے خداوند کے کلام سے آسمان بنے اور اُن کے سارے لشکر اُس کے مُنہ کے دم سے اور اخبار الایام کے پہلی کتاب کے سترھویں باب تیسرے درس میں ہے فلما کان فی تلک اللیلۃ حلت کلمۃ اللّٰہ علی ناثان النبی ۔اھ اور اردو نسخہ مطبوعہ ۱۸۴۳ء میں ہے اور اسی رات ایسا ہوا کہ خدا کا کلام ناتن کو پہنچا۔

اسی طرح قرآن کریم میں کلمہ کا اطلاق حضرت مسیح پر اس لیے کیا گیا کہ وہ بغیر باپ کے بحکم خداوندی کلمہ کن سے پیدا ہوئے جس سے مقصود حضرت مسیح کی ایک فضیلت اور بزرگی کو ظاہر کرنا ہے تاکہ یہود بے بہبود کا رد ہو جائے۔

غرض یہ کہ حضرت عیسیٰؑ کی شان میں کلمۃ اللہ یا روح اللہ کا لفظ اُن کی خصوصیت اور فضیلت ثابت کرنے کے لیے آیا ہے نہ کہ اُن کی الوہیت بتلانے کے لیے اس لیے کہ سارا قرآن الوہیت مسیح کے انکار اور رد سے بھرا پڑا ہے اور الوہیت کے ماننے والوں کو کافر بتاتا ہے اس قسم کے الفاظ سے حضرت مسیح کی الوہیت نکالنا پرلے درجہ کی نادانی ہے حضرت مسیح کو "حقیقۃً" کلام خداوندی یا حکم خداوندی کہنا عقلاً محال ہے اس لئے کہ کلمۂ خداوندی کی نسبت یہ کہنا کہ معاذ اللہ یہ کلمۂ خداوندی حقیقۃً ایک کنواری کے پیٹ سے متولد ہوا اور پھر وہ کلمۂ خداوندی اور کلام الٰہی اور حکم یزدانی دشمنوں کے جبر و قہر سے صلیب پر لٹکایا گیا الیٰ آخرہ کیا یہ دیوانہ کی بڑ نہیں سب کو معلوم ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک ذات محدود اور شخص تھے جو ایک کنواری کے پیٹ سے پیدا ہوئے لہٰذا ان کی نسبت یہ کہنا کہ وہ تمام کائنات کے مبدأ تھے سراسر حماقت ہے۔

عقیدۂ ابنیت

نزول قرآن کے وقت نصاریٰ کے مختلف فرقے تھے ایک فرقہ یہ کہتا تھا کہ حضرت عیسیٰ عین خدا ہیں اور خدا ہی بشکل مسیح دنیا میں اتر آیا ہے۔

اور دوسرا فرقہ یہ کہتا تھا کہ مسیح ابن اللہ ہے یعنی خدا کا بیٹا ہے۔

اور تیسرا فرقہ یہ کہتا تھا کہ وحدت کا راز تین میں پوشیدہ ہے
باپ، بیٹا - روح القدس اور بعضے روح القدس کی جگہ حضرت مریم کو اقنوم ثالث کہتے ہیں
قرآن کریم نے تینوں جماعتوں کو جدا جدا بھی مخاطب کیا ہے اور یکجا بھی اور دلائل اور براہین سے یہ واضح کر دیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مریم کے بطن سے پیدا شدہ خدا کے برگزیدہ انسان اور رسول برحق تھے اس کے برخلاف یہود و نصاریٰ حضرت مسیح کے بارہ میں جو عقیدہ رکھتے ہیں وہ باطل محض ہے یہود بے بہود کا عقیدہ یہ ہے معاذ اللہ حضرت مسیح شعبدہ باز اور مفتری تھے اور نصاریٰ کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ خدا اور خدا کے بیٹے ہیں یا تین میں تیسرے ہیں قرآن کریم نے یہود کی تفریط اور نصاریٰ کی افراط دونوں کا رد کیا اور واضح اعلان کر دیا کہ حضرت مسیح نہ خدا تھے اور نہ خدا کے بیٹے تھے بلکہ خدا کے برگزیدہ رسول برحق تھے اور خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ حضرت مسیح کی پیدائش سے پہلے بلکہ ازل سے خدا ہے خدا کی خدائی حضرت مسیح پر موقوف نہیں۔

اور توریت اور انجیل میں جہاں کہیں کسی کو بیٹا یا فرزند کہا گیا ہے وہاں یہ مطلب ہرگز ہرگز نہیں کہ یہ لوگ حقیقۃً خدا کے بیٹے ہیں بلکہ اس سے خدا کے مقبول اور خاص برگزیدہ بندے مراد ہیں توریت و انجیل میں ابن اللہ کا اطلاق انبیاء و مرسلین اور تمام عباد صالحین پر آیا ہے اس میں حضرت مسیح کی کوئی خصوصیت نہیں جس سے ان کی الوہیت پر استدلال کیا جا سکے دیکھو نوید جاوید ص۱۴۳ مصنفہ مولانا سید ابوالمنصور امام فن مناظرہ۔

عقیدۂ تثلیث (ثالوث)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام حق جل شانہٗ کے رسول برحق تھے اور توحید خالص کے منادی تھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریین اور اولین اصحاب سب کے سب توحید اور تسبیح و تقدیس کا عقیدہ رکھتے تھے توریت و انجیل میں اس عقیدہ کا کہیں نام و نشان بھی نہیں اور نہ کسی نبی نے اس کی تعلیم دی عقیدۂ ثالوث (تثلیث) پولوس رسول کے عہد سے دین مسیحی میں داخل ہوا اور رفتہ رفتہ الوہیت مسیح اور ابنیت مسیح اور تثلیث کلیسا کا مقبول عقیدہ بن گیا عقیدۂ تثلیث کا جب ظہور اور آغاز ہوا تو علماء نصاریٰ میں اس کے رد و قبول پر بڑی بحثیں ہوئیں اور مختلف فرقے پیدا ہو گئے فرقہ آریوس یہ کہتا تھا کہ خدا وحدہٗ لاشریک لہٗ ہے اور حضرت مسیح تمام کائنات سے افضل اور برتر ہیں اور فرقہ سابیلین یہ کہتا تھا کہ خدا تعالیٰ ذات واحد ہے اور اَب اور ابن اور روح القدس یہ اسی ذات واحد کی مختلف صورتیں ہیں جن کا مختلف حیثیتوں سے ذات واحد پر اطلاق کیا جاتا ہے بعد میں کلیسا کی کونسل منعقدہ ۳۲۵ء اور قسطنطنیہ کی کونسل منعقدہ ۳۸۱ء نے ثالوث

(تثلیث) کو مسیحی عقیدہ کی بنیاد تسلیم کرلیا اور یہ اعلان کردیا کہ اَب اور ابن اور روح القدس یہ تین جدا جدا اور مستقل اقنوم ہیں اور یہی حق ہے جس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کا نام عقیدۂ امانت رکھا جس کا متن روح المعانی اور الجواب الفسیح میں مذکور ہے اور دوسرے فرقوں کے متعلق فتویٰ صادر کردیا کہ جو تثلیث کا عقیدہ نہ رکھے وہ ملحد اور بے دین ہے اور عقیدۂ توحید کو بدعت قرار دیا اب عام طور پر نصاریٰ کا یہی عقیدہ ہے کہ خدا تین اقنوم (اصل) ہیں باپ بیٹا روح القدس اور ان ہی تین اقانیم کے مجموعی حقیقت کا نام خدا ہے اور اسی توحید حقیقی میں تثلیث مضمر ہے اور اس کی تفصیل اس طرح کرتے ہیں کہ خدا تین اقنوم ہیں اقنوم اول باپ ہے جس سے دوسرا اقنوم بیٹا پیدا ہوا اور دوسرے اقنوم سے تیسرا اقنوم پیدا ہوا رہا یہ امر کہ اقنوم اوّل سے اقنوم ثانی اور اقنوم ثانی سے اقنوم ثالث کس طرح پیدا ہوا اور توحید کس طرح تثلیث بن جاتی ہے اور تثلیث کس طرح توحید ہو جاتی ہے اس کی تشریح اور توضیح وتلویح میں نصاریٰ کے عجیب وغریب مباحث ہیں جو اُن کی عقل وادراک سے بھی خارج ہیں عجیب عجیب بولیاں بولتے ہیں بعض یہ کہتے ہیں کہ دوسرا اقنوم پہلے اقنوم کی طرح ازلی نہیں البتہ اس عالم ناسوت سے غیر معلوم مدت پہلے اقنوم اول سے پیدا ہوا ہے جس کا درجہ باپ کے درجہ سے کم اور اس کے بعد ہے بعض یہ کہتے ہیں کہ خدا کے دو ہی اقنوم ہیں باپ اور بیٹا اور روح القدس مخلوق خداوندی ہے منجملہ فرشتوں کے ایک فرشتہ ہے جس کا مرتبہ تمام فرشتوں سے بلند ہے اور بعض فرقے یہ کہتے ہیں کہ خدا کا تیسرا اقنوم مریم علیہا السلام ہیں یہ فرقہ روح القدس کو اقنوم ثالث نہیں مانتا بلکہ بجائے روح القدس کے حضرت مریم کو اقنوم ثالث مانتا ہے نصاریٰ کے بہت سے فرقے روح القدس کو خدا نہیں مانتے اور نصاریٰ کے بعض فرقے یہ کہتے کہ اب اور ابن اور روح القدس یہ تین علیحدہ علیحدہ اقنوم نہیں بلکہ ذات واحد کی تین بنیادی صفات علم وحکمت اور قدرت اور حفظ وضبط کی طرف اشارہ ہے نصاریٰ کے اکثر فرقے ذات خداوندی میں توحید اور تثلیث کو حقیقی مانتے ہیں اور اقانیم ثلثہ یعنی اقنوم اَب اور اقنوم ابن اور اقنوم روح القدس میں امتیاز اور فرق حقیقی مانتے ہیں چنانچہ مفتاح الاسرار کی فصل اول باب دوم کے آخر میں نسخہ مطبوعہ ۱۸۵۰ء عیسوی میں ہے "ہرچند خدا کی ذات میں باپ اور بیٹے اور روح القدس کے درمیان حقیقی امتیاز ہے پھر ذات کی وحدانیت زائل نہیں ہوتی اور تثلیث کی تعلیم سے ذات کو نقصان اور قصور نہیں پہنچتا بلکہ حقیقت میں صرف ایک خدائے واحد حقیقی ہے"۔

اور تیرھویں صدی عیسوی کے متعدد فرقوں نے بہ صاف طور پر کہدیا کہ عقیدۂ تثلیث عقل اور نقل دونوں کے خلاف ہے اور ناقابل تسلیم ہے مگر قومی عصبیت نے ان کو اسلامی عقیدہ قبول کرنے سے باز رکھا۔

اہل اسلام کا مسیحیین کے ساتھ نزاع اس صورت میں کہ جب تین اقنوم خارج میں حقیقۃً

علیحدہ علیحدہ مانیں اور تینوں کو واجب الوجود مانیں اور ان کے درمیان امتیاز حقیقی جانیں اور اگر امتیاز حقیقی کے قائل نہ ہوں یا توحید کو مجازی یا توحید اور تثلیث دونوں کو مجازی کہیں اور اقانیم سے محض صفات مراد لیں علیحدہ علیحدہ اور جدا جدا تین مستقل ذاتیں نہ مانیں تو پھر نصاریٰ کے ساتھ اہل اسلام کا یہ نزاع نہ ہوگا کوئی اور نزاع ہوگا مگر عام طور پر نصاریٰ اقانیم ثلاثہ کو محض صفات الٰہیہ نہیں مانتے بلکہ تین شخصیتیں باعتبار وجود اور تشخص کے علیحدہ علیحدہ جدا اور ممتاز مانتے ہیں اور صفات کا وجود موصوف سے علیحدہ نہیں ہوتا۔

ابطال تثلیث

نصاریٰ کا یہ عقیدہ کہ تین ایک ہیں اور ایک تین ہیں سراسر خلاف عقل ہے فرقہ یونی ٹیرین جو عیسائی فرقوں میں شمار کیا جاتا ہے اب اس کے بھی لاکھوں آدمی یورپ میں موجود ہیں وہ تثلیث کا منکر ہے اور بہت سے علماء نصاریٰ و فرنگ نے اس عقیدہ کا انکار کیا ہے توریت اور انجیل میں کسی جگہ بھی لفظ تثلیث موجود نہیں اور نہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نے اور نہ کسی حواری نے کسی عیسائی کو یہ تعلیم دی کہ تم تثلیث کا عقیدہ رکھو بغیر اس کے نجات ممکن نہیں تفصیل کے لیے دیکھو نوید جاوید کلیسا ششم سکرمنٹ (۱) از صـ۳۳۴ تا صـ۳۵۵ مصنفہ امام فن مناظرہ مولانا سیّد ابو المنصور رحمۃ اللہ علیہ۔

(۱) اور بلاشبہ یہ عقیدہ صریح البطلان ہے اور بداھۃً خلاف عقل ہے توحید کا تثلیث کے ساتھ جمع ہونا ایسا ہی محال ہے جیساکہ توحید کا تربیع اور تخمیس اور تسدیس کے ساتھ جمع ہونا محال ہے اس کی کیا وجہ ہے کہ وحدت حقیقی تین کے ساتھ تو جمع ہوسکے اور چار یا پانچ یا چھ کے ساتھ جمع نہ ہوسکے وحدت حقیقی اور کثرت حقیقی ایک دوسرے کی ضد ہیں اور اجتماع ضدین باجماع عقلاء محال اور ناممکن ہے زوجیت اور فردیت اور وحدت اور کثرت کا ایک ذات میں جمع ہونا عقلاء عالم کے نزدیک ایک بدیہی محال ہے جس سے عقل کوسوں دور بھاگتی ہے اور اس حماقت کا سننا بھی گوارا نہیں کرتی مختصر یہ کہ نصاریٰ یہ بتلائیں کہ یہ تینوں اقانیم اپنے وجود اور تشخص میں ایک دوسرے سے جدا اور ممتاز ہیں یا نہیں اگر یہ کہیں کہ تینوں کا تشخص اور وجود علیحدہ علیحدہ ہے تو پھر یہ تین اشخاص ہوئے توحید کہاں رہی ایک کہنا غلط ہوا اور اگر یہ کہیں کہ تینوں کا وجود ایک ہے تو پھر تین کہنا غلط ہوا اور تثلیث ختم ہوئی۔

(۲) نیز تینوں کا مجموعہ مل کر خدائے مستقل ہے یا جداگانہ ہر ایک مستقل خدا ہے پہلی صورت میں کوئی بھی خدا نہ رہا نہ حضرت مسیح اور نہ روح القدس بلکہ خود خدا بھی خدا نہ رہا اس لیے کہ

خدا تو تینوں کا مجموعہ ہے جداگانہ کوئی بھی مستقل خدا نہیں اور دوسری صورت میں جب ہر ایک جداگانہ مستقل خدا۔ تو توحید کہاں رہی۔

(۳) نیز ایک تین کا ثلث یعنی تہائی ہے اور ظاہر ہے کہ کوئی شئ اپنے ثُلُث (تہائی) کا عین نہیں ہو سکتی۔

(۴) نیز تین کل ہیں اور ایک تین کا جزء ہے اور کل اور جزء کا ایک ہونا عقلاً محال ہے اس لیے کہ کل اور جزء کیسے ایک ہو سکتے ہیں۔

(۵) نیز جب تین ایک کا عین ہوگا تو لازم آئے گا کہ ایک اپنے نفس کا بھی ثُلث ہو اور تین اپنا ثلث ہو اور کسی شئے کا خود اپنا ثُلث ہونا بداھۃً محال ہے

(۶) نیز ایک تین کا جزء ہونے کی وجہ سے مقدم اور تین بوجہ کل ہونے کے مؤخر ہے اس لیے کہ جزء کل سے مقدم ہوتا ہے اور کل جزء سے مؤخر ہوتا ہے۔

پس اگر ایک اور تین ایک ہوں تو مقدم کا عین مؤخر ہونا اور مؤخر کا عین مقدم ہونا لازم آئے گا جو بداھۃً محال ہے۔

(۷) بلکہ شئ کا خود اپنے نفس پر مقدم ہونا لازم آئے گا جو بداھۃً محال ہے۔

(۸) نیز تمام اعداد حقیقت میں ایک دوسرے سے بالکل مختلف اور جدا ہیں لہذا شئ واحد کا حقیقۃً ایک ہونا اور تین ہونا عقلاً محال ہے۔

(۹) نیز مسیحیین کے نزدیک جب خدا تین اقنوموں کا مجموعہ ہوا اور ہر اقنوم واجب الوجود ہوا تو مجموعہ اپنے وجود خارجی میں ان تین اجزاء یعنی تین اقنوموں کا محتاج ہوگا اور مجموعہ معلول ہوگا اور اقانیم ثلثہ اسکی علت ہوں گے اور جو کسی علت کا محتاج ہو وہ واجب الوجود نہیں ہو سکتا اس لیے کہ معلول علت سے مؤخر ہوتا ہے وہ ممکن اور حادث ہوتا ہے۔

(۱۰) نیز حضرت مسیح کو جب خدا کا بیٹا کہا جاتا ہے تو باپ کو بیٹے پر ضرور تقدم زمانی ہوتا ہے اور بیٹے کو تأخر زمانی اور بیٹا اپنے وجود میں باپ کا محتاج بھی ہوتا ہے اور مؤخر اور محتاج خدا نہیں ہو سکتا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ عقیدۂ تثلیث سراسر خلاف عقل ہے نصاریٰ کے اولین و آخرین میں کوئی شخص ایک دلیل عقلی بھی توحید فی التثلیث اور تثلیث کے لیے نہیں پیش کر سکتا اور بلاشبہ عقیدۂ تثلیث عقیدۂ شرک ہے اور توحید اور تثلیث کے اجتماع کا عقیدہ رکھنا اجتماع نقیضین کا عقیدہ رکھنا ہے اس وجہ سے امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ ہم نے دنیا میں نصاریٰ کے مذہب سے زیادہ کوئی مذہب رکیک اور عقل سے بعید نہیں دیکھا اسی وجہ سے جارج سیل نے اپنے ترجمۂ قرآن مطبوعہ ۱۸۳۶ء میں عیسائیوں کو وصیت کی ہے کہ مسلمانوں کے سامنے ایسے

مسئلے نہ بیان کرو جو خلافِ عقل ہوں کلیسا میں یہ طاقت نہیں کہ وہ مسلمانوں کو اپنی طرف کھینچ لے الخ دیکھو ازالۃ الشکوک ص۲۶ ج ۱ -

حکایت کسی زمانہ میں ایک پادری صاحب نے چین کے علاقہ میں جاکر بڑی کوشش سے تین آدمیوں کو عیسائی بنایا اور طوطے کی طرح اُن کو یہ مسئلہ یاد کرایا اور وہ بھی تین تین ٹکے روز یا تین تین روپیہ مہینہ کی لالچ سے مسئلہ تثلیث کو طوطے کی طرح ٹی ٹی کرتے رہے اتفاقاً ایک مدت کے بعد پادری صاحب کا ایک دوست وہاں آگیا اور پھر اثنائے تذکرہ میں اُسنے پوچھا کہ تم نے اتنی مدت میں کتنے شخصوں کو عیسائی بنایا پادری صاحب نے کہا عیسیٰ خداوند کے مسیح کے فضل سے تین شخص مسیحی جماعت میں داخل ہوتے ہیں اور مسیح کے وفادار سپاہی اور خدمت گزار ہیں وہ سن کر ان کی ملاقات کا مشتاق ہوا پادری صاحب نے اول ایک کو بلایا اور اپنے دوست کو بتلانے کے لیے یہ مسئلہ اس سے پوچھا اُس شاگرد نے کہا کہ آپ نے مجھے یہ سکھایا ہے کہ خدا تین ہیں ایک جو آسمان پر رہتا ہے دوسرا وہ جو بی بی مریم کنواری کے پیٹ میں نو مہینہ رہ کے پیدا ہوا تھا تیسرا وہ جو اس دوسرے خدا پر تیس برس کی عمر میں کبوتر کی شکل ہو کے اترا تھا پادری صاحب خفا ہوئے اور فرمانے لگے یہ نامعقول ہے دوسرے کو جو اس سے زیادہ عاقل تھا آواز دی وہ فوراً حاضر ہوا اُس سے پوچھا اس نے کہا کہ آپ نے مجھے یہ سکھایا ہے کہ خدا تین تھے ایک تو سولی پاکر مر گیا اور دو ابھی تک جیتے ہیں پادری صاحب اس پر بھی چیں بر جبیں ہوئے اور تیسرے کو جو اُن میں فرد کامل تھا بلایا اور اس سے پوچھا اس نے کہا کہ جیسا آپ نے سکھایا ہے ویسا ہی مجھے خوب یاد ہے کہ تین ہیں ایک اور ایک ہیں تین اور تینوں ایک تھے اور جب ایک خدا پنطوس پلاطوس کی حکومت میں سولی پاکر مر گیا تو تینوں مر گئے اور اب کوئی خدا باقی نہیں رہا پادری صاحب بہت لال سرخ ہوئے اور اسی وقت تینوں کو اپنے سامنے سے نکلوا دیا (منقول از- ازالۃ الشکوک ص۲۵ ج ۱- والفارق)

بے شک یہ عقیدہ ایسا ہی ہے جاہل تو کیا عاقل بھی اس کو نہیں سمجھ سکتے تفصیل اگر درکار ہو تو نوید جاوید کلیسا ششم سکرمنٹ نمبر ۳ مصنفہ مولانا سید ابو منصور رحمہ اللہ تعالیٰ ص۳۱۵ تا ص۳۶۹ دیکھیں -)

ذکر عقیدۂ امانت سراپا خیانت

حضرت عیسٰی علیہ السلام کی تعلیم خالص توحید اور تفرید کی تھی حضرت عیسٰی کے رفع اٹلے

السماء کے بعد عرصہ اکیاسی سال تک لوگ توحید پر قائم رہے پھر رفتہ رفتہ نصاریٰ میں مختلف فرقے ہوگئے پھر ایک یہودی شخص جس کا نام پولوس تھا وہ فریب سے عیسائی مذہب میں داخل ہوا اور ظاہراً عیسائی بن کر اس نے عیسائی مذہب میں طرح طرح کی خرابیاں ڈالیں منجملہ ان کے یہ مسئلہ تثلیث ہے رفتہ رفتہ یہ عقیدہ نصاریٰ میں شائع ہوگیا نصاریٰ میں جب عقیدۂ تثلیث شائع ہوا تو آریوس نے جو اسکندریہ کے قسیسین میں سے تھا اس عقیدۂ باطلہ کی تردید کی اور تثلیث کو دین مسیحی میں بدعت قرار دیا اور علی الاعلان حضرت مسیح کی الوہیت سے انکار کیا اور یہ تعلیم دی کہ خدا تعالیٰ ایک ہے اور عیسیٰ علیہ السلام خدا کے مخلوق اور برگزیدہ بندے ہیں آریوس کا یہ عقیدہ جب لوگوں میں شائع ہوا تو اہل تثلیث کو اس کی فکر دامن گیر ہوئی بالآخر ۳۲۵ء میں شہر نائیس میں قسطنطین شاہِ روم کے سامنے مجلس مناظرہ منعقد ہوئی آریوس نے اپنے عقیدۂ توحید کی شرح اور تفصیل کی بہت سے پادریوں نے اس کی حمایت کی مگر مجلس کی اکثریت نے عقیدۂ تثلیث کی حمایت کی اور آریوس کی تعلیم کو باطل ٹھہرایا عقیدۂ تثلیث جب مجلس کی اکثریت سے طے ہوگیا تو بادشاہ نے سرکاری طور پر حکم جاری کر دیا کہ جو شخص تثلیث سے انکار کرے گا اس کا مال و متاع ضبط کیا جائے گا اور اس شخص کو جلا وطن کیا جائے گا تب اکثر لوگوں نے بادشاہ کے خوف سے عقیدۂ تثلیث کو قبول کیا اس وقت سے تثلیث کا سلسلہ چلا اور اس عقیدہ تثلیث پر جو متفقہ تحریر تیار کی گئی اس کا نام امانت رکھا گیا اس عقیدۂ امانت کے متن کو شیخ ابوالفضل مالکی مسعودی نے منتخب التجیل ص۵۶ میں ذکر کیا ہے اس عقیدۂ امانت کے ابطال کے لیے ایک مستقل باب (یعنی باب چہارم منعقد کیا ہے جس میں تفصیل کے ساتھ) اس کی خرابیوں اور قباحتوں کو بیان کیا ہے اور علیٰ ہذا علامہ آلوسیؒ نے روح المعانی ص۲۳ ج ۶ میں تفسیر پارۂ ششم تحت تفسیر قولہ تعالیٰ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ اور پھر اُن کے صاحبزادہ سید نعمان آلوسی نے الجواب الفسیح لما لفقہ عبدالمسیح از ص۱۶ تا ص۲۱ میں اس کو ذکر کیا ہے اور پھر اس عقیدۂ امانت سراپا خیانت کی خیانتوں کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اور علامہ قرافی مالکی نے الاجوبۃ الفاخرہ ص۳۵ مطبوعہ برحاشیۂ الفارق میں اس عقیدۂ امانت کے متن کو مختصر تردید کے ساتھ ذکر کیا ہے حضرات اہل علم اصل کی مراجعت فرمائیں مگر باوجود اس کے کہ شاہی حکم سے عقیدۂ تثلیث ملک میں شائع کیا گیا بہت سے لوگوں نے جو آریوس کے معتقد تھے انہوں نے اس عقیدۂ تثلیث کو تسلیم نہیں کیا اور آریوس کے مرنے کے بعد بھی اس پر مباحثے ہوتے رہے اور سلسلۂ اختلاف جاری رہا اور بہت سے لوگ آریوس ہی کی تعلیم کے قائل اور معتقد رہے اور کئی قرنوں تک یہ اعتقاد جاری رہا اور فرقۂ آریوسیہ کی طرح یونی ٹیرین فرقہ کے لوگ بھی تثلیث سے انکار کرتے ہیں اور الوہیت صرف خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں تاریخی حیثیت سے اگر ان اختلافات

کی تفصیل درکار ہے تو نوید جاوید سکرمنٹ نمبر ۳ مصنفہ مولانا سید ابو المنصورؒ از صـ۲۵ تا صـ۲۶ کی مراجعت کریں ۔

متن عقیدۂ امانت سراپا خیانت

اب ہم ناظرین کے سامنے نصاریٰ کے عقیدۂ امانت کا متن پیش کرتے ہیں جو ان کے نزدیک قانون نجات اور مدار ایمان ہے پھر ان کے اس مزعوم عقیدۂ امانت کی خیانت کو ظاہر کریں گے تاکہ اس امانت کی حقیقت منکشف ہو جائے وہو ہٰذا

نؤمن با للّٰه تعالیٰ الواحد الاب صانع کل شیٔ مالك کل شیٔ صانع مایری ومالایری وبالرب الواحد یسوع المسیح ابن اللّٰه تعالیٰ الواحد بکر الخلائق کلها الذی ولد من ابیه قبل العوالم کلها ولیس بمصنوع اله حق من جوهر ابیه الذی بیده اتقنت العوالم وخلق کل شیٔ الذی من اجلنا معاشر الناس ومن اجل خلاصنا نزل من السماء وتجسد من روح القدس ومریم وصار انسانا وحبل به وولد من مریم البتول واتجع وصلب ایام فیلاطس ودفن وقام فی الیوم الثالث کما هو مکتوب وصعد الی السماء وجلس عن یمین ابیه وهو مستعد للمجیٔ تارة اخری للقضاء بین الاموات والاحیاء ونؤمن بروح القدس الواحد روح الحق الذی یخرج

ہم ایمان لاتے ہیں ایک اللہ پر جو باپ ہے اور ہر چیز کا بنانے والا اور مالک ہے اور مرئی اور غیر مرئی یعنی جو چیزیں نظر آتی ہیں اور جو نظر نہیں آتیں ان سب چیزوں کا وہ صانع ہے اور ہم ایمان لاتے ہیں ایک پروردگار یسوع مسیح پر جو خدائے واحد کا بیٹا ہے اور ساری مخلوق ہیں سب سے اول باپ سے پیدا ہوا وہ مصنوع نہیں وہ خدائے برحق ہے جو خدائے برحق سے نکلا ہے اور باپ کے جوہر سے ہے وہ جس کے ہاتھوں سے تمام جہانوں نے پختگی اور استحکام پایا اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا اے دنیا کے لوگو! وہ ہماری ہی خلاصی اور چھٹکارے کے لیے آسمان سے اترا اور روح القدس اور مریم سے متجسد ہو کر انسان بن گیا اور روح القدس سے اس کا حمل قرار پایا اور مریم بتول کے بطن سے پیدا ہوا اور دکھ اور درد اٹھائے اور پیلاطوس کے ایام حکومت میں سولی پر لٹکایا گیا اور پھر مر کر قبر میں دفن ہوا

من ابيه ويعمودية واحدة لغفران الخطايا والجماعة واحدة قدسية كاطولكية ولجياة الدائمة الى ابد الآبدين . انتهى كذافى روح المعانى للآلوسى ص۲۷ ج ۶ ومنتخب التجيل ص۵۶ باب چهارم للشيم ابے الفضل المسعودى المالكى رح والاجوبة الفاخرة المطبوع على هامش كتاب الفارق ص۱۵۸ سوال بستم للشيخ القرافى المالكى رح

⁘ ⁘ ⁘

⁘ ⁘ ⁘

(عقیدۂ امانت کا ترجمہ ختم ہوا)

اور پھر تیسرے روز مُردوں میں سے جی اٹھا جیساکہ نوشتوں میں تھا پھر آسمان پر چڑھ گیا اور باپ کے دائیں جانب جاکر بیٹھ گیا اور وہ دوبارہ آنے کے لیے تیار ہے تاکہ مردوں اور زندوں کے درمیان فیصلہ کرے اور ہم روح القدس پر بھی ایمان لاتے ہیں جو ایک ہے اور روح حق ہے اور باپ سے نکلی ہے اور ہم ایمان لاتے ہیں اس بات پر کہ ایک بپتسمہ گناہوں کی مغفرت کے لیے کافی ہے اور اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ کاطولیکی جماعت پاک اور مقدس جماعت ہے (جس نے یہ عقیدہ امانت ایجاد کیا ہے) اور ہم ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی پر ایمان لاتے ہیں جو ابد الآباد تک رہے گی۔

کشف حقیقت از عقیدۂ امانت سراپا خیانت

یہ وہ عقیدۂ امانت ہے جس پر سوائے فرقۂ آریوسیہ اور یونی ٹیرین کے نصاریٰ کے اکثر فرقے متفق ہیں فرقۂ یعقوبیہ اور ملکانیہ اور نسطوریہ ان سب کا یہ اجماعی عقیدہ ہے کہ بغیر اس ایمان کے کوئی عبادت اور کوئی قربت بارگاہ خداوندی میں مقبول نہیں حالانکہ کسی انجیل میں اس اعتقاد اور ایمان کا کہیں نام ونشان بھی نہیں اور نہ یہ حضرت مسیحؑ سے مروی ہے اور نہ حضرت مسیح کے تلامذہ اور حواریین سے منقول ہے بلکہ چوتھی صدی عیسوی میں نصاریٰ کی ایک خاص جماعت کی مرتب کردہ عبارت ہے جو شاہی حکم اور اقتدار سے نافذ ہوئی ہے اس کو دین اور ایمان کیسے کہا جاسکتا ہے عقیدہ وہ چیز بن سکتی ہے جو آسمانی کتابوں اور انبیاء کرام کی شریعتوں سے صریحی اور قطعی طور پر ثابت ہو

علاوہ ازیں یہ عقیدۂ امانت بہت سی خلاف عقل باتوں پر مشتمل ہے اور متعارض اور متناقض باتوں کا ایک مجموعہ ہے جس میں بعض سے بعض کی تردید ہوتی ہے۔

(۱) عقیدۂ امانت کے شروع اور اول ہی میں اس کا صریح اعتراف ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اور تمام کائنات کا خالق اور مالک اور ضابطہ ہے جس میں حضرت مسیح اور ان کی والدہ ماجدہ مریم صدیقہ

اور روح القدس بھی داخل ہیں پھر دوسری سطر میں اس کے برخلاف مسیح بن مریم کی الوہیت اور وحدانیت اور خالقیت پر ایمان لانے کا ذکر ہے کہ ہم مسیح پر ایمان رکھتے ہیں جو تمام اشیاء کا خالق ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ خدائے واحد کے ساتھ ایک دوسرا خدا بھی ہے جو پہلے خدا کا فرزند ہے جو اپنے باپ سے پیدا ہوا ہے اور باپ کی طرح بیٹا بھی تمام کائنات کا خالق ہے یہ سارا کلام صریح کفر اور شرک ہے اور پہلے کلام کی ضد اور نقیض ہے گویا کہ باپ اور بیٹا ہر ایک عالم کا خالق ہے۔

(۲) نیز جب حضرت عیسیٰ کو تمام عالم کا خالق مانا گیا تو ضروری ہے کہ عیسیٰ علیہ السّلام کا وجود سارے عالم پر مقدم ہو کیونکہ خالق مخلوق سے مقدم ہوتا ہے حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے اس لیے کہ حضرت مسیحؑ تو حضرت آدمؑ کے ہزارہا سال بعد مریمؑ سے پیدا ہوئے نصاریٰ بتلائیں کہ مؤخر الوجود اپنے سے مقدم الوجود کے لیے کیسے خالق ہو گیا۔

(۳) پھر نصاریٰ یہ بھی کہتے ہیں وہ بیٹا تمام مخلوقات سے پہلے اپنے باپ سے پیدا ہوا یہ امر بھی مشاہدہ کے خلاف ہے اس لیے کہ حضرت مسیح معاذ اللہ خدا تعالیٰ سے پیدا نہیں ہوئے بلکہ پیدائش عالم کے ہزارہا سال بعد مریم بتول کے بطن سے پیدا ہوئے۔

(۴) پھر نصاریٰ یہ کہتے ہیں کہ وہ بیٹا باپ کے اصل جوہر سے پیدا ہوا جس کا مطلب یہ ہوا کہ باپ اور بیٹے کی حقیقت ایک ہے اور یہ بیٹا ذات و صفات میں اپنے باپ کے مشابہ اور مساوی ہے کیا یہ صریح شرک نہیں جس کے مٹانے کے لیے تمام انبیاء کرام مبعوث ہوئے۔

(۵) نیز انجیل میں ہے کہ عیسیٰ علیہ السّلام سے قیامت کے بارہ میں دریافت کیا گیا تو یہ فرمایا کہ مجھے قیامت کا علم نہیں کہ کب ہوگی قیامت کے وقت کو سوائے باپ کے کوئی نہیں جانتا۔ اھ

پس اگر عیسیٰ علیہ السّلام کا اصل جوہر اور اصل حقیقت وہی ہوتی جو خدا تعالیٰ کی ہے تو خدا تعالیٰ کی طرح عیسیٰ علیہ السّلام کو بھی ضرور قیامت کا علم ہوتا معلوم ہوا کہ عیسیٰ علیہ السّلام خدا نہ تھے بلکہ انسان حق تھے اور انسان حق یعنی داؤد کے بیٹے تھے اور تمام انبیاء کرام انسان اور بشر تھے اور خدا کے برگزیدہ بندے تھے خدا نہ تھے اور نہ خدا کے ساتھ متحد تھے۔ انبیاء کرام سے جب کبھی قیامت کے متعلق دریافت کیا گیا تو سب نے یہی کہا کہ جو حضرت مسیح نے فرمایا کہ قیامت کا علم سوائے خدا تعالیٰ کے کسی کو نہیں

(۶) نیز اس نادان کو یہ علم نہیں کہ جسم انسانی لحم اور شحم اور دم اور معدہ اور امعاء سے مرکب ہے جن سے خداوند قدوس پاک اور منزہ ہے پس ایک ابن آدم اور ابن مریم کا اصل جوہر خداوند قدوس کے اصل جوہر کے ساتھ کیسے متحد ہو سکتا ہے۔

(۷) نیز تمام عقلاء عالم کا اس پر اتفاق ہے کہ حادث اور قدیم کی حقیقت جدا جدا ہے پس خداوند قدیم اور ایک شیر خوار بچہ کی حقیقت ایک کیسے ہو سکتی ہے جسم اور روح کی حقیقت ایک نہیں تو قدیم اور حادث کی حقیقت ایک کیسے ہو سکتی ہے

(۸) نیز اگر ایک الٰہ حق سے دوسرا الٰہ حق پیدا ہو سکتا ہے تو دوسرے الٰہ سے تیسرا الٰہ اور تیسرے الٰہ سے چوتھے الٰہ کا اور چوتھے الٰہ سے پانچویں الٰہ کا پیدا ہونا بھی ممکن ہوگا (بلکہ) پہلے ہی خدا سے بے شمار خداؤں کا پیدا ہونا ممکن ہوگا اس لیے کہ جس انسان سے ایک بیٹے کا پیدا ہونا ممکن ہے اسی سے دس بیٹوں کا پیدا ہونا بھی بلاشبہ ممکن ہے اور خداوند قدوس کی صفات کمال تو غیر محدود اور غیر متناہی ہیں تو اگر بفرض محال بقول نصاریٰ ولادت خداوند قدوس کی صفت بن سکتی ہے تو پھر وہ غیر متناہی ہونی چاہیئے ایک محدود بیٹے پر اس کو ختم کر دینا مناسب نہیں۔

(۹) نیز عقیدۂ امانت میں یہ کہنا کہ مسیح کے ہاتھ سے ہر چیز پیدا ہوئی اس سے لازم آتا ہے کہ ان کی والدہ ماجدہ مریم صدیقہ بھی ان کی مخلوق ہوں بلکہ ان کے آباء و اجداد بھی اُن کی مخلوق ہوں کیونکہ ہر چیز میں وہ بھی داخل ہیں اور مولود کو اپنی والدہ اور اپنے آباء و اجداد کا خالق کہنا دیوانہ کا کام ہے۔

(۱۰) نیز نصاریٰ یہ کہتے ہیں کہ باپ کی طرح بیٹے نے بھی تمام کائنات کو پیدا کیا گویا کہ کائنات کے دو خالق ہو گئے ایک باپ اور ایک بیٹا اگر باپ تمام کائنات کا خالق ہے تو بیٹے کے لیے کیا باقی رہا اور اگر بیٹا خالق کائنات ہے تو باپ کے لیے کیا باقی رہا۔

(۱۱) نیز عقیدۂ امانت میں یہ کہنا کہ وہ خدا آسمان سے نازل ہوا اور مجسم ہو کر کنواری کے پیٹ سے پیدا ہوا تاکہ عالم کی خلاصی اور نجات کا سبب بنے سو یہ امر بھی سراسر غیر معقول ہے اور ذرہ برابر قابل قبول نہیں اول تو یہ کہ یہ دعویٰ بلا دلیل ہے بلکہ خدا تعالیٰ اور اس کے برگزیدہ بندہ مسیح بن مریم پر صریح بہتان اور افترا ہے اور الوہیت اور نبوت کی تحقیر و تذلیل کی ایک عجیب و غریب من گھڑت داستان ہے جس کو کوئی ادنےٰ عقل والا بھی ماننے کے لیے تیار نہیں اور اگر بفرض محال تھوڑی دیر کے لیے یہ تسلیم کر لیا جائے کہ عیسیٰ علیہ السّلام کا نزول اور تجسم عالم کی خلاصی اور نجات کے لیے ہوا تھا تو علماء نصرانیت اور عقلاء مسیحیت یہ بتلائیں کہ تمہارے زعم کے مطابق حضرت مسیح نے جو مصیبت اور ذلت تمہاری خلاصی اور نجات کے لیے اختیار فرمائی وہ تمہاری کس مصیبت اور ذلت سے نجات دینے کے لیے اختیار فرمائی اگر یہ کہیں کہ یسوع مسیح نے ہم کو دنیا کی تکالیف اور مصائب و آلام اور امراض و اسقام اور موت سے نجات دلائی تو مشاہدہ اس کی تکذیب کرے گا کوئی فرد بشر دنیا میں ایسا نہیں کہ جو طلب معاش میں سرگرداں اور حیران نہ ہو اور رنج و غم اور بیماری اور موت سے نجات پا گیا ہو اور اگر یہ کہیں کہ نفس و شیطان کے پنجہ سے ہم کو نجات دلائی تو یہ بھی مشاہدہ کے خلاف ہے نصاریٰ کی جس مجلس میں چاہے چلے جاؤ اور آنکھ سے دیکھ لو نفس اور شیطان نے نصاریٰ کا کس طرح کھیل اور تماشہ بنا رکھا ہے نصاریٰ سے بڑھ کر کوئی قوم نفس و شیطان کی اسیر نہیں اور اگر یہ کہیں کہ خلاصی اور نجات سے ہماری مراد یہ ہے کہ دار دنیا میں احکام خداوندی کی بجا آوری اور پابندی سے خلاص اور آزاد ہو گئے اور نماز اور روزہ ہم پر ضروری اور فرض نہیں

رہا اور ہم جو چاہیں کریں خدا کا ہم پر کوئی مؤاخذہ نہیں تو حضرت مسیح اور ان کے حواریین کے اقوال اس کی تکذیب کریں گے جو خدا تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی عبادت کے متعلق اُن سے اناجیل میں منقول ہیں اور اگر یہ کہیں کہ خلاصی اور نجات سے ہماری مراد یہ ہے کہ دار آخرت کے احکام سے خلاص ہو گئے اور نجات پاگئے یعنی دنیا میں چاہیں چوری کریں یا زنا اور بدکاری اور شراب خوری کریں اور رقص و سرود کی محفلیں کریں غرض یہ کہ جو چاہیں نفس و شیطان کے مطابق کام کریں آخرت میں، ہم پر کوئی مؤاخذہ نہ ہوگا یسوع مسیح ہمارا نجات دہندہ ہے اُس نے صلیب کی تکلیف اور مصیبت جھیل کر ہم کو قیامت کے مؤاخذہ اور حساب اور عذاب اور عقاب سے نجات دلا دی ہے سو اگر نصاریٰ کے نزدیک خلاصی اور نجات سے یہ معنی مراد ہیں تو یہ معنی تمام انبیاء کرام کی تعلیم اور حضرت مسیح کی تعلیم کے بالکل خلاف ہیں اور توریت اور انجیل اسکی تکذیب کرتی ہے انجیل میں ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے دن اہل یمین سے یہ کہیں گے کہ جاؤ نعیم مقیم کی طرف اور اہل شمال کو اوّلاً توبیخ اور سرزنش کریں گے کہ تم نے یہ کیا اور یہ کیا جاؤ اس کی سزا بھگتو اور اس عذاب کی طرف جاؤ جو تمہارے لیے پہلے سے تیار کیا گیا ہے۔ پس اے نصارائے حیاریٰ جب تم کو اپنی دنیا اور آخرت کا حال معلوم ہو گیا تو خدارا یہ بتلاؤ کہ تمہارے زعم کے مطابق جس خدا نے آسمان سے اتر کر تمہاری نجات اور خلاصی کے لیے صلیبی موت کا مزہ چکھا اُس نے کس مصیبت سے تم کو نجات دلائی اور جس کا نام تم نے مخلّص عالم اور نجات دہندۂ جہاں رکھا یہ بتلاؤ کہ اس نے تم کو دنیا اور آخرت کی کس مصیبت اور بلا سے نجات اور خلاصی بخشی اور تم کو دنیا اور آخرت کی کن پریشانیوں سے بے فکر بنادیا اور کیا تم اس مفروضہ صلیبی موت کے ذریعہ نفس اور شیطان کے چنگل سے نجات پاگئے ہو۔

(۱۲) پھر یہ کہ عقیدۂ امانت میں یہ ذکر ہے کہ عیسیٰ علیہ السّلام دوبارہ آکر زندوں اور مردوں کے درمیان فیصلہ کریں گے تو عرض یہ ہے کہ جو ذات نصاریٰ کے نزدیک اس قدر عاجز اور لاچار اور بے بس کہ اپنے چند دشمنوں کو بھی جو اسی کی مخلوق ہیں ان کو بھی دفع نہ کر سکی وہ دوبارہ نازل ہونے کے بعد سارے عالم کا کس طرح فیصلہ کر سکے گی ممکن ہے کہ پہلی مرتبہ کی طرح دوسری مرتبہ بھی حضرت مسیح پر اُن کے دشمن غالب آجائیں اور نصاریٰ کے پاس اس کی کیا کفالت ہے کہ حضرت مسیح کے دوبارہ آمد کے بعد پہلی مرتبہ کی طرح ذلت اور اہانت کا ماجرا پیش نہیں آسکتا۔

(۱۳) نیز اسی عقیدۂ امانت میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ مسیح مریم عذراء اور روح القدس سے مجسم ہوئے تو اس سے تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مسیح روح القدس کے بیٹے ہوں جیسا کہ وہ مریم کے بیٹے ہیں نہ کہ خدا کے بیٹے اس لیے کہ حضرت مسیح کو جب روح القدس سے تجسد اور تجسم حاصل ہوا تو وہ ابن روح القدس ہوئے نہ کہ ابن اللہ۔

(۱۴) پھر یہ کہ عقیدۂ امانت کے اخیر میں یہ ہے کہ ہم ایمان لاتے ہیں روح القدس پر جو کہ روح

حق ہے اور باپ سے نکلی ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت مسیح کی طرح روح القدس بھی باپ سے نکلے ہیں اور یہ بھی خدا کے بیٹے ہیں اور حضرت مسیح کے بھائی ہیں اس لیے کہ جب مسیح کی طرح روح القدس بھی باپ سے نکلے تو وہ بھی اسی باپ کے بیٹے ہوئے جس باپ کے حضرت مسیح بیٹے ہیں اور ایک باپ کے دو بیٹے آپس میں بھائی بھائی ہوتے ہیں تو اس اعتبار سے حضرت مسیح روح القدس کے بھائی ہوئے اور اس اعتبار سے کہ حضرت مسیح روح القدس سے متجسم اور متجسد ہوئے ہیں (جیسا کہ ابھی گذرا) حضرت مسیح روح القدس کے بیٹے ہوئے اور ایک ہی ذات کا ایک ہی ذات کے حق میں بیٹا اور بھائی بننا عقلاً محال ہے۔

(۵) نیز عیسائیوں کی کتابوں میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ بیٹا باپ سے متولد ہوا اور ان دونوں سے روح القدس متولد ہوئے (دیکھو استفسار ص ۲۴) جس کا مطلب یہ ہوا کہ مسیح بن مریم تو خدا کے بیٹے ہیں اور روح القدس خدا کے پوتے ہیں کیونکہ بیٹے کا بیٹا پوتا ہوتا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ نصاریٰ کا یہ بنیادی عقیدہ ہے جس کے بغیر اُن کے نزدیک نجات ممکن نہیں ناظرین کرام نے دیکھ لیا کہ یہ عقیدہ، عقیدۂ امانت نہیں بلکہ درحقیقت عقیدۂ خیانت ہے کہ جو از اول تا آخر جہالتوں اور حماقتوں اور متناقض اور متضاد باتوں کا مجموعہ ہے اور تمام انبیاء کرام کی تعلیمات و تلقینات اور حضرت مسیح اور حواریین کی تصریحات کے صریح خلاف ہے اس لیے کہ تمام کتب سماویہ اور توریت اور زبور اور انجیل توحید کی تعلیم سے بھری پڑی ہیں۔

پھر یہ کہ عقیدۂ امانت عجب گورکھ دھندہ ہے جس کا اول اور آخر متناقض اور متضاد ہے اس لیے کہ اسی عقیدہ کے ابتداء میں اس بات کا اعتراف ہے کہ مسیح مولود اور مخلوق ہیں اور اللہ ہی ہر نظر آنے والی اور نہ نظر آنے والی چیز کا خالق ہے جس میں حضرت مسیح اور اُن کی والدہ بھی داخل ہیں پھر اس ایمان اور اقرار کے بعد چند جملوں کے بعد یہ کہدیا کہ ہم اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں کہ مسیح خدا ہے اور تمام اشیاء کا خالق ہے تو کیا یہ دونوں ایمان ایک دوسرے کی ضد اور نقیض نہیں تو جس عقیدہ میں اس درجہ اختلاف اور تناقض ہو وہ کبھی حق نہیں ہو سکتا وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا

نیز نصاریٰ حضرت عیسیٰ کو خدائے معبود بھی کہتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ مولود بھی تھے مریم کے پیٹ میں حمل رہے اور پھر اس سے متولد ہوئے نصاریٰ بتلائیں کہ کیا ایک فرزند مولود بھی خدائے معبود ہو سکتا ہے ایک ذات میں مولودیتؔ اور معبودیت کا اجتماع عقلاً ناممکن اور محال ہے مگر خیال یہ آتا ہے کہ نصاریٰ سے کیا کہیں اُن کے نزدیک تو خدا مر کر اور قبر میں دفن ہونے کے باوجود بھی خدا ہو سکتا ہے اور موت اور دفن ان کے نزدیک اُلوہیت کے منافی نہیں تو شکم مادر سے ولادت اُن کے نزدیک کہاں سے الوہیت کے منافی ہوگی نعوذ باللہ من ہذہ الخرافات ولا حول

ولا قوۃ الا باللہ سبحانہ وتعالیٰ عما یصفون

خاتمۂ کلام برمعذرت واستدعاءِ دعاءِ مغفرت

حق جل شانہٗ کا ارشاد ہے لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ اس لیے اس ناچیز نے اس مقام پر احقاقِ حق کے ساتھ ابطالِ باطل یعنی تردید تثلیث وغیرہ پر مفصل کلام کیا تاکہ حضرات اہلِ علم تتبع اور استقراء کی مشقت سے بچ جائیں اور اس ناچیز کو دعاءِ مغفرت سے نوازیں بحمدہ تعالیٰ جو کچھ لکھا ہے وہ مسئلہ کی تحقیق اور تفصیل ہے تطویل نہیں بلکہ رد نصرانیت میں سلف اور خلف کی تحقیق کا عطر اور لب لباب ہے۔

فالحمد للہ الذی ھدانا لھذا
وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ

يَسْتَفْتُونَكَ ۭ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ۭ اِنِ
حکم پوچھتے ہیں تجھ سے تو کہہ کہ اللہ حکم بتاتا ہے تم کو کلالہ کا اگر ایک

امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ
مرد مر گیا کہ اس کو بیٹا نہیں اور اس کو ایک بہن ہے تو اس کو پہنچے آدھا

مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ۭ فَاِنْ
جو چھوڑ مرا اور وہ بھائی وارث ہے اس بہن کا اگر نہ رہے اس کو بیٹا پھر اگر

كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ۭ وَاِنْ
بہنیں دو ہوں تو ان کو پہنچے دو تہائی جو کچھ چھوڑ مرا اور اگر کئی

كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَاۗءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ
شخص ہیں اس ناتے کے مرد اور عورتیں تو مرد کو دو برابر حصہ عورت کا، بیان کرتا

الْاُنْثَيَيْنِ ۭ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ۭ وَاللّٰهُ
ہے اللہ تمہارے واسطے کہ نہ بہکو اور اللہ

بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيمٌ ﴿۱۷۶﴾

ہر چیز سے واقف ہے۔

خاتمۂ سورت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی يَسْتَفْتُوْنَكَ ۔۔۔۔۔۔ الیٰ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيمٌ

(ربط) اس سورت کے اول میں میراث کے احکام بیان کیے گئے اب اسی پر اس سورت کو ختم فرماتے ہیں اس لیے کہ میراث کے احکام سخت دشوار ہیں جن میں بڑے بڑے عقلاء کی عقلیں حیران ہیں اللہ کی ہدایت نے اور اس کے نازل کردہ نور مبین نے ان دقیق احکام کو واضح اور روشن کیا اور خدا کی برہان یعنی محمد رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے لوگوں پر حجت پوری ہوئی۔

شروع سورت میں بھی کلالہ کی میراث کا ذکر گذر چکا ہے اسکے بعد بعض صحابہ نے اسکے متعلق زیادہ تفصیل پوچھنی چاہی تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی شروع سورت میں جو کلالہ کی میراث میں آیت گذر چکی ہے اس لیے کہ وہ جاڑوں میں نازل ہوئی اُسکو آیۃ الشتاء کہتے ہیں اور اس آیت کو بوجہ اسکے کہ گرمیوں میں نازل ہوئی آیۃ الصیف کہتے ہیں۔

اور لفظ کلالہ کا اطلاق وارث اور مُورِث دونوں پر ہوتا ہے پس آیت میں کلالہ سے یا تو وہ میت مراد ہے کہ جس کے وارث اس کے ماں باپ اور اولاد نہ ہو یا وہ وارث مراد ہے کہ جو میت کے نہ ماں باپ میں سے ہو اور نہ اس کی اور اولاد میں سے ہو

صحیحین میں جابر بن عبداللہ انصاری سے روایت ہے کہ میں ایک دفعہ بیمار ہوا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر میری عیادت کو آئے اس وقت میں اپنے ہوش میں نہ تھا آپ نے وضوء کیا اور اپنے وضوء کا بچا ہوا پانی مجھ پر چھڑکا جس سے مجھ کو ہوش آگیا تو دیکھا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں کلالہ ہوں میری میراث کیسے تقسیم ہو گی اس پر یہ آیت نازل ہوئی کلالہ کی میراث کے بارہ میں لوگ آپ سے فتویٰ پوچھتے ہیں یعنی جس شخص کے اصول وفروع ماں باپ اور اولاد نہ ہوں اس کی میراث کا کیا حکم ہے آپ جواب میں فرما دیجئے کہ اللہ تم کو کلالہ کے بارہ میں یہ فتویٰ دیتا ہے کہ اگر کوئی شخص مر جائے اور اس کے کوئی اولاد نہ ہو نہ بیٹا نہ بیٹی اور نہ پوتا اور نہ پوتی اور علی ہذا نہ ماں باپ ہوں اور اس کے ایک عینی یا علاتی بہن ہو تو اس بہن کو اس کے ترکہ میں سے نصف حصہ ملے گا اس آیت میں بہن سے سگی یا علاتی بہن مراد ہے کیونکہ اخیافی بہن کا حکم شروع سورت میں گذر چکا ہے اور اگر وہ شخص جس کا اوپر ذکر ہوا وہ تو زندہ ہو اور اس کی بہن مذکورہ مر جائے تو یہ بھائی اپنی بہن کے کل ترکہ کا وارث ہوگا بشرطیکہ اس بہن کے کوئی اولاد نہ ہو نہ والدین ہوں یعنی اگر کوئی عورت مر جائے اور اس کے اولاد نہ ہو اور نہ والدین

ہوں اور صرف ایک سگا بھائی یا ایک علاتی بھائی چھوڑے تو وہ بھائی اپنی اس بہن کے کل مال کا وارث ہوگا لیکن اخیافی بھائی کا یہ حکم نہیں اس کا صرف چھٹا حصہ ہے جیسا کہ شروع سورت میں گذر چکا یہ تو ایک بہن کا بیان تھا اب اگر شخص مذکورہ مر جائے اور ویسی ہی اس کی دو بہنیں یا زیادہ ہوں تو ان کا حصہ اس مال کا دو تہائی ہے اور دو سے زیادہ بہنوں کا بھی یہی حکم ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کے باپ اور لڑکا نہ ہو اور وہ دو یا دو سے زیادہ حقیقی یا علاتی بہنیں چھوڑے تو ان سب کا حصہ میت کے ترکہ میں سے دو تہائی ہے اور اگر ایسا میت جس کے نہ اولاد ہے اور نہ والدین خواہ وہ میت مذکر ہو یا مؤنث وہ مرنے کے بعد چند وارث چھوڑے جو ملے جلے مرد و عورت ہوں یعنی بھائی اور بہنیں ملے جلے ہوں تو ایک مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصہ کے برابر ہے بشرطیکہ وہ سب عینی یا سب علاتی ہوں اور اگر عینی اور علاتی مخلوط ہوں تو ان کا حکم دوسرا ہے جو کتب فرائض میں مذکور ہے اب اللہ تعالیٰ ان احکام کی حکمت بیان فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ تمہارے لیے ان احکام اور فرائض کو اس لیے بیان کرتا ہے کہ لاعلمی کی بناء پر تم گمراہ نہ ہو جاؤ اور کسی کو حق سے کم یا زائد نہ دیدو اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے تم کو چاہیے کہ اس کے حکم کے پابند رہو اور اپنی ناقص رائے سے اس میں دخل نہ دو کیونکہ تمہیں خود اپنی ہی مصلحتوں کا علم نہیں دنیا کی مصلحتوں کو کیا جانو۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبہ میں یہ فرمایا کہ حق تعالیٰ نے فرائض کے متعلق شروع سورۃ نساء میں جو آیتیں نازل فرمائیں ان میں سے پہلی آیت اولاد اور ماں باپ کی میراث کے بارہ میں ہے اور دوسری آیت شوہر اور بیوی اور اخیافی بھائی بہنوں کی میراث کے بارہ میں ہے اور جس آیت پر اللہ نے سورۃ نساء کو ختم فرمایا وہ حقیقی اور علاتی بھائی بہنوں کی میراث کے بارہ میں ہے اور خاتمہ سورۃ انفال کی آیت ذوی الارحام کے بارہ میں ہے (تفسیر کبیر ص ۲۶ ج ۳)

اس سورت کا آغاز خدا تعالیٰ کی کمال قدرت کے بیان سے ہوا اور اختتام کمال علم کے بیان پر ہوا اور کمال قدرت اور کمال علم ہی سے اللہ کی ربوبیت اور الوہیت اور جلال اور عزت ثابت ہوتی ہے پس بندوں کا فرض ہے کہ اس علیم و قدیر کے احکام کی بے چون و چرا تعمیل کریں اور دل و جان سے اس کے اوامر اور نواہی کے پابند رہیں (تفسیر کبیر) واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم و علمہ اتم و احکم۔

الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ آج بوقت چاشت ۲۳ رمضان المبارک یوم دوشنبہ ۱۳۸۲ھ جامعہ اشرفیہ لاہور میں سورۃ نساء کی تفسیر اختتام کو پہنچی انشاء اللہ تعالیٰ اب اس کے بعد سورۃ مائدہ کی تفسیر آتی ہے اور اللہ تعالیٰ سے درخواست اور دعا ہے کہ اپنے فضل و رحمت سے اس تفسیر کو اس فقیر کے ہاتھ مکمل فرمائے آمین۔ وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب ولاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع

العلیم وتب علینا انک انت التواب الرحیم وآخر دعوانا ان الحمدُ
للّٰہ رب العالمین وصلے اللّٰہ تعالیٰ علی خیر خلقہٖ سیدنا ومولانا محمد
وعلےٰ آلہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ اجمعین وعلینا معھم یا ارحم الرّاحمین

سورۂ مائدہ مدینہ میں نازل ہوئی اور اس میں ایک سو بیسؔ آیتیں اور سولہ رکوع ہیں

تفسیر سورۃ مائدہ

اس سورت کو مائدہ کہتے ہیں اس لیے کہ اسمیں اس مائدہ (خوان) کا ذکر ہے جو حضرت عیسٰی علیہ السّلام پر نازل ہوا تھا اور اس سورت کا نام سورۃ العقود بھی ہے اور یہ سورت بالا تفاق مدنی ہے یعنی ہجرت کے بعد نازل ہوئی اس میں ایک سو بیسؔ یا ایکسو بائیس یا ایک سو تیئیس آیتیں ہیں اور سولہ رکوع ہیں عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ سورۂ مائدہ اُن سورتوں میں سے ہے جو اخیر میں نازل ہوئیں جو اس میں حلال پاؤ اس کو حلال جانو اور جو حرام پاؤ اس کو حرام جانو بعض مفسرین کا قول یہ ہے کہ یہ سورت سب سے اخیر میں نازل ہوئی اس کے بعد کوئی سورت نازل نہیں ہوئی مگر اکثر مفسرین کے نزدیک اس کے بعد اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ نازل ہوئی جس میں آپؐ کی وفات کی خبر دی گئی واللہ اعلم۔

(ربط) گزشتہ سورت (سورۂ نساء) میں حق تعالیٰ نے مختلف عقود اور عہود کو بیان کیا مثلاً عقدِ نکاح اور عقدِ مہر اور عقدِ حلف اور عقدِ امان اور عقدِ امانت اور عقدِ ودیعت وغیرہ وغیرہ کو ذکر فرمایا پھر اخیر سورت میں فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ الخ میں یہود کی بدعہدیوں کو ذکر کیا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے احکام کو وفاءِ عقود کے حکم سے شروع فرمایا۔ وفاءِ عہد کا حکم دیا اور عہد شکنی سے منع فرمایا نیز گذشتہ سورۃ میں یہود و نصاریٰ کی قبائح و شنائع کا بیان تھا اور اُن کے عقائد فاسدہ کا ابطال تھا اور اس سورت کا اکثر حصہ بھی یہود و نصاریٰ کے محاجہ پر مشتمل ہے گویا کہ سورت مائدہ سورت نساء کا تتمہ اور تکملہ ہے پہلی سورت یعنی سورۂ نساء کا آغاز خطاب عام یعنی یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ سے ہوا اور اس سورت یعنی سورۂ مائدہ کا آغاز خطاب خاص یعنی یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے ہوا۔

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ؕ

اے ایمان والو پورا کرو قرار

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تاکید اکید دربارۂ ایفار عقود و عہود خواہ متعلق بحقوق عباد باشند یا بحقوق معبود

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَوۡفُوۡا بِالۡعُقُوۡدِ ؕ

اے ایمان والو ایمان کا مقتضیٰ یہ ہے کہ پورا کرو اُن عہدوں کو جو تم نے التزام احکام کے بارہ میں خدا تعالیٰ سے باندھے ہیں خواہ وہ براہ راست خدا تعالیٰ سے متعلق ہوں یا بندوں سے متعلق ہوں یا دنیا سے متعلق ہوں یا آخرت سے متعلق ہوں اس لیے کہ ایمان درحقیقت ایک معاہدۂ التزام ہے کہ میں دل وجان سے اللہ اور اس کے رسول کے تمام احکام کو صحیح اور صادق سمجھ کر اُن کو واجب الالتزام اور لازم العمل تسلیم کرتا ہوں اور عہد کرتا ہوں کہ دل وجان سے اُن احکام کی تعمیل کروں گا پس یہ عہد التزام ایمان کی حقیقت ہے جس میں تمام احکام آگئے اور یہ ایمان درحقیقت عہد الست کی تجدید ہے جس میں حق ربوبیت ادا کرنے کا عہد لیا گیا تھا اسی طرح ایمان جملہ حقوق ادا کرنے کا ایک مضبوط عہد اور اقرار ہے اس لیے حکم یہ دیتے ہیں کہ اے ایمان والو تم نے ایمان لا کر التزامِ احکام کا اجمالی طور پر جو عہد اور پیمان کیا ہے اُس کو پورا کرو پھر اس حکم اجمالی کے بعد خاص خاص عہدوں اور خاص خاص حکموں کے پورا کرنے کی تاکید فرماتے ہیں عقود جمع عقد کی ہے جس کے معنی گرہ لگانے کے ہیں کہ ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ ملا کر خوب باندھ دیا جائے اس جگہ عقود سے تکالیف شرعیہ اور احکام دینیہ مراد ہیں جن میں اللہ نے بندوں کو باندھ دیا ہے اور بندہ ان میں جکڑا ہوا ہے بندہ پر اُن کی پابندی اور التزام ضروری ہے پس یہ معلوم ہو گیا کہ ایمان درحقیقت التزام اطاعت کا اجمالی معاہدہ ہے جسے آج کل کی اصطلاح میں حلف وفاداری کہتے ہیں یہ اجمالی معاہدہ تو ایک امر بسیط ہے لیکن تمام احکام شرعیہ اس معاہدہ کی دفعات ہیں اسی وجہ سے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایمان میں کمی زیادتی نہیں اس لیے کہ ایمان درحقیقت التزام طاعت خداوندی کے معاہدہ کا نام ہے جو ایک امر بسیط ہے اس میں فی حد ذاتہٖ تجزّی اور تبعّض اور کمی اور زیادتی جاری نہیں ہوتی جیسے عقد نکاح حقوق زوجیت کے التزام کا ایک اجمالی معاہدہ ہے اور وہ ایک امر بسیط ہے جس میں کمی اور زیادتی نہیں ایجاب اور قبول سے پورا ہو جاتا ہے اور نان نفقہ اور سکنی وغیرہ یہ تمام امور عقد نکاح کے اجزاء ترکیبیہ نہیں بلکہ اس کے دفعات اور لوازم ہیں اسی طرح اعمال صالحہ۔ عقد ایمان کے لوازم اور اس کی دفعات ہیں جن کی بجا آوری لازم اور ضروری ہے معاہدہ ایمان کے اجزاء ترکیبیہ نہیں حضرت شاہ عبدالقادرؒ لکھتے ہیں یعنی جب آدمی مسلمان

ہوا تو سب حکم اللہ کے قبول کرنے ٹھہر چکا اب آگے حکم فرماتے ہیں کہ اُن کو قبول کرو (موضح القرآن) یعنی حسب عہد اُن احکام کو بجا لاؤ جن کے التزام کا تم نے عہد کیا ہے خلاف عہد کوئی کام نہ کرو بے وفائی اور عہد شکنی بہت بری چیز ہے۔

أُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ إِلَّا مَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ
حلال ہوئے تم کو چوپائے مواشی سوا اس کے جو تم کو

غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ ۗ إِنَّ اللَّهَ
سنا دیں گے مگر حلال نہ جانو شکار کو اپنے احرام میں اللہ

يَحْكُمُ مَا يُرِيدُ ①
حکم کرتا ہے جو چاہے۔

تفصیل بعد از اجمال یعنی عقود و عہود کی تفصیل

عقد اوّل = تحلیل بہیمۃ الانعام

قَالَ تَعَالَىٰ أُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ .... الیٰ ..... إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيدُ ۝

(ربط) گذشتہ آیت یعنی يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ میں اجمالی طور پر وفاء عقود کا حکم تھا اب اس اجمال کی تفصیل شروع ہوتی ہے سب سے پہلے عقد حلت و حرمت کو بیان فرمایا کہ حلال و حرام کے بارہ میں حق تعالیٰ نے تم سے جو عہد لیا ہے اُس کو پورا کرو سورۃ نساء کے اخیر میں گذر چکا ہے کہ یہود پر ظلم اور بدعہدی کی سزا میں بعض حلال اور طیب چیزیں حرام کر دی گئیں کما قال تعالیٰ فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ أُحِلَّتْ لَهُمْ جن کی تفصیل سورۃ انعام میں ہے اب اس آیت میں امت محمدیہ کو ایفاء عہد کی ہدایت کی جاتی ہے کہ جو چیزیں ہم نے تم پر اپنی رحمت سے حلال کر دی ہیں صرف اُن کو استعمال کرو اور جو چیزیں تم پر حرام کر دی ہیں ان سے پرہیز کرو اور اشارہ اس طرف بھی ہے کہ اے مسلمانو تم نصاریٰ کی طرح حلال و حرام کی تقسیم

کو ختم نہ کر دینا بہائم اور حیوانات کے نزدیک حلال وحرام کی کوئی تقسیم نہیں جہاں چاہا منہ مارا اور کھا لیا یہی حال آج کل متمدن قوموں کا ہے یہ مذہب انسانوں کا نہیں بلکہ یہ مذہب حیوانوں کا ہے چنانچہ فرماتے ہیں حلال کر دیئے گئے تمہارے لیے تمام چوپائے مویشی مگر وہ جانور جن کی حرمت آیندہ تمہارے سامنے بیان کی جائے گی وہ تمہارے لیے حلال نہیں یعنی وہ جانور جن کا آئندہ آیت حُرِّمَتْ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَۃُ الخ میں ذکر ہے وہ باوجود بھیمۃ الانعام میں داخل ہونے کے حلت کے حکم سے مستثنیٰ ہیں باقی ان کے علاوہ سب جانوروں کا کھانا اور شکار کرنا تمہارے لیے ہر حال میں حلال ہے مگر حالت احرام میں تم شکار کو حلال نہ جانو لہذا بحالت احرام اور حدود حرم کے اندر کسی جانور کا شکار نہ کرو بے شک اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے کسی کی مجال نہیں کہ اس احکم الحاکمین سے یہ دریافت کر سکے کہ یہ حکم کیوں دیا نیز حق تعالیٰ حاکم مطلق ہونے کے علاوہ حکیم مطلق بھی ہیں اُسی نے اپنی حکمت بالغہ سے ہر جانور میں ایک خاص صفت اور خاص کیفیت اور خاص استعداد رکھی ہے جس جانور کو بندوں کیلئے مفید جانا اس کو اپنی رحمت سے حلال کر دیا اور جس کو مضر جانا اس کو حرام کر دیا ہے پس اس نے اپنے علم وحکمت سے جو حکم دیا اس کا اتباع کرو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحِلُّوا شَعَائِرَ

اے ایمان والو حلال نہ سمجھو اللہ کے نام کی

اللَّهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا

چیزیں اور نہ ادب والا مہینہ اور نہ نیاز کے جانور جو کعبے کو جاویں اور

الْقَلَائِدَ وَلَا آمِّينَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُونَ

نہ گلے میں پٹکے والیاں اور نہ آنے والوں کو ادب والے گھر کی طرف ڈھونڈتے ہیں

فَضْلًا مِّن رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ۚ وَإِذَا حَلَلْتُمْ

فضل اپنے رب کا اور خوشی - اور جب احرام سے نکلو تو

فَاصْطَادُوا ۚ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ أَن

شکار کرو اور باعث نہ ہو تم کو ایک قوم کی دشمنی کہ

صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا
تم کو روکتے تھے ادب والی مسجد سے اس پر کہ زیادتی کرو اور آپس میں
عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ
مدد کرو نیک کام پر اور پرہیزگاری پر اور مدد نہ کرو گناہ پر اور
الْعُدْوَانِ ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۲
زیادتی پر اور ڈرتے رہو اللہ سے اللہ کا عذاب سخت ہے۔

حکم دوم شعائر دین اسلام

قال تعالیٰ یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ ..... الے ...... شَدِیْدُ الْعِقَابِ ۝

(ربط) گذشتہ آیت میں احلال بہیمۃ الانعام کے لیے غیر محلی الصید کی قید ذکر فرمائی جو کہ احرام اور حرم محترم کی تعظیم میں مخل تھی اس لیے اب آئندہ آیت میں شعائر دین کی بے حرمتی کی ممانعت فرماتے ہیں جو معنیً شعائر دین کے احترام کا حکم ہے چنانچہ فرماتے ہیں اسے ایمان والو ایمان کا مقتضی یہ ہے کہ اللہ کے دین کے احترام اور ادب کو پوری طرح ملحوظ رکھو لہٰذا تم اللہ کی نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرو یعنی جن چیزوں کو اللہ نے اپنے دین کی نشانی قرار دیا ہے جیسے کعبۃ اللہ اور صفا اور مروہ اور حجر اسود اور عرفات اور منیٰ مزدلفہ اور قربانی کے جانور وغیرہ ان کی بے حرمتی نہ کرو۔

ف شعائر دین اُن امور کو کہتے ہیں جو اسلام کی خاص علامت ہوں اور اُن سے اسلام کی خاص شان و شوکت ظاہر ہوتی ہو جیسے اذان اور حج اور عمرہ اور قربانی اور نہ ماہ حرام کی بے حرمتی کرو یعنی جن چار مہینوں کی لڑائی حرام ہے ان میں لڑائی کر کے اُن کی بے حرمتی نہ کرو ابتداء میں چار مہینوں یعنی محرم اور رجب اور ذیقعدہ اور ذی الحجہ میں قتل و قتال کی ممانعت تھی بعد میں یہ ممانعت باقی نہیں رہی جس کا بیان انشاء اللہ سورۂ توبہ میں آئے گا اور نہ قربانیوں کی بے حرمتی کرو یعنی جو جانور بغرض قربانی خانہ کعبہ بھیجے جاتے ہیں اُن پر لوٹ ڈال کر اُن کی بے حرمتی نہ کرو اور نہ اُن جانوروں کی بے حرمتی کرو جن کے گلے میں پٹے پڑے ہوں ایسے جانوروں سے تعرض کرنا بہت ہی برا ہے اس لیے کہ جب ان کے ساتھ قربانی کی شناخت موجود ہے تو پھر یہ عذر بھی نہیں کیا جا سکتا کہ ہم کو خبر نہ تھی کہ یہ قربانی کے جانور ہیں اور نہ اُن لوگوں کی بے حرمتی کرو جو خانہ کعبہ کی زیارت

کے قصد سے جا رہے ہوں اور جو اپنے پروردگار کے فضل اور خوشنودی کے طلب گار ہوں خانہ کعبہ کا ادب یہ ہے کہ جو اس کی زیارت کو جا رہا ہے اُس سے تعرض نہ کرو اس لیے کہ جب خانہ کعبہ کے ادب اور احترام میں قربانی کے جانور سے تعرض جائز نہیں تو انسان سے تعرض کرنا کیسے روا ہوگا مطلب یہ ہے کہ مشرکین جس کام میں اللہ کی تعظیم کریں اس کام میں کافروں کی مزاحمت نہ کرو البتہ بت وغیرہ کی تعظیم میں اُن کی مزاحمت اور اہانت کرو مشرکین عرب اپنے آپ کو ملّتِ ابراہیم کا پیرو کہتے تھے اور اسی بناء پر وہ حج اور عمرہ کی نیت سے سفر کرتے اور اپنے گمان میں وہ اللہ کی خوشنودی کا قصد کرتے لٰکے بارہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ جو لوگ خانہ کعبہ کی زیارت کے قصد سے آتے ہیں ان سے تعرض نہ کرو یہ حکم اس وقت تھا کہ جب مشرکین کو خانہ کعبہ کی زیارت کی اجازت تھی اور جب اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا یہ آیت نازل ہوئی تو مشرکین کو خانہ کعبہ میں آنے کی ممانعت کر دی گئی اور اس ممانعت کی عام منادی کر دی گئی اور اے مسلمانو حالت احرام میں تم پر شکار حرام ہے لیکن جب تم احرام سے باہر ہو جاؤ تو تم کو اجازت ہے کہ تم شکار کرو حج اور عمرہ کے احرام کے احترام میں شکار کی ممانعت تھی اور جب احترام ختم ہو گیا تو حرمت بھی ختم ہو گئی اور اے مسلمانو تم کو خانہ کعبہ اور مسجد حرام کا احترام دوستی اور دشمنی ہر حالت میں ملحوظ رہنا چاہیے یہاں تک کہ کسی قوم کی دشمنی اور عداوت اس بناء پر کہ انہوں نے تم کو حدیبیہ کے سال مسجد حرام کی زیارت سے روکا تھا یہ دشمنی تم کو اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم حدود ادب سے تجاوز کر جاؤ اور جوش عداوت میں احرام اور حدود حرم کے ادب اور احترام کی حدود سے باہر ہو جاؤ اور نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور تعدی یعنی ظلم و ستم میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو بلکہ اس کے برعکس نیکی اور پرہیزگاری کی ترغیب دو پہلی آیت میں دشمنی کا دستور العمل تھا کہ دشمنی تم کو بے انصافی پر آمادہ نہ کرے اور اس آیت میں دوستی کا دستور العمل ہے کہ دوستی میں کسی کی بیجا حمایت نہ کرو جیسے آج کل پارٹیوں میں ہوتا ہے بلکہ برّ اور تقویٰ میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور اللہ کے عذاب سے ڈرتے رہو بے شک اللہ تعالیٰ اپنے نافرمانوں کو سخت عذاب دینے والا ہے لہٰذا تم کو چاہیے کہ نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی مدد کرو تاکہ تم کو اللہ کے فضل اور رضوان سے حصہ ملے اور سخت عذاب سے محفوظ رہو برّ یعنی نیکی سے لوگ خوش ہوتے ہیں اور تقویٰ سے اللہ خوش ہوتا ہے جس نے دونوں باتوں کو اپنے اندر جمع کر لیا اس نے سعادت مکمل کر لی برّ (نیکی) فعل خیرات کا نام ہے اور تقویٰ اور پرہیزگاری ترک منکرات کا نام ہے جس میں یہ دونوں خصلتیں جمع ہو جائیں اس کی خوشش نصیبی کا کیا پوچھنا۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ
حرام ہوا تم پر مردہ اور لہو اور گوشت سور کا
وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ
اور جس چیز پر نام پکارا اللہ کے سوا کا اور جو مر گیا گھٹ کر یا چوٹ سے
وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا
یا گر کر یا سینگ مارنے سے اور جس کو کھایا پھاڑنے والے نے مگر جو
ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا
تم نے ذبح کر لیا اور جو ذبح ہوا کسی تھان پر اور یہ کہ بانٹا کرو
بِالْاَزْلَامِ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ
پانسے ڈال کر یہ گناہ کا کام ہے

حکم سوم تفصیل محرّمات

قال تعالیٰ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ ..... الیٰ ..... ذٰلِكُمْ فِسْقٌ

(ارلبط) شروع سورت میں اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ سے جن چیزوں کی تحریم کی طرف اجمالی اشارہ تھا اب اس آیت میں اُن محرمات کو تفصیل کے ساتھ بیان فرماتے ہیں اور یہ بتلاتے ہیں کہ وہ بہیمۃ الانعام جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے حلال کیا ہے وہ بعض احوال میں حرام ہو جاتے ہیں اور اس حالت میں اُن کا استعمال ممنوع ہو جاتا ہے لہٰذا تم کو چاہیے کہ ان محرمات سے بچو تاکہ خدا تعالیٰ کے شدید عذاب سے محفوظ رہو جیسا کہ گزشتہ آیت میں حکم دیا تھا وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ اور حرام سے بچنے کا نام تقویٰ اور پرہیزگاری ہے اب آئندہ آیت میں ان محرمات کی تفصیل فرماتے ہیں جن کا اُوپر کی آیت اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ میں اجمالاً ذکر فرمایا تھا چنانچہ فرماتے ہیں کہ اے مسلمانو وہ چیزیں جو کہ حلال چیزوں سے مستثنیٰ کی گئیں اور تم پر حرام کی گئیں وہ گیارہ چیزیں ہیں۔

(اوّل) مردار جانور یعنی جو بلا ذبح اور بلا شکار کے اپنی طبعی موت سے مر جائے وہ تم پر حرام کیا گیا اس لیے کہ جب وہ جانور ذبح نہیں کیا گیا تو اس کا خون اندر ہی اندر منجمد ہو گیا جس کا کھانا

تمہارے لیے غایت درجہ مضر صحت ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے تم پر مردار جانوروں کا کھانا حرام کیا۔
اور (دوسری) جو تم پر حرام کی گئی وہ خون ہے جو بہتا ہوا ہو جیسا کہ دوسری جگہ ہے اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا مشرکین عرب خون جما کر کسی توے اور کڑھائی میں تل کر کھایا کرتے تھے اس آیت میں اس کو حرام کر دیا گیا البتہ وہ خون جو گوشت پر لگا رہ جائے وہ اس سے مستثنیٰ ہے اور علیٰ ہٰذا کلیجی اور تلی بھی مستثنیٰ ہے خون کا کھانا چونکہ نہایت مضر صحت ہے اس لیے خدا تعالیٰ نے اس کا کھانا حرام فرمایا
اور (تیسری) چیز سور کا گوشت حرام کیا گیا جس میں اس کی چربی اور اس کی کھال بھی شامل ہے غذا کا اثر اخلاق پر پڑتا ہے اور سور میں بہت سی صفات ذمیمہ پائی جاتی ہیں وہ حد درجہ کا حریص اور پرلے درجہ کا بے غیرت ہے بے غیرتی اس کے خمیر میں داخل ہے جو قومیں سور کا گوشت کھاتی ہیں وہ بے غیرت ہیں عیاں راچہ بیاں اس لیے شریعت نے سور کے گوشت کو حرام کیا تاکہ مسلمان بے غیرتی سے محفوظ رہیں قرآن کریم میں اگرچہ سور کے گوشت کی حرمت کا ذکر آیا ہے لیکن تمام امت محمدیہ کا اس پر اجماع ہے کہ سور نجس العین ہے اور اس کے کسی جزء سے انتفاع درست نہیں خدا تعالیٰ نے کھانے کی تخصیص اس لیے کی ہے کہ جانور سے بڑا مقصود کھانا ہی ہوتا ہے۔
اور (چوتھی) چیز جو بقصد تقرب غیر اللہ کے نامزد کر دیا گیا ہو وہ بھی تم پر حرام کیا گیا بقصد تقرب و تعظیم جانور کو غیر اللہ کے لیے نامزد کرنا یہ شرک ہے اس نیت شرکیہ کی وجہ سے وہ جانور نجس ہو جاتا ہے اور اس کا کھانا حرام ہو جاتا ہے اگرچہ ذبح کے وقت اس پر اللہ ہی کا نام لیا جائے اس لیے کہ حرمت کا مدار اس نیت شرکیہ پر ہے جب تک اس نیت سے توبہ نہ کرے گا حلال نہ ہو گا جس طرح کلب اور خنزیر اور بہائم محرمہ۔ ذبح کے وقت خدا کا نام لینے سے حلال نہیں ہو جاتے اسی طرح مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ذبح کے وقت اللہ کا نام لینے سے حلال نہ ہو گا جب تک اُس نیت شرکیہ سے توبہ نہ کرے اور حدیث میں ہے انما الاعمال بالنیات اس بارہ میں مفصل کلام سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔
خلاصۂ کلام یہ کہ جو جانور غیر خدا کی تعظیم کیلئے ذبح کیا جائے وہ مردار ہے۔
اور (پانچویں) چیز وہ جانور جو گلا گھٹ کر مر جائے وہ بھی تم پر حرام کیا گیا اس لیے کہ ایسا جانور در حقیقت مردار ہے
اور (چھٹی) چیز وہ جانور جو چوٹ کھا کر مرا ہو وہ بھی تم پر حرام کیا گیا یعنی لکڑی کی چوٹ سے مر گیا وہ بھی حرام کیا گیا۔
اور (ساتویں) چیز وہ جانور جو اوپر سے نیچے گر کر مرا ہو خواہ وہ خود گر مرا ہو یا کسی نے گرایا ہو وہ بھی حرام کیا گیا۔
اور (آٹھویں) چیز وہ جانور کہ جو دوسرے جانور کے سینگ مارنے سے مرا ہو وہ بھی تم پر حرام

کیا گیا وہ بھی مردار ہے۔

اور (نویں) چیز وہ جانور جس کو درندے نے پھاڑ کھایا ہو اس کا بقیہ تم پر حرام ہے لیکن منخنقہ اور موقوذہ اور متردیہ اور ما اکل السبع میں جن جانوروں کا ذکر ہے ان میں سے اگر تم کسی جانور کو جان نکلنے سے پہلے قاعدہ شرعیہ کے مطابق ذبح کر ڈالو تو وہ اس حرمت کے حکم سے مستثنیٰ اور خارج ہے یعنی ان جانوروں میں اگر تم کسی کو جیتا ہوا پاؤ اور مرنے سے پہلے اس کو ذبح کر لو تو وہ حرام نہیں ہے۔

ف منخنقہ اور موقوذہ اور متردیہ اور ما اکل السبع اگرچہ یہ سب چیزیں میتہ میں داخل تھیں لیکن ان کو علیحدہ ذکر کیا کہ عام اطلاق میں میتہ اسی جانور کو کہتے ہیں کہ جس کی موت کا کوئی ظاہری سبب نہ ہو اور منخنقہ وغیرہ میں موت کا ظاہری سبب موجود ہے اس لیے ان کو علیحدہ ذکر کیا کہ یہ سب مردار کے حکم میں ہیں

اور (دسویں) چیز جو تم پر حرام کی گئی وہ وہ جانور ہے کہ ذبح کیا جائے کسی تھان پر یعنی کسی معبود کے باطل نشان پر وہ بھی حرام ہے تھان سے مراد وہ مقامات ہیں جن کو لوگ متبرک سمجھ کر خدا کے سوا دوسروں کی نذر و نیاز چڑھاتے تھے۔

امام راغبؒ فرماتے ہیں کہ نُصُبُ اُن پتھروں کو کہتے ہیں جن کو مشرکین عرب غیر اللہ کی عبادت کے لیے نصب کرتے تھے اور جانوروں کو لے جا کر وہاں ذبح کرتے تھے کما قال تعالیٰ اِلٰی نُصُبٍ یُّوْفِضُوْنَ (مفردات ص۱۳ھ)

نُصُبُ اور صنم میں فرق یہ ہے کہ نُصُبُ اس غیر مصوّر پتھر کو کہتے ہیں کہ جو کسی دیوتا یا دیوی کے نام پر کھڑا کیا جاتے اور صَنَمْ وہ مصوّر پتھر ہے جس پر کسی دیوتا یا دیوی کی تصویر یعنی صورت بنی ہوئی ہو خانہ کعبہ کے گرد تین سو ساٹھ پتھر کھڑے کیے ہوتے تھے جن کو مشرکین اپنے دیوتاؤں کا تھان سمجھ کر بتوں کے لیے ان کے پاس آکر قربانیاں کیا کرتے تھے اور کچھ خون بھی ان پر چھڑک دیتے تھے اور ان پتھروں کو بدلتے بھی رہتے تھے ایک پتھر کے بجائے دوسرا اچھا پتھر رکھ دیتے تھے پس اللہ تعالیٰ نے اس کو بھی نجس اور حرام کر دیا اور ان قربانیوں کے کھانے کی ممانعت کی جو ان تھانوں پر کی جائیں کیونکہ یہ صورت بھی فی الحقیقت نذر لغیر اللہ کی ایک خاص صورت ہے گو ذبح کے وقت زبان سے بسم اللہ اللہ اکبر کہدیا جائے اس لیے کہ اصل مقصود اور اصل نیت اس ذبح سے غیر اللہ کی تعظیم اور تقرب ہے جو شرک ہے اسلیے اللہ تعالیٰ نے اُس کو حرام قرار دیا کیونکہ حرمت کا اصل دار و مدار نیت شرکیہ پر ہے جس کا ظہور کبھی قول سے ہوتا ہے اور کبھی فعل سے یعنی ایسے مقامات پر ذبح کرنے سے جو بتوں کے نام پر بنے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ نے ایسے ذبیحہ کا کھانا حرام قرار دیا (تفسیر قرطبی ج۶ ص۵۷)

وتفسیر ابن کثیر ص۱۱ ج۲ وتفسیر کبیر ص۳۶۶ ج۳)

نکتہ گذشتہ آیت میں ہدی کے ادب اور احترام کا ذکر تھا کہ جو جانور تقرب الی اللہ کی غرض سے خانہ کعبہ پہنچ جاتے ہیں اُن سے تعرض نہ کرو اب اس آیت میں اس کے بالمقابل اس جانور کا ذکر فرمایا جو خدا کے سوا کسی دوسرے کے نام پر ذبح کیا جائے یا خانہ خدا کے سوا کسی دوسرے مکان کی تعظیم کے لیے ذبح کیا جائے تو وہ حرام اور مردار ہے (ماخوذ از موضح القرآن) اس تقریر سے مَآ اُھِلَّ لِغَیْرِ اللّٰہِ بِہٖ اور ما ذبح علی النصب کا فرق واضح ہوگیا فللہ الحمد۔

اور (گیارھویں) چیز جو تم پر حرام کی گئی وہ یہ ہے کہ پانسوں سے تم قسمت معلوم کرو ازلام زلم کی جمع ہے جس کے معنی تیر کے ہیں ازلام اُن تیروں کو کہتے ہیں جو بتوں کے مجاوروں کے پاس ہوا کرتے تھے مشرکین عرب کا یہ دستور تھا کہ جب کوئی ضرورت پیش آتی اور کسی بہتم بالشان کام کا ارادہ کرتے تو قسمت (انجام) معلوم کرنے کے لیے ان مجاوروں کے پاس جا کر سوال کرتے کہ مثلاً میں نکاح کروں یا نہ کروں اور اس سفر میں جاؤں یا نہ جاؤں تو وہ مجاور اپنا تھیلا نکالتا جس میں تین تیر ہوتے تھے ایک پر لکھا ہوا تھا امرنی ربی (حکم دیا مجھ کو میرے رب نے) دوسرے تیر پر لکھا ہوا تھا نہانی ربی (منع کیا مجھ کو میرے رب نے) اور تیسرا تیر خالی تھا یہ تینوں تیر مجاور کے پاس ایک تھیلے میں رکھے رہتے تھے جب کسی کو کسی کام میں کوئی تردد اور تذبذب لاحق ہوتا تو مجاور کے پاس جاتے اور وہ تھیلہ میں ہاتھ ڈال کر تیر نکالتا اگر امرنی ربی والا تیر نکل آیا تو وہ کام کرتے اور اگر نہانی ربی والا تیر نکل آیا تو ایک سال کے لیے اُس کام سے رک جاتے اور اگر خالی تیر نکلتا تو پھر یہی عمل کیا جاتا یہاں تک کہ کرو یا نہ کرو والا تیر نکلتا چونکہ یہ بتوں سے ایک قسم کا مشورہ اور استعانت تھی جس کی بناء خالص جہالت اور وہم پرستی اور افتراء علی اللہ پر تھی اس لیے حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں جابجا اس رسم کی حرمت کو شدت کے ساتھ ذکر فرمایا اور اس مقام پر میتہ اور خنزیر جیسی گندی چیزوں کے ساتھ ملا کر اس کی حرمت کو بیان فرمایا اور یہ بتلا دیا کہ یہ ایک مشرکانہ اور جاہلانہ رسم ہے اس طریقہ سے قسمت اور انجام کسی طرح معلوم نہیں ہو سکتا شریعت نے بجائے اس رسم قبیح کے استخارہ کا حکم دیا کہ جب کسی امر میں تردد ہو تو استخارہ کرو یہ تمام باتیں جو تم پر حرام کی گئیں سب فسق و فجور یعنی گناہ اور بدکاری ہیں یا یوں کہو کہ ذلکم کا اشارہ فقط اخیر یعنی استقسام بالازلام کی طرف ہے اور مطلب یہ ہے کہ تیروں سے قسمت اور انجام کا معلوم کرنا سراسر فسق اور ضلالت اور شرک اور جہالت ہے مومن کا کام یہ ہے کہ جب اُس کو کسی کام میں تردد ہو تو خداوند ذوالجلال کی طرف رجوع کرے اور استخارہ کرے جیسا کہ احادیث میں اس کا طریقہ وارد ہوا ہے۔

اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا
آج ناامید ہوئے کافر تمہارے دین سے سو ان
تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ؕ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ
سے مت ڈرو اور مجھ سے ڈرو آج میں پورا دے چکا تم کو
دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ
دین تمہارا اور پورا کیا تم پر میں نے احسان اپنا اور پسند کیا
لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ
میں نے تمہارے واسطے دین مسلمانی

حکم چہارم

تاکیدِ تمسّک بشرائع اسلام مع بشارت اکمالِ دین و اتمام انعام

قَالَ تعالیٰ اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا .... الیٰ ..... وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ہ

(ربط) حلال وحرام کی تفصیل کے بعد اب اس آیت میں بشارت دیتے ہیں کہ تمہارا دین مکمل ہوگیا کوئی خیر اور بھلائی ایسی باقی نہ رہی جو نہ بتلا دی گئی ہو اور کوئی شر اور برائی ایسی نہیں رہی جس سے منع نہ کر دیا گیا ہو اور اس کے ساتھ اللہ نے تم کو اتنی قوت اور عزت عطاء کر دی کہ کافر ناامید ہو چکے ہیں اور دین اسلام کے مٹانے کا تصور اور خیال خام اُن کے دلوں سے نکل چکا ہے لہٰذا اے مسلمانو تم بے خوف وخطر ہو کر دین اسلام کے فرائض اور احکام کو بجا لاؤ اور کافروں کی نفرت اور وحشت کو خاطر میں نہ لاؤ دین کا غلبہ مکمل ہو چکا ہے اب کسی میں یہ طاقت نہیں کہ حلال وحرام کے بارہ میں کوئی مزاحمت کر سکے اور جاہلیت کی طرح خباثث یعنی میتہ اور خمر اور خنزیر وغیرہ کو حلال کر سکے ابتداء میں اسلام ضعیف اور کمزور تھا مخالفین اسلام کے جور وستم کی وجہ سے مسلمان آزادی کے ساتھ شرائع اسلام اور حلال وحرام پر عمل نہیں کر سکتے تھے اب اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ضعف کو قوت سے اور اس کے خوف کو امن سے اور اس کے فقر کو غنی سے بدل دیا ہے اب تم

آزادی کے ساتھ بے خوف وخطر شرائع اسلام کو بجا لاؤ اور جس چیز کو خدا تعالیٰ نے حلال کیا ہے اس کو استعمال کرو اور جسے حرام کیا ہے اس سے بچو۔ چنانچہ فرماتے ہیں آج کے دن یعنی اب کفار تمہارے دین سے ناامید ہوگئے یعنی اُس کے مٹانے یا اس پر غالب آجانے سے مایوس ہوگئے اب تک تو یہ سمجھتے تھے کہ اسلام چند روز کا مہمان ہے اور جو لوگ مسلمان ہوئے ہیں وہ عنقریب دین اسلام چھوڑ کر پھر انہی میں جا ملیں گے لیکن اب وہ بالکل ناامید ہوگئے اور سمجھ گئے ہیں کہ یہ شمع بجھنے والی نہیں اور یہ پروانے اُسے چھوڑنے والے نہیں پس جب یہ بات ہے کہ کفار تمہارے دین کے مٹانے اور اس پر غالب آنے سے ناامید ہو چکے ہیں تو تم اس دین پر عمل کرنے میں اُن سے بالکل نہ ڈرو وہ تمہارا کچھ نہیں کرسکتے اور مجھ سے ڈرو یعنی اُن کی خوشامد میں شریعت کے خلاف کرکے اپنے کو تباہ نہ کرو اس دین کو کوئی نہیں مٹا سکتا اس سے معلوم ہوا کہ تقیہ ایک فعل مہمل ہے اور بزدلانہ حرکت ہے (تفسیر کبیر ص ۳۶۸ ج ۲)

اب میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو کامل کر دیا تمام حلال وحرام فرض اور واجب چیزیں مکارم اخلاق اور عقائد اور اصول اور قواعد سب بیان کر دیئے اور اپنی نعمت کو تم پر پورا کر دیا کہ تم کو دین کامل دیا اور اب تم کسی دین اور کسی شریعت کے محتاج نہیں رہے اور کافروں پر تمہیں غلبہ بخشا مطلب یہ ہے کہ یہ نعمت دو اعتبار سے تم پر تمام ہوئی ایک قوت وشوکت کے اعتبار سے کہ اس دین کو تمام دینوں پر غلبہ عطا کیا ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ کا وعدہ پورا کیا دوسرے قواعد اور احکام اور حلال وحرام کی تفصیل اور مبداء اور معاش اور معاد کی تفصیل کے اعتبار سے اتنا کامل کر دیا کہ اب قیامت تک جتنے واقعات پیش آئیں گے اُن سب کے احکام اسی دین حق (یعنی کتاب وسنت) کی روشنی میں معلوم ہوسکیں گے یا یوں کہو۔ کہ اتمام نعمت سے یہ مراد ہے کہ لذائذ اور طیبات کو تمہارے لیے حلال کر دیا اور خبائث اور ارجاس کو تم پر حرام کر دیا اس طرح تم پر اپنی نعمت پوری کی یا یوں کہو کہ حج فرض کرکے ارکان دین کو مکمل کر دیا۔

ف چونکہ حدیث اور اجماع اور قیاس کی حجیت خود قرآن کریم سے ثابت ہے اس لیے جو حکم حدیث اور اجماع اور قیاس سے ثابت ہوگا وہ بھی دین کا جزء ہوگا جس نے حدیث نبوی یا اجماع امت یا قیاس فقہاء کو دین سے خارج اور اس کا مقابل اور قسیم سمجھا وہ بے دین اور بے عقل ہے قرآن کریم اور حدیث شریف اور اجماع علماء اور قیاسِ فقہاء سب دین کے اجزاء اور اقسام ہیں نیز قیاس مُظْہِرِ حکم ہے مُثْبِتِ حکم نہیں یعنی جو حکم کتاب وسنت میں پوشیدہ اور مخفی تھا قیاس اسے ظاہر کر دیتا ہے جیسا کہ لَعَلِمَهُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ کی تفسیر میں گذر چکا ہے قیاس کے معنی خود رائی اور جدید حکم کے نہیں۔

رہا اجماع سو وہ بھی کسی آیت یا حدیث ہی کے مختلف فیہ مضمون پر ہوتا ہے چیز (دین) ایک ہے اَلوَان (رنگتیں) مختلف ہیں سے۔

عبارا تنا شتی وحسنک واحد ⁂ وکل الی ذاک الجمال یشیر

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش ⁂ من از رفتار پایت می شناسم

اور پسند کیا میں نے تمہارے لیے دین اسلام کو یعنی اب یہی دین خدا کے نزدیک مرضی اور پسندیدہ اور تمام دینوں سے بہتر اور برتر ہے اور اب قیامت تک یہی دین رہے گا اور کبھی منسوخ نہ ہوگا اور حضرت عیسٰی علیہ السلام آسمان سے نازل ہونے کے بعد اسی دین اور شریعت کا اتباع کریں گے لہٰذا اب دین کامل اور پسندیدہ خداوندی کے بعد جو شخص سوائے دین اسلام کے کوئی اور دین اختیار کرے گا تو وہ خدا کے یہاں ہرگز قابل قبول نہ ہوگا کما قال تعالیٰ وَمَنۡ یَّبۡتَغِ غَیۡرَ الۡاِسۡلَامِ دِیۡنًا فَلَنۡ یُّقۡبَلَ مِنۡهُ وَهُوَ فِی الۡاٰخِرَةِ مِنَ الۡخٰسِرِیۡنَ۔

فوائد و لطائف

(۱) حدیث شریف میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو وہ دن حجۃ الوداع کا تھا یعنی نویں تاریخ ذی الحجہ کو میدان عرفات میں جمعہ کے دن عصر کے وقت یہ آیت نازل ہوئی وہ وقت تقریبا سال کا بھی آخر تھا اور ہفتہ کا بھی آخری دن تھا اور دن بھی قریب الختم تھا اس لیے کہ عصر کے بعد غروب کا وقت آجاتا ہے۔

اسی طرح حضور پُر نورؐ کی عمر شریف کا بھی آخری زمانہ تھا اس کے تین ماہ بعد ربیع الاوّل میں حضور کا وصال ہو گیا ہماری اس تقریر سے یہ معلوم ہو گیا کہ آخر سے حقیقی آخر مراد نہیں بلکہ قریب آخر مراد ہے چنانچہ اس کے بعد فَمَنِ اضۡطُرَّ فِیۡ مَخۡمَصَةٍ غَیۡرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثۡمٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ یہ آیت نازل ہوئی لہٰذا اب یہ اشکال وارد نہ ہوگا کہ جب دین کامل ہو چکا تو پھر یہ حکم مضطر کیسے نازل ہوا اس لیے کہ مراد آخر سے قریب آخر ہے اس پر خدشہ وارد نہیں ہوتا نیز الیوم سے خاص آج کا دن مراد نہیں بلکہ الیوم سے زمانۂ حاضر مراد ہے جو ماقبل اور مابعد سے متصل ہے لہٰذا اب شُبہ نہ رہے گا کہ جب آج دین کامل ہو گیا تو اس کے بعد کوئی حکم نازل نہ ہونا چاہیئے اور آیات احکام میں یہ آخری آیت اور آخری حکم ہونا چاہیئے بحمدہٖ تعالیٰ اس شبہ کے دو جواب ہو گئے۔

(۲) دین کے کامل کر دینے کے معنی یہ ہیں کہ حدود اور فرائض اور حلال و حرام کے احکام اور مبداء اور معاد دنیا اور آخرت اور زندگی کے ہر شعبہ کے متعلق ایسے اصول اور قواعد بتلا دیئے گئے کہ قیامت تک آنے والے واقعات اور جزئیات کے احکام انہی کلیات سے صراحۃً یا اشارۃً

معلوم ہو سکیں گے اور قیامت تک اس میں زیادتی اور ترمیم کی ضرورت نہ ہوگی نبوت و رسالت آپ پر ختم ہوئی اور یہ آخری کتاب ہے اس کے بعد کوئی کتاب آسمان سے نازل نہ ہوگی۔

طبِ کامل وہ ہے جس سے ہر مرض کا علاج معلوم ہو سکے اسی طرح دین کامل وہ ہے جو اصول اور قواعد کلیہ کا جامع ہو اور تمام جزئیات کا حکم اُس سے معلوم ہو سکے خلاصۂ کلام یہ کہ اکمال دین کے معنی یہ ہیں کہ اس میں تمام حلال و حرام اور فرائض اور واجبات اور اصول و قواعد بیان کر دیئے گئے اب تمہیں دینی یا دنیوی ہدایت کیلئے کسی اور دین کی ضرورت نہیں اور نہ کسی اور نبی کی حاجت رہی یہی دین تمہارا دینی اور دنیوی اور تدبیر منزلی اور تدبیر ملکی اور سیاست داخلیہ اور خارجیہ کی مشکلات میں ہدایت اور رہنمائی کیلئے کافی اور شافی ہے جیسا کہ کتب فقہ ہیں۔ کتاب و سنت کی روشنی میں ان امور کی تفصیل موجود ہے۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اکمال دین کے معنی یہ ہیں کہ اللہ نے دین اسلام کو تمام ادیان پر غلبہ عطا کیا مگر راجح قول وہی ہے جو ہم نے پہلے بیان کیا۔

(۳) اور اَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے تم کو دین کامل دیکر تم پر اپنی نعمت پوری کر دی کہ تم کو ایسا کامل اور غایت درجہ معتدل قانون اور دستور عطا کیا کہ جو تمام شریعتوں کا خلاصہ اور لُبِ لباب ہے اور جو باتیں ادیان سماویہ میں ناتمام تھیں اس دین کامل میں اُن کی تکمیل اور تتمیم کر دی گئی اب قیامت تک اس میں کسی اضافہ اور ترمیم کی گنجائش نہیں البتہ اُس کے احکام کی توضیح اور تلویح اور تفصیل اور تشریح ہوتی رہے گی جس طرح حدیث قرآن کریم کی تفسیر ہے اسی طرح فقہ حدیث کی شرح ہے اور وہ قانون ایسا واضح اور صاف ہے کہ کوئی ملحد اس میں تحریف اور تبدیل کی امید قائم نہیں کر سکتا اور ظاہری قوت و شوکت کے اعتبار سے اس کی جڑیں اتنی مضبوط کر دی ہیں کہ کفار اس کے مٹانے سے مایوس ہو چکے ہیں فتح مکہ سے تمام جزیرۃ العرب اسلام کے زیر نگین آگیا اور کفر کی یہ مجال نہیں رہی کہ وہ اسلام کے مقابلہ میں سر اٹھا سکے مطلب یہ ہوا کہ دین کامل دے کر۔ دین اور دنیا دونوں اعتبار سے تم پر اللہ کی نعمت پوری ہوئی۔

(۴) حضرات انبیاء سابقین کو جو شریعتیں عطاء کی گئیں وہ ناقص نہ تھیں بلکہ اپنے اپنے وقت اور اس خاص زمان اور اُس خاص مکان اور اُس خاص خطّہ کے لحاظ سے کامل تھیں اُن کا کامل ہونا ایک مخصوص قوم اور محدود زمانہ کے لیے تھا اسی وجہ سے دوسرے کے آنے سے شریعت سابقہ کے کچھ احکام منسوخ ہو جاتے تھے مگر شریعت اسلامیہ کامل مطلق ہے اس کا کامل ہونا کسی زمان اور مکان اور کسی خاص قوم کے ساتھ مخصوص نہیں شریعت اسلامیہ کا کمال کمال مطلق بھی ہے اور دائم اور مستمر بھی ہے قیامت تک اس کا کوئی حکم منسوخ نہ ہوگا کذا فی السراج المنیر للشربینی ص ۲۹۲ ج ۲)

یا یوں کہو کہ ہر شریعت فی حدذاتہٖ کامل تھی مگر حق تعالیٰ اپنے علم اور ارادہ سے جس حد تک

پہنچانا چاہتے تھے اس کے اعتبار سے سابق شریعتیں کم تھیں مثلاً حق تعالیٰ نے کسی کو ساٹھ برس کی عمر عطا کی اور کسی کو سو سال کی یہ ساٹھ سال کی عمر فی حد ذاتہ ناقص نہیں مگر اس عمر کے لحاظ سے ناقص ہے جو اللہ تعالیٰ نے دوسرے کو عطا کی ابتداء میں ظہر اور عصر اور عشاء کی دو دو رکعتیں تھیں بعد میں چار چار رکعتیں کر دی گئیں لہٰذا یہ تو کہا جاسکتا ہے کہ چار رکعتیں دو رکعتوں سے زیادہ کامل ہیں اور دو رکعتیں اس سے کم ہیں لیکن یہ کمی کسی عیب یا خلل یا قصور کی بناء پر نہیں بلکہ حق تعالیٰ کے اضافہ اور تکمیل کے اعتبار سے کم ناقص ہیں یعنی حق جل شانہٗ نے جس مرتبہ کمال تک پہنچانے کا ارادہ فرمایا تھا اس کے اعتبار سے ناقص ہیں اور جو جو احکام شرعیہ بتدریج حد کمال کو پہنچے اُن کو بھی اسی طرح سمجھو (تفسیر قرطبی صد ۶۲ ج ۶)

(۵) جس طرح حکومت کے دستور اور آئین کا مکمل ہونا موجب صد مسرت ہے اسی طرح خداوند ذوالجلال کی طرف سے بندوں کو دستور کامل یعنی دین کامل اور شریعت کاملہ کا عطا ہونا ایک نعمت عظمیٰ اور بشارت کبریٰ ہے خداوند ذوالجلال۔ احکم الحاکمین ہے اور دین اسلام اس کے قوانین اور احکام کا نام ہے چنانچہ کسی یہودی نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ اگر یہ آیت ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید بنا لیتے حضرت عمر نے فرمایا کہ جس دن یہ آیت نازل ہوئی اس دن بحمد اللہ مسلمانوں کی دو عیدیں جمع ہوگئی تھیں اور یہ دونوں دن بحمد اللہ ہمارے لیے عید ہیں ایک یوم عرفہ اور ایک یوم جمعہ یعنی ہمیں اپنی طرف سے کسی اور عید کی ضرورت نہیں بس ہمیں وہی عید کافی ہے جو من جانب اللہ ہے۔

(۶) اس آیت سے معلوم ہوا کہ دین اسلام ایک عظیم نعمت ہے اور نعمت کا شکر عقلاً و شرعاً واجب ہے اس لیے امت میں اسلام جیسی نعمت کے شکر کے لیے یہ کلمہ مشہور ہے الحمد للہ علی نعمۃ الاسلام (تفسیر کبیر صد ۳۶۹ ج ۳)

اور حق تعالیٰ کا وعدہ ہے لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ لہٰذا جو اسلام کی نعمت کا شکر کرے گا اللہ اس کے اسلام اور دین میں زیادتی اور خیر و برکت عطا کرے گا۔

(۷) وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا یعنی اللہ کے نزدیک یہی دین پسندیدہ اور مقبول ہے اور اسی پر نجات کا دارومدار ہے جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ بغیر اسلام قبول کیے اپنے مذہب پر عمل کرنے سے نجات ہوسکتی ہے جیسا کہ اس زمانہ کے بعض آزاد منشوں کا یہ خیال خام ہے کہ گاندھی بھی بغیر اسلام میں داخل ہوئے اخروی عذاب سے نجات پاسکتا ہے سو یہ ایسا صریح کفر ہے کہ جس میں تاویل کی بھی گنجائش نہیں۔

کیا اسلام مانع ترقی ہے

اسلام حقیقی ترقی کا ہرگز ہرگز مانع نہیں بلکہ حقیقی ترقی کا حکم دیتا ہے اس سے بڑھ کر کیا ترقی ہوسکتی ہے کہ صحابہ کرام نے چند ہی روز میں قیصر و کسریٰ کی سلطنت پر قبضہ کیا اور روئے زمین پر اپنی سیادت اور

اقتدار کو قائم کر دیا اور شریعت اسلامیہ کا دستور اور قانون دنیا میں رائج کر دیا اور جس سرزمین پر قدم رکھا بغیر کسی کالج اور یونیورسٹی کے وہاں کی زبان عربی بن گئی اور وہاں کا تمدن اسلامی تمدن بن گیا اور آج سے دو سو سال بیشتر تک تمام سلاطین اسلام کا یہی حال رہا اور اللہ نے ان کو وہ عزت دی جو آپ خواب وخیال میں بھی نہیں آسکتی البتہ اسلام اس خیالی ترقی کا مانع اور مخالف ہے جس کی حقیقت سوائے حرص اور طول اَمَل کے کچھ نہیں شیخ چلی کی سی پلاؤ پکا لینے کا نام ترقی نہیں۔

عالم کی اصل ترقی کا دارومدار چار چیزیں ہیں زراعت اور تجارت اور صنعت وحرفت اور ملازمت جس کو اصطلاح شریعت میں اجارہ کہتے ہیں شریعت کی بے شمار نصوص سے ان تمام امور کی تاکید اور ترغیب ثابت ہے اور حق تعالے نے ان امور کے متعلق احکام صادر کیے ہیں جو چیزیں حقیقۃً مفید اور نافع تھیں ان کو جائز قرار دیا اور جو چیزیں حقیقۃً مضر تھیں اُن کو ناجائز قرار دیا اگرچہ کوئی خود غرض بعض چیزوں کو اپنے لیے مفید اور نافع سمجھتا ہو ہر حکومت نے اپنے قانون میں رشوت اور چوری اور ڈاکہ زنی کو جرم اور ممنوع قرار دیا ہے حالانکہ چوری اور ڈاکہ زنی شخصی منافع سے خالی نہیں چوری سے اور رشوت سے مال میں بڑی ترقی ہوتی ہے مگر کوئی شخص بھی حکومت اور قانون پر یہ اعتراض نہیں کرتا کہ یہ قانون ہماری ترقی میں حارج اور مزاحم ہے لہٰذا اس کو منسوخ کیا جائے اسی طرح شریعت نے سود اور قمار اور رشوت کو حرام قرار دیا جو مضرت میں چوری اور ڈاکہ سے کہیں بڑھ کر ہے لیکن افسوس کہ شریعت کے احکام کو مانع ترقی سمجھتے ہیں اور قوانین حکومت کو مانع ترقی نہیں سمجھتے معترضین یہ بتلائیں کہ شریعت کے کون سے احکام ایسے ہیں جو حقیقۃً دنیاوی ترقی میں حارج اور مزاحم ہیں بتلائیں تو یہی کہ کیا شراب اور زنا اور بے پردگی کی اجازت سے ملک کو مادی ترقی حاصل ہو جائے گی شریعت . پروپیگنڈے کو ممنوع قرار دیتی ہے حیرت کا مقام ہے کہ جھوٹ سے تو ملک کو ترقی ہو اور سچائی سے ملک کو تنزل ہو ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ ان نجاست خوروں (جھوٹا پروپیگنڈا کرنے والوں) کو صدق اور سچائی کی حلاوت اور لذت کس طرح سمجھائیں بلکہ حق یہ ہے کہ شریعت نے جس چیز سے منع کیا ہے وہی چیز تنزل کا سبب ہے اور جس چیز کا حکم دیا ہے وہی ترقی کا ذریعہ ہے ۔

تتمۂ حکم سوم

قال تعالیٰ فَمَنِ اضْطُرَّ فِیْ مَخْمَصَةٍ غَیْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ

پہلی آیت میں جو میتہ وغیرہ کی حرمت کا ذکر تھا یہ آیت اُسی حکم سابق کا تتمہ ہے چنانچہ فرماتے ہیں پس جو شخص بھوک کی شدت میں مجبور اور لاچار ہو جائے وہ اگر ان حرام چیزوں میں سے بقدر سد رمق کچھ کھالے تو اس پر کوئی مؤاخذہ نہیں بشرطیکہ وہ گناہ کی طرف جھکنے والا نہ ہو یعنی پیٹ بھر کر نہ کھائے اور مقدار حاجت سے تجاوز نہ کرلے تو یقیناً اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا مہربان ہے اس نے اپنی رحمت سے مجبوری کی حالت کو حرمت سے مستثنیٰ فرما دیا.

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ۭ قُلْ اُحِلَّ

تجھ سے پوچھتے ہیں کہ ان کو کیا حلال ہے تو کہہ تم کو حلال

لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ

ہیں ستھری چیزیں اور جو سدھاؤ شکاری جانور دوڑانے

تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۡ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ

کو کہ ان کو سکھاتے ہو کچھ ایک جو اللہ نے تم کو سکھایا ہے سو کھاؤ اس میں

عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ

سے کہ رکھ چھوڑیں تمہارے واسطے اور اللہ کا نام لو اُس پر اور ڈرتے رہو اللہ

اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝۴

سے اللہ شتاب لینے والا ہے حساب

حکم پنجم۔ متعلق بہ شکار

قال تعالیٰ يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ... الیٰ ... اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝

(ربط) دین کامل کی ایک علامت یہ ہے کہ اس میں حلال وحرام کی پوری تفصیل ہو گذشتہ آیت میں حرام چیزوں کی تفصیل تھی اب قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوا کہ حلال کیا کیا چیزیں ہیں تو اب جواب ارشاد فرماتے ہیں کہ حلال کا دائرہ بہت وسیع ہے چند چیزوں کو چھوڑ کر جن میں دینی یا دنیوی روحانی یا جسمانی نقصان تھا اُن کے علاوہ دنیا کی تمام پاکیزہ چیزیں حلال ہیں اور چونکہ شکار کے متعلق بعض لوگوں نے خصوصیت سے سوال کیا تھا اس لیے کسی قدر تفصیل کے ساتھ اس کا جواب دیا گیا لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا چیز اُن کے لیے حلال کی گئی عدی بن حاتمؓ اور زید بن مہلہلؓ نے رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا کہ یا رسول اللہ ہم شکاری لوگ ہیں کتوں اور بازوں سے شکار کرتے ہیں تو ہم کو کس جانور کا شکار حلال ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی آپ اُن کے جواب میں کہہ دیجیے کہ تمہارے لیے تمام پاکیزہ اور ستھری چیزیں حلال کی گئی ہیں یعنی جن چیزوں کو اہل عرب پاکیزہ سمجھتے ہوں یعنی جن چیزوں کو طبائع سلیمہ لذیذ اور پاکیزہ سمجھتی ہوں اور نیز اصول شریعت (یعنی کتاب اور سنت اجماع اور قیاس) سے اُن کی حرمت ثابت نہ ہو مطلب یہ ہے کہ یہ سب پاکیزہ چیزیں حضرت ابراہیمؑ کے وقت میں حلال تھیں جب توریت نازل ہوئی تو یہود کی سزا میں اکثر چیزیں ممنوع ہو گئیں اور انجیل میں حلال وحرام کا بیان نہ ہوا اب قرآن میں وہی دین ابراہیمی کے مطابق سب حلال ہوئیں اور فرمایا کہ اہل کتاب کا کھانا حلال ہے یعنی اُن کا ذبیحہ حلال ہے بشرطیکہ اُن کا ذبح کیا ہوا اُس شرط کے مطابق ہو جو اوپر ذبح کی شرط ذکر کی گئی کہ ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا گیا ہو اور غیر اللہ کی تعظیم مقصود نہ ہو اور حلال کیا گیا تمہارے لیے شکار اُن جانوروں کا جن کو تم نے سدھایا ہے اور شکار پکڑنے کے طریقے اُن کو سکھائے ہیں درانحالیکہ تم اُن کو شکار کا وہ طریقہ سکھلاتے ہو جو خدا تعالیٰ نے تم کو سکھایا ہے جوارح کے معنی شکار کرنے والے جانوروں کے ہیں جس میں کتا اور باز اور شکرا وغیرہ سب آگئے پس تم کو اس شکار کے کھانے کی اجازت ہے کہ جس کو شکاری جانور تمہارے لیے روک رکھیں یعنی خود اُس سے نہ کھائیں پس جس شکار کو شکاری جانور پکڑ کر تمہارے لیے لے آئے اور خود اُس میں سے نہ کھائے تو وہ شکار تمہارے لیے حلال ہے اگرچہ وہ شکار اُن کے پکڑنے سے مر جائے اور ذبح کرنے کی نوبت نہ آئے کیونکہ تعلیم یافتہ جانور کا اس کو قتل کر دینا قائم مقام ذبح کے ہے اور اس پر اللہ کا نام لو یعنی جب تم اُس شکاری جانور کو شکار پر چھوڑو تو بسم اللہ پڑھ کر چھوڑو تاکہ اللہ کے نام کی برکت سے اُس کا قتل کیا ہوا حلال ہو جائے

حق جل شانہ نے ان آیات میں شکار کے حلال ہونے کی شرائط کی طرف اشارہ فرمایا اوّل یہ کہ وہ شکاری جانور تعلیم یافتہ یعنی سدھایا ہوا ہو کیونکہ جب اُس نے آدمی کی خو سیکھی تو گویا کہ آدمی نے ذبح کیا اس لیے سدھانا اور تعلیم دینا شرط ہوا اور جانور کے تعلیم یافتہ ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ مالک کے کہنے سے شکار پر حملہ کرے اور اُس کے منع کرنے سے رُک جائے جب یہ حالت

کم از کم تین مرتبہ تجربہ میں آجائے تو وہ تعلیم یافتہ سمجھا جائے گا دوم یہ کہ شکار کو وہ خود نہ کھائے اپنے مالک کے لیے روک لے سوم یہ کہ کتے کو شکار پر چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھی گئی ہو اور اللہ سے ڈرو یعنی ایسے شکار کو مت کھاؤ جس میں شرائط مذکورہ میں سے کوئی شرط مفقود ہو تحقیق اللہ تعالیٰ جلدی حساب لینے والا ہے جو حرام کھائے گا اس سے مؤاخذہ ہوگا ۔

اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۭ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا

آج حلال ہوئیں تم کو سب چیزیں ستھری اور کتاب والوں کا کھانا تم کو

الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۠ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۡ وَالْمُحْصَنٰتُ

حلال ہے اور تمہارا کھانا اُن کو حلال ہے اور قید والی

مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ

عورتیں مسلمان اور قید والی عورتیں پہلے کتاب والوں کی

مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ

جب دو ان کو مہر اُن کے قید میں لانے کو نہ

مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ

مستی نکالنے کو اور نہ چھپی آشنائی کرنے کو اور جو منکر ہوا

بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۡ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ

ایمان سے اس کی محنت ضائع ہوئی اور آخرت میں

مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ ع

وہ ہارنے والوں میں ہے ۔

حکم ششم متعلق بذبیحۂ اہل کتاب

قال تعالیٰ اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ .... الخ .... وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝

پ

(ربط) گذشتہ آیت میں شکار کا حکم بیان فرمایا اب اس آیت میں اہل کتاب یعنی یہود اور نصاریٰ کے ذبیحہ کا حکم بیان فرماتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کا حکم بھی بیان فرماتے ہیں کیونکہ حلت اور انتفاع دونوں میں مشترک ہے۔

اس آیت میں حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اے اہل اسلام آج تم پر اللہ کا بڑا انعام ہوا کہ تمام پاکیزہ چیزیں تمہارے لیے حلال کر دی گئیں حالانکہ یہود پر بہت سی پاکیزہ چیزیں ان کی سرکشی اور ظلم کی وجہ سے حرام کر دی گئی تھیں وہ چیزیں ہمیشہ کے لیے تم پر حلال کر دی گئیں اور کبھی ان کی حلت منسوخ نہ ہو گی اور یہ حکم اگرچہ پہلی آیت میں مذکور ہو چکا تھا لیکن بغرض تاکید اور آئندہ کی تمہید کے لیے پھر اس کو دھرایا اور حلال کیا گیا تمہارے لیے ذبیحہ اہل کتاب کا یہاں طعام سے ذبیحہ مراد ہے یعنی اہل کتاب کا ذبح کیا ہوا جانور تمہارے لیے حلال ہے طعام سے خشک چیزیں مراد نہیں اس لیے کہ اس میں اہل کتاب کی تخصیص نہیں خشک چیزیں ہر انسان کے ہاتھ کی جائز ہیں خواہ وہ کسی مذہب اور ملت کا ہو۔

اور اہل کتاب کا ذبح کیا ہوا جانور تین شرطوں کے ساتھ حلال ہے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ ذبیحہ ان چیزوں میں سے نہ ہو جو مسلمانوں پر کتاب و سنّت میں حرام کی گئیں ہیں جیسے لحم خنزیر وغیرہ دوسری شرط یہ ہے کہ ذبح کے وقت اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو غیر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اس لیے کہ اہل کتاب کا اصل عقیدہ یہ ہے کہ غیر اللہ کے نام پر ذبح جائز نہیں اس اصل اعتقاد کی وجہ سے حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو اجازت دی کہ تمہارے لیے اہل کتاب کا ذبیحہ حلال ہے بشرطیکہ وہ ذبح کے وقت اللہ کا نام لیں اور غیر اللہ کی تعظیم مقصود نہ ہو اور سوائے اہل کتاب کے کسی اور دین اور مذہب والے کا ذبیحہ حلال نہیں اگرچہ وہ ذبح کے وقت اللہ ہی کا نام لے اُس کا خدا کا نام لے کر ذبح کرنا بھی معتبر نہیں۔

حضرت علیؓ اور عبداللہ بن عمرؓ اور عائشہ صدیقہؓ اور دیگر صحابہ و تابعین کے نزدیک اہل کتاب کا وہ ذبیحہ حلال ہے جو اللہ کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو نہ وہ کہ جو مسیحؑ اور عزیرؑ کے نام سے ذبح کیا گیا ہو جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهٗ لَفِسْقٌ (تفسیر قرطبی ص۷۶ ج۶)

وقال تعالیٰ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ جو قرآن کریم میں متعدد جگہ مذکور ہے لہٰذا اہل کتاب کا وہ ذبیحہ جو حضرت مسیح اور عزیر کے نام پر ہو وہ تو مَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ میں داخل ہے اور جو کنیسہ اور صلیب کے نام پر ذبح کیا جائے وہ مَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ میں داخل ہے اہل کتاب کا وہی ذبیحہ معتبر ہے جو اُن کی اصلی اور صحیح شریعت حقہ کے مطابق ہو اور اُن کا جو ذبیحہ شریعت محرّفہ کے مطابق ہو اس کا اعتبار نہیں۔

اور امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ اور امام زفرؒ سب کا مذہب یہی ہے کہ اہل کتاب کا ذبیحہ جب حلال ہے کہ ذبح کے وقت اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو اور اگر مسیحؑ اور عزیرؑ کا نام لیا گیا ہو تو وہ حلال نہیں (احکام القرآن للجصاص صـ ۳۲۲ ج ۲۔)

اور بعض علماء نے مطلقاً ذبیحۂ اہل کتاب کو حلال قرار دیا ہے مگر صحیح اور راجح قول وہی ہے جو ہم نے ذکر کیا اور اسی میں احتیاط ہے غیر اللہ کے نام پر تو مسلمان کا ذبیحہ بھی حلال نہیں چہ جائیکہ غیر مسلم کا ذبیحہ غیر اللہ کے نام پر ہو وہ کیسے حلال ہو سکتا ہے۔

اور تیسری شرط یہ ہے کہ وہ اسلام سے مرتد ہو کر یہودی یا نصرانی نہ بنا ہو اس لیے کہ مرتد کا ذبیحہ حلال نہیں شریعت میں مرتد کے احکام جداگانہ ہیں

اور تمہارا ذبیحہ اُن کے لیے حلال ہے یعنی اگر تم اپنا ذبیحہ ان کو کھلاؤ یا اُن کے ہاتھ فروخت کرو تو تم پر کوئی گناہ نہیں اس جملہ سے پہلے جملہ کی تاکید مقصود ہے کہ جس طرح تمہارا ذبیحہ اہل کتاب کے لیے حلال ہے اسی طرح اہل کتاب کا ذبیحہ تمہارے لیے حلال ہے امام رازی قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ اس جملہ سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ اباحت ذبیحہ طرفین سے ہے مگر اباحت نکاح (جس کا آئندہ آیت میں ذکر آتا ہے) وہ صرف ایک جانب کے ساتھ مخصوص ہے یعنی مسلمان مرد کتابی عورت سے نکاح کر سکتا ہے مگر نصرانی مرد۔ مسلمان عورت سے کسی حال میں نکاح نہیں کر سکتا (تفسیر کبیر صـ ۳۶۲ ج ۳)

حکم ہفتم متعلق بہ نکاح کتابیات

پہلی آیت میں یہ فرمایا کہ اہل کتاب کا ذبیحہ حلال ہے اب اُن کی عورتوں سے نکاح کی حلت کو بیان فرماتے ہیں اور ان دونوں آیتوں سے مقصود یہ ہے کہ اہل کتاب۔ عام کافروں سے دو حکموں میں مخصوص اور ممتاز ہیں ایک یہ کہ اُن کا ذبیحہ حلال ہے بت پرست اور مجوسی کا ذبیحہ حلال نہیں اگرچہ وہ خدا کا نام لے کر ذبح کرے اور چونکہ اہل کتاب کا اصل عقیدہ توحید ہے اور وہ اللہ ہی کا نام لے کر ذبح کرتے ہیں اس لیے آیت میں یہ قید نہیں لگائی گئی ورنہ یہ قید لازمی طور پر معتبر ہے جیسا کہ بیان ہو چکا دوم یہ کہ اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح درست ہے مشرکین اور مجوس کی عورتوں سے نکاح درست نہیں ان دو حکموں میں اہل کتاب عام کفار سے مخصوص ہیں غالباً حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام کی نسبت کی رعایت سے اہل کتاب کو عام کافروں سے بعض احکام میں مخصوص اور ممتاز کر دیا گیا اور یہ خصوصیت اور امتیاز فقط دنیا میں ہے آخرت میں ہر کافر مردود اور مطرود ہے چنانچہ حق جل شانہٗ کا حلت ذبیحہ اور اباحتِ نکاح کے بعد یہ فرمانا وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ

عَمَلُهٗ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ اسی طرف اشارہ ہے کہ اہل کتاب کے ذبیحہ کے حلت اور اُن کی عورتوں سے نکاح کی اجازت سے کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ جیسا دنیا میں اہل کتاب کو مشرکین اور مجوس پر ترجیح دی گئی شاید آخرت میں بھی اُن کو ترجیح دی جائے تو حق تعالیٰ نے وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ سے بتلا دیا کہ آخرت کا معاملہ اور وہاں کا ثواب وعقاب فقط ایمان اور کفر پر دائر ہے آخرت میں سب کافر برابر ہیں (تفسیر کبیر) چنانچہ فرماتے ہیں اور حلال کی گئیں تمہارے لیے پاکدامن مسلمان عورتیں اور اسی طرح حلال کی گئیں پاکدامن عورتیں فقط اہل کتاب کی نہ مشرکین اور مجوس وغیرہ کی بشرطیکہ تم اُن کا مہر ادا کرو اس طرح سے کہ تم اُن کو ہمیشہ کے لیے قید نکاح میں لانے والے ہو میعادی نکاح درست نہیں نہ تو علانیہ طور پر مستی نکالنے والے اور شہوت رانی کرنے والے ہو اور نہ پوشیدہ طور پر آشنائی کرنے والے ہو مطلب یہ ہے کہ نکاح کی تو اجازت ہے مگر آشنائی اور یارانہ کی اجازت نہیں اے ایمان والو! ایمان کا مقتضیٰ تو یہ ہے کہ حلال وحرام کی بابت تم سے جو عہد لیے گئے اُن کو پورا کرو اور جو ایمان کے عہدوں سے مکر جائے اور خدا کے حلال وحرام کو نہ مانے تو اس کے تمام اعمال آخرت میں غارت ہوئے اور وہ آخرت میں نقصان پانے والوں میں سے ہوگا اہل کتاب کے ذبیحہ کی حلّت اور اُن کی عورتوں سے نکاح کے بعد کافروں کے حبط اعمال کا مسئلہ ذکر کرنے سے اشارہ اس طرف ہے کہ اہل کتاب اگرچہ حلت ذبیحہ اور اباحت نکاح میں من وجہٍ دنیا میں مسلمانوں کے مشابہ قرار دے دیئے گئے مگر قبول اعمال میں مسلمانوں کے مشابہ نہیں اہل کتاب کے اعمال آخرت میں حبط اور اکارت ہوں گے اور اہل ایمان کو اعمال صالحہ کا اضعافًا مضاعفہ اجر ملے گا لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح میں انتہائی احتیاط کو ملحوظ رکھیں مسلمانوں کو کتابی عورتوں سے نکاح کی اس لیے اجازت دی گئی ہے کہ تم ان کو اپنی ماتحتی میں لے کر ان پر اسلام کی ضوء فشانی کرو کہ اُن کے کفر کی ظلمت ختم ہو جائے اس لیے اجازت نہیں دی گئی کہ تم اُن سے تعلق قائم کرنے کے بعد اپنی اسلام کی شمع کو تو بجھا دو اور اُن کی طرح تم بھی کفر کی ظلمت اور تاریکی میں داخل ہو جاؤ۔

خلاصۂ کلام یہ کہ اس آیت میں اشارہ اس طرف معلوم ہوتا ہے کہ اے مسلمانو تم کو جو کتابیات سے نکاح کی اجازت دی گئی ہے وہ اس لیے دی گئی ہے کہ تم اس کو اپنی قوت ایمانی سے اسلام کی طرف کھینچ لو نہ اس لیے کہ تم ان پر مفتون ہو کر اپنی بھی متاع ایمانی کو کھو بیٹھو اور خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق بن جاؤ اسی فتنہ کے سدباب کے لیے حل ذبیحہ اور اباحت کے مضمون کو وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ پر ختم فرمایا۔

فائدۂ جلیلہ بعض علماء کا قول ہے کہ آیت وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ میں کفر بالایمان کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص نفس ایمان باللہ اور ایمان بالرسول کو ضروری نہ

سمجھے جیسے آج کل بعضے تعلیم یافتہ لوگوں کا خیال ہے کہ اللہ کے تمام احکام کو ماننا ضروری نہیں صرف وہ احکام کہ جو اُن کی عقل کے مطابق ہوں اُن کو مان لیا جائے اور جو باتیں ان کے نزدیک خلاف عقل ہوں اُن کے ماننے کی ضرورت نہیں یہ کفر ہے ۔

مسائل واحکام

۱- اہل کتاب سے وہ لوگ مراد ہیں کہ جو مذہبًا اہل کتاب ہوں نہ کہ وہ صرف قومیت کے لحاظ سے یہودی یا نصرانی ہوں خواہ عقیدۃً وہ دہریہ ہوں اس زمانہ کے نصاریٰ عمومًا برائے نام نصاریٰ ہیں ان میں بکثرت ایسے ہیں جو نہ خدا کے قائل ہیں اور نہ مذہب کے قائل اور نہ آسمانی کتاب کے قائل ایسے لوگوں پر اہل کتاب کا اطلاق نہیں ہوسکتا لہذا ان کے ذبیحہ اور ان کی عورتوں سے نکاح کا حکم اہل کتاب کا سا نہ ہوگا

۲- ان آیات میں ذبیحہ کی حلت اور نکاح کی اباحت سے صرف یہ بتلانا مقصود ہے کہ یہ چیزیں فی حد ذاتہ جائز ہیں معاذ اللہ ترغیب دینا مقصود نہیں کہ تم خواہ مخواہ مسلمان عورتوں کو اور اپنے خاندان کی لڑکیوں کو چھوڑ کر کتابیات سے نکاح کیا کرو بلکہ تنگی دفع کرنے کے لیے یہ حکم دیا گیا ہے کہ اگر کسی وقت ضرورت اور مصلحت داعی ہو تو اہل کتاب کی عورتوں سے فی حد ذاتہ نکاح جائز ہے بشرطیکہ خارجی اثرات اور حالات سے کسی مضرت اور مفسدہ کا اندیشہ نہ ہو اور خدانخواستہ یہ اندیشہ ہو کہ اُن کے جال میں پھنس کر اپنے دین اور دنیا کو تباہ کرے گا تو ان حالات میں کتابیات سے نکاح کی حلت مبدل بہ حرمت ہو جائے گی جو چیز شرعًا حلال ہو مگر اس حلال سے متنفع ہونے میں حرام کا ارتکاب کرنا پڑے تو وہ حلال بھی حرام ہو جاتا ہے بلکہ موجود زمانہ کے یہود اور نصاریٰ کے ساتھ بے ضرورت اختلاط اور اُن کے ساتھ بیٹھ کر طیبات کا کھانا بھی خالی از فتنہ نہیں مناکحت تو بڑی چیز ہے ان کے ساتھ تو محض مواکلت اور مشاربت کا یہ اثر ہے کہ انسان کفر سے مانوس اور اسلام سے بیزار اور اہل اسلام سے متنفر ہو جاتا ہے اعوذ باللہ من الکفر والفقر. آمین

۳- اسلام نے تمام مشرکین اور مشرکات کے ساتھ نکاح کو حرام قرار دیا ہے مگر اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح کو حلال قرار دیا اس لیے کہ اہل کتاب اقرب الی الاسلام ہیں اہل کتاب اصولی طور پر توحید اور رسالت اور قیامت کے قائل ہیں اہل کتاب کا اہل اسلام کے ساتھ اختلاف صرف سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کی نبوت و رسالت میں ہے پس جب مسلمان مرد ایک کتابیہ عورت سے نکاح کرے گا تو عقلی اور نقلی دلائل سے اور اسلام کی قوی حجتوں سے کتابیہ عورت کو اسلام کی طرف بسہولت کھینچ سکتا ہے بخلاف مشرک اور

مشرکہ کے کہ وہاں شرک اور بت پرستی کی وجہ سے اُن کو اسلام سے غایت درجہ بُعد اور منافرت ہے اہل شرک نہ توحید کے قائل اور نہ نبوت کے اور نہ قیامت کے اہل شرک کسی دین کے قائل نہیں اور نہ کسی خیر و شر اور نہ کسی حلال و حرام اور نہ کسی جائز و ناجائز کی تقسیم کے قائل ہیں اس لیے ایسے شدید اختلاف کے ہوتے ہوئے مشرک اور مشرکہ کے ساتھ نکاح اور زوجیت کا مقصد حاصل نہ ہوگا یعنی باہمی اتحاد اور اعتماد اور ایک دوسرے کی ہمدردی اور غمخواری میسّر نہ ہوگی بلکہ ایسی معیّت وبال جان ہو جائے گی اور عیش کو منغص اور مکدر بنا دے گی اور معاشرۂ زوجیت قائم نہیں رہ سکے گا اس لیے کہ جب زن و شوہر کے اعتقادات اور خیالات میں اختلاف شدید ہوتا ہے تو پھر اس سے اور طرح طرح کے اختلافات نکل کھڑے ہوتے ہیں اور اتحاد اور یکجہتی کی کوئی صورت نہیں رہتی جو نکاح کا مقصد ہے اور اگر باوجود اختلاف خیال و اعتقاد ظاہراً اتحاد نظر آئے تو وہ درحقیقت نفاق اور ظاہرداری ہے غرض یہ کہ کتاب و سنت نے مشرکین اور اہل کتاب میں فرق کیا ہے کہ مشرکین اور مشرکات کے ساتھ تو نکاح کو بالکلیہ ممنوع قرار دیا اور اہل کتاب کے بارہ میں یہ حکم دیا کہ مسلمان مرد کو تو کتابیہ عورت سے اس شرط کے ساتھ نکاح کی اجازت ہے کہ وہ مسلمان مرد اسلام کی قوی اور روشن حجتوں کے ذریعہ کتابیہ کو اور اس کے خاندان کے لوگوں کو اسلام کی طرف کھینچ سکے اور اگر یہ اندیشہ ہو کہ کتابیہ سے نکاح کرنے کے بعد یہی خود اس کے حسن و جمال یا مال و منال کی وجہ سے اس کے ہاتھ بک جائے گا اور اپنی متاع ایمانی کو نصرانیت پر قربان کر دے گا تو پھر کتابیہ کے ساتھ نکاح جائز نہ ہوگا قرآن اور حدیث میں مؤمنات صالحات اور دیندار عورتوں سے نکاح کرنے کی ترغیب اور فاسقات اور فاجرات اور خبیثات سے نکاح کی ممانعت آئی ہے اگرچہ وہ مسلمان ہوں اس لیے کہ بددین عورت کے ساتھ نکاح کرنے سے اس کے بھی خراب ہونے کا اندیشہ ہے تو نصرانیہ اور یہودیہ میں تو یہ اندیشہ اور بھی قوی ہو جاتا ہے اور چونکہ عورت طبعًا اور عقلاً اور فطرةً کمزور ہوتی ہے اور شوہر کے تابع ہوتی ہے اس لیے اس میں یہ طاقت نہیں کہ مرد کو اپنے تابع بنا سکے اس لیے شریعت اسلامیہ نے مسلمان عورت کو کتابی مرد کے ساتھ نکاح کرنے کو ممنوع قرار دیا اور اخیر آیت مَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ میں یہ بتلا دیا کہ گو دنیا میں اہل کتاب کے ساتھ یہ رعایت کر دی گئی کہ مسلمانوں کے لیے اُن کا ذبیحہ اور اُن کی عورت سے نکاح جائز کر دیا گیا لیکن آخرت میں اہل کتاب اور دیگر کفار کے مابین کوئی فرق نہیں آخرت میں سب کافروں کا ایک ہی حکم ہے سب کے اعمال اکارت ہیں اور نقصان اٹھانے والے ہیں۔

يَاۤ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا

اے ایمان والو جب تم اٹھو نماز کو تو دھو لو

وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا

اپنے منہ اور ہاتھ کہنیوں تک اور مل لو

بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ؕ وَاِنْ

اپنے سر کو اور پاؤں ٹخنوں تک اور اگر

كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى

تم کو جنابت ہو تو خوب طرح پاک ہو اور اگر تم بیمار ہو یا سفر

سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ

میں یا ایک شخص تم میں آیا ہے جائے ضرور سے یا لگے ہو

النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا

عورتوں سے پھر نہ پاؤ پانی تو قصد کرو زمین پاک کا

فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ؕ مَا يُرِيْدُ

اور مل لو اپنے منہ اور ہاتھ اس سے اللہ نہیں

اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ

چاہتا کہ تم پر کچھ مشکل رکھے اور لیکن

يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ

چاہتا ہے کہ تم کو پاک کرے اور اپنا احسان پورا کیا چاہے تم پر

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۶

کہ شاید تم احسان مانو

حکم ہشتم - ونہم - ودہم

فرضیّتِ وضوء - وفرضیّتِ غسل - ومشروعیّتِ تیمم

قال تعالیٰ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ ... اِلٰی ... لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ

(ربط) ابتداء سورت میں اجمالی طور پر عقود اور عہود کے ایفاء کا حکم دیا پھر اس کی تفصیل شروع فرمائی تو سب سے پہلے کھانے کی چیزوں کی اباحت اور حلت کو بیان فرمایا پھر حلال عورتوں کا ذکر کیا جن سے نکاح کی اجازت دی گئی اور چونکہ انسانی حاجتیں اور کھانے پینے کی ضرورتیں بہ نسبت نکاح کے زیادہ ہیں اس لیے اُن کو مقدم فرمایا اور نکاح کو اُن کے بعد بیان کیا ان عقود کا تعلق دنیا سے تھا اب اُن عقود اور عہود کو بیان کرتے ہیں جو دین اور عبودیت سے متعلق ہیں اور چونکہ اکل حلال اور وطی حلال خداوند ذوالجلال کی عبادت میں بہت معین ہے اس لیے اس کو مقدم فرمایا اب ان سب کے بعد عہد عبودیت کے ایفاء کا مطالبہ فرماتے ہیں اور اعلیٰ ترین عبودیت نماز ہے جس کے لیے طہارت نہایت ضروری ہے اس لیے ان آیات میں وضوء اور غسل اور تیمم کے حکم کی تفصیل فرمائی (تفسیر کبیر ص ۳۷۴ ج ۳)

فرضیّتِ وضوء

اے ایمان والو ایمان کا مقتضیٰ یہ ہے کہ ظاہری اور باطنی طہارت اور پاکیزگی کو ملحوظ رکھو اور کفر اور معصیت کی نجاست اور گندگی سے اپنے آپ کو محفوظ رکھو اکل طیبات اور نکاح محصنات کا تم کو حکم اس لیے دیا گیا کہ تم کو روحانی اور باطنی طہارت اور پاکیزگی حاصل ہو اس لیے تم کو یہ حکم دیا جاتا ہے کہ جب دربار خداوندی میں حاضری کا ارادہ کرو تو اکل طیبات اور مخالطت محصنات سے جو تمہاری باطنی طہارت اور نزاہت میں خلل آیا ہے تو اس کو وضوء یا غسل یا تیمم کی طہارت سے دور کرو کیونکہ موجبات وضوء مثلاً پیشاب اور پیخانہ اور قے اور خون ان سب کا منشاء اکل طعام ہے اور موجبات غسل کا منشاء نکاح ہے اس لیے اکل طیبات اور نکاح محصنات کے بعد وضوء اور غسل کے احکام کا بیان نہایت مناسب ہوا چنانچہ فرماتے ہیں اے مسلمانو! جب تم نماز کیلئے اُٹھو تو دھو لیا کرو اپنے مونہوں کو اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک اور مسح کر لیا کرو اپنے سروں پر اور اپنے پاؤں کو دھو لیا کرو ٹخنوں تک یعنی پیروں کو ٹخنوں تک دھونا فرض ہے سر کی طرح

کا مسح کافی نہیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جو امت کو وضوء کی تعلیم دی وہ یہی ہے کہ وضوء میں پیروں کو دھویا کریں نہ یہ کہ ان پر مسح کیا کریں اور صحابہ کرامؓ نے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وضوء کی روایت اور حکایت کی ہے سب میں غسلِ قدمین کی صراحت آئی ہے کسی ایک جگہ بھی مسح قدمین کا ذکر نہیں آیا۔

محقق ابن امیر الحاج شرح تحریر الاصول ج۱ ص۶ میں تحریر فرماتے ہیں کہ تیس صحابہ سے زیادہ نے آپؐ کے وضوء کو روایت کیا ہے اور اس پر متفق ہیں کہ آپؐ نے وضوء میں پیروں کو دھویا ہے سفر اور حضر۔ سردی اور گرمی کسی حالت میں بھی آپ نے پیروں پر مسح نہیں فرمایا بعد ازاں محقق ابن امیر الحاج نے اُن تیس سے زیادہ روایتوں کو مع تخریج روایت اور حوالۂ کتاب ذکر فرمایا اس لیے ہم اہل علم اور طلبہ کے افادہ کے لئے اصل عبارت ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں اذ قد اطبق من حکی وضوءه من الصحابة ويقربون من ثلاثين عليه اى على غسله صلے الله عليه وسلم رجليه بل يزيدون على ذلك وقد اسعف المصنف (اى ابن الهمام) بذكر اثنين وعشرين منهم فى فتح القدير عثمان رواه البخارى ومسلم وعلى رواه اصحاب السنن وعائشة رواه النسائى وغيره وابن عباس والمغيرة رواه البخارى وغيره وعبد الله بن زيد رواه الستة وابو مالك الاشعرى وابو هريرة وابو امامة والبراء بن عازب رواه احمد وابوبكر رواه البزار ووائل بن حجر رواه الترمذى ونفيل بن مالك رواه ابن حبان وانس رواه الدارقطنى وابو ايوب الانصارى وابو كاهل وعبد الله بن انيس رواه الطبرانى والمقدام بن معدى كرب وكعب بن عمرو اليامى والربيع بنت معوذ وعبد الله بن عمرو بن العاص رواه ابوداؤد وعبد الله بن ابى اوفى رواه ابويعلى وممن حكاه ايضا زيادة على هؤلاء عمر رواه عبد بن حميد وابن عمر وابى بن كعب رواه ابن ماجة ومعاوية رواه ابوداؤد ومعاذ بن جبل وابو رافع وجابر بن عبد الله وتميم بن غزية الانصارى وابو الدرداء وام سلمة رواه الطبرانى وعمار رواه الترمذى وابن ماجه وزيد بن ثابت رواه الدارقطنى فبلغت الجملة اربعة وثلاثين وباب الزيادة مفتوح للمستقرئ ثم المراد اتفاق الجم الغفير الذى يمنع العقل تواطئهم على الكذب من الصحابة على نقل غسلهما عنه صلے الله عليه وسلم ثم اتفاق الجم الغفير الذى هم بهذه المثابة من التابعين على نقل ذلك عن الصحابة وهلم جرا حتى الينا وليس معنى التواتر الا هذا وتوارثه اى ولتوارث غسلهما من الصحابة

ای لاخذنا غسلهما عمن یلینا وهم ذلك عمن یلیهم وهکذا الی الصحابة وهم اخذوه بالضرورة عن صاحب الوحی فلا یحتاج الی ان ینقل فیه نص معین (کذا فی فصل التعارض من شرح التحریر للمحقق ابن امیر الحاج ص ۶/۳ ج)

غرض یہ کہ احادیث متواترہ سے یہ امر ثابت ہے کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم وضوء میں پیروں کو دھوتے تھے اور عہد صحابہ سے لے کر اس وقت تک امت کا تعامل یہی چلا آرہا ہے کہ وضوء میں پیروں کو دھویا جائے اور عہد صحابہ سے لے کر اس وقت تک پوری امت کا مسلسل عمل خود ایک مستقل دلیل ہے جس کے بعد کسی دلیل کی حاجت نہیں رہتی نیز کتب شیعہ میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پاؤں کا دھونا منقول ہے اور یہ روایتیں صحیح ہیں اور ثابت ہیں اور بالاتفاق فریقین کے نزدیک مسلّمہ ہیں اور مسح کے بارہ میں اختلاف ہے پس احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ متفق علیہ اور مسلّمہ فریقین کو لے لیا جائے اور مختلف فیہ کو چھوڑ دیا جائے۔

تحقیق اختلاف قراءت در لفظ وارجلکم الی الکعبین

جاننا چاہیئے کہ لفظ۔ وارجلکم الی الکعبین میں دو قراءتیں ہیں ایک قراءتِ نصب ہے یعنی بفتح لام اور دوسری قراءت جرّ ہے یعنی وارجلکم بکسر اللام پہلی قراءت کی بنا پر وَاَرْجُلَکُمْ کا عطف وایدیکم پر ہوگا اور ترجمہ اس طرح ہوگا کہ اور اپنے پیروں کو ٹخنوں تک دھویا کرو اس قرأت سے وضوء میں پیروں کے دھونے کی فرضیت ثابت ہوتی ہے جو اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے دوسری قراءت یعنی بکسر اللام کی بناء پر وَاَرْجُلِکُمْ کا عطف بظاہر لفظ رؤسِکُمْ پر ہوگا اور ترجمہ اس طرح ہوگا کہ اپنے سروں پر اور اپنے پیروں پر مسح کرلیا کرو اس قراءت سے وضوء میں مسح رِجلَیْن کی فرضیت ثابت ہوتی ہے یہ شیعہ اور امامیہ فرقہ کا مذہب ہے کہ وضوء میں بجائے غَسلِ رِجلَیْن کے مَسْحِ رِجلَیْن فرض ہے اہل سنّت والجماعت یہ کہتے ہیں کہ یہ دونوں قراءتیں متواتر ہیں اور بمنزلہ دو آیتوں کے ہیں اور کلام خداوندی میں تعارض ناممکن ہے یہ امر قطعاً ناممکن ہے کہ وقت واحد میں دو مختلف اور متضاد چیزیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک مراد ہوں لہٰذا حق تعالیٰ کے نزدیک غَسلِ رِجلَیْن اور مسح رِجلَیْن میں سے ایک ہی معنی مراد ہونگے رہا یہ امر کہ حق تعالیٰ کے نزدیک کون سے معنی مراد ہیں سو اس اجمال اور اشتباہ کے دور کرنے کیلئے احادیث نبویہ اور تعامل صحابہ و تابعین کی طرف رجوع کرنا ضروری معلوم ہوا سو احادیث متواترہ صحیحہ اور صریحہ سے یہ امر ثابت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے امت کو جو وضوء کی تعلیم دی اس میں پیروں کے دھونے کا حکم دیا اور پھر یہ فرمایا هذا وضوء لا یقبل اللہ الصلوٰة الا بہ یعنی بغیر اس طرح کی وضوء کے خدا تعالیٰ کے یہاں نماز قبول نہیں نیز مدت العمر کبھی بھی آپ نے مسح رجلین نہیں فرمایا نہ سفر میں

اور نہ حضر میں بلکہ جن لوگوں کو غسل رجلین میں کوتاہی کرتے دیکھا اُن کو بآواز بلند یہ فرمایا ویل للاعقاب من النار یعنی اُن ایڑیوں کے لیے ہلاکت اور عذاب نار ہے جن کو پانی نہیں پہنچا معلوم ہوا کہ وضوء میں پیروں کا دھونا فرض ہے مسح کافی نہیں۔

اور عمرو بن عبسہ کی ایک طویل حدیث میں ہے کہ حضور پُر نورؐ نے وضوء کی تلقین کرتے ہوئے یہ فرمایا۔

ثم یغسل قدمیہ کما امرہ اللہ رواہ ابن خزیمۃ فتح الباری ص۲۳۲ ج ۱۔ باب غسل الرجلین	پھر قدمین کو دھوئے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے دھونے کا قرآن میں حکم دیا ہے۔

اور امام بیہقیؒ کی سنن کبریٰ ص۷۳ ج ۱ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ انہوں نے یہ حکم دیا

اغسلوا القدمین الی الکعبین کما امرتم	اپنے قدموں کو ٹخنوں تک دھوؤ جیسا کہ تم کو قرآن میں اس کا حکم دیا گیا ہے۔

معلوم ہوا کہ قرآن نے جو حکم دیا ہے وہ غَسلِ رجلین کا حکم دیا ہے نہ کہ مسح قدمین کا۔

اور عبدالرحمٰن بن ابی لیلی سے منقول ہے کہ وہ یہ فرماتے تھے کہ غسل قدمین پر تمام صحابہ کا اجماع ہے (فتح الباری ص۲۳۲ ج ۱۔ باب غسل الرجلین)

پس نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے قول اور فعل دونوں سے یہ امر بخوبی واضح ہو گیا کہ آیت میں خدا تعالیٰ کے نزدیک غَسلِ رجلین مامور بہ ہے جیسا کہ قراءت نصب اس پر دلالت کرتی ہے اور حق تعالیٰ کے نزدیک یہی معنی متعین اور مراد ہیں جس میں کوئی دوسرا احتمال نہیں لہٰذا ایسی صورت میں قراءت جر کی ایسی تفسیر کرنی لازم ہو گئی جو قراءت نصب کے ہم معنی ہو جائے اس لیے حضرات مفسرین نے مختلف تفسیریں کی ہیں جن سے قراءتِ جر کا قراءت نصب کے ہم معنی ہونا واضح ہو جائے اور دونوں قراءتوں کے تعارض رفع کرنے کے لیے مختلف جوابات دیئے ہیں جن کو ہم ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں غور سے پڑھیں

جواب اول

بلاشبہ قراءتِ جر کی صورت میں بظاہر پیروں کا مسح کرنا ثابت ہوتا ہے لیکن آیت میں پیروں کے مسح سے غَسلِ خفیف مراد ہے اس لیے کہ لفظ مسح کا اطلاق لغت میں غَسل خفیف پر بھی آتا ہے جیسا کہ امام قرطبی نے ابو زید انصاری سے نقل کیا ہے کہ اہل عرب کو جب یہ کہنا ہوتا ہے کہ میں نے نماز کے لیے وضوء کیا تو ایسے موقع پر تَمَسَّحْتُ للصّلاۃِ بولتے ہیں یعنی میں نے نماز کے لیے وضوء کی نیز جب یہ کہنا ہوتا ہے کہ وضوء کے لیے پانی لاؤ تو اس طرح بولتے ہیں ھات ما اتمسح بہ للصلوٰۃ

یعنی وہ چیز لاؤ جس سے نماز کے لیے وضوء کروں ابو حاتم کہتے ہیں کہ وضوء کو مسح کے لفظ سے تعبیر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وضوء کرنے والا محض پانی بہا لینے سے خوش نہیں ہوتا جب تک اپنے اعضاء کو پونچھ نہ لے

غرض یہ کہ ان محاورات سے یہ ثابت ہوگیا کہ مسح کا اطلاق غسل خفیف پر بھی آتا ہے پس اب ہم کہتے ہیں کہ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ میں سر کے مسح سے سر پر محض تر ہاتھ کا پھیر لینا مراد ہے اور مسح رجلین سے غسل خفیف مراد ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے پیروں کے مسح میں الی الکعبین کی قید لگائی ہے اگر سر اور پیروں کا مسح ایک ہی قسم کا ہوتا تو یہ تحدید نہ لگائی جاتی جس طرح سر کو بلا تعیین مقدار بیان کیا گیا اسی طرح پیروں کی بھی کوئی حد اور مقدار نہ بیان کی جاتی ہاتھوں اور پیروں کی حد مقرر کرنے سے اور سر کی حد نہ مقرر کرنے سے صاف عیاں ہے کہ ہاتھوں اور پیروں کا حکم تو ایک ہے اور سر کا حکم ان سے مختلف ہے (تفسیر قرطبی ص۹۲ ج ۶)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ منہاج السنۃ میں فرماتے ہیں کہ لغت عرب میں لفظ مسح بمنزلہ جنس عام کے ہے جس کے تحت دو نوعیں یعنی دو قسمیں مندرج ہیں ایک اِسالہ یعنی پانی بہانا اور دوسرے غیر اِسالہ یعنی بغیر پانی بہائے تر ہاتھ پھیر لینا اصل لغت کے اعتبار سے لفظ مسح عرفی مسح اور غسل دونوں کو شامل ہے جیسے لفظ ذوی الارحام بمعنی ذوی القرابات لغت کے لحاظ سے ذوی الفروض اور عصبات وغیرہ سب کو شامل ہے مگر چونکہ عرف میں ذوی الفروض اور عصبات خاص قسم کے وارثوں کا نام ہوگیا اس لیے لوگ یہ خیال کرنے لگے کہ ذوی الارحام ذوی الفروض اور عصبات کا قسیم اور مقابل ہے ورنہ اصل لغت کے لحاظ سے ذوی الفروض اور عصبات دونوں ذوی الارحام کی ایک قسم ہیں عرف میں چونکہ اقارب عصبات ایک خاص نام سے پکارے جانے لگے اس لیے لوگ یہ سمجھنے لگے کہ لفظ ذوی الارحام عصبات کا قسیم اور مقابل ہے یہ ایسا ہے جیسا کہ لفظ حیوان اصل لغت کے لحاظ سے انسان کو بھی شامل ہے مگر عرف میں غیر انسان کے لیے بولا جاتا ہے اسی طرح لفظ مسح کو سمجھو کہ وہ اصل لغت کے اعتبار سے عرفی مسح اور غَسل (دھونے) دونوں کو شامل ہے حق تعالیٰ نے اس آیت میں وامسحوا کے تحت دو چیزوں کو ذکر کیا ایک رؤسکم یعنی سر کو جس میں مسح سے عرفی معنی مراد ہیں اور دوسرا وَاَرْجُلَکُمْ اس میں مسح سے غَسل اور اسالہ یعنی دھونے اور پانی بہانے کے معنی مراد ہیں شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے کلام کا خلاصہ ختم ہوا دیکھو منہاج السنۃ ص۱۵۱ ج ۲ -

یہ بندۂ ناچیز کہتا ہے کہ کلام عرب میں بسا اوقات ایک ذو معنیین لفظ بولا جاتا ہے اور اس کے تحت بطریق عطف مختلف متعلقات اور معمولات کو ذکر کیا جاتا ہے لیکن معطوف علیہ

ہیں اُس لفظ سے ایک معنی مراد ہوتے ہیں اور اسی لفظ سے معطوف میں اس لفظ کے دوسرے معنی مراد ہوتے جیسے حق تعالیٰ کا یہ قول اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ اس میں یصلون کی ضمیر اللہ تعالیٰ اور ملائکہ کی طرف راجع کی گئی ہے اور دونوں جگہ صلاۃ سے مختلف معنی مراد ہیں اللہ کی صلاۃ کے معنی نبی کریم پر رحمت خاص نازل کرنے کے ہیں اور فرشتوں کی صلوٰۃ کے معنی دعا کے ہیں اسی طرح وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ میں سمجھو کہ مسح رؤس سے تر ہاتھ پھیرنا مراد ہے اور مسح اَرْجُل سے اِسَالَہٗ پانی بہانا اور غسل خفیف مراد ہے اور اصل لغت کے اعتبار سے لفظ مسح ایک معنی کلّی کے لیے وضع ہوا ہے یعنی الافضاء الی المحل یعنی پانی کا کسی جگہ تک پہونچا دینا اور اس معنی کلّی کے دو فرد ہیں ایک مسح عرفی اور ایک غسل اور الافضاء بالماء الی المحل اور اصابۃ الماء یہ معنی کلی دونوں فردوں کو شامل ہیں مگر برؤسکم میں معنی کلی کا ایک فرد مراد ہے یعنی عرفی اور وارجلکم میں دوسرا فرد مراد ہے خوب سمجھ لو

جواب دوم

قراءت جر میں اگرچہ لفظِ وارجلکم کا عطف لفظ رُؤُسِكُمْ پر ہے لیکن معنیً اس کا عطف وجوہکم وایدیکم پر ہے اور اَرْجُلُ اعضاء مغسولہ کے ساتھ وجوب غسل میں مشریک ہے اور قراءت جرّ میں جرّ یعنی لام کا کسرہ جوار کی وجہ سے ہے یعنی برؤسکم کے قُرب اور مجاورت کی وجہ سے وارجلکم کو مجرور پڑھا گیا ورنہ فی الحقیقت اس کا عطف وجوہکم اور ایدیکم پر ہے اور چہرہ اور ہاتھوں کی طرح پیروں کا دھونا بھی فرض ہے۔

اور قرآن عزیز اور کلام عرب میں جرّ جوار بکثرت آیا ہے۔

۱- کما قال تعالیٰ يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ وَّنُحَاسٌ بالجرّ نحاسٍ کا جر نارٍ کے جوار کی وجہ سے ہے ورنہ نحاسٍ فی الحقیقت شواظ پر معطوف ہے اور معنیً مرفوع ہے۔

۲- وقال تعالیٰ بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ قراءت جر میں لفظاً مجرور ہے مگر معنیً مرفوع ہے اس لیے کہ قرآنٌ کی صفت ہے جرّ محض مجاورت کی وجہ سے ہے

۳- وقال تعالیٰ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ۔ محیط کا جرّ محض یوم کی مجاورت اور مقارنت کی وجہ سے ہے ورنہ محیط فی الحقیقت صفت عذاب کی ہے۔

۴- وقال تعالیٰ عَذَابُ يَوْمٍ اَلِيْمٍ بجر الیم کہ اَلیم اصل میں صفت عذاب کی ہے مگر یومٍ کے جوار کے وجہ سے مجرور ہوا۔

(۵) اور امرئ القیس کا قول ہے۔

كأنّ ابانا فی افانين ودقه ۞ كبير اناس فی بجاد مزمل

اس شعر میں مزمل کا جرّ محض جوار کی وجہ سے ہے ورنہ مزمل دراصل رجل کی صفت ہے اور معنی مرفوع ہے اگرچہ لفظاً مجرور ہے۔

۶ - اور عرب میں یہ مثل مشہور ہے جُحْرُ ضب خربٍ ۔ خربٍ کا جر محض ضب کے جوار اور قرب کی بناء پر ہے ورنہ خربٌ دراصل جُحْرُ کی صفت ہے

خلاصۂ کلام یہ کہ جرّ جوار محاورۂ عرب میں شائع اور ذائع ہے اور تمام ایمۂ عربیت اور ماہرین نحو کلامِ فصیح میں اس کے استعمال کے قائل ہیں سوائے زجاج کے جر جوار کا کوئی منکر نہیں (روح المعانی ص۶۶ج۶) اور شواہد مذکورہ کے ہوتے ہوئے کسی کا انکار قابل اعتبار نہیں خوب سمجھ لو

جواب سوم ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ظاہر میں وارجلکم کا عطف رؤس پر ہے لیکن بااین ہمہ حکم دونوں کا مختلف ہے اس لیے کہ کلام عرب میں بکثرت ایسا ہوتا ہے کہ ایک شئ کا دوسری شئ پر عطف، ہوتا ہے مگر حکم میں دونوں مختلف ہوتے ہیں اور یہ صورت وہاں ہوتی ہے کہ جہاں دو فعل متقارب فی المعنی جمع ہوجائیں اور ہر ایک کا متعلق اور معمول علیحدہ ہو تو ایسے موقعہ پر بغرض ایجاز واختصار ایسا کرتے ہیں کہ ایک فعل کو تو حذف کر دیتے ہیں مگر اُس کے معمول اور مفعول کا فعل مذکور کے معمول پر عطف کر دیتے ہیں بظاہر معطوف، معطوف علیہ کے ساتھ حکم میں شریک ہوتا ہے لیکن معنیً مختلف ہوتا ہے ایک شاعر کہتا ہے ۔

یَا لَیْتَ بَعْلَکِ قَدْ غَدَا ۞ متقلدًا سیفا ورُمحًا

اے کاش تیرا شوہر صبح کے وقت ایسے حال میں روانہ ہوتا کہ گلے میں تلوار اور نیزہ کا قلادہ ڈالے ہوتے ہوتا ۔

اس شعر میں وَرُمحًا کا عطف بظاہر سیفًا پر ہے جو متقلدًا کا مفعول ہے لیکن حقیقت میں۔ رُمحًا متقلدا کا مفعول نہیں اس لیے کہ نیزہ گلے میں ڈالنے کی چیز نہیں بلکہ تقدیر کلام اس طرح ہے

متقلدا سیفا وحاملا رمحا یعنی تلوار گلے میں ڈالے ہوتے اور نیزہ ہاتھ میں اٹھائے ہوتے مگر چونکہ حاملا اور متقلدا دونوں متقارب المعنی تھے اسلیئے بغرض ایجاز حاملاً کو حذف کر دیا گیا اور حاملاً کے مفعول یعنی رُمحًا کا عطف متقلدا کے مفعول یعنی سیفا پر کر دیا گیا کہ اہل سخن قرینۂ مقام اور سیاق کلام سے مراد کو سمجھ جائیں گے ایک دوسرا شاعر کہتا ہے ۔

لَمَّا حَطَطْتُ الرَّحْلَ عَنْهَا وَارِدًا علفتها تبنًا وَمَاءً بَارِدًا

جب میں نے اونٹنی کا کجاوا اتارا تو اس اونٹنی کو بھُس کھلایا اور ٹھنڈا پانی

اس شعر میں بظاہر اگرچہ وماءً باردًا کا عطف تبنًا پر ہو رہا ہے لیکن علفت کے حکم میں اسکے ساتھ شریک نہیں اسلیئے کہ ٹھنڈا پانی بھُس کے حکم میں نہیں، پانی پلایا جاتا ہے بھُس کی طرح کھلایا نہیں جاتا بلکہ تقدیر کلام اس طرح سے ہے علفتها تبنا وسقيتها ماء باردًا۔ میں نے اس اونٹنی کو بھُس کھلایا اور ٹھنڈا پانی پلایا لیکن چونکہ سقیت اور علفت دونوں متقارب فی المعنی تھے اسلیئے سقیت کو حذف کر کے اُس کے مفعول (ماء باردا) کا عطف علفت کے مفعول تبنًا پر کر دیا گیا کہ اہل فہم قرینۂ مقام سے مراد سمجھ لیں گے پس ماء باردًا اگرچہ لفظًا تبنًا پر معطوف ہونیکی وجہ سے بظاہر شریک حکم ہے مگر معنیً اُس سے مختلف اور جدا ہے ۔

ایک اور شاعر کہتا ہے ؎ فعلا فروع الایھقان و اطفلت :: بالجلھتین ظباء ہا و نعامہا
اس شعر میں و نعامہا کا ظباء ہا پر عطف کیا گیا ہے اور بظاہر دونوں واطفلت کے حکم میں شریک ہیں لیکن معنیً مختلف ہیں اس لیے کہ شتر مرغ بچے نہیں دیتا بلکہ بیضے دیتا ہے اور تقدیر کلام اس طرح ہے واطفلت ظباء ہا و باضت نعامہا۔

اسی طرح آیت میں تقدیر کلام یوں ہے کہ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاغْسِلُوْا اَرْجُلَكُمْ غَسْلًا خَفِيْفًا۔ یعنی اپنے سروں پر مسح کرو اور اپنے پیروں کو نرمی اور اعتدال کے ساتھ دھوؤ پیروں پر پانی بہانے میں مبالغہ اور اسراف نہ کرو چونکہ غسل خفیف اور مسح دونوں متقارب المعنی تھے اس لیے واغسلوا غسلاً خفیفاً کو حذف کر کے اس کے مفعول یعنی ارجلکم کا عطف برؤسکم پر کر دیا گیا یہ تیسرا جواب تمام تر امام قرطبیؒ کی تشریح ہے (تفسیر قرطبی ص ۹۵ ج ۶، روح المعانی ص ۶۹ ج ۶)

جوابِ چہارم امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ دونوں قراءتوں میں کوئی تعارض نہیں ہر قراءت میں ایک جداگانہ حالت کا حکم بیان کیا گیا ہے قراءت جرّ جس سے مسح قدمین معلوم ہوتا ہے یہ حکم اس حالت میں ہے کہ جب قدمین پر خفین ہوں یعنی جس حالت میں موزے پہنے ہوئے ہوں تو مسح رجلین کرے اور اگر پیروں میں موزے نہ ہوں تو ایسی حالت میں غسل قدمین فرض ہے مطلب یہ ہے کہ یہ دو قراءتیں دو مختلف حالتوں پر محمول ہیں اس لیے کہ عقلاً یہ ناممکن ہے کہ وقت واحد اور حالت واحدہ میں عضو واحد کا غسل بھی فرض ہو اور مسح بھی فرض ہو معلوم ہوا کہ ان دو قراءتوں میں دو مختلف حالتوں کا حکم بیان کیا گیا ہے (فتح الباری ص ۲۳۲ ج ۱)

بحر العلوم[1] - شرح مسلم الثبوت میں لکھتے ہیں کہ فخر الاسلام بزدوی نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے اور یہ توجیہ نہایت لطیف ہے اور فرماتے ہیں کہ قراءت جر میں الی الکعبین کا لفظ مسح کی غایت نہیں اس لیے کہ مسح تو ظاہر خفین پر کافی ہے کعبین تک مسح کرنا بالاجماع ضروری نہیں بلکہ یہ تخفّف کی غایت ہے کہ جو سیاق کلام سے مفہوم ہوتا ہے اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ پیروں پر مسح کر لیا کرو درانحالیکہ تم ٹخنوں تک موزے پہنے ہوئے ہو اور اگر موزہ ٹخنوں سے نیچے ہو تو پھر موزوں پر مسح درست نہ ہوگا۔ (فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت ص ۱۹۶ ج ۲۔ طبع مصر)

---

[1] وما قیل انہ یلزم علی ماذکران یکون مسح الخف مُغَیًّا الی الکعب مع انہ لاغایة لہ فساقط لان الغایة حینئذٍ لاتکون غایة للمسح بل للتخفیف المفہوم من الآیة والمعنی واللہ اعلم وامسحوا بارجلکم حال کونکم متخففین ساترین الی الکعبین اشارة الی انہ لامسح اذا کان مکشوفا شیئ من الرجل الی الکعب فافہم فان ھذا الوجہ فی غایة الحسن واللطافة (فواتح الرحموت ص ۱۹۶ ج ۲)

جواب پنجم امام طحاوی اور ابن حزم کہتے ہیں کہ ابتداء میں مسح قدمین جائز تھا بعد میں یہ حکم منسوخ ہوگیا اور غسل قدمَینْ فرض ہوگیا (فتح الباری ص۲۳۲ ج ۱)

قراءت جاننا چاہیئے کہ وارجلکم میں ایک تیسری قراءت رفع کی بھی آئی ہے یعنی وارجلکم برفع اللام پڑھا گیا ہے یہ قراءت بظاہر کسی فریق کے لیے دلیل نہیں بن سکتی اس لیے کہ اس قراءت میں وارجُلکُم کی خبر محذوف ہوگی کوئی تقدیر کلام اس طرح بتلائے گا وارجلکم مغسولۃ اور کوئی تقدیر کلام اس طرح بتائے گا وارجلکم ممسوحۃ لیکن اس قراءت میں بظاہر خبر کو اس لیے حذف کر دیا گیا کہ ارجُلْ کا حکم شریعت میں معلوم اور معروف ہے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اور تمام صحابہ کا عمل یہی رہا کہ پیروں کو دھوتے تھے (روح المعانی ص۷ ج۶)

ایک شبہ دارقطنی وغیرہ کی بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے وضوء میں مسح رجلین فرمایا۔

جواب یہ ہے کہ مسح رجلین کی روایت قطعًا شاذ اور منکر ہے قطعًا صحیح نہیں اور احادیث متواترہ کے صریح مخالف ہے نیز حضرت علی کرّم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علی نے سب کے سامنے وضوء کی اور سر اور پیروں کا مسح کیا اور پھر یہ فرمایا۔

ان ناسا یزعمون ان هذا یکره وانی رأیت رسول الله صلے الله علیه وسلم مثل ما صنعت هذا وضوء من لم یحدث-احکام القرآن للجصاص ص۳۴۶ ج۲ سنن کبری للامام البیهقی ص۷۵ ج۱)	تحقیق کچھ لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ اس طرح وضوء درست نہیں تحقیق میں نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو اس طرح وضوء کرتے دیکھا ہے لیکن یہ وضوء اس شخص کا ہے کہ جو پہلے سے مُحْدِث (بے وضوء) نہ ہو یعنی جو وضوء ازالہ حَدَث کے لیے نہ ہو بلکہ تبرک کے لیے وضوء علے الوضوء ہو یا تبرید کے لیے وضوء کیا جائے تو پھر بجائے غسل رجلین کے مسح رجلین کافی ہو سکتا ہے

❊ ❊ ❊
❊ ❊ ❊

فرضیّت غسل

وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا

اوپر فرضیت وضوء کا بیان تھا اب فرضیّت غسل کو بیان کرتے ہیں اور اگر تم جنابت یعنی ناپاکی

کی حالت میں ہو تو سارے بدن کو خوب اچھی طرح سے دھوؤ یعنی اسی طرح غسل کرو کہ جہاں جہاں تک پانی پہنچانا ممکن ہو وہاں پانی پہنچاؤ اسی وجہ سے امام اعظم فرماتے ہیں کہ غسل میں مضمضہ اور استنشاق یعنی کلی کرنا اور ناک میں پانی دینا فرض ہے اور وضوء میں سنت ہے اس لیے کہ وضوء میں فقط غَسلِ وَجہ کا حکم دیا گیا ہے اور غسل میں فاطہروا مبالغہ کا صیغہ لایا گیا ہے معلوم ہوا کہ وضوء میں صرف ظاہری چہرہ کا دھو لینا کافی ہے کیونکہ وجہ مواجہت سے ماخوذ ہے بخلاف غُسل کے کہ وہاں سارے بدن کا دھونا فرض ہے کیونکہ فاطہروا مبالغہ کا صیغہ ہے یعنی جسم کے دھونے میں اتنا مبالغہ کرو کہ ایک بال بھی باقی نہ رہے اور جنابت کے معنی ناپاکی کے ہیں جس کی دو صورتیں ایک یہ کہ منی خارج ہو جائے خواہ بیداری میں یا سوتے میں اور دوم مرد و عورت کی مباشرت اور مجامعت خواہ اس میں انزال ہو یا نہ ہو ان دونوں صورتوں میں آدمی شرعاً ناپاک ہو جاتا ہے اور اس پر غسل واجب ہو جاتا ہے

نکتہ جنابت کی حالت میں چونکہ آدمی سر سے لے کر پیر تک غرق لذت اور محو غفلت ہو جاتا ہے اس لیے ازالۂ جنابت کے لیے تمام بدن کا دھونا فرض ہوا بخلاف وضوء کے اس میں صرف اعضاء اربعہ کی طہارت کا حکم ہوا کیونکہ پیشاب اور پیخانہ میں جنابت جیسی لذت اور غفلت نہیں۔

مشروعیتِ تیمم

وضوء اور غسل کی فرضیت کے بعد اب تیمم کا حکم بیان فرماتے ہیں جو وضوء اور غسل کا قائم مقام ہے اور اگر تم بیمار ہو اور پانی کا استعمال تمہارے لیے مضر ہو یا تم سفر میں ہو اور پانی تم کو میسر نہ آئے اور اس بیماری اور مسافری میں تم کو وضوء یا غسل کی ضرورت ہو یا تم میں سے کوئی جائے ضرور پیشاب یا پیخانہ سے فارغ ہو کر آئے اور اس لیے اس کو وضو کی ضرورت ہو یا تم نے عورتوں سے صحبت کی ہو اور اس لیے تم کو نہانے کی ضرورت ہو پھر تم اس ضرورت کے پورا کرنے کے لیے پانی نہ پاؤ تو تم تمام حالتوں میں پاک زمین کا قصد کرو اس طرح کہ اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارو پھر اپنے چہروں اور ہاتھوں پر اس سے مسح کر لو یہ تیمم ہے جس کو حق تعالیٰ نے اپنی رحمت سے پانی نہ ملنے کی صورت میں وضوء اور غسل کا قائم مقام بنا دیا غور تو کرو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے کیسی آسانی کر دی اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ تم پر کچھ تنگی کرے اگر ہر حال میں تم کو وضوء اور غسل کا حکم ہوتا تو تم تنگی میں پڑ جاتے ولیکن یہ چاہتا ہے کہ تم کو خوب پاک کر دے کہ اگر پانی نہ ملے تو پاک مٹی کے ذریعہ طہارت حاصل کر لو اور تاکہ تم پر اپنی نعمت پوری کرے کہ سفر اور حضر تندرستی اور بیماری کسی حالت میں عبادت سے کوئی رکاوٹ

باقی نہ رہے تیمم کا حکم نازل کرکے اللہ تعالیٰ نے تم پر نعمت پوری کردی پچھلی امتوں میں تیمم کا حکم نہ تھا تاکہ تم ہمارے ان انعامات کا شکر کرو کہ ہم نے تمہاری ظاہری اور باطنی طہارت کے لیے وضوء اور غسل اور تیمم کا حکم دیا اسی وجہ سے حضرت بلالؓ وضوء کے بعد دو رکعت وضوء کے شکر میں پڑھتے تھے ایسی نماز کو تحیۃ الوضوء کہتے ہیں لہٰذا عجب نہیں کہ حکم وضوء کے اخیر میں لفظ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ سے تحیۃ الوضوء کی طرف اشارہ ہو واللہ اعلم

نکتہ آیت تیمم کی تفسیر سورۃ نساء میں مفصل گذر چکی ہے یہاں اس کا اعادہ اس غرض سے کیا گیا تاکہ طہارت کے مسائل علی الاتصال بیان میں آجائیں

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ

اور یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر اور عہد اس کا جو تم سے

وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ

ٹھہرایا جب تم نے کہا کہ ہم نے سنا اور مانا اور ڈرتے رہو

اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ⑦

اللہ سے اللہ جانتا ہے جیوں کی بات

تذکیر انعام وعہد خداوند انام

قَالَ تَعَالٰی وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ... الیٰ ... اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ

(ربط) گزشتہ آیات میں حق تعالیٰ نے اپنے احکام بیان کیے اب اس آیت میں اپنی نعمتوں اور عہدوں کو یاد دلاتے ہیں کہ اپنے عہدوں کو پورا کرو اور اپنے منعم اور محسن کی ناسپاسی سے بچو اور ازل میں جو حق تعالیٰ کی اطاعت کا عہد کر چکے ہو اور جس امانت کا بوجھ تم اٹھا چکے ہو اب اس کے ایفاء اور اداء کا وقت آگیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور یاد کرو اللہ کے احسان اور انعام کو جو تم پر ہوا اور یاد کرو خدا کے اس عہد اور پیمان کو جو اس نے تم سے پختہ کیا ہے جب کہ تم نے اس عہد کو قبول کیا اور یہ کہا کہ ہم نے حکم خداوندی کو سنا اور دل و جان سے اس کو مانا اور احسان کا مقتضیٰ بھی شکر گزاری ہے اور عہد اور میثاق کا مقتضیٰ بھی وفاداری ہے

پس تم کو چاہیے کہ اس کی شکر گذاری اور فرمانبرداری ہیں کوئی کسر نہ اٹھا رکھو اور خدا تعالیٰ سے ڈرتے رہو کہ وہ اپنی نعمتوں کو سلب بھی کر سکتا ہے اور ناشکری اور بدعہدی کی سزا میں بہت سخت پکڑ سکتا ہے تحقیق اللہ تعالیٰ سینوں کی پوشیدہ باتوں کو خوب جاننے والا ہے اخلاص اور نفاق اس پر مخفی نہیں

فائدہ آیت میں عہد سے یا تو عہد الست مراد ہے یا عہد امانت مراد ہے جس کا ذکر اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ میں ہے یا عہد بیعت مراد ہے کہ جب صحابہ نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے دست مبارک پر بیعت کی اور اس بات کا اقرار کیا کہ ہم اپنی استطاعت کے موافق ہر حال میں آپ کی اطاعت کریں گے خواہ ہماری طبیعت کے موافق ہو یا مخالف (تفسیر قرطبی صفحہ ۱۰۶ ج ۶) (تفسیر کبیر صفحہ ۳۹ ج ۳)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَاۗءَ

اے ایمان والو! کھڑے ہو جایا کرو اللہ کے واسطے

بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓي اَلَّا

گواہی دینے کو انصاف کی اور ایک قوم کی دشمنی کے باعث عدل نہ چھوڑو

تَعْدِلُوْا ۭ اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ

عدل کرو یہی بات لگتی ہے تقویٰ سے اور ڈرتے رہو اللہ سے

اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۸ وَعَدَ اللّٰهُ

اللہ کو خبر ہے جو کرتے ہو وعدہ دیا اللہ

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ

نے ایمان والوں کو جو نیک عمل کرتے ہیں کہ ان کو بخشنا ہے

وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝۹ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ

اور بڑا ثواب ہے اور جو لوگ منکر ہوئے اور جھٹلائیں ہماری آیتیں

وہ ہیں دوزخ والے

حکم یازدہم ۔ وجوب عدل و انصاف و ادا ر شہادت حق

قَالَ تَعَالٰی يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ .... الیٰ ... اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ٥

(ربط) گذشتہ آیات میں عبادات اور ان احکام کا ذکر تھا جو مکلّف کی ذات کے ساتھ مخصوص تھے اب ان آیات میں عدل وانصاف اور شہادتِ حق کا حکم بیان کرتے ہیں جو دوسروں سے متعلق ہے نظام عالم کا دارو مدار عدل وانصاف اور سچی شہادت پر ہے اس لیے کہ عدل اور انصاف اور سچی شہادت سے تمام مظالم اور مفاسد کا دروازہ بند ہو جاتا ہے چنانچہ فرماتے ہیں اے ایمان والو! تمہارے ایمان کا مقتضیٰ استقامت علی الحق ہے لہٰذا ہو جاؤ تم کھڑے ہونے والے اللہ کے لیے یعنی حقوق اللہ کی ادائیگی کے لیے مستعد اور تیار کھڑے رہو اور جب حقوق العباد کے ادا کرنے کا وقت آئے تو انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے ہو جاؤ خواہ دوست ہو یا دشمن اور کسی گروہ کی دشمنی تم کو ترک عدل پر آمادہ نہ کرے دوست اور دشمن کے ساتھ برابر انصاف کیا کرو یہی طریقہ تقویٰ اور پرہیزگاری کے نہایت قریب ہے تقویٰ اور پرہیزگاری کا تقاضا یہ ہے کہ دوست اور دشمن سب کے ساتھ یکساں عدل اور انصاف کرو نہ کسی کی رعایت کرو نہ کسی کی حق تلفی اور اللہ کی نافرمانی سے ڈرتے رہو بیشک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے خبردار ہے تمہارا انصاف اور بے انصافی اس پر مخفی نہیں اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں سے کہ جو ایمان لائے اور نیک کام کیے اُن سے یہ وعدہ کیا ہے کہ اُن کے لیے مغفرت ہے اور بڑا ثواب ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہی دوزخی ہیں خدا کے ساتھ کفر اور شرک اور اسکی آیتوں کی تکذیب ایسا ظلم عظیم ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی ظلم اور بے انصافی نہیں اس لیے کافروں کو ہمیشہ کے لیے دوزخ میں رکھنا یہ اللہ کا عدل اور انصاف ہے اور اسکی حکمت ہے ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ

اے ایمان والو یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر جب

هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ

قصد کیا لوگوں نے کہ تم پر ہاتھ چلاویں پھر روک لیے تم سے اُن

عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ⑪

کے ہاتھ اور ڈرتے رہو اللہ سے اور اللہ پر چاہیے بھروسہ ایمان والوں کو

تذکیر بعض انعاماتِ خاصۂ دنیویہ

قال تعالیٰ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْکُمْ... الیٰ... فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ہ

(ربط) گذشتہ آیات میں حق تعالیٰ نے اپنے عام احسانات کو یاد دلایا اب اس آیت میں ایک خاص دنیوی انعام کو یاد دلاتے ہیں تاکہ نعمت کو یاد کرکے دل میں منعم کی محبت اور اطاعت کا داعیہ پیدا ہو حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ غزوۂ ذات الرقاع میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ایک منزل میں اترے اور لوگ متفرق ہوگئے اور درختوں کے سایوں میں جاکر آرام کرنے لگے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی تلوار ایک درخت میں لٹکا دی اور لیٹ گئے اتنے میں ایک اعرابی آیا اور تلوار اتار کر میان سے اس کو کھینچا اور آپ کی طرف متوجہ ہو کر یہ کہنے لگا من یمنعک منی اب آپ کو مجھ سے کون بچائے گا آپ نے فرمایا اللہ عزوجل دو تین بار اُس نے یہی کہا اور آپ نے یہی جواب دیا اتنے میں جبریل امینؑ اترے اور اس کافر کے سینہ پر ایک مُکا مارا جس سے وہ تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی آنحضرتؐ نے وہ تلوار اٹھالی اور اس سے پوچھا کہ تو بتا کہ اب تجھے کون بچائے گا اُس نے کہا کوئی نہیں آپ نے کہا جا اپنا راستہ لے اس طرح اُس کو چھوڑ دیا اور اُسے کوئی سزا نہیں دی اس حال کو دیکھ کر وہ اعرابی مسلمان ہوگیا اور اس کی وجہ سے اور لوگوں کو بھی ہدایت ہوئی آپ نے صحابہ کو بلا کر یہ سارا ماجرا بتلایا اس پر یہ آیت نازل ہوئی (تفسیر ابن کثیر ص ۳۱ ج ۲ وتفسیر قرطبی)

اس کے علاوہ اور بھی اس قسم کے متعدد واقعات پیش آئے کہ کفار نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو صدمہ پہنچانے کی کوشش کی مگر اللہ تعالےٰ نے دشمنوں سے حفاظت فرمائی چنانچہ فرماتے ہیں اے ایمان والو! ایمان کا مقتضیٰ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے انعامات سے غافل نہ ہو خاص کر اس انعام کو یاد کرو کہ کافروں کی ایک جماعت نے یہ قصد کیا کہ تم پر دست درازی کریں اور غفلت کی حالت میں تم کو مار ڈالیں یا لوٹ لیں پس اللہ تعالیٰ نے

عیب سے تمہاری حفاظت فرمائی اور دشمنوں کے ہاتھ تمہاری طرف بڑھنے سے روک دیئے اور بسا اوقات تم صلاۃ الخوف میں مشغول تھے اس حالت میں اللہ تعالیٰ نے تمہاری حفاظت فرمائی لہٰذا تم کو چاہیئے کہ اس کے احسان کو یاد کر کے اُس کے شکر کو بجا لاؤ اور اپنے منعم حقیقی خداوند ذوالجلال کی نافرمانی سے ڈرتے رہو اور ایمان والوں کو چاہیئے کہ اللہ پر بھروسہ کریں دشمنوں سے بچانے والا خدا ہے اُس نے اب بچایا ہے آئندہ بھی اسی طرح تم کو دشمنوں کے شر سے بچاتا رہے گا لہٰذا ایمان کا مقتضیٰ یہ ہے کہ بھروسہ اور اعتماد خداوند جہاں پر کرو نہ کہ اپنے ساز و سامان پر۔

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ

اور لے چکا ہے اللہ عہد بنی اسرائیل کا اور اٹھائے ہم

اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ

نے ان میں بارہ سردار اور کہا اللہ نے میں تمہارے ساتھ ہوں تم

اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ

اگر کھڑی رکھو گے نماز اور دیتے رہو گے زکوٰۃ اور یقین لاؤ گے میرے رسولوں

وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ

پر اور اُن کو مدد کرو گے اور قرض دو گے اللہ کو اچھی طرح کا قرض تو میں

عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ

اتاروں گا تم سے برائیاں تمہاری اور داخل کروں گا باغوں میں کہ بہتی نیچے اُن کے

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ

نہریں پھر جو کوئی منکر ہوا تم سے اس کے بعد وہ بے شک بھولا

سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۱۲﴾ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَ

سیدھی راہ سو اُن کے عہد توڑنے پر ہم نے اُن کو لعنت کی اور

جَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ

کر دیئے اُن کے دل سیاہ بدلتے ہیں کلام کو اپنے ٹھکانے سے

وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى

اور بھول گئے ایک فائدہ لینا اس نصیحت سے جو اُن کو کی تھی اور ہمیشہ تو خبر پاتا ہے

خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ؕ

اُن کی ایک دغا کی مگر تھوڑے لوگ ان میں سو معاف کر اور درگزر ان سے

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا

اللہ چاہتا ہے نیکی والوں کو اور وہ جو کہتے ہیں آپ کو

اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا

نصاریٰ اُن سے بھی لیا تھا ہم نے عہد ان کا پھر بھول گئے ایک فائدہ لینا

بِهٖ ۠ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ

اس نصیحت سے جو ان کو کی تھی پھر ہم نے لگا دی آپس میں دشمنی اور کینہ قیامت

الْقِيٰمَةِ ؕ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۴﴾

کے دن تک اور آخر بتا دیگا ان کو اللہ جو کچھ کرتے ہیں۔

ذکر عہود امم سابقہ و بدعہدی اوشان ونتیجہ آن

قال تعالیٰ وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ... الے .... بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ہ (ربط) ابتداء سورت يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ اور وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ۔ میں اہل اسلام کے عہد اور میثاق کا ذکر تھا اب حق سبحانہٗ وتعالیٰ اُن عہود کا ذکر کرتے ہیں کہ جو امم سابقہ سے لیے گئے تھے اور ایفاء عہد پر اُن سے تکفیر سیئات اور ادخال جنات کا وعدہ کیا گیا تھا اور جن کی خلاف ورزی پر خدا کی جانب سے ان پر قہر آیا اور طرح

طرح کی بلاؤں میں مبتلا کیے گئے مقصود مسلمانوں کو ڈرانا ہے کہ تم بنی اسرائیل کی طرح بدعہدی نہ کرنا مبادا ان کی طرح تم کو بھی روزِ بد دیکھنا پڑے اور اے مسلمانو! تم یہ نہ سمجھنا کہ عہد خاص تمہیں سے لیا گیا کہ جس کی پابندی کی تم کو تاکید کی جاتی ہے بلکہ تم سے پہلے انبیاء سابقین نے اپنی امتوں سے ایسا ہی عہد لیا تھا تم کو چاہیئے کہ اپنے عہد کو پورا کرو اور پچھلوں کی طرح عہد شکنی کر کے ذلت اور خواری میں نہ پڑو چنانچہ فرماتے ہیں اور البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے گذشتہ زمانہ میں بنی اسرائیل سے ایک پختہ عہد لیا جس کا ذکر آئندہ آیت میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے اپنی عبادت اور توریت پر قائم رہنے کا عہد لیا اور پھر اُن کی نگرانی کے لیے ہم نے ان میں سے بارہ سردار مقرر کیے جن کا کام یہ تھا کہ وہ بنی اسرائیل کے احوال کی نگرانی کریں اور عہد خداوندی کے پورا کرنے کی اُن کو تاکید کرتے رہیں چونکہ بنی اسرائیل کے کل بارہ قبیلے تھے اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہر قبیلہ سے ایک سردار منتخب کیا جو اپنی قوم کا ذمہ دار ہو اور قوم کو اعداء اللہ سے جہاد و قتال کے لیے آمادہ کرے اسی طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جب لیلۃ العقبہ میں صحابہ سے بیعت لی تو ان میں سے بارہ نقیب مقرر کیے تین قبیلہ اوس کے اور نو قبیلۂ خزرج کے یہ لوگ اپنی اپنی قوم کے عرفاء یعنی چودھری تھے اپنی قوم کی طرف سے آپ کے دست مبارک پر سمع و طاعت کی بیعت کی اور جابر بن سمرہؓ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں بارہ خلیفہ ہوں گے مطلب یہ ہے کہ میری امت میں بارہ خلیفہ ایسے نیک اور صالح ہوں گے کہ جو ٹھیک ٹھیک حق کو قائم کریں گے اور امت میں ٹھیک ٹھیک عدل و انصاف کریں گے اور اُن کے دورِ حکومت میں اسلام کو عزت حاصل ہو گی لیکن یہ لازم نہیں کہ ان بارہ کا زمانہ مسلسل اور لگاتار ہو ان میں سے چار تو خلفاء راشدین ہوئے اور ایک عمر بن عبدالعزیزؒ ہوئے اور انہی بارہ میں ایک امام مہدیؑ ہوں گے جن کا ذکر حدیثوں میں آیا ہے اور توریت میں جہاں حضرت اسمعیل علیہ السلام کی بشارت آئی ہے وہاں یہ بھی آیا ہے کہ اُن کی پشت سے بارہ سردار ہوں گے اُن سے بھی بارہ خلفاء مراد ہیں جن کا حدیث میں ذکر آیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے یہ کہا کہ تحقیق میں تمہارے ساتھ ہوں یعنی تمہارا ناصر اور مددگار ہوں بشرطیکہ تم میرے عہد پر قائم رہو اور وہ عہد یہ ہے کہ اگر تم نے نماز کو قائم رکھا اور زکوٰۃ دیتے رہے اور میرے سب رسولوں پر ایمان لے آئے اور اُن کی مدد کرتے رہے اور علاوہ زکوٰۃ کے خدا تعالیٰ کو قرض حسنہ دیتے رہے یعنی محض خدا کی خوشنودی اور آخرت کے ثواب کے لیے جہاد وغیرہ میں خرچ کرتے رہے اور بلا کسی دنیاوی غرض کے فقراء و مساکین پر خیرات کرتے رہے یہ قرض حسن یعنی نیک قرض ہے سو اگر تم اس عہد پر قائم

رہے تو میں اس کے صلہ میں ضرور تمہاری برائیاں دور کر دوں گا اور ضرور تم کو ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے درختوں کے نیچے نہریں جاری ہوں گی یعنی اگر تم اپنے عہد پر قائم رہے تو میری طرف سے تمہارا صلہ گناہوں کی معافی اور بہشت ہے پھر تم میں سے جو اس پختہ عہد اور پیمان کے بعد منحرف ہو جائے تو وہ بلاشبہ سیدھے راستہ سے بھٹک گیا بدعہدی کر کے نجات کا راستہ گم کیا اور ہلاکت کے گڑھے میں جا گرا مگر بنی اسرائیل نے باوجود اس پختہ عہد اور پیمان کے عہد شکنی کی اور طرح طرح کی ذلتوں اور مصیبتوں میں مبتلا ہوئے چنانچہ فرماتے ہیں پس ہم نے اُن کی عہد شکنی کی وجہ سے ان پر لعنت کی یعنی اپنی رحمت اور عنایت اور ہدایت سے اُن کو دور پھینک دیا اور اُن کے دلوں کو سخت کر دیا کہ کوئی حق اور ہدایت اُن کے دل میں نہیں اترتی اور کوئی نصیحت اُن کو کارگر نہیں ہوتی اب اس کے بعد اُن کی حالت یہ ہے کہ وہ کلام خداوندی یعنی توریت میں لفظی اور معنوی ہر قسم کی تحریف کرتے ہیں اور اس کے حروف اور الفاظ کو اپنے موقعہ اور محل سے ہٹا دیتے ہیں کبھی حروف اور الفاظ میں تحریف کرتے ہیں اور کبھی اس کے معنی میں اور کبھی تاویلات میں اور کبھی حذف کرتے ہیں اور کبھی کوئی لفظ زیادہ کرتے ہیں غرض یہ کہ کلام خداوندی میں جس قدر اور جس قسم کی تحریف ممکن تھی وہ سب کی جس کا اعتراف علماء یہود اور نصاریٰ کو بھی ہے اور فراموش کر دیا بڑا حصہ اس نصیحت کا جو اُن کو توریت میں کی گئی تھی یعنی اُن کو توریت میں بہت سی نصیحتیں کی گئی تھیں منجملہ اُن کے ایک نصیحت یہ کی گئی تھی کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا اور اُن کی نعت اور صفت کو نہ چھپانا لیکن انہوں نے اس نصیحت کو بھلا دیا توریت میں تحریف کی اور آپ کی صفات کو چھپایا اور آپ پر ایمان نہیں لائے اور اے نبی کریم آپ ہمیشہ اُن کی ایک نہ ایک خیانت پر مطلع ہوتے رہیں گے یعنی آپ ان بنی اسرائیل کی شرارتیں اور عہد شکنیاں کہاں تک دیکھیں گے یہ تو ان کی موروثی چیز ہے یہ لوگ ہمیشہ ایسا ہی کرتے رہیں گے مگر ان کے معدودے چند اس خیانت سے بری ہیں جیسے عبداللہ بن سلام رضؓ اور اُن کے رفقاء پس آپ ان خائنین کو معاف کیجئے اور ان سے درگذر کیجئے یعنی جب ان کی عادت ہی یہ ٹھہری تو آپ درگذر فرمائیں اور جب تک کھلم کھلا مقابلہ پر نہ آئیں اس وقت تک ان پر تلوار نہ اٹھائیے اگرچہ در پردہ کتنی ہی خیانتیں کریں بے شک اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے یہاں تک یہود کا حال بیان فرمایا اب آگے کچھ نصاریٰ کا حال بیان فرماتے ہیں اور جو لوگ اپنے آپ کو زبان سے نصاریٰ کہتے ہیں گویا کہ وہ در پردہ اس بات کے مدعی ہیں کہ ہم حضرت مسیح بن مریمؑ اور انجیل کے ماننے والے ہیں ہم نے اُن سے بھی انجیل میں فارقلیط پر ایمان لانے اور اُن کی مدد کرنے

کا عہد لیا تھا پس انہوں نے اس نصیحت کا ایک حصّہ بھلا دیا کہ جو اُن کو کی گئی تھی یعنی وہ بھی محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائے اور اپنے عہد کو بھول گئے حتیٰ کہ توحید سے بھی منحرف ہوگئے پس یہود کی طرح نصاریٰ بھی اسی عہد شکنی کی بناء پر مورد عتاب بنے اس لیے ہم نے اُن کے درمیان دشمنی اور کینہ ڈال دیا جو قیامت تک ان میں رہے گا نصاریٰ میں مختلف فرقے ہیں جو ایک دوسرے سے بغض اور عداوت رکھتے ہیں ایک گروہ دوسرے گروہ کو کافر اور ملعون بتاتا ہے اور یہ تو دنیوی سزا ہوئی۔ رہی آخرت سو عنقریب اللہ تعالیٰ اُن کو قیامت کے دن جتلا دیں گے کہ وہ دنیا میں کیا کرتے تھے بد عہدی کا انجام ان کے سامنے آجائے گا پس اے مسلمانو تم کو ان سے سبق لینا چاہیئے اور ان کے انجام بد کو اپنے لیے درس عبرت سمجھنا چاہیئے اس میں شبہ نہیں کہ آج مسلمانوں میں بھی تشتت اور تفرق اور مذہبی تصادم نظر آتا ہے لیکن بحمدہٖ تعالیٰ ہم میں وحی الٰہی اور قانونِ خداوندی یعنی کتاب و سنت بلا کم و کاست محفوظ ہے اس لیے مسلمانوں کا اختلاف قابل التفات نہیں اس لیے کہ مسلمانوں کی سواد اعظم یعنی اہل سنت والجماعت اسی حق اور صداقت پر قائم ہے جس کو من جانب اللہ نبی برحق لے کر آئے اور صحابہ کرام نے اس امانت کو بحفاظت امت تک پہنچا دیا وحی الٰہی کی مشعل مسلمانوں میں محفوظ ہے بخلاف یہود اور نصاریٰ کے کہ اُن کے پاس وحی الٰہی کی کوئی مشعل موجود نہیں اصل توریت اور انجیل ان کے پاس محفوظ نہیں حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ جو حق اور ہدایت اُن کو دیگر گئے تھے وہ گم کر بیٹھے ہیں محض محرّف بائبل سے وابستہ ہیں فقط مذہب کے نام پر ایک دوسرے سے برسرپیکار ہیں مغربی اقوام مذہبی حیثیت سے غایت درجہ متشتت ہیں البتہ اگر دنیاوی اور سیاسی مصالح کی بناء پر مسلمانوں کے مقابلہ میں یا اور کسی قوم کے مقابلہ میں متفق ہوجائیں تو وہ دوسری بات ہے مغربی اقوام کی ہمت ہمہ تن دنیا پر مقصور ہے یہ لوگ درحقیقت دہریہ اور لا مذہب ہیں اگرچہ برائے نام اپنے آپ کو نصرانی کہتے ہیں۔

يَٰٓأَهۡلَ ٱلۡكِتَٰبِ قَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمۡ كَثِيرٗا

اے کتاب والو آیا ہے تم پاس رسولؐ ہمارا کھولتا ہے تم پر بہت

مِّمَّا كُنتُمۡ تُخۡفُونَ مِنَ ٱلۡكِتَٰبِ وَيَعۡفُواْ عَن كَثِيرٖۚ

چیزیں جو تم چھپاتے تھے کتاب کی اور درگذر کرتا ہے بہت چیز سے

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ يَّهْدِيْ

تم پاس آئی ہے اللہ کی طرف سے روشنی اور کتاب بیان کرتی جس سے اللہ

بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ

راہ پر لاتا ہے جو کوئی تابع ہوا اس کی رضا کا بچاؤ کی راہ پر اور ان کو نکالتا

مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى

ہے اندھیروں سے روشنی میں اپنے حکم سے اور اُن کو چلاتا ہے

صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۶﴾

سیدھی راہ

خطاب نصیحت مآب بسوئے جمیع اہل کتاب برائے تصدیق رسالت محمدیہ علیٰ صاحبہا الف الف صلوٰۃ والف الف تحیہ

قال تعالیٰ یَاَھْلَ الْکِتٰبِ قَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلُنَا یُبَیِّنُ لَکُمْ کَثِیْرًا... الیٰ... صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ
(ربط) گذشتہ آیات میں یہود اور نصاریٰ کے نقض عہد کا الگ الگ ذکر تھا اب اس آیت میں یہود اور نصاریٰ دونوں کو جمع کر کے تمام اہل کتاب سے خطاب موعظت و نصیحت فرماتے ہیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی ترغیب دیتے ہیں کہ اے علماء یہود و نصاریٰ دیکھو یہ ہمارے پیغمبر محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تمہارے پاس آگئے جن کا تمہیں انتظار تھا اور جن کی توریت اور انجیل میں بشارت دی گئی تھی اور جن کی اطاعت کا تم سے عہد لیا گیا تھا اب وہ آگئے اور ان کی نبوت و رسالت کے براہین اور دلائل ان کے ساتھ ہیں منجملہ اُن کے یہ ہے کہ وہ نبی امی توریت اور انجیل کے مخفی علوم کو تمہارے سامنے بر ملا ظاہر کرتا ہے جس کے انکار کی تمہیں مجال نہیں جیسے رجم اور قصاص کا حکم جس کو یہود چھپاتے تھے اور نبی کریم نے بذریعہ وحی اُس کو ظاہر فرمایا نیز اس نبی امی کے ساتھ ایک نور ہدایت یعنی قرآن ہے جو حق کا راستہ بتلاتا ہے نیز وہ نبی امی اپنے فیض صحبت سے

تم کو ظلمتوں اور تاریکیوں سے نکال کر نور حق کی طرف لے جاتا ہے یہ سب باتیں اس امر کی واضح دلیل ہیں کہ یہ سب کچھ تعلیم ربّانی اور تائید یزدانی کا کرشمہ ہے اس لیے کہ یہ تو ناممکن اور محال ہے کہ نبی امی اُن کی کتابیں دیکھ کر یہ باتیں معلوم کر لیں سوائے وحی ربانی کے علم کا کوئی ذریعہ نہیں لہذا تم ان پر ایمان لاؤ تاکہ اندھیرے سے نکل کر روشنی کی طرف آجاؤ چنانچہ فرماتے ہیں اے اہل کتاب جہالت کو چھوڑو اور ہدایت اور علم کی طرف دوڑو تحقیق آپہنچا تمہارے پاس ہمارا رسول محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جن کے علم کی یہ شان ہے کہ وہ تمہارے سامنے توریت اور انجیل کی بہت سی پوشیدہ چیزوں کو کھول کر بیان کرتا ہے جنکو تم چھپاتے تھے یعنی وہ نبی امی بہت سے امور میں تم پر یہ ظاہر کر دیتا ہے کہ تمہاری کتاب میں یوں یوں لکھا ہے اور اُسکے حلم اور بردباری کا یہ حال ہے کہ بہت سی باتوں سے وہ نبی درگذر کرتا ہے اور باوجود علم کے ان کے اظہار سے چشم پوشی کرتا ہے مقصود صرف ان پر اس بات کا ظاہر کرنا تھا کہ جن باتوں کو چھپاتے ہو وہ بذریعہ وحی کے مجھے معلوم ہیں اگر میں خدا کا نبی نہ ہوتا تو مجھ کو کیا خبر تھی کہ تمہاری کتابوں میں کیا لکھا ہوا ہے میں تو امی ہوں کتاب پڑھا ہوا نہیں لہذا تم کو چاہیے کہ اپنی فضیحت سے ڈرو اور مجھ پر ایمان لاؤ میرا یہ علم اور یہ حلم میرا معجزہ ہے میں تمہیں رسوا کرنا نہیں چاہتا صرف تنبیہ مقصود ہے اور اے اہل کتاب اگر بالفرض یہ نبی امی تمہاری پوشیدہ باتوں کو بھی نہ ظاہر کرتا تب بھی تم پر اس کی دعوت کا قبول کرنا واجب تھا اس لیے کہ تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا ہے مراد محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں اور ایک روشن کتاب آئی ہے قتادہ اور زجاج سے منقول ہے کہ نور سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات مراد ہے (روح المعانی ص۸۷ ج ۶ و تفسیر قرطبی ص۱۱۸ ج۶)

اور کتاب مبین سے قرآن مجید مراد ہے مطلب یہ ہے کہ آپ کی ذات بابرکات خود آپکی نبوت و رسالت کی ایک دلیل ہے ~ آفتاب آمد دلیل آفتاب ÷ گر دلیلے بایداز وے رومتاب.

اس لیئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نور ہدایت اور سراج منیر بنا کر بھیجا ہے اور اسکے علاوہ یہ کتاب مبین آپکی نبوت کی دلیل ہے اس لیئے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب میں سے ان لوگوں کو جو رضاء خداوندی کے طلب گار اور پیروکار ہوں سلامتی کی راہیں دکھلاتا ہے کہ قیامت کے غم اور خوف سے محفوظ ہو جائیں یعنی وہ کتاب مبین ایسے صحیح عقائد اور صحیح اعمال کی ہدایت کرتی ہے جس سے دنیا اور آخرت کی سلامتی حاصل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ انکو کفر اور معصیت کی تاریکیوں سے نکال کر دین اسلام کی روشنی میں لاتا ہے اپنے حکم سے یعنی اُسکی توفیق اور فضل سے ہدایت ملتی ہے بغیر اسکے حکم اور ارادہ کے کچھ نہیں ہو سکتا اور چلاتا ہے اُنکو سیدھی راہ کی طرف پس اے اہل کتاب تم اس کتاب مبین کو قبول کرو اور اپنی جہالت کے ظلمت سے نکل کر اس شمع ہدایت کی روشنی میں آجاؤ۔

لَقَدۡ كَفَرَ الَّذِيۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الۡمَسِيۡحُ ابۡنُ

بے شک کافر ہوئے جنہوں نے کہا اللہ وہی مسیح مریم کا بیٹا

مَرۡيَمَ ‌ؕ قُلۡ فَمَنۡ يَّمۡلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيۡـئًا اِنۡ اَرَادَ اَنۡ

تو کہہ پھر کس کا بس چلتا ہے اللہ سے اگر وہ چاہے

يُّهۡلِكَ الۡمَسِيۡحَ ابۡنَ مَرۡيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنۡ فِى الۡاَرۡضِ

کہ ہلاک کرے مسیح مریم کے بیٹے کو اور اس کی ماں کو اور جتنے لوگ ہیں زمین

جَمِيۡعًا‌ ؕ وَلِلّٰهِ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا

میں سارے اور اللہ کو ہے سلطنت آسمان اور زمین کی اور جو

بَيۡنَهُمَا‌ ؕ يَخۡلُقُ مَا يَشَآءُ‌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۱۷﴾

دونوں کے بیچ ہے بناتا ہے جو چاہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے

ابطال عقیدۂ الوہیت عیسیٰ علیہ السلام

قال تعالیٰ لَقَدۡ كَفَرَ الَّذِيۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الۡمَسِيۡحُ ابۡنُ مَرۡيَمَ.. الٰی.. وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ

(ربط) گزشتہ آیت یعنی وَيَهۡدِيۡهِمۡ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ میں سیدھے راستہ کا ذکر فرمایا اور صراط مستقیم وہ معتدل راہ ہے جو افراط اور تفریط کے ٹھیک درمیان میں ہو اب اس آیت میں نصاریٰ کے عقیدۂ الوہیت مسیح کا رد فرماتے ہیں کہ شرک اور تثلیث کی راہ صراط مستقیم سے بہت دور ہے چنانچہ فرماتے ہیں بلاشبہ اور قطعاً کافر ہوتے وہ لوگ جنہوں نے یہ کہا کہ اللہ وہی مسیح ہے جو مریم کا بیٹا ہے اس آیت میں فرقہ حلولیہ کا رد ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی انسان کے جسم یا روح میں حلول کر سکتا ہے نصاریٰ اگرچہ صراحۃً اس کے قائل نہیں لیکن اگر حقیقت کی طرف غور کیا جائے تو مطلب یہی نکلتا ہے اس لیے کہ نصاریٰ کا قول یہ ہے کہ کلمہ کا اقنوم عیسیٰ کے ساتھ متحد ہو گیا ہے تو ہم سوال کرتے ہیں کہ اقنوم کلمہ سے کیا مراد ہے ذات خداوندی مراد ہے یا صفت خداوندی مراد ہے اگر اقنوم سے ذات کے معنی مراد ہیں تو صراحۃً یہ مطلب ہو گا

کہ ذات خداوندی نے عیسٰے میں حلول کیا تو بے شک عیسٰی اِلٰہ (خدا) ہوگیا اور اگر یہ کہیں کہ اقنوم سے صفت کے معنی مراد ہیں تو ایک ذات کی صفت کا دوسری ذات کی طرف منتقل ہونا عقلاً محال ہے اور اگر تھوڑی دیر کے لیے یہ تسلیم کرلیا جائے کہ اقنوم علم نے خدا کی ذات سے عیسٰیؑ کی ذات کی طرف انتقال کیا تو ذات الٰہی علم سے خالی ہوگئی اور عیسٰی کا الٰہ اور خدا ہونا لازم آیا اس سے معلوم ہوا کہ سب نصارٰی اگرچہ صریح طور سے عیسٰے کو عین خدا نہ کہیں لیکن اُن کے مذہب کا حاصل اور مقتضیٰ یہی ہے (تفسیر کبیر ص۳۹۵ ج ۳)

اور ظاہر اور حق یہی ہے کہ نصارٰی کے بعض فرقوں کا اب بھی یہی مذہب ہے نصارٰی میں اصل تین فرقے ہیں ایک فرقہ نسطوریہ جو حضرت عیسٰی کو ابن اللہ کہتا ہے دوسرا ملکانیہ جو حضرت عیسٰی کو تین خداؤں میں کا ایک خدا کہتا ہے تیسرا فرقہ یعقوبیہ جو حضرت عیسٰی کو اللہ کے ساتھ متحد مانتا ہے اسی فرقہ کے بارہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔

اب آئندہ آیت میں الوہیت مسیح کے اعتقاد کا ابطال فرماتے ہیں آپ اُن سے کہہ دیجیے کہ اگر خدا تعالیٰ مسیح بن مریم کو جن کو تم عین خدا کہتے ہو اور اُن کے ساتھ اُن کی ماں کو جس نے اُن کو جنا ہے اور بلکہ روئے زمین کے تمام باشندوں کو بالکل نیست اور نابود کرنا چاہے تو کون ایسی قدرت والا ہے جو خدا کو اُس کے ارادہ سے روک سکے یا اس سے انتقام لے سکے عالم کی اجتماعی قوت اور ارادہ اُس کے ارادہ کو نہ روک سکتی ہے اور نہ ایک لمحہ کے لیے ملتوی کرسکتی ہے خدا کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ واجب الوجود اور قادر مطلق ہو کہ اگر سارے عالم کو قطعاً نیست اور نابود اور بالکلیہ فنا کرنے کا ارادہ کرلے تو کوئی اس کے ارادہ کو نہ روک سکے۔

اوست سلطاں ہرچہ خواہد آں کند ∴ عالمے را در دمے ویراں کند

اور جو ذات ہلاکت اور فناء کو اپنے سے دفع نہ کرسکے وہ بلاشبہ عاجز اور کمزور ہے وہ خدا نہیں ہوسکتی اور نصارٰی کے اعتقاد میں تو حضرت عیسٰی کو سولی دی گئی اگر عیسٰی علیہ السّلام خدا ہوتے تو دشمن کے ہاتھ سے ہلاک نہ ہوتے وہ خدا ہی کیا ہوا جو اپنے سے موت کو دفع نہ کرسکا۔

پس اے نصارائے حیا دی ذرا غور تو کرو کہ جو ذات (حضرت عیسٰےؑ) تمہارے اعتقاد اور اقرار کے مطابق اپنے سے موت اور فناء کا پیالہ نہ ہٹا سکے وہ کیسے خدا ہوسکتی ہے اور پھر یہ بھی تو سوچو کہ اللہ ہی کے لیے ہے بادشاہت آسمانوں کی اور زمین کی اور اُن تمام چیزوں کی جو ان کے درمیان میں ہیں جن میں عیسٰے علیہ السّلام اور ان کی والدہ ماجدہ بھی داخل ہیں جس طرح آسمان اور زمین کی تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی مِلک اور تصرف میں ہیں اسی طرح

عیسیٰ علیہ السلام خدا کی ملک اور تصرف میں ہیں وہ خدا کیسے ہوسکتے ہیں اور اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے ہیں تو خوب سمجھ لینا چاہیے کہ اس طرح پیدا ہونا یہ دلیل الوہیت کی نہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ جس چیز کو جس طرح چاہتے ہیں پیدا کرتے ہیں جیسے کسی کو بے ماں باپ دونوں کے پیدا کیا جیسے حضرت آدم علیہ السّلام کو اس کی قدرت کے اعتبار سے تخلیق و تکوین کی تمام صورتیں برابر ہیں اس نے اپنی حکمت بالغہ سے کسی کو کسی طرح پیدا کیا اور کسی کو کسی طرح پیدائش کا امتیاز، الوہیت کی دلیل نہیں بن سکتا اور کیوں نہ برابر ہوں اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اُس کی قدرت کے لیے کسی سبب اور مادہ کی ضرورت نہیں وہ جس طرح چاہے پیدا کرے بغیر باپ کے پیدا ہونا دلیل الوہیت کی نہیں بلکہ کمالِ قدرت دلیل الوہیت ہے جو حضرت عیسیٰ میں نہیں پائی جاتی۔

فائدہ شاہ عبدالقادر فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کسی جگہ نبیوں کے حق میں ایسی بات فرماتے ہیں تاکہ اُن کی امت اُن کو بندگی کی حد سے زیادہ نہ چڑھاویں ورنہ نبی اس لائق کاھیکو ہیں (موضح القرآن)

وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ

اور کہتے ہیں یہود اور نصاریٰ ہم بیٹے ہیں اللہ کے

وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ

اور اس کے پیارے تو کہہ پھر کیوں عذاب کرتا ہے تم کو تمہارے گناہوں پر کوئی

بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ

نہیں تم بھی ایک انسان ہو اسکی پیدائش میں بخشے جسکو چاہے اور عذاب کرے جس کو چاہے

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۫

اور اللہ کو ہے سلطنت آسمان اور زمین کی اور جو دونوں کے بیچ ہے

وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾

اور اسی کی طرف رجوع ہے

اِبطال دعوائے اہل کتاب دربارہ قُربِ واختصاص خداوندی

قال تعالیٰ وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ .... الٰے .... وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝

(ربط) گذشتہ آیات میں یہود و نصاریٰ کے بعض قبائح کا بیان تھا اب اس آیت میں یہ بیان فرماتے ہیں کہ باوجود کفر و شرک اور معصیت میں ملوّث ہونے کے دعویٰ یہ ہے کہ ہم خدا تعالیٰ کے محبوب اور مقبول اور مقرب ہیں اور یہود اور نصاریٰ کے ہر ایک فریق نے الگ الگ یہ کہا کہ ہم لوگ اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے علماء یہود سے کچھ گفتگو کی اور اُن کو اللہ کی طرف بلایا اور اُن کو خدا کے عذاب سے ڈرایا تو انہوں نے یہ کہا کہ اے محمدؐ آپ ہم کو خدا کے عذاب سے کیا ڈراتے ہیں ہم تو اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی (تفسیر ابن کثیر ص۳۵ ج۲ وتفسیر قرطبی ص۱۲۰ ج۶) اے نبی آپؐ اُن کے جواب میں کہہ دیجیے کہ اگر تم واقع میں اللہ کے فرزند اور اس کے محبوب اور پیارے ہو تو اللہ تم کو تمہارے گناہوں کے بدلہ میں دنیا میں ذلّت ناک اور رسوا کن عذاب کیوں دیتا ہے اگر تم[1] خدا کے فرزند اور محبوب تھے تو اُس نے تم کو قردۃ اور خنازیر یعنی بندر اور سور کیوں بنایا اور طرح طرح سے تم کو ذلیل اور رسوا کیا باپ اپنے بیٹے کو اور حبیب اپنے حبیب کو عذاب نہیں دیتا پس دنیا میں اللہ تعالیٰ نے تم کو قتل اور مسخ کا عذاب چکھایا اور آخرت کے متعلق تم کو اقرار ہے کہ چند روز کے لیے تم کو آگ چھوئے گی معلوم ہوا کہ یہ سب تمہارے دعاوی باطلہ اور امانی عاطلہ ہیں تم خدا کے محبوب نہیں بلکہ تم منجملہ مخلوق کے بشر اور آدمی ہو تم میں اور لوگوں میں کوئی فرق نہیں جیسے وہ ویسے تم، تم جو دعوائے فرزندیت اور محبوبیت کرتے ہو وہ جھوٹ اور غلط ہے وہ جس کو چاہتا ہے بخشتا ہے اور جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے اور کوئی شخص بھی اللہ تعالیٰ کے دائرۂ مشیت اور ملکیت سے باہر نہیں نکل سکتا اس لیے کہ اللہ ہی کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں کی اور زمین کی اور جو کچھ اُن کے درمیان میں ہے لہذا کوئی صورت اس کی تعذیب اور سزا سے بچنے کی نہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے اسکے سوا کوئی ٹھکانہ نہیں کہ جہاں کوئی پناہ لے سکے۔

---

[1] امام قرطبیؒ فرماتے ہیں۔ وقیل معنی یعذبکم عذبکم فھو بمعنی الماضی ای فلم مسخکم قردۃ وخنازیر ولم عذب من قبلکم من الیھود والنصاریٰ بانواع العذاب وھم امثالکم لان اللہ سبحانہ لا یحتج علیھم بشئی لم یکن بعدُ لانھم ربما یقولون لا نعذّبُ غدًا، بل یحتج علیھم بما عرفوہ (تفسیر قرطبی ص۱۲۱ ج۶)

يَاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى

اے کتاب والو! آیا ہے تم پاس رسول ہمارا بیان کرتا ہے تم سے

فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ

توڑا پڑنے پیچھے رسولوں کا کبھی تم کہو کہ ہم پاس نہ آیا کوئی

بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ وَاللّٰهُ

خوشی یا ڈر سنانے والا سو آچکا تمہارے پاس خوشی اور ڈر سنانے والا اور اللہ

عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۹﴾

ہر چیز پر قادر ہے

اظہار نعمت و اتمام حجت بہ بعثت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم

قال تعالیٰ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا ... الیٰ ..... وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۹﴾

(ربط) اوپر کی آیتوں میں یہود و نصاریٰ کو خطاب تھا اب اس آیت میں بھی انہی کو خطاب اور تنبیہ ہے اور مقصود اظہار نعمت اور اتمام حجت ہے کہ حضرت عیسیٰ کے بعد شریعت محرّف ہو چکی تھی اور روئے زمین سے ہدایت گم ہو چکی تھی لہٰذا ضرورت تھی کہ اللہ تعالیٰ ایسے پیغمبر کو بھیجیں جو لوگوں پر راہ حق کو ظاہر کر دے اور لوگوں پر اللہ کی حجت پوری ہو جائے علاوہ ازیں تم بھی افسوس کیا کرتے تھے کہ ہم رسولوں کے وقت میں نہ ہوئے کہ ان کی تربیت پاتے اب مدت کے بعد تم کو رسول کی صحبت میسر آئی غنیمت جانو اور اللہ قادر ہے کہ اگر تم اس رسولؐ کی دعوت کو قبول نہ کرو گے تو اللہ دوسری مخلوق کھڑی کر دیگا جو تم سے بہتر ہو گی جیسے حضرت موسیٰؑ کے ساتھ لوگوں نے جہاد کرنا قبول نہ کیا اللہ نے اُن کو محروم کر دیا اور اوروں کے ہاتھ سے ملک شام فتح کرا دیا لہٰذا تم اس نبی کی صحبت کو غنیمت جانو۔

چنانچہ فرماتے ہیں اے اہل کتاب بے شک آگیا تمہارے پاس ہمارا وہ رسول جس کے تم منتظر تھے جو احکام شریعت کو تمہارے لیے بیان کرتا ہے ایسے وقت میں آیا کہ مدت سے پیغمبروں کی آمد کا سلسلہ منقطع تھا حضرت عیسیٰؑ کے آسمان پر اٹھائے جانے کے تخمیناً چھ سو برس

کے بعد ہم نے نبی بھیجا اتنی مدت میں آسمانی کتابوں میں تحریف ہوگئی دین عیسوی ابھی قوت پکڑنے نہ پایا تھا کہ عیسٰے علیہ السلام آسمان پر اُٹھا لیے گئے اور اصل انجیل بھی محفوظ نہ رہی اور بنی اسرائیل کی شریعت بالکل مسخ ہوگئی اس لیے اللہ تعالیٰ نے اصلاح عالم کے لیے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو نبی بنا کر بھیجا تاکہ تم سنبھل جاؤ اور قیامت کے دن تم کو یہ کہنے کا موقع نہ رہے کہ ہمارے پاس کوئی بشیر اور نذیر نہیں آیا سو آچکا تمہارے پاس ایک عظیم الشان بشیر و نذیر جس کی شریعت قیامت تک محفوظ رہے گی اور اللہ تعالیٰ نے اس کی کتاب کی حفاظت کا خود ذمہ لیا ہے لہٰذا اب تم کو اس عذر کی کوئی گنجائش نہیں رہی کہ ہم خدا کی کس طرح اطاعت کرتے کہ پہلی شریعتوں میں تحریف و تبدیلی ہوچکی تھی اور حق و باطل مخلوط ہوچکا تھا اور نیا رسول ہمارے پاس کوئی آیا نہیں پس محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے تمہاری یہ حجت ختم ہوگئی اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اس کو اختیار ہے کہ چاہے مسلسل نبی بھیجے یا ایک عرصہ تک سلسلہ منقطع رہنے کے بعد رسول بھیجے یا یہ مطلب ہے کہ اگر تم نے اس پیغمبر کی دعوت اور ہدایت کو قبول نہ کیا تو اللہ تعالیٰ کوئی دوسری قوم کھڑی کر دے جو اس نبی کی دعوت کو قبول کرے خدا کا کام کچھ تم پر موقوف نہیں

فائدہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے درمیان جو زمانہ ہے وہ زمانۂ فترت کہلاتا ہے جو تقریباً چھ سو برس کا زمانہ ہے جیسا کہ حضرت سلمان فارسیؓ سے صحیح بخاری میں مروی ہے اس درمیان میں کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا جیسا کہ صحیح بخاری کی حدیث میں ہے انا اولی الناس بعیسی بن مریم لیس بینی وبینہ نبی۔

اور سورۂ یٰسین کی اس آیت اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ میں جن تین رسولوں کا ذکر ہے وہ حضرت عیسٰے علیہ السلام کے قاصد اور مبلغ تھے اور حواریین میں سے تھے جن کو آپ نے اہل قریہ کی تبلیغ اور دعوت کے لیے بھیجا تھا وہ خدا کے رسول اور پیغمبر نہ تھے بلکہ حضرت عیسیٰ کے فرستادہ اور حواری تھے اور بعض لوگوں نے جو ایک ضعیف روایت کی بناء پر خالد بن سنان عربی کو نبی بتایا ہے صحیح یہ[1] ہے کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے گذرے ہیں اور تواریخ میں جو آیا ہے کہ خالد بن سنان کی بیٹی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوگی سو اس سے صلبی بیٹی مراد نہیں بلکہ بنت بالواسطہ مراد ہے کیونکہ احادیث صحیحہ اور صریحہ سے یہ امر صراحۃً ثابت ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت عیسیٰؑ کے درمیان

---

[1] کما قال الشھاب الخفاجی فی حاشیۃ البیضاوی والصحیح انہ (ای خالد بن سنان) من الانبیاء وانہ قبل عیسے علیہ السلام کذا فی حاشیۃ الشھاب علی تفسیر البیضاوی صـ۲۲ج۳

کوئی نبی نہیں (روح المعانی ص ۹۳ ج ۶)

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ

اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم کو اے قوم یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر

اِذْ جَعَلَ فِیْكُمْ اَنْۢبِیَآءَ وَ جَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖۗ وَّاٰتٰىكُمْ

جب پیدا کیے تم میں نبی اور کر دیا تم کو بادشاہ اور دیا تم کو

مَّا لَمْ یُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۲۰﴾ یٰقَوْمِ ادْخُلُوا

جو نہیں دیا کسی کو جہان میں اے قوم داخل

الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِیْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا

ہو زمین پاک میں جو لکھ دی ہے اللہ نے تم کو اور الٹے نہ جاؤ

عَلٰۤى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِیْنَ ﴿۲۱﴾ قَالُوْا یٰمُوْسٰۤى

اپنی پیٹھ پر پھر جا پڑو گے نقصان میں بولے اے موسیٰ

اِنَّ فِیْهَا قَوْمًا جَبَّارِیْنَ ۖۗ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى

وہاں ایک لوگ ہیں زبردست اور ہم ہرگز وہاں نہ جاویں گے جب تک

یَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ﴿۲۲﴾

وہ نکل چکیں وہاں سے پھر اگر وہ نکلیں وہاں سے تو ہم داخل ہوں

قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمَا

کہا دو مردوں نے ڈر والوں میں سے خدا کی نوازش تھی ان دو پر

ادْخُلُوْا عَلَیْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ۬

پیٹھ جاؤ ان پر حملہ کر کر دروازے میں پھر جب تم اس میں پیٹھو تو تم غالب ہو

وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالُوْا

اور اللہ پر بھروسہ کرو اگر یقین رکھتے ہو بولے

يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا

اے موسٰی ہم ہرگز نہ جاویں ساری عمر جب تک وہ رہیں گے اس میں

فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿۲۴﴾

سو تو جا اور تیرا رب دونوں لڑو ہم یہاں ہی بیٹھے ہیں

قَالَ رَبِّ اِنِّىْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِىْ وَاَخِىْ فَافْرُقْ

بولا اے رب میرے اختیار میں نہیں مگر میری جان اور میرا بھائی

بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَ فَاِنَّهَا

سو فرق کر تو ہم میں اور بے حکم قوم میں کہا تو وہ ان سے

مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِى الْاَرْضِ ؕ

بند ہوئی چالیس برس سر مارتے پھریں گے ملک میں

فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۶﴾

سو تو افسوس نہ کر بے حکم لوگوں پر

قصۂ بدعہدی و بزدلی بنی اسرائیل در بارۂ جہاد

قال تعالے وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا... الیٰ... فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ

ربط: گذشتہ آیات میں بنی اسرائیل کی عہد شکنیوں کا بیان تھا اب ان آیات میں اُن کی ایک عہد شکنی اور بزدلی اور اس کے انجام کا بیان ہے کہ اللہ کا کلیم تمہارے درمیان موجود تھا اس نے تم کو جہاد کی دعوت دی اور فتح کی بشارت بھی سنا دی کہ اللہ تعالیٰ نے یہ زمین تمہارے لیے لکھ دی ہے یعنی رجسٹری کر دی ہے مگر تم جہاد سے جان چرا گئے اور کلیم اللہ سے مجادلہ کرنے

لگے حالت تو تمہاری یہ ہے اور دعویٰ یہ ہے کہ ہم ابناء اللہ اور احباء اللہ ہیں اس قصہ میں اُن کے دعوائے نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ کی تکذیب اور تردید ہے اور فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ کی تصدیق اور تائید ہے اور اشارہ اس طرف ہے کہ محض انتساب بلا اطاعت خداوندی موجب مقبولیت و محبوبیت نہیں حضرت شاہ عبدالقادر قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں حضرت ابراہیمؑ اپنا وطن چھوڑ کر نکلے اللہ کی راہ میں اور ملک شام میں آکر ٹھہرے موت تک اُن کے اولاد نہ ہوئی تب اللہ تعالیٰ نے اُن کو بشارت دی کہ تیری اولاد کو بہت پھیلاؤں گا اور زمین شام اُن کو دوں گا اور نور نبوت اور دین اور کتاب اور سلطنت اُن میں رکھوں گا پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں وہ وعدہ پورا کیا بنی اسرائیل کو فرعون کی بیگار سے خلاص کیا اور اس کو غرق کیا اور اُن سے فرمایا کہ تم عمالقہ سے جہاد کر کے اُن سے ملک شام چھین لو پھر ہمیشہ وہ ملک شام تمہارا ہے حضرت موسیٰؑ نے بارہ شخص بارہ قبائلِ بنی اسرائیل پر سردار مقرر کیے تھے اُن کو بھیجا کہ اس ملک کی خبر لادیں وہ خبر لائے تو ملک شام کی بہت خوبیاں بیان کیں اور وہاں جو عمالقہ مسلط تھے اُن کی قوت اور طاقت بھی بیان کی حضرت موسیٰؑ نے اُن سے یہ کہا تھا کہ تم قوم کے سامنے ملک کی خوبی تو بیان کرنا مگر دشمن کی قوت کا ذکر نہ کرنا اُن بارہ میں سے دو شخص تو اس حکم پر قائم رہے اور دس نے خلاف کیا قوم نے عمالقہ کی قوت اور طاقت کو سنا تو نامردی کرنے لگے اور چاہا کہ پھر الٹے مصر واپس چلے جائیں اس تقصیر کی وجہ سے چالیس برس فتح شام میں دیر لگی کہ اتنی مدت جنگلوں میں بھٹکتے اور حیران پھرتے رہے جب اس قرن کے لوگ مر چکے مگر وہ دو شخص کہ وہی حضرت موسیٰؑ کے بعد خلیفہ ہوتے اور ملک شام ان کے ہاتھ پر فتح ہوا اہل کتاب کو یہ قصہ سنایا کہ اگر تم پیغمبر آخر الزمانؐ کی رفاقت نہ کرو گے تو یہ نعمت اوروں کے نصیب ہوگی اور آگے چل کر اسی پر قصہ سنایا ہابیل و قابیل کا کہ حسد مت کرو حسد والا مردود ہے (کذا فی موضح القرآن بایضاح یسیر)

چنانچہ فرماتے ہیں اور یاد کرو اس وقت کو کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم بنی اسرائیل سے کہا اے میری قوم یاد کرو تم اللہ کے انعام اور احسان کو جو تم پر ہوا ہے جب کہ پیدا کیے تم میں اللہ نے بادشاہ یعنی تم کو بادشاہت دی اور حشم و خدم والا کر دیا نبوت سے بڑھ کر کوئی دینی نعمت نہیں اور بادشاہت سے بڑھ کر کوئی دنیوی نعمت نہیں موسیٰ علیہ السلام سے بیشتر بنی اسرائیل فرعون کی غلامی میں تھے موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں فرعون کی غلامی سے نجات ملی اور خدا نے اُن کے تمام ملک اور املاک کا تم کو مالک کر دیا اور علاوہ ازیں تم کو وہ کچھ دیا کہ جو جہان والوں میں سے کسی کو نہیں دیا یعنی تمہارے لیے سمندر کو پھاڑا اور تمہارے سامنے دشمنوں کو غرق کیا اور تم پر من و سلوی اتارا اور تم پر بادل کا سایہ کیا اور تمہارے لیے پانی جاری کیا یہ خدا تعالیٰ کے تم پر ایسے احسان ہیں جو خدا نے تمہارے سوا کسی پر نہیں کیے لہذا اس کا

مقتضیٰ یہ ہے کہ تم اس کی نعمتوں کا شکر کرو یعنی اس کی اطاعت سے ذرّہ برابر انحراف نہ کرو تاکہ
تم پر اور مزید نعمتیں مبذول ہوں اے قوم اس پاک زمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے
لیے لکھ دی ہے یعنی ملک شام میں جاکر جہاد کرو جہاں کی زمین پاک اور مبارک ہے شام کی زمین کو
پاک اور مبارک اس لیے کہا کہ سر زمین شام صدیوں سے انبیاء و مرسلین کا مولد اور مسکن رہی لیکن
حضرت موسیٰؑ سے کچھ عرصہ پہلے عمالقہ اس پر مسلّط ہو گئے تھے خدا تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اس قوم
سے جہاد کا حکم دیا اور فتح کی بشارت دیدی اور فتح وظفر کا وعدہ فرمایا اور بزدلی سے منع فرمایا اور
یہ حکم دیا کہ اپنی پشت کی سمت پر نہ لوٹنا ورنہ پھر تم خسارہ میں جا پڑو گے یعنی جہاد میں منہ نہ موڑنا
اور نہ دشمن کے مقابلہ سے ہٹنا اگر ایسا کرو گے تو علاوہ اس کے کہ تم خدا کے نافرمان اور کافرِ نعمت
ٹھہرو گے الٹے خسارہ میں پڑ جاؤ گے اس لیے کہ جو ملک خدا نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے وہ فی الحال
تمہارے ہاتھ نہ آئے گا انہوں نے کہا اے موسیٰ وہاں تو بڑے زبردست لوگ رہتے ہیں یعنی ہم
میں اُن سے لڑنے کی طاقت نہیں جبار کھجور کے لمبے درخت کو کہتے ہیں چونکہ عمالقہ بڑے طویل
القامت تھے اور قوم عاد سے تھے اس لیے اُن کو قوم جبارین کہا اور ہم تو ہرگز اس سرزمین
میں داخل نہ ہوں گے یہاں تک کہ وہ خود اس سے باہر نکل جائیں یعنی اگر اللہ تعالیٰ نے وہ
زمین ہمارے لیے لکھ دی ہے تو اُن کے دل میں ایسا رعب ڈال دے کہ وہ بلا مقابلہ خود ہی
اس زمین سے نکل جائیں پھر وہ اگر وہاں سے نکل جائیں تو بے شک ہم داخل ہو جائیں گے
اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اُن بارہ شخصوں میں سے اُن دو شخصوں نے جو خدا ترس بندوں میں سے
تھے اور جن پر اللہ تعالیٰ نے خاص انعام کیا تھا بنی اسرائیل کو نصیحت کی اور یہ کہا کہ ہمت نہ
ہارو ہمت کر کے اُس شہر کے دروازہ تک تو پہنچ جاؤ پھر جب تم اُن پر گھس جاؤ گے تو بلا شبہ
تم ہی غالب رہو گے اور خدا پر بھروسہ کرو اگر تم کچھ یقین رکھتے ہو جب اللہ نے تم سے فتح و نصرت
کا وعدہ فرما لیا ہے تو تم کو اس کے وعدہ پر یقین رکھنا چاہیئے یہ دو شخص یوشع اور کالب تھے
ان بارہ سرداروں میں سے یہی دو شخص اپنے عہد پر قائم رہے تھے باقی سب نے عہد شکنی کر
دی تھی. ان دونوں نے بنی اسرائیل کو نصیحت کی بنی اسرائیل نے ان کو تو کوئی جواب نہ دیا
لیکن موسیٰ علیہ السّلام کی طرف مخاطب ہو کر یہ بولے اے موسیٰ ہم تو ساری عمر بھی اس زمین میں
ہرگز قدم نہ رکھیں گے جب تک وہ جبارین وہاں موجود رہیں گے سو تو اور تیرا پروردگار مل کر
وہاں چلے جاؤ اور تم دونوں اُن سے لڑو تحقیق ہم تو یہیں بیٹھے ہیں یہ اُن بزدل متکبرین کا موسیٰ
علیہ السّلام کے ساتھ استہزاء اور تمسخر تھا ان بزدلوں کا مطلب یہ تھا کہ اگر خدا کو ہماری مدد کرنی
ہے تو ویسے ہی کر دے ہمیں پریشانی اور جہاد کی مشقت میں ڈالنے کی کیا ضرورت ہے موسیٰ علیہ
السّلام نے اُن کے اس بے ہودہ جواب سے دلگیر ہو کر یہ دعا مانگی کہ اے میرے پروردگار میرا

سوائے اپنی جان کے اور اپنے بھائی کے کسی پر زور اور اختیار نہیں کہ اُن کو تیری فرمانبرداری پر مجبور کر سکوں اس لیے فرمایا کہ حضرت یوشع اور کالب سے اگرچہ کوئی نافرمانی ظہور میں نہیں آئی لیکن وہ حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ کی طرح معصوم نہ تھے جن کے متعلق قطعی اور یقینی طور پر وثوق اور اعتماد کا اظہار فرماتے غیر معصوم سے گناہ کا صدور ممکن ہے مگر چونکہ حضرت یوشع اور کالب متقی اور پرہیزگار تھے اس لیے تبعًا وہ اس میں شامل ہو گئے پس ہمارے اور بدکار لوگوں کے درمیان جدائی ڈال دے جدائی کے دو معنی ہیں ایک حسّی اور ظاہری طور پر الگ ہو جانا دوسرے یہ کہ معنًی ایک دوسرے سے جدا ہو جانا سو ظاہری اور حسّی طور پر تو حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السّلام بنی اسرائیل سے جدا نہ ہوتے لیکن معنًی جدائی ہو گئی کہ وہ سب عذاب الٰہی میں گرفتار ہوتے اور چالیس سال تک اسی وادی میں ٹکریں مارتے رہے اور حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ اُسی پیغمبرانہ شان سے نہایت سکون اور اطمینان کے ساتھ ان کے ساتھ رہتے رہے جیسے ملائکۃ العذاب دوزخیوں کے ساتھ رہتے ہیں مگر ملائکۃ العذاب کو عذاب سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا ظاہراً اُن کے ساتھ ہیں مگر معنًی اُن سے جدا ہیں وادی تیہ لوگوں کے لیے عذاب تھی مگر موسیٰ علیہ السّلام اور ہارون علیہ السلام کا اُن کے ساتھ ہونا یہ ان پر اللہ کی رحمت تھی۔

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السّلام کی دُعا قبول کی اور کہا پس تحقیق وہ زمین چالیس برس تک ان پر حرام کی گئی چالیس سال تک اُس زمین میں داخل نہ ہوں گے اور نہ اس کے مالک ہوں گے چالیس سال تک وہ اس زمین میں بھٹکتے پھریں گے یعنی ہر روز چلتے رہیں گے مگر اُس جنگل سے باہر نہ ہونے پائیں گے پس اے موسیٰ تم ان بدکاروں کے حال پر کچھ افسوس اور غم نہ کرنا یہ اسی کے مستحق ہیں غرض یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی اور یہ لوگ چالیس برس تک ٹکریں مارتے رہے اور نکلنا نصیب نہ ہوا حتیٰ کہ اسی جنگل میں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السّلام نے وفات پائی اُن کے بعد حضرت یوشع نبی ہوئے اللہ تعالیٰ نے اُن کو اس ملک پر قبضہ دیا چالیس برس گذرنے کے بعد یوشع علیہ السّلام نبی بنائے گئے اور اُن کو جبارین سے لڑنے کا حکم ہوا پس جو لوگ بچے تھے اُن کو لے کر چلے اور جبارین سے لڑے اور یہ جمعہ کا دن تھا اور سورج ان کے واسطے ایک ساعت کے لیے ٹھہرا دیا گیا یہاں تک کہ وہ لڑائی سے فارغ ہوئے اور بیت المقدس میں داخل ہوئے (رواہ احمد) سورج مامور بامر الٰہی ہے اور مسخر اور مقہور بحکم خداوندی ہے اس کے حکم سے تھوڑی دیر کے لیے اس کے ایک نبی کے لیے ٹھہر گیا جس طرح ابر و ہوا کا چلنا اور ٹھہرنا اللہ کے حکم سے ہے اسی طرح سورج کا چلنا اور ٹھہر جانا بھی اللہ کے حکم سے ہے سب اس کے حکم کے سامنے مقہور اور مجبور ہیں

نکتہ صحابہ کرام نے بنی اسرائیل کی طرح جہاد میں بزدلی نہیں دکھلائی بلکہ جان و مال آنحضرت پر قربان کیا اور دائیں اور بائیں اور آگے اور پیچھے ہر طرف آپؐ کے ساتھ جہاد کیا جس کا ثمرہ ملا کہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ سے روئے زمین کی خلافت اور حکومت کا وعدہ کیا کما قال تعالیٰ وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ وَلَیُمَکِّنَنَّ لَھُمْ دِیْنَھُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَھُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّھُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِھِمْ اَمْنًا اور چند ہی روز میں مصر و شام اور عراق سب فتح ہو گئے اور قیصر و کسریٰ کا خاتمہ ہو گیا اور مشرق و مغرب کا خراج مدینہ منورہ کے خزانہ میں خلافت عثمانی کے زمانہ میں پہنچ گیا۔

وَاتْلُ عَلَیْھِمْ نَبَاَ ابْنَیْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ

اور سنا ان کو احوال تحقیق آدم کے دو بیٹوں کا

قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِھِمَا وَلَمْ

جب نیاز کی دونوں نے کچھ نیاز پھر

یُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقْتُلَنَّکَ ؕ قَالَ

قبول ہوئی ایک سے اور نہ قبول ہوئی دوسرے سے کہا میں تجھ کو مار ڈالوں گا وہ بولا

اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۲۷﴾ لَئِنْۢ بَسَطْتَّ

کہ اللہ قبول کرتا ہے سو ادب والوں سے اگر تو ہاتھ چلاوے گا

اِلَیَّ یَدَکَ لِتَقْتُلَنِیْ مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ یَّدِیَ اِلَیْکَ

مجھ پر مارنے کو میں نہ ہاتھ چلاؤں گا تجھ پر

لِاَقْتُلَکَ ۚ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰہَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۲۸﴾ اِنِّیْٓ

مارنے کو میں ڈرتا ہوں اللہ سے جو صاحب ہے سب جہان کا میں

اُرِیْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِیْ وَاِثْمِکَ فَتَکُوْنَ مِنْ

چاہتا ہوں کہ تو حاصل کرے میرا گناہ اور اپنا گناہ پھر ہو

اَخِىۡ ۚ فَاَصۡبَحَ مِنَ النّٰدِمِيۡنَ ﴿۳۱﴾

اپنے بھائی کا پھر لگا پچھتانے

قصۂ ہابیل وقابیل

قال تعالیٰ وَاتۡلُ عَلَيۡهِمۡ نَبَاَ ابۡنَىۡ اٰدَمَ بِالۡحَقِّ .... الی .... فَاَصۡبَحَ مِنَ النّٰدِمِيۡنَ

ربط) گزشتہ آیات میں اہل کتاب کے اس فخر اور دعوے (نَحۡنُ اَبۡنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ) کا رد فرمایا اب آگے ہابیل وقابیل کا قصہ ذکر فرماتے ہیں کہ دونوں آدم علیہ السّلام کے صلبی بیٹے تھے مگر جس نے اطاعت کی وہ مقبول ہوا اور جس نے نافرمانی کی وہ مردود ہوا اور آدم کا بیٹا ہونا کچھ کام نہ آیا معلوم ہوا کہ اہل کتاب کا یہ گھمنڈ کہ ہم پیغمبروں کی اولاد ہیں بالکل غلط ہے۔

(ع) بندگی باید پیمبر زادگی درکار نیست

نیز اس قصہ سے بنی اسرائیل کو نصیحت کرنا مقصود ہے کہ حسد کا انجام کیسا برا ہوتا ہے لہٰذا تم کو چاہیئے کہ نبی امی فداہ نفسی وابی وامی کے فضل وکمال پر حسد نہ کرو بلکہ اس پر نظر کرو کہ

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم بالکل امی ہیں کسی تاریخ کی کتاب کو پڑھ بھی نہیں سکتے مگر تمہارے سامنے توریت اور انجیل کے مخفی علوم اور بنی اسرائیل کے گذشتہ واقعات کو اس طرح بیان کر رہے ہیں کہ تمہارے علماء اور فضلاء کو مجال انکار کی نہیں آخر یہ تو سوچو کہ یہ باتیں آپ کو سوائے خدا کے کس نے بتائیں۔

خلاصہ قصہ کا یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السّلام کے حضرت حواء کے بطن سے ہر حمل میں ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوتے تھے اور حکم یہ تھا کہ ایک حمل کے لڑکے کو دوسرے حمل کی لڑکی سے بیاہ دیں جڑواں بہن سے بھائی کا نکاح حلال نہ تھا سب سے پہلے حمل میں قابیل اور اس کی بہن اقلیماء پیدا ہوئے اور دوسرے حمل میں ہابیل اور اس کی بہن البودا پیدا ہوئے اور قابیل کی بہن اقلیماء بہت خوبصورت تھی اسی دستور کے مطابق حضرت آدمؑ نے ہابیل کی بہن کا قابیل کے ساتھ اور قابیل کی بہن کا ہابیل کے ساتھ نکاح کرنا چاہا مگر قابیل راضی نہ ہوا اور کہنے لگا کہ میں اپنی بہن سے خود نکاح کروں گا حضرت آدم علیہ السّلام نے فرمایا وہ تیرے لیے حلال نہیں مگر اس کی سمجھ میں نہ آیا حضرت آدم علیہ السّلام نے حجت قطع کرنے کے لیے یہ فیصلہ فرمایا کہ تم دونوں اللہ کے نام کی نیاز اور قربانی کرو جس کی نیاز خدا تعالیٰ قبول فرمائیگا اسی کے ساتھ اقلیماء کی شادی کر دوں گا سو دونوں نے قربانی کی ہابیل نے جو مویشی اور بکریوں والا تھا ایک عمدہ اور فربہ دنبہ قربانی کیا اور پہاڑ پر لیجا کر رکھ دیا اور قابیل جو کھیتی والا تھا تھوڑا سا ردّی غلہ لاکر رکھ دیا اس زمانہ میں قبول اور عدم قبول کی نشانی یہ تھی کہ جو نیاز قبول ہوتی اس کو آسمان سے ایک آگ آکر جلا جاتی اور جو نہ مقبول ہوتی اس کے لیے آسمان سے آگ نہ آتی جب ہابیل اور قابیل نے اپنی اپنی نیاز قربان گاہ پر لاکر رکھ دی تو آسمان سے ایک آگ آئی تو ہابیل کی نیاز کو جلا گئی اور قابیل کی نیاز کو ویسے ہی چھوڑ گئی غرض یہ کہ ہابیل کی نیاز قبول ہوتی اور قابیل کی نیاز قبول نہ ہوئی تو قابیل کے دل میں حسد پیدا ہوا اور اپنے بھائی کے قتل کرنے کا ارادہ کیا یہاں تک کہ اس کو قتل کر ڈالا لیکن یہ سمجھ میں نہ آیا کہ اس کی لاش کو کس طرح چھپاؤں کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اس کی خبر نہ ہو آخر اللہ تعالیٰ نے ایک کوّا بھیجا کہ اُس نے ایک مردے کوّے کیلئے زمین کریدی اور اس مردہ کوّے کو اس میں دفن کر دیا قابیل یہ دیکھ کر حیران اور پشیمان ہوا کہ افسوس مجھ میں کوّے کے برابر بھی عقل نہیں کہ زمین کھود کر اس کو گاڑ دیتا چنانچہ فرماتے ہیں

(اے نبی کریم) آپ اُن کے سامنے آدم کے دو بیٹوں کا صحیح صحیح واقعہ پڑھ کر سنا دیجئے جبکہ ان دونوں نے اللہ کے لیے کچھ نیاز کی پس ایک (یعنی ہابیل) کی طرف سے تو نیاز قبول ہوگئی اور دوسرے یعنی قابیل کی طرف سے قبول نہ ہوتی تو قابیل کو غصہ آیا اور یہ کہا کہ خدا کی قسم میں تجھے ضرور مار ڈالوں گا ہابیل نے کہا اس میں میرا قصور کیا ہے جزایں نیست اللہ تعالیٰ ادب والوں

ہی کی نیاز قبول کرتا ہے تو نے تقویٰ اور ادب کو چھوڑ دیا اس لیے تیری نیاز قبول نہیں ہوئی تو
اس میں میرا کیا قصور ہے اگر تو نے میرے قتل کے ارادہ سے میری طرف ہاتھ بڑھایا تو میں وہ
نہیں ہوں کہ اپنے دفعیہ ہی کے لیے تیرے قتل کی طرف اپنے ہاتھ کو بڑھاؤں اگرچہ اپنی جان
بچانے کے لیے دفعیہ جائز ہے لیکن بھائی کے مقابلہ میں صبر کرنا ہی افضل اور اکمل ہے کافر سے
اگر مقابلہ ہو تو ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ جانا ہرگز جائز نہیں اور اگر مسلمان بھائی سے مقابلہ ہو تو
مدافعت درجہ رخصت میں ہے اور صبر کرنا عزیمت اور موجب صد فضیلت ہے بے شک میں اللہ
رب العالمین سے ڈرتا ہوں یہ ہاتھ نہ پھیلانے کی علت بیان کی مطلب یہ ہے کہ قتل بہت بری چیز
ہے اور خدا کو سخت ناپسند ہے اگر میں نے اپنے سے حملہ دفع کرنے کے لیے اپنے آپ کو معذور
سمجھ کر تجھ کو قتل کر دیا تو پھر بھی مجھ کو خدا سے ڈر ہے کہ کہیں مجھ سے مؤاخذہ نہ کریں کہ تم نے
قتل میں عجلت سے کام لیا اور محض دھمکی پر کیوں قتل کر ڈالا قابیل نے تو ابھی صرف دھمکی
ہی دی تھی قتل کا ارتکاب تو نہیں کیا تھا اور عجب نہیں کہ ہابیل کو یہ بھی ڈر ہو کہ ابھی تک
روئے زمین پر کوئی قتل واقع نہیں ہوا لہٰذا اس کی کوشش یہ تھی کہ باہمی قتل کی سنت میرے
ہاتھ سے جاری نہ ہو اور اس وجہ سے حضرت عثمان غنیؓ صحابہ کو باغیوں کے مقابلہ اور مقاتلہ
کی اجازت نہیں دیتے تھے حالانکہ وہ قطعاً مظلوم اور بے گناہ تھے لیکن اُن کی تمنا یہ تھی کہ
مسلمانوں میں باہمی کشت و خون کی سنّت کا آغاز میرے ہاتھ سے نہ ہو اس خوف اور ڈر کی وجہ
سے عثمان ذی النورینؓ نے صحابہ کو فتنہ پردازوں کے مقابلہ کی اجازت نہ دی اور صبر اور شہادت
کو ترجیح دی چنانچہ ایوب سختیانیؒ فرماتے ہیں کہ امت محمدیہ میں سب سے پہلا شخص جس
نے اس آیت پر عمل کر کے دکھلایا حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہیں (رواہ ابن ابی
حاتم) (تفسیر ابن کثیر)

حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان کو پیش آنے والے فتنہ
کی خبر دے دی تھی اور یہ وصیت فرما دی تھی کہ تو اس وقت آدمؑ کے بیٹے کے مانند ہو جانا اور
آپ نے یہ آیت تلاوت کی لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَیَّ یَدَکَ لِتَقْتُلَنِیْ مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ اور حضور پُرنورؐ
نے حضرت عثمانؓ کو یہ وصیت بھی کی تھی کہ اللہ تجھ کو ایک خلعت (خلافت) پہنائے گا تو لوگوں
کے کہنے سے مت اتارنا اس لیے حضرت عثمانؓ فتنہ اور نرغہ کے وقت خلافت سے دست بردار
نہ ہوئے اور باغیوں سے قتال بھی نہ کیا اور صبر کے ساتھ اللہ کا کلام پڑھتے جان دے دی
اور صبر و تحمل میں ہابیل کا نمونہ بنے ۔

غرض یہ کہ ہابیل نے مدافعت سے بھی انکار کر دیا اور یہ کہدیا کہ میں تجھ سے ڈر کر نہیں
بلکہ خدا سے ڈر کر یہ چاہتا ہوں کہ بھائی کے خون میں اپنے ہاتھ نہ رنگوں اور یہ کہا کہ تحقیق میں

یہ چاہتا ہوں کہ تو میرا بھی گناہ اور اپنا بھی گناہ اٹھائے پھر تو دوزخیوں میں سے ہو جائے مطلب[1] یہ ہے کہ اگر تو میرے قتل سے باز نہ آیا تو قیامت کے دن تیری گردن پر تیرے گناہ کا بھی بوجھ ہوگا اور میرے گناہوں کا بوجھ بھی تجھ پر ڈالا جائے گا اس لیے قیامت کے دن مقتول مظلوم کی برائیاں قاتل پر ڈال دی جائیں گی اس طرح دونوں کا بوجھ تجھ ہی کو اٹھانا پڑے گا اس لیے کہ خدا کے یہاں قاتل کی سزا یہ مقرر ہے کہ اس کے ذمے اس کا گناہ بھی لکھا جائے اور اس کے مقتول کا بھی اور اس کو دوھری سزا دی جائے یہ مجاہد کا قول ہے

یا یہ[2] مطلب ہے کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ اپنے دوسرے گناہوں کے ساتھ میرے قتل اور خون ناحق کا گناہ بھی تو ہی سمیٹے۔ عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ اور حسنؒ اور قتادہؒ سے یہی تفسیر منقول ہے (تفسیر کبیر ص۲۰۳ ج ۳)

اور امام ابن جریر طبریؒ اور حافظ ابن کثیرؒ نے بھی اسی قول کو اختیار فرمایا ہے اور شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے جلالین میں اسی قول کو ترجیح دی ہے اور ظالموں کی یہی سزا ہے غرض یہ کہ ہابیل نے محبانہ اور برادرانہ اور مخلصانہ نصیحت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا مگر قابیل پر بھائی کی حکمت و موعظت کا کوئی اثر نہ ہوا پس قابیل کے نفس نے اس کو اپنے بھائی ہابیل کے قتل کے لیے راضی کر لیا چنانچہ اس نے اس کو قتل کر ڈالا پس نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگیا یعنی اس قتل سے اس کو دین اور دنیا دونوں کا خسارہ ہوا دنیا کا خسارہ تو یہ ہوا کہ والدین ناراض رہتے اور وہ بغیر بھائی کے رہ گیا اور دنیا میں قیامت تک بدنام ہوا اور آخرت کا یہ خسارہ ہوا کہ اس ظلم اور تعدی اور قطع رحمی کی وجہ سے خدا اس سے ناراض ہوا اور قطع رحمی کا بانی ہونے کی وجہ سے سزا کا

---

[1] قال الامام البغوی وروی ابن ابی نجیم عن مجاهد قال معناه انی ارید ان یکون علیك خطیئتی التی عملتها اذا قتلتنی واثمك فتبوء بخطیئتی ودمی جمیعا انتهی یعنی اذ قتلتنی ترجع حاملا خطایای لظلمک علیّ وقال القرطبی ای یؤخذ من سیئاتی فطرح علیك بسبب ظلمک لی وتبوء باثمك فی قتلك وهذا یعضده قوله علیه الصلاة والسلام یؤتی یوم القیامة بالظالم والمظلوم فیوخذ من حسنات الظالم فتزاد فی حسنات المظلوم حتی ینتصف فان لم تکن له حسنات اخذ من سیئات المظلوم فتطرح علیه اخرجه مسلم بمعناه (تفسیر قرطبی ص۱۳۷ ج ۶)

---

[2] قال ابن عباس وابن مسعود والحسن وقتادة رض معناه تحمل اثم قتلی واثمك الذی کان منك قبل قتلی وهذا بحذف المضاف (تفسیر کبیر ص۲۰۳ ج ۳)

مستحق ہوا اور ایک خسارہ یہ ہوا جو حدیث میں آیا ہے کہ دنیا میں کوئی نفس ظلماً نہیں قتل کیا جاتا مگر آدمؑ کے پسرِ اول پر اس کے خون کا ایک حصّہ ہوتا ہے کیونکہ سب سے پہلے ظلماً قتل کا طریقہ اسی نے نکالا۔

چونکہ اس سے پہلے کوئی انسان مرا نہ تھا اس لیے قتل کے بعد اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ لاش کو کیا کرے جس سے یہ راز پوشیدہ رہے پس اللہ نے ایک کوّے کو بھیجا کہ جو زمین کرید رہا تھا کہ زمین کھود کر اس میں ایک مرے ہوئے کوّے کو دھکیل کر اس پر مٹی ڈال رہا تھا تاکہ اللہ تعالیٰ اس کوّے کے ذریعہ سے قابیل کو یہ دکھلاوے کہ وہ اپنے بھائی کی لاش کو کس طرح چھپائے اہلِ اخبار کا بیان ہے کہ جب قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا تو عرصہ تک اس کے لاشہ کو پشت پر لادے پھرا کیونکہ یہ سب سے پہلی موت تھی جو روئے زمین پر واقع ہوئی اور اس وقت تک میت کے چھپانے کا کوئی طریقہ معلوم نہ تھا آخر اللہ تعالیٰ نے دو کوّے بھیجے جو آپس میں لڑے اور ایک نے دوسرے کو قتل کیا پھر قاتل کوّے نے اپنی چونچ اور پنجوں سے زمین کرید کر اس میں ایک گڑھا بنایا اور مقتول کوّے کو اس میں ڈال کر مٹی سے چھپایا قابیل نے یہ تمام کیفیت دیکھی اور اس کوّے سے دفن کا طریقہ سیکھا اور اپنی حالت پر سخت ندامت ہوئی شرمندہ ہو کر کہنے لگا ہائے میری شامت مجھ سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ میں اس کوّے ہی جیسا ہو جاتا کہ اپنے بھائی کی لاش کو چھپا دیتا پس وہ پشیمانوں میں سے ہو گیا کہ ہائے کوّے کی برابر بھی مجھے عقل نہ آئی۔

ف جاننا چاہیے کہ یہ ندامت اور پشیمانی توبہ کی ندامت نہ تھی جو ندامت خدا کے خوف سے ہو وہ توبہ ہے اور جو ندامت اور پریشانی اور پشیمانی دنیا کی ذلت کے ڈر سے ہو وہ ایک امر طبعی ہے وہ شرعی توبہ نہیں

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اَنَّهٗ
اسی سبب سے لکھا ہم نے بنی اسرائیل پر کہ جو
مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ
کوئی مار ڈالے ایک جان سوائے بدلے جان کے یا فساد کرنے ملک میں
فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ وَمَنْ اَحْیَاهَا
تو گویا مار ڈالا سب لوگوں کو اور جس نے جِلایا

فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا ۚ وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُنَا

ایک جان کو تو گویا جلایا سب لوگوں کو اور لاچکے ہیں اُن پاس رسول

بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ إِنَّ كَثِيرًا مِّنْهُم بَعْدَ ذَٰلِكَ فِي

ہمارے صاف حکم پھر بہت لوگ ان میں اس پر بھی ملک میں

الْأَرْضِ لَمُسْرِفُونَ ﴿٣٢﴾

دست درازی کرتے ہیں

تمہید مشروعیت حدود وتعزیرات بنابرظہور ایں چنیں جنایات

قال تعالیٰ مِنْ أَجْلِ ذَٰلِكَ كَتَبْنَا عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ ... الیٰ ...... لَمُسْرِفُونَ ۞

(ربط) گذشتہ آیات میں ایک ناحق قتل کا واقعہ بیان فرمایا اب ارشاد فرماتے ہیں کہ اسی قسم کی خرابیوں کی وجہ سے خدا تعالیٰ نے حُدُود و تعزیرات کو مشروع فرمایا تاکہ فساد کا انسداد ہو جائے چنانچہ فرماتے ہیں اسی واقعہ کی وجہ سے یعنی انہی خرابیوں کی وجہ سے کہ جو بے گناہ کے قتل میں پیش آتی ہیں کہ قاتل کو دنیا میں ندامت اور فضیحت اور آخرت میں عقوبت ہم نے بنی اسرائیل پر خصوصًا اور تمام بنی آدم پر عمومًا یہ حکم لکھ دیا کہ جو شخص کسی کو بلا عوض اور بلا بدلہ کے یا زمین میں بغیر فساد کے قتل کر ڈالے فساد کی بہت سی صورتیں ہیں مثلاً رہزنی کرے یا نکاح کے بعد زنا کرے یا مرتد ہو جائے یا دوسروں کو مرتد ہونے کی ترغیب دے یا خدا اور رسول اور احکام شریعت کا مذاق اڑائے اور بغیر نفس سے مراد یہ ہے کہ بغیر قصاص لازم ہوئے کسی کو ناحق قتل کر ڈالے تو گویا اس نے تمام آدمیوں کو قتل کیا کیونکہ اُس نے قتل کا دروازہ کھول دیا اور بنی اسرائیل کی ہدایت کے لیے یہ بھی لکھ دیا کہ جو شخص ایک آدمی کی زندگانی کا سبب بنا یعنی کسی مظلوم کو ظالم کے پنجہ سے چھڑایا کسی زندہ نفس کے قتل سے باز رہا تو گویا اُس نے تمام لوگوں کو زندہ کیا چونکہ قابیل کے ہابیل کو قتل کرنے کی وجہ سے لوگوں میں قتل کا رواج ہو گیا اس لیے اُس کی روک تھام کے لیے بنی اسرائیل کو توریت میں یہ حکم دیا کہ ایک شخص کے قتل کا گناہ اتنا بڑا ہے جتنا سب لوگوں کے قتل کرنیکا اور جس نے ایک جان کو زندہ کیا یعنی کسی ظالم قاتل کے ہاتھ سے اسکو بچایا تو اسکا ثواب اتنا ہے جتنا سارے جہان کے زندہ کرنیکا اسلیئے کہ جسنے ایک آدمی کو قتل کیا اُسنے بدامنی اور خون ناحق کا دروازہ کھولا اور جسنے کسی کی جان بچائی اُسنے عمل سے امن اور حیات کا دروازہ کھولا اور زندہ کرنے سے مراد اُس کو ہلاکت سے بچانا ہے

بنی اسرائیل چونکہ قتل اور خونریزی سے نہیں ڈرتے تھے اس لیے حق تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو یہ حکم یاد دلایا کہ توریت میں تو یہ حکم لکھا ہوا ہے اور تم قتل اور خونریزی سے بالکل نہیں ڈرتے خدا کے ہزاروں نبیوں کو پہلے قتل کر چکے ہو اور اب خدا کے رسول محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے قتل کی فکر میں ہو اور البتہ تحقیق ہمارے پیغمبر اُن کے پاس صاف صاف احکام لے کر آچکے ہیں پھر بھی تحقیق بہت سے لوگ زمین میں حد سے نکلے جا رہے ہیں یعنی ظلم اور تعدی اور فتنہ اور فساد سے باز نہیں آتے یعنی باوجودیکہ قتل کے احکام اس سختی سے انہیں سنائے گئے مگر اُن کی شرارت میں ذرا بھی کمی نہ ہوئی وہی ظلم و تعدی ان کی بدستور رہی ۔

إِنَّمَا جَزَٰٓؤُا۟ ٱلَّذِينَ يُحَارِبُونَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَ

یہی سزا ہے ان کی جو لڑائی کرتے ہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے اور

يَسْعَوْنَ فِى ٱلْأَرْضِ فَسَادًا أَن يُقَتَّلُوٓا۟ أَوْ

دوڑتے ہیں ملک میں فساد کرنے کو کہ ان کو قتل کیجئے یا

يُصَلَّبُوٓا۟ أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُم مِّنْ

سولی چڑھایئے یا کاٹیئے ان کے ہاتھ اور پاؤں مقابل کا

خِلَٰفٍ أَوْ يُنفَوْا۟ مِنَ ٱلْأَرْضِ ۚ ذَٰلِكَ لَهُمْ خِزْىٌ

یا دور کردیئے اس ملک سے یہ ان کی رسوائی ہے

فِى ٱلدُّنْيَا ۖ وَلَهُمْ فِى ٱلْءَاخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٣٣﴾

دنیا میں اور ان کو آخرت میں بڑی مار ہے

إِلَّا ٱلَّذِينَ تَابُوا۟ مِن قَبْلِ أَن تَقْدِرُوا۟ عَلَيْهِمْ ۖ

مگر جنہوں نے توبہ کی تمہارے ہاتھ پڑنے سے پہلے

فَٱعْلَمُوٓا۟ أَنَّ ٱللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٣٤﴾

تو جان لو کہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے

حکمِ دوازدہم ۔ حدِّ قطعِ طریق

قال تعالیٰ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ... الیٰ ..... اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

(ربط) گذشتہ آیت میں فساد فی الارض اور قتل ناحق کی شناعت بیان فرمائی چونکہ فساد کی ایک صورت قطع طریق یعنی رہزنی اور ڈکیتی بھی ہے اس لیے اب اس آیت میں فساد کے انسداد کے لیے اول قطاع طریق (رہزنوں) کی شرعی سزا کو بیان فرماتے ہیں اور اس کے بعد کی آیت میں سارق (چور) کی سزا کو بیان کرتے ہیں جو اسی حکم سابق کا تتمہ اور تکملہ ہے کیونکہ چوری بھی ایک قسم کا فساد ہے جز ایں نیست کہ سزا ان لوگوں کی جو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں یعنی شریعت کا مقابلہ کرتے ہیں اور اس کے احکام کی علانیہ مخالفت کرتے ہیں اور زمین میں بارادۂ فساد دوڑتے پھرتے ہیں یعنی قتل اور قطع طریق (رہزنی) کرتے پھرتے ہیں ایسے لوگوں کی سزا یہی ہے کہ قتل کیے جائیں یا سولی دیئے جائیں یا ان کے ہاتھ اور مخالف جانب کے پاؤں کاٹے جائیں یعنی دایاں ہاتھ اور بایاں پیر یا جلا وطن کر دیئے جائیں۔ جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ یہ آیت رہزنوں اور ڈاکوؤں کے متعلق ہے خواہ مسلمان ہوں یا کافر اور اَلَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ میں محاربہ سے رہزنی مراد ہے اور بعض علماء کا قول یہ ہے کہ آیت مرتدین کے بارہ میں نازل ہوئی اور آیت میں محاربہ سے ارتداد مراد ہے۔

اور اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ میں جو لفظ اَوْ وارد ہوا ہے وہ صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت کے نزدیک تخییر کیلئے ہے کہ امام کو اختیار ہے کہ ان چار سزاؤں میں سے بلحاظ نوعیتِ جرم جونسی سزا مناسب سمجھے دے اور جمہور علماء کے نزدیک اَوْ تنویع اور تقسیم کے لیے ہے یعنی مختلف حالات میں اختلافِ احکام کے لیے ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہ سزائیں جرائم پر منقسم ہیں جس نوع کے جرم کا ارتکاب کیا ہے اسی نوع کی سزا ہوگی مثلاً اگر کسی نے صرف کسی کو قتل کیا ہے تو اس کی سزا صرف قتل ہوگی اور اگر قتل کے ساتھ مال بھی لوٹا ہے تو وہ قتل بھی کیا جائے گا اور سولی بھی دیا جائے گا یعنی قتل کر کے عبرت کے لیے سولی پر بھی لٹکا دیا جائے گا اور اگر صرف مال لوٹا ہے تو صرف ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پیر کاٹ کر چھوڑ دیا جائے گا اور اگر صرف راہ روؤں کو ڈرایا اور دھمکایا ہے تو اس کو جلا وطن کر دیا جائے گا جیسا کہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں یا قید میں ڈال دیا جائے جیسا کہ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں امام شافعیؒ کے نزدیک يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ سے جلا وطنی مراد ہے اور امام اعظمؒ کے نزدیک يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ سے قید اور حبس مراد ہے کیونکہ ان

لوگوں کو اگر مسلمانوں کے کسی دوسرے شہر کی طرف بھیج دیا گیا تو وہاں کے مسلمانوں کو ایذاء پہنچائیں گے اور اگر کفار کے ملک میں بھیجا جائے تو مرتد ہونے کا اندیشہ ہے یہ حدیں اور سزائیں ان کیلئے دنیا میں ذلت اور رسوائی ہے اور آخرت میں اُن کے لیے بڑا عذاب ہے مگر جو لوگ تمہارے پکڑنے اور گرفتار کرنے سے پہلے ہی اپنے گناہوں سے توبہ کرلیں تو خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ اپنے حقوق کو معاف کرنے والا ہے اور مہربان ہے باقی حقوق عباد بغیر بندوں کے معاف کرنے کے ساقط نہیں ہوتے مطلب یہ ہے کہ اگر گرفتاری سے پہلے توبہ کرلیں تو حد جو کہ اللہ کا حق ہے وہ تو معاف ہو جائے گا اور حد اُن سے ساقط ہو جائے گی البتہ حق العبد باقی رہے گا پس اگر مال لیا ہے تو اس کا ضمان دینا پڑے گا اور اگر کسی کی جان لی ہے تو قصاص لازم ہوگا مگر اس ضمان اور قصاص معاف کرنے کا حق صاحبِ مال اور ولی مقتول کو حاصل ہوگا اور ولی مقتول اگر اس کو قتل کرے تو وہ قتل بطور قصاص کے ہوگا نہ کہ بطور حد خوب سمجھ لو۔

تنبیہ اس حد کے سوا اور باقی حدود مثلاً حد زنا اور حد خمر اور حد سرقہ اور حد قذف توبہ سے ساقط نہیں ہوتے (کذافی الہدایہ)

امام ابوبکر رازیؒ۔ اور امام فخر الدین رازیؒ فرماتے ہیں کہ سلف اور خلف کا قول یہ ہے کہ یہ آیت قُطّاع طریق یعنی رہزنوں کے بارہ میں نازل ہوئی خواہ وہ فاسق و فاجر مسلمان ہوں یا کافر اور بعض علماء (جیسے امام بخاری) اس طرف گئے ہیں کہ یہ آیت مرتدین کے بارہ میں نازل ہوئی مگر یہ قول شاذ ہے اور پہلا ہی قول صحیح ہے اس لیے کہ قتل مرتد ہر حال میں واجب ہے محاربہ اور اظہار فساد پر موقوف نہیں دوم یہ کہ مرتد کا قتل ہی واجب ہے مرتد کا فقط ہاتھ کاٹ دینا یا اُس کو جلاوطن کر دینا کافی نہیں۔ سوم یہ کہ آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حد اس وقت ساقط ہو جاتی ہے جب کہ مجرم گرفتار ہونے سے پہلے توبہ کرلے اور اگر گرفتاری کے بعد توبہ کرے تو حد ساقط نہ ہوگی سو یہ حکم قاطع طریق یعنی رہزن کا تو ہے مگر مرتد کا یہ حکم نہیں اسلیئے کہ مرتد کی حد ہر حال میں توبہ سے ساقط ہو جاتی ہے مرتد چاہے گرفتاری سے قبل توبہ کرے یا بعد گرفتاری کے اس پر حد جاری نہ ہوگی۔

چہارم یہ کہ مرتد کا حکم قتل ہے نہ کہ صلب (سولی) پنجم یہ کہ آیت کے الفاظ عام ہیں جو ارتداد اور رہزنی اور ناحق قتل سب کو شامل ہیں غایت مافی الباب اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ آیت مرتدین کے بارہ میں نازل ہوئی تو اعتبار عموم الفاظ کا ہوگا نہ کہ خصوص مورد کا (تفسیر کبیر ص ۳ ج ۳)

(احکام القرآن للجصاص ص ۴ ج ۲)

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ

اے ایمان والو ڈرتے رہو اللہ سے اور ڈھونڈو اس تک

الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۳۵﴾
وسیلہ اور لڑائی کرو اس کی راہ میں شاید تمہارا بھلا ہو
إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ أَنَّ لَهُمْ مَا فِي الْأَرْضِ
جو کافر ہیں اگر ان کے پاس ہو جتنا کچھ زمین میں
جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لِيَفْتَدُوا بِهِ مِنْ عَذَابِ
ہے سارا اور اس کے ساتھ اوتنا اور چھڑوائی میں دیں اپنی
يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ
قیامت کے عذاب سے وہ ان سے قبول نہ ہو اور ان کو دکھ کی
أَلِيمٌ ﴿۳۶﴾ يُرِيدُونَ أَنْ يَخْرُجُوا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ
مار ہے چاہیں گے کہ نکل جاویں آگ سے اور وہ نکلنے
بِخَارِجِينَ مِنْهَا ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُقِيمٌ ﴿۳۷﴾
والے نہیں اور ان کو عذاب دائم ہے۔

خطاب باہل ایمان

قال تعالیٰ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ .. الخ .... وَلَهُمْ عَذَابٌ مُقِيمٌ

(ربط) اب ان آیات میں اہل ایمان سے خطاب ہے کہ تم بنی اسرائیل کی طرح شرارت نہ کرنا تم کو چاہیے کہ خدا تعالیٰ کی نافرمانیوں سے بچو اور اعمال صالحہ کو تقرب الٰہی کا ذریعہ اور وسیلہ بناؤ بنی اسرائیل کی طرح شرافت نسبی اور پیغمبر زادگی پر فخر نہ کرو اور خدا کی راہ میں دل کھول کر جہاد کرو بنی اسرائیل کی طرح بزدلی نہ دکھاؤ اور اس کے بعد آخرت میں کافروں کی جو بری حالت ہوگی وہ بیان کی تاکہ مسلمانوں کو عبرت ہو اور وہ اُن جیسے افعال نہ اختیار کریں چنانچہ فرماتے ہیں اے ایمان والو! ایمان کا مقتضی یہ ہے کہ تم خدا سے ڈرتے رہو اور اس کی نافرمانی سے بچتے رہو اس لیے کہ خدا کی نافرمانی اللہ اور اس کے رسول سے محاربہ ہے اور زمین میں فساد ہے اور خدا تک پہنچنے

کا وسیلہ ڈھونڈو یعنی خدا تعالیٰ کے امر و نہی کو بجالاؤ تاکہ تمہیں خدا کا قرب حاصل ہو اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ تم خدا کی راہ میں ظاہری اور باطنی دشمنوں سے جہاد کرو اور حدیث میں ہے کہ اصل مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے اور جہاد ظاہری و باطنی قرب خداوندی کا بہترین وسیلہ اور ذریعہ ہے امید ہے کہ تم فلاح پاؤ گے تقویٰ اور جہاد سے فلاح حاصل ہوتی ہے آخرت میں مال کام نہ دے گا تحقیق جن لوگوں نے کفر کیا اگر بالفرض والتقدیر ان کے پاس روئے زمین کا تمام مال ومتاع اور اس کے تمام خزینے اور دفینے موجود ہوں اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور بھی ہو تاکہ یہ سب دیکر اس کے عوض روزِ قیامت کے عذاب سے نجات حاصل کر سکیں تو وہ ان سے قبول نہ کیا جائیگا یعنی اگر بالفرض کافر کے پاس دو دنیا کے برابر مال ومتاع اور نقد اور جنس ہو اور وہ اس سب کو اپنے فدیہ میں دیکر عذاب سے چھوٹنا چاہے تو اس قدر فدیہ بھی قبول نہ کیا جائے گا اور اب دنیا میں تھوڑی سی بات بھی قبول ہے یعنی صرف لا الٰہ الا اللہ کہنے سے عذاب آخرت سے چھوٹ سکتا ہے مطلب یہ ہے کہ آخرت میں کافر کی نجات کی کوئی سبیل نہیں صحیحین میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس دوزخی سے جس کو سب سے کم عذاب ہوگا پوچھے گا کہ اگر تیرے پاس ساری دنیا ہو تو کیا تو اس کو اپنے فدیہ میں دیدے گا تو وہ کہے گا ہاں خدا تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے تو تجھ سے اس سے کہیں زیادہ آسان چیز طلب کی تھی کہ تو میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا میں تجھ کو دوزخ میں داخل نہ کروں گا بلکہ جنت میں داخل کروں گا لیکن تو نے اس آسان کو بھی قبول نہ کیا یعنی لہٰذا آج تجھ سے یہ فدیہ قبول نہ کیا جائے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے اور یہ کفار ناہنجار اس روز فلاح کا تصور بھی نہیں کر سکتے ان کی انتہائی تمنا اور آرزو یہ ہوگی کہ دوزخ کی آگ سے باہر نکل جائیں مگر ان کی یہ تمنا بھی پوری نہ ہوسکے گی اور یہ لوگ کسی صورت بھی اس سے نکل نہ سکیں گے اور ان کیلئے ہمیشہ کا عذاب ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا عذاب مقیم سے دائم اور مستمر مراد ہے کہ جس سے نہ نکلنا ہوگا اور نہ چھوٹنا کما قال تعالیٰ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَآ اُعِيْدُوْا فِيْهَا الخ عذاب مقیم کے اصل معنی یہ ہیں کہ وہ عذاب ٹھہرا ہوا کہ نہ اپنی جگہ سے جنبش کرے اور نہ ہلے اور نہ ٹلے یعنی دائمی ہوگا ۔

(ف ۱) حسن بصریؒ اور مجاہدؒ اور قتادہؒ اور عطاءؒ اور سُدّیؒ اور ابن زیدؒ اور عبداللہ بن کثیرؒ سے منقول ہے کہ آیت میں لفظ وسیلہ سے قرب کے معنی مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ اعمال صالحہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا قرب اور اتصال تلاش کرو (تفسیر قرطبی ص ۱۵۹ ج ۶) اور وہ جو حدیث میں ہے کہ وسیلہ جنت میں ایک اعلیٰ ترین منزل ہے اس کو وسیلہ اسی بناء پر کہا گیا کہ وہ منزل مکانات جنت میں سے قریب تر بعرش ہے اور ابن عباسؓ سے بھی یہی منقول ہے کہ وسیلہ کے

معنی تقرب کے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ تقویٰ اور اعمال صالحہ کو قرب خداوندی کا ذریعہ بناؤ غرض یہ کہ اس آیت کو مسئلہ توسل بالصالحین سے کوئی تعلق نہیں گو وہ مسئلہ دوسرے دلائل سے ثابت ہے (روح المعانی ص۱۱۱ ج ۶)

ف (۲) اس آیت سے صاف ثابت ہے کہ کافر کبھی عذاب سے نجات نہ پائیں گے اور اسی پر تمام اہلسنت والجماعت کا اجماع ہے۔

ف (۳) اور وَمَا هُمْ بِخَارِجِيْنَ مِنَ النَّارِ یہ ترکیب ما انا قلت کے باب سے ہے جسکے معنی یہ ہیں کہ یہ کافر تو عذاب دوزخ سے کبھی نہ نکلیں گے جس کا مطلب یہ ہوا کہ کافروں کے علاوہ کوئی اور گروہ ایسا ہے کہ وہ بعد چندے دوزخ سے نکل جائے گا وہ گروہ گنہگار مسلمانوں کا ہے جیسا کہ احادیث متواترہ اور اجماع امت سے ثابت ہے کہ عُصاۃ موحدین بالآخر نار سے نکالے جائیں گے

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ

اور جو کوئی چور ہو مرد ہو یا عورت تو کاٹ ڈالو ان کے ہاتھ سزا ان کی کمائی کی

بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۳۸

تنبیہ اللہ کی طرف سے اور اللہ زور آور ہے حکمت والا

فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ

پھر جس نے توبہ کی اپنی تقصیر کے پیچھے اور سنوار پکڑی تو اللہ اس کو معاف

عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۳۹

کرتا ہے بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

حکم سیزدہم۔ حدِ سرقہ

قَالَ تَعَالٰى وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ ...... الٰے ...... اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

(ربط) گذشتہ آیت میں قطع طریق کا بیان تھا جو سرقہ کبریٰ کہلاتا ہے اب اس آیت میں سرقۂ صغریٰ چوری کی سزا کا بیان ہے ڈاکو کھلم کھلا لوٹتے ہیں اور چور چھپ کر چوری کرتے ہیں پہلی آیت میں ڈاکہ کا بیان کیا اب اس آیت میں چوری کا حکم بیان کرتے ہیں اور جو مرد چوری کرے

اور اسی طرح جو عورت چوری کرے تو کاٹ ڈالو ان کے داھنے ہاتھ گٹے پر سے بطور سزا کے اس کردار بد اور برے عمل کے عوض اور بدلہ میں خدا کی طرف سے عبرت اور تنبیہ کے لیے یعنی یہ سزا (قطع ید) جو چور کو دی جارہی ہے وہ مال مسروق کا عوض اور بدلہ نہیں بلکہ اس کے فعل سرقہ کی سزا ہے تاکہ اس سے دوسرے چوروں کو تنبیہ اور عبرت ہوجائے بلاشبہ جہاں کہیں یہ سزا جاری ہوئی اور چوروں کا ایک دو مرتبہ ہاتھ کاٹا گیا تو قطعًا چوری کا دروازہ بند ہوجاتا ہے اور جب سے یہ سزا موقوف ہوئی اور عدالتی کارروائی شروع ہوئی اس وقت سے چوری کا دروازہ خوب کھل گیا ہے اور اللہ بڑی عزت والا اور حکمت والا ہے کہ چوری کرنے والا کتنا ہی معزز کیوں نہ ہو وہ اس عزیز حکیم کی مقرر کردہ سزا (قطع ید) سے نہیں نکل سکتا اُس کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ امن عالم اور باشندگان ملک کے اموال واملاک کی حفاظت کی خاطر وہ ہاتھ ہی کاٹ دیا جائے کہ جو اس جرم عظیم کا مرتکب ہوا الغرض یہ تو چور کی دنیوی سزا ہے جو کسی طرح نہیں ٹل سکتی رہا یہ امر کہ آخرت کی عقوبت اور سزا ٹل سکتی ہے یا نہیں سو اس کا حکم یہ ہے کہ جس نے اپنے اس ظلم وستم کے بعد توبہ کرلی اور اپنی حالت درست کرلی تو بے شک اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالیتے ہیں بے شک اللہ بڑا بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے بغیر توبہ کے آخرت کا گناہ معاف نہیں ہوتا اور سرقہ کی حد توبہ کرنے سے بھی معاف نہیں ہوتی ورنہ چور چوری کرنے کے بعد توبہ کرلیا کریں گے اور سرقہ کی سزا سے رہا ہوجایا کریں گے توبہ سے اللہ کا حق معاف ہوجاتا ہے توبہ سے بندوں کے حق معاف نہیں ہوتے محض توبہ کرنے سے چور سزا سے نہیں بچ سکتا۔

لطائف و معارف

(۱) کتاب وسنت نے چور کی سزا ہاتھ کاٹنا مقرر کی ہے جو غایت درجہ عادلانہ اور حکیمانہ سزا ہے اس عبرت ناک سزا کو دیکھ کر چور اور قزاق عبرت پکڑیں گے اور تمام ملک کے اموال اور املاک ظالموں کی دستبرد سے محفوظ ہوجائیں گے آج کل کے مدعیانِ تہذیب اس قسم کی سزا کو وحشیانہ سزا کے نام سے موسوم کرتے ہیں لیکن اُن کو یہ خیال نہیں آتا کہ چوری بھی کوئی وحشیانہ حرکت ہے اگر کسی وحشیانہ حرکت کے انسداد کے لیے وحشیانہ سزا تجویز کردی جائے تو کیا مضائقہ ہے چوری اگر تہذیب کے مطابق ہوتی تب تو یہ کہنا بجا ہوتا کہ چور کا ہاتھ کاٹنا خلافِ تہذیب ہے گویا کہ یہ تعلیم یافتہ طبقہ ان چوروں کا وکیل بنا ہوا ہے جن کے نزدیک چوری تو خلاف تہذیب نہیں البتہ چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا یہ خلافِ تہذیب ہے

حکایت ابو العلاء معری شاعر نے حد سرقہ پر یہ اعتراض کیا کہ جب شریعت نے ایک ہاتھ کی دیت پانسو دینار رکھی ہے تو اتنا قیمتی ہاتھ جس کے کاٹ ڈالنے پر پانسو دینار واجب ہوں وہ دس پانچ درم کی چوری میں کیسے کاٹا جا سکتا ہے۔

اور یہ شعر کہے۔

ید بخمس مئین عسجد ودیت ∴ ما بالها قطعت فی ربع دینار

تحکم مالنا الا السکوت له ∴ وان نعوذ بمولانا من النار

قاضی عبدالوہاب مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے جواب میں کیا خوب فرمایا۔

لَمَّا کَانَتْ اَمِیْنَۃً کَانَتْ ثَمِیْنَۃً وَلَمَّا خَانَتْ ھَانَتْ جب تک وہ ہاتھ امین تھا تو بڑا قیمتی تھا اور جب اس نے خیانت کی تو ذلیل و خوار ہو گیا۔

(۲) یہ سزا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات میں دی جیسا کہ احادیث صحیحہ میں بکثرت وارد ہے اور آپؐ کے بعد خلفاء راشدین سے لے کر خلفاء بنی العباس تک اسی قانون الٰہی پر عمل درآمد ہوتا رہا اور شاہانِ اسلام کے دورِ حکومت میں قضاۃ اور حُکّام یہ حد جاری کرتے رہے کتبِ تاریخ اس پر شاہد عدل ہیں جب سے مغربی تہذیب کا دور دورہ شروع ہوا اور یہ شرعی سزا موقوف ہوئی اس وقت سے چوری کا بازار گرم ہے بدمعاش لوگ جیل خانہ کو اپنا گھر سمجھتے ہیں اور اس زمانہ میں تو عدالت کی کوئی وقعت نہیں رشوت اور سفارش سے بری ہو جاتے ہیں۔

(۳) اس آیت میں خدا تعالےٰ نے صرف چور کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا ہے مگر اس کی تصریح نہیں فرمائی کہ کونسا ہاتھ کاٹا جائے اور کس جگہ سے کاٹا جائے لیکن احادیث صحیحہ اور اجماع امت سے ثابت ہے کہ داھنا ہاتھ پہنچے سے کاٹا جائے۔

(۴) رہا یہ امر کہ کس قدر مال کی چوری پر ہاتھ کاٹا جائے سو اس بارہ میں ایمۂ مجتہدین کا اختلاف ہے امام شافعیؒ کے نزدیک ربع دینار کی چوری پر قطع ید لازم ہے اور امام اعظمؒ کے نزدیک دس درم کی چوری پر امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک تین درم کی چوری پر تفصیل کے لیے شروحِ ھدایہ اور شروح بخاری کو دیکھیے۔

(۵) شریعت نے چوری کی سزا میں ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا مگر زنا کی سزا میں زانی کی شرمگاہ کو قطع کرنے کا حکم نہیں دیا اس لیے کہ شرمگاہ کے قطع کرنے سے قطعِ نسل لازم آئے گا اسلیئے یہ امر مشروع نہ ہوا۔

❁ ❁ ❁

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰہَ لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط

تو نے معلوم نہیں کیا کہ اللہ کو ہے سلطنت آسمان اور زمین کی

سب چیز پر قادر ہے ۔

اثباتِ ملکیت و مشیت و قدرت برائے باری تعالیٰ

قَالَ تَعَالٰی اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ ..... الیٰ .... وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

(ربط) گذشتہ آیت میں مغفرت اور رحمت کا بیان تھا اب اس آیت میں اپنی مالکیت اور کمال قدرت کو بیان فرماتے ہیں (اے مخاطب) کیا تجھے یہ معلوم نہیں کہ اللہ ہی کے لیے بادشاہی آسمانوں کی اور زمین کی وہ جس کو چاہے عذاب دے اور جس کو چاہے بخشے اور معاف کرے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے جو چاہے حکم دے اور جو چاہے سزا دے وہ مالک مطلق اور حاکم مطلق ہے کوئی اس کے حکم کو رد نہیں کر سکتا۔

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ

اے رسول تو غم نہ کھا ان پر جو دوڑ کر گرتے

فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا

ہیں منکر ہونے وہ جو کہتے ہیں ہم مسلمان ہیں

بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ

اپنے منہ سے اور ان کے دل مسلمان نہیں اور وہ جو یہودی ہیں

هَادُوْا ۚ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ

جاسوسی کرتے ہیں جھوٹ بولنے کو اور جاسوس ہیں دوسری

لَمْ يَأْتُوكَ ۖ يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهِ ۖ

جماعت کے جو تجھ تک نہیں آئے بے اسلوب کرتے ہیں بات کو اس کا ٹھکانا

يَقُولُونَ إِنْ أُوتِيتُمْ هَٰذَا فَخُذُوهُ وَإِنْ لَمْ تُؤْتَوْهُ

چھوڑ کر کہتے ہیں اگر تم کو یہ ملے تو لو اور اگر یہ نہ ملے

فَاحْذَرُوا ۚ وَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ فِتْنَتَهُ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهُ

تو بچتے رہو اور جس کو اللہ نے بہکانا چاہا سو تو اس کا کچھ نہیں کر سکتا

مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَمْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ

اللہ کے ہاں وہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے نہ چاہا کہ دل

يُطَهِّرَ قُلُوبَهُمْ ۚ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ۖ وَلَهُمْ فِي

پاک کرے ان کو دنیا میں ذلت ہے اور ان کو

الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٤١﴾ سَمَّاعُونَ لِلْكَذِبِ أَكَّالُونَ

آخرت میں بڑی مار ہے بڑے جاسوس جھوٹ کہنے کو اور بڑے حرام

لِلسُّحْتِ ۚ فَإِنْ جَاءُوكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ أَوْ أَعْرِضْ

کھانے والے سو اگر آویں تجھ پاس تو حکم کر دے ان میں یا تغافل کر

عَنْهُمْ ۖ وَإِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَضُرُّوكَ شَيْئًا ۖ

ان سے اور اگر تو تغافل کرے گا تو تیرا کچھ نہ بگاڑیں گے

وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ۚ إِنَّ اللَّهَ

اور اگر حکم کرے تو حکم کر ان میں انصاف کا اللہ چاہتا

يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ﴿٤٢﴾ وَكَيْفَ يُحَكِّمُونَكَ وَعِنْدَهُمُ

ہے انصاف والوں کو اور کس طرح تجھ کو منصف کریں گے اور

التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ

اُن کے پاس توریت ہے جس میں حکم اللہ کا پھر اس پیچھے پھرے جاتے ہیں

ذٰلِكَ ؕ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۳﴾ ع

اور وہ ماننے والے نہیں

تسلیۂ رسولِ کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم و ذکرِ خیانت یہود در حکم زنا کہ در توراۃ مذکور بود

قَالَ تَعَالٰی يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ ... الٰی ... وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝

شانِ نزول

ان آیات میں اخیر رکوع تک یہود کی ایک خاص خیانت کا ذکر ہے قصہ یہ ہوا کہ ایک مرتبہ خیبر کے ایک معزز گھرانہ کے ایک یہودی مرد اور ایک یہودی عورت زنا کے مرتکب ہوئے توریت میں زنا کی سزا سنگسار کرنا تھی لیکن جب یہودی اس سزا کو معزز گھرانوں پر جاری نہ کرسکے تو توریت میں تحریف کرکے اپنی طرف سے یہ سزا بنائی کہ زانی اور زانیہ کا منہ کالا کرکے اُن کو ایک گدھے پر سوار کرکے شہر میں پھراتے اور سو تازیانے لگاتے خیبر میں جب یہ واقعہ پیش آیا تو ان لوگوں نے یہ مشورہ کیا کہ یہ مقدمہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے پاس لے چلو دیکھو وہ کیا حکم دیتے ہیں شاید اُن کی شریعت میں کوئی حکم نرم ہو اس لیے کہ اُن کی شریعت۔ توراۃ کی طرح سخت نہیں اور یہ جانتے تھے کہ حضور پُر نور اُمّی ہیں آپ کو توراۃ کی خبر نہیں جو ہمارا معمول اور دستور سنیں گے اُسی کے مطابق فیصلہ کردیں گے اور جن لوگوں کے ساتھ مجرموں کو آپ کے پاس بھیجا اُن کو یہ سمجھا دیا کہ اگر حضور پُر نور دُرّے لگانے کا حکم دیں تو قبول کرلینا ورنہ پھر اس پر عمل نہ کرنا چنانچہ جب یہ لوگ مقدمہ لے کر آپؐ کے پاس آئے تو اللہ تعالےٰ نے بذریعہ وحی کے آپ کو خبردار کردیا کہ توریت میں زانی کا حکم رجم ہے تو آپ نے اُن سے پوچھا کہ توریت میں زنا کی کیا سزا ہے انہوں نے کہا کہ یہی سزا ہے منہ کالا کرکے شہر میں تشہیر کرنا اور تازیانے لگانا آپ یہ سن کر خاموش ہوگئے اور مسجد سے اُٹھ کر

سیدھے یہودیوں کے مدرسہ بیت المدارس میں تشریف لے گئے اور یہودیوں سے دریافت کیا کہ تم میں سب سے بڑا عالم کون ہے لوگوں نے کہا۔ ابن صوریا آپؐ نے اس سے دریافت کیا کہ بتلاؤ توریت میں شادی شدہ زانی کی کیا سزا ہے اس نے اور دیگر علماء یہود نے کہا کہ اس کی سزا یہ ہے کہ منہ کالا کرکے اور گدھے پر سوار کرکے شہر میں گھما دیا جائے اور تازیانے مارے جائیں آپؐ نے فرمایا تم غلط کہتے ہو توریت کو لاؤ اور اس کو میرے سامنے پڑھو چنانچہ توریت منگوائی گئی آخر وہ آیت جس میں رجم (یعنی سنگسار کرنے کا حکم تھا) وہ آیت نکلی اور پڑھ کر سنائی گئی ان میں سے ایک شخص نے اپنا ہاتھ آیت رجم پر رکھ دیا اور ماقبل اور مابعد پڑھ کر سنا دیا عبداللہ بن سلامؓ نے کہا اے عدو اللہ اپنا ہاتھ اٹھا اُس نے اپنا ہاتھ اُٹھایا اس کے نیچے سے آیت رجم نکلی تب سب نے اقرار کیا کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم سچے ہیں اور مجبوراً انہیں اس پر عمل کرنا پڑا آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ میں توریت کے مطابق رجم کا حکم دیتا ہوں آپؐ کے اس حکم کے بعد ان دونوں مجرموں کو سنگسار کیا گیا ان آیات میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے یہ تمام تفصیل تفسیر قرطبی ص۱۷۶ ج۶ اور تفسیر ابن کثیر ص۵۸ ج۲ میں مذکور ہے۔

(ربط) گذشتہ آیت میں مال کی چوری کا ذکر تھا اور ان آیات میں ایک حکم شرعی کی چوری اور خیانت کا ذکر ہے اور مقصود یہ ہے کہ احکام خداوندی کے اجراء اور تنفیذ میں امیر اور غریب کا فرق جائز نہیں اور امیروں کی رعایت سے حکم خداوندی میں تحریف موجب لعنت ہے اور آیت کا آغاز نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے تسلی سے فرمایا کیونکہ احکام شریعت کی مخالفت عموماً اور حدود اور تعزیرات کی مخالفت خصوصاً اہلِ نفاق اور اہل غرض کا شیوہ ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ان لوگوں کی ناشائستہ حرکات سے رنج اور ملال ہوتا تھا اس لیے حق جل شانہٗ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تسلیؔ اور تسکین کے لیے ارشاد فرماتے ہیں اے ہمارے رسول آپؐ کو وہ لوگ غم میں نہ ڈال دیں جو کفر کے نشر و اشاعت میں جدوجہد اور سعی کرتے پھرتے ہیں یعنی آپ ان کے کفریات سے رنجیدہ اور مغموم نہ ہوں یہ لوگ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اللہ آپ کا حافظ و ناصر ہے اور یہ کفر میں سعی کرنے والے خواہ منافقین میں سے ہوں جو زبان سے کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں اور اُن کے دل مسلمان نہیں اور خواہ یہود میں سے ہوں اور یہ دونوں گروہ جھوٹ سُننے کے عادی ہیں اپنے سرداروں اور رئیسوں سے جھوٹی باتیں سنتے ہیں اور اس کو قبول کرتے ہیں وہ آپ کے حق اور صدق کو کس طرح قبول کریں گے اور اگر کسی وقت آپ کی مجلس میں حاضر ہوتے ہیں تو آپکی سچی باتیں سُننے کے لیے حاضر نہیں آتے بلکہ آپ کی باتیں دوسرے لوگوں کے لیے سنتے ہیں جو آپ کے پاس نہیں آئے یعنی یہ لوگ جاسوس ہیں جو باتیں آپ سے سنتے ہیں اُن کی خبر اپنی قوم کو جاکر دیتے ہیں اور حق کی عداوت میں توریت کے کلمات اور الفاظ میں تغیر اور تبدل کر ڈالتے ہیں

بعد اس کے کہ وہ کلمات اپنے موقع اور محل میں ثابت اور قائم تھے وہاں سے اُن کو ہٹا دیتے ہیں یعنی توریت کے کلمات اور الفاظ میں تحریف کرتے ہیں اور مزید برآں یہ کہ جس کسی کو آپ کی خدمت میں بھیجتے ہیں تو اس سے یہ کہہ دیتے ہیں کہ اگر تم کو (محمد صلے اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے یہ حکم محرّف دیا جائے جو ہم نے تمہارے لیے تجویز کیا ہے تو اُسے قبول کر لینا اور اگر تم کو آپ کی بارگاہ سے یہ حکم محرّف نہ دیا جائے تو اس سے احتراز کرنا یعنی اگر کوڑے لگانے کا حکم ملے تو قبول کرنا ورنہ نہیں گویا کہ خدا کی شریعت کو اپنی ہوائے نفسانی کے تابع رکھنا چاہتے تھے اور یہ ایک عظیم فتنہ ہے کہ خود تو شریعت کا تابع نہ بنے بلکہ شریعت کو اپنی خواہشوں کے تابع رکھنا چاہے اور شریعت کے حروف اور الفاظ میں اپنی خواہش کے مطابق تحریف کر ڈالے ایسے شخص کی راہِ ہدایت پر آنے کی کوئی امید نہیں کی جاسکتی اس کی مثال ایسے مریض کی سی سمجھو کہ جو طبیب کی تجویز کردہ دوا تو استعمال نہ کرے اور برابر مہلک اور مضر چیزوں کا استعمال کرتا رہے اور طبیبوں اور ڈاکٹروں کا مذاق اڑائے تو اہلِ عقل کے نزدیک اس کا یہ عمل خودکشی کے مرادف سمجھا جائے گا اسی طرح یہود کی ہوا پرستی اور ہٹ دھرمی کو سمجھو چنانچہ فرماتے ہیں اور اصل حقیقت یہ ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ گمراہ کرنا چاہیں تو آپ کو اس کی ہدایت کا اللہ کی جانب سے کوئی اختیار نہیں یعنی آپؐ کو اختیار نہیں کہ ان لوگوں سے گمراہی کا فتنہ دفع کر سکیں گمراہی کا فتنہ صرف طہارتِ قلب سے دفع ہو سکتا ہے لیکن یہ وہ لوگ ہیں کہ خدا ہی نے ارادہ نہیں کیا کہ ان کے دلوں کو کفر اور گمراہی کی گندگی اور پلیدی سے پاک کرے ان کے لیے دنیا میں بڑی رسوائی ہے اور ان کے لیے آخرت میں بڑا عذاب ہے غرض یہ کہ خدا تعالیٰ نے نبی کریمؐ کو بتلا دیا کہ اللہ کا ارادہ ان لوگوں کے دلوں کو خباثتوں اور نجاستوں سے پاک کرنے کا نہیں لہٰذا آپ ان کے رنج و غم میں نہ پڑیں یہ لوگ حق اور صدق کو سننے والے نہیں بلکہ جھوٹ کو بڑے سننے والے ہیں بڑے حرام خور ہیں دیدہ و دانستہ کتاب الٰہی میں تحریف کرتے ہیں اور رشوت لے کر حرام کو حلال کرتے ہیں پس جن کی یہ حالت ہے اگر یہ لوگ آپ کے پاس اپنا کوئی مقدمہ لے کر آئیں اور آپ سے فیصلہ کرانا چاہیں تو آپؐ کو اختیار ہے کہ چاہے آپ اُن کے مقدمہ کا فیصلہ کر دیں یا اُن سے تغافل برتیں اور ان کا معاملہ انہی کے علماء کے سپرد کر دیں اور یہ کہہ دیں کہ تمہارا جو جی چاہے وہ کرو ایسے جاہلوں اور خود غرضوں سے اعراض نہایت مناسب ہے ایسے لوگوں کا اگر فیصلہ بھی کر دیا جائے تو یہ اس پر عمل نہ کریں گے اور اگر آپ کی یہی رائے قرار پائے کہ اُن سے تغافل برتیں اور اعراض کریں تو یہ اندیشہ نہ کیجیے کہ یہ لوگ آپؐ کے دشمن ہو جائیں گے اور آپ کو ضرر پہنچائیں گے سو یہ لوگ ہرگز آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے اللہ تعالیٰ آپؐ کا محافظ اور نگہبان ہے اور اگر آپ کی یہی رائے قرار پائے کہ ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جائے تو آپ انصاف کے ساتھ ان کے درمیان فیصلہ کر دیجیے یعنی قانون شریعت کے

مطابق فیصلہ کر دیجئے بے شک اللہ تعالیٰ عدل و انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے اشارہ اس طرف ہے کہ مجرم کتنا ہی شریر اور بدمعاش کیوں نہ ہو مگر تم پر یہ لازم ہے کہ فیصلہ میں عدل و انصاف کو پورا پورا ملحوظ رکھو اور تعجب اور حیرت کا مقام ہے کہ یہ لوگ کس طرح اور کیونکر آپ کو حکم اور منصف قرار دیتے ہیں حالانکہ اُن کے پاس توریت موجود ہے جس میں زنا کے متعلق اللہ کا حکم صراحتاً موجود ہے جس پر وہ ایمان کے مدعی ہیں اور جس کو وہ خدا کی کتاب مانتے ہیں اس کے احکام سے کیوں انحراف کرتے ہیں پھر دوسرا تعجب یہ ہے کہ آپ کو حکم اور منصف بنانے کے بعد آپ کے فیصلہ سے کیوں اعراض کرتے ہیں اور یہ لوگ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ توریت ہی پر ایمان نہیں رکھتے ایسے لوگوں سے کیا خیر کی توقع کی جاسکتی ہے حَکَمْ اور منصف بنانے کے بعد بھی فیصلہ کو نہ ماننا صریح ہٹ دھرمی اور نفس پرستی ہے۔

ف (۱) امام رازی فرماتے ہیں کہ حق جل شانہٗ نے قرآن کریم میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اکثر و بیشتر یَآیُّهَا النَّبِیُّ کے لقب سے ذکر کیا ہے مگر یَآیُّهَا الرَّسُوْلُ کا خطاب دو جگہ آیا ہے ایک یہاں اور ایک آئندہ آیت یَآ اَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ اور چونکہ رسالت کا مرتبہ نبوت سے زیادہ ہے اس لیے یہ خطاب نہایت عظمت اور رفعت پر دلالت کرتا ہے۔

ف (۲) آیت مذکورہ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سے معلوم ہوتا ہے کہ جھوٹ کا سننا بھی نہایت مذموم اور قبیح ہے جس طرح جھوٹ بولنا حرام ہے اسی طرح جھوٹ کا سننا بھی حرام ہے جس طرح زبان احکام شرعیہ کی مکلف ہے اسی طرح کان بھی احکام شرعیہ کا مکلف ہے قرآن کا سننا عبادت ہے اور گانا سننا معصیت ہے

ف (۳) آیت مذکورہ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ کے بارہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمرؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ سے منقول ہے کہ آیت میں سُحت سے رشوت مراد ہے اور بے شمار حدیثوں میں راشی اور مرتشی پر لعنت آئی ہے۔

ف (۴) حق جل شانہٗ کے اس قول فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اہل کتاب کے مقدمات کے فیصلہ کرنے اور نہ کرنے کا اختیار تھا[عہ] عبداللہ بن عباسؓ اور مجاہدؒ اور عکرمہؒ اور حسن بصریؒ اور قتادہؒ اور سدیؒ اور دیگر اکابر سلف سے منقول ہے کہ حضور پر نورؐ کو یہ اختیار ابتداء میں تھا بعد

عہ مترجم گوید یعنی اہل ذمہ اگر قضیۂ خویش باامام رفع کنند اگر خواہد حکم کند و اگر خواہد بر علماء ایشاں مفوض نماید (فتح الرحمٰن)

ہیں جب اسلام کا تسلّط اور اقتدار کامل ہوگیا تو یہ حکم منسوخ ہوگیا۔

اور یہ آیت نازل ہوئی وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ الخ یعنی ان کے نزاعات اور مقدمات کا فیصلہ قانون شریعت کے مطابق کرو اب اعراض اور کنارہ کشی کی ضرورت نہیں۔

یا یوں کہو کہ پہلی آیت اُن لوگوں کے بارہ میں ہے جو اسلامی حکومت کے ذمی نہیں بنے جیسے ابتداء میں بنی قریظہ اور بنی نضیر کا حال تھا کہ مسلمانوں سے ان کا کوئی عہد اور ذِمّہ نہ تھا ایسے لوگوں کے بارہ میں امیر مملکت کو اختیار ہے کہ چاہے اُن کا فیصلہ کرے یا معاملہ اُن کے حوالہ کرے کیونکہ گزشتہ آیت فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ بنی نضیر اور بنی قریظہ کے بارہ میں نازل ہوئی اور اس وقت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ان لوگوں سے کوئی عہد اور ذمّہ نہ تھا کیونکہ اگر آپؐ کا ان سے کوئی عہد اور ذمہ ہوتا تو بنی نضیر کو جلا وطن اور بنی قریظہ کو قتل نہ کرتے حاصل کلام یہ کہ جائز ہے کہ یہ حکم اہل حرب کا ہو اور آئندہ آیت وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ میں قانون شریعت کے مطابق فیصلہ کرنے کا حکم اہل ذمہ اور اہل عہد کے بارہ میں ہو اس صورت میں ناسخ و منسوخ ماننے کی ضرورت نہ رہے گی تفصیل کے لیے احکام القرآن للجصاص ص۴۳۴ ج۲ و ص۴۳۵ ج۲ کو دیکھیں

ف (۵) یہ آیت بالاجماع یہود کے بارہ میں نازل ہوئی جو زنا کے مرتکب ہوتے چونکہ توریت میں حکم رجم کا تھا اس لیے اس سے بچنے کے لیے آپؐ کے پاس اپنا مقدمہ لائے کہ شاید آپؐ کی بارگاہ سے کوئی نرم اور آسان فیصلہ ہو جائے اور ہم سنگساری سے بچ جائیں آپؐ نے توریت منگوائی اور آخر وہ آیت جس میں رجم کا حکم تھا اس میں نکلی آپ نے اس کے مطابق اُن دونوں مجرموں کو سنگسار کرایا اس سلسلۂ کلام میں حق جل شانہ نے یہ لفظ ارشاد فرمایا وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ توریت میں جو رجم کا حکم مذکور ہے اللہ کے نزدیک بھی زانی محصن کا وہی حکم ہے اور اللہ کے نزدیک رجم کا حکم منسوخ نہیں ہوا وہ اب بھی باقی ہے اگر رجم کا حکم اللہ کے نزدیک منسوخ ہو چکا تھا تو آیت قرآنیہ میں اس کو حکمُ اللہ سے تعبیر نہ فرماتے (احکام القرآن للجصاص ص۴۳۸ ج۲)

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ

ہم نے اتاری توریت اس میں ہدایت اور روشنی

يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا

اس پر حکم کرتے رہے پیغمبر جو حکم

لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ

بردار تھے یہود کو اور درویش اور عالم

بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا

اس واسطے کہ نگہبان ٹھہرائے تھے اللہ کی کتاب پر اور اسکی

عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ

خبرداری پر تھے سو تم نہ ڈرو لوگوں سے اور مجھ سے ڈرو

وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ

اور مت خرید کرو میری آیتوں پر مول تھوڑا اور جو کوئی حکم نہ کرے

بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَكَتَبْنَا

اللہ کے اتارے پر وہی لوگ ہیں منکر اور لکھ دیا ہم نے

عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ

ان پر اس کتاب میں کہ جی کے بدلے جی اور آنکھ کے بدلے آنکھ

وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ

اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے

بِالسِّنِّ ۙ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ؕ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ

بدلے دانت اور زخموں کا بدلہ برابر پھر جس نے بخشدیا تو اُس

كَفَّارَةٌ لَّهٗ ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ

سے وہ پاک ہوا اور جو کوئی حکم نہ کرے اللہ کے اتارے پر سو وہی

هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۵﴾

لوگ ہیں بے انصاف

ذکرِ خیانتِ یہود دربارہ حکم قصاص

قال اللہ تعالیٰ اِنَّآ اَنۡزَلۡنَا التَّوۡرٰىةَ .... الیٰ .... فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ

(ربط) گذشتہ آیات میں حکم زنا میں یہود کی خیانت کا ذکر تھا اب ان آیات میں یہودیوں کی حکمِ قصاص میں خیانت کا ذکر ہے اور مطلب یہ ہے کہ توریت اللہ کی اتاری ہوئی کتاب تھی جو سراپا نور اور ہدایت تھی اور تمام انبیاء اور علماء اسی کے مطابق فیصلے کیا کرتے تھے اسی تورات میں قصاص کا بھی حکم تھا مگر یہود نے جس طرح حکم رجم کو بدل ڈالا اسی طرح قصاص کے حکم میں بھی تحریف کر ڈالی مدینہ میں یہود کے دو گروہ تھے بنی قریظہ اور بنی نضیر چونکہ بنی نضیر غالب تھے اس لیے انہوں نے اپنے آپ کو بنی قریظہ پر فضیلت دے رکھی تھی کہ اگر بنی نضیر کا کوئی آدمی بنی قریظہ کے کسی آدمی کو قتل کر دیتا تو پھر قصاص کا حکم نہ دیتے صرف آدھی دیت دلوا کر چھوڑ دیتے اور اگر بنی قریظہ کا کوئی آدمی بنی نضیر کے کسی آدمی کو قتل کر دیتا تو اس سے قصاص دلواتے لہٰذا یہ ارشاد ہوا کہ یہ تفریق توریت میں کہیں نہیں یہ تو سراسر حکم خداوندی کے خلاف ہے جس طرح ہم نے توریت میں بلا تفریق زانی کے رجم کا حکم دیا ہے اسی طرح ہم نے توریت میں بلا تفریق قصاص کا بھی حکم دیا ہے اور جو شخص حکم خداوندی کے خلاف فیصلہ کرے وہ ظالموں میں شمار ہوگا چنانچہ فرماتے ہیں بے شک اتاری ہم نے توریت جس میں ہدایت اور نور ہے یعنی رہروانِ منزلِ آخرت کے لیے ہدایت کا اور شکوک اور شبہات کی ظلمتوں اور تاریکیوں میں روشنی کا کام دیتی ہے مطلب یہ ہے کہ اے نبی یہ لوگ جو اپنا مقدمہ آپؐ کے پاس لاتے ہیں یہ اُن کی بدنیتی اور شرارت ہے توریت میں زنا کے متعلق صریح ہدایت اور روشن حکم موجود ہے اور شادی شدہ زانی کے سنگسار کرنے کا حکم اُس میں صراحۃً مذکور ہے یہ لوگ اس کے احکام سے آزادی حاصل کرنا چاہتے ہیں اور جب یہ لوگ خود اپنی کتاب کے قبول کرنے سے گریز کرتے ہیں تو آپ کے فیصلہ کو کب مان سکتے ہیں علاوہ ازیں انبیاء بنی اسرائیل جو خدا کے حکم بردار تھے اسی توریت سے یہودیوں کا فیصلہ کیا کرتے تھے یعنی موسیٰ علیہ السلام کے بعد جتنے نبی آئے اُن سب کا عمل توریت کے مطابق تھا اور توریت ہی کے مطابق وہ یہودیوں کا فیصلہ کیا کرتے تھے اور اسی طرح بنی اسرائیل کے درویش اور خدا پرست اور ان کے علماء اور فقہاء اسکے مطابق فیصلہ کیا کرتے تھے ربانیین سے اللہ والے لوگ مراد ہیں جو سب کو چھوڑ کر ایک رب کے ہو گئے وہ ربانی ہیں جیسے اولیاء اور صوفیاء کرام اور احبار سے علماء مراد ہیں جو احکام الٰہی سے واقف ہیں اور ان پر عمل پیرا ہیں جس کتاب اللہ کے وہ محافظ اور نگہبان ٹھہرائے گئے تھے کہ اس میں کسی قسم کا تغیر اور تبدل اور تحریف نہیں کریں گے اور اس کے مطابق عمل کریں گے اور وہ اس کتاب پر گواہ تھے کہ یہ کتاب من جانب اللہ ہے مطلب یہ ہے کہ اے یہود! توریت وہ کتاب ہے جس کو ہمیشہ سے

تمہارے پیشوا ماننے چلے آئے اور اس پر عمل کرتے رہے تم کیسے ناخلف ہو کہ تم نے اُن کے طریقہ کو بالکل چھوڑ دیا وہ تو توریت کی حفاظت کرتے تھے اور تم اس میں تحریف کرتے ہو وہ تو اس کے حکموں پر چلتے تھے اور تم اس کے حکموں سے بھاگتے ہو اب یہود سے خطاب فرماتے ہیں پس تم لوگوں سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو خدا کے حکم میں بزدل نہ بنو بے خوف دخطر توریت کے احکام کو لوگوں کے سامنے بیان کرو اور میری آیتوں اور حکموں کے عوض اور بدلہ میں دنیا کا حقیر معاوضہ نہ لو یعنی رشوت لے کر احکام خداوندی میں تحریف نہ کرو اور جو شخص اللہ کے اتارے ہوئے حکم کے مطابق فیصلہ نہ کرے بلکہ حکم محرّف کے مطابق حکم دے تو ایسے ہی لوگ کافر ہوتے ہیں جو حکم الٰہی سے منحرف ہوئے اور ہم نے اُن یہود پر اُس کتاب (توریت) میں یہ حکم لکھ دیا کہ جان بدلے میں جان کے یعنی جان کے بدلہ میں جان لیجائے اور آنکھ کے بدلہ آنکھ پھوڑی جائے اور ناک کے بدلہ ناک کاٹی جائے اور کان کے بدلہ میں کان کاٹا جلئے اور دانت کے بدلہ میں دانت اکھیڑا جائے اور اسی طرح دوسرے زخموں میں بھی قصاص ہے اُدلا بَدلا ہے پھر جو شخص یہ قصاص معاف کردے تو وہ اس کے لیے گناہوں کا کفارہ ہے یعنی معاف کرنے سے گناہ دور ہوتے ہیں اور درجے بلند ہوتے ہیں اور جو شخص اللہ کے اتارے ہوئے حکم کے مطابق حکم نہ کرے تو ایسے ہی لوگ ظالم ہیں کہ خدا کے حکم کی جگہ اپنا تراشیدہ اور محرّف حکم جاری کر دیا ایک ظلم تو یہ ہوا کہ غلط حکم دیا اور دوسرا ظلم یہ کیا کہ قصداً حکم الٰہی کو چھوڑ کر اپنی جانوں پر ظلم کیا اور جان بوجھ کر مخالفت کرکے اپنی جانوں کو عذاب میں ڈالا۔

لطائف ومعارف

(۱) توریت کی حفاظت کا اللہ تعالےٰ نے یہود کو ذمہ دار بنایا اس لیے بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ فرمایا۔ اور قرآن کریم کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ نے خود ذمہ لیا تو یہ فرمایا اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ اس لیے قرآن کریم آج تک بالکلیہ اور پوری طرح محفوظ ہے یہود نے ہوا پرستی کے ہاتھوں اپنی آسمانی کتاب کو ضائع کر دیا اور امتِ محمدیہ نے اپنے سینوں میں اس کتاب کو محفوظ رکھا بحمد اللہ آج تک اُن کی کتاب بعینہٖ اسی طرح محفوظ ہے جس طرح نازل ہوئی تھی اس میں ایک حرف کی بھی کمی اور زیادتی نہیں ہو سکی۔

(۲) اہل کتاب کے پاس جو آج کل توریت کا نسخہ ہے یہ وہ نسخہ نہیں جو من جانب اللہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو عطا ہوا تھا بلکہ یہ مجموعہ حضرت موسیٰؑ کے بہت زمانہ بعد کی تصنیف ہے جو حق

اور باطل سے مرکب ہے جس کا مخالف کو بھی انکار نہیں موجودہ توریت اگرچہ محرّف ہے مگر اس میں بعض باتیں اصلی بھی موجود ہیں جن کو یہود چھپاتے تھے مگر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم بذریعہ وحی کے بتلا دیتے تھے کہ اس محرّف توریت میں اب بھی بعض فلاں بات موجود ہے منجملہ ان کے یہ حکم رجم بھی تھا جس کا یہود انکار کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو مطلع کیا کہ توریت میں رجم کا حکم موجود ہے آپ نے توریت منگا کر اُن کو قائل کر دیا اور علیٰ ہٰذا ایک حکم قصاص کا تھا کہ وہ شریف اور کم ذات کا فرق کرتے تھے آپ کو بذریعہ وحی بتلا دیا گیا کہ توریت میں شریف اور غیر شریف کا کوئی فرق نہیں۔

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی اپنی کتاب اظہار الحق کے صـــ۱۴۲ــج۱ میں فرماتے ہیں ان التوراۃ الاصلی وکذا الانجیل الاصلی فُقِدَا قبل بعثۃ سیدنا محمد صلے اللہ علیہ وسلم والموجودان الاٰن بمنزلۃ کتابین من السیر مجموعین من الروایات الصحیحۃ والکاذبۃ اھ۔

بعد ازاں احادیث اور اقوالِ علماء اہلِ یہود اور نصاریٰ کے اعتراف سے یہ ثابت کیا کہ توریت اور انجیل میں لفظی اور معنوی ہر قسم کی تحریف ہوتی ہے۔

لہٰذا بعض علماء سے جو یہ منقول ہے کہ توریت وانجیل میں معنوی تحریف ہوتی وہ صحیح نہیں یہ قول صریح آیاتِ قرآنیہ اور احادیث نبویہ اور اجماع امت کے خلاف ہے بلکہ علماء یہود ونصاریٰ کے اعتراف واقرار کے بھی خلاف ہے اور "مدعی سست گواہ چست" کا مصداق ہے۔

(۲) آیت وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص حکم منصوص کے خلاف حکم دے یا فیصلہ کرے وہ کافر ہے اور دائرۂ اسلام سے خارج ہے اور یہی مذہب خوارج کا ہے علماء اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص حکمِ خداوندی کو حقیر یا غلط یا خلاف مصلحت یا خلاف تہذیب سمجھ کر انکار کر دے اور قانون شریعت میں تغیر وتبدل کر کے اپنی طرف سے نیا حکم تجویز کر دے جیسا کہ یہود نے حکم رجم کے مقابلہ میں اپنی رائے سے ایک نیا حکم تیار کر لیا تھا تو ایسا شخص بلاشبہ کافر ہے اور اگر دل میں حکم خداوندی کی تصدیق اور اس کی عظمت اور اس کی حقانیت کا اعتراف موجود ہے اور محض غلبۂ نفس یا کسی دنیاوی مجبوری اور معذوری کی بناء پر بادل ناخواستہ حکم خدا کے خلاف فیصلہ کر دے تو وہ کافر نہ ہوگا بلکہ فقط گنہگار ہوگا جو شخص اعتقادی طور پر مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ کو حق جان کر اور حق مان پھر عملاً فیصلہ اس کے خلاف کرے تو ایسے شخص کو اصطلاحِ شریعت میں عملی کافر کہا جا سکتا ہے نہ کہ اعتقادی کافر یعنی اس کی عملی حالت کافروں جیسی ہے اگرچہ اعتقاد مسلمانوں جیسا ہے اسی وجہ سے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آیت

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ میں کفر سے وہ کفر مراد نہیں جو اس کو ملّتِ اسلام سے خارج کردے اور یہ ایسا کافر نہیں جیسے کوئی اللہ اور ملائکہ اور کتب اور رُسُل کا کافر ہو بلکہ یہ کفرٌ دون کفرٍ اور ظلمٌ دون ظلمٍ اور فسقٌ دون فسقٍ ہے ولیس بالکفر الذی تذھبون الیہ۔ یعنی کفر اور ظلم اور فسق کے درجات ہیں بعض کفر اعتقادی ہے اور بعض عملی ہر ایک کا حکم جدا ہے۔

(تفسیر قرطبی ص ۱۹۰ ج ۶ وتفسیر ابن کثیر ص ۶۱ ج ۲)

اور مزید تفصیل اگر درکار ہو تو حافظ ابن تیمیہ کی کتاب الایمان دیکھیں جس میں کفرٌ دون کفرٍ کی تفصیل ہے

(۴) قصاص کا یہ حکم شریعت موسوی میں تھا اور علماء اصول اور فقہاء نے یہ تصریح کی ہے کہ اگر شریعت سابقہ کا کوئی حکم قرآن اور حدیث میں بلا کسی انکار یا بلا ترمیم وتنسیخ نقل کیا جائے تو وہ ہمارے لیے حجت اور شریعت ہے اور فقہاء نے اس آیت کو استدلال میں پیش کیا ہے۔

(۵) رہا یہ امر کہ اس واقعہ میں پہلی بار فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ اور دوسری بار فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ کیوں کہا گیا اس کی حکمت تیسری آیت فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ کی تفسیر میں ذکر کریں گے۔

وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ

اور پیچھا ڑی بھیجا ہم نے انہی کے قدموں پر عیسیٰ مریم کا بیٹا

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ

سچ بتاتا توریت کو جو آگے سے تھی

وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ وَّمُصَدِّقًا

اور اس کو دی ہم نے انجیل جس میں ہدایت اور روشنی اور سچا کرتی

لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً

اپنی اگلی توریت کو اور راہ بتاتی اور نصیحت

لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ

ڈرو والوں کو اور چاہیے کہ حکم کریں انجیل والے اس پر جو اللہ نے اتارا

اللّٰهُ فِيْهِ ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ

اس میں اور جو کوئی حکم نہ کرے اللہ کے اتارے پر سو وہی لوگ

هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۴۷﴾

ہیں بے حکم

خِطاب بہ نصارٰی

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَقَفَّيْنَا...... الٰے .... هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝

(ربط) یہود کی شرارتوں اور خیانتوں کے بعد نصاریٰ کے انحراف اور کجروی کو بیان کرتے ہیں اوّلاً انجیل کی مدح فرمائی تاکہ اُس سے انحراف کی قباحت خوب واضح ہو جائے اور مقصود یہ ہے کہ جس طرح یہود اپنی آسمانی کتاب سے منحرف ہیں اسی طرح نصاریٰ بھی اپنی آسمانی کتاب انجیل سے منحرف ہیں توریت کی مدح کے بعد انجیل کی مدح اسلیئے بھی فرمائی کہ یہود کو تنبیہ ہو جائے کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی طرح حضرت عیسےٰ علیہ السّلام بھی خدا کے رسول برحق تھے موسیٰ علیہ السّلام کی طرح ان پر بھی ایمان لانا فرض ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور ان پیغمبروں کے پیچھے جن کا ذکر يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ میں ہو چکا ہے انہی کے نقش قدم پر ہم نے عیسیٰ بن مریم کو بھیجا درانحالیکہ وہ اپنی زبان سے توریت کی تصدیق کرتے تھے جو ان سے پہلے موسیٰ علیہ السّلام پر نازل ہوئی تھی یعنی جو نبی خدا تعالیٰ کے فرمانبردار اور حکم بردار تھے اور توریت کے بمطابق فتویٰ دیتے تھے اُن کے بعد اُن ہی کے نقش قدم پر عیسیٰ آئے جو مریم کے بیٹے ہیں خدا نہیں اور انہوں نے توریت کے حق اور من جانب اللہ ہونیکی تصدیق کی اور ہم نے انکو انجیل دی جسمیں توریت کی طرح ہدایت اور نور ہے اور وہ انجیل اپنے سے پہلے نازل شدہ کتاب توریت کی بھی تصدیق کرتی تھی یعنی حضرت عیسےٰ علیہ السّلام خود اپنی زبان سے توراۃ کی تصدیق فرماتے تھے اور جو کتاب انجیل اُن کو دی گئی تھی وہ بھی توریت کی تصدیق کرتی تھی اور انجیل بھی توریت کی طرح ہدایت اور نور تھی احکام اور شرائع کے اعتبار سے دونوں میں بہت ہی قلیل فرق تھا جیسا کہ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ میں اشارہ کیا گیا ہے اور یہ قلیل فرق توریت کی تصدیق کے منافی نہیں جیسا کہ ہم آج قرآن کو مانتے ہیں اور باوجود اس کے تمام کتب سماویہ کے من عند اللہ ہونے کی تصدیق کرتے ہیں پہلی آیت میں حضرت عیسےٰؑ کا مصدّقِ توریت ہونا بیان کیا اور دوسری آیت میں یہ بتلایا کہ انجیل بھی توریت کی مصدّق تھی اور وہ انجیل خدا سے

ڈرنے والوں کے لیے سراپا ہدایت اور نصیحت تھی جس میں آنے والے ہادی برحق (فارقلیط) کی بشارت تھی کہ وہ فارقلیط آکر حق کی راہیں بتلائے گا اور وعظ ونصیحت سے تم کو محارم اور مآثم سے بچائے گا حق تعالیٰ نے اس آیت میں انجیل کی پانچ صفتیں بیان کیں (اول) یہ کہ فِيهِ هُدًى۔ اس میں ہدایت ہے یعنی عقائد اور اعمال کی گمراہی سے بچاتی ہے اور توحید اور تنزیہ کی رہنمائی کرتی ہے کہ بت پرستی اور تثلیث جیسے شرک میں مبتلا نہ ہو جائیں (دوم) یہ کہ فِيهِ نُورٌ اُس انجیل میں نور اور روشنی ہے جس سے طالب حق کو صحیح راستہ نظر آجاتا ہے اور شکوک اور شبہات کی ظلمتیں اس سے دور ہو جاتی ہیں (سوم) یہ کہ انجیل اپنے سے پہلی کتاب توریت کی تصدیق کرتی ہے کہ وہ کتاب منزل من اللہ تھی (چہارم اور پنجم) یہ کہ انجیل خدا سے ڈرنے والوں کیلئے سراپا ہدایت اور نصیحت تھی پہلی آیت میں عام ہدایت کا بیان تھا اور اس آیت میں خاص ہدایت کا ذکر ہے جو متقی اور پرہیزگاروں کے لیے ہے مطلب یہ ہے کہ توریت میں بھی ہدایت تھی اور توریت کی طرح انجیل میں بھی ہدایت ہے مگر اس عام ہدایت کے علاوہ ایک ایسے خاص ہادی (فارقلیط) کی بشارت پر مشتمل ہے کہ جس کی ہدایت تمام ہدایتوں سے اتم اور اکمل اور اُس کا دین تمام دینوں سے افضل ہوگا اور انجیل میں اُس آنے والے آخری ہادی کے اتباع کی خاص طور پر نصیحت تھی اس لیے آئندہ آیت میں اشارہ فرماتے ہیں اور انجیل والوں کو چاہیئے کہ اس کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے انجیل میں نازل کیا ہے پہلی آیت میں یہودیوں کو نصیحت تھی اب اس آیت میں نصاریٰ کو نصیحت ہے کہ اے نصاریٰ تم یہود کی طرح انجیل سے انحراف نہ کرو تم انجیل پر چلو اور جس نبی اُمّی محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بشارت اس میں مذکور ہے اس پر حضرت مسیح کی ہدایت اور نصیحت کے مطابق ایمان لاؤ اور جس کے متعلق حضرت مسیحؑ تم کو یہ ہدایت کر گئے ہیں کہ جب وہ روح حق آئے گی تو تمہیں سچائی کی راہیں بتائے گی اس کی تکذیب کرکے خدا کے غضب اور لعنت کو مول نہ لو اور جو اللہ کے اتارے ہوئے کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو وہی لوگ بدکار ہیں ناسخ کے بعد منسوخ کی پیروی بدکاری اور گمراہی ہے حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسےٰؑ کے زمانہ میں توریت اور انجیل کا اتباع ہُدیٰ تھا اور خاتم النبیینﷺ کی بعثت کے بعد قرآن کو چھوڑ کر توریت اور انجیل کا اتباع ہوائے نفس ہے۔

نکتہ جو شخص حکم خداوندی کے مطابق فیصلہ نہ کرے اُس کو پہلی آیت میں کافر اور دوسری آیت میں اس کو ظالم اور تیسری آیت میں اُس کو فاسق کہا گیا ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ احوال مختلف ہیں بعض حالات میں حکم خدا کے خلاف فیصلہ کرنا کفر ہے اور بعض حالات میں ظلم ہے اور بعض حالات میں فسق ہے جیسا حال ہوگا ویسا ہی حکم ہوگا۔

(روح المعانی صفحہ ۱۳۰ ج ۶)

پہلی آیت میں زانی محصن کے رجم کا مقدمہ تھا جس میں ان لوگوں نے قصداً اور عناداً حکم رجم سے انکار کیا اور اس کے بجائے اپنی حرف سے تازیانہ کا حکم تجویز کیا اسی لیے پہلی آیت میں کافِرُوْنَ فرمایا اور دوسری آیت میں قصاص کا مسئلہ تھا یہ لوگ رجم کی طرح قصاص کے حکم شرعی ہونے سے صراحۃً منکر نہ تھے بلکہ عملی طور پر محض اپنی برتری قائم کرنے کے لیے امیر و غریب کا فرق کرتے تھے اور عدل و انصاف نہیں کرتے تھے اس لیے دوسری آیت میں ظَالِمُوْنَ فرمایا کہ یہ ظلم صریح ہے کہ ضعیف کا قوی سے قصاص نہ لیا جائے اور ضعیف سے دیت زیادہ دلائی جائے یہ صریح ظلم ہے اور تیسری آیت میں حضرت مسیحؑ کی بشارت اور ہدایت کے مطابق فارقلیط اور روح حق پر ایمان لانے کا مسئلہ تھا جس کی حضرت مسیحؑ نے تاکید اکید کی تھی باوجود اس کے بہت سے نصاریٰ نے دیدہ و دانستہ دنیاوی اغراض کی بناء پر روح حق پر ایمان لانے سے گریز کیا تو یہ صریح فسق اور بدکاری اور تمرّد اور سرکشی تھی اسلیئے اس آیت میں فَاسِقُوْنَ فرمایا۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا

اور تجھ پر اتاری ہم نے کتاب تحقیق سچا کرتی

لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا

اگلی کتابوں کو اور سب پر شامل سو تو

عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ

حکم کر اُن میں جو اتارا اللہ نے اور ان کی خوشی

اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ۭ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ

پر مت چل چھوڑ کر حق راہ جو تیرے پاس آئی ہر ایک کو تم میں دیا

شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً

ہم نے ایک دستور اور راہ اور اللہ چاہتا تو تم کو ایک دین

وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا

پر کرتا لیکن تم کو آزمایا چاہے اپنے دیئے حکم میں سو تم بڑھ کر لو

الْخَيْرٰتِ ۭ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا

خوبیاں اللہ کے پاس تم سب کو پہنچنا ہے پھر جتا دے گا جس

كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۴۸ وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ

بات میں تم کو اختلاف تھا اور یہ فرمایا کہ حکم کر اُن میں جو

اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاۗءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ

اللہ نے اتارا اور مت چل ان کی خوشی پر اور بچتا رہ ان سے کہ

يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا

تجھ کو بہکا نہ دیں کسی حکم سے جو اللہ نے اتارا تجھ پر پھر اگر نہ مانیں

فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ

تو جان لے کہ اللہ نے یہی چاہا ہے کہ پہنچا دے اُن کو کچھ سزا اُن کے

ذُنُوْبِهِمْ ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ۴۹

گناہوں کی اور لوگوں میں بہت ہیں بے حکم

اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ۭ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ

اب کیا حکم چاہتے ہیں کفر کے وقت کا اور اللہ سے بہتر کون ہے

اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۵۰ ع

حکم کرنے والا یقین رکھنے والوں کو

ذکرِ قرآن مجید

قال اللہ تعالیٰ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ... الخ ... وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ

(ربط) توریت اور انجیل کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ قرآن مجید کا ذکر فرماتے ہیں کہ یہ اسمد کی آخری

کتاب ہے کتب سابقہ کی مصدق ہے جس میں تمام انبیاء سابقین کی صداقتیں اور حکمتیں موجود ہیں اور یہ قرآن کتب سابقہ پر مہیمن (حاکم) ہے تحریف اور تبدیل سے پاک اور منزہ ہے اس کا جو فیصلہ ہے وہ اٹل ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے ہر نبی کو ایک خاص شریعت عطا کی اور یہ شریعت محمدیہ آخری شریعت ہے اور تمام اختلافات کا فیصلہ کرنے والی ہے اور تمام کتب سابقہ کے مضامین اصلیہ کی محافظ اور مصدق ہے اور جس کی ابدی حفاظت کا خدا تعالیٰ نے خود ذمہ لیا ہے۔

سلسلۂ کلام نہایت عجیب ہے حق تعالیٰ نے اولاً توریت کی مدح فرمائی اور بنی اسرائیل کیلئے اس کا موجب ہدایت ہونا بیان کیا کما قال تعالیٰ اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ مگر یہود بے بہبود نے اس نورِ ہدایت سے اعراض اور انحراف کیا اس کے بعد انجیل کی مدح فرمائی اور نصارائے حیاریٰ کا اُس سے انحراف بیان کیا اور یہ بتلایا کہ یہود کی طرح نصاریٰ بھی انجیل کی ہدایت اور نور سے مستفید اور مستنیر نہ ہوئے اب سب سے اخیر میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کو مشعل ہدایت بنا کر آسمان سے نازل کیا یہ آخری کتاب ہے آخری نبی پر نازل ہوئی یہود اور نصاریٰ کو چاہیے کہ موقعہ کو غنیمت سمجھیں اور صحابۂ کرام کی طرح اس نور ہدایت کی روشنی میں چلیں اور یہ وہی کتاب ہے جس کے نزول کی انبیاء سابقین نے خبر دی تھی کما قال تعالیٰ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ۙ وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ۚ اس آیت کی تفسیر سورۂ اسراء میں آئے گی۔

شانِ نزول

اور ان آیات کے ضمن میں ایک قصہ کی طرف بھی اشارہ ہے جو ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ یہ کہ یہود میں باہم کچھ نزاع ہو گیا تو کعب بن اسید اور عبداللہ بن صوریا اور شاس بن قیس وغیرہم جو یہود کے بڑے مشہور علماء اور مقتداء تھے مشورہ کر کے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے اور فصل خصومت کی درخواست کی او یہ کہا کہ آپ کو خوب معلوم ہے کہ یہودیوں میں بڑے زبردست عالم اور اُن کے سردار ہیں اور آپ کو ہماری عزت و شرافت معلوم ہے اور آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ عموماً قوم یہود ہمارے اختیار اور اقتدار میں ہے، ہم اپنا مقدمہ آپ کے پاس لے کر آتے ہیں اگر آپ اس مقدمہ میں ہمارے موافق فیصلہ کر دیں تو ہم مسلمان ہو جائیں گے اگر ہم نے تیرا دین قبول کر لیا تو اور یہود بھی ہماری تقلید کریں گے اور ہمارے اسلام لانے سے وہ بھی سب کے سب اسلام لے آئیں گے آنحضرت

صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے رشوتی اسلام کو منظور نہ کیا اور اُن کی خواہشات کی پیروی سے صاف انکار کر دیا اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں (تفسیر قرطبی ص۲۱۳ ج۲ و تفسیر ابن کثیر ص۶۷ ج۲)

چنانچہ فرماتے ہیں اور توریت اور انجیل کے بعد ہم نے آپ کی طرف یہ کامل اور برحق کتاب اتاری جس کے مقابلہ میں کوئی کتاب کتاب کہلانے کے لائق نہیں جو خود بھی حق اور صدق کے ساتھ متلبس ہے اور اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے کہ جو کتابیں حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ پر من جانب اللہ نازل ہوئیں وہ اللہ کی برحق کتابیں تھیں یہ بھی قرآن کے حق ہونے کی دلیل ہے اس لیے کہ حق۔ حق کی تصدیق کرتا ہے باطل دین کبھی دین حق کی تصدیق نہیں کرتا اور یہ قرآن پہلی کتابوں کا محافظ اور نگہبان ہے کہ محرّف کو غیر محرف سے ممتاز[1] اور جدا کر دیتا ہے یعنی اُن کتابوں میں جو غلط باتیں شامل ہو گئی ہیں ان کو بتلا کر اصل حقیقت کو واضح کر دیتا ہے گویا کہ یہ اُن کا محافظ اور امین اور نگہبان ہے پس گذشتہ کتابوں میں جو ایسی بات ہے کہ قرآن کے موافق ہے تو وہ حق ہے اور جو اس کے مخالف ہے وہ باطل ہے پس جس طرح سابقین کا یہ طرز عمل رہا کہ مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ کے مطابق فیصلہ کرتے تھے اسی طرح آپ بھی اُن کے درمیان اسی کتاب کے مطابق فیصلہ کیجیے کہ جو اللہ نے آپ پر حق کے ساتھ اتاری ہے اور تمام کتب سابقہ پر مہیمن (حاکم) ہے اور جو حق آپ کے پاس آچکا ہے اُسے چھوڑ کر ان کی خواہشوں اور فرمائشوں کی پیروی نہ کیجیے یعنی جس طرح آپؐ نے اس وقت اُن کی خواہش اور فرمائش سے صاف انکار کر دیا اسی طرح آئندہ بھی آپؐ اسی حق پر قائم رہیں جس کی بناء پر آپ نے احبارِ یہود کی خواہش کو پورا کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا آپ کی رائے نہایت صائب اور درست تھی آپ ہمیشہ اسی پر قائم رہیے اس لیے کہ آپ کو جو دین حق دیا گیا ہے وہ کبھی منسوخ نہ ہوگا ہم نے آپ کی بعثت سے پہلے تم میں سے ہر گروہ کے لیے ایک دستور اور راہِ عمل مقرر کیا تھا جس پر چل کر وہ خدا تک پہنچ سکے اسی طرح حق تعالیٰ نے آپ کے لیے یہ شریعت اور یہ شاہراہ مقرر کی ہے آپ اس شاہراہ پر چلیے اور اس شاہراہ کو چھوڑ کر دوسرے راستوں پر چلنے کا خیال بھی نہ کیجیے۔

ف شرعۃ کے معنی شریعت کے ہیں اور منہاج کے معنی طریقت کے ہیں شریعت اصل میں پانی کے گھاٹ کو کہتے ہیں اور پانی پر زندگی کا دار و مدار ہے اور اصطلاح میں شریعت احکام خداوندی کے مجموعہ کو کہتے ہیں جو بمنزلہ آب حیات کے ہیں کہ اُن کے پینے سے یعنی ان پر عمل کرنے سے دائمی زندگی حاصل ہوتی ہے اور منہاج سے طریقۂ عمل اور طریقہ

---

[1] شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں یعنی تحریف از غیر تحریف جدا می سازد واللہ اعلم (فتح الرحمٰن)

اصلاح مراد ہے یعنی تزکیۂ نفس اور اصلاح باطن کا طریقہ مراد ہے اور طریقت شریعت کے علاوہ کوئی چیز نہیں بلکہ اس کے ماتحت ہے کتاب وسنت میں احکام شرعیہ بھی ہیں اور تزکیۂ نفس اور اصلاح باطن کے طریقے بھی ہیں اور سب خدا تک پہنچنے کے راستے ہیں کوئی کسی راہ سے اور کوئی کسی راہ سے جا رہا ہے۔

حق جل شانہ باقتضاء حکمت ومصلحت ہر زمانہ اور ہر امت کے احوال اور استعداد کے مناسب انبیاء کرام کو شریعتیں اور ہدایتیں عطا فرماتے رہے مگر اصول دین اور مقاصد کلیہ جن پر نجاتِ ابدی کا مدار ہے اور جس کو حق تعالیٰ نے ایک مقام پر لفظ دین سے تعبیر کیا ہے اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ وہ تمام انبیاء کرام کا ایک ہے حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا نحن معاشر الانبیاء اخوة علات دیننا واحد یعنی ہم تمام پیغمبر بمنزلہ علاتی بھائیوں کے ہیں کہ جن کا باپ (یعنی دین) ایک اور مائیں (یعنی شریعتیں) مختلف ہیں انبیاء کرام کی شریعتیں مختلف رہیں کسی شریعت میں کوئی چیز حلال ہوئی اور کسی میں حرام کسی ملّت کے احکام میں خفت اور سہولت رہی جیسا کہ شریعت عیسویہ میں اور کسی میں شدت اور صعوبت جیسا کہ شریعت موسویہ جس زمان اور مکان اور جس قوم کے لیے حق تعالیٰ نے جو مصلحت جانا اس کے مطابق حکم دیا لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا میں اسی طرف اشارہ ہے کہ شرائع سماویہ کا اختلاف مخاطبین کے قابلیت اور صلاحیت اور استعداد پر مبنی ہے اس علیم وحکیم نے جیسا مناسب جانا ویسی شریعت نازل کی اب اس اخیر زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے ایک نہایت کامل اور معتدل شریعت نازل کی جو قیامت تک تمام عالم کی ہدایت کے لیے کافی اور شافی ہے جس طرح پہلی شریعتیں من جانب اللہ تھیں اور واجب الاطاعت تھیں اسی طرح یہ آخری شریعت بھی من جانب اللہ بصد ہزار شوق ورغبت اس کو قبول کرنا چاہیئے ایک وفادار غلام کا فریضہ یہ ہے کہ آقا کے جدید اور آخری حکم کے سامنے گردن جھکا دینے کے لیے تیار رہے جدید حکم کے ہوتے ہوئے سابق اور قدیم حکم پر عمل کرنا تمرّد اور سرکشی کی دلیل ہے اور اگر اللہ تعالےٰ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت بنا دیتا کہ سب کے لیے ایک ہی شریعت ہوتی لیکن اللہ تعالیٰ نے مختلف انبیاء پر مختلف شریعتوں کو اس لیے اتارا تاکہ تمہارا امتحان کرے اُس چیز میں جو تم کو دی ہے یعنی اے اقوام عالم تم کو جو مختلف زمانوں میں مختلف شریعتیں دی گئیں اس سے مقصود تمہاری آزمائش تھی کہ کون حکم خداوندی بجا لاتا ہے اور کون قدیم رسم کی پابندی پر اصرار کرتا ہے اور کون جدید حکم (یعنی ناسخ) کو چھوڑ کر قدیم حکم یعنی منسوخ کی پیروی کرتا ہے مطلب یہ ہے کہ ہر زمانہ میں شرائع مختلف کی تشریع سے امتحان اور آزمائش مقصود تھی کہ کون اس کے حکم مانتا ہے اور کون رسم ورواج یا منسوخ حکم کی پیروی کرتا ہے اور اس کو آزمائش اس لیے فرمایا کہ انسان جس طریقہ کا عادی ہو جاتا ہے اس کا

چھوڑنا اس پر طبعًا گراں ہوتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ہر امت کے لیے ایک شریعت مقرر کی تاکہ اس پر چلیں اور اگر ہر نفس کو اس کی خواہش پر چھوڑ دیا جاتا تو لوگ خدا کے بندے نہ رہتے بلکہ نفس کے بندے بن جاتے۔

پس اے لوگو تم تعصب اور ہوا پرستی کو چھوڑ کر اپنے مرنے سے پہلے اُن بہترین عقائد اور اعمال اور مکارم اخلاق کی طرف دوڑو اور ان کی طلب میں سرگرم رہو جن کی طرف تم کو شریعت محمدیہ علی صاحبہا الف الف صلاۃ وتحیۃ۔ دعوت دیتی ہے یعنی تم کو چاہیئے کہ اس آخری شریعت کا اتباع کرو جس کو نبی آخر الزمان لے کر آئے ہیں اور وہ شریعت کاملہ اور عادلہ تمام شریعتوں کی ناسخ ہو کر آئی ہے

یتیمے کہ ناکردہ قرآن درست ؛ کتب خانۂ چند ملت بشست
پیغام خدا نخست آدمؑ آورد ؛ انجام بشارت ابن مریمؑ آورد
با جملہ رسل نامۂ بے خاتم بود ؛ احمدؐ بر ما نامہ و خاتم آورد

اب نجات اس آخری شریعت کے اتباع میں منحصر ہے جیسے حضرت عیسٰےؑ کی بعثت کے بعد نجات حضرت عیسٰےؑ کے اتباع میں منحصر تھی حضرت عیسٰیؑ کی بعثت کے بعد موسٰی علیہ السّلام کی شریعت کا اتباع نجات کے لیے کافی نہ تھا اسی طرح خاتم الانبیاء کی بعثت کے بعد نجات آپ کے اتباع میں منحصر ہے اور اسی میں خیر ہے اور اس کے ذریعہ تم خدا تک پہنچ سکتے ہو پس اگر تم میدان سعادت میں گوئے سبقت لے جانا چاہتے ہو تو اس آخری شریعت کا اتباع کرو۔

گوئے توفیق وسعادت درمیاں افگندہ اند ؛ کس بہ میداں در نمی آید سواراں راچہ شد

لہٰذا تم بلا تردد اس خیر کی طرف دوڑو اور یہ نہ سمجھو کہ ہم ہمیشہ دنیا ہی میں رہیں گے ایک دن اللہ ہی کی طرف تم سب کو لوٹ کر جانا ہے جب وہاں پہنچو گے تو اللہ تعالیٰ تم کو اُن تمام باتوں سے آگاہ کر دے گا جس میں یعنی دین اور شریعت کے بارہ میں تم اختلاف کرتے تھے وہاں پہنچ کر حق اور باطل کی حقیقت منکشف ہو جائے گی اور نتیجہ سامنے آجائے گا۔

اب اس کے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کو حکم دیتے ہیں کہ جو شریعت اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کی اب تک اس پر قائم رہیے اور یہود اور نصارٰی کے مکر وفریب سے ہوشیار رہیے پس ان کے باہمی نزاع کا فیصلہ آپ اپنی اُس شریعت کے مطابق کیجیئے جو اللہ نے آپ پر نازل کی ہے اور ہم آپ کو مکرر حکم دیتے ہیں کہ آپ اہل کتاب کے درمیان اُس کتاب کے مطابق فیصلہ فرمائیں جو اللہ نے آپ پر اتاری ہے اگر چہ وہ ان کے رسم و رواج کے خلاف ہو اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کیجیئے اور ان سے احتیاط رکھیئے کہ مبادا کسی وقت یہ لوگ اپنی چرب زبانی اور ظاہری ملمع کاری سے آپ کو خدا کے نازل کردہ حکم سے کچھ بچلا نہ دیں جیسا کہ بعض علماء یہود نے آپ کے بچلانے اور پھسلانے اور فریب دینے کی یہ تدبیر کی کہ آپ کے پاس جاویں اور

جا کر یہ کہیں کہ اے محمدؐ ہماری قوم میں آپس میں کچھ نزاع ہو گیا ہے آپ کے پاس فیصلہ لائیں گے اگر ہمارے موافق فیصلہ کر دیں گے تو ہم مسلمان ہو جائیں گے اور آپ کی پیغمبری کو مان لیں گے اور ہمارے مسلمان ہونے سے یہود کی ایک عظیم جماعت ہماری متابعت میں اسلام قبول کر لے گی چونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ایمان اور ہدایت کے دلدادہ تھے کما قال تعالیٰ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۔ وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ اس لیے یہود نے حضور پُر نورؐ کو پھسلانے کے لیے یہ رشوتی اسلام پیش کیا مگر آپ نے اُسے ٹھکرا دیا اور اُن کی خواہش پر چلنے سے صاف انکار کر دیا اس آیت میں آپ کی اسی استقامت کی تصویب اور تصدیق اور تائید ہے اور آئندہ بھی ایسی ہی شان عصمت پر ثابت قدم رہنے کی تاکید ہے پھر اگر یہ لوگ آپ کے فیصلہ سے اعراض کریں تو جان لیجئے کہ اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ دنیا ہی میں اُن کو اُن کے بعض گناہوں کی سزا میں مبتلائے مصیبت کرے اور وہ بعض جرم آپ کے فیصلہ کو نہ ماننا ہے اور بعض گناہوں کی تخصیص اس لیے کی کہ دنیا میں بعض ہی گناہوں کی سزا ملتی ہے کل گناہوں کی نہیں ملتی تمام گناہوں کی پوری سزا آخرت میں ملے گی اور بے شک بہت سے لوگ دین اور شریعت کی حدود سے باہر نکلنے والے ہیں یعنی اکثر یہود کی فاسق اور بدکار ہیں وہ آپ کے فیصلہ پر راضی نہیں ہو سکتے اب کیا یہ لوگ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں کہ امیر کو فقیر پر برتری رہے دیت اور قصاص اور تاوان میں امیر و غریب میں فرق رکھا جائے شریعت کا فیصلہ عدل اور انصاف پر مبنی ہے اور یہود کا یہ رسم و رواج جہالت اور گمراہی پر مبنی ہے اور اللہ کے فیصلہ سے کس کا فیصلہ اچھا ہے اُن لوگوں کے لیے جو آخرت پر یقین رکھتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کے فیصلہ کو نہیں مانتے اُن کو آخرت پر یقین نہیں اگر یقین ہوتا تو اللہ کے فیصلہ سے انحراف نہ کرتے کیونکہ اس کے فیصلہ سے اچھا کس کا فیصلہ ہو سکتا ہے خدا کے فیصلہ سے اعراض اور انحراف دلیل جہالت کی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ

اے ایمان والو مت پکڑو یہود

وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۭ

اور نصاریٰ کو رفیق وہ آپس میں رفیق ہیں ایک دوسرے کے

وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ۭ اِنَّ

اور جو کوئی تم میں اُن سے رفاقت کرے وہ اُن

اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۱﴾ فَتَرَى الَّذِيْنَ
ہی میں ہے اللہ راہ نہیں دیتا بے انصاف لوگوں کو اب تو دیکھے گا

فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ
جن کے دل میں آزار ہے دوڑ کر ملے جاتے ہیں ان میں کہتے ہیں

نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ۭ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِىَ
کہ ہم کو ڈر ہے کہ نہ آجاوے ہم پر گردش سو شاید اللہ جلد بھیجے

بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَآ
فیصلہ یا کچھ حکم اپنے پاس سے تو پھر کو لگیں اپنے

اَسَرُّوْا فِىْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ﴿۵۲﴾ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا
جی کی چھپی بات پر پچھتانے اور کہتے ہیں مسلمان کہ یہ وہی

اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ
لوگ ہیں کہ قسمیں کھاتے تھے اللہ کی تاکید سے کہ ہم تمہارے

لَمَعَكُمْ ۭ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۵۳﴾
ساتھ ہیں خراب گئے ان کے عمل پھر رہ گئے نقصان میں

حکم چہار دہم ممانعت از موالاۃ یہود و نصاریٰ و ذم منافقین

قال اللہ تعالیٰ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ ... الیٰ ... فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ۝

(ربط) گذشتہ آیات میں یہود اور نصاریٰ کے قبائح کو بیان کیا اب ان آیات میں مسلمانوں کو حکم ہوتا ہے کہ تم ان سے محبت نہ کرنا جو ان سے محبت کرے گا وہ انہیں میں شمار ہوگا کیونکہ محبت اور صحبت کا بڑا اثر انسان کے دل پر پڑتا ہے محبت کا یہ اثر ہے کہ محبوب کی ہر چیز محب کی نظر میں محبوب ہو جاتی ہے جذام اور سرطان کی طرح کفر اور شرک ایک روحانی مرض ہے دل میں جول

سے اس کے جراثیم متعدی ہوتے ہیں خدا تعالیٰ کے باغیوں کی دلی محبت اور میل جول سے رفتہ رفتہ انہیں کا مذہب اختیار کر لیتا ہے فی الحال اگرچہ باعتبار باطن کے ان میں سے نہیں لیکن اُن کی محبت اور صحبت سے اندیشہ ہے کہ آیندہ چل کر انہیں میں سے نہ ہو جاتے یعنی اسلام سے مرتد نہ ہو جائے جیسا کہ آیندہ آیت میں اسی فتنہ ارتداد کی خبر دی گئی ہے جس طرح کسی حکومت کی رعایا بن جانے کے بعد قانونِ حکومت پر نکتہ چینی اور تبصرہ کرنا حکومت سے ارتداد ہے اسی طرح اسلام میں داخل ہونے کے بعد قانون شریعت پر نکتہ چینی اور تبصرہ کرنا اسلام سے ارتداد ہے اور کافروں سے دلی تعلق ارتداد کی علامت اور اس کا پیش خیمہ ہے اور اگر وہ اس کو چھپائیں اور اسلام کو ظاہر کریں تو وہ نفاق ہے جو شخص حکومت کے دشمنوں اور باغیوں سے میل جول اور دوستانہ تعلقات رکھے تو حکومت کی نظر میں اس کی وفاداری مشکوک ہو جاتی ہے اسی طرح کافروں سے دوستانہ تعلقات سے خدا تعالیٰ کی نظر میں اسلام کی وفاداری مشکوک ہو جاتی ہے۔

شانِ نزول

یہ آیتیں رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کے بارہ میں نازل ہوئیں یہود سے اس کا بہت دوستانہ تھا اور اس کا خیال یہ تھا کہ شاید اُحُد کی طرح مسلمان پھر مغلوب ہوں تو یہود سے ہماری دوستی کام آئے گی اور یہ کہا کہ انی رجل اخاف الدوائر یعنی میں ایسا مرد ہوشیار ہوں کہ مجھے حوادث دھر کا اندیشہ ہے اس لیے باقتضاء مصلحت میں یہود سے تعلق قطع نہیں کر سکتا عبداللہ بن ابی منافق کی طرح حضرت عبادۃ بن الصامت ؓ کے بھی یہود سے حلیفانہ تعلقات تھے مگر چونکہ وہ سچے مسلمان تھے اس لیے انہوں نے فوراً یہود سے قطع تعلق کر دیا اور عبداللہ بن ابی منافق کہنے لگا کہ میں اُن کی دوستی نہیں چھوڑ سکتا میرا بڑا نقصان ہو گا حالانکہ عبادۃ بن الصامت ؓ سے بھی اسی قسم کی دوستی تھی مگر انہوں نے چھوڑ دی اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں اے ایمان والو! ایمان کا مقتضیٰ یہ ہے کہ خدا کے دشمنوں سے تعلق قطع کرو اور منافقوں کی طرح یہود اور نصاریٰ کو اپنا دوست نہ بناؤ وہ کسی طرح تمہارے دوست نہیں بن سکتے وہ تو باہم ایک دوسرے کے دوست ہیں یعنی اگرچہ ان میں باہم اختلاف ہے مگر تمہاری مخالفت اور عداوت میں وہ سب ایک ہیں کیونکہ وہ سب کفر و نفاق میں ایک دوسرے کے ہم جنس ہیں اور کند ہم جنس با ہم جنس پرواز تم میں سے جو شخص اُن کو دوست بنائے گا سو وہ بلاشبہ انہیں میں سے ہو گا یا یہ معنی ہیں کہ اُن کے اختلاط سے متاثر ہو کر رفتہ رفتہ انہیں میں سے ہو جاتے گا یعنی مرتد ہو کر انہیں میں سے ہو جاتے یا کم از کم شعائر کفر اور رسوم مشرکیہ سے نفور اور

بیزار تو نہ رہے گا دل سے اگرچہ اُن کا مذہب اختیار نہیں کیا مگر عملاً اور ظاہراً تو انہیں میں سے شمار ہوگا اور فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ باعتبار اطلاق کے اعتقاد اور عمل دونوں کو شامل ہے تحقیق اللہ تعالیٰ بے راہوں اور ستم گاروں کو ہدایت نہیں دیتا یعنی جو شخص دشمنان اسلام سے موالات اور دوستی کر کے اپنی جان پر ظلم و ستم کرے اور اسلام کے مغلوب اور مقہور ہونے کا انتظار کرے ایسے بدبخت ظالم کی راہ ہدایت پر آنے کی کوئی توقع نہیں کی جاسکتی جو لوگ کافروں کی دوستی میں غرق ہیں وہ اس بات کو سمجھ ہی نہیں سکتے پس اسے دیکھنے والے تو اپنی آنکھ سے مشاہدہ کرلے گا کہ جن لوگوں کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے وہ دوڑ دوڑ کر کافروں میں گھسے جاتے ہیں اور اگر کوئی انہیں فہمائش کرتا ہے تو یہ کہتے ہیں کہ ہم کو ڈر ہے کہ زمانہ کا کوئی حادثہ ہم کو نہ آپہنچے ان کا مقصود یہ تھا کہ ہم کو یقین نہیں کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اپنے مقاصد میں کامیاب ہوں گے اگر کوئی وقت ایسا آیا کہ دشمن ان پر غالب آگیا تو وہ ہم کو ان کا ساتھی سمجھ کر پیس ڈالے گا لہٰذا ہم ان سے بگاڑنا نہیں چاہتے حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اُن کا یہ گمان غلط ہے عنقریب خداوند ذوالجلال مسلمانوں کو ان پر غالب کرے گا اور یہ کم بخت منافق پچھتاتے رہ جائیں گے چنانچہ فرماتے ہیں پس وہ وقت قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی فتح اور غلبہ کو ظاہر فرماتے اور جن سے یہ دوستی کر رہے ہیں وہ مقہور و مغلوب ہوں یا اس کے علاوہ اور کوئی امر پردۂ غیب سے ظاہر فرمائے جیسے بنی نضیر کی جلاوطنی اور بنی قریظہ کی گردن زدنی کا حکم اس وقت یہ منافقین اُن باتوں پر جو اپنے دل میں چھپائے ہوئے ہیں پشیمان ہوں گے یعنی جب خدا تعالیٰ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو ان کے دشمنوں پر فتح دے گا اور ان کے دشمنوں میں سے کسی کو جلاوطن کرے گا اور کسی کو قتل کرائے گا اس وقت منافقوں پر کھلے گا کہ ہمارا گمان غلط تھا کہ رسول خدا کو غلبہ نہ ہوگا اور جن کی شوکت پر بھروسہ کرتے تھے اُن کی ساری شوکت خاک میں مل گئی اور جن کا سہارا ڈھونڈتے تھے وہ سہارا ختم ہوا اور خدا تعالیٰ کی پیشین گوئی پوری صادق ہوگئی کہ اسلام کا غلبہ ہوگیا اور دشمنوں کی تمام شوکت ختم ہوگئی اس وقت یہ لوگ اپنے گمان پر پشیمان ہوں گے اور جس وقت ان منافقین کا پردہ چاک ہوگا اس وقت اہل ایمان آپس میں تعجب سے یہ کہیں گے کیا وہی لوگ ہیں جو تم سے یعنی تم مسلمانوں کے آگے اللہ کی پکی قسمیں کھایا کرتے تھے کہ وہ بلاشبہ تمہارے ساتھ ہیں یعنی اس دن مسلمان بڑے تعجب سے آپس میں یہ کہیں گے کہ یہ وہی لوگ ہیں کہ ہم سے بڑی پکی قسمیں کھا کھا کر کہا کرتے تھے کہ ہم مسلمان ہیں آج ان کا جھوٹ اور نفاق ظاہر ہوگیا اور معلوم ہوگیا کہ جھوٹے تھے دعویٰ تو یہ تھا کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں اور ظاہر ہوا اس کے خلاف الغرض ان کی ساری کارروائیاں غارت گئیں ان منافقوں کا ظاہری اسلام کچھ کام نہ آیا اور یہ ساری جدوجہد کہ دونوں طرف سے بھلے بنے رہیں بیکار گئی کیونکہ کفار تو خود مغلوب ہوتے اس لیے اُن کا ساتھ دینا بیکار رہا اور مسلمانوں کے سامنے

ان کی قلعی کھل گئی پس دونوں طرف سے نقصان اور خسارہ میں رہ گئے نہ ادھر کے رہے اور نہ ادھر کے اور اسلام کے غلبہ اور فتح سے ان کی تمام اُمیدوں پر پانی پھر گیا۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ مَن يَرْتَدَّ مِنكُمْ عَن دِينِهِۦ

اے ایمان والو جو کوئی تم میں پھرے گا اپنے دین سے

فَسَوْفَ يَأْتِى ٱللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُۥٓ أَذِلَّةٍ

تو اللہ آگے لاوے گا لوگ کہ ان کو چاہتا ہے اور وہ اس کو چاہتے ہیں نرم

عَلَى ٱلْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى ٱلْكَٰفِرِينَ يُجَٰهِدُونَ

دل ہیں مسلمانوں پر اور زبردست ہیں کافروں پر لڑتے ہیں اللہ کی راہ

فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ۚ ذَٰلِكَ

میں اور ڈرتے نہیں کسی کے الزام سے یہ

فَضْلُ ٱللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَآءُ ۚ وَٱللَّهُ وَٰسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۵۴﴾

فضل ہے اللہ کا دے گا جس کو چاہے اور اللہ کشائش والا ہے

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ ٱللَّهُ وَرَسُولُهُۥ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱلَّذِينَ

خبردار تمہارا رفیق وہی اللہ ہے اور اس کا رسول اور ایمان والے جو

يُقِيمُونَ ٱلصَّلَوٰةَ وَيُؤْتُونَ ٱلزَّكَوٰةَ وَهُمْ رَٰكِعُونَ ﴿۵۵﴾

قائم ہیں نماز پر اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور وہ نرم ہیں

وَمَن يَتَوَلَّ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ فَإِنَّ

اور جو کوئی رفاقت پکڑے اللہ کی اور اس کے رسول کی اور ایمان والوں کی تو اللہ

حِزْبَ ٱللَّهِ هُمُ ٱلْغَٰلِبُونَ ﴿۵۶﴾ ع عہ (عاجزی کرنیوالے)

کی جماعت وہی ہوں گے غالب

فتنۂ ارتداد اور غلبۂ اسلام کی پیشین گوئی

قال تعالیٰ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ ۔۔۔۔ الیٰ ۔۔۔۔ ھُمُ الْغٰلِبُوْنَ ہ

(ربط) اوپر کی آیت میں جو ارتداد سے بچانے کے لیے مسلمانوں کو حکم ہوا تھا کہ کفار سے دوستی نہ کریں جو اُن سے محبت کرے گا وہ فی الحال یا فی المآل انہیں میں سے ہو جاتے گا یعنی مرتد ہو جاتے گا لہٰذا اب اس آیت میں ارتداد کی سزا ارشاد فرماتے ہیں اور عنقریب پیش آنے والے فتنۂ ارتداد اور اسلام کے غلبہ اور اس کے ابدی بقاء اور حفاظت اور تائید غیبی کے متعلق ایک عظیم الشان پیشین گوئی فرماتے ہیں اور نزول آیت کے وقت جو مسلمان موجود تھے ان کو پہلے ہی سے یہ خبر دیتے ہیں کہ عنقریب فتنۂ ارتداد پیش آئے گا اور تم میں کے کچھ لوگ مرتد ہو جائیں گے اور اس خبر کی ساتھ ہی ساتھ یہ بشارت سناتے ہیں کہ اس فتنہ سے اسلام اور مسلمانوں کو کوئی ضرر نہیں پہنچے گا اور خدا تعالیٰ نے اس فتنہ کے قلع قمع کرنے کے لیے عالم غیب سے یہ تدبیر مقرر کی ہے کہ خاصانِ خدا کی ایک جماعت ان مرتدین کے قتل و قتال کے لیے من جانب اللہ برانگیختہ کی جائے گی جو ان مرتدین کی ایسی سرکوبی کرے گی کہ کفر سر اٹھانے کے قابل نہ رہے گا اور یہ حق جل شانہٗ کی سنّت ہے کہ جو شخص یا جو جماعت اسلام میں فتنہ اور رخنہ ڈالنے کے لیے کھڑی ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان کی سرکوبی کے لیے ایسے جاں نثار اور وفادار مسلمانوں کو کھڑا کر دیتا ہے جنہیں خدا کی راہ میں کسی کی ملامت اور طعن و تشنیع کی پرواہ نہیں ہوتی کما قال تعالیٰ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ ثُمَّ لَا یَکُوْنُوْٓا اَمْثَالَکُمْ وقال تعالیٰ اِنْ یَّشَاْ یُذْھِبْکُمْ وَیَاْتِ بِقَوْمٍ اٰخَرِیْنَ وقال تعالیٰ اِنْ یَّشَاْ یُذْھِبْکُمْ وَیَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍ وَّمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْزٍ چنانچہ فرماتے ہیں اے ایمان والو ایمان کا مقتضیٰ یہ ہے کہ خدا کے دشمنوں یعنی کافروں کی محبت اور صحبت سے بچتے رہو کیونکہ اُن کی صحبت اور محبت سے مرتد ہو جانے کا اندیشہ ہے خوب سن لو جو کوئی تم میں سے مرتد ہو جائے گا یعنی دین اسلام سے پھر جائے گا تو اس کے ارتداد سے دین اسلام کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اس فتنۂ ارتداد کی سرکوبی کے لیے عنقریب ایسی جماعت اور گروہ کو اپنے ساتھ لائے گا یہ ساتھ لانا بقوم میں بار الصاق کا ترجمہ ہے اور کسی کو ساتھ لانے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ خود بھی ساتھ آئے اور ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ جس کو ساتھ لے کر آئے گا اور جس کے ساتھ آئے گا وہ بلاشبہ اس کا محبوب اور مقرب ہو گا اس لیے آئندہ آیت میں یہ بتلاتے ہیں کہ جس گروہ کو خدا تعالیٰ مقابلہ اور مقاتلہ کے لیے لے کر آئے گا اُن میں چار وصف ہوں گے اور وہ چار وصف یہ ہوں گے جن کا آئندہ ذکر فرماتے ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ اُن سے محبت رکھے گا اور وہ اللہ سے محبت رکھیں گے یعنی یہ جماعت اللہ تعالیٰ

کی محب اور عاشق بھی ہو گی اور محبوب بھی ہو گی (۲) ایمانداروں کے حق میں وہ نرم اور مہربان اور دشمنان خدا کے مقابلہ میں سخت ہوں گے تاکہ خدا کے مقابلہ میں سرکشی کرنے والوں کا غرور کافور ہو جائے (۳) خدا کی راہ میں دل کھول کر جہاد کریں گے اُن کی گردنیں ماریں گے اور ان کے بچوں اور عورتوں کو گرفتار کرکے غلام بنائیں گے اور ان کے املاک اور اموال کو لوٹیں گے (۴) اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت اور طعن و تشنیع سے نہ ڈریں گے یعنی کسی کی ملامت اور طعن و تشنیع سے متاثر ہو کر خدا کے باغیوں (مرتدین) کی سرکوبی میں کمی نہ کریں گے جیسا کہ اہل نفاق کا شیوہ ہے کہ وہ دائیں اور بائیں دیکھتے رہتے ہیں یہ صفات مذکورہ فاضلہ اللہ کا فضل ہیں جس کو چاہتا ہے یہ فضل عطا کرتا ہے یعنی ان صفات فاضلہ مذکورہ کے ساتھ متصف ہونا اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ بغیر اُس کی مہربانی اور عنایت اور توفیق کے کوئی خود بخود ان صفات فاضلہ کے ساتھ متصف نہیں ہو سکتا "تا نہ بخشد خدائے بخشندہ" اور اللہ بڑا وسعت والا اور دانا ہے نہ اللہ کے خزانہ میں کوئی کمی ہے اور نہ اس کے جود و کرم میں کوئی کمی ہے جس کو چاہے اپنے خزانۂ رحمت سے یہ صفات فاضلہ عطا کرے اور وہ علام الغیوب ہے وہ خوب جانتا ہے کہ کون ان صفات کا اہل ہے اور کون نہیں اور حق تعالیٰ نے ان صفات فاضلہ کا ذکر اس لیے فرمایا تاکہ معلوم ہو جائے کہ جو جماعت مرتدین سے جہاد و قتال کریگی وہ اعلیٰ درجہ کے مومنین مخلصین ہوں گے منافق نہ ہوں گے۔

خلاصۂ مطلب آیت کا یہ ہے کہ اے مسلمانو جو اس آیت کے نزول کے وقت اہل ایمان اور اخلاص ہیں تم کو پیش آنے سے پہلے ہی خبر دی جاتی ہے کہ عنقریب مسلمانوں میں کے کچھ لوگ اسلام سے مرتد ہو جائیں گے تو خوب سمجھ لیں کہ وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اللہ تعالیٰ اپنے دین کی حمایت اور حفاظت کے لیے ایک ایسی قوم کو کھڑا کرے گا جن میں مومنین کاملین اور خاصانِ خدا کی صفات کاملہ اور فاضلہ جمع ہوں گی اور وہ حزب اللہ یعنی اللہ کی خاص جماعت ہو گی جو مرتدین کی سرکوبی کرے گی اور ان پر غالب آئے گی چنانچہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد متعدد قبائل عرب کافر اور مرتد ہوئے اور بحمدہٖ تعالیٰ خدا تعالیٰ کا دین بے سہارا اور بے مددگار نہ رہا اور جس قوم کے لانے کا خدا تعالیٰ نے وعدہ کیا تھا وہ ابوبکر صدیقؓ کی جماعت تھی جن کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ نے مرتدین کی سرکوبی کی اور جنہوں نے مرتدین سے جہاد و قتال کیا اور ابوبکر صدیق کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کیا اللہ تعالیٰ نے ابوبکر صدیق کے دل میں ڈال دیا کہ اس فتنہ سے بچاؤ کی صورت سوائے تلوار کے کچھ نہیں اس لیے ابوبکر صدیق نے جہاد کا عزم بالجزم فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمام مسلمانوں کے دل میں ارادۂ جہاد و قتال مرتدین پیدا کر دیا سب جہاد کے لیے کھڑے ہو گئے اور حسب وعدۂ الٰہی مظفر و منصور ہوئے۔

پس جب صدیق اکبرؓ اور ان کے رفقاء کا خاصان خدا ہونا یعنی خدا تعالیٰ کا محب اور محبوب

ہونا ثابت ہوگیا تو پھر ان کی خلافت کے حق ہونے میں کیا شبہ رہا یہ امر تاریخ سے اور شیعہ اور سُنی روایات سے بالاتفاق ثابت ہے کہ حضور پُرنورؐ کی وفات کے قریب ہی کچھ لوگ مرتد ہونا شروع ہو گئے تھے اور آپؐ کی وفات کے بعد جب صدیق اکبرؓ خلیفہ ہوتے تو یہ آگ اور تیز ہو گئی اور یہ امر بھی بالاتفاق ثابت ہے کہ سوائے ابوبکرؓ کے اور اُن کے بعد حضرت عمرؓ کے کسی نے مرتدین سے قتال وجہاد نہیں کیا اور خدا تعالیٰ نے جو خبر دی ہے اس کا سچا ہونا ضروری ہے خدا کی خبر کا غلط ہونا ناممکن اور محال ہے پس اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ خدا تعالیٰ کا یہ وعدہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور اُن صحابہ کے ہاتھوں پورا ہو گیا کہ جو ابوبکر صدیق کے حکم سے مرتدین سے لڑے تو ثابت ہو جائے گا کہ ابوبکرؓ اور اُن کے ساتھی سب محبوب خدا اور محب خدا تھے اور اُن کی خلافت حق تھی کیونکہ جو محب خدا اور محبوب خدا ہو گا وہ بھلا حق کے خلاف کیسے ہو سکتا ہے اور اگر یہ تسلیم نہ کیا جائے کہ فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ سے ابوبکر صدیقؓ اور ان کی جماعت مراد ہے تو لازم آئے گا کہ خدا تعالیٰ کی یہ خبر سچی نہ ہو کیونکہ یہ امر بالاتفاق ثابت ہے کہ نزول آیت کے وقت جو مسلمان موجود تھے ان میں سے سوا حضرت ابوبکرؓ کے اور ان کے بعد حضرت عمرؓ کے کسی نے مرتدین سے قتال نہیں کیا اور نہ اس آیت کو حضرت علیؓ کی لڑائیوں پر محمول نہیں کیا جا سکتا اس لیے کہ اُن کی لڑائی مرتدین اسلام سے نہ تھی بلکہ اپنے باغی بھائیوں سے تھی جیسا کہ خود حضرت علیؓ کا ارشاد ہے بقولہ اخوانا قد بغوا علینا جن لوگوں سے حضرت علیؓ نے قتال کیا وہ اسلام سے مرتد نہ تھے بلکہ حضرت علیؓ کی خلافت اور امارت سے باغی تھے اور کسی کی امارت نہ تسلیم کرنے سے اسلام سے مرتد نہیں ہو معاذ اللہ اگر حضرت معاویہؓ روافض کے زعم کے مطابق مرتد تھے تو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے باوجود قوت وشوکت کے اُن سے صلح کیسے کی اور اُن کے حق میں خلافت کے حق سے کیسے دستبردار ہوتے کیا مرتد کی خلافت اور اطاعت پر صلح کرنا جائز ہے معلوم ہوا کہ امام حسنؓ کے نزدیک حضرت معاویہؓ مسلمان تھے مرتد نہ تھے بلکہ خلافت اور امارت کے اہل تھے اور امام حسنؓ حضرات شیعہ کے نزدیک امام معصوم اور مفترض الاطاعت ہیں اور اگر بقول روافض مرتدین سے وہ لوگ مراد لیے جائیں جنہوں نے ابوبکرؓ کی خلافت اور امامت کو تسلیم کیا اور حضرت علیؓ کی خلافت اور امامت سے انکار کیا اور اسی بنا پر یہ لوگ مرتد اور کافر ہو گئے تو ہم یہ سوال کریں گے کہ جب یہ سب لوگ تمہارے خیال اور زعم کی بنا پر کافر اور مرتد ہو گئے تو حضرت علیؓ نے ان مرتدین (خلفاء ثلاثہ) سے کیوں جہاد وقتال نہ کیا پس اگر یہ آیت حضرت علیؓ کے بارہ میں ہے تو ان پر ان مرتدین سے جہاد وقتال فرض تھا نیز یہ بھی ضروری تھا کہ حضرت علیؓ اس جہاد میں ضرور کامیاب ہوتے اس وعدہ کے مطابق خدا پر لازم تھا کہ وہ حضرت علیؓ کی سرکردگی میں ان مرتدین کے مقابلہ کے لیے ایسی قوم کو لاتا جو حضرت علیؓ کے ساتھ ان مرتدین سے جہاد کرتی اور اُن کو

زیر اور مغلوب کرتی جیسا کہ حق تعالیٰ نے اس آیت میں وعدہ کیا ہے لیکن ظاہر ہے کہ خدا نے ایسا نہیں کیا بلکہ معاملہ اس کے برعکس کیا اور حضرت علیؓ اور ان کی جماعت مرتدین کے مقابلہ میں کامیاب نہیں ہوئی بلکہ فتنہ روز بروز بڑھتا گیا اسی لیے امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت مذہب امامیہ کے فساد اور بطلان پر نہایت محکم دلیل ہے۔ (تفسیر کبیر ص۴۲۷ ج۳)

مرتدین کے ظہور کے وقت خدا تعالیٰ نے جس قوم کے لانے کا وعدہ فرمایا اور جس کے اوصاف بیان کیے وہ تمام اوصاف علی وجہ الکمال والتمام حضرت ابوبکر صدیقؓ اور اُن کی جماعت میں پائے جاتے ہیں اور اُن کے اعمال اور کارناموں سے اس کا پورا ثبوت ملتا ہے اور شیعوں کے قول کے بنا پر حضرت علیؓ کے تمام رفقاء بزدل تھے کوئی بھی ان مرتدین سے جہاد و قتال کے لیے نہ نکلا۔

گذشتہ آیات میں کافروں سے دوستی کی ممانعت فرمائی جس میں مرتد ہونے کا اندیشہ تھا اور مرتدین کی سزا ابھی بیان فرمائی اب یہ فرماتے ہیں کہ دوستی کس سے کی جائے یعنی اہل ایمان سے جو نہایت خشوع سے نماز پڑھتے ہیں اور نہایت خلوص سے زکوٰۃ دیتے ہیں یہ جماعت اللہ کی خاص جماعت ہے اور حزب اللہ کے نام سے موسوم ہے اور جن سے اللہ نے غلبہ اور فتح کا وعدہ فرمایا ہے جز ایں نیست تمہارا دوست خدا ہے اور اس کا رسول ہے اور وہ مومنین مخلصین جو دل و جان سے نماز کو قائم کرتے ہیں منافقوں کی طرح دکھلاوے کی نماز نہیں پڑھتے کما قال تعالیٰ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى يُرَاۗءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ اور نہایت شوق اور رغبت کے ساتھ زکوٰۃ دیتے ہیں درانحالیکہ وہ لرزاں و ترساں ہوتے ہیں کہ مبادا ہماری زکوٰۃ اور صدقہ اور خیرات قبول نہ ہو منافقین کی طرح حریص اور طامع نہیں کہ خدا کی راہ میں خرچ کرنے پر دل آمادہ نہ ہوتا ہو کما قال تعالیٰ اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ ۔ اس آیت کے شان نزول میں اختلاف ہے ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ یہ ابوبکرؓ کے بارہ میں نازل ہوئی اور بعض کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کے بارہ میں نازل ہوئی اور بعض کہتے ہیں کہ عبداللہ بن رواحہؓ کے بارہ میں نازل ہوئی اور حق یہ ہے کہ آیت کے الفاظ عام ہیں قیامت تک آنے والے کامل الایمان لوگوں کو شامل ہیں۔

ف رٰكِعُوْنَ میں رکوع سے خشوع اور خضوع کے معنی مراد ہیں یعنی ان لوگوں کا نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا نہایت خشوع اور خضوع کے ساتھ ہوتا ہے اور آیت میں رکوع سے نماز کے رکوع کے معنی مراد نہیں اس لیے کہ اگر اس آیت میں رکوع سے نماز کے رکوع کے معنی مراد لیے جائیں تو یہ لازم آئے گا کہ حالت رکوع میں زکوٰۃ ادا کرنا موجب فضیلت اور قابل مدح ہو حالانکہ شریعت میں کہیں اس کا ثبوت نہیں مزید تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ لطائف و معارف کے بیان میں آئے گی۔

مطلب آیت کا یہ ہے کہ اے مسلمانو یہود اور نصاریٰ سے دوستی نہ کرو تمہارے دوست

صرف اللہ اور اس کا رسول اور یہ مومنین مخلصین ہیں کہ جو خشوع کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں اور خلوص کے ساتھ زکوٰۃ دیتے ہیں یہ اوصاف اس لیے بیان فرمائے کہ منافقین بھی ان میں ملے جلے تھے جن پر نماز اور زکوٰۃ شاق تھی پس غرض ان اوصاف کے ذکر کرنے سے یہ ہے کہ جو مومن صفات مذکورہ کے ساتھ موصوف ہوں اُن سے دوستی رکھو اور جو ایسے نہیں اُن سے نہ رکھو کیونکہ وہ حقیقت میں مومن نہیں بلکہ منافق ہیں اور جو شخص ہمارے حکم کے موافق اللہ کو اور اس کے رسول کو اور مومنین مخلصین کو اپنا دوست اور رفیق بنائے تو اس کو کسی کے شر اور ضرر سے ڈرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ اللہ کے گروہ میں داخل ہوگیا تو بے شک جو اللہ کا گروہ ہے وہی غالب ہو گا وقتی طور پر اگر کافر غالب آجائیں تو انجام کار غلبہ اہل ایمان اور اہل تقویٰ ہی کو ہوتا ہے . . . وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ مطلب یہ ہے کہ کفار کی کثرت اور مسلمانوں کی قلت عدد اور بے سروسامانی کو دیکھ کر کافروں کی موالات کی طرف مائل نہ ہو جاؤ اللہ ہی کی جماعت سب پر غالب آئے گی۔

لطائف و معارف

(۱) اس مقام پر دو آیتیں ہیں پہلی آیت يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ الیٰ قولہ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ یہ آیت آیۃ قتالِ مرتدین کے نام سے مشہور ہے اور دوسری آیت اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ . الیٰ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ یہ آیت آیت ولایت کے نام سے مشہور ہے

مختصر بیان کیفیت واقعۂ ارتداد

حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ چونکہ خدا تعالیٰ جانتا تھا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی وفات کے بعد بعض قومیں اسلام سے مرتد ہو جائیں گی اس لیے خدا تعالیٰ نے پہلے ہی سے یہ خبر دے دی کہ اس وقت خدا تعالیٰ ایسی قوم کو لائے گا جو مرتدین کا قلع قمع کرے گی اللہ اس قوم سے محبت رکھتا ہوگا اور وہ قوم اللہ سے۔

علامہ زمخشری لکھتے ہیں کہ عرب کے گیارہ فرقے مرتد ہوئے تین قبیلے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اخیر زمانہ میں مرتد ہوگئے اور ہر قبیلہ میں سے ایک ایک شخص دعوائے نبوت کرتا ہوا اٹھا اور اس کے قوم کے لوگوں نے اس کی تصدیق کی اور فساد عظیم برپا کیا۔

پہلا فرقہ

بنی مدلج کا ہے جن کا رئیس ذوالخمار یعنی اسود عنسی تھا یہ ایک کاہن شخص تھا کہانت شعبدہ بازی میں بڑی مہارت رکھتا تھا جس نے یمن میں قبیلہ مذحج کے درمیان نبوت کا دعویٰ کیا اور اس علاقہ کے شہروں پر مستولی ہوگیا اور

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عُمّال کو وہاں سے نکال دیا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کی سرکوبی کے لیے معاذ بن جبلؓ کو لکھا جو ان دنوں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یمن کے قاضی تھے اور وہاں کے رؤساء اور مسلمانوں کے نام بھی لکھا کہ ذوالخمار سے لڑنے کے لیے تیار ہو جائیں حضرت فیروز دیلمیؓ جو اس وقت حضرت معاذؓ کے ہمراہیوں میں سے تھے خدا تعالیٰ نے اُن کے ہاتھ سے اس کو ہلاک کیا جس رات وہ قتل کیا گیا اسی رات آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلمؐ بذریعہ وحی اس واقعہ پر مطلع ہوئے اور مسلمانوں کو اس کے قتل کی خبر دی اور فرمایا کہ فیروز کامیاب ہوئے جس سے مسلمان خوش ہوتے اور اگلے روز آپؐ نے انتقال فرمایا۔

دوسرا فرقہ بنی حنیفہ ہے جن کا رئیس مسیلمہ کذاب تھا اس شخص نے قبیلہ بنی حنیفہ کے درمیان شہر یمامہ میں دعویٰ نبوت کا کیا اور اس گستاخ نے دو آدمیوں کے ساتھ بارگاہ اقدس میں خط لکھ کر بھیجا جس کا مضمون یہ تھا من مسیلمۃ رسول اللہ الیٰ محمد رسول اللہ اما بعد فان الارض نصفھا لی ونصفھا لک۔ یعنی مسیلمہ رسول اللہ کی طرف سے محمد رسول اللہ کی طرف واضح ہو کہ آدھی زمین میری اور آدھی تیری مطلب یہ تھا کہ ہم اور آپ مل کر زمین فتح کر لیں اور باہم نصف نصف تقسیم کرلیں معلوم ہوا کہ اصل مقصود دنیاوی مال و دولت تھا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں یہ خط لکھوایا من محمد رسول اللہ الیٰ مسیلمۃ الکذاب اما بعد فَاِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰہِ یُوْرِثُھَا مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ یعنی محمد رسول اللہ کی طرف سے مسیلمہ کذاب کی جانب واضح ہو کہ زمین اللہ تعالیٰ کی ملک ہے وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے اس کا وارث کرے اور حسن عاقبت یعنی اچھا انجام پرہیز گاروں کے لیے ہے اس کے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بیمار ہو گئے اور مسیلمہ کذاب کی سرکوبی کے لیے کوئی انتظام کرنے نہ پاتے تھے کہ رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔

صدیق اکبرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں اس مہم کو انجام دیا اور آنحضرتؐ کے وصال کے بعد خالد بن ولیدؓ کو ایک لشکر دے کر اس کی طرف روانہ فرمایا حضرت وحشیؓ نے اس کذاب کو جہنم میں پہنچا دیا مسیلمہ کے قتل کے بعد اس کے متبعین میں سے بعضے لوگ تائب بھی ہو گئے اور باقی تمام جماعت متفرق ہو گئی۔

تیسرا قبیلہ بنی اسد ہے جن کا سردار طلیحہ بن خویلد تھا اس شخص نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلمؐ کے اخیر زندگی ہی میں دعوائے نبوت کیا اس کے قلع قمع کے لیے بھی صدیق اکبرؓ نے خالد بن ولیدؓ کو بھیجا خالدؓ نے اس سے اور اس کے اعوان و انصار سے جنگ کی جس میں طلیحہ نے شکست کھائی اور شام کی طرف بھاگ گیا اور اس کے بعد پھر تائب ہوا اور اسلام لایا اور جنگ قادسیہ میں کار نمایاں انجام دیتے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد فتنۂ ارتداد اور بلند ہوا اور آپؐ کے بعد سات

فرقے ابو بکر صدیق کی عہد خلافت میں مرتد ہوتے جن کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) فزارہ (۲) غطفان (۳) بنو سلیم (۴) بنی یربوع (۵) بعض بنی تمیم (۶) کندہ (۷) بنی بکر بن وائل ان ساتوں قبائل سے حضرت ابو بکر صدیقؓ نے جہاد کیا اور ان کو درست کیا اس کے بعد ایک فرقہ حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں مرتد ہوا یعنی جبلۃ بن ایہم کی قوم غسان غرض یہ کہ حرمین شریفین اور قریۂ جُواثیٰ کے سوا اکثر عرب مرتد ہو گئے اور بعض لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اس فرقہ کے بابت اکابر صحابہؓ میں باہم مکالمہ ہوا کہ یہ لوگ اہل قبلہ ہیں ان کا قتل جائز نہیں انہی لوگوں میں عمر فاروقؓ تھے انہوں نے کہا اے خلیفۂ رسول اللہ آپ ان لوگوں سے کیسے قتال کر سکتے ہیں جب کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یہ فرما چکے ہیں کہ مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے جہاد و قتال کروں یہاں تک کہ وہ لا الٰہ الا اللہ کہدیں جس نے یہ کلمہ پڑھ لیا اُس کی جان و مال محفوظ ہے مگر کسی حق کی وجہ سے اور اس کا حساب اللہ پر ہے حضرت ابو بکر صدیقؓ نے جواب دیا کہ خدا کی قسم جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرے گا خدا کی قسم میں اس سے ضرور جہاد و قتال کرونگا اگر چہ وہ لا الٰہ الا اللہ پڑھتا ہو نماز اگر حقِ بدن ہے تو زکوٰۃ حقِ مال ہے صدیق اکبرؓ کا مطلب یہ تھا کہ جس طرح نماز کی فرضیت کا انکار کفر ہے اور ارتداد ہے اسی طرح زکوٰۃ کی فرضیت کا انکار بھی کفر اور ارتداد ہے مسلمان ہونے کے لیے فقط کلمۂ توحید و رسالت پڑھ لینا کافی نہیں جب تک تمام فرائض دین اور شعائر الاسلام اور احکام شریعت کو قبول نہ کرے اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا صدیق اکبرؓ کے اس ارشاد سراپا رشاد کے بعد سنتے ہی فاروق اعظمؓ بولے کہ میری سمجھ میں آگیا اور مجھے شرح صدر ہو گیا کہ یہی حق ہے چنانچہ امام بخاریؒ نے اس پر ایک باب قائم فرمایا وہ یہ ہے باب من ابیٰ قبول الفرائض وما نسبُوا الی الردۃ یعنی جو شخص فرائض دین میں کسی ایک فریضہ کو بھی قبول نہ کرے تو وہ بلاشبہ کافر اور مرتد ہے معلوم ہوا کہ مسلمان ہونے کے لیے محض کلمہ گو اور مدعی اسلام ہونا کافی نہیں جب تک اسلام کے تمام احکام کو قبول نہ کرے دیکھو فتح الباری ص ۲۴۴ ج ۱۲ و ص ۲۴۵ ج ۳ وعمدۃ القاری طبع جدید ص ۸۲ ج ۲۴ باب قتل من ابی قبول الفرائض امام قرطبی اپنی تفسیر کے ص ۲۱۹ ج ۶ میں لکھتے ہیں

وکانوا (ای اہل الردۃ) فی ردتھم علے قسمین قسم نبذ الشریعۃ کلھا وخرج عنھا وقسم بنذ وجوب الزکوٰۃ واعترف بوجوب غیرھا قالوا نصوم ونصلی ولا نزکی فقاتل الصدیق جمیعھم وبعث خالد بن	مرتدین اپنے ارتداد میں دو قسم پر تھے مرتدین کی ایک قسم تو وہ تھی کہ جس نے شریعت کو بالکل پس پشت ڈال دیا اور اسلام سے بالکلیہ علیحدہ اور خارج ہو گئے اور مرتدین کی دوسری قسم وہ تھی جو فقط زکوٰۃ کی فرضیت کے منکر تھے اور باقی احکام شریعت کے مقر اور معترف تھے یہ لوگ یہ کہتے تھے کہ ہم مسلمانوں کی طرح روزہ

ولید الیھم بالجیوش
فقاتلھم وسباھم علی ماھو
مشھور من اخبارھم انتھی

اور نماز پڑھیں گے مگر زکوٰۃ نہیں دینگے تو ابوبکر صدیق نے مرتدین کی ان دونوں قسموں سے جہاد و قتال کیا اور ان کے مقابلہ کے لیے خالد بن ولیدؓ کو لشکر دے کر روانہ کیا پس خالد بن ولیدؓ نے ان تمام مرتدین سے قتال کیا اور ان کے بچوں اور عورتوں کو قید کیا جیسا کہ معروف و مشہور ہوا

امام ابن جریر طبریؒ فرماتے ہیں کہ صدیق اکبرؓ نے ان مانعین زکوٰۃ کے مقابلہ اور مقاتلہ کے لیے بھی لشکر روانہ فرمایا۔

حتی سبی وقتل وحرق بالنیران اناسا ارتدوا عن الاسلام ومنعوا الزکوۃ فقاتلھم حتی اقروا بالماعون (تفسیر ابن جریر ص۱۸۳)

یہاں تک کہ اُن لوگوں کو قید کیا اور قتل کیا جو اسلام سے مرتد ہوتے تھے اور جنہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تھا تاآنکہ انہوں نے اس امر کا اقرار کیا کہ حقیر سے حقیر چیز بھی نہ روکیں گے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح نماز کی فرضیت کا انکار کفر اور ارتداد ہے اسی طرح مثلاً زکوٰۃ یا روزہ کی فرضیت کا انکار بھی کفر اور ارتداد ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ جب یہ فتنہ ارتداد پیش آیا تو حق تعالیٰ نے صدیق اکبرؓ کے قلب میں ان مرتدین سے جہاد و قتال کا داعیہ پیدا فرمایا بعض صحابہ اس بارہ میں متردد تھے حتی کہ فاروق اعظمؓ نے صدیق اکبرؓ سے نرمی کی درخواست کی تو صدیق اکبرؓ نے یہ فرمایا اجبّار انت فی الجاھلیۃ خوّار فی الاسلام کیا تو زمانہ جاہلیت میں سختی کرنے والا تھا اور اب اسلام میں نرمی کرنے والا بن گیا حضرت عمرؓ کا منشأ یہ تھا کہ یہ وقت اسلام کی کمزوری کا ہے اور یہ وقت اسلام پر نہایت نازک ہے لہٰذا کچھ نرمی سے کام لینا چاہیئے مگر صدیق اکبرؓ کوہ استقامت تھے ان میں کوئی تزلزل نہ آیا اور منکرین زکوٰۃ سے جہاد و قتال کا مستحکم ارادہ اور عزم مصمم فرمالیا اور (مانعین) زکوٰۃ سے جہاد و قتال میں ابتداءً بہت سے صحابہ کو تردد رہا کہ یہ اہل قبلہ ہیں مگر جب حضرت ابوبکرؓ نے اپنی تلوار زیب دوش کی اور تنہا چلنے کے لیے کھڑے ہوگئے اور یہ فرمایا کیا یہ ہوسکتا ہے کہ دین پر کوئی زوال اور نقصان آئے اور میں زندہ ہوں تو صحابہ نے آپ کو جانے سے روکا اور کہا کہ آپ بیٹھیے ہم جاتے ہیں عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ہم ابتدا میں اس لڑائی کو پسند نہ کرتے تھے مگر آخر میں (جب اس کا انجام ہم پر منکشف ہوا) تو ہم ابوبکرؓ کے شکر گذار ہوئے

کہ اسلام کو بڑے فتنہ سے بچایا اور فاروق اعظمؓ صدیق اکبرؓ کے اس کارنامہ یعنی قتال مرتدین کا ذکر کرکے یہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر صدیق اکبرؓ میری تمام عمر کی عبادت لے لیں اور مجھے صرف اپنی ایک رات اور اپنا ایک دن دے دیں تو میں راضی ہوں رات سے غار ثور کی رات مراد ہے اور دن سے فتنہ ارتداد کا دن مراد ہے اور حضرت ابوہریرہؓ یہ فرمایا کرتے تھے کہ قام فی الردۃ مقام الانبیاء یعنی فتنہ ارتداد میں صدیق اکبرؓ نے وہ کام کیا جو مقام پیغمبروں کا تھا۔

فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ الخ

یعنی جس وقت یہ فتنہ ارتداد پیش آئے گا اس وقت اللہ تعالیٰ اپنے دین کی حفاظت کے لیے ایک قوم کو اپنے ساتھ لائے گا جو صفات مذکورہ کے ساتھ موصوف ہو گی یعنی قتال مرتدین کے معرکہ میں خداوند ذوالجلال خود بھی موجود ہو گا کیونکہ فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ میں اصل آنے والے اللہ تعالیٰ ہوں گے اور قوم مجاہدین اللہ کے ساتھ ہو گی کیونکہ بقوم کی باء اگرچہ تعدیہ کے لیے ہے مگر معنی الصاق کو بھی ساتھ لیے ہوئے ہے اور مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ ان مرتدین کی سرکوبی کے لیے خود بذات قدسی صفات ان مجاہدین کو ساتھ لے کر میدان قتال میں نزول اجلال فرمائیں گے اور پس پردہ اللہ اُن کے ساتھ ہو گا اور وہ جماعت ایسی ہو گی کہ اس کے دل میں مرتدین سے جہاد و قتال کا داعیہ ایسا موج زن ہو گا جس کو دیکھ کر صاحب نظر سمجھ جائے گا کہ یہ جماعت خدا تعالیٰ کی آوردہ ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں یہ القاء کیا ہے ورنہ یکلخت سب کے دلوں میں ایک ہی آگ کا لگ جانا اور سب کا یکساں ہو جانا ظاہر اسباب میں ممکن نہیں اور ظاہر ہے کہ مسلمانوں کو مرتدین سے جہاد و قتال کے لیے جمع کرنا صدیق اکبرؓ کے ہاتھ سے ہوا اور اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں کہ اللہ ایسی قوم کو لائے گا سو حق تعالیٰ کا یہ ارشاد بالکل ایسا ہی جیسا کہ یہ فرمایا وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى یعنی ان صفات کے ساتھ موصوف لوگوں کو جمع کرنا درحقیقت اللہ تعالیٰ کا فعل تھا اور صدیق اکبرؓ بمنزلہ جارحۂ الٰہیہ کے تھے جن سے یہ تدبیر ظہور میں آئی ذرا غور تو کرو کہ حضرات انبیاء کرامؑ کے بعد یہ مرتبہ کسی کو حاصل ہوا یہ خدا کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ بڑا فضل والا ہے (ازالۃ الخفاء)

پھر آئندہ آیت میں اس قوم کی چھ صفتیں ذکر فرمائیں دو وہ ہیں جن کا تعلق بندہ اور خدا کے درمیان ہے (۱) خدا تعالیٰ اُن کو محبوب رکھتا ہے اور (۲) وہ خدا کو محبوب رکھتے ہیں اور دو صفتیں وہ ہیں جن کا تعلق خود باہم بندوں کے درمیان ہے وہ یہ کہ (۳) أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ (۴) اور أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ یعنی مسلمانوں کے حق میں نرم اور کافروں کے حق میں گرم ہوں گے جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد

ہے اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ جیسے جبرئیل امین کہ انبیاء کرام اور اہل ایمان کے حق میں باعث رحمت ہیں اور کافروں کے لیے موجب ہلاکت ہیں، بمنزلہ جارحۃ الٰہیہ کے ہیں کہ کبھی رحمت وبرکت کا ظہور ہوتا ہے اور کبھی اتلاف اور اہلاک کا صدور ہوتا ہے ان دو صفتوں کا تعلق بندوں کے باہمی روابط اور تعلقات سے ہے اور ان چار کے علاوہ اور دو صفتیں وہ ہیں جو دینی خدمات سے متعلق ہیں (۵) ایک فعل جہاد فی سبیل اللہ یعنی خدا تعالیٰ سے سرکشی اور گردن کشی کرنے والوں کی سرکوبی اور گردن کشی میں اپنی پوری جدوجہد کو پانی کی طرح بے دریغ بہا دینا یہ حقیقت ہے جہاد کی اور فی سبیل اللہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ جہاد محض اللہ کی خوشنودی کیلئے ہو اس میں کوئی نفسانی اور دنیوی غرض کا شائبہ نہ ہو اور دوسری صفت (یعنی چھٹی صفت) یہ ہے کہ داعیۂ قلبیہ ایسا قوی ہو کہ کسی ملامت اور طعن کی پرواہ نہ کرے اور لوگوں کے کہنے سُننے سے یا قرابت کے خیال سے اس کے ارادہ اور عزم میں کوئی تزلزل نہ آئے۔ بسا اوقات آدمی کسی چیز کو حق سمجھتا ہے مگر بدنامی اور لوگوں کی ملامت اور طعن وتشنیع کی وجہ سے حق کی نصرت اور حمایت سے پیچھے ہٹ جاتا ہے اس صفت میں اشارہ اس طرف ہے کہ یہ مرتدین سے جہاد وقتال کرنے والی قوم خدا تعالیٰ کی ایسی عاشق وجاں نثار اور نشۂ عشق ومحبت میں ایسی سرشار ہو گی کہ مرتدین سے جہاد وقتال کے بارہ میں اُن کو ذرہ برابر کسی ملامت اور طعن کا خیال بھی نہ آئے گا۔

گرچہ بدنامی است نزد عاقلاں ∴ مانمی خواہیم ننگ و نام را

مرتدین کے اصل مارنے والے اور عذاب دینے والے حق جل شانہٗ ہیں اور مجاہدین کے ہاتھ بمنزلہ تیر اور تلوار کے ہیں۔

کما قال تعالیٰ قَاتِلُوْھُمْ یُعَذِّبْھُمُ اللّٰہُ بِاَیْدِیْکُمْ	تم ان کافروں سے قتال کرو اللہ تعالیٰ کا منشأ یہ ہے کہ ان کافروں کو تمہارے ہاتھ سے سزا دے

معلوم ہوا کہ مرتدین سے جہاد کرنے والی قوم کو اصل لانے والے حق تعالیٰ ہیں اور وہی ان مرتدین کو مارنے والے ہیں مگر چونکہ اصل مارنے والا یعنی حق جل شانہٗ نظروں سے پوشیدہ ہے اس لیے قاصر الفہم ان مجاہدین پر طعن اور ملامت کے آواز سے کستے ہیں کہ تم کس وحشت اور بربریت پر کمر بستہ ہو مجاہدین کہتے ہیں کہ اے نادانو! ہم تو خداوند کردگار کے تیر اور تلوار ہیں جنہیں پردۂ غیب سے دست قدرت چلا رہا ہے ہمیں کیا طعن اور کیسی ملامت کیا کسی عاقل نے کبھی تیر اور تلوار کو بھی ملامت کی ہے کسی شاعر کا شعر ہے:

فانت حسام الملک واللہ ضارب ∴ وانت لواء الدین واللہ عاقد

اے بادشاہ تو تو اللہ کی تلوار ہے اصل مارنے والا تو وہ ہے تو تو اس کے حکم سے چل

رہی ہے اور تو دین کا عَلَم جھنڈا ہے اس کا نصب کرنے والا بھی خدا تعالیٰ ہی ہے)

پس فسوف یأتی اللہ بقوم میں اس قوم کو خدا کے لانے کا مطلب یہ ہے کہ مرتدین سے جہاد و قتال کے وقت اگرچہ ظاہر نظر میں ان کا ہاتھ نظر آئے گا لیکن در پردہ دستِ قدرت اس میں کار فرما ہوگا یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ۔

(۴) آیت ولایت یعنی آیت اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ الخ کی صحیح تفسیر تو اوپر بیان ہو چکی ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ اس آیت کو خلافت سے کوئی تعلق نہیں اس لیے کہ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے عام مسلمان مراد ہیں جو صفات مذکورہ کے ساتھ موصوف ہوں وہی لائق دوستی ہیں یہود و نصاریٰ لائق دوستی نہیں مگر حضرات شیعہ یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت علیؓ کی خلافت بلا فصل پر نہایت روشن دلیل ہے شیعہ کہتے ہیں کہ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا الخ سے صرف حضرت علیؓ اور اُن کی اولاد مراد ہے کیونکہ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے حالت رکوع میں ایک سائل کو اپنی انگشتری دے دی تھی اس پر یہ آیت نازل ہوئی مگر چونکہ بے اصل اور من گھڑت روایت بھی شیعوں کے مقصد برآری کے لیے کافی نہ تھی اس لیے اس پر یہ اضافہ کیا کہ آیت میں ولی کے معنی دوست کے نہیں بلکہ حاکم اور متصرف فی الامر کے ہیں جو خلیفہ کے ہم معنی ہیں اور اس پر بھی جب کام نہ چلا تو ایک لفظ بلا فصل متصرف فی الامر یعنی بلا فصل خلیفہ حضرت علیؓ اور اُن کی اولاد ہیں جو اہل ایمان ہیں اور نماز کو قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں انگوٹھی خیرات کرتے ہیں۔

سبحان اللہ کیا عجیب استدلال ہے جس پر شیعوں کو بڑا ناز ہے اب ہم اس استدلال کے حسن و جمال کی حقیقت ناظرین کرام پر واضح کرتے ہیں غور سے سنیں فاقول وباللہ التوفیق وبیدہ ازمۃ التحقیق

(**اوّل**) یہ کہ ولی کو بمعنی حاکم اور متصرف فی الامور یا بمعنی خلیفہ قرار دینا لغت عرب کے خلاف ہے ولی کے معنی دوست کے ہیں حاکم کے لیے کلام عرب میں والی کا لفظ مستعمل ہوتا ہے ولی کا لفظ مستعمل نہیں ہوتا والی مکہ اور والی مدینہ بمعنی حاکم مکہ اور حاکم مدینہ مستعمل ہوتا ہے مگر ولی مکہ اور ولی مدینہ بمعنی حاکم ہرگز نہیں سنا گیا وجہ اس کی یہ ہے کہ یہاں دو لفظ ہیں ایک ولایت بکسر واوٗ اور ایک ولایت بفتح واو ہے اور دونوں کے معنی الگ الگ ہیں وِلایت بکسر الواوٗ کے معنی امارت اور حکومت کے ہیں اور والی بمعنی امیر و حاکم اسی سے ماخوذ ہے اور وَلایت بفتح واو کے معنی محبت اور دوستی کے ہیں اور قرب کے ہیں جو ضد ہے عداوت کی اور اسی سے صفتِ مشبہ ولی آئی ہے جس کے معنی دوست کے ہیں امیر کو والی کہا جاتا ہے ولی نہیں کہا جاتا۔ فقہاء کرام کا اس بارہ میں اختلاف ہے کہ اگر کسی کے جنازہ میں والی اور ولی دونوں جمع ہو جائیں تو امامت کے لیے کس کو مقدم کیا جائے معلوم ہوا کہ ولی اور والی میں فرق ہے البتہ جو لوگ لغت عرب سے بے خبر ہیں اُن کے نزدیک ولی اور والی میں کوئی فرق نہیں

اور آیات قرآنیہ میں جا بجا یہ لفظ محب اور دوست کے معنی میں مستعمل ہوا ہے جو دشمن کی ضد ہے کما قال تعالیٰ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ وقال تعالیٰ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ۔ اس قسم کی تمام آیات میں ولی سے محب اور دوست کے معنی مراد ہیں کہ مسلمان ایک دوسرے کے محب اور دوست ہیں اور یہ معنی نہیں کہ ایک دوسرے پر حاکم ہیں اور آیت کا سیاق وسباق بھی اسی پر دلالت کرتا ہے کہ ولی کے معنی یہاں دوست کے ہیں کیونکہ اس سے پہلے خدا تعالیٰ نے یہود اور نصاریٰ کی دوستی سے منع فرمایا ہے اب آیت میں یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ لائق موالاۃ اور محبت ومودت اہل ایمان ہیں نہ کہ یہود ونصاریٰ پس اگر آیت میں ولی کے معنی محب اور دوست کے نہ لیے جائیں تو پھر اس آیت کا ماقبل کی آیتوں کے ساتھ ربط قائم نہیں رہتا عبدالملک بن سلیمان کہتے ہیں کہ میں نے ابوجعفر محمد بن علی باقر علیہ السلام سے پوچھا کہ آیت اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے کون لوگ مراد ہیں تو انہوں نے یہ کہا کہ سب مسلمان مراد ہیں میں نے کہا کہ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد علیؓ ہیں انہوں نے کہا کہ علیؓ بھی ان میں سے ایک ہیں انتہی منہاج السنۃ ص ۲ ج ۲۔

مطلب یہ تھا کہ آیت کے عموم میں حضرت علیؓ بھی داخل ہیں جیسا کہ بعض روایات میں آیا ہے کہ یہ آیت ابوبکر صدیقؓ کے بارہ میں نازل ہوئی تو اس سے بھی مقصود یہ نہیں کہ یہ آیت خاص ابوبکرؓ کے بارہ میں نازل ہوئی ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ ابوبکرؓ اور علیؓ بھی اس آیت کے عموم میں داخل ہیں اور یہ دونوں حضرات سب سے زیادہ لائق محبت اور دوستی ہیں غرض یہ کہ آیت کا صاف اور سیدھا مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانو! منافقین کی طرح یہود اور نصاریٰ سے دوستی نہ کرو تمہارے دوست اللہ اور اس کا رسول اور وہ تمام مؤمنین مخلصین ہیں جو اس صفت کے ساتھ موصوف ہوں یعنی نماز اور زکوٰۃ خشوع اور خلوص سے ادا کرتے ہوں عام مسلمان جو اس صفت کے ساتھ موصوف ہوں اس آیت کے عموم میں داخل ہیں گو روایات میں آیا ہے کہ یہ آیت ابوبکر صدیقؓ کے بارہ میں نازل ہوئی کما نقلہ الثعلبی عن ابن عباسؓ۔ منہاج السنۃ ص ۲ ج ۲ لابن تیمیہ والمنتقی ص ۴۱۹ للذہبی۔

اور بعض ضعیف روایات میں آیا ہے کہ حضرت علیؓ کے بارہ میں نازل ہوئی یا تمام صحابہ کے بارہ میں نازل ہوئی ان روایات کا یہ مطلب نہیں کہ آیت کا حکم ان حضرات میں منحصر ہے صرف مقصود یہ ہے کہ یہ حضرات بھی ان صفات کے ساتھ موصوف تھے شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ شیعہ لوگ جو ایک جھوٹا قصہ روایت کرتے ہیں اور ترکیب نحوی میں راکعون کو یؤتون الزکوٰۃ سے حال بناتے ہیں اور حالت رکوع میں حضرت علیؓ کا ایک فقیر کو انگوٹھی پھینکنا بیان کرتے ہیں تو اس سے آیت کا سیاق اور سباق اور ماقبل اور مابعد سب درہم و برہم ہو جاتا ہے اور مضمون ایسا خبط اور بے ربط ہو جاتا ہے کہ جس کو ادنیٰ عقل والا بھی قبول نہیں کر سکتا "خدا تعالیٰ اعضاء ایشان را از ہم جدا سازد

چنانکہ ایشاں آیات منسقہ بعضہا من بعض ازہم جدا کردند" (ازالۃ الخفاء)

(دوم) یہ کہ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اور اَلَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ۔ وَیُؤْتُوْنَ۔ وَھُمْ رٰکِعُوْنَ یہ تمام الفاظ جمع کے ہیں اُن سے صرف حضرت علیؓ مراد لینا بلا دلیل اور بلا قرینہ کے قطعاً جائز نہیں۔

(سوم) یہ کہ روافض نے اس آیت میں رکوع سے نماز کا رکوع مراد لیا ہے اور وَھُمْ رٰکِعُوْنَ کو صرف وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ کی ضمیر سے حال قرار دیا ہے حالانکہ دو جملوں کے بعد اگر حال آتا ہے تو دونوں کی ضمیر سے حال بنتا ہے نہ کہ صرف ایک سے اس لیے اس آیت میں رکوع سے لغوی معنی یعنی خشوع اور خضوع مراد ہیں یعنی جھکنا اور عاجزی کرنا۔

اور مطلب یہ ہے کہ جو اہل ایمان خشوع اور خضوع کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں اور خلوص کے ساتھ زکوٰۃ دیتے ہیں وہ لائق دوستی ہیں ورنہ اگر اس آیت میں رکوع سے نماز کا رکوع مراد لیا جائے تو مطلب آیت کا یہ ہوگا کہ خدا کے نزدیک وہ لوگ قابل تعریف ہیں جو بحالت رکوع اور بحالت نماز صدقہ اور خیرات کرتے ہیں تو لازم آئے گا کہ حالت رکوع اور حالت نماز میں صدقہ دینا بہ نسبت خارج صلوٰۃ کے زیادہ موجب فضیلت اور موجب اجر ہو حالانکہ نہ کوئی سنی اس کا قائل ہے اور نہ کوئی شیعی شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ازالۃ الخفاء میں فرماتے ہیں کہ مضارع کا صیغہ (وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ رٰکِعُوْنَ) استمرار پر دلالت کرتا ہے لہٰذا شیعوں کو یہ بھی ثابت کرنا چاہیئے کہ حضرت علی مرتضیٰؓ برابر حالت رکوع میں زکوٰۃ ادا کیا کرتے تھے۔

نیز شیعہ اور سنی سب کے نزدیک یہ مسلّم ہے کہ حضرت علیؓ فقیر و درویش تھے ان کے پاس کبھی اتنا مال ہی نہیں ہوا جس پر زکوٰۃ واجب ہو البتہ ابوبکرؓ اور عمرؓ اور عثمان غنیؓ مالدار تھے ان پر زکوٰۃ واجب تھی پس جس پر زکوٰۃ ہی نہ ہو تو وہ بحالت رکوع کیسے برابر زکوٰۃ ادا کرتا رہا نیز اس صورت میں یہ لازم آئے گا کہ حالت رکوع میں زکوٰۃ دینا موالاۃ یعنی محبت اور دوستی کی شرط ہے جو حالت رکوع میں برابر زکوٰۃ ادا کرتا ہو اُس سے تو دوستی کرنی چاہیئے ورنہ نہیں لہٰذا شیعوں کے قول کی بنا پر حضرت سیدہؓ اور سیدنا امام حسنؓ اور سیدنا امام حسینؓ اور دیگر ائمہ اہل بیت سے محبت نہ کرنی چاہیئے اسلیئے کہ اُن سے بحالت رکوع زکوٰۃ ادا کرنا کہیں ثابت نہیں پھر نہ معلوم کہ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ کے ساتھ وَھُمْ رٰکِعُوْنَ کی قید اتفاقی ہے یا احترازی ہے کہ حالت قیام اور حالت سجود میں اگر کوئی زکوٰۃ اور خیرات دے تو اس کا کیا حکم ہے وہ مستحق موالاۃ کا ہے یا نہیں حضرات شیعہ بتلائیں کہ اس سے موالاۃ کی جائے یا نہیں بلکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے بھی بحالت رکوع زکوٰۃ اور صدقہ خیرات ثابت نہیں لہٰذا شیعوں کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی موالاۃ نہ کی جائے کیونکہ آپ کے زعم کے مطابق حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم میں موالاۃ کی شرط موجود نہیں

(**چہارم**) یہ کہ اگر اس آیت میں ولایت سے امارت اور حکومت کے معنی ہوتے تو اخیر آیت میں اللہ تعالیٰ اس طرح نہ فرماتے وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ کیونکہ اس صورت میں معنی یہ ہو جائیں گے کہ "جو شخص اللہ اور اس کے رسول پر حاکم ہو جائے اور ان کے امور میں متصرف ہو جائے" اور یہ معنی عقلاً و نقلاً محال ہیں بلکہ کلام اس طرح ہوتا وَمَنْ يَّتَوَلّٰى عَلَيْكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ یعنی جب تم پر اللہ اور اس کا رسول اور اہل ایمان حاکم اور متصرف ہو جائیں الخ کیونکہ تولی بمعنی حکومت کا صلہ علیٰ آتا ہے ایسی صورت میں تولی بلا واسطہ متعدی نہیں ہوتا جو شخص لوگوں پر حاکم ہو جائے تو وہاں تولیٰ علیہم بولا جائے گا تو لاہ اور تو لاہم نہیں کہا جائے گا۔

(**پنجم**) یہ کہ حق تعالیٰ شانہٗ کی نسبت یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ بندوں کا ولی بمعنی امیر اور خلیفہ ہے حق جل شانہٗ کی بابت لفظ امیر المؤمنین اور خلیفۃ المسلمین زبان پر لانا غایت درجہ گستاخی اور کمال ابلہی ہے اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا ولی ہے بایں معنی کہ اہل ایمان کا محب ہے اور کافروں کا دشمن ہے کما قال تعالیٰ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ

یہ تمام تفصیل خلاصہ ہے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے کلام کا جو موصوف نے منہاج السنۃ از صـ ۲ ج ۴ تا صـ ۹ ج ۴ میں فرمایا ہے حضرات اہل علم اصل کی مراجعت فرمائیں اور منہاج السنۃ کی تلخیص مسمی بہ منتقیٰ للحافظ الذہبی از صـ ۴۱۹ تا صـ ۴۲۳ دیکھیں

علاوہ ازیں یہ امر بھی تو قابل غور ہے کہ حضرت علیؓ ان روافض سے زیادہ تفسیر قرآن سے باخبر تھے اگر یہ آیت حضرت علیؓ کے خلافت بلافصل کے بارہ میں نازل ہوئی تھی تو کم از کم ایک مرتبہ تو اپنی زندگی میں کسی محفل میں فرماتے کہ یہ آیت میرے بارہ میں نازل ہوئی اور تقیہ کا عذر اس لیے درست نہیں کہ شیعہ بالاتفاق یہ روایت کرتے ہیں کہ یوم شوریٰ میں حضرت علیؓ نے اپنے خلافت کے لیے خبر غدیر اور خبر مباہلہ اور اپنے فضائل اور مناقب کو ذکر کیا مگر اپنی امامت اور خلافت کے اثبات کے لیے آیت اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ الخ کو ذکر نہیں فرمایا تفسیر کبیر صـ ۴۳۲ ج ۳۔

(۵) حق جل شانہٗ نے اس آیت میں مرتدین سے جہاد و قتال کی ہدایت فرمائی اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اول ارتداد کی تعریف کر دی جائے۔

ارتداد کی تعریف

ارتداد کے معنی لغت میں رجوع یعنی لوٹ جانے کے ہیں اور اصطلاح شریعت میں ارتداد کے معنی اسلام سے کفر کی طرف لوٹ جانے کے ہیں چنانچہ امام راغبؒ مفردات صـ ۱۹۲ میں لکھتے ہیں ھو الرجوع من الاسلام الی الکفر یعنی اسلام سے کفر کی طرف پھر جانے کا نام ارتداد ہے۔

محمد علی لاہوری مرزائی اپنے ایک پمفلٹ میں لکھتا ہے کہ ارتداد یہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلے

اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو قبول کر کے پھر اُس سے انکار کر دے اور کہدے کہ آپ رسول نہیں۔

سو جاننا چاہیئے کہ مرزا محمد علی لاہوری نے ارتداد کی یہ تعریف مرزائیوں کے ارتداد کی پردہ پوشی کے لیے کی ہے کہ کسی مرزائی اور قادیانی پر ارتداد کی تعریف صادق نہ آئے اس لیے کہ ہر مرزائی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا بظاہر اقرار کرتا ہے لیکن خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ انکار رسالت کے فقط یہ معنی نہیں کہ زبان سے یہ کہدے کہ میں محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول نہیں مانتا بلکہ جو شخص آپؐ کی نبوت و رسالت کا انکار کرے اور یہ کہے کہ میں آپ کو رسول نہیں مانتا جس طرح یہ منکر رسالت ہے اسی طرح جو شخص آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے کسی قطعی فرمان کا انکار کر دے وہ بھی منکر رسالت ہے مثلاً کوئی شخص پورے قرآن کا انکار کرے یا قرآن کی ایک سورت کا انکار کرے یا کسی سورت کی ایک آیت کا مثلاً خاتم النبیین والی آیت کا انکار کرے یا حدیث لانبی بعدی کا انکار کر دے وہ بھی منکر رسالت ہے ارتداد کے معنی اسلام سے کفر کی طرف پھر جانے کے ہیں اور اس کی دو صورتیں ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ کوئی مسلمان صراحۃً اسلام سے انکار کر بیٹھے (۲) دوسرے یہ کہ زبان سے تو اسلام کا اقرار کرے مگر اسلام کے بعض قطعی احکام کا انکار کر دے دونوں صورتوں میں یہ شخص مرتد ہو جاتا ہے یعنی اسلام سے نکل کر کفر میں جانے والا ہو جاتا ہے زبان سے اسلام کا نام لینا اور اسلام کا کلمہ پڑھنا اور پھر شریعت کے کسی حکم قطعی کا انکار کر دینا یہ بھی در پردہ انکار رسالت ہے کما قال تعالیٰ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ یہ لوگ آپؐ کی تکذیب نہیں کرتے بلکہ یہ ظالم خدا کی آیات اور اس کے احکام کا انکار کرتے ہیں۔

جو شخص نصوص قطعیہ اور صریحہ میں نامعقول تحریفات اور ناقابل قبول تاویلات باطلہ کرتا ہو اور زبان سے اسلام کا کلمہ پڑھتا ہو اصطلاح شریعت میں اس کا نام الحاد اور زندقہ ہے اور اس کا بھی وہی حکم ہے جو ارتداد کا حکم ہے لہٰذا جو شخص ختم نبوت کے قطعی اور یقینی عقیدہ کو تسلیم نہ کرے وہ بلاشبہ منکر رسالت ہے اور دائرۂ اسلام سے خارج ہے قرآن کی ایک آیت اور ایک حدیث متواتر کا انکار در پردہ قرآن کے وحی الٰہی ہونے کا انکار اور آنحضرتؐ کے صداقت اور رسالت کا انکار ہے اگر کسی حکومت کی رعایا بن جانے کے بعد قانون شکنی کرے اور ساتھ ہی ساتھ زبان سے حکومت کی وفاداری کا کلمہ بھی پڑھتا رہے تو حکومت اس سے اغماض نہیں کر سکتی اور وہ اس زبانی وفاداری سے پھانسی اور حبس دوام کی سزا سے نہیں بچ سکتا ہر حکومت کی نظر میں قانون شکنی اور بغاوت فتنہ اور فساد ہے جس کا انسداد حکومت کا فریضہ ہے اسی طرح کفر اور ارتداد قانون شریعت کی نظر میں فتنہ اور فساد ہے اور اسی فتنہ کے انسداد کے لیے جہاد کا حکم نازل ہوا ہے وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ۔

(۶) آیت قتالِ مرتدین اس امر پر صاف دلالت کرتی ہے کہ مرتد کی سزا شریعت میں قتل ہے اور قتلِ مرتد خدا تعالیٰ کے نزدیک اس قدر محبوب ہے کہ مرتدین سے قتال کرنے والوں کو حق تعالیٰ نے اپنا محب اور محبوب اور اپنا آوردہ فرمایا ہے اور حدیث مشہور میں ہے من بدّل دینہ فاقتلوہ (یعنی جو شخص دین اسلام کو چھوڑ کر اس کے بدلہ دوسرا دین اختیار کرے تو اس کو قتل کر ڈالو) اور اسی پر تمام صحابہ و تابعین کا اجماع ہے اور خلفاء راشدین اور سلاطین اسلام کی یہ سنت ہے۔

تفصیل اگر درکار ہو تو اس ناچیز کا تالیف کردہ رسالہ احسن البیان فی تحقیق الکفر والایمان کو دیکھیں جس میں قتل مرتد کے مسئلہ پر مفصل کلام کیا ہے

(۷) قتل مرتد پر مدعیان تہذیب کا اعتراض

آج کل کے مدعیان تہذیب قتل مرتد کو وحشت اور بربریت بتلاتے ہیں مگر قتل مرتد پر اعتراض کرنے والے بھی عجیب نادان ہیں یہ لوگ ایک معمولی بادشاہ اور صدرِ جمہوریہ کی بغاوت پر ہر قسم کی بربادی اور بمباری فقط جائز ہی نہیں سمجھتے بلکہ اس کو عین سیاست اور عین حکمت اور فرائض سلطنت اور حقوق مملکت سے سمجھتے ہیں حالانکہ وہ صدر جمہوریہ اُن عوام کے ووٹوں سے صدر بنا ہے جن میں اکثریت جاہلوں کی ہے اور اُن عورتوں کے ووٹ بھی ان میں شامل ہیں جو آئے دن اغواء کا شکار ہوتی رہتی ہیں ایسے صدر جمہوریہ کے باغیوں اور اس کی اطاعت سے مرتد ہونے والوں کے لیے سخت سے سخت سزا ان روشن خیالوں کے نزدیک بالکل درست ہے اور احکم الحاکمین سے بغاوت کرنے والوں اور اسکی اطاعت سے مرتد ہونے والوں اور اُس کے خلفاء اور وزراء یعنی انبیاء و مرسلین سے مقابلہ اور مقاتلہ کرنے والوں سے جہاد و قتال خلافِ تہذیب اور خلافِ انسانیت ہے ع۔ بریں عقل و دانش بباید گریست

(۸) مارشل لاء حکومت کے مُرتدین کیلئے ہے

مارشل لاء کا قانون حکومت سے مرتد ہونے والوں کے لیے ہے اور تمام مغربی قومیں اس کے جواز پر متفق ہیں لیکن شریعت الٰہیہ کے مرتدین کے لیے سزائے قتل کے نام سے ناک منہ چڑھاتے ہیں۔

چند سال ہوئے کہ پاکستان میں مارشل لاء کی عدالت سے یہ حکم جاری ہوا کہ مارشل لاء کے احکام

پر کسی کو تبصرہ اور رائے زنی کی اجازت نہوگی تو اس ناچیز کی زبان سے یہ دو شعر نکلے۔

مارشل لا چہ بود اے ارجمند ⁂ چشم بند وگوش بندولب بہ بند
حکم فانی راچو شد ایں حرمتے ⁂ حکم باقی را بداں چوں رفعتے

افسوس اور صد افسوس کہ مجازی اور فانی حکومت کے صدر سے بغاوت اور اس کی اطاعت سے ارتداد پر مارشل لاء کا قانون تو اِن مدعیان تہذیب کے نزدیک قابل آفرین وتحسین ہو مگر جس خدائے احکم الحاکمین نے بندوں کو وجود اور حیات اور عقل اور ادراک عطاء کیا اس کے دین سے اور اس کے نازل کردہ قانون شریعت سے مرتد ہونے والوں کے لیے سزائے قتل ان لوگوں کے نزدیک خلاف تہذیب ہو جائے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان مدعیان تہذیب کے نزدیک بندوں پر خداوند ذوالجلال کا اتنا بھی حق نہیں جتنا کہ ایک صدر جمہوریہ کا ہے لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ من سوء الفہم مارشل لاء سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ ملک اور سلطنت بغاوت اور فتنہ وفساد کے جراثیم سے محفوظ ہو جائے اسی طرح سمجھو کہ قتل مرتد کے حکم سے شریعت کا مقصد یہ ہے کہ اسلام اور مسلمان کفر اور ارتداد کے جراثیم سے محفوظ ہو جائیں شریعت کی نظر میں مرتد اور ارتداد ایک مجسم فتنہ ہے جس سے کمزور اور سادہ لوح مسلمانوں کے خیالات میں تشویش پیدا ہونے کا خطرہ ہے اس لیے قتل مرتد سے بقیہ ایمانداروں کے ایمان کی حفاظت مقصود ہے جو اسلامی حکومت کا اولین فریضہ ہے مرتد کے قتل کا حکم اس لیے دیا گیا کہ ارتداد کے جراثیم دوسروں تک متعدی نہ ہوسکیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ اس آیت سے یہ امر صراحۃً معلوم ہو گیا کہ اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہے اور بے شمار احادیث سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ مرتد کی سزا قتل ہے۔

(۱) حدیث میں ہے من بدل دینہ فاقتلوہ رواہ البخاری وابو داؤد والدارقطنی عن ابن عباسؓ (آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص دین اسلام کو چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کرے اس کو قتل کر ڈالو) یہ حدیث مشہور ہے اور اس حدیث کے علاوہ دیگر احادیث صحیحہ میں اسی طرح آیا ہے کہ جو شخص مرتد ہو جائے وہ قابل گردن زدنی ہے خواہ وہ برسرپیکار ہو یا نہ ہو مرتد ارتداد کی وجہ سے واجب القتل ہے نہ کہ برسرپیکار ہونیکی وجہ سے

(۲) ابو موسیٰ اشعریؓ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے والی یمن تھے ایک مرتبہ ان کی ملاقات کیلئے معاذ بن جبلؓ انکے پاس گئے دیکھا کہ ان کے پاس ایک مرتد شخص قید کرکے لایا گیا معاذ بن جبلؓ نے دریافت کیا کہ یہ کون شخص ہے معلوم ہوا کہ یہ مرتد ہے اسلام کو چھوڑ کر یہودی بن گیا ہے اس پر معاذ بن جبلؓ نے فرمایا لا اجلس حتی یقتل قضاء اللہ ورسولہ ثلاث مرات فامر بہ فقتل (بخاری ومسلم وابو داؤد والنسائی واحمد)

(میں اس وقت تک نہیں بیٹھوں گا جب تک اس کو قتل نہ کیا جائے جیسا کہ اللہ اور اس کے رسول کا فیصلہ ہے تین مرتبہ یہی کہا چنانچہ اس کو قتل کیا گیا) صحیح بخاری وغیرہ

(۳) حضرت عثمان غنیؓ جب اپنے گھر میں محصور تھے اور باغی اور مفسد اُن کو قتل کرنا چاہتے تھے تو اس وقت عثمان غنیؓ نے دیوار پر چڑھ کر لوگوں سے خطاب کر کے فرمایا کہ میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کسی مسلمان کا قتل اس وقت تک جائز نہیں جب تک اس سے ان تینوں کاموں سے کوئی کام سرزد نہ ہو جائے وہ تینوں کام یہ ہیں زنا بعد احصان وکفر بعد اسلام وقتل النفس بغیر حق (شادی کے بعد زنا کرنا اور اسلام کے بعد کافر اور مرتد ہو جانا اور کسی کو ناحق قتل کر دینا) نسائی و ترمذی و ابن ماجہ

(۴) حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایسی ہی ایک جماعت کے متعلق یہ ارشاد فرمایا اینما لقیتموھم فاقتلوھُمْ فان فی قتلھم اجرا لمن قتلھم یوم القیامۃ بخاری ومسلم وغیرہما (یعنی ان کو (مرتدین) کو جہاں پاؤ قتل کر ڈالو اس لیے کہ ان کے قتل میں قیامت کے دن بڑا ہی اجر عظیم ملے گا) حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا طریقہ یہ تھا کہ وہ مرتدین اور زنادقہ کو آگ میں جلایا کرتے تھے دیکھو صحیح بخاری۔

(۵) قبیلۂ عرینہ کے کچھ لوگ خدمت نبوی میں حاضر ہوئے اور مشرف باسلام ہوئے اور بعد میں مرتد ہو گئے آپؐ نے اُن سب کے قتل کا حکم دیا یہ روایت بخاری اور مسلم اور دیگر کتبِ صحاح میں مذکور اور مشہور ہے۔

ایک شُبہ بعض آزاد منش اور مرزائی جو قتل مرتد کے منکر ہیں وہ اپنے استدلال میں یہ پیش کرتے ہیں کہ بعض آیات میں مرتدین کے حبط اعمال اور آخرت میں غضب اور لعنت اور عذاب کا تو ذکر ہے مگر قتل کا ذکر نہیں

جواب یہ بہانہ ہے قتلِ عمد کی سزا اسلام میں بالاجماع قتل ہے مگر قرآن میں جس جگہ قتل عمد کا حکم بیان فرمایا وہاں فقط اخروی عذاب کا ذکر فرمایا قصاص کا ذکر نہیں فرمایا۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا۔ یعنی جو شخص کسی کو عمدًا اور قصدًا قتل کر دے تو آخرت میں اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہے اور خدا نے اس کے لیے عذاب عظیم تیار کر رکھا ہے غالباً کسی مرزائی کو اس میں تردد نہ ہوگا کہ قتل عمد کی سزا اسلام میں قتل ہے حالانکہ اس آیت میں مسلمان کے قتل عمد پر فقط غضب اور لعنت اور عذاب اخروی کا ذکر ہے قصاص کا ذکر نہیں اللہ تعالیٰ کسی جرم کے اخروی سزا اور اخروی عذاب کا ذکر فرماتے ہیں اور کسی جگہ دنیوی سزا کا ذکر

کرتے ہیں مستند کا فیصلہ دونوں آیتوں کے ملانے سے ہو گا دنیوی سزا سے بچنے کے لیے فقط اخروی عذاب کا ذکر کرنا یہ سب حیلہ اور بہانہ ہے۔

(۹) خلفاء راشدین اور قتل مرتدین

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خلفاء راشدین کا بھی یہی عمل رہا وہ مرتدین اور مدعیان نبوت کو قتل کرتے تھے صدیق اکبرؓ کا مرتدین کا قلع قمع کرنا احادیث اور سیر اور تاریخ سے مسلّم ہے اور یہ تمام واقعات جلال الدین سیوطیؒ کی تاریخ الخلفاء وغیرہ میں مذکور ہیں اور مرتدین اور مدعیان نبوّت کا قتل تمام صحابۂ کرام کے اجماع اور اتفاق سے ہوا ذرہ برابر اس میں نہ کسی کا خلاف ہے اور نہ کسی کو کبھی قتل مرتد کے بارہ میں کوئی شک ہوا اور نہ شُبہ پیش آیا۔

کیا قتل مرتد کیلئے محاربہ اور سلطنت کا مقابلہ شرط ہے

نصوص قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے یہ امر صراحۃً ثابت ہو گیا کہ قتل مرتد کے لیے علت ارتداد ہے قرآن اور حدیث میں سزائے مرتد کے لیے کسی جگہ بھی محاربہ اور سلطنت سے مقابلہ اور برسرپیکار ہونے کی شرط نہیں جو شخص مرتد ہو جائے تو اس کی سزا قتل ہے خواہ وہ محاربہ کرے یا نہ کرے خلفاء راشدین نے ہر قسم کے مرتد کے قتل کا حکم دیا خواہ سلطنت سے محاربہ کرے یا نہ کرے قتل کی اصل علت سب جگہ ارتداد تھی نہ کہ محاربہ جو لوگ قتل مرتد کے لیے سلطنت کا مقابلہ شرط قرار دیتے ہیں یہ دھوکہ اور فریب ہے اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ خدا کے دین سے مرتد ہو جانا جائز ہے مگر قانون سلطنت سے مرتد اور منحرف ہو جانا اور سلطنت کا مقابلہ کرنا جرم عظیم ہے جو حکومت سے مرتد ہو جائے تو اس کا قتل تو واجب ہے اور عین حکمت اور عین مصلحت ہے اور عین سیاست ہے اور خدا کے دین سے ارتداد میں کوئی حرج نہیں معاذ اللہ معاذ اللہ جو لوگ قتل مرتد کے مسئلہ کو یہ کہہ کر اڑانا چاہتے ہیں کہ اسلام میں قتل مرتد کا جو حکم آیا ہے اُس سے وہ مرتدین مراد ہیں جو حکومت اور سلطنت کے مقابلہ اور محاربہ پر آمادہ ہوں ان لوگوں کو چاہیے کہ آنکھیں کھولیں اور نصوص قرآنیہ اور احادیث نبویہ اور خلفائے راشدینؓ اور سلف صالحینؒ اور شاہانِ اسلام کے عمل کو دیکھیں کہ ہر زمانہ میں بادشاہ اسلام نے زمانہ کے علماء کے اتفاق اور اجماع سے مرتدین کو ارتداد کی وجہ سے قتل کیا اور اسی پر تمام ائمہ اسلام کا اتفاق ہے۔

(خلاصۂ کلام) یہ کہ قتل مرتد کا مسئلہ اسلام کے مسلّمات اور اجماعیات اور قطعیات اور

بدیہیات میں سے ہے جس کے بیان سے تمام کتب تفسیر و حدیث اور دواوین فقہیہ اور کتب تاریخیہ بھری پڑی ہیں ایسے قطعی اور اجماعی مسئلہ کا انکار بھی کفر اور ارتداد ہے خوب سمجھ لو اور ملاحدہ اور زنادقہ کے وسوسوں سے شبہ میں مت پڑو، واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ

اے ایمان والو رفیق نہ پکڑو

اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ

ایسوں کو جو ٹھہراتے ہیں تمہارا دین ہنسی اور کھیل وہ جو

اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ

کتاب دیئے گئے تم سے پہلے اور وہ جو کافر ہیں

وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾ وَاِذَا نَادَيْتُمْ

اور ڈرو اللہ سے اگر تم یقین رکھتے ہو اور جس وقت پکارو

اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ

نماز کو اس کو ٹھہرا دیں ہنسی اور کھیل یہ اس واسطے کہ وہ

قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿۵۸﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ

لوگ بے عقل ہیں تو کہہ اے کتاب والو کیا بیر ہے تم کو

تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا

ہم سے مگر یہی کہ ہم یقین لائے اللہ پر اور جو ہم کو اترا اور

وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۵۹﴾

جو اترا پہلے اور یہی کہ تم میں اکثر بے حکم ہیں

قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُم بِشَرٍّ مِّن ذَٰلِكَ مَثُوبَةً عِندَ

تو کہہ میں تم کو بتاؤں ان میں کس کی بری جگہ ہے اللہ کے

اللَّهِ ۚ مَن لَّعَنَهُ اللَّهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ

ہاں وہی جس کو اللہ نے لعنت کی اور اس پر غضب ہوا اور بعضے

مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوتَ ۚ

ان میں بندر کیے اور سور اور بوجنے لگے شیطان کو

أُولَٰئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَأَضَلُّ عَن سَوَاءِ السَّبِيلِ ﴿٦٠﴾

وہی بدتر ہیں درجہ میں اور بہت بہکے سیدھی راہ سے

وَإِذَا جَاءُوكُمْ قَالُوا آمَنَّا وَقَد دَّخَلُوا بِالْكُفْرِ

اور جب تم پاس آویں کہیں ہم یقین لاتے اور منکر ہی آئے تھے

وَهُمْ قَدْ خَرَجُوا بِهِ ۚ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا

اور اسی طرح نکلے اور اللہ خوب جانتا ہے جو چھپا

يَكْتُمُونَ ﴿٦١﴾ وَتَرَىٰ كَثِيرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُونَ فِي

رہے تھے اور تو دیکھے بہت ان میں دوڑتے ہیں

الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۚ لَبِئْسَ مَا

گناہ پر اور زیادتی پر اور حرام کھانے پر کیا برے کام ہیں

كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٦٢﴾ لَوْلَا يَنْهَاهُمُ الرَّبَّانِيُّونَ وَ

جو کر رہے ہیں . کیوں نہیں منع کرتے ان کے درویش اور

الْأَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْإِثْمَ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۚ

ملّا گناہ کی بات کہنے سے اور حرام کھانے سے کیا برے

لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۶۳﴾ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ

عمل ہیں جو کر رہے ہیں اور یہود کہتے ہیں

اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ۭ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ

اللہ کا ہاتھ بندھ گیا ان ہی کے ہاتھ باندھے جاویں اور لعنت ہے ان کو اس

بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاۗءُ ۭ وَ

کہنے پر بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں خرچ کرتا ہے جس طرح چاہے اور

لَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ

اس حکم سے جو تجھ کو اترا تیرے رب کی طرف سے

طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۭ وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَ

ان کو بڑھے گی شرارت اور انکار اور ہم نے ڈال رکھی ہے ان میں دشمنی اور

الْبَغْضَاۗءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۭ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا

بیر قیامت کے دن تک جب آگ سلگاتے ہیں

لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا ۭ

لڑائی کے واسطے اللہ اس کو بجھا تا ہے اور دوڑتے ہیں ملک میں فساد

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۶۴﴾

کرتے اور اللہ نہیں چاہتا فساد کرنے والوں کو

اعادۂ حکم سابق بعنوان دیگر

قال اللہ تعالیٰ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا ..... الی ..... وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ

(ربط) اس آیت میں دوسرے عنوان سے حکم سابق کا اعادہ ہے اور کفار کی محبت اور دوستی سے

ممانعت کی جاتی ہے مگر عنوان دوسرا ہے جس میں ان کی شرارتوں اور قباحتوں کو بیان کرتے ہیں مثلاً شعائر اسلام اذان وغیرہ کا مذاق اڑاتے ہیں اور مسلمانوں کو طرح طرح کی ایذائیں پہنچاتے ہیں اخیر رکوع تک اُن کے قبائح اور فضائح کو بیان کیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ ایسے لوگوں سے ہرگز ہرگز دوستی روا نہیں تاکید کے لیے حکم سابق کا اعادہ فرمایا اور قدرے اُن کی شرارتوں اور قباحتوں کو بیان کیا اور یہ بتلایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن پر خدا نے لعنت کی اور جن پر خدا کا غضب نازل ہوا اور کچھ لوگ ان میں کے سور اور بندر کی شکل میں مسخ کیے گئے اور یہ ایسے بڑے لوگ ہیں کہ کسی طرح لائق دوستی نہیں

گذشتہ آیات میں خاص یہود اور نصاریٰ سے موالات کی ممانعت تھی اور اس آیت میں عام کفار سے موالاۃ کی ممانعت ہے جس میں یہود اور نصاریٰ کے علاوہ مشرکین اور منافقین بھی داخل ہیں گویا کہ یہ حکم حکم سابق کا تتمہ ہے چنانچہ فرماتے ہیں اے ایمان والو ایمان کا مقتضیٰ یہ ہے کہ دین کی عزت وحرمت کو پورا پورا ملحوظ رکھو اور اس کی پوری حفاظت کرو اور دشمنان دین کی جو دین کے ساتھ استہزاء اور تمسخر کرتے ہیں خوب سمجھ لو کہ اُن کی موالاۃ اور دوستی کے ساتھ دین محفوظ نہیں رہ سکتا اس لیے حکم دیا جاتا ہے کہ اے ایمان والو جن لوگوں نے تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل بنا رکھا ہے یعنی جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی یہود اور نصاریٰ اُن کو اور دوسرے کافروں کو دوست نہ بناؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو اگر تم ایمان دار ہو اس لیے کہ اندیشہ یہ ہے کہ ان کی دوستی سے تمہاری اصلی دولت اور سعادتِ ابدیہ کا سرمایہ یعنی ایمان واسلام نہ ضائع ہو جائے اور جب تم لوگوں کو اذان کے ذریعہ نماز جیسی افضل العبادات اور اکمل القربات کی طرف پکارتے ہو تو وہ اس عبادت کو جس میں نماز اور اذان دونوں آگئیں ہنسی اور کھیل بناتے ہیں یہ اس واسطے کہ وہ بے عقل لوگ ہیں نماز اور اذان کی حقیقت نہیں سمجھتے اور بے عقل آدمی لائق محبت نہیں اگر ان کو ذرا عقل ہوتی تو سمجھتے کہ خالق کی عبادت اور بندگی اور اس کی تعظیم وتکبیر اور اس کی توحید کا اظہار واعلان جس کی تمام کُتب سماویہ اور انبیاء سابقین کی شریعتیں مُصدِّق ہیں کسی طرح قابلِ استہزاء اور تمسخر نہیں جب مسلمان اذان دیتے اور نماز پڑھتے تو یہود اور نصاریٰ اور مشرکین اس کی ہنسی اڑاتے یہود کہتے کہ یہ لوگ کھڑے ہوتے ہیں خدا کرے کبھی کھڑے نہ ہو سکیں اور نماز پڑھتے لگے ہیں خدا کرے نہ پڑھ سکیں پھر اس پر قہقہہ لگاتے اور جب مسلمان رکوع اور سجدہ میں جاتے تو ہنستے اور ایک دوسرے کو اشارہ کرتے اور مدینہ میں ایک نصرانی تھا جب وہ مؤذن سے اشہد ان محمدا رسول اللہ سنتا تو یہ کہتا اللہ جھوٹے کو آگ میں جلائے ایک رات اُس کی خادمہ آگ لا رہی تھی اور وہ نصرانی اور اس کے گھر والے پڑے سو رہے تھے اتفاق سے اس کے ہاتھ میں سے اُس آگ میں کا ایک شرارہ اڑ کر کہیں جا پڑا جس سے وہ گھر اور وہ نصرانی اور اس کے سب گھر والے جل کر خاکستر ہو گئے اس کی دعا کے مطابق خدا نے جھوٹے کو جلا دیا۔

اور خدا تعالیٰ نے یہ دکھلا دیا کہ صادق امین کو جھوٹا بتلانے والا دوزخ میں جانے سے پہلے ہی کس طرح آگ میں جلایا جا سکتا ہے مطلب یہ ہے کہ خداوند ذوالجلال کی بندگی اور اس بندگی کی طرف دعوت اور اعلان جو دنیوی اور اخروی خیر پر مشتمل ہے اور ہر دین میں اس کا بہتر ہونا مسلّم ہے اس کا مذاق اڑانا یہ اُن کی بے عقلی کی دلیل ہے

وکم من عائب قولاً صحیحا ؛ وآفته من الفهم السقيم

آپ ان لوگوں سے جو نماز اور اذان جیسی بہترین عبادت اور دعوت خیر و صلاح و فلاح کی ہنسی اور کھیل بناتے ہیں یہ کہہ دیجئے اے اہل کتاب تم ہم میں سوائے اس کے کیا عیب پاتے ہو کہ ہم ایک اللہ پر ایمان لے آئے ہیں اور اُس کتاب پر جو ہماری طرف نازل کی گئی اور ان کتابوں پر بھی جو اس سے پہلے نازل ہوئیں یعنی ہم تمہاری طرح انبیاء میں تفریق نہیں کرتے اور یہی کہ تم میں کے اکثر بدکار ہیں اور اطاعت خداوندی سے خارج ہیں یعنی تم جو ہمارے دین پر ہنستے ہو تو اس میں کیا عیب پاتے ہو ہمارے دین کا خلاصہ تو یہ ہے کہ ہم اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس قرآن پر ایمان رکھتے ہیں جو تمام شریعتوں کا لب لباب اور تمام حکمتوں کا عطر ہے اور اُن تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں جو ہم سے پہلے نازل ہوئیں کیا یہ کوئی عیب کی بات ہے جو تم اس پر ہنستے ہو وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فَاسِقُوْنَ کا مطلب یہ ہے کہ تم ہم میں سوائے اس کے اور کیا عیب پاتے ہو کہ تم طریق مستقیم سے ہٹ گئے ہو توحید کے بجائے تثلیث کے قائل ہو گئے اور حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا بنا لیا اور اللہ کی کتابوں میں تم نے تحریف کر ڈالی اور ان معایب کو کمالات سمجھ لیا اس لیے اچھی باتیں تم کو بری معلوم ہوتی ہیں ورنہ واقع میں ہم میں اور ہمارے دین میں کوئی عیب نہیں ہے چونکہ تم بدکار ہو اور ہم تمہاری بدکاری سے علیحدہ ہیں اس لیے ہم تمہاری آنکھوں میں کھٹکتے ہیں تمہیں اپنے عیبوں پر تو نظر نہیں اور ہمارے کمالات اور محاسن تم کو عیوب نظر آتے ہیں اہلِ تثلیث اور اہلِ تجسیم کو اہلِ توحید اور اہل تنزیہ پر طعن و تشنیع کرنے کا کہاں سے حق حاصل ہوا۔

چشم بد اندیش کہ برکندہ باد ؛ عیب نماید ہنرش در نظر

خلاصۂ کلام یہ کہ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فَاسِقُوْنَ کا مطلب یہ ہے کہ تم نے معاملہ برعکس کیا ہوا ہے تمہیں اپنا فسق اور طریق مستقیم سے انحراف تو معیوب نہیں معلوم ہوتا اور مسلمانوں کا طریق مستقیم پر چلنا اور خدا کی بندگی کرنا اور اس کی عظمت اور کبریائی اور توحید کی اذان اور اعلان تم کو معیوب نظر آتی ہے کیا یہ کمال ابلہی اور انتہائی دیدہ دلیری نہیں۔

اب اس کے بعد حق تعالیٰ شانہ یہود و نصاریٰ کے معائب اور اُن کے مضحکہ انگیز اقوال و افعال و حرکات کو بیان کرتے ہیں اور فرماتے ہیں (اے نبی) آپ ان لوگوں سے جو مسلمانوں کو برا کہتے

ہیں اور اُن کے دین کے ساتھ استہزاء کرتے ہیں یہ کہہ دیجیے آؤ میں تم کو ایسی قوم کا پتہ بتلاتا ہوں جو خدا کے نزدیک باعتبار جزاء اور سزا کے اس سے زیادہ برے ہیں یعنی تم اس دین اسلام اور مسلمانوں کو برا سمجھتے ہو آؤ میں تم کو اس سے بھی برا بتاؤں جن کو اللہ کے یہاں بُرا بدلہ ملے گا وہ لوگ جن پر اللہ نے لعنت کی اور ان پر غضب نازل کیا اور ان میں سے بعضوں کو بندر اور بعضوں کو سور بنا دیا اور جنہوں نے شیطان اور معبود باطل کی پرستش کی مثلاً جن لوگوں نے گوسالہ کو معبود بنایا یعنی واقعی بُرے وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی اور ان پر اپنا غضب نازل کیا اور اُن کی نافرمانیوں کی بناء پر اُن کو بندر اور سور کی شکل میں مسخ کیا اور جنہوں نے گوسالہ پرستی یا بت پرستی کی یہی لوگ باعتبار مقام اور مکان یعنی مرتبہ اور ٹھکانہ کے بدترین خلائق ہیں اور سب سے زیادہ سیدھے راستہ سے بھٹکے ہوئے ہیں بلحاظ مکان بمعنی مرتبہ بھی سب سے برے ہیں اور مکان بمعنی جگہ بھی سب سے بُرے ہیں اس لیے کہ اُن کا مکان دوزخ ہے جو سب سے بُرا مکان ہے لہٰذا تمہارے طعن اور استہزاء کی مستحق ایسی قوم ہو سکتی ہے جس کا یہ حال بیان کیا گیا اور وہ قوم خود تم ہی ہو نہ کہ مسلمان یہودیوں سے جن لوگوں نے باوجود صریح ممانعت کے ہفتہ کے دن مچھلیوں کا شکار کیا اور وہ بندر اور سور بنا دیئے گئے تھے جس کی تفصیل انشاء اللہ سورۂ اعراف میں آئے گی اور اے مسلمانو ان استہزاء کرنے والوں میں سے بعض لوگوں کا حال یہ ہے کہ جب تمہارے پاس آتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے حالانکہ وہ کفر ہی کو لے کر تمہاری مجلس میں داخل ہوئے تھے اور اسی کفر کے ساتھ تمہاری مجلس سے نکل کر واپس چلے گئے ہیں یہ لوگ ایک لمحہ کیلئے بھی ایمان میں داخل نہیں ہوئے ان کا آمنّا کہنا بالکل جھوٹ ہے اور اللہ خوب جانتا ہے جو دلوں میں کفر اور نفاق چھپائے ہوئے ہیں یہ آیت منافقین یہود کے بارہ میں نازل ہوئی جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر جھوٹ موٹ یہ کہہ دیتے کہ ہم آپ پر ایمان رکھتے ہیں اور آپ کے دین سے راضی ہیں اور دل میں ان کے کفر بھرا ہوا ہوتا تھا۔ اور اے نبی آپؐ ان یہودیوں میں سے بہت سے لوگوں کو گناہ اور ظلم و زیادتی اور حرام خوری یعنی رشوت میں دوڑتا ہوا دیکھیں گے کہ دوڑ دوڑ کر ان چیزوں کی طرف جاتے ہیں اور بصد شوق اور رغبت گناہوں کی طرف جھپٹتے ہیں اور حرام مال پر گرے پڑتے ہیں البتہ بہت ہی برے کام ہیں جو وہ کر رہے ہیں یہ حال تو اُن کے عوام کا تھا اب آگے اُن کے خواص کا حال بیان کرتے ہیں کیوں نہیں منع کرتے اُن کو خدا پرست یعنی درویش اور عالم گناہ کی بات کہنے سے اور حرام کھانے سے کیا ہی برا ہے وہ کام جو یہ خدا پرست اور عالم کرتے ہیں یعنی علماء اور فقراء کا فرض ہے کہ وہ لوگوں کو برے کاموں سے روکیں مگر وہ لوگ خاموش ہیں امر المعروف اور نہی عن المنکر نہیں کرتے یہ بہت برا کام ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ اگلے لوگ جو برباد ہوئے تو اس کی

وجہ یہ ہے کہ انہوں نے برے کام اختیار کیے اور ان کے علماء نے انہیں منع نہ کیا حضرات اہل علم تفصیل کے لیے امام غزالیؒ کی احیاء العلوم باب الامر بالمعروف والنہی عن المنکر دیکھیں۔

بارگاہِ خداوندی میں یہود کی گستاخی کا ذکر اور اس کا رد

اب آگے یہ بتلاتے ہیں کہ یہود کی جسارت مخلوق سے گذر کر خالق کی حد تک پہنچ چکی ہے اور بارگاہِ ربوبیت میں گستاخی کرنے سے بھی اُن کو باک نہیں رہا خداوند ذوالجلال کی شان میں ایسے واہی تباہی الفاظ بک دیتے ہیں کہ جنہیں سن کر انسان کے رونگٹے کھڑے ہوجائیں کبھی کہتے اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ اور کبھی یہ الفاظ منہ سے نکالتے ہیں یَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ خدا کا ہاتھ بندھ گیا یعنی معاذ اللہ خدا بخل کرنے لگا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے یہود کو ہر طرح کی فارغ البالی اور عیش و عشرت عطا کر رکھی تھی جب انہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی اور آپ کو جھٹلایا تو خدا تعالیٰ نے اُن کی روزی تنگ کر دی اس وقت فنحاص بن عازوراء نے کہا کہ اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور یہود بے بہود یہ کہتے ہیں کہ اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے یعنی اللہ بخل کرنے لگا ہے گویا کہ اُس کا ہاتھ گردن سے بندھا ہوا ہے معاذ اللہ۔ خدا تو اس سے پاک اور منزہ ہے انہیں کے ہاتھ باندھ دیئے گئے ہیں یعنی وہی خیر سے محروم کر دیئے گئے اللہ تو جواد اور کریم مطلق ہے اُس کے خزائن غیر محدود اور اس کا جود اور کرم لامتناہی ہے وہاں کسی چیز کی کمی نہیں ان کے تمرد اور طغیان کی پاداشں میں حق تعالیٰ نے انکی جبلت میں ایسا جبن اور بخل ڈال دیا ہے۔ جس سے ان کے ہاتھ بالکل بند ہوگئے ہیں اور اس گستاخانہ قول کی بناء پر یہ لوگ خدا کی رحمت سے دور پھینک دیئے گئے ذلّت اور مسکنت کی مہر لگا دی گئی اور ان کا یہ قول کہ اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے بالکل غلط ہے بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں یعنی وہ غایت درجہ کریم ہے دونوں ہاتھوں سے دیتا ہے اور چونکہ وہ حکیم بھی ہے اس لیے جس طرح چاہتا ہے وہ خرچ کرتا ہے اُس کا جود و کرم حکمت اور مصلحت کے ساتھ ہے وہ جسکو چاہتا ہے فراخی دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے تنگی دیتا ہے کما قال تعالیٰ وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ پس یہود کو جو تنگی پیش آئی ہے معاذ اللہ اس کی علت بخل یا فیضانِ جود کی کمی نہیں بلکہ یہود بے بہود کی معاندانہ تکذیب اور جحود کا وبال ہے جو ان کو چکھایا جا رہا ہے وہ قابض اور باسط ہے کسی کو زیادہ اور کسی کو کم دیتا ہے یہ اس کی حکمت اور مشیت ہے يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ اگر قبض ہے تو اس کی حکمت قاہرہ اور باہرہ سے ہے اور اگر بسط ہے تو اس کی رحمت وافرہ سے ہے الغرض حق جل شانہٗ کا یہ قول بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ اس کے

دونوں ہاتھ کھلے ہوتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ غایت درجہ کریم ہے دونوں ہاتھوں سے دیتا ہے اس کے جود وکرم کی کوئی حد اور نہایت نہیں حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی نے اپنے فوائد میں یہ لکھا ہے "کہ دو ہاتھوں سے مہر اور قہر کا ہاتھ مراد ہے یعنی آج کل خدا کے مہر کا ہاتھ امتِ محمدیہ پر کھلا ہوا ہے اور قہر کا ہاتھ بنی اسرائیل پر کھلا ہوا ہے جیسا کہ اگلی آیتوں میں اس کی طرف اشارہ فرمایا۔

فائدۂ جلیلہ اس قسم کی آیتیں جن میں خدا تعالیٰ کے منہ اور ہاتھ کا ذکر آتا ہے معاذ اللہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ خدا تعالیٰ بھی مخلوق کی طرح کوئی جسم ہے اور جسمانی اعضاء رکھتا ہے اس لیے کہ خداوند قدوس جسمانیت اور لوازم جسمانیہ سے پاک اور منزہ ہے سلف صالحین اور علماء محققین کا مسلک یہ ہے کہ جس طرح خدا کی ذات اور وجود اور حیات اور علم اور سمع اور بصر وغیرہ تمام صفات بے چون وچگون ہیں اس کی ذات وصفات کی کوئی نظیر اور مثال اور کیفیت اس کے سوا کچھ نہیں بیان کی جاسکتی۔

اے برتر از خیال وقیاس وگمان ووہم ∴ وز ہرچہ گفتہ اند وشنیدیم وخواندہ ایم
دفتر تمام گشت وبپایاں رسید عمر ∴ ماہمچناں در اولِ وصف تو ماندہ ایم

اس قسم کی آیات معلوم المعنی اور مجہول الکیف ہیں یعنی یہ تو ہم جانتے ہیں کہ ید کے معنی ہاتھ اور وجہ کے معنی منہ کے ہیں مگر یہ معلوم نہیں کہ خدا کا ہاتھ اور منہ کس طرح کا ہے معاذ اللہ اگر اس کا ہاتھ ہمارے ہاتھ جیسا ہو تو جسمیت اور تشبیہ لازم آئے گی لہٰذا یہ عقیدہ رکھنا چاہیے کہ جس طرح خدا تعالیٰ کی ذات اور اس کی حیات اور سمع اور بصر اس کی شان اقدس کے لائق اور ہمارے ادراک اور بیان سے وراء الوراء ہے اسی طرح اس کی صفت ید اور صفت وجہ بھی دیگر صفات کی طرح بے مثل اور بے چون ہے اور اُس سے وہی معنی مراد ہیں جو اس کی شانِ اقدس کے لائق ہوں، ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں کہ حق تعالیٰ کے لیے وجہ اور ید اور سمع اور بصر وساق اور قدم ثابت ہیں۔ جیسے اس کی ذات والا صفات کے شایانِ شان ہیں اور اس کی حقیقت اور کیفیت کے درپے نہیں اور باایں ہمہ وہ کسی بات میں مخلوقات کے مشابہ نہیں لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَّهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ۔

اور مسارعت فی الاثم اور اکل سحت کی وجہ سے ان کی فطرت اس درجہ فاسد اور خراب ہو چکی ہے کہ البتہ وہ قرآن جو تیرے پروردگار کی طرف سے لوگوں کی شفاء اور ہدایت کے لیے تیری طرف اتارا گیا ہے وہ ان میں سے بہتیروں کی نافرمانی اور سرکشی میں ترقی کا سبب بن جاتا ہے یعنی قرآن کریم تو شفاء اور ہدایت اور غذا ئے روح ہے مگر ان معاندین کی فطرت اس درجہ فاسد ہو چکی ہے کہ کلام الٰہی سنکر ان کو شفاء نہیں ہوتی بلکہ ان کی گمراہی اور سرکشی میں اور زیادتی ہو جاتی

ہے اگر غذائے صالح کسی فاسد المعدہ کے معدہ میں پہنچ کر اس کے مرض کو زیادہ کر دے تو اس میں غذائے صالح کا قصور نہیں مریض کے مزاج کی خرابی ہے یہی حال ان لوگوں کا ہے کہ جب قرآن کی کوئی آیت نازل ہوتی ہے تو وہ اس کا انکار کر دیتے ہیں جس سے ان کے سابق کفر میں ایک اور جدید کفر کا اضافہ ہو جاتا ہے جیسا کہ دوسری جگہ ہے وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَاۤءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ۝ اور ہم نے اہل کتاب کے حسد اور بغض اور عناد کی سزا میں ان میں باہم قیامت تک ظاہر میں عداوت اور باطن میں بغض ڈال دیا ہے یعنی ہم نے یہود اور نصاریٰ کے درمیان اور یہود کے مختلف فرقوں کے درمیان اور نصاریٰ کے مختلف فرقوں کے درمیان عداوت اور دشمنی ڈال دی ہے جو قیامت تک ان میں رہے گی چنانچہ وہ جب کبھی نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ کیلئے لڑائی کی آگ سلگاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بجھا دیتا ہے یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں اُنکو کامیابی نہیں ہوتی اور خدا تعالیٰ یہودیوں کی تدبیروں کو چلنے نہیں دیتا۔

شاہ عبد القادر صاحبؒ فرماتے ہیں "اللہ نے ان میں اتفاق نہیں رکھا جب آگ سلگاتے ہیں لڑائی کی یعنی فتنہ انگیزی کرتے ہیں کہ آپس میں سب کو ملا کر مسلمانوں سے لڑیں سو اللہ بجھا دیتا ہے آپس میں پھوٹ جاتے ہیں" (موضح القرآن) اور جب وہ لڑائی میں ناکام ہو جاتے ہیں تو اور طرح سے وہ زمین میں فساد پھیلاتے پھرتے ہیں یعنی محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے خلاف طرح طرح کی سازشیں اور اسلام کے مٹانے کی کوششیں کرتے رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ مفسدوں کو پسند نہیں کرتا اور اُن کی فتنہ پردازی پر ان کو سزا ضرور دیگا پوری سزا تو آخرت میں ملے گی البتہ بطور تنبیہ کے دنیا میں رزق کی تنگی میں بتلا کیا جا سکتا ہے۔

فائدہ جاننا چاہیئے کہ اس مضمون کے بیان کرنے سے اس جگہ مقصود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو دشمنوں کی طرف سے اطمینان دلانا ہے کہ یہ دشمن لوگ کسی صورت بھی آپ کے مقابلہ میں کامیاب و فتحیاب نہیں ہو سکیں گے پس اگر یہ حکم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے تو کوئی اشکال ہی نہیں اور اگر یہ حکم عام ہے اور آپ کے ساتھ مخصوص نہیں تو پھر مطلب یہ ہے کہ جب تک مسلمان دین اسلام پر قائم رہیں گے اور اس کے رنگ میں رنگے رہیں گے اس وقت تک نصرتِ الٰہی کے مستحق رہیں گے اور جب اُن کے دشمن اُن کے خلاف آتشِ جنگ بھڑکائیں گے تو اللہ تعالیٰ اُس کو بجھا دے گا لیکن اگر خدانخواستہ خود مسلمان ہی دین سے کنارہ کش ہو جائیں اور "مغضوب علیہم" اور "ضالین" کے رنگ میں رنگے جائیں اور صرف نام کے مسلمان رہ جائیں تو ایسے نام کے مسلمانوں سے خدا کا وعدہ نہیں۔

وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا
اور اگر کتاب والے ایمان لاتے اور ڈرتے
لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَ لَاَدْخَلْنٰهُمْ
تو ہم اتار دیتے ان کی برائیاں اور ان کو داخل کرتے
جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۶۵﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ
نعمت کے باغوں میں اور اگر وہ قائم رکھیں توریت
وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ
اور انجیل کو اور جو اُترا ان کو ان کے رب کی طرف سے
لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ مِنْهُمْ
تو کھادیں اپنے اوپر سے اور پاؤں کے نیچے سے کچھ لوگ
اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۶﴾
ان میں ہیں سیدھے اور بہت ان کے برے کام کر رہے ہیں

ترغیب اہل کتاب بایمان بر نبی آخر الزمان وذکر برکات ایمان

قال اللہ تعالیٰ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا ... الیٰ .... وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ اور ہاں اگر یہ اہل کتاب جو دین اسلام کی باتوں پر اپنی بے عقلی سے تمسخر کرتے ہیں خاتم النبیین پر ایمان لے آتے اور اللہ سے ڈرتے اور اپنی شرارتوں اور حرام خوری سے باز آجاتے جو ان کے حق میں تنگی رزق کا سبب بنی ہیں تو البتہ ہم اُن کے پہلے گناہوں کو نیست ونابود کر دیتے کیونکہ اسلام لانے سے اُس سے پیشتر کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور البتہ ہم اُن کو نعمت کے باغوں میں داخل کرتے اور ان کی تنگی دور ہو جاتی اور اگر یہ لوگ توریت اور انجیل کو قائم کرتے یعنی بغیر تحریف وتبدیل کے اس کی ہدایات پر عمل کرتے اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بشارت اور نعت کو نہ چھپاتے اور کتب سابقہ میں جو نبی آخر الزمانؐ پر ایمان

لانے کا عہد لیا گیا ہے اس کو پورا کرتے اور اس کتاب کو بھی قائم کرتے جو اُن کے پروردگار کی طرف سے اُن کی طرف نازل کی گئی ہے یعنی قرآن مجید پر عمل کرتے جو محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی توسط سے بنی اسرائیل اور اہل کتاب کی ہدایت کے لیے نازل ہوا ہے یہ اس لیے فرمایا کہ اہل کتاب یہ خیال نہ کریں کہ قرآن صرف بنی اسمٰعیل کے لیے نازل ہوا ہے اور بنی اسرائیل اس کے مکلّف اور مخاطب نہیں قرآن تمام عالم کی ہدایت کے لیے نازل ہوا ہے جن میں اہل کتاب بھی داخل ہیں اور بعض مفسرین یہ کہتے ہیں کہ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ سے قرآن مجید مراد نہیں بلکہ توریت اور انجیل کے علاوہ دیگر کتب سابقہ مراد ہیں جیسے زبور اور کتابِ اشعیاء وغیرہ ان سب میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بشارت اور ظہور کی پیشین گوئی مذکور ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر یہ اہل کتاب توریت اور انجیل اور کتب سابقہ کی ہدایت پر عمل کرتے اور جس نبی آخر الزماںؐ کی انبیاء سابقین نے بشارت دی ہے اس پر ایمان لے آتے تو یہ اہل کتاب اسی ایمان اور اتباع حق کی برکت سے بلاشبہ اپنے اوپر سے بھی روزی کھاتے اور اپنے پیروں کے نیچے سے بھی روزی کھاتے یعنی آسمان سے پانی برستا اور زمین سے پیداوار ہوتی مطلب یہ ہے کہ اگر یہ اہل کتاب محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتے اور آپ کی تکذیب نہ کرتے تو جس قحط میں یہ مبتلا ہیں اس میں مبتلا نہ ہوتے آسمان سے خوب بارشیں ہوتیں اور زمین سے خوب پیداوار ہوتی اور نہایت خوشحالی میں ہوتے چونکہ انہوں نے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی جن کی بشارت اور پیشین گوئی کتب قدیمہ میں تھی اور ان کو خوب معلوم تھی اس لیے خدا تعالیٰ نے ان کو سختی میں مبتلا کیا اُن کی یہ تنگی اُن کی خیانتوں اور قباحتوں کی نحوست ہے خداوند کریم کے فیض عام میں کوئی کمی نہیں خدا تعالیٰ کی طرف بخل کی نسبت گستاخی اور دیدہ دلیری ہے مگر با ایں ہمہ سب اہل کتاب برابر نہیں ان میں سے ایک گروہ جس نے دعوت حق کو قبول کیا اور اسلام میں داخل ہوا راہ راست پر چلنے والا ہے جیسے یہود میں عبد اللہ بن سلامؓ اور ان کے ہمراہی اور نصاریٰ میں نجاشی اور اس کے پیرو یہ گروہ اعتدال پر ہے جیسا کہ دوسری جگہ آیا ہے وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ لیکن ایسے لوگ قلیل ہیں اور اکثر ان میں وہ ہیں جو برے کام کرتے ہیں جیسے کعب بن اشرف اور تمام رؤسا یہود اور جو لوگ افراط اور تفریط کے ٹھیک درمیان میں ہیں اور اعتدال کی راہ پر ہیں وہ بہت قلیل ہیں

يَٰٓأَيُّهَا ٱلرَّسُولُ بَلِّغْ مَآ أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ ۖ وَ

اے رسول پہنچا جو تجھ کو اترا تیرے رب سے اور

إِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسٰلَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ

اگر یہ نہ کیا تو تو نے کچھ نہ پہنچایا اس کا پیغام اور اللہ تجھ کو بچائے گا

مِنَ النَّاسِ ؕ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۷﴾

لوگوں سے اللہ راہ نہیں دیتا منکر قوم کو

ازالۂ خوف و دہشت و وعدۂ حفاظت دربارۂ تبلیغ و دعوت

قال تعالیٰ یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ ..... الٰی ... لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ

(ربط) یہود اور نصاریٰ کی خرابیاں بیان کرنے کے بعد آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو حکم دیتے ہیں کہ ایسا نہ ہو کہ آپ تبلیغ دین میں سعی بلیغ نہ کریں اور کسی دشمن کے خوف اور اندیشہ سے یا لوگوں کی دل شکنی کے خیال سے ہمارے کسی حکم یا کسی آیت کو اُن کے سامنے نہ پڑھیں اللہ تعالیٰ آپ کا نگہبان ہے اور آپ کی حفاظت کا ذمہ دار ہے آپ تو بے خوف و خطر دین خدا وندی کی تبلیغ کریں حق جل شانہٗ نے جب موسیٰ علیہ السّلام کو حکم دیا کہ فرعون کو تبلیغ کریں تو طبعی طور پر اُن کو خوف دامنگیر ہوا اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ یَّفْرُطَ عَلَیْنَآ اَوْ اَنْ یَّطْغٰی تو اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر فرمایا لَا تَخَافَآ اِنَّنِیْ مَعَکُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰی اور موسیٰ علیہ السّلام کو اطمینان دلا دیا اسی طرح اس آیت میں نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ کا حکم دیتے ہیں اور حفاظت کا اطمینان دلاتے ہیں تاکہ طبعی خوف کی وجہ سے تبلیغ میں اضمحلال نہ آئے چنانچہ فرماتے ہیں اے میرے (برگزیدہ) رسول جو کچھ تجھ پر تیرے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اُس کو تم لوگوں تک پہنچا دو اور اگر بفرضِ محال آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اس کا پیغام کچھ نہیں پہنچایا یعنی اگر بفرض محال آپ سے کسی ایک حکم کے پہنچ جانے میں بھی کوتاہی ہوئی تو یہ سمجھا جائے گا کہ آپ نے فریضۂ رسالت کا حق ادا نہیں کیا اللہ کے سب حکموں کو پہنچانا ضروری ہے اس واسطے کہ بعض حکموں کو پہنچانا تبلیغ کو ضائع کرنا ہے اسی لیے آپ بے خوف و خطر اللہ کے تمام حکموں کو پہنچاتے اور بے کھٹکے انہیں بیان کیجئے چنانچہ آپ نے تبلیغ احکام میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا اور وفات سے دو ڈھائی مہینے پہلے حجۃ الوداع کے موقع پر ہزارہا عاشقانِ اسلام کے سامنے علیٰ رؤس الاشہاد یہ اعلان فرمایا اللّٰھم ھل بلغت اے اللہ تو گواہ رہ میں تیری امانت پہنچا چکا اور یہود اور مشرکین کی طرف سے اندیشہ نہ کیجئے وہ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اس لئے

کہ اللہ تم کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا یعنی کوئی شخص آپ کو قتل نہیں کر سکے گا بے شک اللہ راہ نہیں دیتا کافر لوگوں کو یعنی خدا اُن کو یہ قدرت نہیں دے گا کہ وہ تجھ کو ہلاک کر سکیں یا تیرے اوپر غالب آسکیں واضح ہو کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلمؐ کو کفار سے جو جسمانی تکلیفیں پہنچیں ہیں وہ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے پہنچی ہیں اس آیت کے نازل ہونے کے بعد کوئی شخص آپؐ کو تکلیف نہیں پہنچا سکا جامع ترمذی میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رات کو آپ کی پاسبانی اور نگہبانی کیا کرتے تھے جب آیت وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلمؐ نے قبہ سے اپنا سر نکال کر اُن سے فرمایا کہ اب تم میرے پاس سے چلے جاؤ اللہ میرا نگہبان ہے۔

مگر شیعہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں تبلیغ سے احکام دین کی تبلیغ مراد نہیں بلکہ حضرت علیؓ کی خلافت بلافصل کی تبلیغ مراد ہے اور اس بارہ میں ایک روایت بھی گھڑی ہے وہ یہ ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم جب آخری حج سے واپس ہوتے ہوتے غدیر خم میں ٹھہرے تو یہ آیت نازل ہوئی اور آپؐ کو حکم ہوا کہ علیؓ کی خلافت کا اعلان کر دیجیے چنانچہ آپؐ نے سب صحابہ کو جمع کیا اور حضرت علیؓ کی خلافت کا اعلان بایں الفاظ کیا مَنْ کنت مولاہ فعلی مولاہ اور اصل آیت اس طرح تھی يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ان عَلِيًّا مولی المؤمنین یہ سب گپ ہے یہ آیت غدیر خم کے موقع سے پہلے نازل ہو چکی تھی۔

حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں ترمذی وغیرہ سے روایت کیا ہے کہ صحابہؓ کرام رات کے وقت آپ کی پاسبانی کیا کرتے تھے اس وقت یہ آیت نازل ہوئی آپ اسی وقت بالاخانہ سے باہر تشریف لائے اور صحابہ سے فرمایا کہ تم لوگ واپس چلے جاؤ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے حفاظت کا وعدہ فرما لیا ہے اب کسی کی پاسبانی کی ضرورت نہیں اور حاکم نے مستدرک میں اس روایت کو صحیح الاسناد قرار دیا ہے معلوم ہوا کہ یہ آیت غدیر خم سے برسوں پہلے بوقت شب مدینہ میں نازل ہوئی۔

ذکر آیۃ اُولی الامر

شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کی خلافت بلافصل اور عصمت ائمہ کے بارہ میں آیت إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ کے بعد آیت اولی الامر کا نمبر ہے یعنی اس آیت کا يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُولِ علماء اہل سنت کے نزدیک اولی الامر سے علماء اور فقہاء اور حکام اسلام مراد ہیں شیعہ کہتے ہیں کہ اولی الامر سے حضرت علیؓ اور حسنینؓ مراد ہیں اور بعض شیعہ یہ کہتے ہیں کہ اولی الامر سے بارہ امام مراد

ہیں یہ سب تحریف ہے اور علاوہ تحریف کے خود مذہب شیعہ کے بھی خلاف ہے کیونکہ آیت میں در صورت شبہ مخالفتِ شریعت اولی الامر سے نزاع کی اجازت ہے جو عصمت کے منافی ہے اور مذہب شیعہ میں ایمہ معصوم ہیں اُن سے کسی حال میں نزاع جائز نہیں آنکھ بند کر کے ان کی اطاعت فرض ہے۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَیْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا

تو کہہ اے کتاب والو تم کچھ راہ پر نہیں جب تک نہ قائم کرو

التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ

توریت اور انجیل اور جو تم کو اُتارا گیا تمہارے رب سے

وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ

اور اُن میں بہتوں کو بڑھے گی اس کلام سے جو تجھ کو اترا تیرے رب سے

طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۸﴾

شرارت اور انکار سو تو افسوس نہ کھا اس قوم منکر پر

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِئُوْنَ وَ

البتہ جو مسلمان ہیں اور جو یہود ہیں اور صابئین اور

النَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

نصاریٰ جو کوئی ایمان لاوے اللہ پر اور پچھلے دن پر

وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ

اور عمل کرے نیک نہ ان پر ڈر ہے نہ وہ

يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۹﴾

غم کھاویں

اِبطالِ باطِل

قال تعالیٰ قُلْ يَآ اَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ ... الیٰ ... فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ
(ربط) تبلیغ کا رُکنِ اوّل احقاقِ حق ہے اور رکن ثانی ابطالِ باطل ہے گزشتہ آیات میں اجمالا احقاق حق تھا اب اس کے بعد اس آیت میں اجمالاً ابطال باطل کا بیان ہے پھر آئندہ آیات میں نصاریٰ کے عقیدۂ فاسدہ کا تفصیلاً ابطال ہے اور مقصود اہل کتاب کو اسلام میں داخل ہونے کی ترغیب ہے کہ باطل کو چھوڑ کر حق کا اتباع کریں آپ ان یہود و نصاریٰ سے یہ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب تم جو اپنے آپ کو دین کے بارہ میں راہ حق اور ہدایت پر سمجھتے ہو خوب جان لو تم کسی راہ پر نہیں ہو چونکہ تم حق سے منحرف ہو چکے ہو اس لیئے تم بمنزلہ بے راہ کے ہو تمہارا مذہب بالکل ہیچ ہے جس طریقہ پر تم ہو اس کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کوئی چیز ہے لہذا یہی کہا جائے گا کہ تم کسی چیز پر بھی نہیں جب تک تم توریت اور انجیل کو قائم نہ کرو اور اس کتاب کو قائم نہ کرو جو بواسطہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تمہاری طرف تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل کی گئی ہے یعنی قرآن کریم مطلب یہ ہے کہ جب تک تم توریت اور انجیل اور صحفِ انبیاء کے مطابق عمل نہ کرو گے اور اُن کی ہدایت کے مطابق نبی آخر الزمانؐ پر ایمان نہ لاؤ گے اور اس کتاب کا اتباع نہ کرو گے جو نبی آخر الزمانؐ پر نازل ہوئی تو حقیقت میں تمہارا ایمان کچھ بھی نہیں نہ توریت وانجیل پر ہے اور نہ موسیٰؑ اور عیسیٰؑ ہی پر جیسا کہ رجم اور قصاص کے بارہ میں گذر چکا اور ان لوگوں کا راہِ راست پر آنا بہت دشوار ہے حسد اور عناد کی وجہ سے ان کی فطرت اس درجہ خراب ہو چکی ہے کہ البتہ وہ کلام الٰہی جو تیرے پروردگار کی طرف سے تیری جانب اتارا گیا ہے وہ ان میں سے بہتوں کی سرکشی اور کفر کو پہلے سے اور زیادہ کر دیتا ہے پس آپ ان معاندین اور منکرین کے ایمان نہ لانے پر کچھ افسوس نہ کیجئے کیونکہ ان کے کفر کا ضرر انہی پر ہے آپ ان کے کفر و عناد سے تنگ دل ہو کر فرائض میں کوئی کمی نہ کیجئے۔

قَانُونِ نَجات

چونکہ یہود اور نصاریٰ کو یہ خیال تھا کہ ہم لوگوں کے سوا اور کوئی نجات نہ پائے گا اس لیے حق سبحانہٗ وتعالیٰ اُن کے اس خیال باطل کو رد فرماتے ہیں اور نجات اُخروی کا ایک عام قانون

جو اہل کتاب اور تمام اقوام عالم کو حاوی اور شامل ہے وہ بتلاتے ہیں وہ قانونِ نجات یہ ہے کہ جو شخص صحیح طور پر خدا تعالیٰ پر اور قیامت پر ایمان لائے اور نیک کام کرے نجات اُخروی اُس کو نصیب ہو جائے گی اور یہ قانون نہایت معقول اور منصفانہ ہے دنیا میں نجات کا یہی طریقہ ہے کہ حکومت کو مانو اور حلف وفاداری اٹھاؤ اور قانون کے مطابق عمل کرو اور اس معقول قانون سے نصاریٰ کا کفارۂ مزعومہ خود بخود باطل ہو جائے گا بجائے مجرم کے بادشاہ کے اکلوتے بیٹے کو صلیب پر چڑھا دینے سے نجات کا عقیدہ رکھنا ایک احمقانہ اور مجنونانہ خیال ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ تحقیق نجات اخروی کا قانون ہمارے یہاں یہ ہے کہ جو لوگ ظاہری[1] طور پر مسلمان کہلاتے ہیں اور ایمان کے مدعی ہیں جیسے منافقین اور جو یہودی ہیں اور جو لوگ صابی ہیں یعنی ستارہ[2] پرست ہیں اور جو لوگ نصرانی ہیں یا اور کوئی مذہب رکھتا ہو ان میں سے کسی کے ایمان کا اعتبار نہیں صرف وہ لوگ دعوائے ایمان میں صادق ہیں جو قواعد شریعت کے مطابق اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان لے آئیں اور نیک عمل کریں پس ایسے لوگوں کے ایمان کا اعتبار ہے ایسے ہی لوگوں کو اُخروی نجات نصیب ہو گی اور آخرت میں ان پر کسی قسم کا خوف ہو گا اور نہ غم ہو گا۔ مطلب یہ ہے کہ نجات اُخروی اور حقیقی فلاح اور دائمی کامیابی کا معیار ایمان اور عمل صالح ہے پس جو قوم اپنے مقرّبِ الٰہی یا کامیاب ہونے کا دعویٰ کرے اس کو اس کسوٹی پر کس کر دیکھا جائے گا لہٰذا جب تک کوئی خداوند قدوس کے وجودِ باجُود اور اس کی وحدانیت اور اس کے صفات کمال اور اس کے احکام اور قوانین اور اس کے سفراء و نائبین یعنی انبیاء و مرسلین پر اور روز جزاء پر ایمان نہ لائے اور اس کے حکم کے مطابق نیک کام نہ کرے اس وقت تک نعیم مقیم اور رضاء خداوندی اور فلاح ابدی سے ہمکنار ہونا ناممکن اور محال ہے یہ تمام چیزیں ایمان باللہ کے تحت داخل ہیں فرض کرو کہ ایک روشن خیال بادشاہ کو تو مانتا ہے مگر حکومت کے وزراء اور سفراء کی تکذیب اور توہین کرتا ہے تو کیا یہ حکومت کی تکذیب اور توہین نہیں اسی طرح سمجھ لو کہ جو شخص کسی نبی برحق کی تکذیب اور توہین کرتا ہے تو وہ درحقیقت خداوند احکم الحاکمین کی تکذیب و توہین کرتا ہے جس نے اس نبی کو اپنا خلیفہ اور سفیر اور نائب مقرر کر کے بھیجا ہے کما قال تعالیٰ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ سورۂ انعام رکوع ۴۔ یا فرض کرو کہ کوئی شخص سابق اور قدیم دستور اور آئین کو تو مانتا ہے اور اس کو قابل عمل سمجھتا ہے مگر حکومت کی طرف

---

[1] کما روی عن الثوری ان المراد بالذین اٰمنوا ھم الذین اٰمنوا بالسنتھم وھم المنافقون وھو الذی اختارہ الزجاج (روح المعانی ص۱۶۹، ج۶)

[2] کما فی فتح الرحمٰن للشاہ ولی اللہ الدھلوی۔

سے جو فی الوقت قانون اور دستور جاری کیا گیا اس کو نہیں مانتا اور نہ اُسے قابل عمل سمجھتا ہے تو ایسا شخص بلا شبہ حکومت کی نظر میں باغی اور مجرم ہے اسی طرح منسوخ شریعت پر ایمان لانا اور اسی کو قابل عمل سمجھنا اخروی نجات کے لیے کافی نہیں حکم ناسخ کے بعد حکم منسوخ پر عمل کرنا صریح جہالت اور حماقت ہے خصوصاً جب کہ توریت اور انجیل میں نبی آخر الزمانؐ کی بشارت اور اس پر ایمان لانے کی تاکید اکید مذکور ہے تو یہ کہنا کہ توریت و انجیل پر قائم ہیں بالکل غلط ہے اس لیے کہ توریت و انجیل پر ایمان لاتے ہیں نبی آخر الزمان پر بھی ایمان لانا داخل ہے۔

اور اس آیت کی پوری تفسیر سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے وہاں دیکھ لی جائے

فائدہ صابئین کے بارہ میں علماء کے اقوال مختلف ہیں بعض کہتے ہیں کہ یہ ستارہ پرستوں کا گروہ ہے اور بعض کہتے ہیں کہ صابئین سے بے دین لوگ مراد ہیں اور محققین کا قول یہ ہے کہ صابئین ایک فرقہ ہے کہ جو روحانیت کا قائل ہے اور کواکب اور نجوم کی ارواح کو مدبر عالم مانتا ہے اور انبیاء کرام اور نبوت کا بالکل منکر ہے صابئین کے مقابلہ میں حنفاء کی جماعت ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السّلام حنیف تھے ان کی بعثت کے وقت نمرود کی قوم صابی العقیدہ تھی جن کا ابراہیم علیہ السّلام نے رد فرمایا۔

لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَاَرْسَلْنَآ

ہم نے لیا تھا قول بنی اسرائیل سے اور بھیجے

اِلَيْهِمْ رُسُلًا ۭ كُلَّمَا جَاۗءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى

ان کی طرف رسول جب آیا اُن پاس کوئی رسول جو نہ خوش آیا

اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ۝۷۰ وَ

اُن کے جی کو کتنوں کو جھٹلایا اور کتنوں کا خون کرنے لگے اور

حَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ

خیال کیا کہ کچھ خرابی نہ ہوگی سو اندھے ہو گئے اور بہرے ہو گئے

تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ۭ

پھر اللہ متوجہ ہوا ان پر پھر اندھے اور بہرے ہوگئے ان میں بہت

وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۷۱﴾

اور اللہ دیکھتا ہے جو کرتے ہیں ۔

رجوع بسوئے ذکر یہود

قال تعالیٰ لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ... الیٰ ..... وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ

اوپر سے اہل کتاب کے قبائح کا ذکر چلا آرہا تھا اب پھر اس کی طرف رجوع فرماتے ہیں اور البتہ تحقیق عہد لیا ہم نے اولاد یعقوب سے کہ توحید پر قائم رہنا اور اگر نبی آخر الزمانؐ کا زمانہ پاؤ تو ان پر ایمان لانا اور اُن کی مدد کرنا اور اس عہد کے یاد دلانے کے لیے ہم نے اُن کی طرف بہت سے پیغمبر بھیجے لیکن عناد اور سرکشی سے ان کا یہ حال ہوا کہ جب کبھی کوئی رسول اُن کے پاس کوئی ایسا حکم لے کر آیا جس کو اُن کا نفس امارہ پسند نہیں کرتا تھا تو اُن لوگوں نے اُن میں سے کچھ پیغمبروں کی تو تکذیب کی اور کچھ پیغمبروں کو قتل کرنے لگے اور یہ گمان کر بیٹھے کہ ہمیں اس پر کوئی سزا نہ ملے گی اور خدا تعالیٰ کے حِلم سے یہ گمان کر لیا کہ پیغمبروں کے قتل کرنے یا جھٹلانے پر ہم کو کوئی سزا نہ ملے گی اور نہ کوئی بلا اور مصیبت ہم پر آئے گی اور خدا تعالیٰ کے عذاب سے نڈر اور اپنے جرائم کے انجام سے بے فکر ہو کر بیٹھ گئے پس شدت جہالت اور قساوت قلبی کی وجہ سے حق کے دیکھنے اور سُننے سے اندھے اور بہرے ہو گئے اور جو ناکردنی کام تھے وہ کیئے کسی نبی کو قتل کیا اور کسی کو قید کیا خدا تعالیٰ نے ان پر بخت نصر کو مسلّط کیا جس نے ان کو خوب ذلیل اور رسوا کیا پھر ایک مدّت دراز کے بعد جب یہ لوگ اپنی شرارتوں سے باز آئے اور تائب ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر توجہ فرمائی اور ان کی توبہ قبول کی اور شاہان فارس میں سے کسی عظیم بادشاہ کو ان کی دستگیری اور رستگاری کے لیے کھڑا کیا جس نے ان کو بخت نصر کی ذلت اور خواری اور قید اور گرفتاری سے چھڑا کر بابل سے بیت المقدس کی طرف واپس کیا پھر کچھ زمانہ بعد وہی شرارتیں سوجھیں اور پرانی قساوت قلبی عود کر آئی اور پھر حسب سابق ان میں سے بہت سے اندھے اور بہرے ہو گئے کہ حضرت زکریاؑ اور حضرت یحییٰؑ کو قتل کیا اور حضرت عیسیٰؑ کے قتل کا ارادہ کیا مگر اس ارادہ میں خدا کی قدرت سے وہ ناکام رہے اور اب نبی آخر الزمانؐ کے قتل کی فکر میں ہیں اور یہ لوگ اگر چہ خدا کے قہر اور غضب سے اندھے ہو گئے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو برابر دیکھ رہا ہے چنانچہ امت محمدیہ کے ہاتھوں سے ان کو سزا دلوا رہا ہے ۔

قفال مروزیؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں جس دو مرتبہ فتنہ اور ابتلاء کا ذکر ہے

فائدہ وہ ایک نہایت اجمالی اشارہ ہے جس کی تفصیل سورۂ اسراء کی اس آیت وَقَضَيْنَآ إِلَىٰ بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ فِي الْكِتَٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْأَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيرًا میں مذکور ہے (تفسیر کبیر ص ۴۴۷ ج ۳)

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوٓا إِنَّ اللَّهَ هُوَ

بے شک کافر ہوئے جنہوں نے کہا اللہ وہی

الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۖ وَقَالَ الْمَسِيحُ

مسیح ہے مریم کا بیٹا اور مسیح نے کہا ہے

يَٰبَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَ

کہ اے بنی اسرائیل بندگی کرو اللہ کی جو رب ہے میرا

رَبَّكُمْ ۖ إِنَّهُۥ مَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ

اور تمہارا مقرر جس نے شریک کیا اللہ کا سو حرام کی اللہ نے اس پر

الْجَنَّةَ وَمَأْوَىٰهُ النَّارُ ۖ وَمَا لِلظَّٰلِمِينَ مِنْ أَنصَارٍ ﴿٧٢﴾

جنت اور اس کا ٹھکانا دوزخ اور کوئی نہیں گنہگاروں کی مدد کرنے والا

رجوع بذکر نصاریٰ وابطال عقیدۂ الوہیت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام

قال اللہ تعالیٰ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوٓا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ... الیٰ... وَمَا لِلظَّٰلِمِينَ مِنْ أَنصَارٍ

(ربط) یہاں تک زیادہ تر یہود کی قباحتوں اور شرارتوں کا بیان تھا انبیاء کا قتل وغیرہ انہیں سے سرزد ہوا تھا اب نصاریٰ کے عقائد فاسدہ کا بطلان ظاہر فرماتے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ اُن کے ایمان باللہ کا کیا حال ہے اور یہ ظاہر ہو جائے کہ اُن کا دین ہیچ ہے اور وہ کسی چیز پر نہیں جیسا کہ يَٰٓأَهْلَ الْكِتَٰبِ لَسْتُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ میں بتلایا گیا اس جگہ نصاریٰ کے دو فرقوں کے عقائد کا بطلان بیان فرماتے ہیں نزول قرآن کے وقت نصاریٰ میں کا ایک فرقہ حضرت

عیسیٰ علیہ السّلام ہی کو خدا کہتا تھا اُن کا اعتقاد یہ تھا کہ خدا تعالیٰ دنیا کے گناہ معاف کرنے کے لیے حضرت مریمؑ کے پیٹ سے مجسم ہو کر بشکل مسیح دنیا میں ظاہر ہوا اُن کا قول یہ تھا کہ اللہ یہی تھا جو مسیح کی صورت میں آیا جیسا کہ ہندوؤں کا اپنے اوتاروں کی نسبت بھی اعتقاد ہے کہ ایشر یعنی خدا تعالیٰ شیر اور انسانوں کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے چونکہ یہ اعتقاد بالکل لغو تھا اس لیے حق تعالیٰ نے اس قول کے ابطال کے دلائل بیان نہیں فرمائے بلکہ صرف حضرت مسیحؑ کے قول کے نقل پر اکتفاء کیا کما قال تعالیٰ وَقَالَ الْمَسِيحُ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ کہ وہ توحید کے داعی تھے اور شرک سے منع کرتے تھے اور ڈراتے تھے اور نصاریٰ کا یہ عقیدہ حضرت مسیح علیہ السّلام کی صریح تعلیم اور صریح ہدایت اور نصیحت کے خلاف ہے اور حضرت مسیحؑ کا یہ قول جو قرآن میں ذکر کیا گیا اناجیل مروّجہ میں موجود ہے اور نصاریٰ کا دُوسرا فرقہ تثلیث کا قائل تھا اور یہ کہتا تھا کہ خدا تعالیٰ اور عیسیٰؑ اور روح القدس ان تینوں میں خدائی دائر ہے یعنی ان میں کا ہر ایک خدا ہے اور تینوں کا مجموعہ ایک خدا ہے گویا کہ خدا تعالیٰ نصاریٰ کے نزدیک بارگاہ الوہیت کا ایک فرد اور ایک ممبر ہے اس گروہ کا عقیدہ یہ تھا کہ خدائی تین حصوں میں منقسم ہو گئی ایک اللہ رہا ایک روح القدس ایک مسیح یہ دونوں عقیدے صریح کفر ہیں۔

عیسائیوں میں ایک تیسرا گروہ اور بھی تھا کہ جو تثلیث کا تو قائل تھا مگر بجائے روح القدس حضرت مریمؑ کو خدا مانتا تھا یعنی حضرت مسیحؑ کے ساتھ اُن کی والدہ مریمؑ کی بھی عبادت کرتا تھا اور اُن سے اپنی حاجات طلب کرتا تھا خدا تعالیٰ نے فرمایا یہ سب کفر ہے پہلا قول بھی کفر اور دوسرا قول بھی کفر ہے حق جل شانہٗ نے ان آیات میں نصاریٰ کے دونوں فرقوں کے عقائد کا ابطال فرمایا جو اتحاد کے قائل تھے اور جو تثلیث کے قائل تھے اور پہلے دلیل الزامی پیش کی کہ تمہارا یہ قول حضرت مسیح کے قول اور ہدایت کے صریح خلاف ہے اس کے بعد مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ الخ سے دلیل تحقیقی بیان فرمائی اور اس عقیدۂ فاسدہ کے ابطال پر عقلی اور نقلی دلائل بیان فرمائے چنانچہ فرماتے ہیں بے شک کافر ہوئے وہ لوگ جنہوں نے یہ کہا کہ خدا بعینہٖ یہی مسیح ہے جو مریم کا بیٹا ہے اور مجسّم ہو کر بشکل مسیح دنیا میں آیا ہے یہ عقیدہ فرقہ یعقوبیہ اور ملکانیہ کا تھا جو نصاریٰ کے دو فرقے تھے اُن کا عقیدہ یہ تھا کہ مریمؑ نے اللہ کو جنا ہے اور اللہ تعالیٰ ذات عیسیٰ میں حلول کر گیا ہے اور اس کے ساتھ متحد ہو گیا ہے حالانکہ یہ بات بالکل مہمل اور سراسر خلاف عقل ہے اس لیے کہ قدیم اور ازلی کا حادث کے ساتھ اتحاد اور امتزاج عقلاً محال ہے بداہت عقل سے یہ امر ثابت ہے کہ دو مختلف حقیقتوں کا آپس

ملہ دیکھو الاجوبۃ الفاخرہ ص۱۵۵ سوال ثامن عشر۔

میں متحد ہو جانا قطعاً ناممکن ہے جس طرح حرکت اور سکون اور نور اور ظلمت اور وجود اور عدم کا اتحاد عقلاً ناممکن ہے اسی طرح بلکہ اس سے بڑھ کر واجب اور ممکن اور حادث اور قدیم کا اتحاد اور امتزاج ناممکن اور محال ہے اور اگر بالفرض والتقدیر۔ حادث اور قدیم کا اتحاد ممکن ہے تو پھر محال اور واجب کا اور ممکن اور ممتنع کا اتحاد بھی عقلاً ممکن ہونا چاہیئے جس کا سوائے مجنون اور دیوانہ کے کوئی قائل نہیں ہو سکتا معلوم ہوا کہ حقیقت خداوندی اور حقیقت انسانی کا مل کر ایک ہو جانا محال ہے اور اگر عقلاء نصرانیت یہ دعویٰ کریں کہ یہ محال نہیں بلکہ ممکن ہے تو پھر نصاریٰ یہ بتلائیں کہ خدا تعالیٰ کا جسم فرعون اور جسم نمرود کے ساتھ اور رامچندر اور کرشن کے ساتھ متحد ہو جانا کس دلیل سے محال ہے نصاریٰ کے نزدیک جب ایک جسم بشری میں خدا تعالیٰ کا حلول اور نزول جائز ہے تو نمرود اور فرعون اور کرشن اور رامچندر کے جسم میں خدا تعالیٰ کا حلول اور نزول کس دلیل سے محال ہے نصاریٰ اس کا جواب دیں اور اگر بالفرض نصاریٰ کے نزدیک مریمؑ کے بیٹے کا خدا ہونا ممکن ہے تو کوسلیا کے بیٹے یعنی رامچندر کا اور دیوکی کے بیٹے یعنی کہنیا کا خدا ہونا کیوں ناممکن ہے اور بشن اور مہادیو اور برہما جن کو ہندو لوگ اسی طرح خدا مانتے ہیں جس طرح نصاریٰ حضرت عیسیٰؑ کو خدا مانتے ہیں نصاریٰ، بتلائیں کہ یہ کیوں خدا نہیں ہو سکتے۔

حق جل شانہٗ نے اس فرقہ کی جو خدا تعالیٰ اور مسیحؑ بن مریمؑ کو ایک بتاتے تھے تکذیب کی اور یہ فرمایا کہ ان کا یہ قول کہ خدا تعالیٰ بعینہٖ مسیحؑ ابن مریمؑ ہے صریح کفر ہے اور فرمایا کہ تعجب ہے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عین مسیحؑ بن مریمؑ ہے حالانکہ مسیح بن مریم نے خود بتاکید ابلغ یہ کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل تم اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے جس میں صراحۃً اپنے بندہ اور مربوب ہونے کا اقرار اور اعتراف ہے تم ان کو خدا کیسے کہتے ہو پہلا کلمہ جو گہوارہ میں ان کی زبان سے نکلا وہ یہ تھا اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ الخ تحقیق بلاشبہ میں اللہ کا بندہ ہوں اللہ نے مجھ کو کتاب اور حکمت دی اور مجھ کو نبی بنایا اور حضرت مسیح نے یہ کہا اِنَّ اللّٰہَ رَبِّیْ وَرَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْہُ ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ جیسا کہ آل عمران میں گذرا۔

چنانچہ انجیل مرقس باب ۱۲ درس ۲۸ ۔ ۲۹ میں ہے کہ جب مسیح سے یہ پوچھا گیا کہ سب حکموں میں سب سے اول کونسا ہے تو یسوع نے جواب دیا کہ اول یہ ہے اے اسرائیل سن خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے اور تو خداوند اپنے خدا سے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری عقل اور اپنی ساری طاقت سے محبت رکھ۔ اھ

حضرت مسیحؑ کا یہ قول حق تعالیٰ نے نصاریٰ پر بطور حجت پیش کیا ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ دراصل مسیح بن مریمؑ کے معتقد نہیں کیونکہ مسیح تو لوگوں کو خدا کی عبادت کی طرف بلایا کرتے تھے اور خود بھی عبادت اور بندگی کیا کرتے تھے اور اس سے دعا مانگا کرتے تھے تمام انجیلوں

سے یہ ثابت ہے کہ عیسٰی علیہ السّلام خدائے واحد کے عبادت گذار بندے تھے عابد تھے معبود نہ تھے ساجد تھے مسجود نہ تھے حادث اور مولود تھے قدیم اور غیر مخلوق نہ تھے مصیبت کے وقت خدا کو پکارتے تھے خدا نہ تھے معاذ اللہ کیا خدا بھی کسی سے فریاد کرتا ہے اور مصیبت کے وقت اُس کو پکارتا ہے اور حضرت مسیحؑ فقط خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کی عبادت کی طرف دعوت دینے پر اکتفاء نہ کرتے تھے بلکہ شرک کرنے والوں کو خدا کے بے پناہ عذاب سے ڈراتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ تحقیق جو شخص اللہ کے ساتھ کسی کو شریک گرداتے سو اس پر اللہ نے جنت کو حرام کر دیا ہے وہ کبھی جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا مطلب یہ ہے کہ مشرک کی کبھی بخشش نہ ہو گی اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ وقال تعالیٰ وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ وغیر ذلک من الآیات

اور آخرت میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مشرک کا ٹھکانا آگ ہے اور ایسے ظالموں کا جو خدا تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک گردانیں کوئی یار و مددگار نہیں جو اُن کی مدد کرے اور ان سے عذاب کو دور کرے۔

فائدہ آیت اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ الخ میں دو احتمال ہیں ایک تو یہ کہ یہ کلام حضرت عیسٰی علیہ السّلام کے کلام کا تتمہ ہے اور مثل يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ کے یہ بھی حضرت عیسٰیؑ ہی کا قول ہے ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے اور اسی کو ابن کثیرؒ نے اختیار کیا اور اسی کے مطابق ہم نے تفسیر کی اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ الخ عیسٰی علیہ السلام کا کلام نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو پہلے کلام کی تصدیق کے لیے لایا گیا ہے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَ
بے شک کافر ہوئے جنہوں نے کہا اللہ ہے تین میں کا ایک اور

مَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا
بندگی کسی کو نہیں مگر ایک معبود کو اور اگر نہ چھوڑیں گے جو

يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ
بات کہتے ہیں البتہ جو ان میں منکر ہیں پاویں گے دکھ کی

اَلِیْمٌ ﴿۷۳﴾ اَفَلَا یَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَ یَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ؕ وَ

مار کیوں نہیں توبہ کرتے اللہ پاس اور گناہ بخشواتے اور

اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۷۴﴾ مَا الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ

اللہ ہے بخشنے والا مہربان اور کچھ نہیں مریم کا بیٹا مگر رسول ہے

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ وَ اُمُّهٗ صِدِّیْقَةٌ ؕ

گذر چکے اس سے پہلے بہت رسول اور اس کی ماں ولی ہے

كَانَا یَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ؕ اُنْظُرْ كَیْفَ نُبَیِّنُ لَهُمُ

دونوں کھاتے تھے کھانا دیکھ ہم کیسی بتاتے ہیں

الْاٰیٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى یُؤْفَكُوْنَ ﴿۷۵﴾ قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ

ان کو نشانیاں پھر دیکھ کہاں اوندھے جاتے ہیں تو کہہ تم ایسی چیز

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّ لَا نَفْعًا ؕ

پوجتے ہو اللہ چھوڑ کر جو مالک نہیں تمہارے برے کی نہ بھلے کی

وَ اللّٰهُ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۷۶﴾

اور اللہ وہی ہے سنتا جانتا

اِبطالِ عقیدۂ تثلیث

قال اللّٰہ تعالیٰ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ .... الیٰ .... وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ

گذشتہ آیات میں نصاریٰ کے اُس فرقہ کا رد تھا جو یہ کہتا تھا کہ اللہ ہی تھا جو مسیح کی صورت میں آیا یہ فرقہ ملکانیہ اور یعقوبیہ کا قول تھا جیسا کہ پہلے گذرا اب آئندہ آیات میں نصاریٰ کے اُن فرقوں کا رد ہے جو تثلیث کے قائل ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ خدا تین حصہ ہو گیا ایک اللہ رہا اور ایک مسیح اور ایک روح القدس اور بعضے نصاریٰ بجائے روح القدس کے حضرت مریم کو

تثلیث میں شامل کرتے ہیں اور مسیحؑ کے ساتھ اُن کی والدہ مریمؑ کی عبادت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے بتلایا کہ پہلے قول کی طرح یہ تثلیث کا قول بھی صریح کفر ہے چنانچہ فرماتے ہیں البتہ جس طرح عقیدۂ اتحاد اور حلول کفر ہے اسی طرح عقیدۂ تثلیث بھی کفر ہے پس بلاشبہ وہ لوگ بھی کافر ہوئے جنہوں نے یہ کہا کہ خدا تین معبودوں میں کا تیسرا معبود ہے یعنی خدا تین ہیں باپ۔ بیٹا روح القدس اور ہر ایک دوسرے کا عین ہے یہ قول نصاریٰ کے دو فرقوں مرقوسیہ اور نسطوریہ کا تھا اور زمانۂ حال کے اکثر نصاریٰ کا یہی عقیدہ ہے اور بعض نصاریٰ تثلیث کے تو قائل تھے مگر بجائے روح القدس کے حضرت مریمؑ کو تثلیث میں داخل کرتے تھے ان کا عقیدہ یہ تھا کہ اللہ اور عیسیٰؑ اور مریمؑ تین معبود ہیں اور الوہیت ان تینوں کے درمیان مشترک ہے جیسا کہ اس سورت کے اخیر میں حق تعالیٰ کا حضرت مسیح سے یہ سوال ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس آیت میں یعنی اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ میں اصل مقصود اُن قائلین تثلیث کا رد کرنا ہے جو خدا تعالیٰ کے سوا حضرت مسیح اور حضرت مریم کو خدا مانتے تھے جیسا کہ سدیؒ سے منقول ہے کہ یہ آیت نصاریٰ کے اُس گروہ کے رد میں نازل ہوئی ہے جو خدا کے ساتھ مسیح اور اُن کی والدہ مریم کو خدا ٹھہراتے تھے اور سیاق و سباق سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ آئندہ آیت وَاُمُّهٗ صِدِّیْقَةٌ میں حضرت مریم کا خاص طور پر ذکر فرمایا اور پھر كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ میں حضرت مسیحؑ اور مریمؑ دونوں کو ملا کر ان کی الوہیت کا ابطال فرمایا غرض یہ کہ تثلیث جس قسم کی بھی ہو بہرحال سراسر شرک ہے اس لیے خدا تعالیٰ نے تثلیث کو کفر قرار دیا اور فرمایا بلاشبہ وہ لوگ کافر ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ خدا تین میں کا تیسرا ہے حالانکہ نہیں ہے کوئی معبود مگر ایک ہی ذات کیونکہ خدا وہ ہے کہ جو خود بخود ہو اور تمام کائنات کا مبدأ اور منتہا ہو اور مبدأ کل اور منتہائے کل واحدانیت ہی کے ساتھ موصوف ہو سکتا ہے اس میں شرکت کی گنجائش نہیں اور حضرت عیسیٰؑ کی یہ شان نہیں تمام ملتوں اور شریعتوں کا اس پر اتفاق ہے کہ خداوند معبود وہ ہے کہ جو واجب الوجود ہو اور واہب الوجود ہو واجب الوجود کے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنی ذات سے خود بخود موجود ہو اور واہب الوجود کے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنے ماسوا کو وجود اور حیات بخشنے والا ہو اور مبدأ کل اور منتہائے کل ہو اور خدا کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ حدود اور قیود سے پاک اور منزہ ہو اور یہ مضمون قرآن کریم کی بے شمار آیتوں سے ثابت ہے اور یہ امر ظاہر ہے کہ کوئی انسان اور بشر اور کوئی حیوان اور جانور اور کوئی شجر اور حجر کوئی شئی بھی مبدأ کل نہیں بن سکتی اس لیے کہ ہر چیز ایک خاص اور معین حد رکھتی ہے کہ اُس سے باہر قدم نہیں رکھ سکتی ہر ایک متناہی اور محدود ہے اور مقید بقیود ہے پس ثابت ہوا کہ ان میں سے کوئی چیز خدا نہیں ہو سکتی لہٰذا حضرت عیسیٰؑ

بھی خدا اور معبود نہیں ہو سکتے اس لیے کہ وہ حادث تھے اور محدود اور متناہی وجود اور متشخص رکھتے تھے اور مبدأ کل نہ تھے اور اگر یہ دونوں گروہ اپنے اقوال کفریہ سے باز نہ آئے اور عقیدۂ حلول واتحاد اور عقیدۂ تثلیث سے تائب ہو کر توحید کے قائل نہ ہوئے تو خوب سمجھ لیں کہ جو لوگ ان میں سے اپنے کفر پر قائم ہیں یعنی عقیدۂ حلول واتحاد یا عقیدۂ تثلیث پر قائم ہیں اُن کو ضرور دردناک عذاب پہنچے گا کیا نصاری اپنے اس کفر و شرک سے اللہ کے سامنے توبہ نہیں کرتے اور اس سے معافی نہیں مانگتے یعنی اُن کو چاہیے کہ اپنے اقوال کفریہ سے توبہ کریں اور اُس سے اپنا گناہ بخشوائیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے وہ توبہ سے بڑے سے بڑے گناہ کو معاف کر دیتا ہے۔

دلائلِ ابطالِ اُلوہیتِ عیسٰی بن مریم علیہما الصلوٰۃ والسّلام

اب یہاں سے اُن کے عقیدۂ فاسدہ کے ابطال پر دلائل شروع ہوتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور کچھ نہیں وہ مسیح جن کا حدوث ساری دنیا کو معلوم ہے وہ مریم کے بیٹے ہیں ایک عورت کے پیٹ سے وجود میں آئے ہیں مگر وہ خدا کے رسول ہیں صرف رسالت کے ساتھ موصوف ہیں معاذ اللہ ربوبیت اور الوہیت کے ساتھ موصوف نہیں جو ذات عدم کے بعد ایک عورت کے پیٹ سے وجود میں آئے وہ خدا کیسے ہو سکتی ہے اُن سے پہلے اور بھی پیغمبر گذر چکے ہیں جن کو حق تعالیٰ نے عیسٰی علیہ السّلام کی طرح معجزات قاہرہ اور نشانات باہرہ عطا کیے اور نصاری بھی اُن کو خدا اور خدا کا بیٹا نہیں کہتے جس طرح کے خوارق اور معجزات حضرت مسیحؑ سے ظاہر ہوئے اسی طرح کے معجزات دوسرے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسّلام سے ظہور میں آئے معجزات کا ظاہر ہونا الوہیت کی دلیل نہیں بلکہ نبوت اور رسالت کی دلیل ہے اگر بغیر باپ کے پیدا ہونا الوہیت کی دلیل ہے تو حضرت آدمؑ اور ملائکہ کرام اس شان میں حضرت مسیحؑ سے بہت بڑھے ہوتے ہیں اور اگر مردوں کو زندہ کرنا خدائی کی دلیل ہے تو حضرت الیاسؑ اور حضرت الیسعؑ کا مردوں کو زندہ کرنا کتاب السلاطین باب ۱۷ میں مذکور ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے عصا کا اژدہا بن جانا اور مذبوحہ گائے کے گوشت کا ٹکڑا لگا دینے سے مقتول کا زندہ ہو جانا اور زندہ ہو کر اپنے قاتل کا نام بتا دینا علماء اہل کتاب کے نزدیک بھی مسلّم ہے مگر یہ لوگ حضرت موسیٰؑ کو خدا نہیں کہتے اور اگر آسمان پر اٹھایا جانا دلیل الوہیت ہے تو حضرت ایلیاؑ کا آسمان پر اٹھایا جانا دوسری کتاب السلاطین باب دوم میں مذکور ہے اور فرشتے تو دن رات آسمان پر آتے جاتے ہیں تو کیا وہ خدا ہو گئے ہیں اور حضرت عیسٰیؑ کی والدہ ماجدہ صدیقہ

تھیں بڑی ولی تھیں اور صاحب کرامات تھیں خدا نہ تھیں وَصَدَّقَتْ بِكَلِمَاتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقَانِتِيْنَ ۔

مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ خدا کے رسول تھے اور صاحب معجزات تھے اور اُن کی والدہ ولیہ اور صاحب کرامات تھیں مگر خدا ان میں سے کوئی بھی نہ تھا نہ یہ نہ وہ اس لیے کہ دونوں ماں بیٹے کھانا کھایا کرتے تھے مطلب یہ ہے کہ حوائج بشری میں وہ سب انسانوں کی طرح تھے جس طرح سب لوگوں کو بھوک اور پیاس لگتی ہے اور پیشاب اور پیخانہ کی ضرورت لاحق ہوتی ہے اسی طرح وہ بھی کھانا کھا کر زندہ رہتے تھے اور ان کو بھی بھوک پیاس لگتی تھی اور پیشاب و پیخانہ کی ضرورت لاحق ہوتی تھی بس وہ دونوں کیونکر خدا ہو سکتے ہیں خدا تعالیٰ ان باتوں سے منزہ ہے مطلب یہ ہے کہ جو بشری حاجتوں میں گھرا ہوا ہو وہ خدا کیسے ہو سکتا ہے ؟ خدا تعالیٰ نے اُنکے قول کے بطلان پر یہ دلیل قائم فرمائی جو نہایت عجیب دلیل ہے وہ یہ کہ وہ دونوں یعنی مسیح اور اُنکی والدہ کھانے اور پہننے کے محتاج تھے اور خدائی اور احتیاج کا جمع ہونا دن اور رات کے جمع ہونے سے زیادہ محال ہے خدا وہ ہے جو کسی کا محتاج نہ ہو اور سب اس کے محتاج ہوں اور ظاہر ہے کہ جو شخص غذا کا محتاج ہوگا وہ غذا کے وجود اور اس کے سامان کا پہلے محتاج ہوگا ایک دانہ حاصل کرنے کے لیے بغیر زمین اور آسمان اور چاند اور سورج اور ہوا اور پانی اور گرمی اور سردی حتیٰ کہ بغیر کھاد (یعنی نجاست) اُس کو کوئی چارہ نہیں خلاصہ یہ کہ جو غذا کا محتاج ہوگا وہ زمین سے لے کر آسمان تک تمام چیزوں کا محتاج ہوگا۔ پس اگر معاذ اللہ خدا بھی کھانے کا محتاج ہو تو ایک خرابی تو یہ لازم آئے گی کہ خدا بھی اپنے وجود میں دوسروں کا محتاج ہو حالانکہ سنا سب سے یہی تھا کہ خدا کسی کا محتاج نہیں ہوتا اور سب خدا کے محتاج ہوتے ہیں مگر یہاں ماجرا برعکس نکلا کہ خدا ہی دوسروں کا محتاج اور دست نگر ہوا دوسری خرابی یہ لازم آئے گی کہ پھر خدا اور بندہ میں کیا فرق رہا۔ بندہ کی طرح خدا بھی محتاج نکلا خدا کے لیے تو یہ چاہیئے تھا کہ وہ سب سے بے نیاز ہو اس لیے کہ جتنی حکومت بڑھتی ہے اسی قدر بے نیازی میں اضافہ ہو جاتا ہے پس کیا اس احکم الحاکمین کے لیے ہر طرح سے استغناء اور بے نیازی ضروری نہ ہوگی تیسری خرابی یہ ہے کہ بشر غذا کا اس لیے محتاج ہوتا ہے کہ اس کا وجود بغیر غذا کے تھم نہیں سکتا اور بغیر غذا کے زندہ اور موجود اور باقی نہیں رہ سکتا جس کا حاصل یہ ہے کہ بشر کا وجود، اصلی اور خانہ زاد نہیں ورنہ اپنا وجود تھامنے میں دوسروں کا دست نگر نہ ہوتا پس اگر خدا بھی غذا اور سامان غذا کا محتاج ہو تو یہ مطلب ہوگا کہ معاذ اللہ خدا سے اپنا وجود آپ تھم نہیں سکتا اور اپنے وجود اور حیات اور بقاء میں سامانِ غذا کا محتاج ہے پس جو ذات تمام انسانوں کی طرح اپنے وجود اور بقاء میں غذا اور سامانِ غذا سے مستغنی نہ ہو اور بھوک اور پیاس اور پیشاب اور پیخانہ کی ضرورت اس کو لاحق ہوتی ہو وہ ذات خدا کیونکر بن سکتی ہے

یہ ایسی قوی اور واضح اور روشن دلیل ہے جس پر نہ کوئی حکیم اور فلسفی کسی قسم کا نقض وارد کر سکتا ہے اور نہ کسی جاہل کو اسکے سمجھنے میں دشواری ہو سکتی ہے یعنی کھانا پینا الوہیت کے منافی ہے اگرچہ نہ کھانا الوہیت کی دلیل نہیں ورنہ سارے فرشتے خدا بن جائیں معاذ اللہ دیکھئے تو سہی کہ ہم کس طرح ان کے لیے مسیح کی اثبات بشریت وعبدیت اور ابطال الوہیت کے دلائل اور براہین بیان کرتے ہیں جن کے جواب سے وہ بالکل عاجز ہیں پھر انہیں دیکھئے کہ وہ قبول حق سے کس طرح پھیرے جا رہے ہیں یعنی تعجب کی بات ہے کہ ہم عیسیٰؑ کی عبدیت اور بشریت کے ایسے دلائل اور براہین بیان کرتے ہیں جو آفتاب سے زیادہ روشن ہیں مگر با ایں ہمہ وہ قبول حق سے روگرداں ہیں اور اُن کو خدا ہی کہے جاتے ہیں۔

دلیل دیگر بر ابطال الوہیت مسیح مع توبیخ

(اے نبی) آپ ان سے یہ کہہ دیجئے کہ کیا تم مسیح اور اُن کی والدہ کی پرستش کرتے ہو جن کا درجہ تمہارے نزدیک بھی خدا سے کمتر اور فروتر ہے اور خدا کے برابر نہیں حضرت عیسیٰ نصاریٰ کے نزدیک خدا کے بیٹے تھے باپ کے ہم مرتبہ نہ تھے اور ظاہر ہے کہ جو کمتر ہوگا اور کسی سے مرتبہ میں کم ہوگا وہ خدا نہیں ہو سکتا اسلئے کہ عقلاً خدا کیلئے یہ ضروری ہے کہ خدا سب سے اعلیٰ اور برتر ہو جو کسی سے بھی کمتر ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا علاوہ ازیں تم ایسی ذات کی پرستش کرتے ہو جو تمہارے کسی ضرر اور کسی نفع کی مالک نہیں معلوم ہوا کہ خدا وہی ہو سکتا ہے جو کہ تمام کے نفع اور ضرر کا مالک ہو اور جو شخص نفع اور نقصان پہنچانے پر قادر نہ ہو وہ معبود نہیں ہو سکتا بلکہ وہ عبد ہے کیونکہ عجز منافی الوہیت کے ہے اور بقول نصاریٰ حضرت مسیحؑ نے چیخ چیخ کر صلیب پر جان دیدی نہ اپنی ذات کو نفع پہنچا سکے اور نہ یہود کے ضرر کو اپنے سے ہٹا سکے پس تم نے مسیح کو کیسے معبود بنا لیا اور نصاریٰ کے قول پر اگر واقعہ صلیب کو حق مان لیا جائے تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ معاذ اللہ خدا ئے معبود تو مغلوب ہوا اور جو بندے اس کے دشمن تھے وہ خدا پر غالب آگئے (معاذ اللہ) اور ظاہر ہے کہ جب بقول نصاریٰ حضرت مسیحؑ قتل کر دیئے گئے تو وہ اپنی مصیبت نہ ٹال سکے تو دوسروں کی مصیبت کیا دفع کر سکیں گے اور اللہ وہی سننے والا اور جاننے والا ہے یعنی وہ تمہارے ان اقوال کفریہ کو سنتا ہے اور تمہاری نیتوں کو جانتا ہے اور حضرت مسیح تمام عالم کے اقوال کو سننے والے اور مخلوق کے دلوں کے احوال جاننے والے نہ تھے پس وہ کیونکر خدا ہوئے۔

نصاریٰ بتلائیں کہ جس وقت مسیحؑ نے صلیب پر چلا کر جان دی اس جان دینے کے وقت بھی مسیح مجسم خدا تھا یا نہیں اور اس وقت ان میں اور خدا میں عینیت تھی یا غیریت تھی

اور صلیب پر جس نے جان دی وہ خدا تھا یا بندہ تھا علماء نصاریٰ ہی اس عقدہ کو حل کریں۔

علماء فرنگ کا ایک عذر لنگ

اور تحمیق و تجہیل سے بچنے کے لیے ایک عجیب و غریب تاویل

نصاریٰ جب اس نامعقول عقیدۂ تثلیث کی تفہیم سے اور مسلمانوں کے دلائل عقلیہ اور نقلیہ کے جواب سے عاجز ہو جاتے ہیں تو یہ عذر کرتے ہیں کہ یہ تثلیث فی التوحید خدا کا ایک بھید ہے ہم نہیں سمجھ سکتے یہ سب دھوکہ اور فریب ہے اور اپنی بے عقلی اور حماقت کی پردہ پوشی ہے عقیدۂ تثلیث سراسر خلافِ عقل ہے فوق العقل اور ماوراء عقل نہیں۔ فوق العقل اس چیز کو کہتے ہیں کہ جس کے ادراک سے عقل قاصر اور درماندہ ہو اور وہ چیز ادراک اور مشاہدہ سے بالا اور برتر ہو اور خلافِ عقل وہ چیز ہے کہ عقل دلیل اور برہان کی بناء پر اس کی نفی کرتی ہو اور اس کو مردود اور باطل اور محال قرار دیتی ہو مثلاً عقل حکم کرتی ہے کہ ایک شئ میں وجود اور لا وجود کا اجتماع اور ارتفاع محال ہے اور اسی طرح ایک شئ میں وحدت اور کثرت کا اجتماع اور ارتفاع زوجیت اور فردیت کا اجتماع اور ارتفاع ناممکن اور محال ہے اور اسی طرح عقل حکم کرتی ہے کہ ایک محل میں ضدّین کا اجتماع محال ہے مثلاً نور اور ظلمت کا اور حمرت اور صفرت کا اور حرارت وبرودت کا اور بینائی اور نابینائی کا اور حرکت اور سکون کا ایک مادہ واحدہ شخصیہ میں ایک جہت اور ایک حیثیت سے اجتماع محال ہے ہر عاقل کی عقل اس کے محال اور ناممکن ہونے کا حکم کرتی ہے اور جو شخص ان چیزوں کو ممکن سمجھے وہ عقل سے کورا اور بے بہرہ ہے یہ چیزیں خلاف عقل ہیں فوق العقل اور وراء العقل نہیں اسی طرح توحید اور تثلیث کا اجتماع اور اتحاد سراسر خلاف عقل ہے وراء عقل نہیں عقل دلائل اور براہین سے خالق اور مخلوق اور عابد اور معبود کے اتحاد کو باطل اور مردود قرار دیتی ہے یہ نہیں کہ عقل اسکے ادراک سے قاصر ہے دیکھو ازالۃ الاوہام ص۲۴۰ تا ص۲۴۳

بلکہ تمام اہل اسلام اور اہل کتاب کا اس پر اتفاق ہے اگر کلام الٰہی میں کوئی ایسی شئ پائی جائے کہ ادلۂ عقلیہ اور نقلیہ کے خلاف ہو تو اس میں تاویل واجب ہے اور ظاہری معنی پر اس کو محمول کرنا جائز نہیں۔

حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں فان الانبیاء علیہم السلام یخبرون الناس بما تقصر عقولھم عن معرفتہ لا بما یعرفون انہ ممتنع فیخبرونھم بمجاورات العقول لا بمحالات العقول دیکھو الجواب الصحیح ص۲۷۷ ج ۱۔

مطلب یہ ہے کہ حضرات انبیاء امور غیبیہ اور عالم غیب کی چیزوں کی خبر دیتے ہیں جو ادراک اور احساس سے بالاتر ہیں مگر ان میں کوئی شئی محال اور ناممکن نہیں حضرات انبیاء نے ملائکہ اور جنت اور جہنم کی خبر دی ان میں سے کوئی چیز بھی عقلاً محال نہیں البتہ فی الحال ہمارے ادراک اور مشاہدہ سے بالا اور برتر ہیں یہ چیزیں معلوم الوجود اور مجہول الکیفیت ہیں ایسی چیزوں کو انبیاء کرام کے اعتماد پر تسلیم کر لینے کا نام ایمان بالغیب ہے معاذ اللہ کسی نبی نے محال اور ناممکن شئی پر ایمان لانے کی دعوت نہیں دی اور جن امور غیبیہ پر انبیاء کرام نے ایمان لانیکا حکم دیا ہے وہ دنیاوی زندگی میں غیب ہیں قیامت کے دن جب اُن سے پردہ اٹھا دیا جائے گا تو سب کچھ آنکھوں سے نظر آجائے گا۔

اطلاع عقیدۂ تثلیث کا مفصل ابطال سورۂ نساء کی اس آیت وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ کی تفسیر کے ذیل میں گذر چکا ہے اور اس ناچیز نے اس موضوع پر "احسن الحدیث فی ابطال التثلیث" کے نام سے ایک مستقل رسالہ بھی لکھ دیا ہے طالبان حق اس کی مراجعت کریں وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ
تو کہہ اے اہل کتاب مت مبالغہ کرو اپنے

دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ
دین کی بات میں ناحق اور مت چلو خیال پر ایک

قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا
لوگوں کے جو بہک گئے ہیں آگے اور بہکا گئے بہتوں کو اور بھولے

عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿۷۷﴾ لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ
سیدھی راہ سے لعنت کھائی منکروں نے

بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ
بنی اسرائیل میں سے داؤد کی زبان پر اور عیسیٰ بیٹے

مَرْيَمَ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۷۸﴾ كَانُوْا
مریم کی یہ اس سے کہ گنہگار تھے اور حد پر نہ رہتے تھے آپس میں

لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا

نہ منع کرتے برے کام سے جو کر رہے تھے کیا برا کام ہے

يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۹﴾ تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ

جو کرتے تھے تو دیکھے ان میں بہت لوگ رفیق ہوتے ہیں کافروں کے

لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ

بری تیاری بھیجی ہے اپنے واسطے کہ اللہ کا غضب ہوا

عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَلَوْ كَانُوْا

ان پر اور ہمیشہ وہ عذاب میں ہیں اور اگر یقین

يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا

رکھتے اللہ پر اور نبی پر اور جو اس پر اُترا تو ان کو

اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۱﴾

رفیق نہ ٹھہراتے پر ان میں بہت لوگ بے حکم ہیں

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ

تو پاوے گا سب لوگوں میں زیادہ دشمنی مسلمانوں سے یہود کو

وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ

اور شریک والوں کو اور تو پاوے گا سب سے نزدیک محبت میں

اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ

مسلمانوں کے وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں یہ اس واسطے کہ ان میں

قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۸۲﴾

عالم ہیں اور درویش ہیں اور یہ کہ وہ تکبر نہیں کرتے

تنبیہ اہل کتاب بر سبب گمراہی ایشان و ممانعت از اتباع گمراہان پیشینان

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ ..... اِلٰی .... وَاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ

(ربط) اوپر کی آیتوں میں نصاریٰ کے عقائد باطلہ اور اُن کی گمراہی کا بیان تھا اب ان آیات میں اہل کتاب کی گمراہی اور تباہی کا سبب بیان کرتے ہیں اور گمراہوں کی پیروی سے منع فرماتے ہیں اہل کتاب کی گمراہی کا سبب یہ ہوا کہ ان لوگوں نے دین میں غلو کیا اور افراط اور تفریط سے کام لیا نصاریٰ نے حضرت عیسیٰؑ کے حق میں یہ غلو کیا کہ اُنکو خدا ٹھہرایا یہ افراط ہوا اور یہود نے اُن کو ایسا گھٹایا کہ اُن کی نبوت کو بھی نہ مانا اور اُنکو ساحر اور کذاب بتلایا اور اُن کی والدۂ ماجدہ مریم صدیقہؑ پر زنا کی تہمت لگائی یہ تفریط ہوئی اور ہر بدعت و ضلالت کا سبب یہی غلو فی الدین یعنی افراط و تفریط ہے چنانچہ فرماتے ہیں آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب تم اپنے دین میں ناحق حد سے تجاوز نہ کرو یعنی دین کے بارہ میں افراط اور تفریط دونوں ہی مذموم ہیں یہود کا غلو عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں یہ تھا کہ وہ انکی ماں پر زنا کی تہمت دھرتے تھے اور انکو مولودِ ناجائز بتلاتے تھے اور نصاریٰ کا غلو یہ تھا کہ وہ اُن کو خدا اور خدا کا بیٹا سمجھتے تھے خدا تعالیٰ نے فرمایا اے اہل کتاب تم اپنے دین کے بارہ میں ناحق غلو کو راہ نہ دو جو اصل بات ہے اس پر قائم رہو اصل بات یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے مقرب اور برگزیدہ بندے اور رسول ہیں اور انکی پیدائش خدا کی قدرت یعنی کلمۂ کن سے ہوئی وہ نہ خدا ہیں اور نہ خدا کے بیٹے جیسا کہ نصاریٰ کا خیال ہے اور نہ کذاب اور مفتری ہیں جیسا کہ یہود کا خیال ہے اور اے اہل کتاب تم ان لوگوں کی خواہشوں اور بلا دلیل خیالات کی پیروی نہ کرو جو تم سے پہلے خود بھی گمراہ ہوئے اور اپنے سوا اور بہتوں کو بھی گمراہ کیا اور یہ باطل عقیدے لوگوں میں پھیلا گئے تم ان کی راہ پر نہ چلنا اور یہ لوگ سیدھی راہ سے بھٹک چکے ہیں اور غلو اور افراط اور تفریط کی وجہ سے حدِ لعنت کو پہنچ چکے ہیں چنانچہ جن لوگوں نے بنی اسرائیل میں سے کفر کی راہ اختیار کی ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان پر لعنت کی گئی جن لوگوں پر داؤد علیہ السلام کی زبانی لعنت ہوئی وہ اصحاب السبت ہیں اور جن لوگوں پر عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی لعنت کی گئی وہ اصحاب المائدہ ہیں اہل سبت نے جب سَبْت (ہفتہ) کے دن مچھلیوں کا شکار کیا جسکی اُن کو ممانعت تھی تو داؤد علیہ السلام نے اُنکے لیے بددعا کی کہ بارِ خدایا ان پر لعنت فرما اور ان کو بندر بنا دے چنانچہ آپ کی بددعا سے وہ سب آدمی بندر بن گئے اور اصحاب مائدہ نے جب اُس خوان سے جو اُنکی درخواست اور طلب پر آسمان سے اترا تھا کھایا اور اس سے ذخیرہ جمع کیا اور پھر بھی ایمان نہ

لاتے تو عیسٰی علیہ السلام نے اُنکے لیے بددعا کی کہ اے پروردگار ان پر لعنت کر اور انکو سُور بنا دے چنانچہ وہ سب سور بنا دیئے گئے اور یہ لعنت اس لیئے ہوئی کہ اللہ کی نافرمانی کی اور حد سے تجاوز کرتے تھے حضرت داؤدؑ اور حضرت عیسٰیؑ کی لعنت اس درجہ تباہ کن اور مہلک ثابت ہوئی کہ اعلانیہ طور پر بندر اور سور کی شکل میں مسخ کر دیئے گئے تاکہ دیکھ کر لوگ عبرت پکڑیں کہ انبیاء کرام کی معصیت اور لعنت کا کیا نتیجہ ہوتا ہے باقی رہا مسخ معنوی وہ ایک امر خفی ہے جو ظاہری طور پر عبرت کا سبب نہیں بن سکتا نیز مسخ باطنی اور معنوی کسی خاص زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں اس زمانہ میں بھی جو لوگ حدود شریعت سے نکل چکے ہیں اور معصیت پر دلیر اور بے باک ہو چکے ہیں دل اور باطن اُن کا بھی مسخ ہو چکا ہے اللہ تعالیٰ ہم کو اپنی پناہ میں رکھے آمین وہ آپس میں ایک دوسرے کو اس برے کام سے منع نہیں کرتے تھے جس برے کام کو وہ خود کرتے تھے یعنی وہ اپنے سابق عصیان اور اعتداء پر قائم اور مستمر تھے بلاشبہ وہ کام بہت برا تھا جو وہ کرتے تھے یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑ دینا یہ بہت ہی برا کام ہے جو شخص باوجود قدرت کے برائی سے روک ٹوک نہیں کرتا گویا کہ درپردہ اس برائی پر راضی ہے اور ایک معنی کر اس میں شریک ہے۔

ذکر یہود حاضرین

اوپر کی آیت میں یہود کے اسلاف کا ذکر تھا اب حضور پرنورؐ کے زمانہ کے یہود کا ذکر فرماتے ہیں (اے نبی) آپ ان یہود میں سے بہت سوں کو دیکھیں گے کہ آپ کی عداوت میں اس درجہ غلو کر چکے ہیں کہ آپ کی دشمنی میں کافروں سے یعنی بت پرستوں سے دوستی کرتے ہیں اور آپکے مقابلہ میں اہل مکہ کی مدد کرتے ہیں حالانکہ خوب جانتے ہیں کہ آپؐ حق پر ہیں اور وہ باطل پر ہیں بیشک برا ہے وہ کام جو انہوں نے مرنے سے پہلے آخرت کا عذاب بھگتنے کے لیئے آگے بھیج دیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ ان پر ناراض ہوا اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے یعنی اُنکے اعمال خدا کے غضب اور دائمی عذاب کا باعث بنے اور اگر یہ لوگ ایمان لاتے خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ پر اور ایمان لاتے اُس نبی پر جسکی بشارت توریت اور انجیل میں لکھی ہوئی پاتے ہیں اور ایمان لاتے اس کتاب پر جو اس نبی آخر الزماںؐ کی طرف اتاری گئی تو ان بت پرست کافروں کو دوست نہ بناتے اور خدا پرستوں کے مقابلہ میں بت پرستوں کو ترجیح نہ دیتے لیکن اکثر ان میں سے بدکار ہیں اور حد سے تجاوز کر چکے ہیں اور اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی میں غرق ہیں (اے نبی) البتہ آپ مسلمانوں کی دشمنی میں سب لوگوں سے زیادہ سخت یہود کو پاؤ گے اور ان کو کہ جو مشرک ہیں اور غیر مسلم قوموں میں سے مسلمانوں کے ساتھ دوستی رکھنے کے لحاظ سے سب سے زیادہ قریب اُن لوگوں کو پائیں گے جو یہ کہتے ہیں کہ ہم نصرانی ہیں مطلب یہ ہے کہ دوست تو یہ بھی نہیں مگر یہود اور مشرکین کے لحاظ سے

غنیمت ہیں کہ دوستی کا دم تو بھرتے ہیں یہ دوستی میں ان کا قریب ہونا اس سبب سے ہے کہ ان میں کچھ لوگ عالم ہیں اور کچھ لوگ درویش یعنی گوشہ نشین اور تارک الدنیا ہیں اور اس سبب سے کہ یہ تکبر نہیں کرتے اس علم اور درویشی اور تواضع کا یہ اثر ہوا کہ مسلمانوں سے دوستی رکھنے کے لحاظ سے قریب ہو گئے یہ آیت نصاریٰ کے ایک خاص گروہ یعنی نجاشی اور انکے اصحاب کے بارہ میں نازل ہوئی جنہوں نے قرآن سن کر اسلام قبول کر لیا اور جب انہوں نے قرآن سنا تو ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے جس کا بیان آئندہ آیت میں آئے گا۔

فائدہ حق جل شانہ نے اس آیت میں نصاریٰ کے قُرب مودت کا سبب بیان فرما دیا کہ علم اور درویشی اور تواضع کی وجہ سے نصاریٰ میں قبولِ حق کی استعداد یہود اور مشرکین سے زیادہ موجود ہے اور اُن کی طبیعت اوروں سے نرم ہے اس لیئے ایسے نصاریٰ جن میں یہ اوصاف پائے جاتے ہوں بہ نسبت یہود اور مشرکین کے مسلمانوں کی عداوت میں کم اور ان سے دوستی میں قریب ہیں آیت میں جو اوصاف بیان کیئے گئے وہ عہد نبوی کے عیسائیوں اور یہودیوں کے بیان کیئے گئے اس کے بعد جب کبھی اور جہاں کہیں جس مقدار میں یہ اوصاف موجود ہوں گے اسی نسبت سے اسلام اور مسلمانوں کی محبت اور عداوت میں قریب اور بعید ہوں گے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو نصاریٰ تھے اُن میں قبول حق اور سلامت روی کا مادہ اور قوموں سے زیادہ تھا چنانچہ قیصر روم اور مقوقس شاہ مصر اور نجاشی شاہِ حبشہ نے جو معاملہ آپ کے پیغام رسالت اور آپ کے صحابہ کے ساتھ کیا وہ اس کا شاہد عدل ہے بہ نسبت یہود کے نصاریٰ نے زیادہ اسلام قبول کیا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ آیت میں نصاریٰ کی جو مدح کی گئی وہ علی الاطلاق نہیں بلکہ وہ بمقابلہ یہود اور مشرکین ہے کہ اُن سے غنیمت ہیں اور یہ مطلب نہیں کہ نصاریٰ تمہارے محب اور خیر خواہ ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ بہ نسبت یہود اور ہنود کے غنیمت ہیں اور پھر نصاریٰ سے وہ نصاریٰ مراد ہیں جو فی الحقیقت نصرانی ہوں اور کسی درجہ میں اوصاف مذکورہ کے ساتھ موصوف ہوں عابد و زاہد اور گوشہ نشین ہوں اور مغرور اور متکبر نہ ہوں اور نرم دل ہوں اور سنگ دل نہ ہوں اور وہ نصاریٰ مراد نہیں جو محض نام کے نصرانی ہیں اور درپردہ وہ دھری اور لامذہب ہیں جیسے آج کل کی مغربی اقوام جو اسلام اور مسلمانوں کے شدید ترین دشمن ہیں جنکو خدا سے اور حضرت مسیحؑ سے ذرہ برابر واسطہ نہیں اُن کا مطمح نظر اور مقصود اصلی دنیاوی اقتدار ہے اور مکر و فریب اور عیاری اور چالاکی اُن کا شعار ہے آج کل کے نصاریٰ اُن صفات کے ساتھ موصوف نہیں جن کا ذکر آیت میں ہے لہٰذا موجودہ زمانہ کے نصاریٰ کا

وہ حکم نہ ہوگا کہ جو ان نصاریٰ کا ہے جن میں قسیس اور رہبان ہوں یعنی جن نصاریٰ میں خدا ترس اور راہب (تارک الدنیا) ہوں

حدیث میں آیا ہے کہ دنیا کی محبت تمام برائیوں کی جڑ ہے الحمدللہ قد تم تفسیر الجزء السادس من القرآن الکریم وللہ الحمد والمنۃ۔
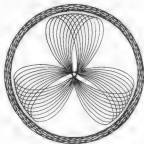
وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰ أَعْيُنَهُمْ

اور جب سنیں جو اترا رسول پر تو دیکھے ان کی آنکھیں

تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ ۖ يَقُولُونَ

ابلتی آنسوؤں سے اس پر جو پہچانے بات حق، کہتے ہیں

رَبَّنَا آمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ﴿٨٣﴾ وَمَا لَنَا لَا

اے رب ہم نے یقین کیا سو تو لکھ ہم کو ماننے والوں کے ساتھ اور ہم کو کیا ہوا

نُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا جَاءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَنَطْمَعُ أَن

کہ یقین نہ لاویں اللہ پر اور جو پہنچا ہم پاس حق اور ہم کو توقع ہے

يُدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصَّالِحِينَ ﴿٨٤﴾ فَأَثَابَهُمُ

کہ داخل کرے ہم کو رب ہمارا ساتھ نیک بختوں کے پھر انکو بدلا

اللَّهُ بِمَا قَالُوا جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ

دیا انکے رب نے اس کہنے پر باغ نیچے ان کے بہتی

خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَذَٰلِكَ جَزَاءُ الْمُحْسِنِينَ ﴿٨٥﴾ وَالَّذِينَ

نہریں رہا کریں ان میں اور یہ ہے بدلہ نیکی والوں کا اور جو

كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴿٨٦﴾

منکر ہوئے اور جھٹلانے لگے ہماری آیتیں وہ ہیں دوزخ کے لوگ

حکایت حال اسلام طائفہ نصرانیان گوشہ نشینان

وبیان کیفیت وجد ایشان بوقت سماع قرآن

قال اللہ تعالیٰ وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَى الرَّسُولِ ... الیٰ ... أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ

(ربط) اس آیت میں بھی نصاریٰ کی ایک خاص جماعت کا ذکر ہے جو قرآن کریم کو سن کر وجد اور طرب میں آگئے اور قرآن کریم کی لذت سے اس درجہ محظوظ ہوئے کہ آنکھوں سے بے اختیار آنسو رواں ہوگئے اور روتے روتے ڈاڑھیاں تر ہوگئیں اور زبان پر یہ کلمات جاری ہوگئے رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ اور غیر اختیاری طور پر کسی پسندیدہ حالت اور کیفیت کے طاری ہوجانے ہی کا نام وَجد ہے۔

شانِ نزول

یہ آیت نجاشیؓ شاہ حبشہ اور اسکے اصحاب کے بارہ میں نازل ہوئی کہ جب حضرت جعفرؓ نے سورۂ مریم پڑھ کر سنائی تو جو علماء اور زُہاد وہاں بیٹھے ہوئے تھے سب رونے لگے اور نجاشی بھی برابر روتا رہا اور مسلمانوں سے پوچھا کہ تمہارے پیغمبر عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت کیا کہتے ہیں صحابہ نے جواب دیا کہ وہ انہیں خدا کا بندہ اور اس کا رسول کہتے ہیں اور اُنکی والدہ ماجدہ مریمؑ کو صدیقہ اور ولیہ اور تارک الدنیا کہتے ہیں کہ اُن سے بغیر باپ کے جبرئیل امینؑ کی پھونک مارنے سے عیسیٰ علیہ السّلام پیدا ہوتے نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھا کر کہا خدا کی قسم عیسیٰ علیہ السلام تمہارے پیغمبر کے قول سے تنکا برابر بھی زائد نہیں تمہارے نبی نے عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق جو کچھ کہا وہ بالکل حق اور درست ہے قرآن کریم سن کر نجاشی شاہ حبشہ اور اس کے رفقاء نے اسلام قبول کیا اور اس بات کی شہادت دی کہ یہ وہی پیغمبر برحق ہیں جن کی عیسیٰؑ بن مریمؑ نے بشارت دی ہے اسی جماعت کے بارہ میں یہ آیتیں نازل ہوئیں چنانچہ فرماتے ہیں اور اسی قسیست اور رہبانیت اور عدم تکبر کی وجہ سے بعض کا یہ حال ہے کہ ان میں سے بعضے جیسے نجاشی شاہ حبشہ اور اس کے رفقاء جب اس کلام کو سنتے ہیں کہ جو بارگاہ خداوندی سے اس پیغمبر آخر الزمان پر اتارا گیا ہے تو اے دیکھنے والے تو اُن کی آنکھوں کو دیکھے گا کہ آنسوؤں سے اُبل رہی ہیں بسبب اس کے کہ انہوں نے کچھ حق کو پہچان لیا یعنی اُن کے رونے کا سبب یہ تھا کہ اُن پر اس کا کلام الٰہی ہونا منکشف ہوا اور اس کلام سے متکلم قدیم کی عظمت اور جلال کا کچھ جلوہ نظر آیا اور جان لیا کہ یہ وہی کلام ہے جس کے اخیر زمانہ میں نازل کرنے کا خدا تعالیٰ نے نبیوں کی معرفت وعدہ کیا ہے روایات میں ہے کہ جب حضرت جعفرؓ سورۂ مریم کی قرارت سے فارغ ہوئے تو نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور درباریوں سے یہ کہا کہ بخدا تمہارے صاحب یعنی مسیح بن مریمؑ اس مضمون سے جو قرآن میں حضرت مسیح کی بابت کہا گیا ہے ایک تنکے کے مقدار بھی زائد نہیں

غرض یہ کہ یہ لوگ حق کو پہچان گئے اور سمجھ گئے کہ یہ قرآن کریم انجیل سے کہیں زائد افضل اور اکمل ہے اس لیے یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم اس نبی آخر الزمان پر اور اس کی کتاب پر دل وجان سے ایمان لے آئے ہیں پس ہم کو حق کے شاہدوں کے ساتھ لکھ لے یعنی ہم کو امت محمدیہ کے زمرہ میں لکھ لے جو دنیا میں حق کی شہادت دیتی ہے اور قیامت کے دن اور امتوں پر گواہی دے گی اور ایک روایت میں ہے کہ حبشہ کے بعض لوگوں نے نجاشی اور اس کے ساتھ ایمان لانے والوں پر یہ طعن کیا کہ تم بغیر دیکھے کیسے ایمان لے آئے تو انہوں نے جواب میں کہا اور ہم کو کیا ہوا کہ ہم اللہ پر اور اس دین حق پر ایمان نہ لائیں جو ہمارے پاس آیا ہے اور ہم یہ توقع رکھتے ہیں کہ ہمارا پروردگار ہم کو نیک بختوں کے زمرہ میں داخل فرمائے مطلب یہ ہے کہ جس کو نیک بختوں کے زمرہ میں داخل ہونے کی طمع ہو وہ دین حق کو قبول کرے، حق قبول کرنے والوں کو ملامت کرنا یہ نیک بختی نہیں پس اللہ تعالیٰ نے اُن کو اس مخلصانہ قول کے عوض میں جو انہوں نے صدق دل سے کہا تھا ایسے باغات عطاء کیے جن کے درختوں کے نیچے سے نہریں جاری ہیں وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے اور یہی صلہ ہے مخلصین کا اور ان کے برعکس جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہی اہل دوزخ ہیں ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ بغیر دین حق کے قبول کے محض قسیسیت اور رہبانیت عذاب اخروی سے نہیں بچا سکتی

. ◦ ◦ ◦ ○ ○ ○ ○ ◯ ○ ○ ○ ○ ◦ ◦ ◦ .

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ

اے ایمان والو! مت حرام ٹھہراؤ ستھری چیزیں جو اللہ نے تم کو حلال

لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۸۷﴾

کیں اور حد سے نہ بڑھو اللہ نہیں چاہتا زیادتی والوں کو

وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ

اور کھاؤ اللہ کے دیئے سے جو حلال ہو ستھرا اور ڈرتے رہو اللہ سے

الَّذِيْۤ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾

جس پر یقین رکھتے ہو

حکم پانزدہم ممانعت از رہبانیت

قال تعالیٰ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا..... الیٰ .... اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ

(ربط) شروع سورت میں ایفاء عہود کی تاکید کے بعد احکام فرعیہ اور حلال وحرام کو بیان فرمایا پھر خاص خاص مناسبتوں سے یہود ونصاریٰ کے عقائد اور اعمال کے ذکر کا سلسلہ شروع ہو گیا اب پھر اصل موضوع کی طرف عود فرماتے ہیں اور چونکہ قریبی آیتوں میں نصاریٰ کی تعریف میں یہ فرمایا کہ ان میں کچھ رُہبان بھی ہیں اور "رہبانیت" لذاتِ دنیاوی کے ترک کا نام ہے خواہ وہ حلال ہوں یا حرام اس لیے اس احتمال سے کہ مبادا مسلمان۔ رہبانیت کو اچھی چیز نہ سمجھنے لگیں اس آیت میں خدا تعالیٰ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام سمجھنے کی ممانعت فرماتے ہیں اور یہ حکم دیتے ہیں کہ جو چیزیں خدا نے حلال کی ہیں اُن کو کھاؤ اور دل میں خدا کا خوف رکھو اہل کتاب کی طرح دین میں غلو مت کرو نصاریٰ کی رہبانیت بھی دین میں غلو اور افراط کی ایک خاص صورت ہے دور تک اسی طرح احکام کا سلسلہ چلا گیا چنانچہ فرماتے ہیں اے ایمان والو! تم قسم اور عہد کے ذریعہ اپنے اوپر اُن پاکیزہ چیزوں کو حرام مت کرو جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں نصاریٰ کی طرح رہبانیت اختیار کرنا اور حلال اور پاکیزہ چیزوں کو ترک کر دینا عند اللہ کوئی اچھی چیز نہیں یہ دین میں غلو اور افراط ہے جو خدا تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ ہے اور حدود شریعت سے آگے نہ بڑھو کہ یہود کی طرح دنیاوی لذات اور شہوات اور حرام خوری میں منہمک ہو جاؤ۔ شہوات ولذات میں انہماک یہ بھی غلو ہے اور تفریط ہے تحقیق اللہ تعالیٰ حد سے گذرنے والوں کو پسند نہیں کرتا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اعتدال اور توسط پسندیدہ ہے اور خدا تعالیٰ نے تم کو جو حلال اور پاکیزہ چیزیں دی ہیں جن میں حرمت کا شائبہ نہیں ان میں سے کھاؤ اور اعتدال کے ساتھ اُن کو استعمال کرو نہ حلال سے حرام کی طرف دوڑو اور نہ حلال میں اتنے منہمک ہو جاؤ کہ خدا سے غافل ہو جاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان رکھتے ہو اس کے حکم اور رضاء کے خلاف کوئی کام مت کرو۔

شانِ نزول ان آیات کا شان نزول یہ ہے کہ ایک دن جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے عثمان بن مظعونؓ کے گھر میں لوگوں کو نصیحت کی اور قیامت کے کچھ اَحوال اور اَھوال بیان کیے لوگ آپ کے اس وعظ سے نہایت متاثر ہوئے اور رونے لگے اس کے بعد اکابر صحابہ میں سے دس آدمی یعنی حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت علیؓ اور اور عبد اللہ بن مسعودؓ اور عبد اللہ بن عمرؓ اور ابو ذر غفاریؓ اور سالمؓ مولی ابی حذیفہ اور مقدادؓ بن اسودؓ اور سلمان فارسیؓ اور معقلؓ بن مقرنؓ یہ سب عثمانؓ بن مظعونؓ کے گھر میں جمع ہوئے اور سب نے اس

پر اتفاق کیا کہ دن بھر روزہ اور رات بھر نماز ادا کریں گے اور فرش پر نہ سوئیں گے اور گوشت اور چربی نہیں کھائیں گے اور نہ عورتوں اور خوشبو کے قریب جائیں گے اور ٹاٹ پہنا کریں گے اور دنیا کو بالکل ترک کر دیں گے اور اپنی شرمگاہوں کو کاٹ ڈالیں گے اور راہب بن جائیں گے اور ان باتوں پر قسمیں کھائیں اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو بلا کر یہ فرمایا مجھ کو یہ حکم نہیں دیا گیا ہیں یہودیت اور نصرانیت دے کر نہیں بھیجا گیا ہیں تو ملت حنیفیہ سَمْحہ یعنی ملت ابراہیمیہ دے کر بھیجا گیا ہوں جو نہایت سہل اور آسان ہے تحقیق تم پر تمہارے نفس کا بھی حق ہے خدا کی قسم ہیں تم سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا ہوں لیکن روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں اور رات کو عبادت بھی کرتا ہوں اور اپنی عورتوں کے پاس بھی جاتا ہوں اور نکاح بھی کرتا ہوں جو میری سنت سے روگردانی کرے وہ میری امت سے نہیں (تفسیر قرطبی صفحہ ۲۶۲ ج ۶ - وتفسیر ابن کثیر ص ۸۵ ج ۲)

فائدہ کسی حلال چیز کو اس نیت سے ترک کر دینا کہ اس ترک سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوگا یہ رہبانیت ہے جس کو اسلام نے بدعت اور ممنوع قرار دیا ہے اور اگر کسی حلال چیز کو بعض اوقات کسی جسمانی یا نفسانی علاج کی خاطر ترک کر دیا جائے تو یہ مباح ہے داخل بدعت اور ممانعت نہیں جیسے کسی طبیب جسمانی یا روحانی کے کہنے سے بغرض علاج اگر گوشت وغیرہ سے پرہیز کر لیا جائے تو یہ جائز ہے۔

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيٓ اَيْمَانِكُمْ

نہیں پکڑتا تم کو اللہ تمہاری بے فائدہ قسموں پر

وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ

لیکن پکڑتا ہے جو قسم تم نے گرہ باندھی

فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ

سو اس کا اتار کھلانا دس محتاجوں کو

اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ

بیچ کا کھانا جو دیتے ہو اپنے گھر والوں کو یا ان کو کپڑا دینا یا ایک گردن

رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ

آزاد کرنی پھر جس کو پیدا نہ ہو تو روزے تین دن کے یہ اتار ہے

كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ ۚ وَاحْفَظُوا أَيْمَانَكُمْ ۚ

تمہاری قسموں کا جب قسم کھا بیٹھو اور تھامتے رہو اپنی قسمیں

كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٨٩﴾

یوں بتاتا ہے تم کو اللہ اپنے حکم شاید تم احسان مانو

حکم شانزدہم متعلق بہ قسم

قال اللہ تعالیٰ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ .... الیٰ .... لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝

(ربط) اوپر کی آیت میں چونکہ تحریم طیبات کا ذکر تھا اور تحریم کی ایک قسم یمین بھی ہے اس لیے بہت سے لوگ کھانے پینے میں قسم کھا لیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ چیز اب ہم پر حرام ہو گئی لہٰذا اس مناسبت سے اس مقام پر قسم اور کفارہ کے احکام بیان فرماتے ہیں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہ آیت انہی لوگوں کے بارہ میں نازل ہوئی جن کا پہلی آیت میں ذکر ہو چکا ہے اُن لوگوں نے قسم کھائی تھی کہ ہم دنیا کو بالکل ترک کر دیں گے اور عورتوں کے قریب نہ جائیں گے گذشتہ آیت کے نازل ہونے کے بعد ان قسم کھانے والوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا یا رسول اللہ ہم تو ترک لذائذ پر قسم کھا چکے ہیں اب ہم اپنی قسموں کا کیا کریں اس پر خدا تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں (تفسیر قرطبی صہ ۲۶۴ ج ۶ و روح المعانی صہ ۹ ج ۶)

اللہ تعالیٰ تمہاری فضول اور بے قاعدہ قسموں پر تو مواخذہ نہ کرے گا جن کا حکم سورۂ بقرہ میں گذر چکا ہے لیکن اُن قسموں پر مواخذہ کرے گا جن کو تم نے مضبوط باندھا ہے اور پکا کر لیا ہے پکی قسم سے مراد یہ ہے کہ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی پختہ طور پر قسم کھائے تو ایسی قسم کا کفارہ گر ادی[1] اس کو پورا نہ کرے دس محتاجوں کو کھانا دے دینا ہے اوسط درجہ کا جیسا تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو یا اُن دس مسکینوں کو متوسط درجہ کا کپڑا پہنا دینا یا کسی گردن کو (قید غلامی) سے چھڑا دینا یعنی ایک غلام یا لونڈی آزاد کر دینا ان تینوں میں سے جس کو چاہے اختیار کرے پھر جس شخص کو ان تین میں سے کسی ایک پر بھی مقدور نہ ہو یعنی جو شخص بوجہ افلاس دس مسکینوں کو کھانا

---

[1] یہ قید اس لیے لگائی کہ محض قسم کھانے سے بالاتفاق کفارہ واجب نہیں ہوتا جب تک حانث نہ ہو یعنی جب تک قسم کو نہ توڑے۔

پ

کپڑا دینے اور غلام آزاد کرنے پر قادر نہ ہو تو اس کی قسم کا کفارہ تین دن کے روزے ہیں جو متواتر رکھے ہوں گے جیسا کہ ابن مسعودؓ کی قراءت میں فَصِیَامُ ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ مُتَتَابِعَاتٍ کا لفظ آیا ہے اور جو قراءت متواتر نہ ہو تو کم از کم خبر واحد یا تفسیر صحابی ضرور بھی جائے گی جو مرفوع کے حکم میں ہوگی یہ جو اوپر مذکور ہوا تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب قسم کھا بیٹھو اور پھر اس کو توڑ ڈالو اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو یعنی اگر تم نے کسی جائز امر پر قسم کھائی ہے تو اُس کو پورا کرو اور اگر کسی وجہ سے اس کو پورا نہ کرسکو یا اس کے توڑنے میں کوئی خوبی اور مصلحت دیکھو تو اس کا کفارہ دو تاکہ تمہارے دلوں میں اللہ کے نام کی عظمت محفوظ رہے یوں اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنے احکام بیان کرتا ہے تاکہ تم شکر کرو اور اللہ کی نعمتوں کو موقع اور محل میں صرف کرو مثلاً زبان کو اللہ کے ذکر اور اس کے احترام اور تعظیم میں صرف کرو جھوٹی قسمیں کھا کر اللہ کے نام کی بے حرمتی نہ کرو اور خدا کا نام لے کر حلال کو اپنے اوپر حرام نہ کرو۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِنَّمَا ٱلْخَمْرُ وَٱلْمَيْسِرُ وَٱلْأَنصَابُ

اے ایمان والو یہ جو ہے شراب اور جوا اور بت

وَٱلْأَزْلَٰمُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ ٱلشَّيْطَٰنِ فَٱجْتَنِبُوهُ

اور پانسے گندے کام ہیں شیطان کے سو ان سے بچتے رہو

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٩٠﴾ إِنَّمَا يُرِيدُ ٱلشَّيْطَٰنُ أَن يُوقِعَ

شاید تمہارا بھلا ہو شیطان یہی چاہتا ہے کہ ڈالے تم میں

بَيْنَكُمُ ٱلْعَدَٰوَةَ وَٱلْبَغْضَآءَ فِى ٱلْخَمْرِ وَٱلْمَيْسِرِ وَ

دشمنی اور بیر شراب سے اور جوئے سے اور

يَصُدَّكُمْ عَن ذِكْرِ ٱللَّهِ وَعَنِ ٱلصَّلَوٰةِ ۖ فَهَلْ أَنتُم

روکے تم کو اللہ کی یاد سے اور نماز سے پھر اب تم

مُّنتَهُونَ ﴿٩١﴾ وَأَطِيعُوا۟ ٱللَّهَ وَأَطِيعُوا۟ ٱلرَّسُولَ وَٱحْذَرُوا۟

باز آؤ گے اور حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور بچتے رہو

حکم ہفدہم تحریم خمر و قمار

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوٓا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ ..... الخ ... وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ

(ربط) اوپر کی آیتوں میں حلال کو حرام سمجھنے کی ممانعت تھی اب اس آیت میں یہ بیان فرماتے ہیں کہ جیسے حلال کو حرام سمجھنا گناہ ہے ایسے ہی حرام کو حلال سمجھنا بھی گناہ اور حرام ہے جیسے شراب اور جوا وغیرہ وغیرہ، اہل عرب۔ شراب اور جوے کو حلال اور طیب سمجھتے تھے اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا کہ یہ چیزیں حلال اور طیب نہیں بلکہ خبیث اور رجس ہیں ان سے اجتناب ضروری ہے اور انکا استعمال حرام ہے چنانچہ فرماتے ہیں اے ایمان والو! ایمان کا مقتضی یہ ہے کہ جس چیز کو حق تعالیٰ نے حرام کر دیا اسکے قریب نہ جاؤ جز ایں نیست کہ شراب اور جوا اور بتوں کے تھان انصاب ان پتھروں کو کہتے ہیں جن کو مشرک لوگ کسی دیوی یا دیوتا کے نام پر کھڑا کر دیتے تھے وہ اُن کو پوجتے تھے اور وہاں قربانیاں کیا کرتے تھے انصاب اور اصنام میں یہ فرق ہے کہ انصاب بے صورت والے پتھر ہوتے تھے اور اصنام صورت والے یعنی انصاب ان گھڑت پتھروں کو کہتے ہیں جنکو زمانہ جاہلیت میں پوجتے تھے اور اصنام تراشی ہوئی مورتوں کو کہتے ہیں اور فال کے تیر جاہلیت میں دو قسم کے ازلام یا نسا تھے ایک قسم کے ساتھ عرب جوا کھیلا کرتے تھے اور دوسری قسم سے فال لیا کرتے تھے یہ سب چیزیں گندی اور پلید اور قابل

نفرت ہیں شیطانی کام ہیں پس تم ان ناپاک اور شیطانی کاموں سے بچتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ ناپاک اور شیطانی کاموں سے بچنے ہی سے فلاح ہو سکتی ہے شراب انسان کی عقل جیسی بے مثال نعمت کو ضائع کرتی ہے اور عقل ہی وہ چیز ہے جو برے اور بھلے میں تمیز کرتی ہے اور انسان کو ناجائز خواہشوں سے روکتی ہے جب عقل ہی نہ رہے گی تو بُرے کاموں سے کیونکر بچے گا اور جوا، مال کو ضائع اور برباد کرتا ہے اور معبودانِ باطل کے تھانوں اور تیروں کی تعظیم اور اُن کی پرستش انسان کی عزت کو برباد کر دیتی ہے اور ایک ادنیٰ اور حقیر چیز کے سامنے سر جھکانے سے انسان ذلیل وخوار ہو جاتا ہے اور تیروں سے فال لے کر کام کرنا یہ سراسر جہالت اور وہم پرستی ہے جو علم کو ضائع کر دیتی ہے یہ سب برے کام ہیں شیطان کے اغوا سے کچھ لوگ ان کاموں کو اچھا سمجھتے ہیں شیطان تو بس یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوے سے تمہارے درمیان عداوت اور نفرت ڈلوا دے شراب سے باہم عداوت اور نفرت کے پیدا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ شرابی جب شراب پی کر مست ہو جاتے ہیں اور اُن کی عقل زائل ہو جاتی ہے تو بسا اوقات اُن کی زبان سے ایک دوسرے کی نسبت بے ہودہ الفاظ نکلتے ہیں جو باہمی نزاع کا سبب بنتے ہیں اور بسا اوقات ضرب اور قتل تک نوبت پہنچتی ہے اور اس طرح سے اُن کے دلوں میں ایک دوسرے کی عداوت بیٹھ جاتی ہے۔

اور جُوئے سے باہم عداوت یوں پیدا ہوتی ہے کہ بعض وقت آدمی جوئے میں اپنے کل مال سے ہار جاتا ہے اور وہ بالکل مفلس اور بے دست وپا رہ جاتا ہے پھر جب وہ اپنا مال دوسرے کے پاس دیکھتا ہے تو اس کو اُس کے ساتھ عداوت ہو جاتی ہے غرض یہ کہ شراب اور جوا عداوت اور نفرت کے قوی ترین اسباب میں سے ہیں یہ تو شراب اور جوئے کی دنیوی مضرت ہوئی اور اُخروی مضرت یہ ہے کہ شیطان یہ چاہتا ہے کہ تم کو اللہ کی یاد سے اور نماز سے روک دے یعنی شیطان کا مقصود تم کو شراب اور جوے کی ترغیب سے یہ ہے کہ تم ان میں پڑ کر یادِ الٰہی اور نماز سے غافل ہو جاؤ کیونکہ شراب اور جوئے میں پھنس کر یادِ الٰہی اور نماز کا ہوش ہی نہیں رہتا اور اسکی دلیل مشاہدہ اور تجربہ ہے شطرنج کھیلنے والوں کو دیکھ لو نماز کا تو کیا کھانے پینے کا بھی ہوش ہی نہیں رہتا پس جب تم پر شراب اور جوئے کی دنیوی اور اخروی مضرتیں واضح ہو گئیں سو بتلاؤ کیا اب بھی ان گندی اور پلید چیزوں سے باز آؤ گے جو تمہاری دنیا اور آخرت کی خرابی کا ذریعہ ہیں یعنی اب عقل کا مقتضیٰ یہ ہے کہ ان گندی اور ناپاک چیزوں سے باز آجاؤ جو تم کو مولائے برحق کی یاد سے روکتی ہیں عرب میں شراب غایت درجہ مرغوب تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کو تدریجاً حرام فرمایا اول یہ آیت نازل ہوئی يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ جس میں صراحۃً ممانعت نہ تھی اس لیے بعض نے شراب پی اور بعض نے اس کو ترک کر دیا اس کے بعد دوسری آیت نازل ہوئی جو پہلی آیت سے زیادہ سخت

تھی وہ آیت یہ تھی یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہؓ نے بوقت صلوٰۃ شراب کا استعمال ترک کر دیا حضرت عمرؓ کو جب پہلی آیت سنائی گئی تو یہ کہا اَللّٰهُمَّ بیّن لنا فی الخمر بیانا شافیا اے اللہ شراب کے بارہ میں کوئی شافی اور واضح حکم نازل فرما پھر جب دوسری آیت نازل ہوئی اور عمرؓ کے سامنے پڑھی گئی تو عمرؓ نے پھر وہی کہا اللھم بیّن لنا فی الخمر بیانا شافیا سب سے اخیر میں سورۃ مائدہ کی یہ آیت یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ الخ نازل ہوئی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو بلا کر یہ آیت پڑھ کر سنائی جب آپ اس لفظ یعنی فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ پر پہنچے تو حضرت عمرؓ نے کہا انتھینا انتھینا یعنی، ہم باز آئے باز آئے اس آیت کے نازل ہونے کے بعد تمام صحابہ شراب سے باز آگئے اور یہ حکم سنتے ہی لوگوں نے شراب کے مٹکے توڑ ڈالے حتیٰ کہ شراب مدینہ کی گلی کوچوں اور نالیوں میں گندے پانی کی طرح بہنے لگی اور مدینہ منورہ اور تمام بلاد اسلام اس ام الخبائث سے یک لخت پاک ہو گئے۔

لطائف ومعارف

(۱) شروع آیت میں حق تعالیٰ نے چار چیزوں کا ذکر کیا اور اس آخری آیت میں صرف شراب اور جوئے کا ذکر کیا کیونکہ اصل مقصود انہی دو چیزوں کی حرمت بیان کرنا تھی باقی شروع آیت میں شراب اور جوئے کے ساتھ بت پرستی اور فال کے تیروں کا ذکر اس لیے کیا کہ مسلمانوں کے دلوں میں شراب اور جوئے کی برائی خوب راسخ ہو جائے کہ شراب خوری بمنزلہ بت پرستی کے ہے۔

(۲) خمر ماخوذ ہے خَمَرَ الشَّیَ بمعنی سَتَرَهٗ وغطّاهُ سے جس کے معنی ہیں اس نے اُس کو ڈھانک لیا شراب بھی چونکہ عقل کو ڈھانک لیتی ہے اور اس پر پردہ ڈال دیتی ہے اس لیے عربی میں اس کو خمر کہتے ہیں۔

اور میسر۔ قمار (جوئے) کو کہتے ہیں جو یُسر بمعنی سہولت سے ماخوذ ہے چونکہ جوئے میں مال آسانی سے مل جاتا ہے اور محنت اور مشقت نہیں اٹھانی پڑتی اس لیے اُسے مَیْسِر کہتے ہیں ان دونوں چیزوں میں اگرچہ کچھ نہ کچھ فوائد اور منافع ہیں لیکن مفاسد اور مضرتیں بہت زیادہ ہیں اس لیے شریعت اسلامیہ نے ان دونوں چیزوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حرام قرار دیا اور دنیا کے لیے روحانی اور اخلاقی اور مادی اور جسمانی مضرتوں سے حفاظت کا سامان مکمل کر دیا

(۳) خمر (شراب) کی سب سے بڑی مضرت یہ ہے کہ میخوار کی عقل نشہ کی حالت میں بالکل جاتی رہتی ہے اور آہستہ آہستہ کم ہوتی جاتی ہے یہاں تک کہ چند روز بعد ہوش وحواس کی حالت

میں بھی اس سے دیوانہ وار حرکتیں سرزد ہونے لگتی ہیں اس کی زبان اُس کے اختیار اور قابو سے باہر ہو جاتی ہے اور اس کو اپنے اقوال و افعال کے عواقب اور انجام کا ہوش نہیں رہتا۔

(دوسرے) یہ کہ شراب بہیمی خواہشوں کو بڑھاتی ہے اور بسا اوقات اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ عصمت وعفت کو جڑ (بنیاد) سے اکھاڑ کر پھینکتی ہے یا کم از کم متزلزل کر دیتی ہے اور زنا اور بدکاری اور بے حیائی پر آمادہ کرتی ہے۔

(تیسرے) یہ کہ آدمی عبادت اور ذکر الٰہی سے غافل ہو جاتا ہے بلکہ فرائض زندگی کی بھی کوئی قدر وقیمت اسکی نگاہ میں نہیں رہتی۔

(چوتھے) یہ کہ شراب مال و دولت کی بربادی کا ذریعہ ہے شرابی کی دولت وثروت سب شراب کی نذر ہو جاتی ہے اور بسا اوقات اس قدر تنگ آجاتا ہے کہ زندگی سے تنگ آکر خودکشی کر لیتا ہے

(پانچواں) یہ کہ شراب خواری باہم دشمنی اور عداوت پیدا کرتی ہے اور باہمی تعلقات کو توڑ ڈالتی ہے

(چھٹے) یہ کہ شرابی کا مزاج اعتدال سے منحرف ہو جاتا ہے اور صحت بدنی میں فرق آجاتا ہے اور اس کی تمام جسمانی قوتیں کمزور پڑ جاتی ہیں اس لیے کہ شراب میں غذائیت نہیں ہے کہ وہ ہضم ہو سکے شراب چونکہ معدہ میں جا کر تحلیل نہیں ہوتی اس لیے دن بدن معدہ کو کمزور کرتی جاتی ہے اور قے کا مرض لگ جاتا ہے اور قلت غذا کی وجہ سے بدن میں اتنا خون پیدا نہیں ہو سکتا جو تقویت بدن کا باعث بن سکے اور جس قدر خون پیدا ہوتا ہے اس میں شراب کی سمیت موجود ہوتی ہے جو بدن کو روز بروز گھلاتی رہتی ہے اور دن بدن نظام عصبی میں فرق آتا جاتا ہے عضلات اور عروق بھی بگڑتے جاتے ہیں پھیپھڑا گلنے لگتا ہے اور کھانسی اور سل شروع ہو جاتی ہے اکثر اطباء کا بیان ہے کہ اگرچہ سل کی بیماری بغیر شراب پینے کے بھی ہو جاتی ہے لیکن ۹۵ فیصدی مریض سل کے شرابی ہی ہوتے ہیں اور شاذ و نادر ہی بچتے ہیں۔

(ساتویں) یہ کہ شرابی قویٰ کے ضعیف ہو جانے کی وجہ سے اکثر کام کاج سے جی چرانے لگتا ہے بغیر نشہ کے کام نہیں کر سکتا کام کرنے کے لیے بھی اسے شراب پینی پڑتی ہے یہاں تک کہ اس کے قویٰ بالکل جواب دے جاتے ہیں۔

اس لیے قرآن پاک نے شراب کو نجس اور عمل شیطان اور حرام قرار دیا اور اس کے پینے والے پر حد مقرر کی یورپ کی متمدن قوموں پر شراب خواری کے مفاسد خوب واضح ہو چکے ہیں اور شراب کی وجہ سے نظام تمدن کی خرابیاں اُن کی نظروں کے سامنے ہیں اور اس کے معترف ہیں کہ یہ چیز حرام ہونے کے قابل ہے مگر قانوناً اس کو جرم نہیں قرار دیا اسلامی تعلیم جہاں پہنچی اس نے شراب اور شراب خوری کا قلع قمع کر دیا اور پورے ملک کو اس لعنت سے محفوظ کر دیا۔

(۲) اور اسی طرح میسر یعنی قمار (جوئے) کو سمجھو کہ وہ بھی حرام اور باطل ہے قمار لوگوں کے مال چھین

لینے اور اُچک لینے کا ایک خاص طریقہ ہے جو وہمی حرص اور طمع اور آرزو پر مبنی ہے جوئے میں مال چونکہ بے مشقت مل جاتا ہے اس لیے جواری عموماً کاہل اور آرام طلب اور فکرِ معاش سے غافل ہوتے ہیں اور وہمی اور خیالی منصوبوں میں پڑ جاتے ہیں ہار جیت کے چکر میں رہتے ہیں اور قرض لیتے رہتے ہیں اور جب قرض نہیں ملتا تو چوری اور چکاری اور لوٹ کھسوٹ پر کمر باندھ لیتے ہیں علاوہ ازیں قمار باہمی بغض و عناد پیدا کرتا ہے اس لیے کہ ہارنے والوں کو ہار کر غیظ و غضب آتا ہے اور کینہ اور انتقام پر آمادہ کرتا ہے اور چونکہ ہار جیت کسی سے خاص نہیں رہتی اس لیے جواری ایک دوسرے کے دشمن بن جاتے ہیں اور ذرا بھی اُن کو دوسرے پر رحم نہیں آتا اور مال کے ساتھ اُن کے جان کے بھی لاگو ہو جاتے ہیں اور خون ناحق کے مرتکب ہوتے رہتے ہیں پھر یہ کہ جس جواری کو بھی دیکھیے وہ کنگال ہی نظر آئے گا جواریوں کا روپیہ ہر وقت گھومتا رہتا ہے اور جواری جوئے کے چکر میں پھنس کر ایسا اندھا ہو جاتا ہے کہ اُسے جوئے کے سوا کچھ نظر نہیں آتا وہ نہ دین کا رہتا ہے اور نہ دنیا کا نہ طاعت و عبادت کا اور نہ زن و فرزند اور عزیز اور اقرباء کا اُس کی ساری دنیا قمار خانہ ہوتی ہے غرض یہ کہ شراب کی طرح جوّا بھی دشمنِ عقل اور دشمنِ مال اور دشمنِ اخلاق ہے جواریوں کو طرح طرح کے جرائم پر آمادہ کرتا ہے اور نظام تمدن کا مخرّب ہے ان مفاسد کی بناً پر اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے اس ناپاک اور پلید چیز کو اپنے بندوں پر حرام فرما دیا تاکہ فلاح کو پہنچیں۔

حکم بامتثال جمیع احکام

گذشتہ آیت میں ایک خاص حکم کے امتثال کا حکم تھا اب اس آیت میں تمام احکام میں اطاعت کا حکم دیتے چنانچہ فرماتے ہیں اور اے ایمان والو! تم تمام احکام میں اللہ تعالیٰ اور رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتے رہو اور اللہ اور رسول کی نافرمانی سے ڈرتے اور بچتے رہو لہٰذا شراب اور جوئے سے بھی بچتے رہو پس اگر تم اطاعت سے اعراض کروگے تو ہمارا اور ہمارے رسول کا کچھ نقصان نہیں کروگے اپنا ہی نقصان کروگے بس خوب جان لو کہ ہمارے رسول کے ذمہ تو صرف حکم کا واضح طور پر پہنچا دینا ہے نہ کہ تم کو مجبور کرنا سو وہ پہنچا چکے اس پر بھی نہ مانو تو تم جانو۔

عدم تاثیم بر استعمال خمر و میسر قبل از تحریم

جب شراب کی حرمت کا حکم نازل ہوا تو صحابہ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یارسول

اللہ ہمارے جو بھائی تحریم سے پہلے شراب پیتے رہے اور جوئے کا مال کھاتے رہے اور مر گئے ان کا کیا حال ہوگا اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ جن لوگوں نے تحریم سے پہلے شراب پی یا جوا کھیلا ان پر کوئی گناہ نہیں جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے ان پر کوئی گناہ نہیں اس چیز میں کہ جو وہ حرام ہونے سے پہلے کھا چکے ہیں یعنی حرام ہونے سے پہلے شراب اور جوئے کا مال جو کھا چکے ہیں اس پر کوئی گناہ اور مؤاخذہ نہیں بشرطیکہ وہ خدا سے ڈرتے رہے اور اُن چیزوں کے استعمال سے بچتے رہے جو اس وقت حرام تھیں اور خدا پر ایمان لائے اور نیک عمل کیے یعنی اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ خدا تعالیٰ کو اختیار ہے کہ جس چیز کو جس وقت چاہے حلال کرے اور جس وقت چاہے حرام کرے پھر ان لوگوں نے مدارج تقویٰ اور ایمان میں ترقی کی اور اُن چیزوں سے پرہیز کیا کہ جو بعد میں حرام کی گئیں اور اُن کی حرمت پر ایمان لائے۔ خدا کے بندے ہیں جو حکم آتا ہے اس کی تعمیل کرتے ہیں پھر تقویٰ اور ایمان میں اور ترقی کی اور غایت درجہ کے پرہیزگار اور نیکوکار بن گئے کہ شبہات سے بھی تورّع اور احتیاط برتی یعنی مدارج تقویٰ اور ایمان میں ترقی کرتے کرتے مرتبۂ احسان تک جا پہنچے، جو مرد مومن کے لیے ترقی کا آخری مقام ہے جیسا کہ حدیث جبریل میں ہے الاحسان ان تعبد اللّٰہ کانک تراہ اور مرتبۂ احسان روحانی ترقیات کا آخری مقام اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ محسنین کو اپنا محبوب بنا لیتا ہے اور ظاہر ہے کہ محبوبیت خداوندی روحانی ترقی کا آخری مقام ہے۔

فائدہ ایمان اور تقویٰ کے تکرار اور لفظ ثم کے بار بار لانے سے اشارہ اس طرف ہے کہ ایمان اور تقویٰ میں مراتب اور درجات ہیں آخری مرتبہ مقام احسان ہے جہاں بندہ پہنچ کر خدا تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے۔

ہمینت بس کہ داند ماہرویم ∴ کہ من نیز از خریداران اویم

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ

اے ایمان والو البتہ تم کو آزمائے گا اللہ کچھ

مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗۤ اَيْدِيْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ

ایک شکار سے کے حکم سے جس پر پہنچیں ہاتھ تمہارے اور نیزے کہ معلوم کرے اللہ

مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ

کون اس سے ڈرتا ہے بن دیکھے پھر جس نے زیادتی کی اس کے بعد تو اس کو

عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۴﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ

دکھ کی مار ہے اے ایمان والو نہ مارو شکار

وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ

جس وقت تم ہو احرام میں اور جو کوئی تم میں اس کو مارے جان کر تو

مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًاۢ

بدلہ ہے اس مارے کے برابر مواشی میں سے وہ ٹھہرادیں دو معتبر تمہارے کہ نیاز

بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ

پہنچاوے کعبہ تک یا گناہ کا اتارہے کئی محتاج کا کھانا یا اس کے برابر

ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا

روزے کہ چکھے سزا اپنے کام کی اللہ نے معاف کیا

سَلَفَ ؕ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ

جو ہو چکا اور جو کوئی پھر کرے گا اس سے بیر لے گا اللہ اور اللہ زبردست

ذُو انْتِقَامٍ ﴿۹۵﴾ اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا

ہے بیر لینے والا - حلال ہوا تم کو دریا کا شکار اور اس کا کھانا فائدہ کو

لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ

تمہارے اور مسافروں کے اور حرام ہوا تم پر شکار جنگل کا جب تک رہو

حُرُمًا ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۹۶﴾ جَعَلَ

احرام میں اور ڈرتے رہو اللہ سے جس پاس جمع ہوں گے اللہ نے

اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ

کیا ہے کعبہ یہ گھر بزرگی کا ٹھہرا لوگوں کے واسطے اور مہینہ

الْحَرَامَ وَ الْهَدْيَ وَ الْقَلَآئِدَ ؕ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ

بزرگی کا اور قربانی لے جانی اور گلے میں لٹکن والیاں یہ اس واسطے کہ تم سمجھو کہ

اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ

اللہ کو معلوم ہے جو کچھ ہے آسمان و زمین میں اور

اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۹۷﴾ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ

اللہ ہر چیز سے واقف ہے جان رکھو کہ اللہ کی مار سخت ہے

الْعِقَابِ وَ اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۸﴾ؕ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ

اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے رسول پر ذمہ نہیں

اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۹۹﴾

مگر پہنچا دینا اور اللہ کو معلوم ہے جو ظاہر میں کروگے اور جو چھپا کر

قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ

تو کہہ برابر نہیں گندا اور پاک اگرچہ تجھ کو خوش لگے گندے

الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ؑ

کی بہتایت سو ڈرتے رہو اللہ سے اے عقلمندو شاید تمہارا بھلا ہو

ع ۱۳ / ۴

حکم ہشتہم متعلق بہ شکار در حالت احرام

قال تعالیٰ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ ... الیٰ ... لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (ربط) پچھلے رکوع میں تحریم طیبات اور اعتداء سے ممانعت فرما کر بعض چیزوں یعنی شراب اور جوتے سے اجتناب کا حکم دیا اب اس رکوع میں اُن بعض چیزوں کے ارتکاب سے منع فرماتے ہیں جن کی حرمت دائمی نہیں بلکہ بعض احوال کے ساتھ مخصوص ہے جیسے شکار کہ وہ صرف حالت احرام اور حدود حرم کے اندر حرام ہے اس لیے ارشاد فرماتے ہیں کہ احرام میں اور حرم کے اندر شکار کو

حلال نہ سمجھو اور اس کا ارتکاب نہ کرو شکار کی حرمت سے احرام کا احترام اور حرم محترم اور بیت اللہ کی تعظیم و تکریم مقصود ہے نیز شروع سورت میں بھی احرام کی حالت میں شکار کی ممانعت مذکور تھی (غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَأَنتُمْ حُرُمٌ) مگر اجمالاً تھی قدرے اُس کی تفصیل فرماتے ہیں اے ایمان والو ایمان کا مقتضی یہ ہے کہ احرام اور حرم کے ادب اور احترام کو ملحوظ رکھو چونکہ تم ایمان کے مدعی ہو اس لیے البتہ حق تعالیٰ تم کو گاہ بگاہ کسی شکار کی چیز سے تمہارے ایمان کی آزمائش کرے گا کہ شکار حالت احرام میں تمہارے سامنے آجائے گا جس تک تمہارے ہاتھ اور تمہارے نیزے بسہولت پہنچ سکیں گے اور تم بسہولت شکار پر قادر ہو گے یہ آزمائش کا وقت ہوگا تاکہ اللہ معلوم کرے کہ کون اس سے بن دیکھے ڈرتا ہے اور خدا کے ڈر سے اس کے حکم کی تعمیل کرتا ہے اور کون اصحاب سبت کی طرح جن کو شنبہ کے دن مچھلی کے شکار کی ممانعت کردی گئی تھی مکاری اور حیلہ بازی سے خدا کے حکم کی مخالفت کرتا ہے اور حد سے تجاوز کرتا ہے پس جو اس ممانعت کے بعد قانون سے تجاوز کریگا یعنی شکار کریگا تو اس کیلئے دردناک عذاب ہے اب اس تنبیہ کے بعد وہ قانون بتلاتے ہیں اے ایمان والو تمہارے ایمان کا مقتضی یہ ہے کہ حالت احرام میں خاص طور پر ادب اور تواضع کو ملحوظ رکھو اس لیے تم کو حکم دیا جاتا ہے کہ جب تم احرام کی حالت میں ہو تو شکار نہ مارو اور جو شخص تم میں سے حالت احرام میں قصداً اُس شکار کو مار ڈالے تو جیسا جانور اس نے قتل کیا ہے اسی کے مثل اور مانند اس پر اس کا تاوان لازم ہے امام شافعیؒ کے نزدیک مماثلت سے خلقی مماثلت مراد ہے پس شترمرغ کے قتل میں اونٹ واجب ہے اور گورخر کے قتل میں گائے اور ہرن کے قتل میں بکری اور خرگوش کے قتل میں بکری کا نوزائیدہ بچہ و علی ہذا القیاس اور جن جانوروں میں مویشی یا چوپایوں کے ساتھ خلقی مماثلت مفقود ہو اُن میں قیمت کے لحاظ سے مماثلت قائم کی جائے۔

اور امام اعظم ابو حنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ آیت میں مماثلت سے مماثلت بالخلقت مراد نہیں بلکہ مماثلت بالقیمت مراد ہے پس جس قیمت کا جانور محرم نے قتل کیا اسی قیمت کا مویشی اس پر واجب ہے اس مماثلت کا حکم تم میں کے دو معتبر شخص لگائیں یعنی مماثلت کی تشخیص میں ایسے دو شخصوں کا قول معتبر ہے جو مسلمان دیندار اور سمجھدار اور صاحب بصیرت اور تجربہ کار ہوں وہ جو حکم لگاویں معتبر ہے پھر اس اندازہ اور تخمینہ کے بعد کہ فلاں جانور اس شکار کے مانند ہے شکار کرنے والے کو اختیار ہے کہ یا تو اس شکار کے بدلہ میں اس قدر قیمت کا جانور دے کر مثلاً بکری گائے اونٹ قربانی کرے کہ جو خانہ کعبہ پہنچنے والی ہو یعنی اس جانور کو حدود حرم میں پہنچایا جائے اور وہاں ذبح کر کے وہاں کے مسکینوں پر اس کا تصدق کیا جائے اور خود اس میں سے نہ کھائے یا اس پر کفارہ واجب ہے کہ اُس کی قیمت کے برابر غلہ لے کر مسکینوں کو کھلا دینا ہے فی محتاج صدقۃ الفطر کی مقدار تقسیم کر دے یعنی اگر ھدی خانہ کعبہ نہ پہنچ سکے تو اس کی قیمت کا اناج لے کر

مسکینوں پر تقسیم کرے یا اُس غلہ کے برابر روزے ہیں یعنی اگر یہ بھی نہ کر سکے تو جس قدر مسکینوں کو اس کی قیمت کا اناج پہنچتا اُن کی شمار کے مطابق روزے رکھے علماء کا اس بارہ میں اختلاف ہے کہ آیا اس آیت میں کلمہ اَوْ تخییر کے لیے ہے یا ترتیب کے لیے ہے امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک تخییر کے لیے ہے اور امام احمدؒ اور امام زفرؒ کہتے ہیں کہ ترتیب کے لیے ہے تخییر کا مطلب یہ ہے کہ قاتلِ صید کو اختیار ہے کہ ان تین باتوں میں سے جو چاہے اختیار کرے اور ترتیب کا مطلب یہ ہے کہ اول ہدی واجب ہے اور اگر ہدی دستیاب نہ ہو سکے تو اس مقتول جانور کی قیمت کے بمقدار مسکینوں کو کھانا دینا ہے اور اگر بوجہ افلاس کے کھانا بھی نہ دے سکے تو ہر مسکین کے عوض روزہ رکھے اور یہ جزاء اس لیے واجب کی گئی تاکہ وہ اپنے کیے ہوئے وبال کا مزہ چکھے یعنی یہ اس کے گناہ کی سزا ہے کہ اس نے حالت احرام میں کیوں شکار کیا اللہ نے وہ خطا معاف کی جو اس سے پہلے ہو چکی یعنی نزول حکم سے پہلے یا اسلام لانے سے پہلے زمانہ جاہلیت میں کسی نے یہ حرکت کی تھی تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں اور جو شخص پھر ایسی حرکت کرے گا یعنی اس ممانعت کے بعد پھر حالت احرام میں شکار کریگا تو اللہ اس سے آخرت میں بدلہ لے گا اور اللہ غالب ہے بدلہ لینے والا۔ لہٰذا تم کو چاہیے کہ عزیز منتقم کی ناراضگی سے بچو

تتمۂ حکم سابق

حلال کر دیا گیا تمہارے لیے حالت احرام میں دریا کا شکار اور دریا کا طعام دریا کے شکار سے مچھلی مراد ہے کہ وہ تمہارے لیے حلال ہے اور دریا کے طعام سے وہ مچھلی مراد ہے کہ جو پانی سے جدا ہو کر مر گئی جو تم نے نہیں پکڑی تھی وہ بھی حلال ہے اور یہ حلال کیا جانا تمہارے فائدے کے لیے اور مسافروں کے فائدے کے لیے ہے اگر یہ حلال نہ کیا جاتا تو تم کو اور جو لوگ سفر کرتے ہیں اُن کو سخت تکلیف اٹھانی پڑتی۔

ف تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ دریا سے ہر ایک پانی مراد ہے خواہ وہ سمندر ہو یا ندی نالہ یا جھیل یا تالاب ہو اور حرام کر دیا گیا تم پر خشکی اور جنگل کا شکار کرنا جب تک تم احرام کی حالت میں رہو اس سورت میں خدا تعالیٰ نے محرم کے لیے جنگلی شکار کی حرمت تین جگہ بیان کی اول شروع سورت میں فرمایا غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ پھر اس کے بعد اس رکوع کے اول میں فرمایا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ پھر اب تیسری بار فرمایا وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا اس تکرار سے مقصود صرف تاکید ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو جس کی طرف تم سب جمع کیے جاؤ گے جس چیز سے اس نے منع کر دیا اس کو نہ کرو

اور بحالت احرام شکار اس لیے حرام کیا گیا کہ مُحرِم کا مقصد خانہ کعبہ کی زیارت ہے اور اللہ نے خانہ کعبہ کو محترم گھر لوگوں کے قائم اور باقی رہنے کا ذریعہ بنایا ہے دنیا کی آبادی اسی وقت تک ہے جب تک یہ خانہ کعبہ باقی ہے جس وقت خدا تعالیٰ کا ارادہ یہ ہوگا کہ کارخانہ عالم کو ختم کر دیا جائے تو اس بیت حرام کو اٹھا لیا جائے گا جیسا کہ بنانے کے وقت سب سے پہلے یہی مکان بنایا گیا تھا اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ اسی طرح جب دنیا کا کارخانہ ختم کیا جائے گا تو سب سے پہلے خانہ کعبہ کو اٹھا لیا جائے گا جب تک خانہ کعبہ باقی ہے اس وقت تک دنیا بھی باقی ہے غرض یہ کہ خانہ کعبہ ایک محترم مکان ہے جس کا ادب اور احترام فرض ہے اس لیے حدود حرم میں اور حالت احرام میں شکار ممنوع قرار دیا گیا اور ماہ حرام کو اور قربانی کو اور قربانی کے جانوروں کے گلے کے ہاروں کو بھی اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے قیام امن کا ذریعہ بنایا ہے کہ عرب کے لوگ اشہرِ حُرُم یعنی ماہ ذیقعدہ اور ذی الحجہ اور محرم اور رجب میں قتل و قتال سے رُک جاتے ہیں اور قربانی کے جانوروں سے کوئی تعرض نہیں کرتے کہ یہ اللہ کی نیاز ہیں جو حرم میں ذبح ہوں گے یہ یعنی کعبہ اور ماہ حرام اور ہدی اور قلائد کو تمہارے لیے موجب امن قرار دینا اس لیے ہے کہ تم سمجھ جاؤ کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور یہ کہ اللہ ہر شئی کو جانتا ہے اور وہ تمہاری دینی اور دنیوی مصالح اور ضروریات سے واقف ہے اس لیے اُس نے ان چیزوں کو واجب الاحترام قرار دیا تاکہ تمہارے لیے قیام امن کا ذریعہ اور جان و مال کی حفاظت کا سبب بنیں خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو سخت سزا دینے والا ہے اور تحقیق اللہ تعالیٰ اہل اطاعت کو بخشنے والا مہربان ہے ہمارے رسول کے ذمہ سوائے اللہ کا پیغام پہنچا دینے کے اور کچھ نہیں یعنی جب رسولؐ نے تم کو اللہ کا پیغام پہنچا دیا تو اب تمہارا کوئی عذر باقی نہیں رہا اگر تم اللہ اور اسکے رسول کی نافرمانی کرو گے تو سزا پاؤ گے اور اللہ خوب جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو یعنی وہ تمہارے ظاہر و باطن سے خبردار ہے (اے نبی) آپ کہہ دیجیے کہ ناپاک اور پاک اور گندہ اور پاکیزہ برابر نہیں یعنی حلال و حرام اور اطاعت اور معصیت اور سعادت اور شقاوت اور مسلم اور کافر برابر نہیں اگرچہ اے دیکھنے والے تجھ کو ناپاک اور گندہ کی بہتایت بھلی معلوم ہو یعنی اگرچہ تجھ کو حرام مال کی زیادتی پسند ہو مگر وہ حلال کی برکت کو نہیں پہنچتا گلاب کا ایک قطرہ پیشاب کے ایک مٹکہ سے کہیں بہتر ہے پس اے عقل مندو اللہ سے ڈرو اور اسکی نافرمانی سے بچو تاکہ تم فلاح پاؤ معلوم ہوا کہ عاقل اور دانا وہ ہے جو خدا سے ڈرے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَ

اے ایمان والو مت پوچھو بہت چیزیں کہ اگر تم پر

لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَإِنْ تَسْأَلُوا عَنْهَا حِينَ يُنَزَّلُ الْقُرْآنُ

کھولے تو تم کو بری لگیں اور اگر پوچھو گے جس وقت قرآن اترتا ہے

تُبْدَ لَكُمْ ۖ عَفَا اللَّهُ عَنْهَا ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿١٠١﴾ قَدْ

تو کھولی جاویں گی اللہ نے ان سے درگزر کی ہے اور اللہ بخشتا ہے تحمل والا ویسی

سَأَلَهَا قَوْمٌ مِنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ أَصْبَحُوا بِهَا كَافِرِينَ ﴿١٠٢﴾

باتیں پوچھ چکے ہیں ایک لوگ تم سے پہلے پھر ہو گئے ان سے منکر ہوتے

مُمانعت از سُوالات غیر ضروریہ

قال اللہ تعالیٰ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ... الخ... ثُمَّ أَصْبَحُوا بِهَا كَافِرِينَ

(ربط) پچھلے دو رکوع میں احکام منزلہ میں غلو اور تساہل سے منع فرمایا اب ان آیات میں غیر ضروری اور لایعنی سوالات کی ممانعت فرماتے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ تبلیغ دین رسول کا فریضہ ہے شریعت کے نازل کرنے سے مقصود ہی بیان احکام ہے پس جن امور کا شریعت نے صراحۃً کوئی حکم بیان نہیں کیا اُن کے متعلق فضول اور دور از کار سوالات مت کرو جس طرح شریعت کا بیان موجب ہدایت وبصیرت ہے اسی طرح شریعت کا سکوت بھی ذریعۂ رحمت وسہولت ہے معاذ اللہ خدا تعالیٰ کا سکوت سہو اور نسیان کی بناء پر نہیں بلکہ کمال حکمت پر مبنی ہے جس چیز کو اُس نے حلال یا حرام کیا وہ حلال یا حرام ہو گئی اور جس چیز سے سکوت کیا اس میں گنجائش رہی اور مجتہدین کو اس میں اجتہاد کا موقعہ ملا اور لوگوں کے لیے اس کے فعل اور ترک میں ایک گونہ سہولت نکلی لہٰذا اگر تم نے زمانۂ نزول وحی میں اس قسم کے لایعنی سوالات کیے تو بہت ممکن ہے کہ بذریعہ وحی کوئی ایسا حکم نازل ہو جائے کہ جس سے تمہاری سہولت اور اباحت ختم ہو جائے اور تم مشقت میں پڑ جاؤ اور اجتہاد کی گنجائش باقی نہ رہے لہٰذا زمانۂ نزول وحی میں اس قسم کے فضول سوالات سے غایت درجہ احتیاط ضروری ہے البتہ زمانۂ رسالت گذر جانے کے بعد کتاب وسنت کی روشنی میں دینی مسائل کی چھان بین کی ممانعت نہیں کیونکہ اب اگر کوئی جدید حکم دیا جائے گا تو وہ کتاب وسنت سے قیاسی واستنباطی ہوگا جس سے وحی منزل کی طرح قطعی طور پر کوئی حلال چیز حرام یا حرام چیز حلال نہیں ہو سکتی اگلی امتیں اسی کثرت سوال کی بدولت بہت سختیوں اور مصیبتوں میں گرفتار

ہوچکی ہیں بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰؑ سے گائے کی تشریح میں لایعنی سوالات کیے اور سختی میں مبتلا ہوئے جس کا بیان سورۃ بقرہ میں گذر چکا۔

چنانچہ شاہ عبدالقادرؒ اس آیت کے فائدہ میں لکھتے ہیں "یعنی آپ سے نہ پوچھو کہ یہ چیز روا ہے یا نہیں یہ کام کریں یا نہ کریں بلکہ جو فرمایا اس پر عمل کرو نہ فرمایا اسکو معاف جانو اسی میں دین آسان رہے اور جو ہر بات کا جواب آوے تو دین تنگ ہو جائے پھر عمل نہ کرسکو جیسے اگلے نہ کر سکے پھر (آیندہ آیت میں) کفر کی رسمیں بتائیں کہ پوچھنے کی حاجت نہیں جو اللہ نے نہ فرمایا وہ بے اصل ہے اور اسی طرح بے فائدہ باتیں پوچھی کسی نے پوچھا میرا باپ کون تھا یا میری عورت گھر میں کس طرح ہے اگر پیغمبر جواب دے شاید برا جواب آوے اور پشیمان ہو" (موضح القرآن)

اے ایمان والو ایمان کا مقتضی یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے ادب کو ملحوظ رکھو اور اس کے احکام میں پیش قدمی نہ کرو یعنی ایسی فضول اور لایعنی باتوں کے متعلق سوال نہ کرو کہ شاید اگر وہ تم پر ظاہر کردی جائیں تو تم کو بری معلوم ہوں گی اس لیے کہ اول تو لایعنی اور فضول سوال کرنا جرأت اور جسارت اور گستاخی ہے اور سراسر خلاف ادب ہے جو حکم آجائے اس پر عمل کرو جو نہ آئے خاموش رہو علاوہ ازیں ممکن ہے کہ تمہارے سوال کے بعد رسولؐ ایسی بات بیان کرے جو تمہارے لیئے باعث ناگواری اور موجب شرمساری ہو یا سبب گرانی ہو کہ تمہارے سوال کی وجہ سے وہ چیز تم پر فرض ہو جائے اور پھر تم کو اس پر عمل کرنا دشوار ہو بس تمہارا پوچھنا فضول ہے اللہ کا رسولؐ خود بیان کرے گا اور اگر تم ان باتوں کے متعلق اس وقت سوال کروگے جب کہ قرآن نازل ہو رہا ہے تو وہ باتیں تم پر ظاہر کردی جائیں گی یعنی جب تک رسول اللہ تم میں موجود ہیں اور وحی کا سلسلہ جاری ہے اس وقت تک اگر تم کوئی بات پوچھوگے تو اس کا جواب تم کو ضرور دیا جائے گا پس ایسی بات نہ پوچھو جس کا جواب تم کو ناگوار معلوم ہو ان سوالات سے پہلے جو سوالات تم کر چکے ہو ان کو اللہ نے معاف کیا آیندہ نہ کرنا اور اللہ بخشنے والا بردبار ہے مؤاخذہ میں جلدی نہیں کرتا ایسی ہی باتیں تم سے پہلے لوگوں نے پوچھیں اور پھر ان سے منکر ہوگئے جیسے قوم صالح نے صالح علیہ السّلام سے سوال کیا کہ پتھر سے ناقہ نکالو جب خدا نے اُن کا سوال پورا کر دیا تو وہ اس معجزہ کے منکر ہوگئے اور اونٹنی کو انہوں نے ذبح کر ڈالا اور بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السّلام سے بہت سے سوال کیئے اور جب بتائے گئے تو حجتیں نکالنی شروع کیں اور عیسیٰ علیہ السّلام کی قوم نے مائدہ کا سوال کیا اور پھر اس کی ناشکری کی اور انجام بھگتا۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ وَّ لَا سَآئِبَةٍ وَّ لَا وَصِيْلَةٍ

نہیں ٹھہرایا اللہ نے بحیرہ اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ

وَّ لَا حَامٍ ۙ وَّ لٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ

اور نہ حامی اور لیکن کافر باندھتے ہیں اللہ پر

الْكَذِبَ ؕ وَ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝۱۰۳ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ

جھوٹ اور اُن میں بہتوں کو عقل نہیں اور جب کہیے ان کو

تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا

آؤ اس طرف جو اللہ نے نازل کیا اور رسول کی طرف کہیں ہم کو کفایت ہے

مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَ لَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا

جس پر پایا ہم نے اپنے باپ دادوں کو بھلا اگران کے باپ نہ علم رکھتے

يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّ لَا يَهْتَدُوْنَ ۝۱۰۴

ہوں کچھ اور نہ راہ جانتے تو بھی

حکم نوز دہم اِبطال بعض رسوم شرکیہ واقوال کفریہ

قال اللہ تعالیٰ مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ ...... الیٰ ...... وَلَا يَهْتَدُوْنَ

(ربط) شروع پارہ میں نذر اور قسم کے ذریعہ حلال اور طیّب کو اپنے اوپر حرام کرنے کی ممانعت فرمائی اور گزشتہ رکوع میں لایعنی سوالات کی ممانعت فرمائی کہ مبادا لوگوں کے سوال کی وجہ سے کوئی چیز حرام نہ کر دی جائے ان آیات میں رسوم جاہلیت کا اِبطال فرماتے ہیں اور اہل جاہلیت کی گمراہی کو بیان کرتے ہیں کہ ان جاہل مشرکوں نے بغیر حکم خداوندی اپنی طرف سے بہت سی چیزیں اپنے اوپر حرام کر لیں اور پھر ان کی دلیری دیکھو کہ ان کو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیا یہ محض افتراء ہے اور ان بے عقلوں کی جہالت اس درجہ پہنچ چکی ہے کہ جب اُن سے یہ کہا جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے احکام پر چلو تو جواب میں یہ کہتے ہیں کہ ہم تو اپنے باپ دادا کے طریقہ پر چلیں گے چنانچہ فرماتے

ہیں اللہ نے نہ تو بحیرہ مشروع کیا نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حام ولیکن کافر لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں کہ یہ رسوم اللہ کی مقرر کردہ ہیں اور اللہ ان سے خوش ہوتا ہے اور ان میں کے اکثر بے عقل ہیں

بحیرہ اور سائبہ اور وصیلہ اور حام یہ سب زمانہ جاہلیت کی رسوم ہیں مشرکین عرب میں یہ دستور تھا کہ اگر اونٹنی پانچ بچے جنتی اور اس کا پانچواں بچہ نر ہوتا تو اس کے کان چیر کر اس کو بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے نہ اس سے سواری لیتے اور نہ اس کو ذبح کرتے اور نہ اس پر بوجھ لادتے اور نہ اس کو کسی پانی اور چراگاہ سے روکتے وہ جہاں چاہتی چرتی پھرتی اس اونٹنی کو وہ لوگ بحیرہ کہتے تھے اور اگر کوئی سفر میں جاتا یا بیمار ہوتا تو یہ کہتا کہ اگر میں اپنے سفر سے واپس آیا یا میں نے اپنی اس بیماری سے شفا پائی تو میری یہ اونٹنی سائبہ ہے یعنی آزاد ہے جہاں چاہے پھرے اب یہ اونٹنی سواری اور بار برداری کی مشقت سے آزاد ہے تو وہ اونٹنی سائبہ (آزاد) ہو جاتی اور اس کا حکم وہی ہو جاتا جو بحیرہ کا حکم تھا اُس زمانہ کا سائبہ ایسا ہے جیسا کہ اِس زمانہ میں ہندو لوگ سانڈ چھوڑتے ہیں اور وصیلہ وہ بکری ہے کہ جو مادہ جننے کے بعد پھر دوبارہ مادہ جنے اور درمیان میں نر بچہ پیدا نہ ہوا ہو اسکو بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے اور بعض علماء کا قول یہ ہے کہ وصیلہ اس بکری کو کہتے ہیں جو اپنی ماں کے ساتویں بطن سے اپنے بھائی کے ساتھ پیدا ہو تو ایسی بکری کو ذبح نہ کرتے تھے اور حام اس شتر نر کو کہتے ہیں کہ جس کی جفتی سے دس بچے پیدا ہو چکے ہوں ایسے اونٹ کو بھی اہل عرب سواری وغیرہ کی خدمت سے آزاد کر دیتے تھے اور بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے گویا کہ اس نے اپنی پشت کی حمایت اور حفاظت کر لی اس لیے اسکو حام یعنی حامی کہتے تھے۔

یہ بد رسمیں مشرکین عرب میں مدتوں سے چلی آتی تھیں اور اُن کی نسبت اُن کا یہ اعتقاد تھا کہ خدا تعالیٰ نے ان رسموں کو مشروع کیا ہے خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ سب جھوٹ اور افتراء ہے خدا تعالیٰ نے ان رسموں کو ہرگز مشروع نہیں کیا ان کے بڑوں نے خدا پر بہتان باندھا اور عوام کالانعام نے اسے قبول کر لیا۔

الغرض ان آیات میں اس بات کی تنبیہ کر دی گئی کہ جس طرح فضول اور لایعنی سوالات کر کے احکام شرعیہ میں تنگی اور سختی کا سبب بننا جرم ہے اس سے کہیں بڑھ کر یہ جرم ہے کہ اپنی رائے سے حلال و حرام تجویز کرے اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جہالت کو چھوڑو اور اس کی طرف آؤ جو اللہ نے اتارا ہے اور رسول کی طرف آؤ اور اس کی اطاعت کرو تو جواب میں یہ کہتے ہیں کہ ہم کو وہی دین کافی ہے جس پر ہم نے اپنے بڑوں اور بزرگوں کو پایا ہے یعنی ہم اپنے بزرگوں کو چھوڑ کر تمہاری اطاعت کیوں کریں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کیا اُن کے لیے اُن کا آبائی دین کافی ہے اگرچہ ان کے آباء و اجداد نہ کچھ علم رکھتے ہوں اور نہ ہدایت پر ہوں مطلب یہ ہے کہ تقلید اور پیروی ایسے شخص کی کرنی چاہیئے جو علم اور ہدایت پر ہو اور تمہارے آباء و اجداد تو جاہل اور گمراہ تھے انہیں

حق اور باطل کی تمیز نہ تھی اُن کے پیچھے کیوں چلتے ہو۔

حکم بستم متعلق بحفاظتِ دین خود

قال تعالیٰ يَآيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ... الٰی .... بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ

(ربط) گزشتہ آیات میں کفار اور مشرکین کی جہالتوں کو بیان فرمایا اب اس آیت میں مسلمانوں کو ہدایت فرماتے ہیں کہ تم ان معاندین کی فکر میں نہ پڑو تم اپنی ہدایت کی فکر کرو تم اُن کی اصلاح کی جو کوشش کر سکتے تھے وہ کر چکے اب اگر یہ لوگ تمہارا کہنا نہیں مانتے اور تمہاری نصیحتوں کو نہیں سنتے اور اپنے عناد اور ضد اور جہالتوں اور ضلالتوں سے باز نہیں آتے تو تمہارا کچھ نقصان نہیں اس آیت کا یہ مطلب نہیں کہ کسی کو برا کام کرتے دیکھا جائے تو اس کو منع نہ کیا جائے کہ ہمیں اُس کی برائی کیا نقصان کرے گی بلکہ مطلب یہ ہے کہ تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرو اس کے بعد بھی اگر کوئی ضد اور عناد اور ہٹ دھرمی سے اپنی گمراہی پر جما رہے تو پھر اس کی گمراہی تمہیں نقصان نہیں پہنچائے گی کیونکہ تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کر چکے پس اے ایمان والو اگر وہ لوگ تمہارے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو نہیں سنتے تو تم اپنے نفسوں کو سنبھالو اور اپنے دین کی فکر کرو اور انکی فکر چھوڑ دو جو شخص باوجود تمہاری نصیحت اور تفہیم کے گمراہ ہو گا وہ تمہیں کوئی ضرر نہیں پہنچا سکے گا بشرطیکہ تم خود راہ ہدایت پر ہو یعنی جب تم خود ہدایت پر ہو گئے اور دوسرے لوگوں کو سمجھاتے رہے اور وہ تمہارے سمجھانے سے ہدایت پر نہ آئے تو تمہارے ذمہ کوئی الزام نہیں یا یہ معنی ہیں کہ جب تم ہدایت پر ہو تو گو کافر تمہارے کیسے ہی دشمن ہوں وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تم سب کا اخیر ٹھکانہ اللہ ہی کی طرف ہے سو وہ تم کو اُن تمام باتوں

سے آگاہ کر دیگا کہ جو تم کرتے تھے یعنی تمہارے نیک و بداعمال کی جزاء دیگا۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ

اے ایمان والو! گواہ تمہارے اندر جب پہنچے کسی کو تم میں

الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ

موت جب لگے وصیت کرنے دو شخص معتبر چاہئیں تم میں سے یا

اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِى الْاَرْضِ

دو اور ہوں تمہارے سوا اگر تم نے سفر کیا ہو ملک میں

فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْ بَعْدِ

پھر پہنچے تم پر مصیبت موت کی دونوں کو کھڑا کرو بعد

الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِىْ بِهٖ

نماز کے پھر وہ قسم کھاویں اللہ کی اگر تم کو شبہ پڑے کہیں ہم نہیں بیچتے

ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ اِنَّآ

قسم مال پر اگرچہ کسی کو ہم سے قرابت ہو اور ہم نہیں چھپاتے اللہ کی گواہی نہیں

اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ فَاِنْ عُثِرَ عَلٰٓى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّآ

تو ہم گنہ گار ہیں پھر اگر خبر ہو جاوے کہ وہ دونوں

اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ

حق دبا گئے گناہ سے تو دو اور کھڑے ہوں انکی جگہ کہ جن کا حق دبا ہے

عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَآ اَحَقُّ مِنْ

ان میں جو بہت نزدیک ہیں پھر قسم کھاویں اللہ کی کہ ہماری گواہی تحقیق ہے

شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَآ ۖ إِنَّآ إِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِينَ ﴿۱۰۷﴾

ان کی گواہی سے اور ہم نے زیادہ نہیں کہا نہیں تو ہم بے انصاف ہیں

ذٰلِكَ أَدْنٰٓى أَن يَأْتُوا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَآ أَوْ

اس میں لگتا ہے کہ شہادت ادا کریں راہ پر یا

يَخَافُوٓا أَن تُرَدَّ أَيْمَانٌۢ بَعْدَ أَيْمَانِهِمْ ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ

ڈریں کہ الٹی پڑے گی قسم ہماری اُن کی قسم کے بعد اور ڈرتے رہو اللہ سے

وَاسْمَعُوا ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِينَ ﴿۱۰۸﴾

اور سن رکھو اور اللہ راہ نہیں دیتا بے حکم لوگوں کو

حکم ۲۱ بست و یکم متعلق بہ وصیت و شہادت

قال تعالیٰ يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ ... الیٰ ... وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِينَ

(ربط) گذشتہ آیت میں حفاظتِ دین کا حکم تھا اس آیت میں حفاظتِ مال کا طریقہ تعلیم فرماتے ہیں کہ مرتے وقت کسی کو وصی اور گواہ بنا لینا چاہیئے پہلی آیت میں دینی مصلحت کے متعلق حکم تھا اور اس آیت میں دنیوی مصلحت کے متعلق حکم ہے۔

یا یوں کہو کہ گذشتہ آیت میں یہ بیان تھا کہ مرنے کے بعد خدا تعالیٰ کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور مال کا حساب دینا پڑے گا اب اس آیت میں ارشاد فرماتے ہیں کہ مرنے سے پہلے تم کو وصیت کر دینی چاہیئے اور اس پر کسی کو گواہ بنا لینا چاہیئے تاکہ حق ضائع نہ ہو لہٰذا اس کے متعلق ہدایت فرماتے ہیں۔

شانِ نزول ان آیتوں کا شانِ نزول ایک واقعہ ہے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیش آیا وہ واقعہ یہ ہے کہ تمیم بن اوس داری اور عدی بن بدّاء جو اس وقت دونوں نصرانی تھے بغرضِ تجارت مدینہ سے شام گئے اور ان کے ساتھ بُدیل مولیٰ عمرو بن العاص بھی تھے جو مسلمان تھے بدیل وہاں جاکر بیمار ہوگئے اس لیے انہوں نے اسی بیماری کی حالت میں اپنے کل مال کی جو ان کے پاس تھا ایک فہرست لکھی اور اس کو اپنے اسباب میں

رکھ دیا اور اپنے دونوں نصرانی ساتھیوں سے اُس کا ذکر نہ کیا جب اُن کا مرض سخت ہوگیا اور مرنے لگے تو انہوں نے اپنا مال تمیم اور عدی کے سپرد کیا اور یہ وصیت کی کہ جب تم مدینہ واپس جاؤ تو میرا یہ کل سامان میرے وارثوں کو پہنچا دینا پھر بُدَیل مر گئے اور وہ دونوں نصرانی اپنے کام سے فارغ ہو کر مدینہ واپس آئے اس مال میں ایک چاندی کا پیالہ بھی تھا جس پر سونے کا جھول چڑھا ہوا تھا اور اس میں تین سَو مثقال چاندی تھی ان نصرانیوں نے وہ پیالہ تو مال میں سے غائب کر لیا اور باقی کل مال بدیل کے وارثوں کو لا کر دے دیا وارثوں نے جب اس مال کی دیکھ بھال کی تو اس میں سے اُن کو ایک فہرست برآمد ہوئی جس میں ہر چیز کی تفصیل تھی

جب اس فہرست کے مطابق انہوں نے مال کی جانچ پڑتال کی تو اس میں اُن کو وہ چاندی کا پیالہ نہ ملا وہ لوگ تمیم اور عدی کے پاس گئے اور اُن سے پوچھا کہ کیا بدیل نے بیماری کی حالت میں اپنا مال فروخت کر دیا تھا انہوں نے کہا کہ نہیں وارثوں نے کہا کہ ہم کو اس سامان میں ایک فہرست ملی ہے جس میں اس کے کل مال اور اسباب کی تفصیل ہے اس فہرست کے مطابق ہم کو ایک چاندی کا پیالہ نہیں ملتا جس پر سونے کا جھول تھا اور اس میں تین سو مثقال چاندی تھی انہوں نے کہا کہ ہم کو کچھ معلوم نہیں جو چیز اس نے ہمارے سپرد کی تھی وہ ہم نے تمہارے سپرد کر دی وارثوں نے یہ معاملہ اور یہ مقدمہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا مگر وہ دونوں اپنے انکار پر قائم رہے اور چونکہ مدعین یعنی اولیاء میت کے پاس خیانت کے کوئی گواہ نہ تھے اس لیے تمیم اور عدی سے قسمیں لی گئیں کہ ہم نے اس مال میں کوئی خیانت نہیں کی کیونکہ وہ دونوں نصرانی اس مقدمہ میں مدعی علیہ تھے اس لیے اُن سے قسمیں لی گئیں اور وہ جھوٹی قسمیں کھا گئے اور قصہ ختم ہوگیا کچھ دنوں کے بعد کہیں سے وہ پیالہ پکڑا گیا جس کے پاس پیالہ ملا اس سے دریافت کیا گیا کہ تیرے پاس یہ پیالہ کہاں سے آیا اس نے کہا کہ یہ پیالہ میں نے تمیم اور عدی سے خریدا ہے اب دوبارہ یہ مقدمہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش ہوا اس وقت یہ دونوں نصرانی خریداری کے مدعی بن گئے اور یہ کہنے لگے کہ ہم نے یہ پیالہ اس کے مالک سے یعنی اُس میت سے خرید لیا تھا لیکن چونکہ ان کے پاس خریداری کے گواہ نہ تھے اور ورثہ خریداری کے منکر تھے اس لیے اب آپ نے اُن کے بجائے وارثوں سے قسمیں لیں وارثوں میں سے دو شخصوں نے جو میت کے قریب تر تھے قسم کھائی کہ پیالہ میت کی ملک تھا اور یہ دونوں نصرانی اپنی قسم میں جھوٹے ہیں چنانچہ جس قیمت پر انہوں نے وہ پیالہ فروخت کیا تھا (ایک ہزار درہم) وہ رقم وارثوں کو دلائی گئی اور قصہ ختم ہوا اس بارہ میں خدا تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل کیں اے مسلمانو! تمہارے درمیان گواہی (کا نصاب) جب کہ تم میں کسی کو موت آپہنچے یعنی وصیت کا وقت آپہنچے تو ایسی حالت میں کہ جب مال ورثہ کے سپرد کرنے کی ضرورت ہو تو گواہی کا نصاب ایسے دو شخص

ہیں جو ثقہ اور معتبر ہوں اور تم میں سے ہوں یعنی مسلمان ہوں مطلب یہ ہے کہ جو شخص مرتے وقت اپنے ورثہ کے متعلق غیروں کو وصیت کرنا چاہے اور اپنا مال و متاع اُن کے حوالہ کرنا چاہے تو اس کو چاہیئے کہ مسلمانوں میں سے دو معتبر شخصوں کو وصیت کرے تاکہ وہ اس کی وصیت کو پورا کریں اور اس کے مال میں خیانت نہ کریں یا اگر مسلمان نہ ملیں تو تمہارے غیروں یعنی کفار میں سے دو شخص گواہ بنا لیے جائیں اگر تم سفر کی حالت میں ہو پھر تمہیں اس غربت میں موت کی مصیبت آپہنچے اور اسی مسافرت کی حالت میں تمہارے رفیق سفر سب کافر ہیں مسلمان کوئی نہیں تو انہی میں دو شخصوں کو اپنا وصی بنا لو ایسی حالت میں کہ جب مسلمان نہ ہو تو غیر مسلم کو وصی بنانا جائز ہے پھر ان غیر مسلم اوصیاء کا حکم یہ ہے کہ اے وارثو! اگر تم کسی وجہ سے ان کی امانت اور صداقت کے بارہ میں شک اور تردد میں پڑ جاؤ اور تمہیں ان اوصیاء کے متعلق خیانت کا گمان ہو تو ان دونوں غیر مسلموں کو عصر کی نماز کے بعد روک لو پھر وہ دونوں مجمع عام میں قسم کھائیں اور قسم کے ساتھ یہ کہیں کہ ہم اس قسم کے عوض میں کسی قسم کا مال نہیں چاہتے اگرچہ وہ شخص جس کے نفع کے لیے ہم گواہی دے رہے ہیں ہمارا قریبی رشتہ دار کیوں نہ ہو یعنی ہم جھوٹی گواہی اپنے رشتہ داروں کے لیے بھی نہیں دیتے غیر کے لیے تو کیا دیں گے اور ہم اللہ کی فرض کی ہوئی گواہی کو نہیں چھپاتے اگر ہم ایسا کریں گے تو بے شک ہم گنہگاروں میں سے ہوں گے پھر اگر بعد میں کسی طریقہ سے یہ اطلاع ملے کہ وہ دونوں شاہد یعنی وصی گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں یعنی انہوں نے میت کے مال میں خیانت کی ہے اور جھوٹی قسم کھائی ہے تو دو اور شخص ان کی جگہ قسم کھانے کے لیے کھڑے ہوں ان لوگوں میں سے جن کا ان دونوں نے حق دبایا ہے یعنی میت کے ورثہ میں سے دو شخص کھڑے ہوں جو میت کے سب سے زیادہ قریبی رشتہ دار ہوں پھر وہ اللہ کی قسم کھا کر یہ کہیں کہ بے شک ہماری شہادت ان کی شہادت سے زیادہ معتبر ہے اور ہم نے اپنی اس قسم میں کسی قسم کی کوئی زیادتی نہیں کی اگر ہم نے ایسا کیا ہو تو بے شک ہم ظالموں میں سے ہیں جب یہ آیت نازل ہوئی تو بدیل کے دو وارث کھڑے ہوئے اور عصر کے بعد انہوں نے یہ قسم کھائی کہ یہ دونوں شخص جھوٹے اور خائن ہیں اور ہماری شہادت ان کی شہادت سے زیادہ معتبر ہے تب اس پیالہ کی قیمت اُن نصرانیوں سے لے کر ان کو دلائی گئی جب اس واقعہ کے بعد تمیم داریؓ اسلام لے آئے تو کہا کرتے تھے کہ بے شک اللہ اور اس کا رسول سچا ہے میں نے پیالہ لیا تھا اب میں اپنے اس گناہ سے توبہ کرتا ہوں اور اللہ سے معافی مانگتا ہوں شہادت کا یہ طریقہ جو ان آیات میں مذکور ہوا یہ اس امر کے بہت زیادہ قریب اور نزدیک ہے کہ لوگ صحیح طریقہ پر شہادت دیا کریں یا وہ اس بات سے ڈریں کہ ان کی قسموں کے بعد وارثوں پر قسمیں لوٹائی جائیں گی یعنی انہیں یہ اندیشہ ہوگا کہ اگر ہم نے جھوٹی قسم کھائی تو ہمارے بعد ورثہ سے قسم لی جائے گی اور ورثہ قسم کھا کر ہماری قسم کو بے اعتبار بنا دیں گے اس اندیشہ اور خیال سے وہ جھوٹی

قسم پر جرأت نہ کریں گے اور اے لوگو قسم کھاتے ہیں اللہ سے ڈرتے رہو اور اللہ کا حکم سنو اور جو اللہ کا حکم نہ سنے وہ فاسق ہے اور اللہ فاسقوں کو توفیق نہیں دیتا یعنی جو لوگ امانت میں خیانت کرتے ہیں اور جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں وہ اللہ کی توفیق سے محروم ہو جاتے ہیں اللہ تعالیٰ اُن کو ہدایت نہیں دیتا بلکہ انکو انکی گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے تاکہ قیامت کو اسکی سزا پائیں۔

❊ ❊ ❊

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ؕ قَالُوْا لَا

جس دن اللہ جمع کرے گا رسول پھر کہے گا تم کو کیا جواب دیا بولیں گے ہم کو

عِلْمَ لَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۰۹﴾ اِذْ قَالَ اللّٰهُ

خبر نہیں تو ہی ہے چھپی بات جانتا جب کہے گا اللہ

يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى

اے عیسےٰ مریم کے بیٹے یاد کر میرا احسان اپنے اوپر اور اپنی

وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۣ تُكَلِّمُ النَّاسَ

ماں پر جب مدد کی میں نے تجھ کو روح پاک سے تو کلام کرتا لوگوں سے

فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ

گود میں اور بڑی عمر میں اور جب سکھائی میں نے تجھ کو کتاب اور پکی باتیں

وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۚ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ

اور توریت اور انجیل اور جب تو بناتا مٹی سے جانور کی صورت

الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًا ۢ بِاِذْنِيْ وَ

میرے حکم سے پھر دم مارتا اس میں تو ہو جاتا جانور میرے حکم سے اور

تُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى

چنگا کرتا ماں کے پیٹ کا اندھا اور کوڑھی کو میرے حکم سے اور جب نکال کھڑے کرتا مردے

بِاِذۡنِیۡ وَاِذۡ کَفَفۡتُ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ عَنۡكَ اِذۡ جِئۡتَهُمۡ

میرے حکم سے اور جب روکا میں نے بنی اسرائیل کو تجھ سے جب تو لایا اُن پاس

بِالۡبَیِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡهُمۡ اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّا

نشانیاں تو کہنے لگے جو کافر تھے ان میں اور کچھ نہیں یہ

سِحۡرٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۱۱۰﴾

جادو ہے صریح

خاتمۂ احکام سورت بر تذکیر آخرت و ذکر انعامات و احسانات خداوندانام بر عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام برائے اثبات عبدیت و اثبات رسالت

قال تعالیٰ یَوۡمَ یَجۡمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ ... الیٰ ..... اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّا سِحۡرٌ مُّبِیۡنٌ ۝

(ربط) قرآن مجید میں حق تعالیٰ کی یہ عادت ہے کہ شرائع اور احکام کے بیان کے بعد یا تو اپنی ذات وصفات یا انبیاء کرام کے احوال یا قیامت کے اَھوال بیان فرماتے ہیں تاکہ خدا تعالیٰ کی عظمت اور جلال اور آخرت کا تذکرہ اور استحضار امتثال احکام میں ممد اور معاون ہو اس لیے ختم سورت پر قیامت کا حال ذکر فرمایا کہ اس دن تمام انبیاء مجتمع ہوں گے اور اُن کی قوموں اور امتوں کی زجر اور توبیخ کے لیے اُنہی کے سامنے علی رؤس الاشہاد سوال وجواب ہوں گے تاکہ امتیں سن لیں اور ڈر جائیں جیسا کہ قرآن کریم میں ہے وَاِذَا الۡمَوۡءٗدَةُ سُئِلَتۡ بِاَیِّ ذَنۢبٍ قُتِلَتۡ جو لڑکی زندہ گاڑی گئی تھی اس سے سوال ہو گا کہ کس گناہ پر ماری گئی تو سوال تو موءودہ سے ہو گا مگر اس سوال سے مقصود وآئدُ (یعنی زندہ گاڑنے والے) کی توبیخ اور سرزنش ہو گی اسی طرح قیامت کے دن جو انبیاء کرام سے سوال ہو گا تو اس سے مقصود امتوں اور قوموں کی توبیخ اور سرزنش ہو گی حق جل شانہٗ نے ان آیات میں بالاجمال تمام انبیاء سے سوال کا ذکر فرمایا اور اس کے بعد خاص طور پر حضرت عیسٰی علیہ السّلام کا ذکر فرمایا جن کو عیسائیوں نے خدا ٹھہرا رکھا ہے کیونکہ اوپر سے سلسلۂ کلام اہل کتاب کے غلو اور افراط اور تفریط کے متعلق چلا آرہا ہے اس لیے حق تعالیٰ نے ان آیات میں حضرت عیسٰی علیہ السّلام پر اپنے انعامات اور احسانات کا ذکر فرمایا

اس تذکرہ سے اصل مقصود تو نصاریٰ کے عقائد کی تردید ہے جو انہیں خدا اور خدا کا بیٹا سمجھتے ہیں اس لیے کہ دوسری امتوں کا کفر انبیاء کرام کی ذات تک محدود تھا اور نصاریٰ کا کفر حق نبوت سے تجاوز کر کے خدا تعالیٰ کی حد تک پہنچ چکا تھا اس لیے کہ خداوند قدوس کے لیے بیٹا تجویز کرنا بارگاہِ خداوندی میں ایسی عظیم گستاخی ہے کہ جس سے آسمان و زمین کے پھٹ جانے کا اندیشہ ہے اس لیے ان آیات میں اصل مقصود تو نصاریٰ کی تردید ہے اور ساتھ ہی ساتھ یہود کی بھی تردید و تکذیب ہے کہ جو حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی نبوت و رسالت کے منکر ہیں حق تعالیٰ نے ان آیات میں حضرت عیسیٰ پر اپنے انعامات و احسانات کا ذکر فرمایا جس سے ایک طرف تو ان کا بندہ اور محتاجِ خدا ہونا ثابت ہوا اس لیے کہ انعام و احسان اور تائید روح القدس اور حفاظت جبریلی اور نزول مائدہ کی ضرورت بندہ کو ہے نہ کہ خدا تعالیٰ کو اور دوسری طرف اُن کا برگزیدۂ خدا ہونا ظاہر ہو گیا اس طرح سے یہود اور نصاریٰ کے غلو اور افراط و تفریط دونوں کی تردید ہو گئی اور اس تذکرہ اور حکایت سے مقصود یہ ہے کہ یہ سن کر نصاریٰ اور یہود دونوں اپنے اپنے کفر اور عناد سے باز آجائیں چنانچہ فرماتے ہیں یاد کرو اُس ہولناک دن کو کہ جس دن اللہ تعالیٰ کافروں کے الزام کے لیے رسولوں کو جمع کرے گا پھر ان رسولوں سے پوچھے گا کہ تم کو تمہاری امتوں کی طرف سے کیا جواب دیا گیا تھا یعنی جب تم نے ان کو خدا کی طرف بلایا تو انہوں نے تمہاری دعوت کا کیا جواب دیا اُسے قبول کیا یا رَدّ کیا اس سوال کرنے سے خدا تعالیٰ کا مقصود منکرین اور مکذبین کو توبیخ کرنا ہوگا پیغمبر جواب میں کہیں گے ہمیں حقیقت حال کا علم نہیں تحقیق آپ ہی تمام غیبوں کے جاننے والے ہیں ظاہر و باطن سب تجھ ہی پر روشن ہے ہم تو صرف ظاہر ہی کو کچھ جان لیتے ہیں ہم تیرے سامنے کیا بیان کریں ہمارا علم تیرے علم کے سامنے کوئی چیز نہیں بلکہ بمنزلہ عدم علم کے ہے اور اسی دن جب تمام پیغمبر جمع ہوں گے عیسیٰ علیہ السّلام کو بلا کر اُن سے اللہ تعالیٰ یہ فرمائیں گے اے عیسیٰ مریم کے بیٹے میرے اُس انعام اور احسان کو یاد کر جو تجھ پر اور تیری ماں پر ہیں قیامت کے دن ان احسانات کے یاد دلانے سے یہودیوں اور عیسائیوں کی زجر اور توبیخ مقصود ہوگی یعنی ان انعامات اور احسانات کو یاد دلا کر ان پر یہ امر ظاہر کیا جائے گا کہ دنیا میں عیسیٰ علیہ السّلام کے بارہ میں دونوں گروہ غلطی پر تھے عیسیٰؑ خدا کے بندے ہیں اور خدا تعالیٰ ان کا محسن ہے اُن میں جو کچھ خوبی تھی وہ خدا ہی کی دی ہوئی تھی پس نصاریٰ کو کیا حق تھا کہ انہوں نے عیسیٰؑ کو تو خدا بنا لیا اور عیسیٰؑ کے محسن کو بھول گئے اور یہودیوں کے لیے کب مناسب تھا کہ جس ذات پر خدا تعالیٰ کے ایسے عجیب و غریب انعامات و احسانات ہوتے ہوں اس کو مفتری اور کذاب سمجھیں اور اس آیت میں حضرت عیسیٰؑ کی ماں پر احسانات کی تفصیل نہیں کی اشارہ اور اجمال پر اکتفا کیا تفصیل اسکی سورۂ آل عمران میں گذر چکی ہے کہ وہ طاہرہ اور مطہرہ اور صدیقہ تھیں اور حق تعالیٰ

لے ان کو تمام جہان کی عورتوں پر فضیلت دی تھی اور اے عیسٰی بن مریم اس وقت کو بھی یاد کرو کہ جب میں نے تجھ کو روح القدس یعنی جبریل امینؑ سے قوت اور مدد دی جو تیری تائید اور تقویت کے لیے ہر وقت تمہارے ساتھ رہتے تھے مطلب یہ ہے کہ حظیرۃ القدس کے انوار و برکات ہر وقت تمہارے محافظ اور نگہبان تھے اور افضل الملائکۃ المقربین یعنی جبریل امین کے معیت کی وجہ سے نفس و شیطان کی یہ مجال نہ تھی کہ اپنی ظلمتوں سے آپ کی نورانیت کو پھیکا ہی کر سکے من جانب اللہ روح القدس کی یہ تائید اس کی دلیل تھی کہ آپ خدا کے برگزیدہ بندے ہیں معاذ اللہ خدا نہیں خدا کو کسی کی تائید اور تقویت کی کیا ضرورت ہے اور اللہ کے اس انعام کو بھی یاد کرو کہ آپ گہوارہ میں بھی اور بڑی عمر میں بھی لوگوں سے باتیں کرتے تھے یعنی زمانۂ طفولیت اور زمانۂ کہولت کے کلام میں باعتبار فصاحت و بلاغت اور باعتبار موعظت و حکمت کوئی فرق نہ تھا دونوں یکساں تھے زمانۂ شیر خوارگی میں آپ نے یہ کلام کیا اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا وَّجَعَلَنِیْ مُبٰرَکًا اَیْنَمَا کُنْتُ وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ مَا دُمْتُ حَیًّا اور اس شیر خوارگی میں جو پہلا کلمہ آپ کی زبان سے نکلا وہ یہ تھا اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ تحقیق میں اللہ کا بندہ ہوں اور نبوت و رسالت ملنے کے بعد وحی اور الہام سے کلام فرمایا دونوں زمانوں اور دونوں حالتوں کا کلام ایک ہی شان اور ایک ہی صفت کا تھا دونوں میں کوئی تفاوت نہ تھا حالانکہ ان دو حالتوں کا کلام غایت درجہ مختلف اور متفاوت ہوتا ہے یہ بھی من جانب اللہ ایک عظیم معجزہ تھا جو آپ کے حق میں اور آپ کی والدہ ماجدہ کے حق میں نعمت عظیمہ تھی جس سے ان کی طہارت اور نزاہت ثابت ہوئی اور حضرت عیسیٰؑ کی نبوت و رسالت ثابت ہوئی اور ولادت سے لے کر زمانۂ کہولت تک مختلف حالات اور تغیرات کا پیش آنا اس سے حضرت عیسیٰؑ کی عبدیت ثابت ہوئی اور الوہیت کی نفی ہو گئی اس لیے کہ خدا تعالیٰ ولادت اور تغیرات سے پاک اور منزہ ہے بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ حالت کہولت میں کلام کرنے سے مراد یہ ہے کہ آسمان سے نازل ہونے کے بعد بھی اسی قسم کا کلام سراپا حکمت التیام فرمائیں گے لہٰذا لفظ وَکَہْلًا میں آپ کے نزول من السماء کی طرف اشارہ ہے جس کی تفصیل احادیث میں آئی ہے اس لیے کہ آپ زمانۂ کہولت سے پہلے آسمان پر اٹھائے گئے نزول کے بعد آپ کہولت کو پہنچیں گے اور حکمت و موعظت کی باتیں لوگوں کو بتلائیں گے۔

اور یاد کرو اس وقت کو جب کہ میں نے تم کو لکھنا اور دانائی اور توریت اور انجیل سکھائی کتاب سے کتابت اور فن تحریر مراد ہے اور حکمت سے کلام صواب مراد ہے اس سے معلوم ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام لکھنا جانتے تھے مگر افسوس کہ نصاریٰ کے پاس حضرت مسیحؑ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کوئی انجیل موجود نہیں بخلاف ہمارے نبی اکرم محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے کہ وہ اُمّی

تھے لکھنا نہیں جانتے تھے وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ اس لیے آپؐ پر جب وحی نازل ہوتی تو کاتبین وحی کو بلا کر املاء کرا دیتے بحمدہٖ تعالیٰ مسلمانوں کے پاس وہ اصل قرآن محفوظ ہے جو کاتبین وحی اور خلفاءِ راشدین کے مبارک ہاتھوں نے لکھا اور یہ دنیا کے سارے قرآن اسی کی نقل مطابق اصل ہیں اور یاد کرو اس وقت کو جب کہ تو میرے حکم سے مٹی سے پرندے کی شکل اور صورت بناتا تھا پھر تو اس مصنوعی صورت و شکل میں پھونک مارتا تھا پھر وہ تیری بنائی ہوئی صورت میرے حکم سے حقیقۃً پرندہ بن جاتی تھی یہ بھی حضرت عیسٰی علیہ السّلام کا معجزہ تھا کہ آپ مٹی سے پرند کی صورت بناتے اور پھر اس میں پھونک مارتے تو وہ سچ مچ کا پرندہ بن جاتا اور اڑنے لگتا اور بِاِذْنِی کی قید اس لیے لگائی کہ اس پرندہ میں جان ڈالنا خدا تعالیٰ کا کام تھا حضرت عیسٰیؑ کا کام نہیں تھا جیسے مریمؑ کے گریبان میں پھونک مارنا جبریلؑ کا کام تھا اور بچہ کو پیدا کرنا اور اس میں جان ڈالنا خدا تعالیٰ کی طرف سے تھا اس وجہ سے ہر جگہ باذنی کی قید بڑھائی تاکہ ان معجزات کو دیکھ کر کسی کو ان کی خدائی کا شبہ نہ ہو اس باذنی کے لفظ سے یہ بتلا دیا کہ عیسٰی علیہ السّلام کے یہ تمام کام اپنی قدرت سے نہ تھے بلکہ خدا کی قدرت سے تھے حضرت عیسٰی علیہ السّلام کا کام تو صرف مورت بنانا اور اس میں پھونک مارنا تھا باقی اس میں جان ڈالنا یہ حق تعالیٰ کا کام تھا عجب نہیں کہ نفخ عیسوی سے باذن اللہ پرند بن جانے کا معجزہ - نفخ جبریلی کا کوئی نمونہ ہو واللہ اعلم۔

اور یاد کرو اس وقت کو جب کہ تم مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو میرے حکم سے ہاتھ پھیر کر اچھا اور چنگا کر دیتے تھے بیمار پر ہاتھ پھیرنا تمہارا کام تھا اور شفا اور تندرستی عطا کرنا اور چنگا کر دینا یہ میرا کام تھا میں نے تمہاری برگزیدگی ثابت کرنے کے لیے تم کو یہ معجزہ عطا کیا تمہارے دستِ برکت میں میرا دستِ قدرت کار فرما تھا اور تمہارا ہاتھ میرے بے چون و چگوں کے ہاتھ کے لیے روپوش تھا اور یاد کرو اس وقت کو جب کہ تو میرے حکم سے مردوں کو زندہ کر کے قبر سے نکالتا تھا عیسٰیؑ علیہ السّلام جب یہ چاہتے کہ کوئی مردہ زندہ ہو جائے تو دو رکعت نماز پڑھتے اور خدا سے دعا مانگتے اس کے بعد وہ مردہ زندہ ہو جاتا اس حالت کو دیکھ کر ہر شخص یہ سمجھ لیتا تھا کہ یہ مردہ دراصل حق تعالیٰ کی قدرت اور پھر حضرت عیسٰی علیہ السّلام کی دعا کی برکت سے زندہ ہوا ہے حضرت عیسٰی علیہ السّلام نے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے مبارک بندہ کی دعا قبول کی اور اپنی قدرت اور رحمت سے مردہ کو زندہ کر دیا زندہ کرنے والے عیسٰی علیہ السّلام نہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسٰی علیہ السّلام کو یہ معجزات اس لیے عطا کیے کہ اطباء اور حکماء بھی ان بیماریوں کے علاج سے بالکل عاجز اور درماندہ تھے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ عیسٰی علیہ السّلام اطباء کی طرح کوئی طبیب نہیں بلکہ خدا کے برگزیدہ رسول ہیں جن کو خدا نے ایسے معجزات

عطا کیے ہیں جن سے تمام اطباء عالم عاجز اور درماندہ ہیں یہاں تک منافع اور فوائد کا بیان تھا اب آئندہ آیت میں دفع مضرت کے انعام کو بیان کرتے ہیں اور یاد کرو اس وقت کو جب کہ میں نے بنی اسرائیل یعنی یہودیوں کو تیرے پاس آنے سے روک دیا اور انہوں نے جو تیرے قتل اور سلب کا منصوبہ بنایا تھا اس کو میں نے یک لخت ملیا میٹ کر دیا اور تجھ کو صحیح سالم زندہ آسمان پر اٹھا لیا اور وہ تجھے کوئی ضرر نہیں پہنچا سکے جب کہ تو ان کے پاس اپنی نبوت و رسالت کے روشن دلائل لے کر آیا تو ان میں سے جو کافر تھے وہ یہ بولے کہ نہیں ہیں یہ معجزات مگر کھلا جادو اپنی نادانی اور عناد سے معجزات کو جادو سمجھے معجزہ وہ ہے کہ جس کا مثل لانے سے سارا عالم عاجز ہو اور جادو تو ایک فن ہے جو سیکھ لے اس کو آجاتا ہے۔

خلاصۂ مضمون آیات مذکورہ بالا

ان آیات میں حق جلّ شانہٗ نے حضرت عیسیٰؑ پر اپنے انعامات کا ذکر فرمایا جس سے ایک طرف اُن کا برگزیدۂ خداوندی ہونا ثابت ہوا جس سے یہود کا رد ہوا اور دوسری طرف ان کی عبدیت ثابت ہوئی اور اُن کی الوہیت کی نفی ہوئی جس سے نصاریٰ کی تردید ہوئی کیونکہ روح القدس کی تائید اور تقویت اور گہوارہ میں اُن کی تربیت اور کتاب و حکمت کی تعلیم اور ہدایت اور بنی اسرائیل کے شر سے حفاظت (جیسا وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ عَنْكَ میں ذکر ہے) یہ سب اس امر کے دلائل اور براہین ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام معاذ اللہ خدا نہ تھے اس لیے کہ خدا کو کسی کی تائید اور تقویت اور تعلیم اور تربیت اور کسی کی حفاظت کی کیا ضرورت ہے یہ سب امور عبدیت کے دلائل ہیں اور سلسلۂ انعامات و احسانات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات ذکر کرنے سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ جو معجزات اُن کو عطا کیے گئے وہ ان پر اللہ کا انعام اور احسان تھے اور وہ معجزات اُن کی نبوت و رسالت کے دلائل تھے نہ کہ الوہیت اور ابنیت کے دلائل تھے اس سے مقصود نصاریٰ کی غلطی کو واضح کرنا ہے کہ وہ احیاء موتیٰ اور ابراء اکمہ و ابرص جیسے معجزات کو حضرت عیسیٰؑ کی الوہیت کی دلیل سمجھ بیٹھے اور ان کو خدا اور خدا کا بیٹا بنا لیا حالانکہ یہ معجزات قاہرہ اُن کی نبوت و رسالت کی دلیل تھے نہ کہ الوہیت اور ابنیت کی دلیل تھے معاذ اللہ خدا کو کسی کے انعام و احسان اور کسی کی تائید و حفاظت کی ضرورت نہیں اور قیامت کے دن ان انعامات کے ذکر کرنے سے تمام اہل کتاب کی توبیخ مقصود ہے جنہوں نے ان کی شان میں افراط اور تفریط کی اور آیندہ سوالات کی تمہید ہے جن کا آیندہ آیت ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰـهَيْنِ میں ذکر آئے گا۔

وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا

اور جب میں نے دل میں ڈالا حواریوں کے کہ یقین لاؤ

بِیْ وَبِرَسُوْلِیْ ۚ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

مجھ پر اور میرے رسول پر . بولے ہم یقین لائے اور تو گواہ رہ کہ ہم حکمبردار ہیں

اِذْ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ هَلْ یَسْتَطِیْعُ

جب کہا حواریوں نے اے عیسٰی مریم کے بیٹے تیرے رب سے ہو سکے

رَبُّكَ اَنْ یُّنَزِّلَ عَلَیْنَا مَآىِٕدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ؕ قَالَ

کہ اتارے ہم پر خوان بھرا آسمان سے . بولا

اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۱۲﴾ قَالُوْا نُرِیْدُ اَنْ

ڈرو اللہ سے اگر تم کو یقین ہے . بولے ہم چاہتے ہیں

نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَىِٕنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ

کہ کھاویں اس میں سے اور چین پاویں ہمارے دل اور ہم جانیں کہ تو نے

صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَیْهَا مِنَ الشّٰهِدِیْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ

ہم کو سچ بتایا اور رہیں ہم اس پر گواہ . بولا

عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَیْنَا مَآىِٕدَةً

عیسٰی مریم کا بیٹا اے اللہ رب ہمارے اتار ہم پر خوان بھرا

مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِیْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰیَةً

آسمان سے کہ وہ دن عید رہے ہمارے پہلوں اور پچھلوں کو اور نشانی

مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ

تیری طرف سے اور روزی دے ہم کو اور تو ہے بہتر روزی دینے والا کہا اللہ نے

مُنَزِّلُهَا عَلَیْكُمْ ۚ فَمَنْ یَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّیْۤ اُعَذِّبُهٗ

میں اتاروں گا وہ خوان تم پر پھر جو کوئی تم میں ناشکری کرے اس کے پیچھے تو میں اسکو وہ عذاب کرونگا

عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۱۵﴾

جو نہ کروں گا کسی کو جہان میں

قِصّۂ نُزُولِ مائدہ

قال اللہ تعالیٰ وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ ... الٰی .... اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ

(ربط) ان آیات میں حق تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ پر اپنے ایک خاص انعام اور خاص معجزہ کا ذکر فرمایا ہے جس سے یہود اور نصاریٰ دونوں ہی کو تنبیہ مقصود ہے یعنی مائدہ کے نازل ہونے کا قصہ ذکر فرماتے ہیں جس کی طرف یہ سورت منسوب ہے یعنی سورۃ مائدہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندہ عیسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول کی اور اُن پر آسمان سے مائدہ اتارا جو اُن کی نبوت و رسالت کی آیت باہرہ اور حجتِ قاہرہ تھی اور اس بات کی بھی دلیل تھی کہ جس کے لیے یہ آسمانی رزق کا خوان اتارا جا رہا ہے وہ خدا کا برگزیدہ بندہ ہے کہ من و سلویٰ کی طرح اس مائدہ سے خدا کا رزق کھائے اور اس کا شکر بجا لاتے معاذ اللہ وہ خدا نہیں ہے رزق کا محتاج بندہ ہوتا ہے نہ کہ خدا موسیٰ علیہ السّلام کا قول ہے رَبِّ اِنِّيْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ چنانچہ فرماتے ہیں اور یاد کرو اس وقت کو جب یہودیوں نے حضرت عیسیٰؑ کے واضح معجزات کو دیکھ کر یہ کہہ دیا کہ یہ صریح جادو ہے تو اس وقت میں نے اپنے خاص الخاص لطف و عنایت سے حواریین کے دل میں یہ القاء کیا کہ تم ایمان لاؤ مجھ پر اور میرے رسول پر یعنی عیسےٰ علیہ السّلام پر انہوں نے جواب میں کہا کہ ہم ایمان لے آئے اور اے اللہ تو گواہ رہ کہ ہم تیرے حکم ماننے والے ہیں جو حکم دے گا اس کی تعمیل کریں گے یہ بھی اللہ تعالیٰ کا انعام اور احسان تھا کہ حواریین کے دل میں یہ القاء اور الہام کیا کہ تم ہمارے نبی برحق پر ایمان لاؤ چنانچہ ایمان لے آئے اور خدا کو اپنے اسلام پر گواہ بنا لیا اس کے بعد اب دوسرے انعام کا ذکر فرماتے ہیں کہ حواریین کی درخواست کی بناء پر آسمان سے مائدہ نازل ہوا ایمان اور اسلام باطنی رزق اور اُخروی نعمت ہے اور مائدہ ظاہری رزق اور دنیوی نعمت ہے چنانچہ فرماتے ہیں یاد کرو اس وقت کو جب کہ حواریین نے عیسیٰ علیہ السّلام سے یہ عرض کیا اے عیسیٰ بن مریم علیک السّلام کیا یہ ہو سکتا ہے کہ تیرا پروردگار ہم پر آسمان سے نعمتوں سے بھرا ہوا ایک خوان اتارے اس کا یہ مطلب نہیں کہ حواریین کو حق تعالیٰ کی قدرت میں کسی قسم کا کوئی شک تھا بلکہ مطلب یہ تھا کہ اے مسیح بن مریمؑ کیا خداوند عالم آپ کے طفیل میں آپ کے خادموں اور غلاموں کے لیے اپنے عام دستور و عادت کے خلاف

آسمان سے انواعِ نعمت کا کوئی خوان اتار سکتا ہے، ہم تو اس قابل نہیں کہ ہمارے لیے آسمان سے خوان اتارا جائے ہاں یہ ممکن ہے کہ آپ جیسی برگزیدہ ذات بارگاہِ خداوندی میں یہ سوال کرے اور قبول ہو جائے تو آپ کے طفیل ہماری یہ آرزو پوری ہو جائے اس کی مثال بعینہٖ ایسی ہے جیسے کوئی شخص کسی بڑے شخص کو اپنے ساتھ بازار لے جانا چاہے اور یہ کہے کہ کیا آپ میرے ساتھ بازار چلنے کی تکلیف برداشت کر سکیں گے عیسیٰ علیہ السلام نے اُن کے جواب میں کہا اللہ سے ڈرو اگر تم میری نبوت ورسالت پر یقین رکھتے ہو یعنی تمہارا یہ سوال اول تو خلاف ادب ہے خلاف عادت امور کی فرمائش خلاف ادب ہے اس قسم کی فرمائشیں معاندین کا طریقہ ہے اور علاوہ ازیں اس سوال سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں میری نبوت ورسالت میں شک ہے جب ہی تو تم نے مجھ سے اس معجزہ اور خارق عادت امر کی فرمائش کی گویا کہ بزبان حال اس سوال سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ تم اپنے ایمان کو معجزات اور خوارق عادات کے مشاہدہ پر موقوف رکھنا چاہتے ہو یہ علامت شک اور تردد کی ہے نیز مجھ کو یہ ڈر ہے کہ وہ خوان تمہارے لیے فتنہ کا سامان نہ بن جائے لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور ایسی چیز کا سوال نہ کرو جو تمہارے لیے فتنہ کا سبب بنے اور میری نسبت شک میں پڑ کر اپنے ایمان کو متزلزل نہ کرو حواریین بولے ہم آپ پر پورا پورا ایمان رکھتے ہیں اور ہمیں ذرہ برابر شک نہیں لیکن ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس خوان میں سے کھائیں جو آسمان سے نازل ہو کیونکہ جو رزق آسمان سے نازل ہوگا وہ سراسر مبارک ہوگا اور اس کے کھانے سے ظاہری اور باطنی شفاء اور صحت حاصل ہوگی اور تیری عبادت اور اطاعت میں قوت کا ذریعہ بنے گا دنیا کے رزق سے بعض مرتبہ دل میں معصیت کا داعیہ پیدا ہوتا ہے مگر جو رزق آسمان سے نازل ہوگا وہ دل میں تیری اطاعت اور بندگی کا ایسا جوش اور ولولہ پیدا کرے گا کہ ہم کو عبادت اور بندگی میں ملائکہ کا ہمرنگ بنا دیگا اور ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس آسمانی خوان سے کھا کر ہمارے دل مطمئن ہو جائیں یعنی ہمارے دل طمانینت اور سکینت سے ایسے لبریز ہو جائیں کہ ہمارے ایمان میں شک اور تردد کا امکان ہی ختم ہو جائے اور شہودی اور حسی طور پر ہم یہ جان لیں کہ آپ نے نعماء جنت کے بارہ میں ہم کو جو خبریں دی ہیں اس میں آپ نے ہم سے سچ بولا ہے کہ جنت اور اس کی نعمتیں حق ہیں اور یہ آسمانی خوان جنت کی نعمتوں کا ایک نمونہ ہے اگرچہ استدلالی اور برہانی طریقہ پر ہم کو آپ کی صداقت کا پہلے ہی سے علم حاصل ہے مگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس میں علم استدلالی کے ساتھ علم شہودی اور علم عیانی بھی مل جائے تاکہ کفر اور نفاق اور ارتداد کے خطرہ سے ہم نکل جائیں اور ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہم اس معجزہ پر گواہی دینے والوں میں سے ہو جائیں کہ ہم بنی اسرائیل کے سامنے گواہی دیں کہ ہم نے یہ معجزہ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے تاکہ جن لوگوں نے یہ معجزہ نہیں دیکھا ان کے سامنے گواہی دیں اور آپ کی نبوت ورسالت کو ثابت کر سکیں، ہم کو تبلیغ اور دعوت کا

اجر ملے اور اُن کو ہدایت ملے عیسٰی علیہ السّلام نے جب دیکھا کہ اس درخواست سے اُن کی غرض صحیح ہے تو بولے اور یہ دعا کی بار خدایا اے ہمارے پروردگار ہماری ظاہری اور باطنی تربیت کے لیے آسمان سے ایک خوان اتار جو ہمارے اگلے اور پچھلوں کے لیے عید بنے یعنی جو لوگ اس وقت موجود ہیں اور جو لوگ بعد کے زمانہ میں آئیں گے سب کے لیے خوشی کا سامان ہو مطلب یہ ہے کہ تیرا یہ انعام سلف سے لے کر خلف تک جاری رہے اور تیری طرف سے ایک نشانی ہو کہ جنت کی نعمتوں میں شک اور شبہ نہ کر سکیں اس کا نمونہ تم کو دنیا میں دکھلا دیا اور اے اللہ ہم کو رزق عطا فرما اور اس پر شکر کی توفیق دے اور سب عطا کرنے والوں میں تو ہی سب سے بہتر عطا کرنے والا ہے دنیا میں جو شخص کسی کو کچھ دیتا ہے وہ اپنے نفع کے لئے دیتا ہے اور اس کے عوض کا طلب گار ہوتا ہے اور تیری عطا بلا عوض اور بلا نفع کے ہے۔

من نکردم خلق تا سودے کنم ❊ بلکہ تا بر بندگاں جودے کنم

وَارْزُقْنَا (ہم کو روزی دے) لفظ اگرچہ عام ہے مگر یہاں خاص روزی مراد ہے یعنی وہی خوان جس کا سوال تھا۔

نکتہ حواریین نے جو نزول مائدہ کی درخواست کی اس کا آغاز هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ سے کیا جو کسی قدر خلاف ادب معلوم ہوتا ہے اور غرض وغایت یہ بیان کی نُرِيدُ أَنْ نَأْكُلَ مِنْهَا بخلاف عیسٰی علیہ السّلام کے کہ انہوں نے دعا اور استدعا میں جن آداب عبودیت کو ملحوظ رکھا وہ ظاہر ہیں اللّٰهُمَّ رَبَّنَا سے دعا کو شروع کیا اور وَارْزُقْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ پر ختم کیا

اللہ تعالیٰ نے کہا اے عیسٰیؑ میں نے تمہاری درخواست منظور کی اور تحقیق میں تمہاری درخواست کے مطابق وہ خوان آسمان سے تم پر ضرور اتاروں گا پھر تم سے جو کوئی اس کے بعد ناشکری کرے تو میں اس کو ایسا عذاب دوں گا جو جہان والوں میں سے کسی کو نہ دوں گا اس لیے کہ جب نعمت غیر معمولی اور نرالی ہے تو اس کی ناشکری پر عذاب بھی غیر معمولی اور نرالا آئے گا۔

جمہور علماء سلف وخلف کا قول یہ ہے کہ یہ مائدہ حسب وعدۂ خداوندی آسمان سے اترا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے إِنِّي مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ اور یہ اللہ کا وعدہ ہے اور اسکی خبر ہے جو حق اور صدق ہے یہ ناممکن ہے کہ اللہ کا وعدہ پورا ہو اور اس کی خبر واقع نہ ہو اور اس کو امام ابن جریرؒ اور ابن کثیرؒ اور امام قرطبیؒ نے اور جمہور علماء تفسیر نے اختیار کیا ہے جیسا کہ ترمذی وغیرہ میں عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے مرفوعا اور موقوفا مروی ہے کہ وہ مائدہ آسمان سے اترا اور اس میں گوشت تھا اور روٹی تھی اور اس کے متعلق یہ حکم دیا گیا کہ اس میں خیانت نہ کریں اور چھپا کر نہ رکھیں اور دوسرے دن کے لیے ذخیرہ نہ کریں پس جن لوگوں نے اس حکم کی

خلاف ورزی کی وہ بندر اور سُوٗر کی صورت اور شکل بنا دیئے گئے اور تین دن کے بعد وہ ہلاک ہو گئے (دیکھو تفسیر[1] قرطبی ص۳۷۲ اور تفسیر ابن کثیر ص۱۱۶ ج ۲)

اور بعض علماء کا قول یہ ہے کہ یہ مائدہ نازل ہی نہیں ہوا یہ تہدید سن کر مانگنے والے ڈر گئے اور اپنی درخواست واپس لے لی اور مانگا ہی نہیں اور اپنے اس سوال سے توبہ اور استغفار کی مگر یہ قول صحیح نہیں ظاہر قرآن کے بھی خلاف ہے اور اخبار اور آثار متواترہ کے بھی خلاف ہے سلف اور خلف سے یہی منقول ہے کہ یہ مائدہ آسمان سے نازل ہوا غرض یہ کہ اتنا امر قطعی اور یقینی ہے کہ آسمان سے خوان اترتا تھا اور ایک مدت تک اترتا رہا باقی رہا یہ امر کہ اس خوان میں کیا کیا چیزیں تھیں اور کب تک اترتا رہا اسکی تفصیل میں اختلاف ہے واللہ سبحانہٗ و تعالیٰ اعلم (دیکھو تفسیر درمنثور ص۳۴۶ ج ۲)

جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مائدہ کس شان سے نازل ہوا اور عیسٰے علیہ السّلام نے کس شان سے اس کا استقبال کیا واللہ اعلم۔

[1] قال الامام القرطبی اخرج الترمذی فی ابواب التفسیر عن عمار بن یاسر قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم انزلت المائدۃ من السماء و امروا ان لا یخونوا ولا یدخروا لغد فخانوا وادخروا ورفعوا لغد فمسخوا قردۃ وخنازیر (تفسیر قرطبی ص۳۷۲ ج ۶)

قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا

یہ کہا ہوگا تو تجھ کو معلوم ہوگا تو جانتا ہے جو میرے جی میں اور میں نہیں جانتا جو

فِیْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ﴿۱۱۶﴾ مَا قُلْتُ لَهُمْ

تیرے جی میں ہے بر حق تو ہی ہے جانتا چھپی بات میں نے نہیں کہا اُن کو

اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِیْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبَّكُمْ ۚ

مگر جو تو نے حکم کیا کہ بندگی کرو اللہ کی جو رب ہے میرا اور تمہارا

وَكُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ

اور میں ان سے خبردار تھا جب تک ان میں رہا پھر جب تو نے مجھے بھر لیا

كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْهِمْ ؕ وَاَنْتَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ

تو تو ہی تھا خبر رکھتا اُن کی اور تو ہر چیز سے

شَهِیْدٌ ﴿۱۱۷﴾ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ

خبردار ہے اگر تو اُن کو عذاب کرے تو وہ بندے ہیں تیرے اور اگر ان کو

لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۱۱۸﴾

معاف کرے تو تو ہی ہے زبردست حکمت والا

ذکر مخاطبتِ ربُّ العزّت با عیسیٰ علیہ السّلام در یوم قیامت برائے تنبیہ نصاریٰ حیاریٰ بر بطلان عقیدۂ اُلوہیت

قال اللہ تعالیٰ وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ... الٰی..... اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ

(ربط) اوپر سے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کا قصہ چلا آرہا ہے اور یہ اسی گفتگو کا تتمہ ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السّلام سے قیامت میں ہوگی اوّلاً حق تعالیٰ حضرت عیسیٰؑ کو بلا کر اپنے وہ

عظیم الشان انعامات واحسانات یاد دلائیں گے جو اُن پر اور ان کی والدہ پر مبذول ہوئے بعد ازاں نصاریٰ کے عقیدہ باطلہ یعنی عقیدۂ الوہیت ؑ و مریم ؑ کے متعلق دریافت کیا جائے گا جس سے مقصود یہ بتلانا ہے کہ عیسےٰ علیہ السلام ہمیشہ توحید کی دعوت دیتے رہے اور شرک سے منع کرتے رہے اور اپنی عبدیت کا اقرار کرتے رہے اور دن رات خدا ہی کی عبادت اور بندگی میں لگے رہے اور قیامت کے دن حضرت عیسےٰ ؑ ان لوگوں سے برارت اور بیزاری ظاہر فرمائیں گے جنہوں نے اُن کو خدا ٹھہرایا معلوم ہوا کہ عقیدۂ الوہیتِ مسیح اور عقیدۂ ابنیت اور عقیدۂ تثلیث یہ سب بدعتیں اور گمراہیاں ہیں جو حضرت مسیح کے بعد دین مسیح میں داخل ہوئیں اور عیسی علیہ السّلام ان سب سے بری اور بیزار ہیں

خلاصۂ کلام یہ کہ حضرت عیسےٰ علیہ السّلام پر انعامات خاصہ کا ذکر اور معجزۂ احیاء موتی اور معجزۂ نزول مائدہ کا ذکر یہود کی توبیخ کے لیے ہے اور حضرت عیسی علیہ السّلام کا اپنی عبدیت کا اعتراف واقرار اور اپنی الوہیت سے تبری اور بیزاری کا ذکر نصاریٰ کی توبیخ کے لیے ہے کہ معبود برحق صرف اللہ تعالیٰ ہے اور عبادت اور بندگی خاص اسی کا حق ہے اور جس طرح تمام انبیاء کرام توحید کی دعوت دیتے چلے آئے کما قال تعالیٰ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ- وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ۔

اسی طرح عیسیٰ بن مریم بھی لوگوں کو توحید کی دعوت دیتے رہے معاذ اللہ انہوں نے کبھی یہ نہیں کہا کہ مجھ کو اور میری ماں کو خدا بناؤ چنانچہ فرماتے ہیں اور یاد کرو اُس دن کو کہ اللہ تعالیٰ تمام انبیاً کو جمع کرکے سوال کرے گا اور عیسے علیہ السّلام کو اپنے انعامات اور احسانات یاد دلائے گا اور اس کے بعد عیسیٰ علیہ السّلام سے کہے گا اے عیسےٰ مریم کے بیٹے جو ایک کنواری کے پیٹ سے پیدا ہوا اور اس کی گود میں پلا اور پرورش پائی اور جوان ہوا جس میں الوہیت کا امکان ہی نہیں کیا تونے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو خدا بنالو حالانکہ تم اور تمہاری ماں دونوں خدا تعالیٰ سے دون یعنی کمتر ہیں اور جو خدا سے کمتر ہو وہ خدا کا ہمسر نہیں ہوسکتا کیونکہ خدا سب سے اعلیٰ اور بالا اور برتر ہوتا ہے پس بتلاؤ کہ کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو معبود بنالو یا ان لوگوں نے خود اپنی طرف سے یہ عقیدہ تراش لیا ہے خطاب تو عیسیٰ علیہ السّلام کو ہوگا اور مورد عتاب نصاریٰ ہوں گے وہ اس قابل بھی نہیں کہ ان سے باز پرس کی جاسکے کیونکہ کسی مولود کو عقلاً اپنے معبود ہونے کا گمان ہو ہی نہیں سکتا. جو کسی کے پیٹ سے پیدا ہو وہ کیسے خدا ہوسکتا ہے عرب کے نصاریٰ حضرت مریم ؑ کو بھی خدا کہتے تھے اس لیے سوال میں حضرت مسیح ؑ کے ساتھ ان کی والدہ کا بھی ذکر کیا گیا۔

قیامت کے دن یہ سوال حضرت عیسیٰ علیہ السّلام سے محض ان کی امت کی سرزنش کے لیے

کیا جائے گا تاکہ عیسیٰ علیہ السّلام کے جواب سے وہ جھوٹے ٹھہریں اور ان پر اللہ کی حجت قائم ہو

عیسیٰ علیہ السّلام کی طرف سے جوابُ باصواب

بیان کیا جاتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ عیسےٰ علیہ السّلام سے سوال کریں گے ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ تو عیسی علیہ السّلام اس سوال پر کانپ اُٹھیں گے اور تمام بدن پر لرزہ طاری ہو جاتے گا جب سکون ہو جائے گا تو نہایت ادب سے عرض کریں گے اور کہیں گے سبحانک یعنی تو پاک ہے اور میں تیری پاکی بیان کرتا ہوں کہ تو شرک سے پاک اور منزہ ہے یہ ممکن ہی نہیں کہ ذات وصفات اور افعال میں کوئی تیرا شریک ہو سکے نیز میرے لیے یہ ممکن ہی نہیں کہ میں زبان سے ایسی بات کہوں جو میرے لیے کسی طرح زیبا نہیں یعنی تو تو شریک اور زن و فرزند سے پاک ہے اور میں تیرا عبد اور عابد ہوں معبود نہیں میں تیرا مربوب (پروردہ) ہوں رب نہیں اور پھر میں نبی ہو کر ایسی جھوٹی بات کیوں کہنے لگا جو نہ بحیثیت عبدیت مجھ کو سزاوار ہے اور نہ بحیثیت نبوت کے اس لیے کہ منصب نبوت ہدایت خلق کے لیے عطا کیا جاتا ہے نہ کہ بندوں کو گمراہ کرنے کے لیے اور شرک کی دعوت دینے کے لیے اگر بالفرض والتقدیر میں نے یہ بات کہی ہو گی تو تیرے علم میں ہو گی اس لیے کہ تو تو میرے باطن اور ضمیر کی بات کو خوب جانتا ہے اور میں تیرے جی کی بات کو بالکل نہیں جانتا اس لیے کہ بے شک تو ہی تمام پوشیدہ باتوں کا جاننے والا ہے پس جب میں اس قدر عاجز اور لاچار ہوں اور اس درجہ بے خبر ہوں کہ بغیر آپ کے بتلائے ہوئے کسی غیب کا مجھے علم نہیں ہو سکتا تو میں الوہیت کا دعویٰ کیسے کر سکتا ہوں اے خداوند عالم آپ نے لوگوں کی ہدایت کے لیے مجھے رسول بنا کر بھیجا میں نے اُن سے صرف وہی کہا تھا جس کا تو نے مجھ کو حکم دیا تھا وہ یہ کہ اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار ہے یہاں تک تو عیسےٰ علیہ السّلام نے اپنے متعلق عرض و معروض کی اب آئندہ آیت میں قوم کے متعلق عرض کرتے ہیں اور اے پروردگار عالم میں اُن کا نگران اور نگہبان تھا جب تک میں اُن میں رہا یعنی مجھے اُنکے صرف وہ حالات معلوم ہیں جو میرے سامنے پیش آئے پھر جب آپنے مجھے اپنے قبضہ میں لے لیا اور دنیا سے اٹھا لیا تو میری نگرانی ختم ہو گئی اور اُس وقت آپ ہی انپر نگران اور نگہبان تھے یعنی آسمان پر اٹھائے جانیکے بعد جو کچھ ہوا مجھے اسکی خبر نہیں اور اسی طرح نزول کے بعد جب میری وفات ہو گئی اس کے بعد کی مجھے خبر نہیں کہ کس طرح یہ لوگ گمراہ ہوتے اور ان کی گمراہی کا کیا سبب ہوا اور آپ ہی ہر چیز پر نگہبان ہیں مجھے معلوم نہیں کہ انہوں نے کس طرح مجھ کو اور میری ماں کو خدا بنا لیا یہ جو کچھ کیا سب میری تعلیم اور تلقین کے خلاف کیا آپ آئندہ اُن کی جزاء اور سزا کے متعلق عرض کرتے ہیں کہ اے پروردگار اگر تو ان

کو عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں تجھ پر کوئی اعتراض نہیں تو مالک مطلق ہے اور وہ مملوک مطلق ہیں اور مالک مطلق کو اپنی مِلک میں ہر قسم کے تصرف کا اختیار ہے نافرمان بندے کو سزا دینا نہ خلافِ انصاف ہے اور نہ قابل اعتراض مالک اپنی کسی مملوک چیز کو بلا وجہ بھی تنور میں ڈال دے تو کوئی اعتراض نہیں مطلب یہ ہے کہ اے پروردگار یہ تو مجرم بھی ہیں جنہوں نے مجھ کو اور میری ماں کو تیرے شریک گردانا ان کا سزا دینا تو کیا خلاف انصاف ہوتا۔ بالفرض والتقدیر اگر یہ لوگ شرک بھی نہ کرتے بلکہ عابد و زاہد ہوتے تب بھی تجھ کو عذاب دینے کا حق ہے اس لیے کہ یہ سب تیرے بندے اور مملوک ہیں اور تو مالک مطلق ہے تو اپنی مِلک میں جو چاہے تصرف کرے تجھ پر کوئی اعتراض نہیں اور اے پروردگار عالم اگر تو ان کو معاف کر دے گو وہ معافی اور بخشش کے مستحق نہیں تو تو بے شک زبردست اور حکمت والا ہے یعنی بڑے سے بڑے مجرم کو معاف کر سکتا ہے یعنی آپ کو قدرت ہے کہ اگر اپنے قہر و غلبہ اور کمال قدرت سے ان کو بخش دیں اور جنت میں داخل کر دیں تو کر سکتے ہیں اور آپ کا یہ فعل بھی حکمت سے خالی نہ ہوگا مطلب یہ ہے کہ آپ مختار مطلق اور مالک مطلق ہیں جو چاہیں کریں اگر سزا دیں تو عین عدل ہے اور اگر معاف فرما دیں تو محض فضل ہے تجھے نہ کوئی عدل سے روک سکتا ہے اور نہ فضل سے روک سکتا ہے تو عزیز ہے یعنی زبردست اور غالب ہے کوئی مجرم تیرے قبضۂ قدرت سے نکل نہیں سکتا اور تو حکیم ہے یعنی حکمت والا ہے تیرا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں تو تو اگر کسی مجرم کو معاف کرے گا تو وہ معافی بھی بے موقع اور خلاف حکمت نہ ہوگی۔

اس طرز کلام سے عیسٰے علیہ السلام کا مقصود یہ ہے کہ بار خدایا یہ لوگ کافر اور مشرک ہیں اور میں ان سے بالکل بری اور بیزار ہوں آپ مالک مطلق اور عزیز مطلق ہیں ان کے بارہ میں جو چاہیں حکم صادر فرمائیں مجھے ان لوگوں سے کوئی سروکار نہیں آپ ان مجرمین کے حق میں جو بھی فیصلہ فرمائیں گے وہ مالکانہ اور حاکمانہ اور قادرانہ اور حکیمانہ ہوگا میں اس فیصلہ میں کیا دم مار سکتا ہوں آپ مختار ہیں جو چاہیں کریں میری مجال کیا ہے کہ بارگاہ ربوبیت میں لب کشائی کر سکوں کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

کہ از ہرہ آنکہ از بیم تو ؛ کشاید زباں جز بہ تسلیم تو
زباں تازہ کردن باقرار تو ؛ نینگیختن علت از کار تو
بتہدید گر برکشد تیغ حکم ؛ بمانند کرّو بیاں صمّ و بکم
دگر دردھد یک صلائے کرم ؛ عزازیل گوید نصیبے برم

اس ناچیز نے ان آیات کی تفسیر میں جو کچھ لکھا ہے وہ سب امام فخر الدین رازیؒ کے کلام کی تشریح ہے حضرات اہل علم تفسیر کبیر ص ۴۸۶ ج ۳ کی مراجعت کریں

تنبیہ ناظرین کرام پر ہماری اس تفسیر اور تحریر سے یہ بات بخوبی واضح ہو گئی ہو گی کہ عیسٰے علیہ السلام کا مقصود اس کلام سے کفار کے حق میں شفاعت اور سفارش نہیں بلکہ مقصود تفویض و تسلیم ہے کہ آپ مختار ہیں جو چاہیں کریں اس وجہ سے عیسٰی علیہ السلام نے فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ نہیں فرمایا جو استدعاء رحم پر دلالت کرتا ہے بلکہ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ فرمایا جو کمال قہر و غلبہ پر دلالت کرتا ہے اس لیے کہ قیامت کے دن کافروں کے حق میں کوئی شفاعت اور سفارش نہیں ہو سکتی اور یہ ماجرا قیامت کے دن کا ہے اس لیے عیسٰے علیہ السلام نے غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ کا لفظ استعمال نہیں کیا جو کافروں کے شفاعت کے لیے موہم ہو بخلاف ابراہیم علیہ السلام کے کہ انہوں نے دار دنیا میں اپنے پروردگار سے یہ عرض کیا رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ (اے پروردگار ان بتوں نے بہت سے آدمیوں کو گمراہ کر دیا تو جو ان میں سے میرا تابع ہوا یعنی مجھ پر ایمان لایا تو وہ میرا آدمی ہے یعنی مسلمان ہے اور جس نے میری نافرمانی کی اور میری نبوت کو نہ مانا تو پھر تو غفور رحیم ہے) یعنی ابھی دنیا اور دار تکلیف میں ہے لہذا اگر تو اس کو اپنی رحمت سے توبہ کی توفیق دے کر اس کے گناہوں کو معاف کرے تو کر سکتا ہے۔

قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ؕ لَهُمْ

فرمایا اللہ نے یہ وہ دن ہے کہ کام آوے گا سچوں کو اُن کا سچ اُن کو

جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ

ہیں باغ جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں رہا کریں گے ان ہیں ہمیشہ

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۹﴾

اللہ راضی ہوا اُن سے اور وہ راضی ہوئے اس سے یہی ہے بڑی مراد ملنی

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ؕ وَهُوَ عَلٰى

اللہ کو سلطنت ہے آسمان کی اور زمین کی اور جو ان کے بیچ ہے اور وہ ہر

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۲۰﴾

چیز پر قادر ہے

نتیجۂ مخاطبات و محاسبات مذکورہ

قال اللہ تعالیٰ ھٰذَا یَوْمُ یَنْفَعُ الصّٰدِقِیْنَ صِدْقُھُمْ... الیٰ.... وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ

(ربط) گزشتہ آیات میں قیامت کے دن اعمال واحوال کی تفتیش اور محاسبہ کا ذکر تھا اب ان آیات میں اُس تفتیش اور محاسبہ کا نتیجہ ذکر کرتے ہیں کہ جب عیسٰی[1] علیہ السلام جواب سے فارغ ہو جائیں گے اور نصاریٰ کا ذہن سے اظہار تبری وبیزاری کے بعد جب ان کا معاملہ اور فیصلہ حق تعالیٰ کے ارادہ اور مشیت کے سپرد کر دیں گے تو اس وقت اللہ تعالیٰ یہ فرمائیں گے یہ وہ دن ہے کہ سچوں کو اُن کا سچ نفع دے گا سچوں سے مراد انبیاء کرام اور اُن کے متبعین ہیں یعنی جو لوگ دنیا میں عقائد اور اعمال کے اعتبار سے سچے تھے آج قیامت کے دن اُن کا صدق اُن کو نفع دیگا اور جن لوگوں نے دنیا میں خدا اور اس کے رسول پر جھوٹ بولا اور حضرت مسیحؑ اور اُن کی ماں کو خدا بتایا آج اُن کے لیے کوئی بہتری نہیں کیونکہ یہ لوگ سچے نہیں اور یہ دن سچوں کے نفع کا ہے اور صادقین کے نفع کی صورت یہ ہوگی کہ ان کے لیے باغات ہوں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہا کریں گے اللہ اُن سے راضی ہوا ان کے صدق کی وجہ سے اور وہ اللہ سے راضی ہوئے کہ اللہ نے میدان حشر میں سب کے سامنے اُن کا صدق ظاہر فرمایا اور سب کے سامنے اُن کو سر بلند کیا اور اُن کے دشمنوں کا جھوٹ ظاہر کر کے سب کے سامنے اُن کو ذلیل اور رسوا کیا یہی بڑی کامیابی ہے کہ عزت کے ساتھ دارِ کرامت میں داخل کر دیئے گئے اور ساتھ ساتھ خوشنودی کا پروانہ بھی عطا کر دیا گیا رضائے خداوندی سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ اَکْبَرُ اللہ ہی کے لیے ہے بادشاہت آسمانوں کی اور زمین کی اور جو ان کے درمیان میں ہے اس میں عیسٰی علیہ السلام اور اُن کی والدہ بھی آگئیں تو خدا کیسے بنائے گئے یہ جملہ پہلے جملہ یعنی ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ کی دلیل ہے اور مطلب یہ ہے کہ جو ذات آسمانوں اور زمین کی اور تمام اشیاء کی مالک ہے اسی کا راضی ہو جانا فوز عظیم ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے جس کو چاہے عذاب دے اور جس کو چاہے اپنی نعمتوں سے سرفراز فرمائے کامیابی کا اصل دار و مدار اس کی قدرت اور مشیت پر ہے کسی کے استحقاق کی بناء پر نہیں۔

نکتہ یہ اس سورت کی آخری آیتیں ہیں جن میں حق تعالیٰ نے اپنا مالک ارضین وسمٰوات وکائنات ومخلوقات ہونا بیان کیا ہے جس میں عیسٰی علیہ السلام

---

[1] دیکھو تفسیر ابن کثیر ص۱۲۲ ج ۲۔

اور اُنکی والدہ وغیرہ سب آگئے اس آیت سے اس کا مستحق عبادت ہونا بھی ثابت ہوا پس چونکہ اس سورت کے شروع میں ایفاء عقود وعہود کا حکم تھا اس لیے خاتمۂ سورت پر سب سے اہم اور مقدم عہد اور میثاق یعنی توحید فی العبادۃ کو ذکر فرمایا گویا کہ یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْآ اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ بمنزلہ متن کے تھا اور تمام سورت اُس کی شرح اور تفصیل تھی جس چیز سے سورت کا آغاز ہوا تھا اسی پر سورت کا اختتام ہوا اَللّٰھُمَّ اجعلنا من عبادك الفائزین المفلحین الراضین عندك والمرضیین عندك اٰمین یارب العالمین۔

لطائف ومعارف

(۱) یہ دونوں رکوع اس سورت کے آخری رکوع ہیں جو اہل کتاب یعنی یہود اور نصاریٰ کی تردید وتکذیب پر اور ذکر معاد اور حساب وکتاب اور جزاء وسزا کے بیان پر مشتمل ہیں اور ان دونوں باتوں کا تعلق اور ارتباط ماقبل کے مضامین سے بالکل واضح اور روشن ہے

(۲) حق جل شانہ نے ان آیات میں قیامت کا کچھ حال بیان کیا کہ اُس دن تمام انبیاء جمع ہوں گے اور اُن کی قوموں اور امتوں کو بھی حاضر کیا جائے گا اور قوموں اور امتوں کی زجر اور توبیخ کے لیے اُن کی موجودگی میں اُن کے سامنے انبیاء کرام سے پوچھا جائے گا کہ جب تم نے اپنی اپنی قوموں کو ہمارے احکام پہنچائے تھے تو انہوں نے تم کو کیا جواب دیا تھا تمہاری اطاعت کی یا تکذیب کی انبیاء کرام ابتداء میں نہایت ادب سے عرض کریں گے لَا عِلْمَ لَنَا اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ پھر اس کے بعد امتوں کے متعلق عرض کریں گے کہ یہ غلط کہتے ہیں ہم نے تیرے سب احکام پہنچا دیئے فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِیْنَ اُرْسِلَ اِلَیْھِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِیْنَ وقال تعالیٰ فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّھُمْ اَجْمَعِیْنَ عَمَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ فَكَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِیْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِیْدًا

(۳) پھر انبیاء کرام سے دریافت کرنے کے بعد عیسیٰ علیہ السلام کو بلائیں گے اور اول اُن کو اپنے انعامات واحسانات یاد دلائیں گے جس کا وہ دل وجان سے اعتراف اور اقرار کریں گے اور پھر تذکیر انعامات کے بعد اُن سے یہ سوالات ہوں گے ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ الخ اور یہ تمام ماجرا یعنی انبیاء کرام کو جمع کرنا اور عیسےٰ علیہ السلام کو بلا کر اولاً اپنے انعامات کو یاد دلانا اور پھر اُن سے یہ سوال کرنا کہ کیا تم نے کہا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو خدا بناؤ یہ سب قیامت کے دن ہوگا۔

جیسا کہ ابو موسیٰ اشعری کی حدیث مرفوع میں اس کی تصریح ہے[1]

(۴) اور اس تمام تذکرہ سے اصل مقصود نصاریٰ کی تردید ہے جو اُن کو خدا سمجھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ پر اپنے انعامات و احسانات کا ذکر فرمایا جس سے اُن کا بندہ اور محتاجِ خدا ہونا صاف ظاہر ہے اور اسی ضمن میں یہود کی بھی تردید ہو جاتی ہے۔ جو اُن کی نبوت و رسالت کے منکر ہیں ان آیات میں حق تعالیٰ نے یہود کو متنبہ کر دیا کہ عیسیٰ علیہ السّلام بھی موسیٰ علیہ السّلام کی طرح خدا کے رسول اور صاحب معجزات عظیمہ تھے۔

(۵) ان آیات میں حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے احیاءِ موتی اور ابراء اکمہ و ابرص کے معجزہ کا ذکر ہے جس کی تفصیل سورۃ آل عمران میں گذر چکی۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے سرسید علی گڑھی کی تقلید میں ان معجزات کا انکار کیا اور اس پر اضافہ یہ کیا کہ ایسا عقیدہ رکھنا شرک ہے اور عیسائیوں کی طرح عیسیٰ علیہ السّلام کو خدا ماننا ہے پس مرزائے قادیان خدا تعالیٰ کی ان آیات کا منکر ہے اور خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں جو حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے معجزات ذکر کیے ہیں۔ مرزائے قادیان اُن کو شرک کی تعلیم قرار دیتا ہے قادیان کے اس نادان کو خبر نہیں کہ معجزات سے کسی کی خدائی ثابت نہیں ہوتی بلکہ معجزات نبوت و رسالت کی دلیل ہوتے ہیں اُن سے نبوت و رسالت ثابت ہوتی ہے قرآن کریم میں حضرت مسیحؑ کے معجزات کے ذکر کرنے سے یہود کا رد مقصود ہے جو حضرت عیسیٰؑ کی نبوت و رسالت کے منکر تھے مرزائے قادیان کہتا ہے کہ وہ احیاءِ موتیٰ نہ تھا بلکہ قریب الموت مردہ کو مسمریزم کے عمل سے چند منٹ کے لیے

---

[1] حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ ان آیات میں عیسیٰ علیہ السّلام کے ساتھ جس قدر بھی مخاطبات خداوندی کا ذکر ہے وہ سب قیامت کے دن ہوں گی اور اس بارہ میں ایک صریح حدیث مرفوع بھی آئی ہے وھو ھذا۔ رواہ الحافظ ابن عساکر فی ترجمۃ ابی عبد اللہ مولیٰ عمر بن عبد العزیز وکان ثقۃ قال سمعت ابا بردۃ یحدث عمر بن عبد العزیز عن ابیہ ابی موسیٰ الاشعری قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اذا کان یوم القیامۃ یدعی بالانبیاء واممھم ثم یدعی بعیسی فیذکرہ اللہ نعمتہ علیہ فیقربھا فیقول یا عیسی ابن مریم اذکر نعمتی علیک وعلیٰ والدتک الایۃ۔ ثم یقول ءانت قلت للناس اتخذونی وامی الٰھین من دون اللہ فینکر ان یکون قال ذٰلک قال فیؤتی بالنصاری فیسئلون فیقولون نعم ھو امرنا بذٰلک قال فیطول شعر عیسی علیہ السّلام فیأخذ کل ملک من الملائکۃ بشعرۃ من شعر رأسہ وجسدہ فیجاثیھم بین یدی اللہ عزوجل مقدار الف عام حتی ترفع علیھم الحجۃ ویرفع لھم الصلیب وینطلق بھم الی النّار تفسیر ابن کثیر ص ۱۲۰ ج ۲ اور دیکھو تفسیر درمنثور للسیوطی ص ۳۴۵ ج ۲ اہل علم کیلئے ہم نے اصل حدیث کو بلفظہ نقل کر دیا ہے۔

حرکت دے دیتے تھے اور اگر یہ عاجز (یعنی مرزا) عمل مسمریزم کو مکروہ اور قابل نفرت نہ سمجھتا تو امید قوی رکھتا کہ ان اعجوبہ نمائیوں میں حضرت ابن مریمؑ سے کم نہ رہتا۔ (ازالۃ الاوہام)

كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا

چہ نسبت خاک را با عالم پاک ❊ کجا عیسیٰ کجا دجّالِ ناپاک

(۶) ان آیات میں حق جل شانہٗ نے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام پر جن انعامات کا ذکر فرمایا ان میں کا ایک انعام یہ ہے وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ اے عیسےٰ تم اس وقت کو یاد کرو جب کہ ہم نے بنی اسرائیل کو یعنی یہود کو تمہارے قریب آنے سے بھی باز رکھا اور ان کی دست درازی سے تمہاری حفاظت کی دشمن تمہیں قتل تو کیا کر سکتے انہیں تو اتنی بھی قدرت نہ ہوئی کہ تمہارے قریب ہی آسکیں اور تمہیں پکڑ سکیں۔

اس آیت میں ان لوگوں کا صریح رد ہے۔ جو یہود کی طرح حضرت عیسےٰؑ کو مقتول اور مصلوب مانتے ہیں جیساکہ مسیلمۂ پنجاب مرزا غلام احمد قادیانی اور اُس کے اَذناب یہ کہتے ہیں کہ یہود نے عیسیٰ علیہ السّلام کو سولی دی مگر وہ اس سولی سے مرے نہیں بلکہ بے ہوش ہوگئے اس لیے یہود نے ان کو مردہ سمجھ کر قبر میں دفن کر دیا مگر چونکہ وہ مرے نہ تھے اور صرف بے ہوش ہو گئے تھے اس لیے قبر سے زندہ نکل آئے اور چھپ کر ملک شام سے کشمیر پہنچ گئے اور وہاں جاکر اپنے زخموں کا علاج کرایا اور اچھے ہوگئے اور زندگی پوری کر کے اپنی موت سے مرے اور کشمیر کے شہر سری نگر محلہ خان یار میں دفن ہوئے یہ سب ہذیان ہے اور یہود سے بڑھ کر حضرت مسیح پر بہتان ہے کیونکہ یہود جو قتل اور صلیب کے مدعی ہیں اس کا بظاہر کچھ نہ کچھ منشا تو بیان کرتے ہیں اور مسیلمۂ قادیان کے پاس تو سوائے جھوٹ اور بہتان کے کوئی دلیل نہیں شاید اس زمانہ میں کشمیر بیت المقدس سے زیادہ مقدس اور متبرک ہوگا جس کو عیسیٰ علیہ السلام نے ہجرت کے لیے اختیار فرمایا اور غالباً فن طب کا مرکز ہوگا اور مایوس العلاج مریضوں کی امیدگاہ ہوگا جہاں عیسیٰ علیہ السّلام اپنے زخموں کا علاج کرانے پاپیادہ سفر کر کے پہنچے حضرت عیسےٰؑ اگرچہ مسیحا تھے مگر اپنے زخموں کے علاج کیلئے کشمیر کی طرف ہجرت فرمائی۔

خوب سمجھ لو کہ اس آیت میں اس خیال باطل کی صریح تردید موجود ہے اس آیت کا سیاق اور مدلول یہ ہے کہ جب یہود نے حضرت مسیحؑ کے قتل کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کی پوری حفاظت فرمائی اور اُن کو یہود کی دست درازی اور اُن کے شر سے بالکلیہ محفوظ رکھا کف کے معنی عربی زبان میں باز گردانیدن یعنی روکنے کے ہیں جیساکہ سورۃ فتح میں ہے وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ۔ هُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ اس قسم کے تمام مواضع میں کَفِّ ایدی سے لڑائی سے ہاتھوں کا روکنا مراد ہے اور اسی سورۃ مائدہ میں یہ آیت گذر چکی ہے يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا

نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ یہ آیت یہود بنی نضیر کے بارہ میں نازل ہوئی جب انہوں نے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو ہلاک کرنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے بنی نضیر کے ہاتھوں کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تک پہنچنے سے روک دیا یعنی آپ کی حفاظت فرمائی اور بنی نضیر کو اپنے ارادوں میں ناکام فرمایا یہ مطلب ہے اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ کا ٹھیک اسی طرح یہود نے حضرت مسیح کے قتل وصلب کا ارادہ کیا مگر اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل یعنی یہود کے ہاتھوں کو حضرت مسیح تک پہنچنے سے روک لیا اور عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر اٹھا لیا اور دشمنوں کے ناپاک ہاتھوں کو مسیح بن مریمؑ تک پہنچنے ہی سے روک دیا۔

پس اگر بقول مرزائے قادیان اس امر کو تسلیم کر لیا جائے کہ یہودیوں نے حضرت مسیحؑ کو صلیب پر چڑھا دیا تو پھر خدا تعالیٰ نے اُن کی کیا حفاظت کی یہود کی قدرت اور امکان میں جو تھا وہ سب کچھ کر گزرے اپنے خیال میں اُن کو سولی پر چڑھا دیا اور مار بھی ڈالا اور اپنے خیال میں مار کر قبر میں دفن بھی کر دیا اُن کی قدرت میں جو تھا وہ سب کچھ کر گزرے تو خدا نے اُن کی کیا حفاظت کی اور خدا نے بنی اسرائیل کو کس کام سے روکا جن کا اس آیت میں ذکر ہے۔

پھر یہ کہ خدا تعالیٰ نے جب صریح طور پر یہودیوں اور عیسائیوں کے عقیدۂ قتل وصلب کی ان واضح الفاظ میں تردید کر دی وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ، (انہوں نے مسیح کو نہ مارا اور نہ سولی پر چڑھایا) تو اب اس خیال باطل کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہی۔

نکتہ لفظ کَفَّ جس کے معنی روکنے اور باز رکھنے کے ہیں اس کا استعمال اُس موقع پر ہوتا ہے جہاں آپس میں دونوں کا اجتماع ہی نہ ہوا ہو اور ایک دوسرے سے بالکل الگ رہا ہو كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ کا مطلب یہ ہوگا کہ میں نے بنی اسرائیل کو مسیح بن مریمؑ تک پہنچنے ہی سے روک دیا اور ایک دوسرے سے مل ہی نہیں سکے پس قتل اور صلب کی خود بخود نفی ہو گئی

(۷) آیت فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ اس آیت میں مرزائے قادیان نے وفات مسیح پر استدلال کیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام مر چکے ہیں

جواب یہ استدلال بالکل غلط ہے ہم سورۂ آل عمران میں آیت اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ کی تفسیر میں یہ ثابت کر چکے ہیں کہ توفی کے اصلی اور حقیقی معنی پورا پورا لینے کے ہیں اور اگر بالفرض یہ تسلیم کر لیا جائے کہ اس آیت میں توفی سے موت کے معنی مراد ہیں تب بھی مرزا قادیان کا مدعا یعنی وفات قبل النزول ثابت نہ ہوگی اس لیے کہ دلائل اور شواہد اور آیت کے سیاق وسباق اور حدیث مرفوع سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ یہ واقعہ قیامت کے دن کا ہے اور نزول من السماء کے بعد قیامت سے پہلے ہم بھی وفات مسیح کے قائل ہیں اور مرزا صاحب نے اپنی متعدد تصانیف میں اس کا اقرار کیا ہے کہ یہ سوال وجواب قیامت کے دن ہوگا چنانچہ لکھتے ہیں اور یاد رکھو کہ

اب عیسیٰ تو ہرگز نازل نہیں ہوگا کیونکہ جو اقرار اُس نے آیت فلما توفیتنی کی رو قیامت کے دن کرنا ہے۔ اھ کشتی نوح ص ۶۹۔

نیز مرزا صاحب حقیقۃ الوحی ص ۳۰ میں لکھتے ہیں۔

فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ الآیۃ اس جگہ اگر توفی کے معنی مع جسم عنصری آسمان پر اٹھانا تجویز کیا جائے تو یہ معنی بدیہی البطلان ہیں کیونکہ قرآن کریم کی انہی آیات سے ظاہر ہے کہ یہ سوال حضرت عیسیٰؑ سے قیامت کے دن ہوگا علاوہ ازیں قیامت کے دن اُن کا یہ جواب ہوگا الخ اھ دیکھو حقیقۃ الوحی ص ۳۰

اور ضمیمہ حقیقۃ الوحی ص ۴۳ میں اس طرح ہے۔

فان عیسٰے یجیب بھذا الجواب یوم الحساب اعنی یقول فلما توفیتنی فی یوم یبعث الخلق ویحضرون کما تقرؤن فی القرآن ایھا العاقلون اھ ضمیمہ حقیقۃ الوحی ص ۴۳۔	یعنی عیسٰے علیہ السّلام یہ جواب قیامت کے دن دیں گے یعنی فلما توفیتنی قیامت کے دن کہیں گے جس دن مخلوق قبروں سے نکل کر میدان حشر میں حاضر ہوگی جیسا کہ تم قرآن میں پڑھتے ہو اے عقل مندو۔

مرزا صاحب کی ان عبارات سے صاف ظاہر ہے کہ یہ سوال وجواب قیامت کے دن پیش آئیں گے اور نزول کے بعد اور قیامت سے پہلے تمام اہل اسلام اس بات کے قائل ہیں کہ عیسیٰ علیہ السّلام نزول من السماء کے بعد ایک عرصہ دراز تک زندہ رہیں گے اور مدینہ منورہ میں وفات پائیں گے اور روضۂ اقدس میں حضور پُر نور صلے اللہ علیہ وسلم کے قریب مدفون ہوں گے۔

(۸) **ایک شبہ** مرزا صاحب کہتے ہیں کہ توفی کے معنی سوائے مارنے یا موت دینے کے صحیح نہیں ہوسکتے اس لیے کہ صحیح بخاری کی ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ میں قیامت کے دن اسی طرح کہوں گا جس طرح عیسیٰ بن مریمؑ نے کہا فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ اس حدیث میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے فلما توفیتنی کا لفظ استعمال فرمایا اور ظاہر ہے کہ آنحضرت کی توفی یقیناً موت سے واقع ہوئی ہے پس معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی توفی بھی ضرور موت کے ذریعہ واقع ہوگی دیکھو ازالۃ الاوہام ص ۹۱ مصنفہ مرزا غلام۔

ازالہ اس قسم کی تشبیہات سے یہ نکالنا اور سمجھنا کہ حضور پُر نورؐ اور حضرت عیسیٰؑ کی توفی بالکل یکساں اور ہمرنگ ہے کم عقلی اور عربی زبان سے ناواقفی کی دلیل ہے بخاری شریف کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

(۱) فاقول کما قال العبد الصالح وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ

كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ (بخاری شریف ص۶۹۳)
(میں قیامت کے دن اسی طرح کہوں گا جس طرح خدا کے نیک بندہ عیسیٰ علیہ السلام نے کہا الخ)
حضور پُرنورؐ نے اس حدیث میں اپنے ایک قول کو حضرت عیسیٰؑ کے ایک قول کے ساتھ تشبیہ دی ہے اپنی توفی کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توفی کے ساتھ تشبیہ نہیں دی تاکہ یہ لازم آئے کہ دونوں کی توفی ایک قسم کی تھی۔

(۲) حدیث میں ہے کہ مشرکین مکہ ایک درخت پر ہتھیار لٹکایا کرتے تھے اور اس درخت کا نام ذات انواط تھا صحابہ نے ایک مرتبہ عرض کیا یارسول اللہ ہمارے لیے بھی ایک ذات انواط مقرر کر دیجیے جیسا کہ اُن کے یہاں ہے اس پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

ھذا کما قال قوم موسٰی اِجْعَلْ لَنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ یعنی تمہاری یہ درخواست تو ایسی ہے جیسے قوم موسٰی نے بتوں کو دیکھ کر یہ درخواست کی تھی کہ اے موسٰی ہمارے لیے بھی ایک خدا تجویز کر دیجیے جیسے ان بت پرستوں کے لیے خدا ہیں کیا اس تشبیہ سے کسی مسلمان کو ادنی درجہ کا بھی یہ وہم وگمان ہو سکتا ہے کہ معاذ اللہ صحابہ کرام نے بھی بنی اسرائیل کی طرح بت پرستی کی درخواست کی تھی حاشا وکلا ومعاذ اللہ یہ تشبیہ محض قول میں تھی کہ جس طرح بنی اسرائیل نے بت پرستوں کو دیکھ کر یہ کہا تھا اجعل لنا الٰھا کما لھم الٰھۃ اسی طرح تم نے مشرکین کے درخت کو دیکھ کر یہ کہا اجعل لنا ذات انواط

(۳) قرآن کریم میں ہے كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ۔ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ یعنی جس طرح ہم نے تم کو پہلی بار پیدا کیا اسی طرح تم کو دوبارہ پیدا کریں گے پہلی مرتبہ اللہ تعالیٰ نے ماں باپ کے ذریعہ پیدا کیا تو کیا قیامت کے دن دوبارہ پیدائش بھی اسی طرح ماں باپ کے ذریعہ ہوگی کہا جاتا ہے کہ زید مثل عمیر کے ہے اور جس طرح وہ میرا بھائی ہے اسی طرح میں اس کا بھائی ہوں کیا ان تشبیہات سے کوئی ادنیٰ عقل والا یہ سمجھ سکتا ہے کہ دونوں بھائیوں کی ولادت اور وفات یکساں اور ہمرنگ ہے تشبیہ میں ادنیٰ مماثلت کافی ہوتی ہے پوری مطابقت اور مساوات ضروری نہیں خود مرزا صاحب ازالۃ الاوہام کے حاشیہ میں لکھتے ہیں۔

تشبیہات میں پوری تطبیق کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ بسا اوقات ایک ادنی مماثلت کی وجہ سے بلکہ ایک جزء میں مشارکت کے باعث ایک چیز کا نام دوسری چیز پر اطلاق کر دیتے ہیں دیکھو ازالۃ الاوہام ص۶۲ طبع اول۔

اسی طرح حدیث میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا مقصود اس تشبیہ سے یہ ہے کہ جس طرح عیسٰے علیہ السلام رفع جسمانی کی بناء پر اپنی قوم سے جدا ہو گئے اور اُن کی قوم نے اُن کی عدم موجودگی میں جو گمراہی پھیلائی وہ اس سے بالکل بری ہیں اسی طرح حضور پر نورؐ بھی اپنی وفات کے بعد لوگوں سے جُدا

ہو گئے اور آپ کو معلوم نہیں کہ لوگوں نے آپکی عدم موجودگی میں کیا کیا آپ اس سے بری اور بے تعلق ہیں

الحمد للہ آج بروز چہار شنبہ بوقت ساڑھے چار بجے ۱۶ ذی الحجۃ الحرام ۱۳۸۳ھ کو سورۃ مائدہ کی تفسیر سے فراغت حاصل ہوئی۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الذی بنعمتہ تتم الصالحات ولہ الحمد اولا وآخرا سبحان ربک رب العزت عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد للہ رب العالمین وصلے اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ اجمعین وعلینا معھم یا ارحم الراحمین

آیاتہا ۱۶۵ — ۶ : سُوْرَۃُ الْاَنْعَامِ مَکِّیَّۃٌ : ۵۵ — رکوعاتہا ۲۰

سورۂ انعام مکی ہے اور اسمیں ایک سو پینسٹھ آیات اور بیس رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ

سب تعریف اللہ کو جس نے بنائے آسمان و زمین اور ٹھہرائیں

الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ۬ ثُمَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِرَبِّہِمْ یَعْدِلُوْنَ ﴿۱﴾

اندھیریاں اور اجالا پھر یہ منکر اپنے رب کے ساتھ کسی کو برابر کرتے ہیں۔

سُوْرَۃُ الْاَنْعَام

یہ سورت مکی ہے ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ میں نازل ہوئی سوائے چھ آیتوں کے کہ وہ ہجرت کے بعد مدینہ میں نازل ہوئیں وہ یہ ہیں وَمَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ تا آخر سہ آیات اور قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّکُمْ عَلَیْکُمْ اَنْ لَّا تُشْرِکُوْا بِہٖ شَیْئًا تا آخر سہ آیات۔ روایات میں ہے کہ یہ پوری سورت ایک ہی دفعہ رات کے وقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی اور حضور پُر نور صلے اللہ علیہ وسلم نے کاتب وحی کو بلا کر اُسی وقت پوری سورت لکھا دی مگر حافظ ابن صلاح ؒ نے اپنے

فتاویٰ میں ان روایات کی صحت سے انکار کیا ہے جو پوری سورت کے دفعۃً نازل ہونے پر دلالت کرتی ہیں (دیکھو روح المعانی ص ۶۶ ج ۷) لیکن روایات کثیرہ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ پوری سورت دفعۃً نازل ہوئی اور اسی کو امام رازیؒ اور جمہور مفسرین نے اختیار کیا ہے اور احادیث میں یہ بھی آیا ہے کہ جب یہ سورت نازل ہوئی تو ستر ہزار فرشتوں نے اس کی مشایعت کی۔

حق تعالیٰ نے اس سورت میں توحید اور رسالت اور معاد اور قیامت کے دلائل قاہرہ بیان فرمائے ہیں اور مشرکین اور ملحدین اور مبتدعین کے مذہب کا پورا ابطال کیا ہے (تفسیر کبیر ص ۲ ج ۴)

فرقۂ دھریہ (جو لوگ سرے ہی سے خدا تعالیٰ کے وجود کے منکر ہیں) اُن کے مقابلہ میں آثارِ قدرت وعظمت کو ذکر کرکے وجود صانع کو ثابت کیا اور مشرکین عرب جو بت پرستی میں بتلا تھے اور مرکر دوبارہ زندہ ہونے کے منکر تھے اُن کے مقابلہ میں خدا تعالیٰ کی صفات قاہرہ کو بیان کیا اور یہ بتلایا کہ تمام عالم اس کے قبضۂ قدرت اور قبضۂ تصرف میں ہے اور وہ اس کے وجود اور عدم کا مالک ہے جس طرح اس نے اس عالم کو ابتدائً پیدا فرمایا اسی طرح وہ دوبارہ اس کے پیدا کرنے پر قادر ہے اسی طرح سے توحید اور حشر ونشر کو ثابت کیا کہ جس خدا تعالیٰ نے تم کو پہلی مرتبہ حیات بخشی وہی خدا دوبارہ بھی تم کو زندہ کرنے پر قادر ہے۔

امام قرطبیؒ نے لکھا ہے کہ یہ سورت اصولِ دین کا ماخذ ہے علماء نے عقائد کے مسائل اکثر اسی سورت سے مرتب کیے ہیں امام ابو اسحاق اسفرائینیؒ فرماتے ہیں کہ یہ سورت توحید کے اصول اور قواعد پر مشتمل ہے اور چونکہ گذشتہ سورت کا اختتام الوہیت مسیحؑ کے ابطال اور نصاریٰ کی توبیخ پر ہوا تو اس سورت کا افتتاح اور آغاز اثبات توحید سے ہوا اور درمیان میں اثبات رسالت اور حشر ونشر اور جنت وجہنم کے دلائل بیان فرمائے اور حسب عادت کریمہ درمیان میں انبیاء کرام کے قصے ذکر کیے مثلاً حضرت ابراہیمؑ کا قصہ بیان فرمایا پھر اخیر سورت میں شرک اور رسوم جاہلیت کا ابطال فرمایا اور اس کے مقابلہ میں بعض مکارم اخلاق کو بیان فرمایا اور چونکہ اس سورت میں انعام (جانوروں) کے متعلق مشرکین کی جہالتوں اور رسموں کا بیان ہے اس لیے اس سورت کا نام سورۃ الانعام ہے۔

یا یوں کہو کہ سورۂ مائدہ کا زیادہ حصہ اہل کتاب کے محاجہ میں تھا اور اس سورت یعنی سورۂ انعام کا اکثر حصہ مشرکین اور ملحدین کے محاجہ میں ہے جو توحید اور رسالت اور قیامت کے منکر تھے اس لیے اس سورت میں زیادہ تر توحید اور عدل اور نبوت ورسالت اور مبداء ومعاد اور قیامت کے دلائل بیان کیے گئے اور چونکہ یہ ساری سورت ایک ہی دفعہ نازل ہوئی اور ستر ہزار فرشتوں نے اس کی مشایعت کی اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ علم اصولِ دین کی شان سب سے بلند ہے اور سب سے پہلے بندہ پر اصول دین کا جاننا اور سیکھنا ضروری ہے (تفسیر کبیر ص ۲ ج ۴)

⁂ ⁂ ⁂

تمہید برخالقیت و اثبات وحدانیت و ابطال مجوسیت

قال تعالیٰ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ

(ربط) یہ سورت چونکہ اصولِ دین کے بیان پر مشتمل ہے اس لیے حق تعالیٰ نے تمہید اور توحید سے اس سورت کا آغاز فرمایا اور آسمان اور زمین اور نور اور ظلمت کے لیے اپنا خالق ہونا بیان کیا تاکہ توحید ثابت ہو اور مشرکین اور مجوس کا رد فرمایا جو یہ کہتے ہیں کہ دنیا کے دو خالق ہیں ایک یزدان جو خیر کا خالق ہے یعنی نور اور روشنی کا پیدا کرنے والا ہے اور دوسرا اہرمن جو شرّ کا خالق ہے یعنی ظلمت اور تاریکی کا پیدا کرنے والا ہے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ بتلا دیا کہ ہر ظلمت اور ہر نور کا اور ہر اندھیرے اور اجالے کا پیدا کرنے والا وہی ہے مطلب یہ ہے کہ علویات ہوں یا سفلیات نور ہو یا ظلمت لیل ہو یا نہار موت ہو یا حیات سب کا خالق وہی ہے غرض یہ کہ عالم کی تمام کائنات اور تمام اضداد اور متقابلات سب اُس کے قبضہ تصرف میں ہیں کوئی اس کا شریک اور سہیم نہیں اس کی قدرت کاملہ ضدین (بلندی اور پستی روشنی اور تاریکی) کو محیط ہے کوئی ضد اس کے احاطۂ قدرت سے خارج نہیں آسمان و زمین کی پیدائش سے وجود باری کو ثابت کیا اور منکرین خدا کا رد کیا کہ یہ کون و مکان اور زمین و آسمان کی یہ وسیع عمارت خود بخود بن کر نہیں کھڑی ہو گئی بغیر بانی کے بناء کا وجود اور بغیر صانع کے صنعت کا ظہور عقلاً محال ہے اور نور اور ظلمت کی پیدائش سے مجوس کا رد کیا کہ جو نور اور ظلمت کو مدبر عالم سمجھتے ہیں اور ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ سے مشرکین عرب کا رد کیا جو غیر اللہ کی عبادت اور پرستش کرتے ہیں۔

بعدازاں اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں اپنی حکومت زمین و آسمان میں بیان کی اور پھر اپنا عالم الغیب ہونا بیان کیا پھر ان عجائب قدرت کو بیان کر کے کافروں کے اعراض اور انکار اور تکذیب کا نتیجہ بیان کیا تاکہ مشرکین عرب کو اس سے عبرت ہو جو شخص آسمان اور زمین کی پیدائش میں غور کرے گا تو ضرور سمجھ جائے گا کہ کوئی ان کا صانع ضرور ہے اتنا بڑا مکان اور اتنی وسیع عمارت بغیر کسی بنانے والے کے خود بخود نہیں بن گئی اور جو شخص اپنی پیدائش میں غور کرے گا تو اس پر خدا تعالیٰ کا حشر و نشر پر قادر ہونا واضح ہو جائے گا کہ جس خدا نے ہم کو پہلی بار مٹی سے پیدا کیا تو کیا وہ پھر دوبارہ ہم کو زندہ نہیں کر سکتا چنانچہ فرماتے ہیں کہ سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو جو اعیان اور جواہر میں سے ہیں اور جس نے ٹھہرائیں اندھیریاں اور اجالا جو اعراض میں سے ہیں یعنی قابل تعریف وہ ہے کہ جو جواہر (آسمان و زمین) اور اعراض (تاریکی اور روشنی) کا پیدا کرنے والا ہے خواہ تم اس کی تعریف کرو یا نہ کرو پھر تعجب کی بات یہ ہے

کہ خدا کی اس عظیم قدرت اور عجیب وغریب صنعت کے مشاہدہ کے بعد بھی یہ منکر اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو برابر قرار دیتے ہیں یعنی اسکی ساتھ اپنے بتوں کو شریک گردانتے ہیں جو محض عاجز اور درماندہ ہیں نضر بن شمیل کہتے ہیں کہ بِرَبِّہِم کی با بمعنی عَنْ ہے اور یعدلون بمعنی ینحرفون ہے اور مطلب یہ ہے کہ خدا وہ ہے کہ جس نے بلندی اور پستی اور تاریکی اور روشنی کو پیدا کیا اور وہی مستحق تعریف ہے مگر یہ کافر اس سے انحراف کرتے ہیں یعنی اس سے پھرے ہوئے ہیں اور اس کی عظمت و وحدانیت کے قائل نہیں ہوتے آیت میں نور سے راہ حق کی طرف اشارہ ہے اور ظلمت سے غلط راہ کی طرف اشارہ ہے۔

فائدہ امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ کلمۃ الحمد للہ پانچ سورتوں کے شروع میں مذکور ہے اوّل سورۂ فاتحہ، دوم اس سورت کے شروع میں اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ سوم سورۂ کہف کے شروع میں اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِہِ الْکِتٰبَ چہارم سورۂ سبا کے شروع میں اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ پنجم سورۂ فاطر اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

نکتہ اس میں یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ کے شروع میں تحمید عام کا ذکر تھا اور اس کے بعد چار سورتوں میں تحمید خاص کا ذکر ہے جو اسی تحمید عام کا ایک فرد یا جزئی ہے اس لیے کہ الحمد للہ رب العالمین میں تمام عالمین کی ربوبیت کا ذکر ہے اور عالم سے مراد جمیع ماسوی اللہ ہے جس میں ہر موجود داخل ہے اور آسمان وزمین کا پیدا کرنا اور بندوں کے تربیت کے لیے آسمان سے کتاب نازل کرنا وغیرہ وغیرہ یہ سب اسی تحمید عام کے تحت میں مندرج ہیں (تفسیر کبیر صفحہ ۴/۲)

دلیل دیگر بر وجود صانع

قال تعالیٰ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ ... الیٰ .... ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ

(ربط) یہ اثبات صانع کی دوسری دلیل ہے چنانچہ فرماتے ہیں خدا وہی ہے جس نے تم کو بواسطہ آدم علیہ السّلام کے مٹی سے پیدا کیا جس سے پستی میں بڑھ کر کوئی چیز نہیں پھر ہر ایک کی حیات اور

زندگی کے لیے ایک وقت مقرر کر دیا جس میں نہ کمی ہو سکتی ہے اور نہ زیادتی اور سارے عالم کی دوبارہ زندہ ہونے کی جو مدت مقرر فرمائی وہ اُسی کے نزدیک ہے یعنی اُس کو معلوم ہے اس کے سوا کسی کو اس مدّت کا علم نہیں یعنی ہر شخص کی مدت کا علیحدہ علیحدہ وقت مقرر ہے اور ایک وقت سارے عالم کی فنا کا مقرر ہے جس کا علم اللہ ہی کو ہے پھر بھی تم اللہ اور قیامت کے بارہ میں شک کرتے ہو یعنی خود تمہارا اپنا ہی وجود وجودِ صانع کیلئے بھی دلیل ہے اور ثبوتِ قیامت کی بھی دلیل ہے مگر تعجب ہے کہ تم ایسے قوی اور محکم دلائل کے ہوتے ہوئے بھی وجود باری اور ثبوت قیامت میں شک کرتے ہو کیا انسان مٹی سے اور نطفہ سے خود بخود بن گیا بلاشبہ یہ کسی قدیر و حکیم کی کاریگری ہے اس سے وجود صانع ثابت ہوا اور جس خدا نے انسان کو پہلی مرتبہ پیدا کیا وہ دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہوا اس سے حشر و نشر اور قیامت کا اثبات ہوا۔

وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ ۖ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ

اور وہی ہے اللہ آسمان اور زمین میں جانتا ہے تمہارا چھپا

وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ③

اور کھلا اور جانتا ہے جو کماتے ہو تم

اثباتِ علمِ باری تعالیٰ

قال تعالیٰ وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ ... الٰی ..... وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ۔

(ربط) گذشتہ آیت میں صانع مختار کے وجود پر دلیل قائم کی اب اس آیت میں اس کے علم محیط پر دلیل قائم کرتے ہیں کہ جس طرح صانع عالم کی قدرت تمام کائنات کو محیط ہے اسی طرح اُس کا علم بھی تمام کائنات کو محیط ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور وہی ایک معبود برحق ہے آسمانوں میں اور زمین میں اسکے سوا کوئی معبود نہیں وہ تمہارے چھپے اور کھلے کو جانتا ہے خواہ تم کوئی فعل کھلے کرو یا چھپا کر کرو اس کو سب معلوم ہے اور خوب جانتا ہے جو تم عمل کرتے ہو تمہارے عمل کے مطابق تم کو جزاء اور سزا دے گا۔

وَمَا تَأْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا

اور نہیں پہنچتی ان کو کوئی نشانی ان کے رب کی نشانیوں میں سے مگر کرتے ہیں

عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ④ فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا
اس سے تغافل سو جھٹلا چکے حق بات کو جب
جَآءَهُمْ ۭ فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰۗؤُا مَا كَانُوْا
اُن تک پہنچی اب آگے آوے گی اُن پر حقیقت اس بات کی
بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑤ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ
جس پر ہنستے تھے کیا دیکھتے نہیں کتنی ہلاک کیں ہم نے پہلے ان سے
مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ
سنگتیں ان کو جمایا تھا ہم نے ملک میں جتنا تم کو نہیں جمایا
وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا ۠ وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ
اور چھوڑ دیا ہم نے ان پر آسمان برساتا اور بنا دیں نہریں بہتی ان
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا
کے نیچے پھر ہلاک کیا اُن کو اُن کے گناہوں پر اور کھڑی کی
مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ⑥
ان کے پیچھے اور سنگت

وَعید وتہدید بر اعراض وتکذیب

قال تعالیٰ وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ ..... الٰے ..... قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ۔

(ربط) گذشتہ آیات میں دلائل توحید کا بیان تھا اب ان آیات میں آیات الٰہیہ سے اعراض اور تکذیب پر وعید اور تہدید کا ذکر ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور ان کفار مکہ کے پاس کوئی نشانی اُن کے پروردگار کی نشانیوں میں سے نہیں پہنچتی مگر اس سے منہ پھیرنے والے اور تغافل برتنے والے بن جاتے ہیں جو معجزہ بھی دیکھتے ہیں تو اس سے منہ پھیر لیتے ہیں اور جادو کہہ کر ٹلا دیتے

ہیں پس ثابت ہوا کہ یہ لوگ بہت ہی بدخو ہیں پس تحقیق جھٹلایا انہوں نے حق کو جب وہ ان کے پاس آگیا اور پہنچ گیا حق سے مراد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہے یا قرآن کی آیتیں یا معجزات ہیں پس عنقریب ان کے سامنے اُن چیزوں کی حقیقت آجائے گی جن کی یہ ہنسی اڑاتے تھے یعنی ان کو اپنے استہزاء کا مزہ معلوم ہوجائے گا کیا اہل مکہ نے یہ نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی امتوں کو ہلاک کیا اور ان کے استہزاء کا مزہ اُن کو چکھایا جن کو ہم نے دنیا میں وہ جسمانی اور مالی قوت اور استقرار اور تمکن عطا کیا تھا جو تم کو نہیں دیا بڑے قدآور اور تنآور تھے ان کی عمریں تم سے دراز تھیں اور اُن کی روزی بھی بہ نسبت تمہارے بہت فراخ تھی اور ہم نے ان پر موسلا دھار پانی برسایا یعنی وہ لوگ سر سبز اور شاداب ملکوں کے رہنے والے تھے اور نہایت خوش حال اور مالدار تھے قحط سالی اور امساک باراں کی اُن کو کوئی تکلیف نہیں پہنچتی تھی اور ہم نے اُن کے درختوں کے نیچے نہریں جاری کیں یعنی وہ لوگ باغوں والے اور چشموں والے تھے پھر باوجود اس قوت وشوکت اور راحت وثروت کے ان کے گناہوں یعنی تکذیب حق اور اعراض عن الحق کی وجہ سے ان کو ہلاک کر دیا تاکہ ان کی تباہی اور بربادی لوگوں کے لیے عبرت بنے اور اُن کے بعد ہم نے دوسرے لوگوں کو پیدا کیا اسی طرح اگر تم پر بھی عذاب نازل کر کے تم کو ہلاک کر دیں تو تعجب کیا ہے مطلب یہ ہے کہ اے اہل مکہ! پہلی امتوں کے حالات پر نظر کرو کہ کس طرح عیش وآرام میں تھیں جب انہوں نے خدا کے پیغمبروں کو جھٹلایا تو اُن کا انجام کیسا خراب ہوا پس جب ہم نے ان امتوں کو ہلاک کر دیا کہ جو ہر بات میں تم سے بڑھ چڑھ کر تھے تو تمہارا ہلاک کرنا کیا مشکل ہے۔

فائدہ امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ ان آیات سے یہ معلوم ہوا کہ کفر کے تین درجے ہیں اول اعراض عن الحق یعنی حق سے منہ پھیرنا اور اس سے تغافل برتنا دوم تکذیب حق یعنی حق کو جھٹلانا سوم استہزاء بالحق یعنی حق کا مذاق اڑانا یہ کفر کا آخری درجہ ہے (تفسیر کبیر ص۱۲ ج۴)۔

سِحۡرٌ مُّبِيۡنٌ ۝۷ وَقَالُوۡا لَوۡلَاۤ اُنۡزِلَ عَلَيۡهِ

جادو ہے صریح اور کہتے کیوں نہ اترا اس پر کوئی

مَلَكٌ ؕ وَلَوۡ اَنۡزَلۡنَا مَلَكًا لَّقُضِیَ الۡاَمۡرُ ثُمَّ لَا

فرشتہ اور اگر ہم فرشتہ اتاریں تو فیصل ہو چکے کام پھر ان

يُنۡظَرُوۡنَ ۝۸ وَلَوۡ جَعَلۡنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلۡنٰهُ رَجُلًا وَّ

کو فرصت نہ ملے اور اگر ہم رسول کرتے کوئی فرشتہ تو وہ بھی صورت میں ایک مرد

لَلَبَسۡنَا عَلَيۡهِمۡ مَّا يَلۡبِسُوۡنَ ۝۹ وَلَقَدِ اسۡتُهۡزِئَ بِرُسُلٍ

کرتے اور ان پر شبہ ڈالتے وہی شبہ جو لاتے ہیں اور ہنسی کرتے رہے ہیں رسولوں سے

مِّنۡ قَبۡلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيۡنَ سَخِرُوۡا مِنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا

تیرے پہلے پھر الٹ پڑی اُن سے ہنسنے والوں پر جس بات پر

بِهٖ يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ۝۱۰ قُلۡ سِيۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ ثُمَّ

ہنسا کرتے تھے تو کہہ پھرو ملک میں تو دیکھو

انۡظُرُوۡا كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الۡمُكَذِّبِيۡنَ ۝۱۱

آخر کیسا ہوا جھٹلانے والوں کا

ازالہ شبہات منکرین نبوت

قال تعالیٰ وَلَوۡ نَزَّلۡنَا عَلَيۡكَ كِتٰبًا فِیۡ قِرۡطَاسٍ ... الٰی ..... كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الۡمُكَذِّبِيۡنَ ۝

(ربط) گذشتہ آیات میں اثبات صانع اور توحید کا بیان تھا اب ان آیات میں معاندین اور منکرین نبوت کے چند شبہات کا جواب دیتے ہیں کفار مکہ قرآن کے کلام الٰہی ہونے میں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں کبھی تو یہ شبہ کرتے کہ آسمان سے لکھی ہوئی کتاب کیوں نہیں اتری اور کبھی یہ کہتے کہ فرشتہ اپنی اصلی شکل میں نمودار ہو کر ہمارے سامنے آکر آپ کی صدق کی گواہی

کیوں نہیں دیتا اور کبھی یہ کہتے کہ بنی بشری اور انسانی صورت میں کیوں بھیجا گیا فرشتہ کو بنی بنا کر کیوں نہیں بھیجا گیا ان آیات میں اس قسم کے مزخرفات اور جہلات کا رد کیا گیا ہے۔

یا یوں کہو کہ گذشتہ آیات میں کافروں کے اعراض اور تکذیب کا بیان تھا کہ یہ کفار خدا تعالیٰ کی آیات قدرت سے اعراض کرتے ہیں اور ان کی تکذیب کرتے ہیں اب ان آیات میں اُنکے عناد اور تمسخر کو بیان کرتے ہیں کیونکہ حق سے اعراض اور بے توجہی یہ کفر کا ادنیٰ درجہ ہے اور حق کا انکار اور اُسکی تکذیب یہ کفر کا دوسرا درجہ ہے اور دیدہ و دانستہ حق سے انحراف اور اس سے نفرت اور اس سے تمسخر یہ کفر کا اعلیٰ درجہ ہے اور وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ الخ میں حق جل شانہ نے اپنے نبی کے تسلی کیلئے یہ بتلا دیا کہ یہ سب مسخر ان کی باتیں ہیں تم سے پہلے پیغمبروں کے اُنکے زمانہ میں کافر ایسی ہی باتیں کرتے تھے جس کا نتیجہ ان کو بھگتنا پڑا اور سب کے سب تباہ اور برباد ہوئے ان کافروں کو چاہیئے کہ اُن کے آثار قدیمہ سے عبرت پکڑیں کہ ان تکذیب اور تمسخر کرنے والوں کے بڑے بڑے آباد شہر ویران اور کھنڈر بنا دیئے گئے چنانچہ فرماتے ہیں اور یہ لوگ اس درجہ معاند اور ضدی ہیں کہ اے نبی اگر ہم آپ پر کاغذ میں لکھی ہوئی کوئی کتاب آسمان سے نازل کریں اور یہ اُس کتاب کو آسمان سے اترتا ہوا اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں پھر اس کو اپنے ہاتھوں سے بھی چھو لیں اور یہ محسوس کر لیں کہ کوئی تخییل اور نظر بندی نہیں تب بھی یہی کہیں گے کہ یہ صریح جادو ہے یہ ضد اور عناد کی انتہاء ہے کہ آنکھ کے مشاہدہ اور ہاتھ سے چھو لینے کے بعد بھی کسی چیز کو جادو بتلائے ایسے ضدی اور عنادی کو جو محسوسات اور ملموسات میں بھی مکابرہ کرتا ہو اُسے کبھی ہدایت نہیں ہوسکتی اور نہ اس کا شبہ کبھی مٹ سکتا ہے۔

حق جل شانہ نے متعدد مواضع میں محسوسات میں اُن کے مکابرہ کا ذکر کیا ہے کما قال تعالیٰ وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ وقال تعالیٰ وَاِنْ يَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا يَّقُوْلُوْا سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ۔

نضر بن حارث اور عبداللہ بن ابی امیہ اور نوفل بن خویلد نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا کہ اے محمد اگر تو اللہ کے پاس سے کاغذ میں لکھی ہوئی ایک کتاب ہمارے پاس لاتے اور اس کے ساتھ چار فرشتے ہوں جو اس کے من جانب اللہ ہونے کی اور تیری نبوت کی شہادت دیں تو ہم تجھ پر ایمان لا سکتے ہیں بغیر اس کے ہم تجھ پر ایمان نہیں لائیں گے اس پر یہ آیت نازل ہوئی مطلب یہ ہے کہ ان کا یہ سوال محض عناد کی بناء پر ہے اگر ہم ان کے کہنے کے مطابق آسمان سے کاغذ میں لکھی ہوئی کتاب بھی اتار دیں اور یہ لوگ اُس کتاب کو اپنے ہاتھوں سے چھو بھی لیں تب بھی ایمان نہ لائیں گے اور یہ کہیں گے کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے اور یہ معاندین یہ بھی کہتے ہیں کہ آپ پر کوئی ایسا فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا جو ہمارے روبرو ہو کر آپکی صداقت کی شہادت دے مطلب یہ تھا کہ جو فرشتے آپ پر اترتے ہیں وہ ہمیں نظر کیوں نہیں آتے اور ہمارے پاس

آکر آپ کی نبوت کی تصدیق کیوں نہیں کرتے تاکہ ہم ان کو دیکھ کر اور ان کی باتیں سن کر یقین کر لیتے جیسا کہ دوسری آیتوں میں ہے اَوْ تَاْتِیَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِیْلًا - اور- لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْهِ مَلَكٌ فَیَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِیْرًا - اور- لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ حق تعالیٰ اُن کے جواب میں فرماتے ہیں اور اگر ہم ان کی فرمائش کے مطابق اسی طرح کوئی فرشتہ اتارتے تو بات فیصل ہو جاتی یعنی فرشتہ کے آنے اور دیکھنے کے بعد بھی اگر تکذیب کرتے تو سب ایک ہی دفعہ ہلاک کر دیئے جاتے پھر ان کو ایک پل کی بھی مہلت نہ دی جاتی کیونکہ سنت اللہ یہ ہے کہ فرمائشی معجزہ دیئے جانے کے بعد مہلت نہیں دی جاتی اُن کے دیکھتے ہی عالم آخرت کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے کما قال تعالیٰ یَوْمَ یَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰی یَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِیْنَ وَیَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا -

خلاصہ کلام یہ کہ اگر ان کی یہ فرمائش پوری کر دی جاتی تو یہ ضدی اور عنادی پھر بھی ایمان نہ لاتے اور تکذیب کرتے تو یک لخت سب ہلاک کر دیئے جاتے اور اللہ تعالیٰ فی الحال ان کو ہلاک کرنا نہیں چاہتے اس لحاظ سے ان کی فرمائشوں کا پورا نہ کرنا بھی عین رحمت سمجھنا چاہیئے کہ توبہ کے لیے وقت مل گیا اور اگر ہم کسی فرشتہ کو پیغمبر بنا کر بھیجتے تو البتہ کسی مرد ہی کی صورت میں بھیجتے تاکہ اس کی بات چیت سن سکیں اور اس سے نفع حاصل کر سکیں کیونکہ فرشتہ اگر اپنی اصلی صورت میں آتا تو بسبب کمال نورانیت اور کمال جلال و جمال یہ لوگ اس کے دیکھنے کی تاب نہ لا سکتے اس کے رعب اور ہیبت سے ان کا دم نکل جاتا یہ صرف حضرات انبیاء کرام کا ظرف ہے کہ اصلی صورت میں فرشتہ کی رؤیت کا تحمل کر سکتے ہیں عام لوگ تو ایک منٹ کے لیے بھی فرشتے کا اصلی صورت میں رویت کا تحمل نہیں کر سکتے تو لا محالہ اگر فرشتہ کو پیغمبر بنا کر بھیجتے تو آدمی ہی کی صورت میں بھیجتے تاکہ مجانست صوری کی بناء پر لوگ اُس کی تعلیم و تلقین سے منتفع ہو سکیں اور اس صورت میں ہم ان کو اُسی اشتباہ میں ڈال دیتے جس اشتباہ میں وہ اب پڑے ہوئے ہیں یعنی اس فرشتہ کو بشکل بشر دیکھ کر بھی کہتے کہ یہ تو آدمی ہے جس طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اس بناء پر انکار کرتے ہیں کہ آپ بشر ہیں اسی طرح اگر فرشتہ کو بشکل بشر رسول بنا کر بھیجتے تو تب بھی یہی اعتراض کرتے اور وہی اشتباہ بحالہ باقی رہتا۔

تسلیۂ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

یہاں تک کفار کے عناد اور اعراض اور تکذیب اور استہزاء کا ذکر کیا جس سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہوتی تھی اس لیے اب آئندہ آیت میں آپ کی تسلی کا مضمون بیان فرماتے

ہیں اور اے نبی کریمؐ آپ ان کے استہزاء سے رنجیدہ اور ملول نہ ہوں البتہ تحقیق آپ سے پہلے بہت سے پیغمبروں کے ساتھ استہزاء اور تمسخر کیا گیا پس آ گھیرا اُن ہنسی کرنے والوں کو اُس عذاب نے جس پر وہ ہنسا کرتے تھے اور اگر اُس قہر اور عذاب کا انکار کریں تو آپ اُن سے یہ کہدیجیے کہ ذرا ملک میں پھرو پھر دیکھو کہ پیغمبروں کو جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا کہ سب تباہ اور برباد ہوتے یہی حشر ان کافروں کا ہوگا جو آپؐ کی ہنسی اڑاتے ہیں۔

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ قُلْ

پوچھ کہ کس کا ہے جو کچھ ہے آسمان و زمین میں کہہ

لِّلّٰهِ ۭ كَتَبَ عَلٰی نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۭ لَيَجْمَعَنَّكُمْ

اللہ کا ہے اُس نے لکھی ہے اپنے ذمہ مہربانی البتہ تم کو جمع کرے گا

اِلٰی يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ اَلَّذِيْنَ

دن قیامت تک اس میں شک نہیں جنہوں نے

خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَهٗ

ہاری اپنی جان وہی نہیں مانتے اور اسی کا

مَا سَكَنَ فِی الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۭ وَهُوَ السَّمِيْعُ

ہے جو بستا ہے رات میں اور دن میں اور وہی ہے سب سنتا

الْعَلِيْمُ ﴿۱۳﴾ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ

جانتا تو کہہ کیا اور کوئی پکڑوں اپنا مددگار اللہ کے سوا جو بنانے

وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ۭ قُلْ اِنِّىْٓ اُمِرْتُ

والا ہے آسمان و زمین کا اور وہ سب کو کھلاتا ہے اور اُس کو کوئی نہیں کھلاتا کہہ مجھ کو حکم ہوا ہے

اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ

کہ سب سے پہلے حکم مانوں اور تو نہ ہو

الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۴﴾ قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ

شریک پکڑنے والا تو کہہ میں ڈرتا ہوں اگر حکم نہ مانوں اپنے رب کا

عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵﴾ مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَىِٕذٍ

ایک بڑے دن کے عذاب سے جس پر سے وہ ٹلا اُس دن اس پر

فَقَدْ رَحِمَهٗ ۭ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۶﴾ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ

رحم کیا اور یہی ہے بڑی مراد ملنی اور اگر پہنچاوے تجھ

اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۭ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ

کو اللہ کچھ سختی پھر اس کو کوئی نہ اٹھاوے سوائے اس کے اور اگر تجھ کو

بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾ وَهُوَ الْقَاهِرُ

پہنچاوے بھلائی تو وہ ہر چیز پر قادر ہے اور اسی کا زور پہنچتا

فَوْقَ عِبَادِهٖ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۸﴾

ہے اپنے بندوں پر اور وہی ہے حکمت والا خبردار

اثباتِ توحید

قال تعالیٰ قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ...... الیٰ ...... وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ○

(ربط) گذشتہ آیت میں توحید کا بیان تھا اب پھر اس کی طرف عَود فرماتے ہیں اور توحید کا اثبات اور شرک کا ابطال کرتے ہیں اور یہ بتلاتے ہیں کہ تمام مکانیات اور تمام زمانیات سب اللہ ہی کی مِلک ہیں قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سے ظرفِ مکان کی تمام مظروفات کی ملکیت کو بیان کیا اور وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ سے ظرفِ زمان کی تمام مظروفات کی ملکیت کو بیان کیا مطلب یہ ہوا کہ سب کون ومکان اور زمین وزمان سب اسی کی مِلک ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اے نبی کریم آپ ان معاندین سے بطور الزام واتمام حجت یہ پوچھیے کہ کس کی ملک ہیں جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے اول تو وہ خود ہی یہ جواب دیں گے کہ یہ

سب اللہ کی ملک ہے جس سے توحید ثابت ہو جائے گی جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ اور اگر بالفرض وہ کسی خوف اور ڈر کی بناء پر یا شرم اور حیاء کی بناء پر اس کا جواب نہ دیں تو آپ کہدیجئے کہ یہ سب اللہ ہی کی ملک ہے اور تمہارے بت کسی چیز کے بھی مالک نہیں اور اُن سے یہ بھی کہدیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے توبہ کرنے والوں کے لیے محض اپنے فضل وکرم سے اپنی ذات پر رحمت کو لکھ دیا ہے یعنی لازم کر لیا ہے یہ نہیں کہ اس پر کسی کا زور اور دباؤ ہے وہ اپنی رحمت سے عقوبت میں جلدی نہیں کرتا اور توبہ اور انابت کو قبول کرتا ہے لہٰذا اگر تم کفر اور شرک سے توبہ کرو گے اور اس کی طرف متوجہ ہو گے تو وہ ارحم الراحمین تمہارے اگلے گناہ معاف کر دیگا مطلب یہ ہے کہ جب توحید تمہارے اقرار سے ثابت ہو گئی اور حجت تم پر قائم ہو گئی تو اُس کا مقتضا یہ تھا کہ تم فوراً ہلاک کر دیتے جاتے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر رحمت کو لازم کر لیا ہے اس لیے وہ عقوبت میں جلدی نہیں کرتا حق تعالیٰ نے ایک تختی پر یہ لکھ کر کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے عرش پر آویزاں کر دیا ہے غرض یہ کہ ان سرکشوں کو اور باوجود حجت پوری ہو جانے کے خدا تعالیٰ کے ساتھ ہمسر بنانے پر خدا تعالیٰ نے اپنی رحمت اور حلم کی وجہ سے اگرچہ دنیا میں سزا نہیں دی مگر اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے کہ وہ تم سب کو روز قیامت کی طرف اکٹھا کرے گا جس میں ذرہ برابر کوئی شک نہیں اور اس وقت حساب وکتاب کے بعد تم کو سزا دی جائے گی جن لوگوں نے شرک اختیار کر کے اپنی جانوں کو گھاٹے میں رکھا وہ ایمان نہیں لائیں گے کیونکہ ان کی تقدیر میں گھاٹا ہے جس سے وہ باہر نہیں نکل سکتے اور مزید اثبات توحید اور اتمام حجت کے لیے اُن سے یہ کہہ دیجیے کہ اسی کی ملک ہے جو رات اور دن میں ساکن اور برقرار ہے یعنی کل موجودات جن پر دن اور رات گذرتی ہے وہ سب اسی کی ملک ہے زمانہ اور زمانیات اسی کے احاطۂ قدرت میں ہے۔

گذشتہ آیت میں یہ بتلایا کہ زمین اور آسمان یعنی ہر مکان اور ہر مکین اور تمام مکانیات کا وہی مالک ہے اور اس آیت میں یہ بتلایا کہ مکان کی طرح زمان لیل ونہار اور تمام اوقات اور تمام زمانیات بھی اسی کی مملوک ہیں اور اسی کے قبضہ اور تصرف میں ہیں اور وہی ان کی باتوں کا سننے والا اور ان کے دلوں اور حالات کا جاننے والا ہے اس آیت کا اور گذشتہ آیت قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کا حاصل یہ نکلا کہ مکان اور زمان اور تمام مکانیات اور زمانیات سب اسی کی ملک ہیں پھر اثبات توحید کے بعد اُن سے یہ کہیئے کہ کیا میں ایسے اللہ کے سوا کسی کو اپنا دوست اور معبود ٹھہراؤں جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اس کے سوا اور کس کو اپنا معبود اور کارساز ٹھہراؤں اور وہ اللہ ہی سب کو روزی دیتا ہے اور اس کو روزی نہیں دی جاتی یعنی وجود اور سامان بقاء میں سب اس کے محتاج ہیں اور وہ کسی کا محتاج

نہیں پس ایسی ذات کو چھوڑ کر جو سب کو روزی دیتا ہو اور ادنیٰ سے ادنیٰ چیز میں وہ کسی کا محتاج نہ ہو کسی اور کو اپنا ولی اور کارساز بنانا حماقت نہیں تو اور کیا ہے کما قال تعالیٰ قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ آپ کہہ دیجیے کہ مجھ کو خدا کی طرف سے یہ حکم دیا گیا ہے کہ خدائے برحق کا جس کی صفات اوپر مذکور ہوئیں سب سے پہلا فرمانبردار بنوں کہ بلا شرکت غیر اس کے سامنے گردن ڈالدوں اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ تو ہرگز ہرگز مشرکوں میں سے نہ ہونا اے نبی آپ ان مشرکوں سے کہدیجیے کہ اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں تو مجھ کو ایک بڑے دن کے عذاب میں گرفتار ہونے کا ڈر ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ نے مجھ کو یہ حکم دیا ہے کہ میں اس کا پہلا فرمانبردار بنوں اور مشرکوں کے گروہ میں شامل نہ ہوں اگر بالفرض میں اس کے حکم کی مخالفت کروں اور تمہارے کہنے سے تمہارا دین اختیار کر لوں تو اس صورت میں مجھے روز قیامت کے عذاب کا ڈر ہے قیامت کے دن کو بڑا دن اس لیے کہا گیا کہ اس کی مقدار پچاس ہزار برس کی ہوگی۔

ف اس قسم کی آیات میں آپ پر رکھ کر دوسروں کو سنانا مقصود ہے یعنی بفرض محال اگر خدا کے کسی معصوم اور برگزیدہ بندہ سے بھی عصیان سرزد ہو جائے تو عذاب الٰہی کا اندیشہ ہے پھر کسی کو کب لائق ہے کہ کفر و شرک اور معصیت میں ملوث ہو کر عذاب الٰہی سے بے فکر اور مامون ہو کر بیٹھ جائے۔

جس شخص سے اس دن وہ عذاب ہٹا دیا جائے پس اس پر اللہ نے بڑی ہی رحمت اور عنایت فرمائی اور یہی (عذاب خداوندی سے نجات) کھلی کامیابی ہے اور اے بندے اگر اللہ تجھ کو کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا کوئی اس تکلیف کا دور کرنے والا نہیں یعنی مرض اور قحط اور افلاس اور دیگر مصائب کو خدا ہی دور کر سکتا ہے اور کوئی نہیں کر سکتا اور اے بندے اگر خدا تجھ کو کوئی بھلائی پہنچائے تو اس کے لیے کوئی مشکل نہیں کیونکہ وہ ہر شئ پر قادر ہے یعنی نفع و نقصان سب اسی کے ہاتھ میں ہے پس اس کے سوا کسی کو اپنا ولی اور کارساز بناؤ عاجزوں کی خوشامد کرنے سے کیا فائدہ اور وہی غالب ہے اپنے بندوں پر سب بندے اسی کے زیر حکم ہیں سب پر اسی کا زور چلتا ہے جو چاہتا ہے ان میں تصرف کرتا ہے کسی کی مجال نہیں کہ اس کے حکم کو رد کر سکے ہر شی اس کے سامنے مقہور اور مجبور ہے اس کی عظمت اور جلال اور علو اور قدرت کے سامنے سب کی گردنیں خم ہیں قاہر اس کو کہتے ہیں جس کو اپنے ارادہ پورا کرنے سے کوئی شئ عاجز نہ کر سکے۔

ف قاہر کے معنی غالب کے ہیں اور فوق کے معنی بلند اور برتر کے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی فوقیت حسی اور مکانی نہیں کیونکہ وہ مکان اور جہت سے بالا اور برتر ہے

اس آیت میں فوق سے فوقیت قہر اور غلبہ مراد ہے جیسا کہ فَوْقَ كُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ میں فوقیت شان اور فوقیت مرتبہ مراد ہے اور وہی ہے حکمت والا خبردار اس کا کوئی تصرّف حکمت سے خالی نہیں اور وہ ہر چیز کو جانتا ہے اپنے علم کے مطابق ہر ایک کو جزاء اور سزا دیگا اور اُس کی شان فوقیت اور قہر اور شانِ علم و حکمت کا مقتضی یہی ہے کہ اس کے سوا کسی کو اپنا ولی اور کارساز نہ بنایا جائے مطلب یہ ہے کہ الوہیت کے لیے یہ ضروری ہے کہ قدرت کاملہ اور قہر تام ہو کہ اس پر کسی کا زور نہ چل سکے اور علم عام اور محیط ہو اور ہر نفع اور ضرر کا مالک ہو اور ایسی ذات والا صفات کو چھوڑ کر کسی کو معبود اور کارساز بنانا حماقت نہیں تو کیا ہے۔

قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَکْبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ

تو کہہ کس چیز کی بڑی گواہی کہہ اللہ گواہ

شَهِیْدٌۢ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ ۚ وَاُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا

میرے اور تمہارے بیچ اور اُترا ہے مجھ کو یہ

الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ؕ اَئِنَّكُمْ

قرآن کہ تم کو اس سے خبردار کردوں اور جس کو یہ پہنچے کیا تم

لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰی ؕ

گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ معبود اور بھی ہیں

قُلْ لَّاۤ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِیْ

تو کہہ میں نہیں گواہی دونگا تو کہہ وہی ہے معبود ایک واحد اور میں قبول نہیں

بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹﴾ اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ

رکھتا جو تم شریک کرتے ہو جن کو ہم نے دی ہے کتاب

یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۘ اَلَّذِیْنَ خَسِرُوْۤا

اس کو پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو جنہوں نے ہاری اپنی

اَنۡفُسَهُمۡ فَهُمۡ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۲۰﴾ وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰى

جان وہی نہیں مانتے اور اس سے ظالم کون جو جھوٹ

عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوۡ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفۡلِحُ

باندھے اللہ پر یا جھٹلاوے اس کی آیتیں مقرر بھلا نہیں پاتے

الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۲۱﴾

گنہگار

اثبات توحید و رسالت

قَالَ تَعَالٰی قُلۡ اَیُّ شَیۡءٍ اَکۡبَرُ شَهَادَةً .... لے ..... اِنَّهٗ لَا يُفۡلِحُ الظّٰلِمُوۡنَ

(ربط) گذشتہ آیات میں توحید و رسالت کو فرداً فرداً بیان فرمایا اب ان آیات میں توحید و رسالت کو مجتمعاً بیان فرماتے ہیں مشرکین مکہ نے کہا اے محمد ہم کسی کو نہیں دیکھتے کہ جو آپ کو سچا جانے اور آپ کی نبوت کی شہادت دے اور ہم نے علماء یہود و نصاریٰ سے بھی تیری بابت دریافت کیا انہوں نے بھی آپ کی نبوت کی شہادت نہیں دی اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ لوگ جو آپ کی نبوت و رسالت پر شہادت اور گواہی طلب کرتے ہیں آپ اُن سے یہ کہد یجئے کہ علاوہ ازیں خدا تعالیٰ میری نبوت کا گواہ ہے جس سے بڑھ کر کوئی گواہ نہیں یہ قرآن کریم میری نبوت کا ناقابل تردید گواہ ہے نیز علماء اہل کتاب میری نبوت کو ایسا یقینی طور پر جانتے ہیں جیسا کہ وہ اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں کہ یہ ہمارے بیٹے ہیں مگر حق پوشی کرتے ہیں اس لیے ایمان نہیں لاتے چنانچہ فرماتے ہیں (اے نبی) آپ ان مشرکین مکہ سے جو آپکو مفتری بتلاتے ہیں یہ پوچھیئے کہ گواہی کے لحاظ سے کونسی چیز سب سے بڑھ کر ہے کہ اس کی گواہی رد نہ کی جاسکے اس سوال کے بعد اُن کے جواب کا انتظار نہ کیجئے اور یہ کہد یجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ ہے اس لیے کہ اللہ سے بڑھ کر کس کی گواہی ہو سکتی ہے مطلب یہ ہے کہ اگر تم میری نبوت پر مقبول الشہادت گواہ چاہتے ہو تو وہ خدا ہے جس سے بڑھ کر گواہ نہیں اور اللہ کی شہادت اور گواہی یہ ہے کہ اُس نے مجھ کو دلائل نبوت اور براہین رسالت دیکر بھیجا ہے اور من جملہ شواہد رسالت یہ ہے کہ میری طرف یہ قرآن بذریعہ وحی

کے اتارا گیا جو اللہ کا کلام ہے اور میری نبوت کا گواہ ہے اگر میں اللہ کا رسول نہ ہوتا تو وہ مجھ پر اپنا کلام نازل نہ کرتا اور قرآن کریم کا کلام الٰہی ہونا اس کے اعجاز سے عیاں ہے نیز یہ قرآن تمام علوم رشد و ہدایت کا جامع ہے مجھ پر اس لیے نازل کیا گیا ہے کہ اس سے تم کو اور جس کو یہ پہنچے عذاب الٰہی سے ڈراؤں کہ جو توحید اور رسالت کو نہ مانے گا اس پر اللہ کا عذاب نازل ہوگا کیا اس شہادت کبریٰ کے بعد تم یہ گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ اور بھی معبود ہیں آپ کہہ دیجئے کہ میں تو یہ گواہی نہیں دے سکتا آپ بیانگ دھل کہہ دیجئے کہ جزایں نیست کہ وہ معبود اکیلا ہے کوئی اس کا شریک نہیں اور میں بری اور بیزار ہوں اس چیز سے جس کو تم خدا کے ساتھ شریک کرتے ہو اور نبوت و رسالت کی شہادت اور گواہی کے بارہ میں آپ اُن سے یہ کہہ دیجئے کہ جن لوگوں کو ہم نے کتاب (توریت و انجیل) دی ہے وہ نبی کریم کو ایسا پہچانتے ہیں جیسا کہ وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں علماء یہود اور نصاریٰ کو یقین کامل ہے کہ آپ بلاشبہ وہی نبی آخر الزماںؐ ہیں جن کی انبیاء سابقین بشارت دیتے چلے آئے انہوں نے آپؐ کے چہرہ کو دیکھ کر آپ کو اس طرح پہچان لیا ہے جس طرح انسان اپنے بیٹے کی صورت دیکھ کر پہچان لیتا ہے کہ یہ میرا بیٹا ہے البتہ جو لوگ حاسد اور معاندین ہیں اور جنہوں نے اپنی جانوں کو خسارہ میں ڈالا وہ ایمان نہیں لائیں گے حسد اور تکبّر اُن کو نبی برحق پر ایمان لانے کی اجازت نہیں دیتا ایمان نہ لا کر اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں عقل کا مقتضی یہ ہے کہ حق پر ایمان لانا چاہیئے ان لوگوں نے حق سے اعراض کر کے اپنی جانوں پر بڑا ہی ظلم کیا اور اپنے آپ کو خسارہ میں ڈالا اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا یا اس کی آیتوں کو جھٹلایا تحقیق بلاشبہ ظالم لوگ کبھی کامیاب نہیں ہوتے یہود اور نصاریٰ اور مشرکین عرب طرح طرح سے خدائے وحدہٗ لاشریک پر جھوٹ باندھتے یہود اور نصاریٰ یہ کہتے تھے کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اُس کے پیارے ہیں سوائے چند روز کے ہمیں آگ نہیں چھوئے گی اور عزیرؑ اور مسیحؑ خدا کے بیٹے ہیں اور مشرکین کہتے تھے کہ بت اللہ کے شریک ہیں اللہ نے ہم کو ان کی عبادت کا حکم دیا ہے اور فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور اللہ نے سردار جنوں کی لڑکیوں سے شادی کی ہے اور اُس نے بحیرہ اور سائبہ وغیرہ کو حرام کیا ہے وغیرہ وغیرہ غرض یہ اور اس قسم کے صدہا بہتان اللہ پر باندھتے تھے اور آیات قرآنیہ اور دلائل نبوت اور براہین رسالت کی تکذیب کرتے تھے اور سب کو جھٹلاتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان سب فرقوں کے بارہ میں فرمایا کہ یہ لوگ بڑے ظالم ہیں کہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور آیات خداوندی کو جھٹلاتے ہیں ان ظالموں کو عذاب الٰہی سے کبھی رستگاری نہ ہوگی۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ

اور جس دن ، ہم جمع کریں گے ان سب کو پھر کہیں گے شریک

أَشْرَكُوا أَيْنَ شُرَكَاؤُكُمُ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿۲۲﴾

والوں کو کہاں ہیں شریک تمہارے جن کا تم دعویٰ کرتے تھے

ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا وَاللَّهِ رَبِّنَا مَا

پھر نہ رہے گی ان کی شرارت مگر یہی کہ کہیں گے قسم اللہ کی اپنے رب کی

كُنَّا مُشْرِكِينَ ﴿۲۳﴾ انْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَ

ہم شریک نہ کرتے تھے دیکھ تو کیسا جھوٹ بولے اپنے اوپر اور

ضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۲۴﴾ وَمِنْهُمْ مَنْ يَسْتَمِعُ

کھوئی گئیں ان سے جو باتیں بناتے تھے اور بعضے ان میں کان

إِلَيْكَ ۖ وَجَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ

رکھتے ہیں تیری طرف اور ہم نے ان کے دلوں پر غلاف رکھے ہیں کہ اسکو نہ سمجھیں

وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا ۚ وَإِنْ يَرَوْا كُلَّ آيَةٍ لَا يُؤْمِنُوا

اور اُن کے کانوں پر بوجھ اور اگر دیکھیں ساری نشانیاں یقین نہ لاویں

بِهَا ۚ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوكَ يُجَادِلُونَكَ يَقُولُ الَّذِينَ

اُن پر جب تک نہ آویں تیرے پاس جھگڑنے کو تجھ سے کہتے ہیں وہ

كَفَرُوا إِنْ هَٰذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿۲۵﴾ وَهُمْ

منکر یہ کچھ نہیں مگر نقلیں ہیں اگلوں کی اور وہ

يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْأَوْنَ عَنْهُ ۖ وَإِنْ يُهْلِكُونَ إِلَّا

اس سے منع کرتے ہیں اور اس سے بھاگتے ہیں اور ہلاک کرتے نہیں مگر

أَنفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ﴿٢٦﴾ وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ وُقِفُوا

آپ کو اور نہیں سمجھتے اور کبھی تو دیکھے جس وقت

عَلَى النَّارِ فَقَالُوا يَا لَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِآيَاتِ رَبِّنَا

اُن کو کھڑا کیا ہے آگ پر تو کہتے ہیں کاش کہ ہم کو بھیجیں اور ہم نہ جھٹلاویں اپنے رب کی آیتیں

وَنَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٢٧﴾ بَلْ بَدَا لَهُم مَّا كَانُوا

اور رہیں ایمان والوں میں کوئی نہیں بلکہ کھل گیا جو چھپاتے تھے

يُخْفُونَ مِن قَبْلُ ۖ وَلَوْ رُدُّوا لَعَادُوا لِمَا نُهُوا عَنْهُ

پہلے اور اگر پھر بھیجے تو پھر کریں وہی جو منع ہوا تھا

وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿٢٨﴾ وَقَالُوا إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا

ان کو اور وہ جھوٹ بولتے ہیں اور کہتے ہیں ہم کو زندگی نہیں مگر یہی دنیا کی

وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ ﴿٢٩﴾ وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ وُقِفُوا عَلَىٰ

اور ہم کو پھر نہیں اٹھنا اور کبھی تو دیکھے جس وقت ان کو کھڑا

رَبِّهِمْ ۚ قَالَ أَلَيْسَ هَٰذَا بِالْحَقِّ ۚ قَالُوا بَلَىٰ وَرَبِّنَا ۚ

کیا ہے ان کے رب کے سامنے فرمایا اب یہ سچ نہیں بولے کیوں نہیں قسم ہمارے رب

قَالَ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿٣٠﴾ قَدْ

کی فرمایا تو چکھو عذاب بدلا اپنے کفر کا خراب

خَسِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِلِقَاءِ اللَّهِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَتْهُمُ

ہوئے جنہوں نے جھوٹ جانا ملنا اللہ کا جب تک کہ پہنچے اُن پر

السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوا يَا حَسْرَتَنَا عَلَىٰ مَا فَرَّطْنَا فِيهَا وَ

قیامت بے خبر کہنے لگے اے افسوس کیا ہم نے قصور کیا اس میں اور

هُمۡ يَحۡمِلُوۡنَ اَوۡزَارَهُمۡ عَلٰى ظُهُوۡرِهِمۡ‌ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوۡنَ ﴿۳۱﴾

وہ اٹھاتے ہیں اپنے بوجھ اپنی پیٹھ پر سنتا ہے بُرا بوجھ ہے جو اٹھاتے ہیں

وَمَا الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَاۤ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهۡوٌ‌ ؕ وَلَلدَّارُ الۡاٰخِرَةُ

اور کچھ نہیں دنیا کا جینا مگر کھیل اور جی بہلانا اور پچھلا گھر جو ہے

خَيۡرٌ لِّلَّذِيۡنَ يَتَّقُوۡنَ‌ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۳۲﴾

سو بہتر ہے ڈر والوں کو کیا تم کو سمجھ نہیں

بیانِ انجام وحالِ مجادلین ومعاندین

قال اللہ تعالیٰ وَيَوۡمَ نَحۡشُرُهُمۡ جَمِيۡعًا ... الیٰ .. وَلَلدَّارُ الۡاٰخِرَةُ خَيۡرٌ لِّلَّذِيۡنَ يَتَّقُوۡنَ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ

(ربط) گذشتہ آیت میں مشرکین کا نہ فلاح پانا مذکور تھا اب ان آیات میں مشرکین مکہ کے جدال اور عناد کا کچھ حال بیان کرتے ہیں اور یہ بتلاتے ہیں کہ قیامت کے دن ان ظالموں کو اپنی امیدوں کے خلاف ایسی درد انگیز حسرتیں دیکھنی پڑیں گی جو بیان سے باہر ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور یاد کرو اس دن کو کہ جب ہم سب عابدوں اور معبودوں کو میدان حشر میں جمع کریں گے اور پھر مشرکین سے بطور توبیخ وسرزنش یہ کہیں گے کہ تمہارے وہ شریک کہاں ہیں جن کے متعلق تم یہ دعویٰ کیا کرتے تھے کہ وہ خدا کے شریک ہیں جن کو تم اپنا مددگار اور کارساز سمجھتے تھے آج ایسی سختی اور مصیبت کے وقت وہ کہاں چلے گئے اپنے ان شرکاء کو بلاؤ تاکہ تمہاری سفارش کریں پھر ان کا عذر اور بہانہ اس کے سوا کچھ نہ ہوگا کہ یہ کہیں گے کہ قسم ہے اللہ اپنے پروردگار کی کہ ہم دنیا میں مشرک نہ تھے قیامت کے دن مشرکین جب اپنے لیے عذاب اور اہل توحید کے لیے نجات کو دیکھیں گے تو اس وقت شرک سے نفرت اور بیزاری ظاہر کریں گے اور اپنے شرک کو چھپانے کے لیے اللہ کی جھوٹی قسم کھا کر کہیں گے کہ ہم مشرک نہ تھے اور ہم نے دنیا میں کوئی شرک نہیں کیا

ف فتنہ کا ترجمہ ہم نے عذر اور بہانہ سے کیا ہے ابو اسحاق زجاج (امام نحو) یہ فرماتے ہیں کہ فتنہ کے اصل معنی کسی پر شیفتہ اور فریفتہ ہونے کے ہیں پس آیت کا مطلب یہ ہے کہ مشرک جو اپنے بتوں پر اس قدر شیفتہ اور فریفتہ ہیں اس کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ قیامت کے دن وہ اپنے ان محبوبوں سے بری اور بیزار ہو جائیں گے اس کی مثال ایسی ہے

جیسے کوئی شخص کسی محبوب پر عاشق ہو پھر جب اُس کو اس کے عشق ہی کی کوئی مصیبت پیش آئے تو اس سے بیزار ہو جائے اس پر وہ محبوب یا کوئی دوسرا شخص اس سے یہ کہے کہ بس تیرا عشق اس بیزاری اور نفرت سے زیادہ کچھ نہ تھا (دیکھو تفسیر قرطبی ص۴۰۱ ج ۶)۔

دیکھو تو سہی کہ ان لوگوں نے اپنی جانوں پر کیسا سفید جھوٹ بولا جن کی ساری عمر پرستش کرتے رہے آج یک لخت اُن سے بری اور بیزار ہو گئے اور اُن کے معبود بنانے کا صاف انکار کر دیا اور دیکھو تو سہی کہ وہ جھوٹے اور من گھڑت معبود اُن سے کیسے غائب ہو گئے کہ کوئی اُن کے کام نہ آیا یہاں تک تو منکرین توحید کی مذمت کا بیان تھا اب آگے منکرینِ قرآن کی شناعت بیان کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور ان مشرکین سے بعض وہ ہیں کہ جو آپ کے قرآن پڑھنے کے وقت آپ کی طرف کان لگاتے ہیں اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ ایک مرتبہ ابو سفیان اور ابو جہل اور ولید بن مغیرہ اور نضر بن حارث اور عتبہ اور شیبہ پسرانِ ربیعہ اور حارث بن عامر اور ابیّ بن خلف اور امیۃ بن خلف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُس وقت قرآن پڑھ رہے تھے ان لوگوں نے آپ کا قرآن سنا پھر سب نے نضر بن حارث سے پوچھا کہ اے ابو قتیلہ کچھ سمجھ میں آتا ہے کہ محمدؐ کیا کہتے ہیں نضر نے کہا کہ میں نہیں جانتا کہ کیا کہتے ہیں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہہ سکتا کہ وہ اپنی زبان کو ہلاتے ہیں اور اگلے لوگوں کی کہانیاں بیان کرتے ہیں جیسے میں تمہیں گذشتہ لوگوں (یعنی رستم اور اسفندیار اور اہلِ فارس کے قصے سناتا ہوں) ابو سفیان نے کہا میرے خیال میں اس کی بعض باتیں سچی معلوم ہوتی ہیں ابو جہل نے کہا ہرگز نہیں تو اس کی کسی بات کے سچا ہونے کا اقرار نہ کر ہمیں مرنا قبول ہے مگر اس پر ایمان لانا قبول نہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (روح المعانی وغیرہ)

مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اگرچہ آپ کا قرآن سنتے ہیں جس کے دلائل اعجاز اور اسرار بلاغت آفتاب کی طرح روشن ہیں مگر دل چونکہ عناد سے لبریز ہیں اس لیے قرآن کا سننا ان کو سودمند نہیں ہوتا اور ان کے اسی عناد اور سرکشی کی وجہ سے ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں تاکہ وہ اس کو سمجھ نہ سکیں اور اُن کے کانوں میں ڈاٹ لگا دی ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں سے سمجھ کو چھین لیا ہے اور حق کے سننے سے اُن کے کانوں کو بہرا کر دیا ہے وہ قرآن کے اعجاز اور اس کی خوبیوں کا ادراک نہیں کر سکتے اور ان لوگوں کے عناد اور سرکشی کا یہ حال ہو گیا ہے کہ یہ لوگ اگر ساری نشانیاں اور تمام معجزات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں تب بھی ان پر یقین نہ کریں اور اُن کے جادو ہونے کا حیلہ بہانہ نکال کھڑا کریں اور اس عناد کی نوبت یہاں تک پہنچی ہے کہ جب یہ لوگ آپ کے پاس جھگڑنے کے لیے آتے ہیں تو یہ کافر یہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن تو کچھ بھی نہیں صرف پہلے لوگوں کے قصے اور داستانیں ہیں جس طرح ہم رستم

اور اسفندیار کے قصےّ سناتے ہیں اسی طرح قرآن میں قوم عاد اور ثمود کے قصے ہیں یہ کوئی اعجاز نہیں اور نہ دلیل نبوت ہے تمام اہل ملل اس قسم کی باتیں اور قصے بیان کرتے چلے آئے ہیں اور یہ کافر لوگ قرآن کے سننے اور اس پر ایمان لانے سے اوروں کو منع کرتے ہیں اور خود بھی اس سے دور رہتے ہیں یعنی خود بھی گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں اور وہ اس عمل سے صرف اپنی ہی جانوں کو ہلاک اور تباہ کر رہے ہیں اللہ اور اس کے رسول کا کوئی نقصان نہیں نور حق اور نور ہدایت ظاہر اور کامل ہو کر رہے گا لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ اور یہ سمجھتے بھی نہیں کہ کفر کر کے اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں اور اسے نبی کریم کاش آپ اس وقت کو دیکھیں کہ جب یہ کافر دوزخ پر کھڑے کیے جائیں گے تو اس وقت نہایت حسرت سے یہ کہیں گے کہ کاش ہم دنیا میں لوٹا دیئے جاویں اور دنیا میں واپسی کے بعد ہم اپنے پروردگار کی آیتوں کو نہ جھٹلائیں اور ایمان لانے والوں میں سے ہو جائیں شاہ عبدالقادر لکھتے ہیں "یعنی دوزخ کے کنارہ پر پہنچ کر حکم ہوگا کہ ٹھہراؤ تو کافروں کو توقع پڑے گی کہ شاید پھر ہم کو دنیا میں بھیجیں تو اب کی بار کفر نہ کریں ایمان لاویں سو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس واسطے ان کو نہیں ٹھہرایا بلکہ اس تدبیر سے اُن کے منہ سے اقرار کروا دیا کہ ہم نے کفر کیا تھا حالانکہ پہلے منکر ہوتے تھے کہ ہم شریک نہ کرتے تھے اور پھر بھیجنا ان کو عبث ہے" (موضح القرآن) آگے حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ان کی یہ تمنا اور یہ وعدہ کہ اگر ہم دوبارہ دنیا میں لوٹا دیئے جائیں تو ایمان لانے والوں سے ہو جائیں گے ان کی یہ تمنا اور یہ وعدہ شوق اور رغبت اور صدق دل سے نہیں بلکہ اس وجہ سے ہے کہ اب ان پر وہ چیز ظاہر ہو گئی جس کو وہ پہلے سے چھپاتے تھے یعنی وہ اعمال شنیعہ جو چھپ کر کرتے تھے اُن کا راز فاش ہو گیا اور ابھی ابھی جو وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ کہہ چکے تھے اُس جھوٹ کی قلعی کھل گئی اور جس عذاب کے منکر تھے وہ آنکھوں کے سامنے آگیا اس لیے اب چار و ناچار محض جان بچانے کے لیے دوبارہ دنیا میں واپس جانے کی تمنا کرنے لگے اور یہ بھی جھوٹ ہے کہ ہم دنیا میں واپس ہو کر پکے ایماندار بن جائیں گے اور ہرگز آیات الٰہیہ کی تکذیب نہ کریں گے یہ اشقیاء بالفرض اگر دنیا میں لوٹا دیئے جائیں تو پھر وہی کام کریں گے جس سے اُن کو منع کیا گیا اور بے شک وہ اپنے اس قول میں جھوٹے ہیں کفر اور تکذیب اور بدی اور شرارت اُن کے خمیر میں داخل ہے جب مصیبت اُن کو آ کر گھیر لیتی ہے تو ایمان کا وعدہ کرنے لگتے ہیں اور چند روز کے بعد وہ سارے عہد و پیمان فراموش کر دیتے ہیں كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ اور یہ لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ سوائے اس دنیاوی زندگانی کے اور کوئی ہماری زندگانی ہی نہیں اور ہم دوبارہ زندہ نہیں کیے جائیں گے آج کل یورپ کے مادہ پرستوں کا یہی مذہب اور یہی خیال ہے کہ جو کچھ ہے وہ یہی دنیا ہے خوب مزے اڑا لو

یہ لوگ حلال وحرام کی تقسیم کے قائل نہیں اور نہ آخرت کے قائل ہیں لامذہب اور دھری لوگوں کا یہی خیال ہے کہ یہ کارخانۂ عالم باقتضاء مادہ وطبیعت چل رہا ہے یہ لوگ نہ کسی حلال وحرام کے قائل ہیں اور نہ کسی جزاء وسزا کے قائل ہیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ ساری باتیں یہیں ہیں اور جب قیامت آجائے گی اور حقیقت آنکھوں کے سامنے آجائے گی اس وقت عجب حال ہوگا چنانچہ فرماتے ہیں اور اگر آپ اس وقت کا مشاہدہ کریں جس وقت یہ لوگ بازپرس اور جواب دہی کے لیے اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے کیے جائیں گے تو آپ عجیب منظر دیکھیں گے خدا تعالیٰ ان کو دوبارہ زندہ کرکے ان سے پوچھے گا کہ کیا موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونا جس کے تم دنیا میں منکر تھے حق نہیں کہیں گے کیوں نہیں قسم ہے ہمارے رب کی ضرور حق ہے خدا تعالیٰ فرمائیں گے پس چکھو عذاب کا مزہ بدلے میں اس کے جس کا تم کفر کرتے تھے یعنی تم نے خود قیامت کے حق ہونے کا اقرار کرلیا جس کے تم دنیا میں منکر تھے اب تم اس کفر کا مزہ چکھو اس کے بعد ان کو دوزخ میں بھیج دیا جائے گا تحقیق خراب اور برباد ہوئے وہ لوگ جنہوں نے حق تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے کو جھٹلایا یعنی جنہوں نے خدا کے سامنے حساب کے لیے پیش ہونے کا انکار کیا یہاں تک کہ جب ان پر قیامت ناگہاں آکھڑی ہوگی تو اس وقت یہ کہیں گے کہ ہائے افسوس ہماری کوتاہی پر جو ہم نے قیامت کے بارہ میں کی اور بے دھڑک ہو کر گناہ کیے جس کی اب کوئی تلافی نہیں اور یہ لوگ اپنے گناہوں کے بوجھ کو اپنی پیٹھوں پر لادے ہوتے ہوں گے جس سے پشت جھکی ہوئی ہوگی آگاہ ہوجاؤ وہ بہت ہی بُرا بوجھ ہوگا جو اٹھائے ہوئے ہوں گے اور بلاشبہ ظاہر ہے کہ کفر اور معصیت کے بوجھ سے بڑھ کر کون سا بوجھ برا اور بڑا ہوسکتا ہے اور اس مصیبت کی اصل وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ اس دنیاوی زندگی کے سوا کوئی زندگی ہی نہیں جیسا کہ گذرا یہ بالکل غلط ہے اور حقیقت اس کے برعکس ہے یہ دنیاوی زندگانی کچھ نہیں مگر چند روز کھیل اور دل بہلانا ہے اور کھیل اور تماشہ پر فریفتہ ہونا نابالغوں اور بے عقل اور بے شعور بچوں کا کام ہے اور البتہ دار آخرت وہ دار بقاء اور دار دوام ہے سو وہ بہتر ہے اُن لوگوں کے لیے جو خدا سے ڈرتے ہیں اور لہو ولعب سے بچتے ہیں کیا تم کو سمجھ نہیں کہ حیات باقیہ کے مقابلہ میں لہو ولعب کو ترجیح دیتے ہو مرد بنو حقیقی منافع کی فکر کرو بچوں اور نابالغوں کی طرح کھیل اور تماشہ پر کیوں مفتون بنے ہوئے ہو

خلق اطفالند جز مست خدا ⁂ نیست بالغ جز رھیدہ از ہوا

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِىْ يَقُوْلُوْنَ

ہم جانتے ہیں کہ تجھ کو غم دلاتی ہیں ان کی باتیں

فَإِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُونَكَ وَلَٰكِنَّ الظَّٰلِمِينَ بِـَٔايَٰتِ

سو وہ تجھ کو نہیں جھٹلاتے لیکن بے انصاف اللہ کے حکموں سے

اللَّهِ يَجْحَدُونَ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّن

منکر ہوتے جاتے ہیں اور جھٹلایا ہے بہت رسولوں کو تجھ سے

قَبْلِكَ فَصَبَرُوا۟ عَلَىٰ مَا كُذِّبُوا۟ وَأُوذُوا۟

پہلے پھر صبر کرتے رہے جھٹلانے پر اور ایذا پر

حَتَّىٰٓ أَتَىٰهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَٰتِ اللَّهِ ۚ وَلَقَدْ

جب تک پہنچی ان کو مدد ہماری اور کوئی بدلنے والا نہیں اللہ کی باتیں اور تجھ

جَآءَكَ مِن نَّبَإِي۟ الْمُرْسَلِينَ ﴿۳۴﴾ وَإِن كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ

کو پہنچ چکا ہے کچھ احوال رسولوں کا اور اگر تجھ پر بھاری ہے انکا

إِعْرَاضُهُمْ فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَن تَبْتَغِىَ نَفَقًا فِى

تغافل کرنا تو اگر تو سکے ڈھونڈ نکالنی کوئی سرنگ

الْأَرْضِ أَوْ سُلَّمًا فِى السَّمَآءِ فَتَأْتِيَهُم بِـَٔايَةٍ ۚ وَلَوْ شَآءَ

زمین میں یا کوئی سیڑھی آسمان میں پھر ان کو لا دے ایک نشانی اور اگر اللہ چاہتا

اللَّهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدَىٰ ۚ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْجَٰهِلِينَ ﴿۳۵﴾

جمع کر لاتا سب کو راہ پر سو تو مت ہو نادانوں میں

إِنَّمَا يَسْتَجِيبُ الَّذِينَ يَسْمَعُونَ ۘ وَالْمَوْتَىٰ يَبْعَثُهُمُ

مانتے وہ ہیں جو سنتے ہیں اور مُردوں کو اُٹھا دے گا

اللَّهُ ثُمَّ إِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ﴿۳۶﴾ وَقَالُوا۟ لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ

اللہ پھر اس کی طرف جاویں گے اور کہتے ہیں کیوں نہیں اتری اس پر

اٰيَةً مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ

کچھ نشانی اس کے رب سے تو کہہ اللہ کو قدرت ہے کہ اتارے کچھ نشانی

اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ

لیکن ان بہتوں کو سمجھ نہیں اور کوئی چلتا نہیں

فِى الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ

زمین میں نہ جانور ہے کہ اڑتا ہے دو پروں سے مگر ایک ایک امت ہے

اَمْثَالُكُمْ ؕ مَا فَرَّطْنَا فِى الْكِتٰبِ مِنْ شَىْءٍ ثُمَّ اِلٰى

تمہاری طرح ہم نے نہیں چھوڑی لکھنے میں کوئی چیز پھر اپنے

رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّ

رب کی طرف اکٹھے ہوں گے اور وہ جو جھٹلاتے ہیں ہماری آیتیں بہرے اور

بُكْمٌ فِى الظُّلُمٰتِ ؕ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ؕ وَمَنْ

گونگے ہیں اندھیروں میں جس کو چاہے اللہ گمراہ کرے اور جس کو

يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۹﴾

چاہے ڈال دے سیدھی راہ پر

تسلی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وتلقین صبر

قال تعالیٰ قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِىْ يَقُوْلُوْنَ ... الیٰ ... يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ

(ربط) اوپر کی آیتوں میں منکروں کے انکار اور تکذیب کا بیان تھا جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بمقتضائے شفقت ورأفت صدمہ اور رنج ہوتا تھا کما قال تعالیٰ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا وقال تعالیٰ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ لہٰذا حق جل شانہ ان آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی اور تشفی فرماتے ہیں کہ اے نبی

آپ ان لوگوں کی تکذیب سے رنجیدہ اور ملول نہ ہوں یہ تکذیب کرنے والے آپ کی تکذیب نہیں کر رہے ہیں بلکہ فی الحقیقت اللہ کی تکذیب کر رہے ہیں اور خدا تعالیٰ کو جھٹلا رہے ہیں خدا تعالیٰ خود ہی ان کو سمجھ لے گا آپ فکر میں نہ پڑیں اور آپ کو تو انبیاء سابقین کے حالات بذریعہ وحی معلوم ہو چکے ہیں کہ انہوں نے اپنی قوم کی تکذیب پر کیسا صبر کیا بالآخر اللہ نے اُن کو غالب کیا اور خدا تعالیٰ نے اُن سے جو فتح و نصرت کا وعدہ کیا تھا وہ پورا کیا کما قال تعالیٰ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ۔ وقَالَ تعالیٰ وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ اسی طرح آپ بھی ان کی تکذیب پر صبر کیجئے اللہ آپ کو ان پر غالب کرے گا اور فتح و نصرت کے خدا تعالیٰ نے جو آپ سے وعدے کیے ہیں وہ ایک ایک کر کے پورے ہوں گے ابوجہل نے ایک مرتبہ حضور پُر نور صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا کہ میں آپ کو جھوٹا نہیں سمجھتا بلکہ ان باتوں کو غلط سمجھتا ہوں جو آپ بیان کرتے ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی (تفسیر قرطبی ص۴۱۶ ج ۶ و تفسیر ابن کثیر)

تحقیق ہم کو یہ بات خوب معلوم ہے کہ تجھ کو وہ باتیں غم میں ڈالتی ہیں جو یہ کہتے ہیں سو یہ لوگ حقیقت میں آپ کو نہیں جھٹلاتے لیکن یہ ظالم اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں ان کی جنگ درحقیقت اللہ کے ساتھ ہے آپ ان ظالموں کا معاملہ اللہ کے سپرد کر کے بے فکر ہو جائیے خدا خود ہی ان کو سمجھ لے گا اور اگر کسی درجہ میں آپ کی بھی تکذیب ہے تو آپ کی یہ تکذیب کوئی نئی بات نہیں البتہ تحقیق آپ سے پہلے بہت سے رسولوں کی تکذیب کی گئی اور طرح طرح سے ان کو ایذائیں پہنچائی گئیں پس انہوں نے اپنی تکذیب اور ایذاؤں پر صبر کیا تھا یہاں تک کہ اُن کے پاس ہماری مدد پہنچی حالانکہ وہ بے سروسامان تھے اور اللہ کی باتوں یعنی اس کے وعدوں کو کوئی بدلنے والا نہیں اور خدا تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ قلیل کو کثیر پر غالب کرے اور اے نبیؐ بے شک تیرے پاس پیغمبروں کی بعض خبریں پہنچ چکی ہیں جن میں اُن کے صبر اور استقلال کا حال بھی مذکور ہے پس تو اُن سے اپنی تسلی کر اور یقین رکھ کہ جس طرح پہلے نبیوں کے پاس اُن کے جھٹلاتے اور ستاتے جانے کے بعد ہماری مدد پہنچی اسی طرح ہماری مدد تیرے پاس پہنچے گی اور تو کامیاب ہوگا اور تیرے جھٹلانے والے ہلاک ہوں گے اور اگر آپ پر اُن کا اسلام سے اعراض کرنا گراں اور بھاری ہے اور آپ کی تمنا اور خواہش یہ ہے کہ کسی نہ کسی طرح یہ لوگ حق کو قبول ہی کر لیں پس اگر آپ سے یہ ہو سکتا ہے کہ زمین میں کوئی سرنگ ڈھونڈ نکالیں یا آسمان میں جانے کے لیے کوئی سیڑھی تلاش کریں پھر وہاں سے ان کی فرمائش کے مطابق کوئی معجزہ اور نشانی اُن کے پاس لے آویں تو کر گذریئے اور اُن کی فرمائش کے مطابق زمین اور آسمان میں سے کوئی نشانی لا کر اُن کو دکھلا سکتے ہو تو دکھلا دیجئے

یہ لوگ پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے وَاِنْ یَّرَوْا کُلَّ اٰیَۃٍ لَّا یُؤْمِنُوْا بِهَا اس لیے ان کا معاملہ خدا کے سپرد کیجئے مقصود اس سے آپ کو اُن کے ایمان سے ناامید کرنا ہے اور آپ کو تسلّی دینا ہے کہ آپ اُن کے اعراض اور تکذیب سے رنجیدہ نہ ہوں خدا تعالیٰ کو اُن کی ہدایت منظور نہیں اور اُن کے ایمان نہ لانے میں تکوینی طور پر اللہ کی حکمتیں ہیں جن کے ادراک سے عقل قاصر ہے۔

کفار کا مطالبہ یہ تھا کہ اگر یہ نبی ہیں تو ان کے ساتھ ہمیشہ ایسی نشانی رہنی چاہیئے جسے دیکھ کر ہر کوئی یقین کرلے اور ایمان لانے پر مجبور ہو جائے سو شاید بمقتضائے شفقت حضور پُر نورؐ کا دل بھی چاہا ہو تو تادیب وتنبیہ کے لیے حق تعالیٰ نے فرمایا کہ تکوینی اور تقدیری امور میں اللہ کی مرضی کے تابع رہو اگر اللہ کو یہ منظور ہوتا کہ سب ایمان لے آئیں تو بن نشانی سب کے دل پھیر دیتا اور سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا اور اگر تکوینی اور تقدیری طور پر اللہ یہ چاہتا کہ سب ایمان لے آئیں تو سب کو شروع ہی سے بغیر نشانیوں کے ہدایت پر جمع کر دیتا مگر اللہ کو سب کی ہدایت منظور نہیں۔

در کار خانۂ عشق از کفر ناگزیر است ⁂ دوزخ کرا بسوزد گر بولہب نباشد

پس تو نادانوں میں سے مت ہو یعنی ان بدبختوں کے ایمان کی فکر میں مت پڑ ایسے سنگ دلوں کے ایمان اور ہدایت کی فکر میں پڑنا نادانی ہے مقصود اس سے حضور پُر نورؐ کی تادیب ہے کہ شفقت اور ایمان وہدایت کی حرص میں مبالغہ نہ کر بی جز ایں نیست حقیقت یہ ہے کہ حق کو وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو سنتے ہیں یعنی جو زندہ ہیں اور حق کے طالب ہیں ورنہ جو مردہ دل ہیں وہ کب کسی کی مانتے ہیں اور یہ معاندین فی الحال تو حکماً مُردے ہیں اور ایک روز حقیقۃً مُردے ہونگے اور قیامت کے دن اللہ سب مردوں کو زندہ کر کے اٹھائے گا پھر وہ سب اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے اس وقت ان کو ان کے اعراض اور تکذیب کی سزا ملے گی شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی سب سے توقع نہ رکھو کہ مانیں جن کے دل میں اللہ نے کان نہیں دیئے وہ سنتے نہیں مگر یہ کافر کہ مثال مردے کے ہیں قیامت میں دیکھ کر یقین کریں گے۔ اھ اور یہ معاندین یہ کہتے ہیں کہ اس مدعی رسالت پر اس پروردگار کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتاری گئی نشانی سے وہ خاص نشانیاں مراد ہیں جن کی وہ فرمائش کرتے تھے جیسے فرشتے کا اترنا وغیرہ وغیرہ ورنہ یوں تو آپ سے بہت سی نشانیاں دیکھتے رہتے تھے جن کو جادو کہہ کر ٹلا دیتے تھے آپ کہہ دیجیئے کہ بے شک اللہ اس پر قادر ہے کہ تمہاری فرمائش کے مطابق کوئی نشانی اتار دے مگر اس کی حکمت اور مصلحت اس کو مقتضی نہیں لیکن اُن میں کے اکثر آدمی اُس کی مصلحت کو جانتے نہیں اور نہ اُن کو اس کے انجام کی خبر ہے وہ یہ نہیں جانتے کہ نشانی کا اترنا سبب عذاب اور ہلاکت کا ہے یعنی فرمائشی نشان کا انجام یہ ہے کہ اگر اس کو دیکھ کر بھی ایمان نہ لاتے تو سب ہلاک کر دیتے جائیں گے کما قال تعالیٰ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَکًا لَّقُضِیَ الْاَمْرُ

طالب حق کی ہدایت کے لیے وہ نشانات بہت کافی ہیں جو آپ سے ظاہر ہو چکے ہیں۔

(ربط) گذشتہ آیت وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ میں قیامت کے دن مردوں کے بعث اور دوبارہ زندہ ہونے کو بیان فرمایا تھا اب آئندہ آیت میں اس کی تاکید کے لیے دواب اور طیور کے بعث اور حشر کو بیان فرماتے ہیں کہ بعث ایک ایسا امر ہے کہ قیامت کے دن جانور جو کہ غیر مکلف ہیں وہ بھی زندہ کیے جائیں گے اور ایک جانور کا دوسرے جانور سے قصاص لیا جائے گا تو انسان تو احکام الٰہیہ کا مکلف ہے اور مورد جزاء و سزا ہے اُس کا حشر کیوں نہ ہوگا چنانچہ فرماتے ہیں اور نہیں ہے کوئی جانور جو زمین میں چلتا پھرتا ہو اور نہیں ہے کوئی پرندہ کہ جو اپنے دو بازوؤں سے اڑتا ہو مگر وہ بھی تمہاری طرح امتیں[1] اور جماعتیں اور مختلف گروہ ہیں پیدائش رزق اور موت اور حشر و نشر اور قصاص میں تمہارے مماثل ہیں حشر اجساد میں تمام حیوانات انسان کے مشابہ ہیں ہم نے لوح محفوظ میں کوئی چیز بغیر لکھے نہیں چھوڑی یعنی ہر چیز ہمارے علم میں ہے اور جب یہ بات ہے تو ہر چیز کا حشر اور بعث ہم پر کیا مشکل ہے پھر یہ سب کے سب اپنے پروردگار کی طرف اکھٹے کیے جائیں گے تاکہ ایک دوسرے کا انصاف ہو جائے یعنی آدمی اور بہائم اور پرند سب کے سب قیامت کے دن انصاف کے لیے اللہ کے آگے حاضر کیے جائیں گے حیوانات نے جو ایک دوسرے پر زیادتی کی ہے اس کا اس سے بدلہ لیا جائے گا حتٰی کہ بے سینگ والی بکری کا سینگ والی بکری سے بدلہ لیا جائے گا حیوانات کا حشر باز پرس کی غرض سے نہیں ہوگا بلکہ اس لیے ہوگا کہ جو تکلیفیں اُن کو دنیا میں پہنچی ہیں ان کا عوض اور بدلہ ان کو دلایا جائے تاکہ عدل خداوندی ظاہر ہو جائے کہ خدا تعالیٰ کا عدل اور انصاف ایسا ہوتا ہے اور اس کے بعد تمام جانور مٹی کر دیئے جائیں گے اس وقت کافر یہ تمنا کرے گا يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا اور جنہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا یہ لوگ عقل کے بہرے اور گونگے ہیں اور مختلف قسم کی تاریکیوں میں گھرے ہوئے ہیں پس ان کی ہدایت ناممکن ہے اس لیے آپ ان کے اعراض اور تکذیب سے رنجیدہ اور ملول نہ ہوں کیونکہ جو شخص دوسرے کی نہ سن سکے اور نہ دوسرے سے راستہ پوچھ سکے وہ کس طرح تاریکیوں سے باہر نکل سکتا ہے اصل بات یہ ہے کہ اللہ جس کو چاہے گمراہ کر دے اور جس کو چاہے سیدھے راستہ پر کر دے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا ع

ع اوست سلطاں ہر چہ خواہد آں کند

[1] یہ زجاج سے منقول ہے امام قرطبیؒ فرماتے ہیں قال ابوہریرۃ ھی امثال لنا علی معنی انہ یحشر البھائم غدا و یقتص للجماء من القرناء ثم یقول اللّٰہ لھا کونی ترابا وھذا اختیار الزجاج فانہ قال الامم امثالکم فی الخلق والرزق والموت والبعث والاقتصاص (تفسیر قرطبی صنہ۴۲ ج ۶)

وہ مالک مطلق ہے وہ اپنی مرضی کا مختار ہے اس کو کافروں کے کفر سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا جو وہ زبردستی ان کو راہ پر لائے۔
شاہ عبدالقادرؒ لکھتے ہیں یعنی اللہ کی قدرت کی نشانیاں سب جہان میں ہیں ہر قسم کے جانوروں کا کارخانہ ایک قاعدہ پر باندھا ہے انسان کا بھی ایک قاعدہ رکھا ہے وہ پیغمبروں کی زبان سے ان کو سکھاتا ہے اگر دھیان کریں یہی نشانی بس ہے پیغمبروں کے قول پر لیکن بہرا اور گونگا اندھیرے میں پڑا کیا دیکھے اور کیا سمجھے (موضح القرآن)

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ

تو کہہ دیکھو تو اگر آوے تم پر عذاب اللہ کا یا آوے تم پر

السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۰﴾

قیامت کیا اللہ کے سوا کسی کو پکارو گے بتاؤ اگر تم سچے ہو۔

بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ

بلکہ اسی کو پکارتے ہو پھر کھول دیتا ہے جس پر پکارتے تھے اگر چاہتا

شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ﴿۴۱﴾ ع

ہے اور بھول جاتے ہو جن کو شریک کرتے تھے۔

اثبات توحید

قال تعالیٰ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ ... الٰی ... وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ
(ربط) ابتداء سورت سے اثبات توحید اور ابطال شرک کا مضمون چلا آرہا ہے اب ان آیات میں ایک خاص طریقہ پر اثبات توحید فرماتے ہیں مشرکین عرب بتوں کو خدائی کا کارکن سمجھتے تھے مگر جب کوئی مصیبت آن پڑتی تو اللہ ہی کو پکارتے اور اسی سے دعا مانگتے مقصود یہ ہے کہ جب یہ جانتے ہو کہ نفع و نقصان سب ہمارے ہی اختیار میں ہیں اور تمہارے ان بتوں کا کوئی اختیار نہیں تو پھر کیوں ان کی عبادت کرتے ہو صرف ہماری پرستش کیوں نہیں کرتے چنانچہ فرماتے ہیں اے

نبی آپ ان مشرکین سے یہ کہیے کہ بھلا مجھ کو یہ بتلاؤ کہ اگر تم پر اللہ کا عذاب آوے یا تم پر قیامت ہی آجاوے جو تمام مصیبتوں کا مجموعہ ہے تو کیا اس وقت بھی غیر اللہ کو پکارو گے اگر تم دعوائے اشراک میں سچے ہو یعنی جب تم بتوں کو پوجتے ہو اور اُن کو خدا کا شریک سمجھتے ہو تو اگر تم اس اعتقاد میں سچے ہو تو مصیبت کے وقت بھی اُنہی کو پکارا کرو تاکہ وہ تمہاری مدد کریں مگر اسوقت تم ایسا نہیں کرتے بلکہ اُسوقت تم خاص اللہ ہی کو پکارتے ہو پس وہ اُس مصیبت کو دفع کر دیتا ہے جس کے دفع کرنے کیلئے تم دعا مانگتے تھے اگر چاہتا ہے اور جتنا چاہتا ہے اور اسوقت تم ان بتوں کو بھول جاتے ہو جن کو تم اللہ کے ساتھ شریک کرتے ہو یہ حق تعالیٰ کی طرف سے الزام ہے کہ مصیبت اور سختی کے وقت تو تم خالص اللہ ہی کو پکارتے ہو اُسکے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے مگر فراخی اور راحت میں تم اللہ کو چھوڑ کر بتوں کا کلمہ پڑھنے لگتے ہو اگر تمہارے بت کچھ ہیں تو دونوں حالتوں میں تم اُن کی طرف رجوع کیوں نہیں کرتے وہذا لقولہ تعالیٰ وَإِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُونَ إِلَّا إِيَّاهُ

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَآ إِلَىٰٓ أُمَمٍ مِّن قَبْلِكَ

اور ہم نے رسول بھیجے تھے بہت امتوں پر تجھ سے پہلے

فَأَخَذْنَٰهُم بِٱلْبَأْسَآءِ وَٱلضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُونَ ﴿۴۲﴾

پھر اُن کو پکڑا سختی میں اور تکلیف میں شاید وہ گڑگڑاویں

فَلَوْلَآ إِذْ جَآءَهُم بَأْسُنَا تَضَرَّعُوا۟ وَلَٰكِن قَسَتْ

پھر کیوں نہ جب پہنچا اُن پر عذاب ہمارا گڑگڑاتے ہوتے اور لیکن سخت ہو گئے

قُلُوبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ ٱلشَّيْطَٰنُ مَا كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ ﴿۴۳﴾

دل اُن کے اور اُن کو بھلے دکھائے شیطان نے جو کام کر رہے تھے

فَلَمَّا نَسُوا۟ مَا ذُكِّرُوا۟ بِهِۦ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَٰبَ كُلِّ

پھر جب بھول گئے جو نصیحت کی تھی ان کو کھول دیئے ہم نے ان پر دروازے ہر

شَىْءٍ حَتَّىٰٓ إِذَا فَرِحُوا۟ بِمَآ أُوتُوٓا۟ أَخَذْنَٰهُم بَغْتَةً

چیز کے یہاں تک کہ جب خوش ہوئے پائی ہوئی چیز سے پکڑا ہم نے ان کو بے خبر

فَإِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ

پھر تب ہی وہ رہ گئے ناامید پھر کٹ گئی جڑ اُن ظالموں کی

ظَلَمُوْا ۭ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۵﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ

اور سراہیئے کام اللہ کا جو رب ہے سارے جہان کا تو کہہ دیکھو تو اگر

اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰي قُلُوْبِكُمْ

چھین لے اللہ تمہارے کان اور آنکھیں اور مہر کردے تمہارے دل پر

مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ

کون وہ رب ہے اللہ کے سوا جو تم کو یہ لادیوے دیکھو ہم کیسی پھیرتے ہیں

الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ﴿۴۶﴾ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ

باتیں پھر وہ کنارہ کرتے ہیں تو کہہ دیکھو تو اگر آوے تم پر

عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ

عذاب اللہ کا بے خبر یا روبرو کوئی ہلاک ہوگا مگر وہی لوگ

الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَ

جو گنہگار ہیں اور ہم جو رسول بھیجتے ہیں نہیں مگر خوشی اور

مُنْذِرِيْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا

ڈر سنانے کو پھر جو کوئی یقین لایا اور سنوار پکڑی نہ تو ڈر ہے اُن پر نہ وہ

هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ

غم کھاویں اور جنہوں نے جھٹلائیں ہماری آیتیں ان کو لگے گا

الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۴۹﴾ قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ

عذاب اس پر کہ بے حکمی کرتے تھے تو کہہ میں نہیں کہتا تم سے

عِندِی خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعۡلَمُ الۡغَیۡبَ وَلَآ اَقُوۡلُ
کو مجھ پاس ہیں خزانے اللہ کے اور نہ میں جانوں غیب کی بات اور نہ میں کہوں
لَکُمۡ اِنِّیۡ مَلَكٌ ۚ اِنۡ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوۡحٰۤی اِلَیَّ ؕ قُلۡ هَلۡ
تم سے کہ میں فرشتہ ہوں میں اسی پر چلتا ہوں جو مجھ کو حکم آتا ہے تو کہہ کب
یَسۡتَوِی الۡاَعۡمٰی وَالۡبَصِیۡرُ ؕ اَفَلَا تَتَفَکَّرُوۡنَ ﴿۵۰﴾ وَاَنۡذِرۡ
برابر ہو سکے اندھا اور دیکھتا کیا تم دھیان نہیں کرتے اور خبردار
بِهِ الَّذِیۡنَ یَخَافُوۡنَ اَنۡ یُّحۡشَرُوۡۤا اِلٰی رَبِّهِمۡ لَیۡسَ
کر دے اس قرآن سے جن کو ڈر ہے کہ جمع ہوں گے اپنے رب کے پاس اُن کا
لَهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِهٖ وَلِیٌّ وَّلَا شَفِیۡعٌ لَّعَلَّهُمۡ یَتَّقُوۡنَ ﴿۵۱﴾
کوئی نہیں اس کے سوا حمایتی نہ سفارش والا شاید وہ بچتے رہیں

بیان تباہی و بربادی مکذبین رسالت و منکرین قیامت

قال تعالیٰ وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلٰۤی اُمَمٍ مِّنۡ قَبۡلِكَ .. الیٰ .... لَعَلَّهُمۡ یَتَّقُوۡنَ

(ربط) گذشتہ آیات میں مشرکین پر وقوع عذاب کو فرض کر کے اُن کے شرک کو باطل فرمایا اب ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ کافروں پر عذاب خداوندی کا نزول کوئی فرضی چیز نہیں بلکہ بار بار پہلی امتوں پر اس کا وقوع ہو چکا ہے اس لیے ان آیات میں مُکذبین رسالت و منکرین قیامت کی تنبیہ اور تہدید کے لیے یہ بتلاتے ہیں کہ ہم نے پہلی امتوں کو تنبیہ کے لیے اول مصیبتوں میں مبتلا کیا تاکہ خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کریں مگر وہ ایسے سخت دل ہو گئے کہ اس پر بھی نہ سنبھلے اور نہ سمجھے تب ہم نے ان کو بھلا وا دیکر خوب نعمتوں کے دروازے ان پر کھول دیئے جس سے وہ عیش و عشرت میں مست ہو گئے اور خدا کی نافرمانیوں میں غرق ہو گئے اور فسق و فجور میں حد سے گذر گئے یہاں تک کہ جرم کا پیمانہ لبریز ہو گیا تب ہم نے دفعۃً ناگہانی عذاب میں ان کو پکڑ لیا اور سب کو نیست و نابود کر دیا اور طریقہ بھی یہی ہے کہ اول مجرم کو تنبیہ کی جاتی ہے تاکہ وہ آقا کی طرف

رجوع کرے لیکن اگر باوجود تنبیہ کے تمرّد اور سرکشی پر اتر آئے تو اس کو ڈھیل دی جاتی ہے یہاں تک کہ جب وہ نافرمانی میں دلیر اور بے باک ہوجاتا ہے تو یکایک اس کو پکڑ کر تباہ اور برباد کر دیا جاتا ہے حدیث میں آیا ہے کہ جب کوئی شخص گناہ کرے اور اللہ اُسے نعمتیں دے تو اُسے خوش نہ ہونا چاہیئے بلکہ اُسے یہ سمجھنا چاہیے کہ اُسے اللہ کی طرف سے ڈھیل دی جارہی ہے (تفسیر قرطبی صـ۴۲۶ ج۶ وتفسیر ابن کثیر صـ۱۳۲ ج۲)

چنانچہ فرماتے ہیں اور اے بنی کریم البتہ تحقیق ہم نے آپ سے پہلے مختلف امتوں کی طرف رسول بھیجے اور اُن کی امتوں نے اُن کو جھٹلایا بس ہم نے ان کو بطور تنبیہ تنگی معیشت اور بیماری میں پکڑا یعنی سختی اور تکلیف میں اُن کو بتلا کیا تاکہ وہ ہمارے آگے گڑگڑائیں اور روئیں اور عاجزی کریں اور کفر وشرک سے توبہ کریں مگر ان سنگ دلوں پر تنبیہ کا کوئی اثر نہ ہوا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں پس جس وقت ہمارا عذاب ان کے پاس آیا تو اس وقت کیوں نہ گڑگڑاتے یعنی اُن کو چاہیئے تھا کہ ایسی حالت میں وہ گڑگڑا لیتے تو اُن کا معاملہ ہی ختم ہوجاتا اور بلا دور ہوجاتی تضرع اور زاری سے اُن کے لیے کوئی چیز مانع نہ تھی مگر وہ نہ گڑگڑائے لیکن ان کے دل اور سخت ہوگئے اور ایمان کے لیے نرم نہ ہوئے نہ وہ ہمارے آگے گڑگڑاتے اور نہ انہوں نے ہمارے پیغمبروں کی تکذیب سے توبہ کی اور شیطان نے اُن کے اعمال کفریہ کو ان کی نظر میں آراستہ کرکے دکھلایا کہ تم جو کر رہے ہو وہ بہت خوب ہے پھر جب وہ اس نصیحت کو بھول گئے جو اُن کو کی گئی تھی اور دیدہ و دانستہ نافرمانی اور سرکشی پر اتر آئے تو پھر ہم نے تنبیہ کے طریقہ کو چھوڑ کر دوسرا طریقہ اختیار کیا جو ان کی خواہش کے مطابق تھا اور ہماری حکمت کے بھی موافق تھا وہ یہ کہ ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے یعنی اُن کی سختی اور بدحالی کو دور کر دیا اور اُن کے رزق میں وسعت کی اور ہر قسم کی نعمتوں کے دروازے ان پر کھول دیئے کیونکہ جب وہ تنبیہ سے باز نہ آئے تو ہم نے اُن کو دنیا کی وہ تمام نعمتیں دیں جو کافروں کو دیتے ہیں۔ تاکہ ناؤ پوری بھر کر ڈوبے یہاں تک کہ جب وہ اُن نعمتوں پر جو اُن کو دی گئیں بہت خوش ہوگئے اور اترانے لگے اور حد سے گذر گئے اور یہ سمجھنے لگے کہ ہم ان ہی نعمتوں کے مستحق ہیں اور ہماری دی ہوئی نعمتوں میں اس قدر سرشار ہوئے کہ ہم کو بھول گئے تو ہم نے اُن کو اچانک پکڑ لیا کہ ہمارا عذاب یک لخت ان پر آگیا اور اُن کو اس کے آنے کی خبر نہیں ہوئی اور عیش و عشرت اور صحت وسلامت کی حالت میں یکایک عذاب آنے میں حکمت یہ تھی کہ ان چیزوں کے چھوٹنے کا افسوس بہت زیادہ ہوگا اگر بحالت افلاس وتنگدستی ان پر عذاب آتا تو اُن کو اس قدر صدمہ اور رنج نہ ہوتا پس وہ اس ناگہانی عذاب کے آتے ہی ہر چیز سے ناامید ہوگئے۔ یعنی اس وقت اُن کو یہ معلوم ہوگیا کہ اب ہم کو کبھی راحت نصیب نہ ہوگی، ہمارے برابر کوئی بدنصیب نہیں۔

شاہ صاحبؒ موضح القرآن میں فرماتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ گنہگار کو تھوڑا سا پکڑتا ہے اگر وہ گڑ گڑایا اور توبہ کی تو بچ گیا اور اتنی پکڑ نہ مانی تو بہتر بھلاوا دیا اس کو اور خوبی کے دروازے کھولے جب خوب گناہ میں غرق ہوا تو بے خبر پکڑا گیا یہ ارشاد ہے کہ آدمی کو گناہ پر تنبیہ پہنچے تو شتاب توبہ کرے بے راہ نہ دیکھے کہ اس سے زیادہ پہنچے تو یقین کروں" انتہی۔

پس کاٹ دی گئی جڑ اس ظالم گروہ کی یعنی سب کے سب یک لخت اور ایک ساتھ ہلاک ہوگئے اُن میں سے کوئی بھی نہ بچا اور سب تعریف ہے اللہ کے لیے جو پروردگار ہے سارے جہانوں کا اسباب پر کہ اُس نے اپنی رحمت سے ظالموں اور پیغمبروں کے جھٹلانے والوں کو ہلاک کیا اور اللہ کی زمین کو ان مفسدوں سے پاک کیا اس آیت میں اشارہ اس طرف ہے کہ پیغمبروں کے جھٹلانے والوں کو ہلاک کرنا مجموعہ عالم پر اللہ کا بڑا انعام ہے جس پر حمد اور شکر لازم ہے اے نبی آپ ان کافروں سے یہ کہیئے کہ بتلاؤ اگر اللہ تمہاری شنوائی اور بینائیوں کو چھین لے اور تم کو اندھا اور بہرا کر دے کہ تم نہ کچھ سن سکو اور نہ کچھ دیکھ سکو اور تمہارے دلوں پر مہر لگا دے کہ کچھ نہ سمجھ سکو مطلب یہ ہے کہ تمہارے یہ تینوں اعضاء جو اشرف الاعضاء ہیں وہ بیکار ہو جائیں اور اُن کے جاتے رہنے کی وجہ سے تمہارے تمام جسم کا نظام درہم برہم ہو جائے تو بتلاؤ کہ اللہ کے سوا کونسا معبود ہے جو تم کو یہ چیزیں لا کر دیدے تو پھر تم اس کے سوا دوسروں کی کیوں پرستش کرتے ہو مطلب یہ ہے کہ مستحق عبادت وہ ذات ہے جو ان اعضاء اور قوائے ادراکیہ کے دینے اور چھیننے پر قادر ہو اور یہ بت جنکو تم پوجتے ہو کس طرح مستحق ہوتے (اے نبی) دیکھیئے تو سہی کہ ہم کس طرح پھیر پھیر کر مختلف طریقوں سے اپنی توحید کی نشانیاں بیان کرتے ہیں پھر بھی وہ ان کے ماننے اور قبول کرنے سے اعراض کرتے ہیں اور منہ پھیرتے ہیں (اے نبی) آپؐ ان سے یہ بھی کہہ دیجیئے کہ بتلاؤ تو سہی کہ اگر تم پر اللہ کا عذاب ناگہاں اور ایکبارگی آجائے کہ پہلے سے جس کی کوئی علامت اور نام ونشان نہ ہو یا رو برو اور آشکارا طور پر آنکھوں دیکھتے تم پر عذاب آجائے تو سوائے ظالموں کے اور کون ہلاک کیا جائے گا یعنی تم ہی ہلاک ہوگے لہٰذا بہتر یہ ہے کہ عذاب آنے سے پہلے ہی اپنے ظلم اور شرک سے توبہ کر لو اور ہم نہیں بھیجتے پیغمبروں کو مگر بشارت دینے والے ڈرانے والے اہل ایمان اور اہل طاعت کو جنت کی بشارت دینے کیلئے اور منکرین اور مکذبین کو عذاب الٰہی سے ڈرانے کے لیے اور اس لیے نہیں بھیجے گئے کہ وہ معاندین کے فرمائش کے مطابق معجزات دکھلائیں پس جو کوئی ایمان لے آیا اور اُس نے اپنی حالت کو درست کر لیا پس اُن پر قیامت کے دن کچھ خوف نہیں اور نہ وہ آخرت میں غمگین ہوں گے اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اُن کو عذاب پہنچے گا اس لیے کہ وہ دین کی حدود سے باہر نکل چکے تھے اے نبی آپؐ ان معاندین سے جو آپ سے قسم قسم کے معجزات

کی فرمائشیں کرتے ہیں یہ کہہ دیجئے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں جن سے تمہاری حاجتیں پوری کرسکوں اور نہ میں غیب کی باتیں جانتا ہوں کہ جو تم آئندہ کی باتیں پوچھا کرو تو میں فوراً بتلا دیا کروں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں جو تم مجھ پر اعتراض کرتے ہو کہ یہ کیسا نبی ہے جو کھاتا اور پیتا ہے اور عورتیں اور اولاد رکھتا ہے میں تو اللہ کا نبی اور رسول ہوں جو جنس بشر سے ہوتے چلے آئے اور جب نبی نوع بشر سے ہوگا تو لوازم بشریت اور خواص انسانیت سے کیسے پاک اور منزہ ہوسکتا ہے میں رسالت کے ساتھ ملکیت کا مدعی نہیں تاکہ تم مجھ پر یہ طعن کرو کہ یہ کیسا نبی ہے جو بیوی اور بچے بھی رکھتا ہے جیسا کہ معاندین کہتے تھے اَبَعَثَ اللّٰہُ بَشَرًا رَّسُوْلًا کیا خدا تعالیٰ نے بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے رسول تو فرشتہ ہونا چاہیے سو آپ کہہ دیجئے کہ نبوت کے لیے ملکیت ضروری نہیں باوجود بشر ہونے کے میں اللہ کا رسول بھی ہوں مجھ پر اللہ کی وحی نازل ہوتی ہے قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَیَّ الخ میں تو صرف اس چیز کی پیروی کرتا ہوں جو بذریعہ وحی مجھ پر نازل کی جاتی ہے اور اس کے اتباع کی دوسروں کو دعوت دیتا ہوں آپ ان معاندین سے کہہ دیجئے کہ کیا نابینا اور بینا برابر ہوسکتا ہے مطلب یہ ہے کہ اندھا اور سوجھا یعنی عالم اور جاہل اور مشعل ہدایت کا پیرو اور نور حق سے آنکھ بند کرنے والا برابر نہیں ہوسکتے کیا تم دھیان نہیں کرتے کہ حق اور باطل کا فرق تم پر واضح ہوجائے اور آپ اس قرآن سے ان لوگوں کو خبردار کر دیجئے کہ جو اس بات سے ڈرتے ہیں کہ اپنے پروردگار کی طرف اکٹھے کئے جائیں یعنی جن کو قیامت کا خوف لگا رہتا ہے ان کو قرآن کے ذریعہ نصیحت کیجئے اور بتلا دیجئے کہ قیامت کے دن ان کے لیے خدا کے سوا نہ کوئی کارساز اور حمایتی ہوگا اور نہ کوئی سفارشی ہوگا شاید وہ پرہیزگاری کریں یعنی قرآن سے مسلمانوں کو ڈراؤ تاکہ وہ اس پر عمل کرکے پرہیزگار بن جائیں اور ابوالسعودؒ یہ کہتے ہیں کہ اَلَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ سے گنہگار مسلمان مراد نہیں بلکہ کافروں کا گروہ مراد ہے کہ جو حشر و نشر کو جائز اور ممکن سمجھتے تھے اور اس کے بارہ میں متردد تھے البتہ وہ کافر جو قطعی طور پر حشر و نشر کے منکر تھے وہ مراد نہیں۔

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ

اور نہ ہانک اُن کو جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح اور شام

يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ۭ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ

چاہتے ہیں اس کا منہ تجھ پر نہیں ان کے حساب میں سے کچھ

وَمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ

اور نہ تیرے حساب میں سے ان پر ہے کچھ کہ تو ان کو ہانک دے

فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۲﴾ وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ

پھر ہوئے تو بے انصافوں میں اور اسی طرح ہم نے آزمایا ہے ایک کو

بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ؕ

ایک سے کہ کہیں کیا یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے فضل کیا ہم سب میں سے

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ

کیا اللہ کو معلوم نہیں حق ماننے والے اور جب آویں تیرے پاس

يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى

ہماری آیتیں ماننے والے تو کہہ سلام ہے تم پر لکھی ہے تمہارے رب نے اپنے

نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ

اوپر مہر کرنی کہ جو کوئی کرے تم میں برائی نادانی سے پھر

ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵۴﴾ وَ

اس کے بعد توبہ کی اور سنوار پکڑی تو یوں ہے کہ وہ ہے بخشنے والا مہربان اور

كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۵۵﴾ ع

اسی طرح ہم بیان کرتے ہیں آیتیں اور تو کھل جاوے راہ گنہگاروں کی

حکم اعزاز و اکرام درویشانِ اسلام بتقدیم سلام و تبشیر ایشاں برحمت خداوند انام

قال تعالیٰ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ .. الٰی ..... وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ

(ربط) اوپر سے سلسلۂ کلام مشرکین کے بارہ میں چلا آرہا ہے یہ آیت قریش کے بعض مغرور اور متکبر سرداروں کے بارہ میں نازل ہوئی ایک مرتبہ سرداران قریش نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ آپ کی مجلس میں ہمیشہ فقیر اور غلام ہوتے ہیں جیسے بلالؓ اور صہیبؓ اور عمارؓ اور مقدادؓ اور ابن مسعودؓ ہمارا دل چاہتا ہے کہ ہم آپ کے پاس آکر بیٹھیں اور آپ کی باتیں سنیں لیکن آپ کے پاس رذیل لوگ بیٹھتے ہیں اور ہم اشراف قریش ہیں ہمارا اُنکے ساتھ مل کر بیٹھنا ہمارے لیے عیب اور عار ہے اس لیے ہم جب آپ کے پاس آیا کریں تو آپ اپنی مجلس سے ان لوگوں کو اٹھا دیا کریں آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا خیال اس طرف ہوا کہ سردارانِ قریش کی یہ درخواست منظور کر لیجائے شاید اس بہانہ سے یہ لوگ اسلام لے آئیں اور حضرت عمرؓ نے بھی یہی مشورہ دیا کہ یا رسول اللہ ایسا کرکے دیکھیے تو سہی کہ سرداران قریش اس کے بعد کیا کرتے ہیں یعنی امتحاناً ان کی یہ درخواست منظور کر لیجائے (معاذ اللہ) اس سے درویشان اسلام اور فقراء مسلمین کی تحقیر مقصود نہ تھی بلکہ رؤساء قریش کی تالیف قلب بامید ہدایت مقصود تھی اور چونکہ خود صحابہ کو اس کا علم تھا اس لیے اس سے ان کی دل شکنی بھی نہ ہوئی یہ رائے ابھی خیال ہی کے درجہ میں تھی عمل کی نوبت نہیں آئی تھی کہ اس بارہ میں یہ آیتیں نازل ہوگئیں اور حق تعالیٰ کی طرف سے ممانعت آگئی کہ آپ ہرگز ایسا نہ کریں (تفسیر قرطبی ص ۴۳۱ ج ۶ و تفسیر کبیر ص ۵ ج ۴)

اور بذریعہ وحی آپ کو بتلا دیا گیا کہ یہ تدبیر نافع نہ ہوگی اور حکم آگیا کہ آپ ان متکبرین کی تبلیغ کی خاطر اپنی مجلس سے درویشان اسلام کو جدا نہ کیجیے بلکہ یہ درویش جب آپ کی مجلس میں حاضر ہوں تو ان کو سلام کیجیے اور خدا تعالیٰ کی رحمت کی بشارت ان کو سنا دیجیے یہ لوگ اگرچہ غریب اور فقیر ہیں مگر حق کے طالب صادق ہیں ان کی خاطر داری اور تالیف قلوب روساء کفار کی تالیف پر ہزار درجہ مقدم ہے اس آیت سے مقصود یہ بتلانا ہے کہ نیکوں اور بزرگوں کا احترام اور اُن کی ایذا رسانی اور تحقیر اور گرانی خاطر سے اجتناب غایت درجہ ضروری اور لازم ہے۔ شیخ فریدالدین عطار فرماتے ہیں ؎

حبِّ درویشاں کلید جنت است ✤ دشمن ایشاں سزائے لعنت است

چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی آپ اپنی مجلس سے اُن لوگوں کو علٰحدہ اور دور نہ کیجیے جو صبح اور شام اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں اور صرف اس کی ذات پاک یعنی صرف اس کی رضامندی اور خوشنودی کے طلب گار ہیں یعنی یہ لوگ خداوند ذوالجلال کے اس درجہ عاشق صادق ہیں کہ سوائے رضاء مولیٰ کوئی چیز بھی ان کے پیش نظر نہیں ان کی عبادت کسی دنیاوی اور اُخروی نعمت کے حصول کے لیے نہیں ؎

خلاف طریقت بود کاولیا ⁂ تمنا کنند از خدا جز خدا

یہ لوگ عشق خداوندی کے اس منزل میں پہنچ چکے ہیں کہ سوائے رضاء مولیٰ کوئی چیز بھی ان کو مطلوب نہیں مطلب یہ ہے کہ یہ فقراء مسلمین اپنی عبادت میں مخلص ہیں اور اخلاص کا اقتضاء یہ ہے کہ مخلص کے اکرام اور احترام کو ہر حال میں ملحوظ رکھا جائے اور رؤساء قریش علاوہ ازیں کہ ان کو غریب اور مسکین ہونے کی وجہ سے حقیر سمجھتے تھے ان کے اخلاص اور ایمان پر طعن کرتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ یہ لوگ آپ کے گرد کھانے پینے کی غرض سے جمع ہو گئے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کے جواب کے لیے فرماتے ہیں نہیں ہے ان کے حساب سے آپ پر کوئی ذمہ داری اور جواب دہی اور نہ آپ کے حساب سے ان پر کوئی ذمہ داری اور جواب دہی ہے یعنی قیامت کے دن ان کے اعمال کی بابت آپ سے باز پرس نہ ہوگی جب کہ وہ ظاہر میں متقی اور پرہیزگار ہیں تو آپؐ پر ظاہر کے مطابق معاملہ کرنا ضروری ہے جب وہ ظاہر میں نیک ہیں تو آپ بھی ان کو نیک ہی سمجھئے اور اگر اُن کے دل میں کچھ کھوٹ ہوگا تو اس کا حساب لینے والا اللہ ہے جیسا کہ نوح علیہ السلام کا قول ہے اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰى رَبِّيْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ پس جب اُن کے باطن کی تحقیق اور تفتیش آپ کے ذمہ نہیں سو اگر بالفرض آپ ان سرداران قریش کی ہدایت اور ایمان کی طمع میں ان غریب مخلصوں کو اپنی مجلس سے ہٹانے لگیں تو ظالموں میں ہو جائیں گے یعنی نکالنا جب مناسب ہوتا کہ جب تجھ کو یہ خوف ہوتا کہ ان کی وجہ سے مجھ سے باز پرس ہوگی اور جب یہ خوف نہیں تو ایسے مخلصین کا اپنی مجلس سے ہٹانا بے انصافی ہے۔

ف (۱) آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان فقراء مومنین کا طرد نہیں فرمایا مگر چونکہ ایک دینی مصلحت کی بناء پر ان کی علیحدگی کا ارادہ فرمایا اس لیے اسکو مجازاً طرد سے تعبیر کر دیا گیا گویا کہ ایسے مخلصین کی علیحدگی کا خیال بمنزلہ نکال دینے کے ہے۔

ف (۲) آیت میں خطاب اگرچہ بظاہر آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ہے مگر مقصود سنانا اُن ظالموں کو ہے جو ان درویشان اسلام کو مجلس سے اٹھانا چاہتے تھے اور اسی طرح ہم نے بعض کو بعض سے آزمایا ہے کسی کو فقیر اور کسی کو امیر بنایا اور کسی کو تندرست اور کسی کو بیمار کیا ہمارا مقصود اس سے امتحان اور آزمائش ہے کسی کو دنیا کے معاملہ میں آگے اور آخرت کے معاملہ میں پیچھے کیا اور کسی کو اس کے برعکس تاکہ یہ مالدار اور رئیس لوگ یہ کہیں کہ کیا یہی فقیر اور درویش لوگ ہیں جن پر اللہ نے ہمارے درمیان سے انعام اور احسان کیا ان کو اسلام کی توفیق دی یعنی اسلام اگر خدا کا انعام ہوتا تو ان حقیر اور رذیل لوگوں پر کیوں ہوتا اس کے مستحق تو ہم تھے یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ اللہ ہم رئیسوں پر تو انعام نہ کرے اور ان فقیروں پر انعام کرے جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ ان لوگوں کا گمان یہ تھا کہ ہم معزز لوگ ہیں اور

ہماری دنیاوی خوشحالی اس بات کی علامت ہے کہ ہم اللہ کے محبوب اور مقبول بندے ہیں ان کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ تو دل کو دیکھتا ہے اور اس بات کو کہ کون اللہ کے حق کو مانتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب تو یہ عطا فرمایا کہ دنیا کی امیری اور فقیری خدا کے نزدیک مقبول اور محبوب ہونے کی دلیل نہیں بلکہ یہ منجانب اللہ فتنہ اور آزمائش ہے ایک ضد کو دوسری ضد سے آزماتے ہیں امیروں کا فقیروں سے آزمانا اس طرح ہے کہ وہ ان کو نظر حقارت سے نہ دیکھیں اور فقیروں کا امیروں سے آزمانا اس طرح ہے کہ وہ ان کی دولت پر حسد نہ کریں آئندہ آیت میں ان متکبر اور مغرور اور معاند لوگوں کے اس بے ہودہ اعتراض کا ایک اور جواب ارشاد فرماتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ کا انعام اُن لوگوں پر ہوتا ہے جو اس کی نعمت کے قدر دان اور شکر گذار ہوں ناقدروں اور ناشکروں پر انعام نہیں ہوتا چنانچہ فرماتے ہیں کیا اللہ اپنے شکر گذاروں کو خوب طرح جاننے والا نہیں یعنی خدا خوب جانتا ہے کہ کون دل سے اس کی نعمتوں کا قدر دان اور شکر گذار ہے اور کون ناشکر اور ناقدرا ہے پس ان درویشوں نے اللہ کی نعمت ہدایت کی قدر کی اسلیے اُن کو اسلام اور ہدایت کی توفیق سے نوازا اور تم جیسے متکبرین اور معاندین کو کیا دے جن کا شیوہ ناشکری ہے اور چونکہ یہ درویشان اسلام خدا کے مقبول اور محبوب ہیں اس لیے آپ کو حکم دیا جاتا ہے کہ آپ ہرگز ہرگز ان کو اپنی مجلس سے اٹھانے کا خیال بھی نہ کریں بلکہ جب یہ مخلص لوگ آپ کے پاس حاضر ہوں جو صدق دل سے ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں تو آپ ان سے یہ کہیے کہ سلامتی ہو تم پر گھبراؤ نہیں اللہ کی طرف سے تم پر سلامتی اور امن ہے تمہارے پروردگار نے اپنی ذات پر تمہارے لیے رحمت اور مہربانی کو لکھ لیا ہے یعنی لازم کر لیا ہے اور وہ رحمت اور مہربانی یہ ہے تحقیق تم میں سے جو شخص نادانی سے کوئی برا کام کر بیٹھے اور پھر اس کے بعد توبہ کر لے اور اپنی حالت کو درست کرے تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے ؎

درد مندان گنہ را روز و شب ✤ شربتے بہتر ز استغفار نیست

آرزو مندان وصل یار را ✤ چارہ غیر از نالہا و زار نیست

اور اسی طرح ہم دلائل توحید کو تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں تاکہ مجرمین کی راہ خوب آشکارا اور ظاہر ہو جاوے کہ لوگ اس راہ پر چلنے سے اجتناب کریں مطلب یہ ہے کہ حق اور باطل کی راہ الگ الگ اور جدا اور ممتاز ہو جاتے تاکہ چلنے والوں کو کوئی اشتباہ باقی نہ رہے۔

✤ ✤ ✤

قُلۡ اِنِّیۡ نُہِیۡتُ اَنۡ اَعۡبُدَ الَّذِیۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ

تو کہہ مجھ کو منع ہوا ہے کہ پوجوں جن کو پکارتے ہو اللہ کے سوا

اللّٰهِ ۭ قُلْ لَّآ اَتَّبِعُ اَهْوَاۗءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَآ اَنَا

تو کہہ میں نہیں چلتا تمہاری خوشی پر سو تو میں بہک چکا اور نہ ہوا راہ

مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿۵۶﴾ قُلْ اِنِّىْ عَلٰي بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَكَذَّبْتُمْ

پانے والا تو کہہ مجھ کو شہادت پہنچی میرے رب کی اور تم نے اسکو

بِهٖ ۭ مَا عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ۭ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ

جھٹلایا میرے پاس نہیں جس کی شتابی کرتے ہو حکم کسی کا نہیں سوائے اللہ کے

يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ ﴿۵۷﴾ قُلْ لَّوْ اَنَّ

کھولتا ہے حق بات اور وہ ہی بہتر چکانے والا تو کہہ اگر میرے

عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِيَ الْاَمْرُ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۭ

پاس ہو جس کی شتابی کرتے ہو تو فیصل ہو چکے کام میرے تمہارے بیچ

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۸﴾ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا

اور اللہ کو خوب معلوم ہیں بے انصاف اور اسی کے پاس کنجیاں ہیں غیب کی انکو نہیں

يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ۭ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ وَمَا تَسْقُطُ

جانتا اس کے سوا اور وہ جانتا ہے جو جنگل اور دریا میں ہے اور نہیں جھڑتا

مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ

کوئی پتہ جو وہ نہیں جانتا اور نہ کوئی دانہ زمین کے اندھیروں میں

وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۹﴾

اور نہ ہرا نہ سوکھا جو نہیں کھلی کتاب میں

∴ ∴ ∴

بت پرستی کی مذمت اور ممانعت اور خدا پرستی کی حقانیت اور دعوت

قال اللہ تعالیٰ قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ... الی ... وَلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ

(ربط) ان آیتوں میں حق جل شانہ نے بت پرستی کی مذمت اور ممانعت ذکر فرمائی اور بعد ازاں خدا پرستی کی حقانیت اور اس کی دعوت کا ذکر فرمایا کہ جو اوصاف معبود میں ہونے چاہئیں وہ سوائے خدا تعالیٰ کے کسی میں نہیں خدا کے سوا نہ کوئی عالم الغیب ہے اور نہ کوئی قادر مطلق ہے اور نہ کوئی نفع اور ضرر کا مالک ہے پس جب یہ اوصاف خدا کے سوا کسی میں نہیں پائے جاتے تو پھر خدا کے سوا کسی اور کی پرستش کیوں کرتے ہیں توحید ہی سیدھا راستہ ہے جس کی اسلام تم کو تعلیم دیتا ہے پس تم ایک ہی خدا کی عبادت اور بندگی کرو اور اسی سے ڈرو جس کی طرف تم سب مرنے کے بعد اٹھائے جاؤ گے یہ سلسلۂ کلام قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ سے شروع ہو کر وَهُوَ الْحَكِیْمُ الْخَبِیْرُ تک چلا گیا چنانچہ فرماتے ہیں آپ ان لوگوں سے جو آپ کو بُت پرستی کی دعوت دیتے ہیں یہ کہہ دیجئے کہ مجھ کو ممانعت کی گئی کہ میں اُن معبودوں کی پرستش کروں جن کو تم خدا کہہ کر پکارتے ہو حالانکہ تم اس کا اعتراف اور اقرار کرتے ہو کہ وہ اللہ سے کمتر ہیں اور جو کمتر ہے وہ خدا نہیں ہو سکتا اور نہ مستحق عبادت ہو سکتا ہے خدا تو وہ ہے جو سب سے بالا اور برتر ہو آپ یہ بھی کہہ دیجئے کہ میں تمہاری خواہشوں کی پیروی نہیں کرتا یعنی میں نہ بتوں کی پرستش کروں گا اور نہ فقراء مسلمین کو اپنے پاس سے ہٹاؤں گا اگر میں ایسا کروں تو گمراہ ہو جاؤں اور ہدایت پانے والوں میں سے نہ رہوں حالانکہ میں تو من جانب اللہ ہدایت دے کر بھیجا گیا ہوں میں کیسے گمراہی کے راستہ کو اختیار کر سکتا ہوں آپ کہہ دیجئے کہ تحقیق میں تو اپنے پروردگار کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں کہ تمہارے بتوں کا عجز ظاہر ہے اور عاجز کی عبادت سراسر حماقت ہے اور تم نے اس روشن دلیل کو جھٹلایا جس میں شک اور تردد کی بھی گنجائش نہیں اور جو روشن دلائل میں تمہارے سامنے بیان کرتا ہوں تو تم اس کے جواب سے تو عاجز ہو مذاق اڑانے کے لیے یہ کہتے ہو کہ اگر یہ حق ہے تو اس کی تکذیب پر فوراً عذاب کیوں نازل نہیں ہو جاتا تو آپ کہہ دیجئے میرے پاس وہ عذاب نہیں جس کی تم جلدی کرتے ہو یعنی عذاب کا نازل کرنا میرے اختیار میں نہیں جب اللہ کو منظور ہو گا تم پر نازل کر دیگا جیسا کہ پہلی امتوں پر نازل کر چکا ہے حکم کسی کا نہیں سوائے اللہ کے اللہ تعالیٰ حق کو دلائل اور براہین سے بیان کرتا ہے اور وہی سب فیصلہ کرنے والوں سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے میرا اور تمہارا فیصلہ اللہ کے ہاتھ میں ہے جب چاہے گا فیصلہ کر دے گا فیصلہ کی تاریخ مجھے معلوم نہیں آپ کہہ دیجئے کہ تحقیق اگر وہ عذاب جس کو تم جلدی مانگ رہے ہو میرے پاس

ہوتا یعنی میرے اختیار میں ہوتا تو میں اب تک اس کو نازل کر چکا ہوتا اور میرے اور تمہارے درمیان میں جھگڑا کبھی طے ہو چکا ہوتا اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتا ہے کوئی اس کے علم اور قدرت سے باہر نہیں نکل سکتا سب اُس کی نظر میں ہیں وہ علیم بھی ہے اور حلیم بھی ہے اور حکیم بھی ہے عذاب میں جلدی نہیں کرتا اور اس کی تاخیر حکمت سے خالی نہیں اس آیت میں حق تعالیٰ نے یہ بتلایا کہ کوئی ظالم اور کوئی مجرم اُس کی نظر سے پوشیدہ نہیں وہ سب کو خوب جانتا ہے اب آئندہ آیات میں اللہ تعالیٰ کے علم محیط اور قدرت کاملہ کا ذکر ہے تاکہ ثابت ہو جائے کہ عذاب میں تاخیر جہل یا عجز کی بناء پر نہیں بلکہ حلم عظیم اور حکمت بالغہ کی بناء پر ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور اللہ ہی کے پاس ہیں غیب کی کنجیاں یا غیب کے خزانے جن کو سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا اور نہ کوئی جان سکتا ہے۔

امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں جو لفظ مفاتح آیا ہے اس میں علماء تفسیر کے دو قول ہیں (۱) بعض علماء کے نزدیک مفاتح، مِفتح بکسر المیم کی جمع ہے جس کے معنی کنجی کے ہیں ان علماء نے مفاتح الغیب کا ترجمہ غیب کی کنجیوں سے کیا ہے اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ جن کنجیوں سے غیب کا قفل کھلتا ہے وہ سب اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں یعنی وہی خدائے برحق عالم الغیب ہے اس کے سوا کسی کو غیب کا علم نہیں۔

(۲) اور بعض علماء کے نزدیک مفاتح۔ مَفتح بفتح المیم کی جمع ہے جس کے معنی خزانہ کے ہیں ان علماء نے مفاتح الغیب کا ترجمہ غیب کے خزانوں سے کیا ہے اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ غیب کے تمام خزانے صرف اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں اس کو اختیار ہے کہ اپنے خزانہ میں سے جس کو چاہے اور جتنا چاہے دے یا جتنا چاہے اُتنا بتلا دے کما قال تعالیٰ اِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا عِنۡدَنَا خَزَآئِنُہٗ وَمَا نُنَزِّلُہٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعۡلُوۡمٍ

پہلے قول کی بناء پر خدا تعالیٰ کا عالم الغیب ہونا اور اس کے احاطۂ علمی کا بیان کرنا مقصود ہوگا اور دوسرے قول کی بناء پر خدا تعالیٰ کی کمال قدرت اور کمال تصرف اور کمال ملکیت کا بیان کرنا مقصود ہوگا کہ تمام ممکنات اس کے قبضۂ قدرت اور دست تصرف میں ہیں جس طرح چاہتا ہے ان میں تصرف کرتا ہے خلاصۂ کلام یہ کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ علم غیب اور احاطۂ علمی اور کمالِ قدرت اور کمالِ تصرف سب حق تعالیٰ ہی کے ساتھ مخصوص ہے کوئی اس کا شریک اور سہیم نہیں آئندہ آیات میں پھر اس کے احاطۂ علمی کو بیان کرتے ہیں اور وہ جانتا ہے جو کچھ جنگل اور دریا میں ہے مطلب یہ ہے کہ خشکی اور تری کی ہر چیز کی اس کو خبر ہے اور نہیں گرتا درخت سے کوئی پتا مگر وہ جانتا ہے اس کو یعنی خدا کو پتوں کی گنتی بھی معلوم ہے اور نہیں ہے کوئی دانہ زمین کی اندھیریوں میں اور نہیں ہے کوئی تر اور نہ کوئی خشک چیز مگر روشن کتاب یعنی لوح محفوظ

میں ثبت ہے مطلب یہ ہے کہ کوئی چیز اللہ کے علم سے باہر نہیں خواہ وہ کلی ہو یا جزئی فلاسفۂ یونان کا ایک نادان گروہ یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو علم کلیات کا تو ہے مگر جزئیات کا علم نہیں اس آیت سے اُن کا رد ہو گیا

وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّىٰكُم بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُم

اور وہی ہے کہ تم کو بھر لیتا ہے رات کو اور جانتا ہے جو کما چکے ہو

بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيهِ لِيُقْضَىٰ أَجَلٌ مُّسَمًّى ۖ ثُمَّ

دن کو پھر تم کو اٹھاتا ہے اس میں کہ پورا ہو وعدہ جو ٹھہرا دیا پھر

إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٦٠﴾

اسی کی طرف پھیرے جاؤ گے پھر جتا دے گا تم کو جو کرتے ہو

دلائل کمالِ قدرت

قال تعالیٰ وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّىٰكُم بِاللَّيْلِ ..... الیٰ .... ثُمَّ يُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ

گذشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ کے کمال علم کا بیان تھا اب اس آیت میں حق تعالیٰ کے کمال قدرت اور کمال تصرف کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف پلٹتے رہتے ہیں کبھی حیات سے موت کی طرف اور کبھی خواب سے بیداری کی طرف یہ تصرفات حق تعالیٰ کے کمال قدرت اور کمال تصرف پر دلالت کرتے ہیں اور خواب کے بعد بیداری یہ بعث بعد الموت کا نمونہ ہے جس سے قیامت کا امکان ثابت ہوتا ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ وہ ہے کہ جو رات کو سلا کر تم کو پورا لے لیتا ہے تمہارے ہوش و حواس کو معطل کر دیتا ہے کہ مر دے اور سوتے میں کوئی فرق نہیں رہتا اور خوب جانتا ہے جو کچھ تم نے دن میں کمایا اور کسب کیا اور پھر وہ تم کو دن میں نیند سے اٹھاتا ہے تاکہ اس سونے اور جاگنے کے دوران سے عمر کی مدت مقررہ پوری کر دی جائے یعنی تمہاری دنیاوی عمر پوری ہو جائے پھر مرنے کے بعد تمہارا اسی کی طرف لوٹنا ہے پھر وہ تم کو جتائے گا جو کچھ تم دنیا میں کرتے تھے اور اس کے مناسب سزا دے گا خوب سمجھ لو کہ تمہارا سلانا اور جگانا یہ صحت بعث اور امکانِ قیامت کی

واضح دلیل ہے۔

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ۭ حَتّٰٓى
اور اسی کا حکم غالب ہے اپنے بندوں پر اور بھیجتا ہے تم پر نگہبان یہاں تک

اِذَا جَاۗءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا
کہ جب پہنچے تم میں کسی کو موت اس کو بھر لیویں ہمارے بھیجے لوگ اور وہ

يُفَرِّطُوْنَ ﴿٦١﴾ ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ۭ اَلَا
قصور نہیں کرتے پھر پہنچائے جاویں گے اللہ کی طرف جو مالک ان کا ہے تحقیق

لَهُ الْحُكْمُ ۣ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ﴿٦٢﴾ قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ
سن رکھو حکم اسی کا ہے اور وہ شتاب لیتا ہے حساب تو کہہ کون تم کو بچا لاتا

مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ
ہے جنگل کے اندھیروں سے اور دریا کے جس کو پکارتے ہو گڑگڑاتے اور چپکے

لَىِٕنْ اَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿٦٣﴾
اگر ہم کو بچا لیوے اس بلا سے تو البتہ ہم احسان مانیں

قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ
تو کہہ اللہ بچاتا ہے ان سے اور ہر گھبراہٹ سے پھر تم شریک ٹھہراتے ہو

تُشْرِكُوْنَ ﴿٦٤﴾ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓي اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ
تو کہہ اسی کو قدرت ہے کہ بھیجے تم پر عذاب اوپر سے

عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ
یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے یا ٹھہرا دے تم کو کئی

شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَأْسَ بَعْضٍ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ

فرقے کرکر اور چکھادے ایک کو لڑائی ایک کی دیکھ کس پھیر سے

نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾ وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ

ہم کہتے ہیں باتیں شاید وہ سمجھیں اور اُس کو جھوٹ بتایا تیری قوم

وَهُوَ الْحَقُّ ؕ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۶۶﴾ لِكُلِّ نَبَاٍ

نے اور یہ تحقیق ہے تو کہہ میں نہیں تم پر داروغہ ہر چیز کا ایک

مُّسْتَقَرٌّ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ

وقت ٹھہر رہا ہے اور آگے جان لوگے اور جب تو دیکھے وہ لوگ کہ

يَخُوْضُوْنَ فِيْۤ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا

بکتے ہیں ہماری آیتوں میں تو ان سے کنارہ کر جب تک کہ بکنے لگیں

فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ؕ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا

اور کسی بات میں ، اور کبھی بھلاوے تجھ کو شیطان تو نہ

تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۶۸﴾ وَمَا عَلَى

بیٹھ بعد نصیحت کے بے انصاف قوم کے ساتھ اور

الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ

پرہیزگاروں پر نہیں کچھ ان کا حساب لیکن

ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۶۹﴾ وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ

نصیحت کرنی ہے شاید وہ ڈریں اور چھوڑ دے جنہوں نے ٹھہرا دیا اپنا دین

لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهٖۤ اَنْ

کھیل اور تماشا اور بہکے دنیا کی زندگی پر اور اس سے نصیحت دے

تُبْسَلَ نَفْسٌ بِمَا كَسَبَتْ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُونِ اللَّهِ
ان کو کہ گرفتار نہ ہو جائے کوئی اپنے کیے میں کہ نہیں اس کو اللہ کے سوا
وَلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ وَإِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَا يُؤْخَذْ
حمایتی نہ سفارش والا اور اگر بدلہ دے سارے بدلے قبول نہ ہوں اس
مِنْهَا أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أُبْسِلُوا بِمَا كَسَبُوا لَهُمْ شَرَابٌ
سے وہی ہیں جو گرفتار ہوئے اپنے کیے میں ان کو پینا ہے
مِنْ حَمِيمٍ وَعَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ﴿٧٠﴾
گرم پانی اور مار ہے دکھ والی بدلہ کفر کرنے کا

نوعِ دیگر از دلائلِ کمالِ قدرت وکمالِ حکمت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ... الیٰ ... بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ

گذشتہ آیات کی طرح ان آیات میں دوسری طرح سے اپنی کمال قدرت اور کمال حکمت کے دلائل اور حساب وکتاب اور حشر ونشر کا حق ہونا بیان فرماتے ہیں اور وہی اللہ قاہر اور غالب ہے اپنے بندوں پر یعنی خدا سب پر غالب اور زبردست ہے اور تمام بندے اس کی قدرت اور مشیت کے نیچے مقہور اور مجبور ہیں اور وہ رفعت شان اور بلندی رتبہ میں سب سے بالا اور برتر ہے امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں فوقیت سے باعتبار مکان اور جہت کے فوقیت مراد نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ مکان اور جہت سے پاک اور منزہ ہے بلکہ قہر اور غلبہ اور قدرت کے اعتبار سے فوقیت مراد ہے (تفسیر کبیر ص۵۹ ج۴)

اور اس کے قہر اور غلبہ اور فوقیت کی ایک دلیل یہ ہے کہ وہ تم پر نگہبان فرشتے بھیجتا ہے کہ جو تمام زندگی تمہارے اعمال کو لکھتے ہیں اور تمہاری جان کی حفاظت اور نگہبانی کرتے ہیں پس اسی طرح تمام عمر تم اس قاہر غالب کی نگرانی میں رہتے ہو یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجاتا ہے تو ہمارے فرشتے اس کی روح قبض کرتے ہیں اور وہ فرشتے قبض روح میں کوتاہی نہیں کرتے یعنی جس کام پر وہ متعین ہیں اس کو بخوبی انجام دیتے ہیں جس وقت اور جس طرح قبض

روح کا حکم ہوتا ہے اُسی طرح اُس کو بجا لاتے ہیں قبض روح میں فرشتے رشوت نہیں لیتے پھر مرنے کے بعد یہ سب بندے اپنے مولائے برحق کی طرف لوٹا دیئے جائیں گے تحقیق سن رکھو حکم اسی کا ہے اس کے سوا کسی اور کا حکم اور فیصلہ نہیں چلتا اور وہ سب حساب لینے والوں سے جلد حساب لینے والا ہے طرفۃ العین میں تمام مخلوقات کا حساب لے لے گا اور ایک لحظہ میں ساری عمر کی بھلائی اور برائی واضح کر دے گا باوجود بے شمار مخلوقات کے ایک کا حساب دوسرے کے حساب سے مانع نہ ہوگا جس طرح وہ تمام عالم کو بلا غلطی کے بیک وقت رزق دینے پر قادر ہے اسی طرح وہ قیامت کے دن تمام عالم کا بیک وقت حساب کرنے پر قادر ہوگا اور یہ اسکے کمال قدرت اور کمال قہر کی دلیل ہے۔

ف جاننا چاہیئے کہ فرشتے تین قسم کے ہیں ایک قسم تو وہ ہے کہ جو انسان کی مضرتوں سے حفاظت کے لیے مقرر کیے گئے ہیں کما قال تعالیٰ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ دوسری قسم وہ ہے کہ وہ فرشتے انسان کے اعمال کی حفاظت اور کتابت کے لیے مقرر کیے گئے ہیں کما قال تعالیٰ وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ وقال تعالیٰ اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ تیسری قسم وہ فرشتے ہیں کہ جو انسان کی جان نکالنے کے لیے مقرر کیے گئے ہیں اور اس قسم کے فرشتوں کے سردار حضرت عزرائیلؑ ہیں اس لیے آیات میں توفی اور موت کی اسناد کبھی ملک الموت کی طرف ہوتی ہے اور کبھی دیگر ملائکہ کی طرف ہوتی ہے جو ملک الموت کے اعوان اور مددگار ہیں اور کبھی باری تعالیٰ کی طرف اسناد ہوتی ہے کہ اصل حکم اللہ ہی کا ہے بغیر اس کے حکم کے کسی کو موت نہیں آتی آپ ان لوگوں سے جو خدا تعالیٰ کی حفاظت اور نگرانی اور قہر کے منکر ہیں یہ کہیئے کہ بتلاؤ کہ وہ کون ذات ہے جو تم کو جنگل اور سمندر کی تاریکیوں یعنی پریشانیوں اور حیرانیوں سے اس حالت میں نجات دیتا ہے کہ تم اُس کو گڑگڑاتے اور آہستہ پکارتے ہو یعنی ایسے وقت میں تم صرف اللہ ہی کو پکارتے ہو اور بتوں کو بھول جاتے ہیں تو پھر بے فائدہ ان کو کیوں پوجتے ہو اور اُس وقت تم خدا سے یہ وعدہ کرتے ہو کہ اے اللہ اگر تو نے ہم کو ان مصیبتوں کے تاریکیوں سے نکال دیا تو ہم ضرور بالضرور تیرے شکر گذاروں میں سے ہو جائیں گے آپ کہدیجیئے کہ اللہ تعالیٰ تم کو ان تاریکیوں سے اور ہر غم سے نجات دیتا ہے پھر بھی تم شرک کرنے لگتے ہو یعنی نجات پانے کے بعد اپنے وعدے پر قائم نہیں رہتے اور مصیبت سے رہائی کے بعد بدستور اسی کفر و شرک کی طرف لوٹ جاتے ہو آپ کہدیجیئے کہ تم خدا کے اس مہلت دینے سے بے فکر نہ ہو جاؤ جس طرح وہ شدتوں اور مصیبتوں سے نجات دے سکتا ہے اسی طرح وہ تم کو پہلے کی طرح دوبارہ بھی مبتلا کر سکتا ہے کیونکہ وہ اللہ اس بات پر قادر ہے کہ اوپر کی جانب سے یعنی آسمان کی جانب سے تم پر کوئی عذاب بھیج دے جیسے پتھر برسانا ہوا اور بارش کا طوفان آجانا یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے تم پر کوئی عذاب بھیج دے جیسے زلزلہ اور

خسف اور غرق مانند فرعون اور قارون کے یا تم کو کسی داخلی اور اندرونی عذاب میں مبتلا کر دے وہ یہ کہ تم کو گروہ گروہ بنا کر آپس میں بھڑا دے اور ایک کو دوسرے کی لڑائی کا مزہ چکھا دے یعنی باہمی خود غرضیوں کی وجہ سے خدا تعالیٰ تم کو باہمی جنگ وجدال اور پارٹی بندی کے عذاب میں مبتلا کر دے اس امت کو پہلی قسم کے عذابوں سے محفوظ کر دیا گیا یعنی اس امت پر اس قسم کا کوئی عذاب نازل نہ ہوگا جیسا کہ پہلی امتوں پر نازل ہوا البتہ یہ امت تیسری قسم کے عذاب میں مبتلا ہوگی جسے اندرونی اور داخلی عذاب کہنا چاہیے وہ باہمی پارٹی بندی اور آپس کی جنگ وجدال کا عذاب ہے جب خود غرضی آتی ہے تو پھوٹ پڑ جاتی ہے اور آپس کا ائتلاف مبدل با ختلاف ہو جاتا ہے جو داخلی عذاب ہے اے نبی آپ دیکھیے تو سہی کہ ہم کس طرح بار بار اپنی نشانیوں اور دلیلوں کو بیان کرتے ہیں شاید یہ لوگ سمجھ جائیں اور حق کی طرف رجوع کریں لیکن یہ ایسے نادان ہیں کہ کسی طرح ان کی سمجھ میں نہیں آتا بلکہ آپ کی قوم نے تو اس قرآن کو جھٹلایا حالانکہ وہ بالکل برحق ہے اس کے حق اور کلام الٰہی ہونے میں تو کوئی شبہ ہی نہیں یا یہ معنی ہیں کہ آپؐ کی قوم نے آنے والے عذاب کو جھٹلایا اور یہ کہا کہ یہ سب جھوٹی دھمکیاں ہیں عذاب وغیرہ کچھ نہیں آئے گا حالانکہ اس عذاب کا آنا جس کی خبر دی گئی ہے وہ حق اور صدق ہے وہ عذاب اپنے وقت پر ضرور آئے گا آپ کہدیجیے کہ حق تو واضح ہو چکا ہے میں تم پر نگہبان اور داروغہ نہیں ہوں یعنی حق کا منوانا اور نہ ماننے والوں پر عذاب کا نازل کرنا میرے اختیار میں نہیں میں تو صرف اللہ کا پیغام پہنچانے والا ہوں حق کا دل میں اتارنا یا نہ ماننے پر سزا دینا یہ اللہ کے اختیار میں ہے ہر خبر کا ایک وقت مقرر ہے اور عنقریب تم اس خبر کی صداقت کو جان لوگے جب وہ خبر تمہارے سامنے آئے گی اس وقت تمہیں اس خبر کی سچائی معلوم ہو جائے گی اور خود جان لوگے کہ جس عذاب سے تم کو قرآن میں ڈرایا گیا تھا وہ کہاں تک حق اور صدق تھا۔

اور اے نبی جب تو ان لوگوں کو دیکھے جو ہماری آیتوں میں بکواس کرتے ہیں یعنی ان کے ساتھ استہزاء کرتے ہیں اور ان میں عیب نکالتے ہیں تو آپ ایسے لوگوں سے کنارہ کش ہو جائیے یہاں تک کہ وہ اس طعن واستہزاء کو چھوڑ کر دوسری بات میں لگ جائیں مشرکین عرب اپنی مجالس میں بیٹھ کر قرآن کا استہزاء کیا کرتے تھے خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ ایسے وقت میں اُن سے کنارہ کرو اور اُن کے پاس نہ بیٹھا کرو تاکہ تم اُن کے زمرہ میں داخل ہو کر اُن کی طرح مستحق عذاب نہ بن جاؤ کما قال تعالیٰ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ إِنَّكُمْ إِذًا مِّثْلُهُمْ اس آیت میں خطاب نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم کو ہے مگر مراد سب مسلمان ہیں کیونکہ سب مسلمان نبی کے تابع ہیں اور اگر شیطان تجھ کو بھلا دے یعنی اس مجلس میں بیٹھنے کی ممانعت تجھے یاد نہ رہے اور بھولے سے ان کی مجلس میں بیٹھ جائے تو یاد آنے کے بعد ان ظالم لوگوں کے پاس نہ بیٹھ یعنی اگر بھولے سے بیٹھ گیا ہے تو یاد آنے کے بعد فوراً اٹھ کھڑا ہو اور جو لوگ خدا سے ڈرتے

ہیں اور آیات اللہ پر طعن اور استہزاء اور نکتہ چینی کو برا جانتے ہیں اور ایسی مجالس میں شرکت سے حتی الوسع بچتے ہیں تو ایسے لوگوں پر ان مشرکین کے طعن اور استہزاء کے حساب میں سے کوئی مؤاخذہ اور دار و گیر نہیں یعنی مسلمانوں سے اُن کے اعمال قبیحہ کا کوئی مؤاخذہ نہیں وہ جانیں اور ان کا کام لیکن مسلمانوں کے ذمہ بشرط قدرت اور بقدر ضرورت نصیحت کرنا اور ان کو سمجھانا فرض ہے شاید وہ تمہاری نصیحت کرنے سے ان باتوں سے باز آجائیں اور عجب نہیں کہ تمہارا ان کی مجلس سے اُٹھ کھڑا ہونا اور ان کے اس فعل قبیح پر اپنی ناگواری کا اظہار کسی وقت اُن کی ہدایت کا سبب بن جائے اور وہ اس ناشائستہ حرکت پر نادم ہو کر تائب ہو جائیں

ان آیات میں حق جل شانہٗ نے مسلمانوں کو کافروں کی خاص اس مجلس سے کنارہ کشی کا حکم دیا جہاں آیات اللہ پر طعن اور استہزاء کیا جاتا ہو اب آئندہ آیت میں ایسے لوگوں کی عام مجالست اور مصاحبت ترک کرنے کا ارشاد ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور ایسے ظالموں کی مجالست اور مصاحبت میں مجلس استہزاء اور تکذیب کی تخصیص نہیں بلکہ غیرت ایمانی کا تقاضا یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو چھوڑ دو جنہوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشا بنالیا اور دنیا کی زندگی نے اُن کو دھوکہ میں ڈال دیا اور دنیا کے نشہ میں مست ہو کر یہ سمجھ بیٹھے کہ جو کچھ ہے وہ یہی دنیا ہے ایسے لوگوں کو چھوڑ دو اور ان سے قطع تعلق کر دو جسے اپنے انجام اور مرنے کے بعد کی فکر نہ ہو وہ بے عقل ہے اور اس قرآن کے ذریعہ اُن کو آخرت کا بھولا ہوا سبق یاد دلائیے تاکہ کوئی نفس اپنی بداعمالی کی وجہ سے گرفتار مصیبت نہ ہو جائے یعنی نصیحت سے فائدہ یہ ہے کہ شاید یہ لوگ اپنے بُرے اعمال کو ترک کر دیں اور دوزخ میں جانے سے بچ جائیں اس لیے کہ قیامت کے دن اُس نفس کے لیے سوائے اللہ کے کوئی مددگار نہیں اور نہ کوئی سفارشی ہے اور اگر کوئی نفس اُس دن اپنی خلاصی کے لیے ہر قسم کا بدلہ بھی دیوے تو وہ اُس سے قبول نہ کیا جائے گا غرض یہ کہ کسی صورت پیچھا نہیں چھوٹے گا کیونکہ یہی لوگ جنہوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشہ بنا رکھا ہے گرفتار عذاب ہوئے ہیں اپنے برے اعمال کی بناء پر ان کے پینے کو سخت کھولتا ہوا پانی ہے اور دردناک عذاب ہے اس لیے کہ وہ کفر کرتے تھے اور آخرت کے اور اس کے عذاب کے منکر تھے۔

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا

تو کہہ کیا ہم پکاریں اللہ کے سوا جو نہ بھلا کرے ہمارا نہ بُرا

وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعۡقَابِنَا بَعۡدَ اِذۡ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِى

اور پھیرے جاویں الٹے پاؤں جب اللہ ہم کو راہ دے چکا

اسۡتَهۡوَتۡهُ الشَّيٰطِيۡنُ فِى الۡاَرۡضِ حَيۡرَانَ لَهٗۤ اَصۡحٰبٌ

جیسے ایک شخص کو بھلا دیا جنوں نے جنگل میں بھٹکتا اس کے رفیق

يَّدۡعُوۡنَهٗۤ اِلَى الۡهُدَى ائۡتِنَا ؕ قُلۡ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ

پکارتے ہیں راہ کی طرف کہ آ ہمارے پاس تو کہہ اللہ نے راہ بتائی

الۡهُدٰى ؕ وَاُمِرۡنَا لِنُسۡلِمَ لِرَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۝۷۱ وَاَنۡ اَقِيۡمُوا

سو یہی راہ ہے اور ہم کو حکم ہوا کہ تابع رہیں جہان کے صاحب کے اور یہ کہ کھڑی رکھو

الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوۡهُ ؕ وَهُوَ الَّذِىۡۤ اِلَيۡهِ تُحۡشَرُوۡنَ ۝۷۲ وَ

نماز اور اس سے ڈرتے رہو اور وہی ہے جس پاس اکٹھے ہو گے اور

هُوَ الَّذِىۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ بِالۡحَـقِّ ؕ وَيَوۡمَ

وہی ہے جس نے ٹھیک بنائے آسمان اور زمین اور جس دن

يَقُوۡلُ كُنۡ فَيَكُوۡنُ ؕ قَوۡلُهُ الۡحَـقُّ ؕ وَلَهُ

کہے گا ہو تو ہو جاوے گا اسی کی بات سچ ہے اور اسی کی

الۡمُلۡكُ يَوۡمَ يُنۡفَخُ فِى الصُّوۡرِ ؕ عٰلِمُ

سلطنت ہے جس دن پھونکا جاوے گا صور جاننے والا چھپا

الۡغَيۡبِ وَالشَّهَادَةِ ؕ وَهُوَ الۡحَكِيۡمُ

اور کھلا جاننے والا اور وہی ہے تدبیر والا

الۡخَبِيۡرُ ۝۷۳

خبردار

ابطال شرک، اثبات توحید و حشر

قال تعالیٰ قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُنَا وَلَا یَضُرُّنَا ... الیٰ ... وَهُوَ الْحَکِیْمُ الْخَبِیْرُ

(ربط) اوپر سے توحید کا اثبات اور شرک کا ابطال چلا آرہا ہے اب ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ یہ لوگ جو دین اسلام کا مذاق اڑاتے ہیں اُن کو اتنی عقل نہیں کہ قابل مضحکہ یہ امر ہے کہ ایسی ذات کو معبود بنا لیا جائے کہ جو کسی قسم کے نفع اور ضرر کی مالک نہ ہو ہنسی کے قابل تو یہ بت پرست ہیں کہ جو جہالتوں اور ضلالتوں میں حیران اور سرگرداں ہیں چنانچہ فرماتے ہیں آپؐ ان مشرکوں سے یہ کہہ دیجیے کہ کیا ہم اللہ کے سوا کسی ایسی چیز کو اپنی حاجت روائی کے لیے پکاریں جو نہ ہم کو کچھ نفع ہی پہنچا سکے اور نہ ہم کو کچھ نقصان ہی پہنچا سکے یعنی کیا ہم تمہارے کہنے سے بتوں کو پوجنے لگیں جو محض عاجز ہیں اور کسی کو نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان اور کیا بعد اس کے کہ اللہ نے ہم کو راہ راست پر لگا دیا ہے ہم اپنی ایڑیوں پر کفر کی طرف الٹے پاؤں لوٹ جائیں جب کہ خدا تعالیٰ نے ہم کو کفر سے نکال کر سیدھے راستہ پر چلا دیا تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم اُس صحیح راستہ کو چھوڑ کر پھر اسی گمراہی کے راستہ کی طرف الٹے پیر لوٹ جائیں جس پر پہلے چل رہے تھے لہٰذا تمہاری یہ توقع کہ ہم کفر اختیار کرلیں بالکل فضول ہے ہم سے ہرگز ایسا نہیں ہوسکتا اور اگر معاذ اللہ ایسا ہوجائے کہ ہم توحید کی صاف اور سیدھی شاہراہ چھوڑ کر شرک کی راہ اختیار کرلیں تو ہماری مثال اُس شخص کی سی ہوگی جس کو جنات نے جنگل میں لے جا کر سراسیمہ اور حیران اور پریشان کر کے ڈال دیا ہو اور بھٹکتا پھرتا ہو جیسے یہ خبر نہیں کہ جانا کہاں ہے اس کے کچھ رفیق راہ راست پر ہیں جو اس کو سیدھی راہ کی طرف بلاتے ہیں کہ ہمارے پاس آ یہ خدا تعالیٰ نے اُن کافروں کی مثال بیان کی ہے جو خدائے برحق کو چھوڑ کر بتوں کو پوجتے ہیں اور مسلمان اُن کو راہ راست کی طرف بلاتے ہیں مطلب یہ ہے کہ مشرک کی مثال اُس مسافر کے مانند ہے جس کو جنات اور چڑیلوں نے جنگل میں راہ راست سے بہکا کر اُس کے رفیقوں سے جدا کر دیا اور وہ چاروں طرف بھٹکتا پھرتا ہے اور اس کے رفقاء از راہ خیر خواہی اُسے آوازیں دے رہے ہیں کہ ادھر آ سیدھا راستہ اس طرف ہے مگر وہ حیران اور مخبوط الحواس ہے عالم حیرانی میں ہے کچھ نہیں سمجھتا کہ کدھر جائے اور کس کا کہنا مانے ایسی حالت میں اگر اُس نے چڑیلوں کا کہنا مانا تو سیدھا راستہ اُس کو کبھی نہ ملے گا اور مر جائے گا اور اگر اُس نے اپنے رفیقوں کا کہنا مانا تو اس مہلک بیابان سے نجات پا جائے گا اور راہ راست پر آجائے گا اسی طرح سمجھ لو کہ مسافرِ آخرت کی سیدھی راہ توحید اور اسلام کی راہ ہے اور یہ سفر نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین کی رفاقت اور معیت میں طے ہوسکتا

ہے جو ان کی آواز پر کان دھرے گا وہ منزل مقصود کو پہنچے گا اور جو شیاطین الانس والجن کی آواز پر چلے گا تو وہ صحرائے ضلالت اور بیابانِ حیرت میں بھٹکتا پھرے گا حتیٰ کہ ہلاک ہو جائے گا آپ کہہ دیجیے کہ اللہ کی ہدایت وہی حقیقی ہدایت ہے یعنی ہدایت صرف دین اسلام ہے اور شرک اور بت پرستی گمراہی کی راہ ہے اور ہم کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم تمام جہانوں کے پروردگار کے مطیع اور فرمان بردار رہیں اور اسی کی عبادت کریں اور ہم کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ تم نماز قائم رکھو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور وہ وہی ذات ہے کہ جس کی طرف تم سب جمع کیے جاؤ گے اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو تدبیر محکم کے ساتھ پیدا کیا اور جس دن وہ قیامت اور حشر کو کہے گا کہ ہو جا سو فوراً وہ حشر اور قیامت ہو جائے گی اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ہر کام ہے جب خدا کسی کام کو کرنا چاہتا ہے تو کُن کہہ دیتا ہے اتنے کہنے ہی سے وہ کام فوراً ہو جاتا ہے اسی طرح جب وہ قیامت کو کہے گا کہ ہو جا سو وہ ہو جائے گی اسی کی بات حق ہے اور اسی کی سلطنت اور بادشاہی ہوگی جس دن صور پھونکا جائے گا یعنی اُس دن سوائے اُس کے کوئی ظاہری اور مجازی بادشاہ بھی نہ ہوگا جتنے بادشاہ دنیا میں ہوئے ہیں اُن کا عجز ظاہر ہو جائے گا اور سب کو معلوم ہو جائے گا کہ در حقیقت بادشاہت خدا ہی کے لیے ہے اور اس کے سوا سلطنت کے جس قدر بھی دعوے تھے وہ سب جھوٹے تھے کما قال تعالیٰ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ وقال تعالیٰ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكَافِرِينَ عَسِيرًا

صور کے متعلق جمہور کا قول یہ ہے کہ وہ ایک سینگ ہے جس میں قیامت کے دن اسرافیل علیہ السلام پھونک ماریں گے پھونک مارتے ہی تمام خلقت فنا ہو جائے گی پھر دوسری مرتبہ صور پھونکیں گے تو سب زندہ ہو جائیں گے اور یہی بات احادیث صحیحہ اور اقوال صحابہؓ سے ثابت ہے تفصیل کے لیے تفسیر ابن کثیر از ص۱۴۶ ج۲ تا ص۱۴۹ ج۲ دیکھیں جس میں نفخ صور اور حساب وکتاب کا مفصل حال بیان کیا ہے نیز دیکھو تفسیر قرطبی ص۲۰ ج۷۔

وہی جاننے والا ہے پنہاں اور آشکارا کا یعنی چھپے اور کھلے کا اور وہی ہے حکمت والا خبردار ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق جزاء دے گا پس جس ذات کی یہ شان ہو کہ وہ خالق سموات وارض ہو اور عالم الغیب والشہادة اور حکیم و خبیر ہو اُس کی عبادت اور بندگی کو چھوڑ کر شرک کی راہ کیسے اختیار کی جا سکتی ہے۔

⁘ ⁘ ⁘

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ

اور جب کہا ابراہیم نے اپنے باپ آزر کو تو کیا پکڑتا ہے

أَصْنَامًا آلِهَةً ۚ إِنِّي أَرَاكَ وَقَوْمَكَ فِي ضَلَالٍ

مورتوں کو خدا میں دیکھتا ہوں تو اور تیری قوم صریح بہکے

مُّبِينٍ ﴿٧٤﴾ وَكَذَٰلِكَ نُرِي إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمَاوَاتِ

ہوئے اور اسی طرح ہم دکھانے لگے ابراہیم کو سلطنت آسمان و

وَالْأَرْضِ وَلِيَكُونَ مِنَ الْمُوقِنِينَ ﴿٧٥﴾ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ

زمین کی اور تاکہ اس کو یقین آوے پھر جب اندھیری

اللَّيْلُ رَأَىٰ كَوْكَبًا ۖ قَالَ هَٰذَا رَبِّي ۖ فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَا

آئی اس پر رات دیکھا ایک تارا بولا یہ ہے رب میرا پھر جب وہ غائب ہوا بولا مجھ

أُحِبُّ الْآفِلِينَ ﴿٧٦﴾ فَلَمَّا رَأَى الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هَٰذَا رَبِّي ۖ

کو خوش نہیں آتے چھپ جانے والے پھر جب دیکھا چاند چمکتا بولا یہ ہے رب میرا

فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَئِن لَّمْ يَهْدِنِي رَبِّي لَأَكُونَنَّ مِنَ

پھر جب وہ غائب ہوا بولا اگر نہ راہ دے مجھ کو رب میرا تو بےشک میں رہوں

الْقَوْمِ الضَّالِّينَ ﴿٧٧﴾ فَلَمَّا رَأَى الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ

بہکتے لوگوں میں پھر جب دیکھا سورج جھلکتا بولا

هَٰذَا رَبِّي هَٰذَا أَكْبَرُ ۖ فَلَمَّا أَفَلَتْ قَالَ يَا قَوْمِ إِنِّي

یہ ہے رب میرا یہ رب سب سے بڑا پھر جب وہ غائب ہوا بولا اے قوم میں

بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ ﴿٧٨﴾ إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي

بیزار ہوں ان سے جن کو تم شریک کرتے ہو میں نے اپنا منہ کیا اُسی کی طرف جس نے

فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا ۖ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿٧٩﴾

بنائے آسمان و زمین ایک طرف کا ہو کر اور میں نہیں شریک کرنے والا

وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ؕ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ فِی اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ؕ

اور اس سے جھگڑی اس کی قوم بولا تم مجھ سے جھگڑتے ہو اللہ پر اور وہ مجھ کو سوجھا چکا

وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّیْ شَيْئًا ؕ

اور میں ڈرتا نہیں اُن سے جن کو شریک ٹھہراتے ہو اس کا مگر کہ میرا رب کچھ چاہے

وَسِعَ رَبِّیْ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَ

سمائی ہے میرے رب کے علم میں سب چیز کو کیا تم دھیان نہیں کرتے اور

كَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ

کیونکر ڈروں تمہارے شریکوں سے اور تم نہیں ڈرتے کہ شریک ٹھہراتے

بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ؕ فَاَیُّ الْفَرِيْقَيْنِ

ہو اللہ کے ساتھ جس پر نہیں اتاری اس نے کچھ سند اب دونوں فرقوں میں

اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۱﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

کس کو چاہیئے خاطر جمع کہو اگر سمجھ رکھتے ہو جو لوگ یقین لائے

وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ

اور ملائی نہیں اپنے یقین میں کچھ تقصیر انہیں کو ہے خاطر جمع اور وہی ہیں

مُّهْتَدُوْنَ ﴿۸۲﴾ وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى

راہ پائے اور یہ ہماری دلیل ہے کہ ہم نے دی ابراہیم کو اس کی

قَوْمِهٖ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ

قوم کے مقابل ۔ درجے بلند کرتے ہیں ہم جس کو چاہیں تیرا رب تدبیر والا ہے

عَلِيْمٌ ﴿۸۳﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ

خبردار اور اس کو بخشا ہم نے اسحق اور یعقوب سب کو ہدایت دی

وَنُوحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوُدَ وَ

اور نوح کو ہدایت دی ان سب سے پہلے اور اس کی اولاد میں داؤد اور

سُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۭ وَ

سلیمان کو اور ایوب اور یوسف کو اور موسیٰ اور ہارون کو اور

كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٨٤﴾ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَ

ہم یوں بدلہ دیتے ہیں نیک کام والوں کو اور زکریا اور یحییٰ اور

عِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ۭ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٨٥﴾ وَاِسْمٰعِيْلَ

عیسیٰ اور الیاس کو سب ہیں نیک بختوں میں اور اسمٰعیل

وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ۭ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى

اور الیسع اور یونس کو اور لوط کو اور سب کو ہم نے بزرگی دی سارے

الْعٰلَمِيْنَ ﴿٨٦﴾ وَمِنْ اٰبَاۗىِٕهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ

جہان والوں پر اور بعضوں کو ان کے باپ دادوں میں اور اولاد میں اور بھائیوں میں

وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٨٧﴾

اور اُن کو ہم نے پسند کیا اور راہ سیدھی چلایا

ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ

یہ اللہ کی ہدایت ہے اس پر راہ دے جس کو چاہے اپنے بندوں میں

وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٨٨﴾ اُولٰۗىِٕكَ

اور اگر وہ لوگ شریک کرتے البتہ ضائع ہوتا جو کچھ کیا تھا وہ لوگ تھے

الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ

جن کو دی ہم نے کتاب اور شریعت اور نبوت پھر اگر ان

بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾

باتوں کو یہ مکہ والے تو ہم نے ان پر مقرر کیے ہیں وہ شخص کہ وہ نہیں اُن سے منکر

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ قُلْ

وہ لوگ تھے جن کو ہدایت دی اللہ نے تو چل اُن کی راہ تو کہہ

لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۰﴾

میں نہیں مانگتا تم سے اس پر کچھ مزدوری یہ تو محض نصیحت ہے جہاں کے لوگوں کو

ابراہیم علیہ السلام کا بت پرستوں اور ستارہ پرستوں سے مناظرہ

قال تعالیٰ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً .. اِلٰی .. اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ

(ربط) ابتداء سورت سے اثبات توحید اور ابطال شرک کا سلسلہ چلا آرہا ہے اب حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ ذکر فرماتے ہیں جو مشرکین اور اہل کتاب سب کے نزدیک مسلّم بزرگ تھے اس لیے اُن کا مناظرہ ذکر کیا تاکہ سب پر حجت ہو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم بت پرستی کے ساتھ کواکب پرست یعنی ستارہ پرست بھی تھی اُن کا عقیدہ یہ تھا کہ موت اور حیات سعادت اور نحوست فتح وظفر اور شکست اور ہزیمت یہ تمام تغیراتِ عالم تاثیر کواکب کا نتیجہ ہیں اس لیے انکی خوشنودی کے لیے اُن کی پرستش ضروری ہے غرض یہ کہ کوئی بتوں اور مورتوں کو پوجتا تھا اور کوئی ستاروں کو اپنا رب ٹھہراتے ہوتے تھا حضرت ابراہیمؑ نے اُن کے اس عقیدۂ فاسدہ کی تردید کی اور جس طرح اُن کے سفلی معبودوں کی تردید کی اسی طرح اُن کے علوی معبودوں کا بھی رد فرمایا سب سے پہلے ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کی پرستش کو باطل کیا اور یہ بتلایا کہ بتوں کی عبادت سراسر گمراہی اور جہالت ہے جن بتوں اور مورتیوں کو تم نے خود تراش کر بنایا ہے وہ کیسے معبود ہو سکتے ہیں کما قال تعالیٰ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ اور باپ کو بھی توحید کی دعوت دی کما قال تعالیٰ يٰٓاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا ۔

اس کے بعد ستاروں کی خدائی کو باطل کیا اور یہ بتلایا کہ جس طرح تمہاری خود تراشیدہ مورتیں قابل پرستش نہیں اسی طرح یہ ستارے بھی قابل پرستش نہیں ان میں الوہیت کا گمان کرنا غلط ہے جس طرح بت الوہیت کے لائق نہیں اسی طرح یہ ستارے بھی الوہیت کے لائق نہیں کیونکہ یہ ستارے اُفول

اور غروب اور تغیر اور انقلاب کی وجہ سے خدائی کے لایق نہیں اس لیے کہ ان کا یہ تغیر اور انقلاب اس بات کی دلیل ہیں کہ یہ سب فانی اور حادث ہیں اور سب کے سب کسی خاص نظام میں جکڑے ہوتے ہیں اور کسی کے حکم کے سامنے مسخر ہیں ذرہ برابر بھی اُس سے عدول حکمی نہیں کر سکتے اُس نے اُن کی چال اور رفتار اور سمت اور جہت اور مسافت سب معین کر دی ہے کہ ذرہ برابر اس سے باہر نہیں جا سکتے جو ان کی کمزوری اور لاچارگی پر دلالت کرتا ہے اور ان میں یہ تغیرات اس امر کی دلیل ہیں کہ یہ کسی عزیز مقتدر کے ارادہ اور مشیت کے محکوم ہیں اور اس کے سامنے مجبور اور مقہور ہیں جو انہیں جکڑ کھلا رہا ہے لہٰذا کواکب اور سیارات کو مدبّر عالم اور مربّی کائنات سمجھنا غلط ہے چونکہ ابراہیم علیہ السّلام تمام ملتوں میں مسلم تھے اس لیے حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں متعدد مواضع میں اثبات توحید اور ابطال شرک کے بارہ میں ابراہیم علیہ السّلام کے مناظرے اور مکالمے اُن کی قوم کے ساتھ ذکر فرماتے حضرت ابراہیمؑ کا ایک مکالمہ اپنے باپ کے ساتھ سورۂ مریم میں ذکر فرمایا۔ دوسرا مناظرہ اس مقام پر ذکر فرمایا جس کی اس وقت تفسیر کی جا رہی ہے۔

تیسرا مناظرہ اپنے زمانے کے بادشاہ نمرود کے ساتھ فرمایا جس کا ذکر تیسرے پارہ کے شروع میں ہے جو اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْ حَاجَّ اِبْرٰهٖمَ کی تفسیر میں گذر چکا

اور چوتھا مناظرہ کہ بتوں کو توڑ کر پھاوڑہ بڑے بت کے کاندھے پر رکھ دیا جس کا ذکر سورۂ انبیاء میں ہے فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِیْرًا لَّهُمْ کہ جو چیز خود تمہاری تراشیدہ ہو اور بازار میں فروخت ہو سکتی ہو اور اس کی گردن میں رسّی باندھی جا سکتی ہو اور بسولہ سے اس کو توڑا جا سکتا ہو وہ خدا کیسے ہو سکتی ہے مطلب[1] یہ ہے کہ جو شخص بت پرستی یا ستارہ پرستی میں مبتلا ہو اس کی مثال اُس شخص کی سی ہے کہ جس کو شیاطین اور جنات نے بہکا کر راستہ سے الگ کر دیا ہو اور وہ چاروں طرف بھٹکتا پھرتا ہو اور اس کے رفقاء اس کو سیدھے راستہ (یعنی توحید) کی طرف بلاتے ہوں مگر وہ ایسا حیران و پریشان اور مخبوط الحواس ہو گیا کہ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ کدھر جائے چنانچہ فرماتے ہیں اور یاد کرو اُس وقت کو کہ جب اُس ابراہیمؑ نے کہ جس کو تمام مشرکین عرب اہل کتاب اپنا مقتدا اور پیشوا مانتے ہیں اپنے باپ آزر سے کہا کہ کیا تو ان بتوں کو اپنا معبود ٹھہراتا ہے جن کو تم نے بسولہ سے تراش کر بنایا ہے بلاشبہ میں تجھ کو اور تیری قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھتا ہوں کہ تم نے اپنے ہاتھ کی بنائی ہوئی مورت کو خدا بنا لیا ہے کیا بندہ بھی خدا کو بنایا کرتا ہے اور جس طرح ہم نے ابراہیمؑ کو بت پرستی کی گمراہی اور جہالت اور حماقت دکھلائی اسی طرح ہم ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی سلطنت اور عجائب قدرت دکھلانے

---

[1] ماقبل کے ساتھ ربط کی طرف اشارہ ہے۔

لگے یعنی ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینیں اُن کی نظروں کے سامنے کر دی گئیں اور چاند اور سورج اور ستاروں اور درختوں اور پہاڑوں اور سمندروں کے عجائبات ان پر منکشف کر دیئے گئے حتیٰ کہ نظر فرش سے لے کر عرش تک پہنچ گئی اور اوپر سے لے کر نیچے تک تمام اشیاء کے حقائق اور بواطن اُن کو دکھلا دیئے گئے تاکہ تمام مخلوقات سماوی اور ارضی کی عاجزی اور لاچارگی اور اُن کی ذلت اور خاکساری اور اُن کے امکان اور حدوث کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیں اور اس سے وجود باری پر استدلال کریں اور اُن کے شرک کا بطلان ظاہر کریں اور تاکہ وہ ہماری خالقیت اور وحدانیت پر اُن کامل یقین کرنے والوں میں سے ہو جائیں کہ جہاں کسی شبہ اور تردد کا غلبۂ خیال اور غلط ادراک کا کوئی احتمال ہی باقی نہیں رہتا کیونکہ مشاہدہ کے بعد شک اور تردد کی گنجائش نہیں رہتی حضرت ابراہیم کو بچشم سَر اور بچشم سِر (دل) دکھلا دیا گیا کہ آسمان اور زمین اور شمس اور قمر اور کواکب اور نجوم سب خداوند ذوالجلال کے حکم کے سامنے مسخر اور رام ہیں جس طرح چاہتا ہے وہ اِن اَجرام اور اجسام کو نچا رہا ہے اور اپنی قدرت کا تماشا دنیا کو دکھلا رہا ہے کہ ان میں سے کوئی چیز خدا نہیں ہو سکتی مطلب یہ ہے کہ ہم نے ابراہیم کو ملکوت السموات والارض کا مشاہدہ کرا دیا اور آسمان اور زمین کے تمام حقائق اور بواطن اُن کو آنکھوں سے دکھلا دیئے جس کو دیکھ کر اُن کو عین الیقین آگیا کہ یہ تمام کارخانۂ عالم خود بخود نہیں چل رہا ہے بلکہ کسی واحد قہار کے ارادہ اور حکم سے چل رہا ہے یہ عجیب و غریب نظام بخت اتفاق سے یا بے شعور طبیعت یا اندھے اور بہرے مادہ سے نہیں چل رہا ہے غرض یہ کہ اس ملکوت السموات والارض کے مشاہدہ اور معاینہ سے بت پرستی کی طرح کواکب پرستی کی جہالت اور ضلالت اور حماقت نظروں کے سامنے آگئی اور اوپر سے لے کر نیچے تک حدوث عالم کا آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا تاکہ قوم کو وجود باری اور وحدانیت کو دلیل اور برہان سے سمجھا سکیں پس جب اس رات نے اندھیرا کر لیا یعنی رات کی تاریکی چھا گئی تو اس نے ایک ستارہ زہرہ یا مشتری کو دیکھا کہ چمک رہا ہے اُسے دیکھ کر اپنی قوم سے مخاطب ہو کر کہا اے قوم کیا[1] تمہارے زعم کے مطابق یہ ستارہ میرا اور تمہارا رب ہے یعنی یہ ستارہ میرا اور تمہارا مربی اور مدبر ہے اور میرے احوال میں متصرف ہے اچھا ذرا ٹھہرو تھوڑی دیر میں اس کی ربوبیت کی حقیقت تم پر کھل جائے گی پس جب وہ ستارہ چھپ گیا تو الزاماً کہا کہ میں چھپنے والوں کو اور ایک مکان سے دوسرے مکان کی طرف منتقل ہونے والوں کو اور ایک حال سے دوسرے حال کی طرف متغیر ہونے والوں کو اور حجاب اور پردہ میں مستور

[1] اشارہ اس طرف ہے کہ "ہٰذا ربی" یہ کلام بطریق استفہام ہے بمعنی أہٰذا ربی اور اس استفہام سے مقصود اپنی قوم کی تفہیم ہے۔

ہو جانے والوں کو دوست بھی نہیں رکھتا چہ جائیکہ اُن کو خدا مانوں اس لیے کہ اُفول اور غروب ایک قسم کی دَنَاءَت اور پستی ہے اور ایک قسم کا سقوط اور انحطاط ہے اور ایک قسم کا عیب ہے ایسی چیز تو قابل محبت بھی نہیں چہ جائیکہ لائق الوہیت اور مستحق عبادت ہو کیونکہ تغیر اور ایک حال سے دوسرے حال کی طرف انتقال پروردگار کے لیے محال ہے یہ شان تو حادث کی ہے اور آفلین بصیغۂ جمع لانے میں اشارہ اس طرف ہے کہ اُفول اور غروب اس کوکب کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہزارہا اور لکھوکھا غروب ہونے والے کواکب ہیں سے ایک کوکب یہ بھی ہے اس کوکب کو دوسرے کواکب پر خاص فضیلت اور برتری نہیں جو اس کو معبود بنایا جائے (تفسیر البحر المحیط ص۱۶۷ ج ۴)

امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ ستارہ پرستوں کا عقیدہ یہ ہے کہ طلوع کے وقت کواکب کی تاثیر قوی ہوتی ہے اور اُفول اور غروب سے ستارہ کی تاثیر زائل یا کم از کم ضعیف اور مضمحل ضرور ہو جاتی ہے بلکہ زوال کے بعد سے ستاروں کی تاثیر گھٹنی شروع ہو جاتی ہے حتیٰ کہ غروب سے ان کی روشنی بھی ختم ہو جاتی ہے اور اُن کی تاثیر بھی ختم ہو جاتی ہے پس لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ کا مطلب یہ ہے کہ اگر یہ ستارہ خدا ہوتا تو طلوع اور اشراق سے اُفول اور غروب کی طرف اور قوت سے ضعف کی طرف منتقل نہ ہوتا اور نہ اُس کی تاثیر زائل ہوتی اور نہ ضعیف اور کمزور پڑتی اس لیے کہ ضعف اور اضمحلال اور قوت اور تاثیر کا فناء اور زوال الوہیت اور ربوبیت کے منافی ہے دیکھو تفسیر کبیر ص۸۰ ج ۴۔

پس کواکب کے یہ تغیرات اس امر کی دلیل ہیں کہ یہ سب کسی قادر قاہر کے مقدور اور مقہور ہیں اور کسی حاکم اعلیٰ کے محکوم اور مجبور ہیں لہٰذا خدا نہیں ہو سکتے کیونکہ خدا محکوم اور مقدور و مقہور اور مجبور نہیں ہو سکتا اور ایک مجبور قیدی اور لاچار بے گاری کو رب بنانا حماقت ہے۔

یا یوں کہو کہ جس طرح ضعف بصارت اس امر کی دلیل ہے کہ نورِ چشم اُس کا ذاتی نہیں بلکہ کسی بصیر قدیم کا عطیہ ہے اسی طرح کواکب اور سیّارات کے نور کا ضعف اور اضمحلال اس امر کی دلیل ہے کہ آفتاب اور ماہتاب میں جو نور ہے وہ اُن کا ذاتی نہیں بلکہ وہ نور السموات والارض کا عطیہ ہے اور اس کے جمال بے مثال کا ایک عکس اور پرتو ہے ورنہ اگر یہ نور آفتاب اور ماہتاب کا ذاتی ہوتا تو ان کو کسوف اور خسوف لاحق نہ ہوتا اور چاند اور سورج کو کبھی گرہن نہ لگتا پس جو ذات والاصفات شمس اور قمر کے نور کی اور ان کی حرکت کی مالک ہے وہی خدائے برحق اور رب العالمین ہے کہ جس نے اپنی حکمت بالغہ سے شمس اور قمر کو علٰحدہ علٰحدہ نور کی ایک خاص مقدار اور خاص کیفیت عطاء کی اور ان کی حرکت کے لیے ایک خاص مقدار اور خاص مسافت معین کر دی جس سے وہ باہر نہیں نکل سکتے پس کواکب کا یہ اُفول و غروب اُن کی فقیری اور دستگیری اور کمزوری اور لاچارگی پر دلالت کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ کمزوری اور لاچاری الوہیت اور ربوبیت

کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتی

یا یوں کہو کہ جو چیز پردہ میں چھپ گئی وہ محجوب اور مستور ہوگئی اور جو مستور ہوا وہ محصور ہوا اور جو محصور ہوا وہ مغلوب اور مقہور ہوا اور جو مقہور ہوا وہ لاچار اور مجبور ہوا اور لاچار اور مجبور خدا نہیں ہوسکتا کیونکہ خدا وہ ہے جو ہر چیز کے لیے ساتر اور حاصر ہو اور سب پر غالب اور جبّار اور قاہر ہو وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ۔ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ۔

پس جب یہ ستارہ غروب ہوگیا تو ابراھیم علیہ السّلام نے اسی شب میں یا کسی دوسری شب میں اس سے اعلیٰ اور برتر نور کے طلوع کا انتظار کیا پس جب چاند کو طلوع ہوتے دیکھا تو پہلے کی طرح کہا کیا تمہارے زعم کے مطابق یہ میرا اور ساری قوم کا رب ہے اچھا تھوڑی دیر اس کا بھی انتظار کرو اس کی حقیقت اور کیفیت بھی تم پر واضح ہو جائے گی پس جب وہ غائب ہوگیا تو بولا کہ اگرچہ چاند عظمت اور نورانیت کے اعتبار سے ستارہ سے بلند ہے مگر اس کی عظمت بھی قاصر ہے اور الوہیت اور ربوبیت کے لیے عظمت مطلقہ اور کاملہ چاہیئے عظمت قاصرہ و ناقصہ ربوبیت کے لیے کافی نہیں اگر میرا پروردگار میری رہنمائی نہ کرے تو میں گمراہوں میں سے ہو جاؤں کہ کسی چیز میں قاصر اور ناقص اور ناتمام عظمت دیکھ کر اُس کو خدا مان لوں یعنی یہ خدا کا فضل ہے کہ میں اپنی قوم سے مخالف ہوں اور خالص توحید پر ہوں اگر اُس کی ہدایت اور توفیق نہ ہوتی تو میں بھی ان گمراہوں کی طرح کواکب کی الوہیت کا قائل ہوتا مطلب یہ ہے کہ ہدایت کا حصول بھی پروردگار کی طرف سے ہے اور اس کا بقاء اور ہدایت پر ثابت و قائم رہنا یہ بھی پروردگار کی توفیق اور اعانت سے ہے پھر اس کے بعد ابراھیم نے ایک اور نور کے ظہور کا کہ جو اس عالم کون و فساد میں سب سے زیادہ عظیم نور ہے یعنی طلوع آفتاب کا انتظار کیا تاکہ اس کی ربوبیت کا بطلان ظاہر فرمائیں پس جب سورج کو طلوع ہوتے دیکھا تو قوم سے کہا کیا تمہارے زعم اور خیال کے مطابق میرا اور تمہارا یہ رب ہے اور ہمارے احوال کا مدبر اور ان میں یہ متصرف ہے یہ تو بظاہر چاند اور ستاروں سے بہت بڑا ہے ممکن ہے کہ یہ کوکب اپنی عظمت کی وجہ سے خدا ہو سکے پس جب وہ بھی غروب ہوگیا تو معلوم ہوا کہ یہ بھی علی الاطلاق اکبر نہیں اور اس کوکب کی بھی کبریائی مطلقہ اور قاہرہ اور دائمہ نہیں لہٰذا اس کو بھی خداوند ذوالجلال اور کبیر متعال کا شریک نہیں قرار دیا جا سکتا اس لیے کہ خدا تعالیٰ کی کبریائی اور عظمت اور جلال کو کبھی فنا اور زوال نہیں اور نہ اس میں کسی قسم کے اختلال یا اضمحلال کا ذرہ برابر کوئی احتمال ہے پس ثابت ہوگیا کہ ستارے اور شمس و قمر کسی طرح خدا نہیں ہوسکتے لہٰذا جب یہ بات واضح ہوگئی تو اے میری قوم کے لوگو! کان کھول کر سن لو کہ میں بلاشبہ بری اور بیزار ہوں اُن تمام چیزوں سے جن کو تم خدا کے ساتھ شریک کرتے ہو یہ تو سب خدا کے مزدور ہیں اور اس کے حکم کے سامنے مقہور اور مجبور ہیں جو وقت ان کی حاضری اور روانگی و طلوع اور

غروب کا اُس نے متعین کر دیا ہے اس میں ایک منٹ کی تاخیر نہیں کر سکتے پھر ان کو خدا کیسے بنایا جا سکتا ہے اور اس براءت اور بیزاری کے اعلان کے بعد فرمایا تحقیق میں ظاہراً اور باطناً اُس ذات کی طرف متوجہ ہوتا ہوں کہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا یعنی جو تمام علویات اور سفلیات کا خالق اور مالک ہے اور اُس نے اس قصر دنیا کی زینت کے لئے شمس اور قمر اور نجوم کو پیدا کیا یہ تمام ستارے اس دار دنیا کے لیے بمنزلہ لال ٹینوں اور قندیلوں کے ہیں سب اس کے کارخانۂ قدرت کے بنے ہوئے ہیں لہٰذا جو ان لال ٹینوں اور قندیلوں کو اپنا رب سمجھے وہ بڑا ہی نادان ہے میں سب سے قطع تعلق کر کے صرف ایک اللہ کی طرف مائل ہوں اور میں مشرکوں میں سے نہیں۔

ف بعض علماء فرماتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کو تین قسم کے لوگوں سے سابقہ پڑا ایک گروہ وہ تھا کہ جو زہرہ کو پوجتا تھا اور ایک گروہ وہ تھا جو چاند کو پوجتا تھا اور ایک گروہ وہ تھا جو آفتاب کی پرستش کرتا تھا اس لیے حضرت ابراہیمؑ نے بتدریج تینوں فرقوں کی گمراہی کو واضح کیا اور یہ ثابت کیا کہ غروب ہونے والی چیز حادث اور فانی ہے اُس کا معبود ہونا محال ہے خدا کے لیے بقاء اور دوام ضروری ہے اور فنا اور زوال اور تغیر اور تبدل الوہیت کے منافی ہے اور جب چاند اور سورج معبود نہیں ہو سکتے تو پتھر کے خود تراشیدہ بت بدرجۂ اولیٰ معبود نہیں ہو سکتے۔

عارف رومی قدس سرہٗ السامی ملکۂ سبا یعنی بلقیس کے قصہ میں فرماتے ہیں جس کی قوم شمس و قمر اور ستاروں کی پرستش کرتی تھی ان کی تردید میں فرماتے ہیں ؎

(۱) آفتاب از اَمرِ حق طبّاخ ماست ∴ اَبلہی باشد کہ گویم او خداست

دلیل اوّل سورج خدا کے حکم سے ہمارا باورچی ہے جو ہماری کھیتوں کو پکاتا ہے اور حکم خداوندی کا تابع ہے وہ خدا کیسے ہو سکتا ہے باورچی کو خدا کہنا صاف بیوقوفی ہے

(۲) آفتابت گر بگیرد چوں کنی ∴ آں سیاہی زو تو چوں بیروں کنی

دلیل دوم تیرا یہ معبود سورج اگر اس کو گہن لگ جائے تو بتلا کہ تو اس سے اس گہن کی سیاہی کو کس طرح دور کرے گا اس سیاہی کو دور کرنا تیری قدرت میں نہیں ذرا غور تو کر کیا خدا کو بھی سیاہی لگ جاتی ہے۔

نے بدرگاہ خدا آری صداع ∴ کیں سیاہی را ببر دادہ شعاع

کیا ایسی حالت میں تو بارگاہ خداوندی میں اپنی مصیبت اور مشکل کو نہیں پیش کرے گا اور یہ درخواست نہیں کرے گا کہ اے خدا اس کی سیاہی کو دور کر اور اس کی شعاع کو واپس فرما پس ایسی

بے بس مخلوق کیسے خدا ہو سکتی ہے خدا وہ ہے جو نور اور ظلمت کا مالک ہو اور جب چاہے آفتاب اور ماہتاب کی روشنی کو چھین لے اور جب چاہے اُسے واپس کر دے۔

(۳) گر گشندت نیم شب خورشید کو ؞ تا بنالی یا امان یابی ازو

دلیل سوم اگر آدھی رات تجھ پر قاتلانہ وار کیا جائے جب کہ سورج غائب ہوتا ہے تو پھر کون ہے کہ جس کے حضور میں تو نالہ و فریاد کرے یا اُس سے امان پائے۔

حادثات اغلب بشب واقع شود ؞ واں زماں معبود تو غائب بود

قتل اور چوری کے حادثات اکثر رات کے وقت میں ہوتے ہیں اور اس وقت تیرا معبود غائب ہوتا ہے اُس کو کچھ خبر نہیں کہ تجھ پر کیا گذر رہی ہے لہٰذا ایسا معبود اختیار کرو جو ہر وقت اور ہر جگہ حاضر و ناظر ہے

سوئے حق گر راستانہ خم شوی ؞ وارہی از اختراں محرم شوی

تو اگر صدق دل سے حق تعالیٰ کی طرف جھک جائے تو ستاروں کی عبادت سے چھوٹ جائے اور اسرار الٰہیہ کا محرم بن جائے مثنوی ص۵ دفتر چہارم۔

پھر عارف رومی اسی دفتر چہارم ص۱۲۱ پر دنیا کی بے ثباتی اور بے وفائی کے سمجھانے کیلئے بعض اشیاء عالم کے انقلابات اور تغیرات اور کون و فساد یعنی بننے اور بگڑنے کو بطور نظائر بیان فرماتے ہیں

(۴) روز دیدی طلعت خورشید خوب ؞ مرگ او را یاد کن وقت غروب

دلیل چہارم دن میں تو نے آفتاب کے طلوع کا بہت عمدہ جلوہ دیکھا ہے غروب کے وقت اس کی موت کا بھی تو کرشمہ دیکھ کہ آفتاب کے حسن و جمال پر کس طرح موت آتی ہے آفتاب کی اس حالت سے تجھ کو عبرت پکڑنی چاہیئے اور سمجھ لینا چاہیئے کہ آفتاب کا یہ نور اُس کا ذاتی نہیں بلکہ نور السموات والارض کا عطیہ اور ادنیٰ سا پرتو ہے۔

(۵) بدر را دیدی بریں خوش چار طاق ؞ حسرتش را ہم ببیں وقت محاق

دلیل پنجم تو نے آسمان کے خوبصورت خیمہ پر چودھویں رات کا چاند تو دیکھ لیا اب اس کے بعد اس کے محاق یعنی اُس کے گھٹنے اور بتدریج بے نور ہونے کے وقت اس کی حسرت کو بھی دیکھ کہ کس طرح بتدریج اس کے حسن و جمال کو زوال آیا۔

(۶) کود کے از حُسن شد مولائے خلق ؞ بعدِ فردا شد خرف رسوائے خلق

دلیل ششم ایک نوعمر لڑکا اپنے حُسن و جمال کی وجہ سے مخلوق کا سردار بن جاتا ہے بعد چندے پیر فرتوت یعنی بڈھا پھوس ہو کر دنیا کی نظر میں رسوا اور قابل

پ

نفرت ہو جاتا ہے۔

(۷) گر تنِ سیمیں براں کردت شکار ؂ بعد پیری بیں تنے چو پنبہ زار

دلیل ہفتم اگر کسی سیمین بدن کے حسن و جمال نے تیرا شکار کر لیا ہے تو بڑھاپے میں اس کا بدن دیکھ کہ سفید داڑھی اور سفید مونچھوں اور سفید بالوں سے روئی کے کھیت کے مشابہ ہو گیا ہے۔

مطلب یہ ہے جس طرح ایک انسان کے حسن و جمال کا اختلال اور اُس کا زوال اس امر کی دلیل ہے کہ وہ معبود بنانے کے قابل نہیں اسی طرح آفتاب اور ماہتاب کے حسن و جمال کا اختلال اور اس کا زوال اس امر کی دلیل ہے کہ شمس و قمر معبود نہیں ہو سکتے (دیکھو مثنوی مولانا روم ص ۱۲۱ ج ۴ دفتر چہارم) دور تک اسی قسم کی تمثیلات اور تشبیہات کا سلسلہ چلا گیا ہے۔

حکایت مولانا عبدالحق حقانی دہلویؒ اپنی تفسیر کے خلاصہ میں لکھتے ہیں کہ ایک معتبر تفسیر میں لکھا ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام شہر میں تشریف لائے اور نمرود کی ملاقات کے لیے آپ کے گھر والے اُس ناپاک ظالم کے دربار میں لے گئے نمرود ایک بہت بڑا کریہ المنظر شخص تھا آپؑ نے اس کے دربار میں جا کر دیکھا کہ تخت پر ایک نہایت بدصورت شخص بیٹھا ہے اور بہت سی حسین اور خوبصورت لونڈیاں اس کے تخت کے آگے صف بستہ کھڑی ہیں اس وقت ابراہیم علیہ السلام اپنی ماں کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے یہ کون شخص ہے جس کی ملاقات کے لیے مجھے لائی ہو ماں بولی ابراہیمؑ یہ سب کا خدا ہے ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا اچھا یہ تخت کے اردگرد جو صف باندھے کھڑے ہیں کون لوگ ہیں کہا اس کی مخلوق ہے حضرت ابراہیمؑ یہ سن کر مسکرائے اور کہنے لگے اے ماں تعجب کی بات ہے کہ تمہارے اس خدا نے اپنی صورت تو ایسی بھونڈی اور کریہ بنائی اور اپنی مخلوق کو اپنے سے اچھا اور خوبصورت پیدا کیا، چاہیئے تو یہ تھا کہ وہ خود مخلوق سے بہتر اور خوبصورت ہوتا۔ انتہیٰ کلامہ۔

تتمۂ قصّۂ مذکورہ

اب حضرت ابراہیمؑ کے قصّۂ مذکورہ کا تتمہ بیان فرماتے ہیں اور ابراہیم کی قوم نے ابراہیم سے جھگڑنا شروع کیا اور چاہا کہ بے ہودہ حجتوں سے ان پر غالب آجائیں اور یہ کہا کہ ایک معبود کا ہونا غلط ہے اور بت پرستی اور ستارہ پرستی یہ قدیم رسم ہے وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ابراہیمؑ نے کہا کیا تم مجھ سے اللہ کے بارہ میں جھگڑتے ہو اور تحقیق اللہ نے مجھ کو اپنی توحید اور معرفت کا راستہ دکھلا دیا ہے کہ خدا کے سوا ہر چیز فانی اور ناقص ہے اور خدائی کے لیے کمال مطلق

اور بقاء اور دوام ضروری ہے اور میں اُن چیزوں سے نہیں ڈرتا جن کو تم خدا کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو ابراہیم علیہ السلام نے جب بُت پرستی کا رد کیا تو لوگوں نے اُن کو ڈرایا اور یہ کہا کہ تم بتوں کو بُرا نہ کہو کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تم کو کسی بلا اور مصیبت میں پھنسا دیں اور وہ کہیں تم کو سودائی نہ بنا دیں تو ابراہیم علیہ السلام نے اُن کے جواب میں فرمایا کہ میں تمہارے بتوں سے کیوں ڈروں وہ تو پتھر ہیں نہ کسی کو نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ نفع ڈرنا تو اُس ذات سے چاہیئے جو نفع اور ضرر کی مالک ہو مگر یہ کہ میرا پروردگار کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو وہ پہنچ کر رہے گی۔ تو وہ تکلیف خدا کی طرف سے ہوگی نہ کہ ان بتوں کی طرف سے ہوگی بعض اوقات انبیاء کرام کو کوئی تکلیف پہنچتی تو مشرک اس کو اپنے بتوں کی طرف منسوب کرتے حضرت ابراہیم ؑ نے یہ کہہ کر اُن کے شبہ کو دور کر دیا کہ میرا پروردگار اگر کوئی تکلیف پہنچانا چاہے گا تو پہنچ جائے گی تو وہ تکلیف خدا کے ارادہ اور مشیت سے پہنچے گی نہ کہ بتوں کے وجہ سے میرا پروردگار علم کے لحاظ سے ہر شیئ کا احاطہ کیے ہوئے ہے کوئی شئی اُس کے علم سے باہر نہیں پس تم کیا نصیحت نہیں پکڑتے کہ عاجز اور قادر کے درمیان فرق سمجھو ڈرنے کے قابل وہ ذات ہے کہ جس کا علم اور اس کی قدرت تمام کائنات کو محیط ہو اور تمہارے معبودوں میں یہ دونوں صفتیں مفقود ہیں کیونکہ تمہارے یہ بت پتھر ہیں نہ ان کو کسی چیز کی خبر ہے اور نہ کسی کو نفع اور نقصان پہنچا سکتے ہیں اور میں کس طرح ڈروں اُن چیزوں سے جن کو تم اللہ کے ساتھ شریک کرتے ہو وہ تو پتھر ہیں نہ سنتے ہیں اور نہ دیکھتے ہیں اور نہ کسی کو نفع اور نقصان پہنچا سکتے ہیں اور تم اپنے اس جرم عظیم سے نہیں ڈرتے کہ تم نے اللہ کے ساتھ اُن چیزوں کو شریک گردانا جن کی شرکت پر اللہ نے کوئی سند نہیں اتاری محض بے دلیل اور ہوائے نفس اور اغواء شیطان سے ان کو پوجتے ہو مطلب یہ ہے کہ ڈرنا تم کو چاہیئے مگر الٹا تم ہمیں ڈراتے ہو پس اب تم ہی بتلاؤ کہ ان دونوں فریقوں یعنی موحدین اور مشرکین میں سے قیامت کے دن کونسا فریق امن کا زیادہ حق دار اور سزاوار ہے یعنی ہم موحد ہیں اور ایک واحد قہار اور قادر مقتدر پر ایمان رکھتے ہیں اور تم مشرک ہو ایک عاجز کو پوجتے ہو تو اب ہم اور تم میں نجات کا مستحق کون ہے اگر تم جانتے ہو تو بتلاؤ خیر تم تو کیا بتلاتے ہم تم کو بتلاتے ہیں کہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم یعنی شرک کے ساتھ نہیں ملایا ایسے ہی لوگوں کے لیے قیامت کے دن امن ہے اور وہی دنیا میں راہ راست پر ہیں یہ خدا تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ امن کا مستحق وہ ہے کہ جو ایمان لایا اور اُس نے اپنے ایمان کو شرک سے پاک رکھا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ مقولہ حضرت ابراہیم ؑ ہی کا ہو۔ ایک صحیح حدیث میں آیا ہے کہ ظلم سے مراد اس جگہ شرک ہے اور مطلب یہ ہے کہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو شرک کے ساتھ نہیں ملایا قیامت کے دن اُن کے لیے امن اور نجات ہے یعنی مومن موحد کا انجام

نجات ہے اور مشرک کبھی نہیں بخشا جائے گا اور یہ حجت اور دلیل جو ابراہیمؑ نے اپنی قوم پر پیش کی یہ ہماری تلقین کردہ حجت اور دلیل ہے جو ہم نے ابراہیمؑ کو اُس کی گمراہ قوم کے مقابلہ میں عطاء کی تاکہ اپنی قوم پر حجت قائم کرے یعنی ابراہیمؑ نے قوم کے مقابلہ میں جو دلائل اور براہین بیان کیے وہ ہماری تعلیم و تلقین تھی۔ کسی معلم بشری اور استاذ انسانی کی تعلیم کا اثر نہ تھا ہم جس کو چاہتے ہیں درجات اور مراتب کے اعتبار سے اتنا بلند کر دیتے ہیں کہ کسی کی مجال نہیں کہ اُس درجہ اور مرتبہ تک پہنچ سکے بے شک تیرا پروردگار حکمت والا ہے جس کو چاہتا ہے علم اور حکمت سے اور دلیل اور حجت سے نوازتا ہے۔

اب اس کے بعد حق تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کی نسل میں جو دہ پیغمبروں کا ذکر کیا کہ جو سب توحید کی دعوت اور شرک کا رد کرتے رہے اور حضرت ابراہیمؑ کے جد امجد حضرت نوحؑ کا بھی ذکر کیا تاکہ اصول اور فروع دونوں اعتبار سے ابراہیمؑ کی بزرگی اور خدا پرستی ثابت ہو جائے اور معلوم ہو جائے کہ یہ سب حضرات موحد اور توحید کے داعی اور شرک کے رد کرنے والے تھے چنانچہ فرماتے ہیں اور صرف یہی نہیں کہ ہم نے ابراہیمؑ کو اپنے پاس سے علم و حکمت عطا کیا بلکہ ہم نے اُن کو اسحٰقؑ جیسا بیٹا اور یعقوبؑ جیسا پوتا بخشا کہ جن کی اولاد میں ہزاروں نبی ہوئے اور سلسلہ توحید کا جاری رہا مطلب یہ ہے کہ ابراہیمؑ کو توحید اور اخلاص اور اہل شرک سے مباحثہ اور مناظرہ کے صلہ میں علاوہ رفع درجات کے ہم نے اُن کو نیک اور صالح اولاد عطا کی علم و حکمت کا فضل ذاتی تھا اور اولاد کا صالح اور متقی ہونا یہ فضل اضافی تھا ان سب کو ہم نے ہدایت دی یعنی ابراہیمؑ اور اسحاقؑ اور یعقوبؑ سب راہ حق پر تھے ان میں سے کوئی بھی مشرک اور یہودی اور نصرانی نہ تھا اور ابراہیمؑ سے دس قرن پہلے ہم نے نوحؑ کو ہدایت دی جو ابراہیمؑ کے جد امجد تھے اور موحد اور مخلص تھے اور باپ کا شرف بیٹے میں سرایت کرتا ہے گذشتہ آیت میں حضرت ابراہیمؑ کے بعض فروع کا ذکر تھا اب اس آیت میں بعض اصول کا ذکر فرمایا اس لیے کہ نوح علیہ السلام حضرت ابراہیمؑ کے جد امجد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ جس طرح ہم نے ابراہیمؑ کو ہدایت دی اسی طرح ابراہیمؑ سے پہلے ہم نے نوحؑ کو ہدایت دی اور اُنکی ذریت صالحہ جو کشتی میں اُنکے ہمراہ سوار تھی اُنکو نجات دی اور باقی سب غرق کر دیئے گئے اور اس امن اور نجات کے بعد اللہ تعالیٰ نے صرف ذریتِ نوح کو باقی رکھا اب سارے آدمی انہیں کی اولاد سے ہیں اس لیے نوح علیہ السلام کو آدمؑ ثانی کہتے ہیں یہ تو حضرت نوحؑ کی خصوصیت ہوئی اور حضرت ابراہیمؑ کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کے بعد جو نبی مبعوث ہوا وہ انہی کی اولاد میں سے ہوا کما قال تعالیٰ وَجَعَلْنَا فِىْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ وقال تعالیٰ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّ اِبْرٰهِيْمَ وَجَعَلْنَا فِىْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ وقال تعالیٰ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَآءِيْلَ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا اِذَا

تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا۔

اور ابراھیمؑ کی اولاد میں سے ہم نے ہدایت دی داؤدؑ اور سلیمانؑ کو اور ایوبؑ اور یوسفؑ کو اور موسیٰؑ اور ہارونؑ کو اور ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق نیک کام کیئے اور اللہ تعالیٰ نے اُن کو نیک کاموں کی جزاء دی اور اسی طرح ہم نیکوں کو جزاء دیا کرتے ہیں ظاہری سلطنت کے اعتبار سے حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ دونوں ہمرنگ ہیں کہ نبی بھی تھے اور بادشاہ بھی اور شدائد اور مصائب پر صبر کرنے کے لحاظ سے حضرت ایوبؑ اور حضرت یوسفؑ میں خاص مشابہت ہے اور حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ دونوں بھائی ہیں ان میں کسی مناسبت کی ضرورت نہیں اس لیے کہ حضرت ہارونؑ حضرت موسیٰؑ کے بطور وزیر تھے اسی لیے حضرت شاہ عبدالقادرؒ نے ترجمہ میں ان میں سے ہر دو ناموں کے بعد لفظ (کو) بڑھایا ہے تاکہ اسی مناسبت کی طرف اشارہ ہو جائے اور نیز ہم نے ہدایت دی زکریاؑ اور یحییٰؑ اور عیسیٰؑ اور الیاسؑ کو ہر ایک ان میں نیک بختوں میں تھا انبیاء کرام میں زہد اور قناعت اور درویشی اور دنیاوی لذات اور سامان عیش و راحت سے دوری اور یکسوئی کے اعتبار سے حضرت زکریاؑ اور حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ اور حضرت الیاسؑ کو خاص شانِ امتیازی حاصل ہے اس لیے ان چاروں کو علیحدہ ذکر کیا اور ہر ایک کو صلاح کے ساتھ موصوف کیا اور نیز ہم نے ہدایت دی اسمعیلؑ اور الیسعؑ اور یونسؑ اور لوطؑ کو اور ان سب کو ہم نے فضیلت دی تمام جہان والوں پر حضرت اسمعیلؑ اور الیسعؑ اور یونسؑ اور لوط علیہم الصلوٰۃ والسلام اُن انبیاء کرام میں سے ہیں جن کے مخلوق میں زیادہ متبع اور پیرو نہیں ہوئے اور نہ ان کو ظاہری سلطنت اور دنیاوی ریاست و وجاہت تھی اور نہ حضرت عیسیٰؑ و یحییٰؑ کی طرح زہد اور قناعت میں شانِ امتیازی تھی اس لیے ان چاروں کو یکجا ذکر فرمایا۔

اور نیز ان حضرات مذکورین کے کچھ باپ دادوں کو اور کچھ اولاد کو اور کچھ بھائیوں کو طریق حق کی ہدایت دی اور ہم نے ان کو برگزیدہ بنایا اور راہ راست کی طرف ان کو ہدایت کی اور یہ ہدایت جو ان حضرات کو عطا ہوئی یہ اللہ کی خاص ہدایت ہے وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے یہ ہدایت دیتا ہے اور اگر بفرض محال یہ لوگ شرک کرتے تو ان کے وہ عمل ضائع ہو جاتے جو وہ کرتے تھے کیونکہ خدا کے یہاں مشرک کے اعمال قبول نہیں یہاں تک توحید اور ہدایت کا مسئلہ بیان فرمایا۔

اب آگے مسئلہ نبوت کی طرف اشارہ کرتے ہیں یہ جماعت وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے کتاب اور حکمت اور نبوت عطاء کی جس کے ذریعہ طریقہ حق کی ہدایت حاصل ہوتی ہے پس اگر یہ مکہ کے کافر آپ کے طریق ہدایت کا انکار کریں تو آپ غم نہ کیجیے کیونکہ پس تحقیق ہم نے آپ کے طریق ہدایت کے قبول کرنے کے لیے ایسے گروہ کو مقرر کیا جو ان باتوں کے منکر نہیں

اس گروہ سے مراد مہاجرین اور انصار کا گروہ ہے جنہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے طریق ہدایت کو دل وجان سے قبول کیا یہ انبیاء مذکورین وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالٰی نے خاص ہدایت دی پس آپ ان کی روش اور طریقہ کی پیروی کیجئے مطلب یہ ہے کہ توحید اور ابطال شرک میں ان کے طریقہ پر چلو یا صبر اور تحمل میں ان کی چال پر چلو یا اخلاق حمیدہ اور افعال پسندیدہ میں اُن کا طریقہ اختیار کرو آپ صاف کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس تبلیغ قرآن پر کسی قسم کا کوئی معاوضہ نہیں چاہتا نہیں ہے یہ قرآن مگر نصیحت تمام جہان کے لوگوں کے لیے اور بس جو اس نصیحت کو قبول نہ کرے وہ اپنی بدبختی اور محرومی کا ماتم کرے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ ان مقبولان خدا جن کا ان آیات میں ذکر کیا گیا ان کی راہ راہِ ہدایت تھی اور یہ سب خدا تعالےٰ کے ہدایت یافتہ تھے حضرت ابراہیمؑ سے پہلے اُن کے جدِ امجد حضرت نوحؑ موحد اور مخلص تھے اور پھر ابراہیمؑ کے بعد اُن کی نسل میں سے یہ لوگ جن کی بزرگی بلاد عرب وعجم میں مشہور تھی وہ بھی سب موحد تھے مشرک نہ تھے پس جس کو راہ ہدایت مطلوب ہو وہ ان حضرات کی اقتداء کرے اور ان کی طرح توحید کا قائل ہو اور شرک سے اجتناب اور نفرت کرے اور اخلاق اور اعمال میں ان کی پیروی کرے اور توحید اور اطاعت خداوندی یہی صراط مستقیم ہے جس پر تمام انبیاء کرام چلتے آئے اے نبی کریمؐ آپ بھی انہی انبیاء کرامؑ کے طریقہ پر چلیئے اور ان ظالموں کی تکذیب کی ذرہ برابر پروا نہ کیجئے اور صاف کہدیجئے کہ میں تم سے کوئی اجرت نہیں چاہتا یہ صرف ایک نصیحت سراپا حکمت ہے جس کا دل چاہے قبول کرے اور جس کا نہ چاہے نہ قبول کرے وَاللّٰہُ غَنِیٌّ عَنِ الْعَالَمِیْنَ۔

لطائف ومعارف

(۱) بعض علماء کا یہ خیال ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا چمک دار ستارہ زہرہ یا مشتری اور پھر چاند اور سورج کو دیکھ کر ہٰذا رَبِّیْ کہنا یہ ان کی ذاتی نظر وفکر تھی اور یہ ماجرا حضرت ابراہیمؑ کے بچپن کے زمانہ کا واقعہ ہے جب کہ اُن کو یہ علم نہ تھا کہ میرا رب کون ہے مگر یہ صحیح نہیں تمام علماء ربانیین اور راسخین فی العلم کا مسلک یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کا یہ قول ہذا ربی بطور ذاتی نظر وفکر کے نہ تھا بلکہ اپنی قوم سے مناظرہ اور محاجّہ کے لیے تھا کہ اپنی قوم پر ہیاکل اور اصنام کی عبادت کا بطلان واضح کریں اول اصنام ارضیہ کی عبادت کا گمراہی ہونا بیان کیا کہ بتوں کی عبادت سراسر گمراہی اور جہالت ہے اور بعد ازاں کواکب سماویہ کی الوہیت کا بطلان واضح فرمایا اور بتلایا کہ کوئی چیز ان میں سے خدائی کی صلاحیت نہیں رکھتی غرض یہ کہ باپ اور قوم کے سامنے بت

پرستی اور کواکب پرستی دونوں ہی کی ضلالت کو آشکارا کیا ۔

معاذ اللہ- معاذ اللہ یہ بات نہ تھی کہ حضرت ابراہیمؑ کسی شک اور شبہ اور تردد میں پڑے ہوئے تھے کہ چاند اور سورج کی چمک اور دمک کو دیکھ کر اُن کو دھوکا لگا ہو اور یہ شبہ ہوا ہو کہ شاید یہ میرا رب ہو اور جب آفتاب غروب ہوتے دیکھا تب یہ شبہ دور ہوا حاشا ثم حاشا حضرات انبیاء کرامؑ کو خدا تعالیٰ کی ذات وصفات میں کبھی دھوکہ نہیں لگتا حضرات انبیاء کرامؑ ابتداء ولادت ہی سے اعلیٰ درجہ کے ولی اور عارف ہوتے ہیں حضرات انبیاء نبوت اور بعثت سے پیشتر اگرچہ نبی اور رسول نہیں ہوتے مگر اعلیٰ درجہ کے اولیاء اور عرفاء ضرور ہوتے ہیں جن کی ولایت اور معرفت کے سامنے ہزاراں ہزار جنید اور شبلی کی ولایت اور معرفت بھی ہیچ ہوتی ہے حضرات انبیاء صفات خداوندی سے جاہل نہیں ہوتے اور نہ اُن کو کسی وقت صفات خداوندی میں کسی قسم کا دھوکہ اور مغالطہ ہوتا ہے اور نہ کسی قسم کا شک اور شبہ پیش آتا ہے اور انبیاء کرام میں حضرت ابراہیمؑ کی تو خاص شان ہے وہ تو شَجَرَۃُ الانبیاء اور قُدْوَۃُ الحنفاء کے نام سے مشہور ہیں اور خداوند ذوالجلال کے خاص منظورِ نظر ہیں ۔

قال اللہ عزو جل وَلَقَدْ اٰتَیْنَآ اِبْرٰھِیْمَ رُشْدَہٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِہٖ عٰلِمِیْنَ	اور تحقیق ہم نے ابراہیمؑ کو ابتداء ہی سے اُن کی شان کے مطابق خاص رشد اور خاص ہدایت عطاء کی تھی اور ہم اُن کی استعداد اور فطرت کو پہلے ہی سے خوب جانتے تھے

حضرت ابراہیمؑ ابتداء فطرت ہی سے رشید اور مہتدی تھے اور آغاز طفولیت ہی سے شمس وقمر کو خدا تعالیٰ کی ادنیٰ مخلوق سمجھتے تھے قوم چونکہ کواکب پرستی میں مبتلا تھی اس لیے اُن کے عقیدۂ فاسدہ کے رد کرنے کے لیے فرمایا کہ اگر بطور فرض محال تھوڑی دیر کے لیے تمہارے زعم فاسد کے مطابق یہ تسلیم کر لیا جائے کہ یہ ستارہ میرا رب ہے تو اچھا تھوڑی دیر اس کے غروب اور اُفول کا انتظار کرو تم کو خود ہی معلوم ہو جائے گا کہ یہ کواکب لائق الوہیت نہیں اس لیے کہ وہ سب حکم خداوندی کے مسخر ہیں ان کی چال اور سمت حرکت اور اس کی جہت اور مسافت سب معین ہے اُس کے خلاف حرکت نہیں کر سکتے کبھی طلوع ہے اور کبھی غروب ہے ایک حال پر قرار نہیں اُن کی روشنی اور اُن کی حرکت اور جہت اور سمت اپنے اختیار میں نہیں خدا تعالےٰ نے جس کوکب کو جتنی روشنی عطا کر دی ہے اتنی ہی مقدار اُن میں روشنی ہے اپنی ذات میں وہ کسی تصرف کے مالک نہیں پس وہ لائق الوہیت اور عبادت کیسے ہو سکتے ہیں بعد ازاں حضرت ابراہیمؑ نے اُن کے معبودان باطلہ سے اپنی بیزاری اور علیحدگی بیان فرمائی غرض یہ کہ حضرت ابراہیمؑ کا یہ تمام کلام از اول تا آخر بطور مباحثہ اور بطریق مناظرہ تھا معاذ اللہ اُن کی ذاتی نظر وفکر نہ تھی جیسا

کہ بعد کی آیتیں وَحَاجَّهٗ قَوْمُهٗ قَالَ اَتُحَاجُّوْنِّیْ فِی اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ اور آیۃ وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَیْنٰهَآ اِبْرٰهِیْمَ عَلٰی قَوْمِهٖ صراحۃً اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ تمام کلام کواکب پرستوں کے ساتھ مناظرہ اور محاجہ تھا حضرت خلیل اللہؑ کی ذاتی نظر و فکر نہ تھی حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ حق یہ ہے کہ مناظرہ تھا ذاتی نظر نہ تھی (دیکھو تفسیر ابن کثیر ص۱۵۱ ج ۲)

(۲) آزر حضرت ابراہیمؑ کے والد کا نام ہے اور تارخ اُن کا لقب ہے یا اس کے برعکس تارخ نام ہے اور آزر لقب ہے اور بعض یہ کہتے ہیں کہ آزر اُن کے چچا تھے اور تارخ ان کے باپ تھے شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے اسی کو اختیار کیا ہے فرماتے ہیں کہ کسی نبی کا باپ مشرک نہیں گذرا اور علامہ سیوطیؒ نے اس بارہ میں متعدد رسائل تالیف فرمائے ہیں جو طبع ہو چکے ہیں ان کو دیکھ لیا جائے۔

نکتہ عجب نہیں کہ نبی کے باپ یا چچا یا بیٹے کے گمراہ ہونے میں اشارہ اس طرف ہو کہ کسی کو ہدایت دینا نبی کے اختیار میں نہیں اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ. نبی کا کام فقط حق کی دعوت اور تبلیغ ہے اور کسی کو ہدایت دینا یا گمراہ کرنا یہ سب اللہ کے اختیار میں ہے نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے بیٹے کو ہدایت پر نہ لاسکے اور لوط علیہ السلام اپنی بیوی کو ہدایت پر نہ لاسکے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اپنے چچا ابو طالب کو مسلمان نہ بنا سکے وَاللّٰهُ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ

(۳) معتزلہ کہتے ہیں کہ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ. میں ظلم سے مراد معصیت ہے اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ جس نے اپنے ایمان کو معصیت کے ساتھ مخلوط نہیں کیا یعنی اپنے ایمان کو گناہوں سے محفوظ رکھا تو اس کے لیے امن ہے ورنہ نہیں۔

اہل سنت والجماعت یہ کہتے ہیں کہ آیت میں ظلم سے مطلق معصیت مراد نہیں بلکہ شرک مراد ہے جیسا کہ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس آیت میں ظلم کی تفسیر شرک سے فرمائی کما قال تعالیٰ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ. گویا کہ ظُلم کی تنوین تعظیم کے لیے ہے اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ جو شخص بغیر شرک کے مرے گا اُس کا انجام یہ ہوگا کہ اس کو عذاب نار سے امن ملے گا یعنی مومن موحد کا انجام نجات ہے اور مشرک کبھی نہیں بخشا جائے گا۔

مطلب دیگر کہ امن کامل اور ہدایت کاملہ اُن لوگوں کو حاصل ہے کہ جن کا ایمان کبائر کی نجاستوں سے پاک اور منزہ ہے اور جن لوگوں کا ایمان کبائر اور معاصی سے آلودہ ہے ان کا امن خطرہ میں ہے۔

(۴) ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اٹھارہ پیغمبروں کا ذکر فرمایا حضرت ابراہیمؑ اور حضرت نوحؑ اور حضرت اسحٰقؑ اور حضرت یعقوبؑ کا (علیہم السلام) پھر ان چار کے بعد چودہ پیغمبروں کا ذکر

فرمایا حضرت داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس اور اسمٰعیل اور الیسع اور یونس اور لوط علیہم الصلوٰۃ والسلام

مطلب یہ ہے کہ توحید اور خدا پرستی حضرت ابراہیمؑ پر موقوف نہیں حضرت ابراہیمؑ سے پہلے اُن کے جدِ امجد حضرت نوحؑ اور ان کی ذریت ناجیہ سب موحد اور خدا پرست تھے اور پھر حضرت ابراہیمؑ کے بعد جتنے پیغمبر آئے جن کی بزرگی تمام بلادِ عرب میں معروف و مشہور ہے وہ سب موحد تھے اور شرک سے بری اور بیزار تھے۔

(۵) ان اٹھارہ پیغمبروں کے علاوہ جن کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے وہ سات ہیں۔
حضرت آدمؑ اور ادریسؑ اور شعیبؑ اور صالحؑ اور ہودؑ اور ذوالکفلؑ اور سیدنا محمد صلے اللہ علیہ وسلم وعلیہم الصلوٰۃ والسلام ان سمیت سب پچیس ہوئے۔

(۶) حضرت آدمؑ سے لے کر دس قرن تک تمام لوگ توحید پر متفق رہے حضرت نوحؑ کے زمانہ میں شرک کا آغاز ہوا اور بت پرستی شروع ہوئی اور نوح علیہ السلام نے توحید کی دعوت دی اور بت پرستی اور شرک کا رد کیا اس لیے ان آیات میں حضرت ابراہیمؑ سے پہلے نوح علیہ السلام کی ہدایت کا ذکر فرمایا۔

(۷) تمام انبیاء کرام ایمان باللہ اور توحید اور اصول دین میں متفق ہیں جن میں نسخ جاری نہیں ہوتا اور شریعتوں کے اعتبار سے مختلف ہیں کما قال تعالیٰ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا لٰہذا آیت مذکورہ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ میں توحید اور اصول دین میں اقتدا اور اتباع مراد ہے شریعت ہر نبی کی علیحدہ ہے شریعت میں اقتداء اور اتباع مراد نہیں کیونکہ شریعتوں میں نسخ ہوتا رہا ہے اور نسخ کے بعد منسوخ کا اتباع ہدیٰ نہیں بلکہ ہوائے نفس ہے

∴ ∴ ∴

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ

اور انہوں نے نہ جانچا اللہ کو پورا جانچنا جب کہنے لگے اللہ نے اتارا نہیں

عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ۭ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ

کسی انسان پر کچھ تو کہہ کس نے اتاری وہ کتاب جو

جَاۗءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ

موسیٰ لایا روشنی اور ہدایت لوگوں کی جس کو تم نے

قَرَاطِيسَ تُبْدُونَهَا وَتُخْفُونَ كَثِيرًا ۚ وَعُلِّمْتُمْ مَّا

ورق ورق کر کر دکھایا اور بہت چھپا رکھا اور تم کو اس میں سکھایا

لَمْ تَعْلَمُوا أَنتُمْ وَلَا آبَاؤُكُمْ ۖ قُلِ اللَّهُ ۖ ثُمَّ ذَرْهُمْ

جو نہ جانتے تھے تم نہ تمہارے باپ دادے کہہ اللہ نے اتاری پھر چھوڑ

فِي خَوْضِهِمْ يَلْعَبُونَ ﴿٩١﴾ وَهَٰذَا كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ

دے ان کو اپنی بک بک میں کھیلا کریں اور ایک یہ کتاب ہے کہ ہم نے اتاری برکت

مُّصَدِّقُ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنذِرَ أُمَّ الْقُرَىٰ

کی سچ بتاتی پہلے اگلے کو اور تاتو ڈراوے اصل بستی کو اور

وَمَنْ حَوْلَهَا ۚ وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ يُؤْمِنُونَ

آس پاس والوں کو اور جن کو یقین ہے آخرت کا وہ اس کو مانتے ہیں

بِهِ ۖ وَهُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ﴿٩٢﴾

اور وہ ہیں اپنی نماز سے خبردار

منکرین نبوت کی تردید اور تہدید

قال اللہ تعالیٰ وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ .. الیٰ .... وَهُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ

(ربط) گذشتہ آیات میں حضرت ابراہیمؑ کا قصہ بیان کیا جو منکرین توحید کی تردید پر مشتمل تھا اب آئندہ آیات میں منکرین نبوت کے بعض ھفوات کی تردید فرماتے ہیں مالک بن صیف یہودی عالم اور دیگر بعض علماء یہود نے جوشِ عداوت میں آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کرتے ہوئے یہ کہہ دیا کہ خدا تعالیٰ نے کسی بشر پر کوئی کتاب ہی نازل نہیں کی اور ایک روایت میں ہے کہ یہود نے یہ کہا کہ واللہ آسمان سے اللہ نے کوئی کتاب ہی نازل نہیں کی گویا کہ ان معاندین نے جوشِ عداوت میں اِنزالِ کتب وارسالِ رُسُل کے سلسلہ ہی کی سرے سے نفی کردی اور ظاہر ہے کہ انزال کتب کا انکار درپردہ اللہ کی صفت علم اور صفت کلام کا انکار ہے اس پر

حق تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں اور یہود پر یہ الزام قائم کیا کہ بتلاؤ موسیٰ علیہ السلام پر کس نے کتاب نازل کی آخر وہ بھی تو بشر تھے اور ان بدبختوں کی مذمت اور تہدید میں یہ فرمایا کہ بدنصیبوں نے ہماری نعمت کی قدر نہ کی ہم نے ان کی ہدایت کے لیے قرآن جیسی مبارک کتاب نازل کی مگر انہوں نے اس سے اعراض کیا جن کے دل میں خوف خدا ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ کلام خداوندی ہے اور جن کو آخرت کا خوف نہیں وہ شرارت سے اس کا انکار کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور ان معاندین نے اللہ کی قدر نہیں کی جیسی اس کی قدر چاہیے تھی جب کہ انہوں نے ضد اور عناد میں بے دھڑک یہ کہدیا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بشر پر کبھی کوئی کتاب نازل ہی نہیں کی حالانکہ اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت کا ذریعہ وہ صحیفۂ ہدایت ہے جو اللہ نے اپنے کسی برگزیدہ بشر پر نازل کیا عجیب بات ہے کہ مشرکین عرب تو سرے ہی سے نبوت اور رسالت کے منکر تھے اور بشریت کو نبوت کے منافی سمجھتے تھے (مگر حجریت کو (یعنی پتھر ہونے کو) الوہیت کے منافی نہیں سمجھتے تھے اس لیے کہ وہ پتھروں کو اپنا معبود بنائے ہوئے تھے۔ قال تعالیٰ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ۔ وقال تعالیٰ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا۔

اور یہود اگرچہ نبوت ورسالت کے قائل تھے مگر بعض یہودیوں نے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوّت کا انکار کرتے ہوئے ضد اور جوشِ عناد میں یہ کہدیا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بشر پر کوئی کتاب نازل نہیں کی اور نزول کتاب کو خدا کی ناقدری اس لیے فرمایا کہ جو شخص انبیاء کرام پر نزول کتاب کا قائل نہیں وہ خدا تعالیٰ کا قدرشناس نہیں اور اس کو خدا تعالیٰ کی صحیح معرفت نصیب نہیں خدا کی صحیح معرفت خدا کی نازل کردہ کتاب ہی سے ہو سکتی ہے نیز کلام۔ صفتِ کمال ہے جو متکلم نہیں وہ ناقص ہے پس جو شخص نزول وحی اور نزول کتاب کا منکر ہے وہ خدا تعالیٰ کو متکلم نہیں مانتا گویا وہ خدا کو ناقص قرار دے رہا ہے اور خدا کے نبیوں پر نزول کتاب کا انکار یہ خدا تعالیٰ کے غیر متکلم ماننے کی نشانی ہے اس سے بڑھ کر خدا کی گستاخی اور ناقدری کیا ہو سکتی ہے اے نبی آپ ان کے جواب میں یہ کہد یجیے کہ اچھا بتلاؤ وہ کتاب کس نے اتاری جس کو موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے پاس لے کر آئے یعنی توریت جسکو تم بھی مانتے ہو درانحالیکہ وہ لوگوں کیلئے روشنی اور ہدایت تھی جسکو تم نے اپنی اغراض نفسانیہ کی بناء پر دو قسم کے ورقوں پر تقسیم کیا ہوا ہے بعض اوراق کو جو تمہاری غرض کے مطابق ہوتے ہیں ان کو ظاہر کر دیتے ہو اور بہت سے اوراق کو چھپا کر رکھتے ہو علماء یہود نے توریت کے علیحدہ علیحدہ اوراق کر رکھے تھے جن میں کوئی امر ان کی خواہش کے خلاف نہ ہوتا اُن کو سب پر ظاہر کر دیتے اور جن میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بشارت یا صفت مذکور تھی اُن کو چھپاتے تھے اور آیت رجم کو چھپاتے اور اسی خدا کی نازل کردہ کتاب

یعنی توریت کی بدولت تم کو وہ باتیں تعلیم کی گئیں جن کو تم نہیں جانتے تھے اور نہ تمہارے آباء و اجداد کو اُن کا علم تھا دین اور شریعت کی تمام باتیں تم کو خدا کی نازل کردہ کتاب یعنی توریت ہی کے ذریعہ تم کو معلوم ہوئیں اس سے پہلے تم سب جاہل تھے بتلاؤ یہ کتاب سراپا نور ہدایت کس نے اتاری خیر یہ ضدی لوگ تو کیا جواب دیں گے آپ کہہ دیجئے کہ یہ کتاب اللہ ہی نے اتاری ہے یعنی اس سوال کا ایک ہی جواب ہے جو ایسا ظاہر ہے کہ جس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا اس لیے آپ اُن کے جواب کا انتظار نہ کیجئے اور خود ہی کہہ دیجئے کہ اللہ نے اتاری ہے پھر بھی اگر وہ نہ مانیں تو اُن کو چھوڑ دیجئے کہ وہ اپنی بک بک اور کج بحثی میں کھیلا کریں آپ کا کام تو تبلیغ تھا وہ ہو چکا اور جس طرح توریت ہماری نازل کردہ کتاب تھی اسی طرح یہ قرآن ایک عجیب کتاب ہے جس کو ہم نے اتارا ہے بڑی خیر و برکت والی ہے جس پر ایمان لانا اور اس پر عمل کرنا موجب فلاح دارین ہے کسی کی یہ مجال نہیں کہ اس جیسی بابرکت کتاب لا سکے قرآن مجید ہی کی برکت سے عرب کی کایا پلٹ ہو گئی علاوہ ازیں یہ کتاب اُن آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے جو اس سے پہلے نازل ہوئیں یعنی یہ قرآن کتب سماویہ کی منزل من اللہ ہونے کی تصدیق کرتا ہے کیونکہ توحید کی تعلیم سب میں موجود ہے اور تمام کتب سماویہ اس پر متفق ہیں کہ خدا تعالیٰ شریک اور تمام عیبوں سے منزہ ہے اور ہم نے اس مبارک کتاب کو اس لیے نازل کیا ہے کہ آپ اس کے ذریعہ سے اہل مکہ کو اور تمام روئے زمین کے لوگوں کو جو مکہ کے گرداگرد دنیا میں آباد ہیں سب کو ڈرائیں کہ جو اللہ کی کتاب کو نہیں مانے گا وہ مستحق عذاب ہوگا اُم القریٰ مکہ کا نام ہے جس کے معنی تمام بستیوں کی ماں اور جڑ کے ہیں اس لیے کہ مکہ وسط ارض میں ہے اور سارا جہان اسی کے گرد آباد ہے اور تمام روئے زمین کی بستیاں اسی کے گرداگرد اور جوانب میں ہیں یا یہ معنی ہیں کہ اس مبارک کتاب کے ذریعہ مکہ والوں کو اور اس کے آس پاس کے لوگوں کو خاص طور پر ڈرائیے جیسا کہ وَاَنۡذِرۡ عَشِيۡرَتَكَ الۡاَقۡرَبِيۡنَ میں قریبی رشتہ داروں کو خاص طور پر ڈرانے کا حکم آیا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ مَنۡ حَوۡلَهَا سے مکہ کے آس پاس کی بستیاں مراد ہیں یا سارا جہان مراد ہے کیونکہ مکہ کی زمین تمام زمین کی ناف ہے اسی جگہ سے شرقاً و غرباً تمام زمین پھیلائی گئی اور جو لوگ آخرت کا یقین رکھتے ہیں یعنی جن کو عذاب کا اندیشہ ہے اور جزاء و سزا کا ڈر ہے وہ اس مبارک کتاب پر ایمان لاتے ہیں اور وہی اپنی نماز کی حفاظت کرتے ہیں تاکہ یہ نماز اُن کو آخرت میں کام آئے یعنی جن کو آخرت کا یقین ہے وہ تو نبی اکرم محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر اور قرآن پر جو آپ پر نازل ہوا ہے ایمان لے آتے ہیں اور جو لوگ آخرت سے نڈر ہیں وہ کیوں ایمان لانے لگے۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ

اور اس سے ظالم کون جو باندھے اللہ پر

كَذِبًا أَوْ قَالَ أُوحِيَ إِلَيَّ وَلَمْ يُوحَ إِلَيْهِ

جھوٹ یا کہے مجھ کو وحی آئی اور اس کو وحی کچھ

شَيْءٌ وَمَن قَالَ سَأُنزِلُ مِثْلَ مَا أَنزَلَ

نہیں آئی اور جو کہے میں اتارتا ہوں برابر اس کے جو اللہ نے

اللَّهُ ۗ وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَ

اُتارا اور کبھی تو دیکھے جس وقت ظالم ہیں موت کی بے ہوشی میں اور

الْمَلَائِكَةُ بَاسِطُو أَيْدِيهِمْ أَخْرِجُوا أَنفُسَكُمُ ۖ الْيَوْمَ

فرشتے ہاتھ کھول رہے ہیں کہ نکالو اپنی جان آج تم کو

تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنتُمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ

جزا ملے گی ذلت کی مار اس پر کہ کہتے تھے اللہ پر جھوٹ باتیں

غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنتُمْ عَنْ آيَاتِهِ تَسْتَكْبِرُونَ ﴿۹۳﴾ وَلَقَدْ

اور اس کی آیتوں سے تکبر کرتے تھے اور تم

جِئْتُمُونَا فُرَادَىٰ كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَتَرَكْتُم

ہمارے پاس آئے ایک ایک جیسے ہم نے بنائے تھے پہلی بار اور چھوڑ دیا جو

مَّا خَوَّلْنَاكُمْ وَرَاءَ ظُهُورِكُمْ ۖ وَمَا نَرَىٰ مَعَكُمْ شُفَعَاءَكُمُ

ہم نے اسباب دیا تھا پیٹھ کے پیچھے اور ہم دیکھتے نہیں تمہارے ساتھ سفارش

الَّذِينَ زَعَمْتُمْ أَنَّهُمْ فِيكُمْ شُرَكَاءُ ۚ لَقَد تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ

والے جن کو تم بتاتے تھے کہ ان کا تم میں ساجھا ہے ٹوٹ گئے تم آپس میں

وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۹۴﴾ ع

اور جلتے رہے جو دعویٰ تم کرتے تھے

مدعیانِ نبوت کی تہدید

قال تعالیٰ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ... الٰے ... وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ

(ربط) گذشتہ آیات میں منکرین نبوت کی تردید تھی اب ان آیات میں مدعیان نبوت کی تہدید ہے منکرین نبوت، مختلف قسم کے تھے بعض نبوت اور نزول کے تو منکر تھے اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ مگر اپنے لیے بھی وحی اور نبوت کے مدعی نہ تھے اور بعض وہ تھے جو خود اپنے لیے نبوت اور وحی کے مدعی تھے جیسے مسیلمۂ کذاب وغیرہ مسیلمۂ کذاب کچھ تک بندی کرتا اور دعوی یہ کرتا کہ مجھ پر وحی آتی ہے اور اسی طرح صنعاء یمن میں اسود عنسی کو یہ خبط لاحق ہوا اور اُسنے بھی وحی اور نبوت کا دعوی کیا اور بعض مشرکین (جیسے نضر بن حارث) قرآن کریم کی آیتوں کو سنکر یہ کہدیا کرتے تھے لَوْنَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ یعنی اگر ہم چاہیں تو ہم بھی قرآن جیسا کلام کہہ سکتے ہیں اور قرآن جیسی کتاب تصنیف کر سکتے ہیں یہ لوگ قرآن کریم کو کتاب سماوی اور مُنَزَّلٌ مِّنَ اللّٰهِ نہیں سمجھتے تھے بلکہ اس کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تصنیف سمجھتے تھے اور یہ دعویٰ کرتے تھے کہ ہم بھی اس جیسی کتاب تصنیف کر سکتے ہیں اور نضر بن حارث یہ بھی کہتا تھا کہ اگر بالفرض مجھ پر کوئی عذاب نازل ہونے لگے تو لات وعزّیٰ میری شفاعت کر دیں گے ان تمام معاندین کے جواب میں یہ آیتیں نازل ہوئیں اور اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا یعنی خدا کی طرف ایسی باتیں منسوب کرے جو اس کی شان رفیع کے لائق نہیں مثلاً خدا کا شریک ٹھہرائے یا اس کے لیے بیٹا یا بیوی تجویز کرے یا یوں کہے کہ اللہ نے کسی بشر پر کوئی کتاب نازل نہیں کی مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ یا یہ کہے اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا یا یہ کہے کہ اللہ تو فقیر ہے اور ہم غنی ہیں یا یہ کہے کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں وغیر ذلک من الخرافات یا یہ کہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے حالانکہ اس پر کوئی وحی نہیں آتی یہ مسیلمۂ کذاب اور اسود عنسی کی طرف اشارہ ہے جنہوں نے پیغمبری کا دعویٰ کیا یا جیسا کہ اس زمانہ میں مرزا غلام قادیانی نے صدہا جھوٹ اللہ پر باندھے اور وحی اور الہام کا دعویٰ کیا اور اسی طرح اُس شخص سے بڑھ کر کون ظالم جس نے یہ کہا کہ میں بھی ویسا ہی کلام تاردوں گا جیسا کہ اللہ نے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر اتارا ہے یہ نضر بن حارث اور مشرکین کے اس قول کی طرف اشارہ ہے جو قرآن کی نسبت کہا کرتے تھے لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ یعنی اگر ہم چاہیں تو ہم بھی اس جیسا قرآن بنا سکتے ہیں اور اس زمانہ میں غلام قادیانی نے

بھی اپنے کلام کے معجزہ ہونے کا دعویٰ کیا اور قصیدۂ اعجازیہ کے نام سے ایک قصیدہ شائع کیا جو صرفی اور نحوی اور عروضی غلطیوں سے بھرا ہوا ہے اور جو شخص قرآن کریم کی طرح اپنے کلام کے معجزہ ہونے کا مدعی ہے تو وہ درپردہ مدعی الوہیت ہے کہ کلام خداوندی کی طرح میرا کلام بھی معجز ہے غرض یہ کہ اس قسم کے تمام لوگ بڑے ہی ظالم ہیں اور ظلم میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ہیں جس نے نبوت اور نزول وحی اور نزول کتاب کا انکار کیا وہ بلاشبہ ظالم ہے اور اس سے بڑھ کر ظالم وہ شخص ہے جو نبوت اور وحی کا اپنے لیے مدعی ہو اور اس سے بڑھ کر ظالم وہ ہے جو اپنے کلام کو کلام خداوندی کی طرح معجز سمجھتا ہو اور اس طرح سے درپردہ الوہیت اور خداوند قدوس کی ہمسری کا مدعی ہو یہ سب اعلیٰ درجہ کے ظالم ہیں اور ان کا انجام سخت خطرناک ہے اور کاش اے مخاطب تو اس وقت کو دیکھے کہ جب یہ ظالم موت کی سختیوں میں گرفتار ہوں گے اور موت کے فرشتے اُنکی جان نکالنے کیلئے اپنے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہوں گے اور ان سے بطور تمسخر اور تحقیر یہ کہتے ہوں گے کہ اپنی جانوں کو اپنے جسموں سے باہر نکالو آج تم کو ذلت کے عذاب کی جزاء دی جائے گی اور ذلت و خواری کا یہ عذاب تمہارے تکبر کی جزا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ فرشتے کافروں کو مار مار کر جان نکالتے ہیں اور یہ کہتے جاتے ہیں کہ آج تم کو ذلت اور خواری کا عذاب دیا جائے گا اس لیے کہ تم اللہ پر جھوٹ بولتے تھے اور اللہ کی آیتوں کے قبول کرنے سے تکبر کرتے تھے یہ کیفیت اور شدت تو موت کے وقت ہوگی اور جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ بطور سرزنش یہ فرمائیں گے البتہ تحقیق تم ہمارے پاس تن تنہا اور ایک ایک کر کے آئے ہو جس طرح ہم نے تم کو پہلی بار دنیا میں پیدا کیا تھا کہ نہ بدن پر کوئی کپڑا تھا اور نہ کوئی جوتا اور جو مال و متاع ہم نے تم کو دیا تھا جس کے غرہ اور گھمنڈ میں ہمارے احکام کے قبول کرنے سے تکبر کرتے تھے آج وہ سب تم اپنی پیٹھ کے پیچھے ہی چھوڑ آئے یعنی دنیا میں تم کو جو مال و زر اور اولاد اور حشم اور خدم ہم نے دیئے تھے جن پر تم کو گھمنڈ تھا وہ سب پیچھے ہی چھوڑ آئے کہ اب ان سے کوئی چیز تم کو نظر بھی نہیں آتی اور آج ہم تمہارے ساتھ ان سفارشیوں کو بھی نہیں دیکھتے جن کے متعلق تمہارا یہ زعم اور اعتقاد تھا کہ تمہارے اندر یعنی تمہارے معاملہ میں خدا کے شریک ہیں۔ بتوں کے متعلق تمہارا خیال تھا کہ یہ اللہ کے یہاں ہماری سفارش کریں گے قیامت کے دن اُس خیال کی غلطی ظاہر ہو جائے گی اور تمہارے درمیان قطع تعلق ہو جائے گا یعنی تم ایک دوسرے سے منقطع ہو جاؤ گے وہ تم سے علیحدہ ہو جائیں گے اور تم اُن سے بری اور بیزار ہو جاؤ گے اور تم سے وہ سب کچھ گم ہو جائے گا جو تم گمان کرتے تھے یعنی تمہاری ساری امیدوں پر پانی پھر جائے گا اور تم حیران اور پریشان کھڑے رہ جاؤ گے اور کوئی تمہارا یار و مددگار نہ ہوگا۔

ع اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

✣ ✣ ✣

اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰی ؕ يُخْرِجُ الْحَيَّ

اللہ ہے کہ پھوڑ نکالتا ہے دانہ اور گھٹلی اور نکالتا ہے مردہ

مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ؕ

سے زندہ اور نکالنے والا زندہ سے مردہ

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۹۵﴾ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ

یہ ہے اللہ پھر کہاں پھرے جاتے ہو پھوڑ نکالنے والا صبح کی

وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ

روشنی اور رات بنائی آرام، اور سورج اور چاند

حُسْبَانًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۹۶﴾ وَهُوَ الَّذِيْ

حساب یہ اندازہ رکھا ہے زور آور خبر دار نے اور اُسی نے بنا

جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ

دیئے تم کو تارے کہ اُن سے راہ پاؤ اندھیروں میں جنگل اور

الْبَحْرِ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۹۷﴾ وَهُوَ

دریا کے ہم نے کھول سنائے پتے اُن لوگوں کو جو جانتے ہیں اور اسی

الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ؕ

نے تم کو نکالا ایک جان سے پھر کہیں تم کو ٹھہراؤ ہے اور کہیں سپرد رہنا

قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ ﴿۹۸﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ

ہم نے کھول سنائے پتے اس قوم کو جو سمجھتے ہیں اور اُسی نے

اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ

اُتارا آسمان سے پانی پھر نکالی ہم نے اس سے اُگنے والی ہر چیز

فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ

پھر اُس میں سے نکالا سبزہ جس سے نکالتے ہیں دانے جڑے ہوئے اور کھجور

النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ

کے گابھے میں سے گچھے لٹکتے ہیں اور باغ انگور کے

وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ اُنْظُرُوْٓا

اور زیتون اور انار آپس میں ملتے اور جدا ہے دیکھو

اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ

اس کا پھل جب پھل لاتا ہے اور اس کا پکنا ان چیزوں میں سب پتے ہیں

لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝۹۹

یقین لانے والوں کو

ذکرِ مظاہر

قدرت وعجائب صنعت برائے

اثباتِ الوہیّت و وحدانیّت

قالَ تعالیٰ اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ... الیٰ ..... لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ

(ربط) گذشتہ آیات میں اثبات نبوت کا بیان تھا اب اس کے بعد پھر اُسی مضمون توحید کی طرف رجوع فرماتے ہیں جو شروع سورت سے چلا آرہا ہے ان آیات میں حق تعالیٰ شانہٗ نے اشیاء متضادّہ و مختلفہ پر اپنی قدرت کاملہ کے آثار اور اپنی مخلوقات کے عجائب حالات کو بیان کیا تاکہ وجود صانع اور اُس کی کمال قدرت اور کمال علم وحکمت کی دلیل بنیں اور مشرکین پر یہ امر واضح ہو

جائے کہ اُن کے تمام معبودانِ باطلہ اور شرکاء بجملہ ان عجائب قدرت میں سے ایک ادنیٰ سے ادنیٰ چیز کے بھی پیدا کرنے سے عاجز ہیں پس وہ مستحق عبادت کیسے ہو سکتے ہیں اس سلسلہ میں حق تعالیٰ نے عالم علوی اور عالم سفلی سے پانچ دلیلیں بیان کیں تاکہ بندوں کو اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت حاصل ہو اور یہ پانچ دلیلیں اہل بصیرت کے لیے بمنزلہ آئینہ کے ہیں جن میں سے خداوند ذوالجلال کے جمال باکمال کا جلوہ نظر آتا ہے۔

دلیل اوّل اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ۔

بے شک اللہ تعالیٰ پھاڑنے والا ہے دانہ کا اور گٹھلیوں کا یعنی جب دانہ اور گٹھلی کو زمین میں بویا جاتا ہے تو اُس سے قسم قسم کے پھل اور پھول نمودار ہوتے ہیں جو باعتبار صورت اور شکل اور حرارت اور برودت اور کیفیت اور خاصیت اور تلخی اور حلاوت کے مختلف ہوتے ہیں حالانکہ مادہ اور طبیعت سب کی ایک ہے اور چاند اور سورج کی روشنی اور ہوا سب کی ایک ہے اور یہ ایسی عجیب وغریب صنعت ہے جو عقل انسانی سے کہیں بالا اور برتر ہے معلوم ہوا کہ یہ کسی بڑے صانع حکیم اور قادر علیم کی کارسازی ہے جو اسکی کمال قدرت اور کمال حکمت پر دلالت کرتی ہے وہ زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالنے والا ہے یعنی ایک ضد کو دوسری ضد سے نکالتا ہے جیسے ایک نطفۂ بے جان سے انسان اور حیوان کو نکالتا ہے اور انسان اور حیوان سے نطفۂ بیجان نکالتا ہے اور انڈے سے مرغی کا بچہ اور مرغی سے انڈا نکالتا ہے اور مؤمن زندہ ہے اور کافر مردہ ہے مگر اللہ تعالیٰ کافر سے مؤمن کو اور مؤمن سے کافر کو نکالتا ہے یعنی پیدا کرتا ہے یہ ہے اللہ جو ایک ضد کو دوسری ضد سے نکالتا ہے اور عدم کو پھاڑ کر اس میں سے موجود کو نکالتا ہے یہ مادہ اور نیچر اور طبیعت کا کام نہیں کہ صنعت کے ایسے عجیب وغریب کرشمے دکھا سکے پس تم کہاں حق سے بہکے جاتے ہو یعنی خدا تو یہ خالق ہے جس کی صنعت سے عقل حیران ہے ایسے خدا کی عبادت کرو مادہ اور طبیعت اور ایتھر کا کیوں نام لیتے ہو۔

دلیل دوم فَالِقُ الْاِصْبَاحِ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۔ وہ صبح کا پھاڑنے والا ہے یعنی اللہ تعالیٰ رات کی ظلمت اور تاریکی کو پھاڑ کر صبح کا ستون نکالتا ہے یعنی رات ختم ہو جاتی ہے اور صبح صادق نمودار ہو جاتی ہے اور رات کے اندھیرے میں سے صبح صادق کا اجالا نکالنا یہ بھی اس کے کمال قدرت کی دلیل ہے اور اس نے رات کو راحت اور سکون کا ذریعہ بنایا کہ دن کا تکان رات کے سونے سے جاتا رہتا ہے اور اس نے چاند اور سورج کو حساب کا ذریعہ بنایا جس سے لوگوں نے

مہینے اور سال مقرر کیئے یہ اندازہ ہے زور آور علم والے کا جس میں کوئی غلطی نہیں ہوتی گھڑی غلط ہو جاتی ہے مگر خدا کی گھڑی یعنی چاند اور سورج اپنے طلوع اور غروب میں غلطی نہیں کرتی۔

دلیل سوم | وَهُوَ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِىْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ۔

اور وہ اللہ وہ ہے جس نے تمہارے نفع اور فائدہ کے لیے ستارے بنائے تاکہ تم اُن کے ذریعہ جنگل اور سمندر کی تاریکیوں میں راستہ معلوم کر سکو اندھیری رات میں ستاروں کے ذریعہ راستہ کی سمت معلوم ہوتی ہے تحقیق ہم نے اپنی قدرت کی نشانیاں ان لوگوں کے لیے کھول کر بیان کردی ہیں جو علم اور عقل رکھتے ہیں یعنی علم اور عقل والوں کو ہم نے استدلال کا طریقہ بتلا دیا کہ وہ ان چیزوں سے خدا کی وحدانیت اور قدرت پر استدلال کر سکتے ہیں ستاروں کو اللہ تعالیٰ نے اس لیے پیدا کیا تاکہ وہ آسمان کی زینت ہوں اور شیاطین کے رجم کا سامان ہوں اور رات کی تاریکیوں میں اُن سے راستہ اور سمت معلوم ہو سکے باقی ستاروں کی تاثیرات کا قائل ہونا بالکل غلط ہے تاثیر کے معنی کسی چیز میں اپنی قدرت سے اثر کرنے کے ہیں تو ستارے بالذات تو کسی چیز میں مؤثر نہیں ہو سکتے ہیں کیونکہ ستارے مخلوق ہیں اور مخلوق بالذات کسی چیز میں مؤثر نہیں ہو سکتی اور اگر یہ کہا جائے کہ ان میں اللہ نے یہ تاثیر رکھی ہے تو اس کے لیے کوئی دلیل نہیں اور اسباب ظاہری کی طرح ان میں تجربہ اور مشاہدہ مفقود ہے اور اگر بالفرض اللہ نے ان میں کوئی تاثیر رکھی ہے تو وہ اللہ ہی کو معلوم ہے ہمیں اس تاثیر کا کوئی علم نہیں اللہ تعالیٰ نے جتنا بتلا دیا وہ حق ہے اُس کے سوا سب وہم و گمان ہے۔

دلیل چہارم | وَهُوَ الَّذِىْ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ ۝ اور وہ وہ ہے کہ جس نے تم کو

ایک جان (آدم) سے پیدا کیا اور سلسلہ توالد اور تناسل کا جاری کیا پھر تمہارے لیے ایک مستقر یعنی جائے قرار ہے یعنی ٹھہرنے کی جگہ ہے اس سے مراد دنیا ہے اور ایک مستودع یعنی سونپے جانے کی جگہ ہے اس سے مراد قبر ہے جہاں انسان عارضی طور پر ودیعت رکھا جاتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ پیدا کرنے کے بعد ایک مدت تک تم کو دنیا میں رکھتا ہے قال تعالیٰ وَلَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ پھر اس کے بعد تم کو مارتا ہے اور مرنے کے بعد تم کو قیامت تک قبروں میں رکھتا ہے اور اس کے بعد تم کو قیامت کے دن دوبارہ زندہ کرے گا اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ مستودع سے چند روزہ دنیا مراد ہے اور مستقر سے قبر مراد ہے جس میں ایک طویل عرصہ تک ٹھہرنا ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ مستقر سے پشت پدر مراد ہے اور مستودع بمعنی جائے امانت سے رحم مادر مراد ہے تحقیق ہم نے اپنی قدرت کی نشانیاں اُن

لوگوں کے لیے بیان کر دیں جو سمجھ بوجھ رکھتے ہیں سمجھ جائیں کہ ایک اصل (یعنی نفس واحدہ) سے بے شمار مختلف الانواع اور مختلف الاشکال اشخاص کا پیدا کرنا کمال قدرت اور کمال حکمت کی دلیل ہے جس پر سوائے خداوند قدوس کے کوئی قادر نہیں اور فلاسفہ اور سائنس دانوں کا یہ دعویٰ کہ یہ تمام تغیرات اور انقلابات محض مادہ بسیطہ اور اس کے اجزاء لاتتجزی کی حرکت قدیمہ سے ظہور میں آتے ہیں دعویٰ بلا دلیل ہے جیسا کہ اس ناچیز نے اپنے رسالہ (اثبات صانع عالم وابطال دہریت ومادیت) میں تفصیل کے ساتھ اس دعوے کا مہمل ہونا واضح کر دیا ہے اس کو دیکھ لیا جائے۔

دلیل پنجم | وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ..... الی..... اِنَّ فِیْ ذٰلِکُمْ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ.

اور جس طرح خدا تعالے نے اپنی قدرت کاملہ سے ایک نفس واحدہ (آدم) سے مختلف قسم کے انسان پیدا کیے اسی طرح اُس خدا نے آسمان یعنی بادل سے ایک قسم کا پانی اتارا پھر ہم نے اُس پانی کے ذریعہ سے باوجود اُس پانی کے ایک ہونے کے ہر قسم کی اُگنے والی چیزیں اُگائیں جن کے اقسام اور انواع کی شمار بھی انسان کی قدرت اور اختیار سے باہر ہے پھر ہم نے اُس میں سے سبزہ نکالا جس سے ہم اناج کے دانے نکالتے ہیں جو تو بر تو ہوتے ہیں یعنی اُس سے ایسے دانے نکالتے ہیں جو ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے ہوتے ہیں بر تو غلوں کی کیفیت کا بیان ہوا جنکا اجمالی طور پر فَالِقُ الْحَبِّ میں ذکر آچکا ہے اب آئندہ آیات میں درختوں اور پھلوں کا ذکر کرتے ہیں جو گٹھلیوں سے پیدا ہوتے ہیں جنکا اجمالی ذکر وَالنَّوٰی میں آچکا ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور کھجور کے درختوں سے یعنی اُنکے گابھے سے بعض خوشے ایسے ہوتے ہیں جو لٹکے اور جھکے ہوئے ہوتے ہیں جس تک آدمی کا ہاتھ بآسانی پہنچ سکتا ہے اور بعض بلندی پر ہوتے ہیں اس سے بھی خدا کی قدرت کا کمال ظاہر ہوتا ہے اور اسی ایک پانی سے ہم نے انگوروں کے باغ نکالے اور زیتون اور انار کے درخت نکالے اس حال میں کہ اُن کے بعضے پھل صورت اور شکل اور رنگ اور مزہ میں ایک دوسرے کے مشابہ ہوتے ہیں یعنی یکساں اور ملتے جلتے ہوتے ہیں اور بعض مختلف اور جدا ہوتے ہیں بعضے پھل تاثیر اور خاصیت میں ایک دوسرے کے مشابہ ہوتے ہیں اور بعض مختلف ہوتے ہیں اس سے بھی خدا تعالےٰ کی کمال قدرت کا پتہ چلتا ہے کہ مادہ ایک ہے اور خواص اور آثار مختلف ہیں ذرا ان درختوں کے پھلوں کی طرف نظر تو کرو جب درخت پھل لاوے کہ اس کا رنگ اور مزہ کیسا اور بُو کیسی اور اُس کے پکنے کو دیکھو کہ کس طرح بتدریج پکتا جاتا ہے اور اس کا رنگ اور مزہ بدلتا جاتا ہے اس سے بھی خدا تعالیٰ کی قدرت اور حکمت کا اندازہ لگاؤ بے شک ان امور مذکورہ بالا میں خدا تعالیٰ کی کمال قدرت اور کمال صنعت کی نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو ایمان رکھتے ہیں ذرا سے غور سے سمجھ سکتے ہیں کہ یہ تمام تغیرات کسی قادر مختار کی قدرت کے کرشمے ہیں

بے جان اور بے شعور طبیعت اور مادہ سے ایسی عجیب وغریب صنعتوں کا ظہور عقلاً محال ہے۔
ان آیات میں حق تعالیٰ نے کھیتی کے بعد چار قسم کے درخت ذکر فرمائے کھجور، انگور، زیتون، انار اور کھیتی کو اس لیئے مقدم کیا کہ وہ انسان کی غذا ہے اور یہ پھل ہیں اور یہ چاروں میوے تمام میوؤں سے افضل ہیں اور فوائد اور منافع میں سب سے بڑھ کر ہیں اس لیے اللہ تعالےٰ نے صرف ان چار کے ذکر پر اقتصار فرمایا ؎

برگ درختانِ سبز در نظر ہوشیار ٭ ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

ظاہر میں توحید کے پانچ دلائل ذکر کیئے مگر درحقیقت ہر دلیل بے شمار دلیلوں پر مشتمل ہے

؎ ہر گیاہے کہ از زمیں روید
وحدہٗ لا شریک لہٗ گوید

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا

اور ٹھہراتے ہیں شریک اللہ کے جن اور اس نے ان کو بنایا اور تراشتے

لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا

ہیں اس کے واسطے بیٹے اور بیٹیاں بن سمجھے وہ اس لائق نہیں اور بہت دور اُن باتوں سے

يَصِفُوْنَ ۝۱۰۰ ع

جو بتاتے ہیں

ابطال شرک وتشنیع اہل شرک

قال تعالیٰ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ .... الیٰ .... سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ
امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ گذشتہ آیات میں حق جل شانہٗ نے توحید اور الوہیت اور کمال قدرت کی پانچ دلیلیں ذکر فرمائیں اب آئندہ آیات میں ان لوگوں کی تردید اور تہدید فرماتے ہیں جنہوں نے خدا کے لیے شریک اور سہیم ٹھہرائے اور خدا کے شریک ٹھہرانے والے تین گروہ ہیں ایک گروہ بت پرستوں کا ہے جن کا شروع سورت سے لے کر برابر رد ہوتا چلا آیا اور دوسرا گروہ کواکب پرستوں کا ہے جن کا حضرت ابراہیمؑ کے قصہ میں رد ہو چکا ہے اور مشرکین

کا تیسرا گروہ مجوس کا ہے جو عالم کے لیے دو خدا کے قائل ہیں ایک خیر کا خالق اور ایک شر کا خالق اب اس پہلی آیت یعنی وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ میں مشرکین کے تیسرے گروہ یعنی مجوس کا رد ہے۔

جیسا کہ ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ یہ آیت مجوس کے رد میں نازل ہوئی امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت دراصل مجوس کے بارہ میں ہے اور مقصود ان بیوقوفوں پر تشنیع کرنا ہے جو اس عالم کے لیے دو خدا مانتے ہیں (تفسیر کبیر ص۱۱۱ ج۴ و ص۱۱۲)۔

اور بعض علماء تفسیر یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت مشرکین عرب کے رد میں ہے اور چونکہ کفر اور شرک کا ارتکاب اغواء شیطانی سے ہوتا ہے اس لیے اُن کے اغواء اور اضلال سے غیر اللہ کی عبادت کرنا گویا کہ شیاطین ہی کی عبادت کرنا ہے جیسا کہ ابراہیم علیہ السّلام نے بت پرستی کا رد کرتے ہوئے فرمایا یٰاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ اور دوسری جگہ ارشاد ہے اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ وقال تعالیٰ اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا لَّعَنَهُ اللّٰهُ

امام رازی کے نزدیک اس آیت کی تفسیر میں راجح قول یہی ہے کہ یہ آیت مجوس کے بارہ میں نازل ہوئی اور اس کو شاہ عبدالقادرؒ نے موضح القرآن میں اختیار فرمایا۔

اب آیت کی تفسیر سنیئے اور ان مشرکوں میں سے بعضوں نے جنوں کو اللہ کا شریک اور سہیم ٹھہرالیا ہے حالانکہ خود ان لوگوں کے اقرار کے موافق بھی اللہ ہی نے ان جنوں اور ان شریک ٹھہرانے والوں کو پیدا کیا ہے سب اُس کی مخلوق ہیں جیسا کہ خود ان کو بھی اقرار ہے کہ جنات اور شیاطین سب اللہ ہی کی مخلوق ہیں پس کس قدر ظلم ہے کہ مخلوق کو خالق کا شریک ٹھہراتے ہیں آیت میں جن سے مراد شیاطین ہیں اور یہ آیت مجوس کے متعلق ہے جن کا اعتقاد یہ تھا کہ نور کا خالق خدا ہے اور ظلمت کا خالق شیطان ہے۔

حضرت شاہ عبدالقادر فرماتے ہیں مجوسیوں نے کہا تھا کہ شیطان خدا کا شریک ہے نیکی کو خدا پیدا کرتا ہے اور اس کو یزدان کہتے تھے اور بدی کو شیطان پیدا کرتا ہے اور اس کو اھرمن کہتے تھے (موضح القرآن) اور یزدان کی فوج کو ملائکہ یعنی فرشتے اور اھرمن (یعنی ابلیس) کی فوج کو جن اور شیاطین کہتے تھے۔

امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے اس آیت میں مجوس کا مذہب نقل کیا اب آئندہ آیت میں اُن لوگوں کا مذہب نقل کرتے ہیں جو خدا کے لیے بیٹے اور بیٹیاں ثابت کرتے ہیں اور پھر اس کا رد فرماتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور بعض مشرکین نے بغیر علم کے محض جہالت سے خدا کے لیے بیٹے اور بیٹیاں تراشی ہیں نصاریٰ کہتے ہیں کہ مسیح خدا کا بیٹا ہے اور بعض یہود کہتے ہیں کہ عزیرؑ خدا کا بیٹا ہے اور مشرکین عرب یہ کہتے تھے کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں حق تعالیٰ نے اس آیت میں

ان تینوں کی تردید کی اور بتلا دیا کہ یہ ان لوگوں کا خدا پر بہتان ہے جس کی ان کے پاس کوئی دلیل نہیں اولاد اپنے باپ کا جزء ہوتی ہے اور اسی کے مشابہ ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ تجزیہ اور مشابہت سے پاک اور منزہ ہے اور وہ ان تمام باتوں سے بلند اور برتر ہے کہ جو یہ لوگ خدا کی نسبت بیان کرتے ہیں وہ خداوند قدوس تو بے چون و چگون ہے لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ اور وہ چیزیں جن کو ان لوگوں نے خدا کا شریک اور سہیم ٹھہرایا ہے وہ چونی اور چندی ہیں گرفتار ہیں وہ معبود کیسے ہوسکتی ہیں عبادت کی مستحق تو وہ ذات بابرکات ہے جس کے صفات اور کمالات کا اوپر ذکر ہوا۔

∴ ∴ ∴

بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۭ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ

نئی طرح بنانے والا آسمان و زمین کا اُس کو کہاں سے ہو

وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ۭ وَ خَلَقَ كُلَّ

بیٹا اور اس کو کوئی عورت نہیں اور اس نے بنائی ہر

شَيْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۱۰۱ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ

چیز اور وہ ہر چیز سے واقف ہے یہ اللہ ہے

رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ

رب تمہارا اس کے سوا کسی کو بندگی نہیں بنانے والا ہر چیز کا سو تم اس کی بندگی کرو

وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۝۱۰۲ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۡ

اور اسی پر ہر چیز کا حوالہ ہے اس کو نہیں پاسکتیں آنکھیں

وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ

اور وہ پاسکتا ہے آنکھوں کو اور وہ بھید جانتا ہے

الْخَبِيْرُ ۝۱۰۳

خبردار

ابطال عقیدۂ ابنیت

قال تعالیٰ بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنّٰی یَکُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ ... الیٰ .... وَهُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ ۝

(ربط) گذشتہ آیات میں جب توحید کی پانچ دلیلیں بیان کیں اور مشرکین کے عقائدِ مشرکیہ کی تردید کی تو اب آیندہ آیات میں خاص طور پر نصاریٰ کے عقیدۂ ابنیت کا ابطال فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ اولاد سے پاک اور منزہ ہے چنانچہ فرماتے ہیں وہ بغیر مادہ اور بغیر نمونہ کے آسمانوں اور زمین کا موجد ہے یعنی محض نیست سے ہست کرنے والا ہے یعنی یہ آسمان و زمین جو تمام عالم کو احاطہ کیے ہوئے ہیں سب اسی کا پیدا کیا ہوا اور بنایا ہوا ہے جس میں "اہرمن" بھی داخل ہے اور حضرت عزیرؑ اور عیسیٰؑ اور ان کی والدہ مریم صدیقہؑ اور آسمان و زمین کے تمام فرشتے بھی اس میں داخل ہیں اُس کے لیے اولاد کیسے ہو سکتی ہے حالانکہ اُس کے کوئی بیوی نہیں اور اولاد کے لیے بیوی کا ہونا ضروری ہے اور نصاریٰ اگرچہ حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا بناتے ہیں لیکن یہ جرأت اور جسارت وہ بھی نہیں کر سکے کہ معاذ اللہ حضرت مریمؑ کو خدا تعالیٰ کی بیوی قرار دے سکیں اور خدا تعالیٰ کے لیے بیٹے اور بیوی کا ہونا اس لیے محال ہے کہ بیٹا باپ کے اور بیوی شوہر کے ہم جنس ہوتی ہے اور خدا کا ہم جنس کوئی نہیں اور اللہ ہی نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے پس اگر کسی ایک مخلوق کا خدا کا بیٹا ہونا جائز اور ممکن ہو تو پھر ایک کی خصوصیت کیا ہر مخلوق کا بیٹا بننا ممکن ہوگا اور جس طرح وہ ہر شئے کا پیدا کرنے والا ہے اسی طرح وہ ہر شئے کا جاننے والا ہے کسی شئے کی حقیقت اور اُس کی صفت اور حالت اُس سے ذرہ برابر پوشیدہ نہیں جس طرح اُس کی تخلیق اور ایجاد تمام کائنات کو محیط ہے اسی طرح اُس کا علم بھی سب کو ہر طرح سے محیط ہے کیونکہ بغیر علم کے پیدا کرنا ناممکن ہے اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ. پس معبود وہی ہو سکتا ہے کہ جس کی قدرت اور جس کا علم تمام ممکنات کو محیط ہو یہ ہے اللہ تمہارا پروردگار یعنی جس کی صفات اوپر مذکور ہوئیں وہی اللہ ہے اور وہی قابل عبادت ہے اور جو ایسا نہیں وہ نہ اللہ ہے اور نہ قابل عبادت ہے پس مشرک جو بتوں کو پوجتے ہیں اور نصاریٰ جو خدا کے لیے بیٹا ٹھہراتے ہیں وہ دونوں غلطی پر ہیں جس کے بیٹا ہو وہ خدا ہی کیا ہوا ہم ہی جیسا آدمی ہوا اور بت جو کسی چیز کے خالق نہیں اور نہ اُن کو کسی چیز کی کوئی خبر اُن کے پوجنے سے کیا حاصل پس خوب سمجھ لو کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی ہر شئے کا پیدا کرنے والا ہے پس اسکی بندگی کرو اور وہی ہر چیز کا کارساز اور محافظ اور نگہبان ہے مطلب یہ ہے کہ خدا وہ ہے جو کہ بے نظیر اور بے مثال ہو کوئی اُس کا ہم جنس نہ ہو اور ہر چیز کا خالق اور محافظ اور نگہبان اور کارساز ہو اور اُسکی تخلیق اور تکوین اور اسکا علم تمام ممکنات کو محیط ہو اور جسمیں یہ صفت نہ ہو وہ لائق عبادت نہیں اور اس معبود برحق کی علو شان کا یہ حال ہے کہ نگاہیں اسکو نہیں پا سکتیں اور وہ سب نگاہوں

کو پاتا ہے یعنی سب نگاہیں اُس کے ادراک اور احاطہ سے عاجز اور درماندہ ہیں آنکھوں میں یہ طاقت اور قوت نہیں کہ وہ اسکو دیکھ سکیں اور وہ سب آنکھوں اور نگاہوں اور بینائیوں کا محیط ہے اور وہ نہایت لطیف اور باریک بین خبردار ہے وہ ان چیزوں کا بھی ادراک کرتا ہے جن کے ادراک سے تمام نگاہیں قاصر ہیں باریک بین سے مراد یہ ہے کہ وہ اشیاء کے اندرونی حالات سے بخوبی واقف ہے کوئی شئ خواہ کیسی ہی دقیق کیوں نہ ہو وہ اس سے مخفی نہیں اس بیان سے یہ ظاہر ہوگیا کہ لطیف کا تعلق لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ سے ہے خبیر کا تعلق هُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ سے ہے بلا تشبیہ اور بلا تمثیل کے ایسا سمجھو کہ جیسے روح ہے کہ نگاہیں اُس کے ادراک سے قاصر ہیں اور روح نگاہوں کا اور تمام چیزوں کا ادراک کر سکتی ہے اسی وجہ سے افعال انسانی کو روح کی طرف نسبت کیا جاتا ہے کسی اور شئ کی طرف نسبت نہیں کی جاتی اس سے کافروں کے اس شبہ کا بھی جواب ہوگیا کہ خدا ہم سے غائب کیوں ہے اور وہ ہمیں نظر کیوں نہیں آتا۔

جواب اس طرح ہوگیا کہ وہ معبود برحق لطیف وخبیر ہے کمال لطافت کی وجہ سے نظر نہیں آتا جیسے روح کمال لطافت کی وجہ سے نظر نہیں آتی اسی طرح وہ لطیف وخبیر بھی نظر نہیں آتا اور اس عالم اجسام میں ہوا بھی ایک جسم لطیف ہے اپنی لطافت کی وجہ سے نظر نہیں آتی۔

خلاصۂ کلام یہ کہ معبود برحق وہ ہے کہ جو علیم وقدیر اور لطیف وخبیر ہو اور یہ صفت سوائے اللہ کے کسی کے لیے ثابت نہیں پھر کیسے کوئی اس کا شریک اور سہیم ہو سکتا ہے۔

اس آیت یعنی لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ سے معتزلہ اور خوارج اور شیعہ اور مرجیہ وغیرہ بدعتی فرقوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ بہشت میں حق تعالیٰ شانہٗ کا دیدار نہ ہوگا معتزلہ نے اس آیت سے یہ سمجھا کہ دنیا اور آخرت دونوں میں اللہ کا دیدار ناممکن ہے۔

اہل سنت والجماعت کا اعتقاد اس بارہ میں یہ ہے کہ بہشت میں خدا تعالیٰ کا دیدار افضل ترین نعمت ہے اور اگر سچ پوچھا جائے تو اصل بہشت اُس کے دیدار کی لذت ہی کا نام ہے وہ بہشت ہی کیا ہوئی جس میں محبوب حقیقی کا دیدار نصیب نہ ہو علاوہ ازیں جنت میں رؤیت باری آیات قرآنیہ اور احادیث متواترہ اور اجماع امت سے ثابت ہے جن کا انکار در پردہ شریعت کا انکار ہے۔

آیاتِ قرآنیہ

(۱) وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝ (۲) لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ

(۳) فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاۗءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا

(۴) وَإِذَا رَأَيْتَ ثَمَّ رَأَيْتَ نَعِيمًا وَّمُلْكًا كَبِيرًا (ای الحق سبحانہ) (۵) كَلَّآ إِنَّهُمْ عَن رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوبُونَ۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں خدا تعالیٰ نے کفار کو عار دلائی ہے کہ وہ قیامت کے دن اپنے پروردگار سے محجوب ہوں گے یعنی اُن کے اور خدا کے درمیان حجاب یعنی پردہ ہوگا اس سے معلوم ہوا کہ اہل ایمان اس کو بے حجاب دیکھیں گے کیونکہ وہ بھی اگر کافروں کی طرح حجاب میں رہے تو اُن میں اور کافروں میں کیا فرق رہا اور محجوب ہونے میں کافروں کی کیا تخصیص ہوئی۔

ان آیات کے علاوہ اور بھی آیتیں ہیں جو رؤیت باری تعالیٰ کے امکان اور وقوع پر دلالت کرتی ہیں ان آیات کی تفسیر کے موقع پر اس مقصد کو وضاحت کے ساتھ بیان کریں گے۔

احادیثِ نبویہ

رہی سنت نبوی صلے اللہ علیہ وسلم سو احادیث متواترہ جو صحابہؓ کی ایک کثیر جماعت سے مروی ہیں اُن سے بطریق تواتر یہ ثابت ہے کہ اہل ایمان اللہ تعالیٰ کو دار آخرت میں بلا اشتباہ اور بلا مزاحمت کے اس طرح دیکھیں گے جیسے چودھویں رات کے چاند کو بلا مزاحمت دیکھتے ہیں۔

کتب احادیث میں رؤیت باری تعالیٰ کا ایک مستقل باب ہے اور حافظ ابن قیمؒ نے حادی الارواح میں اور جلال الدین سیوطیؒ نے البدور السافرہ میں دیدار خداوندی کی احادیث کو تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے حضرات اہل علم اس کی مراجعت کریں

اب رہی آیت زیر تفسیر سو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت اہل سنت کے مسلک کے منافی نہیں اس آیت میں حق تعالے نے رؤیت کی نفی نہیں کی بلکہ ادراک ابصار کی نفی ہے اور ادراک اور رؤیت میں بڑا فرق ہے ادراک کے معنی لغت میں کسی چیز کو اپنے احاطہ میں لے لینے کے ہیں خدا تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں فرماتے ہیں قَالَ أَصْحَابُ مُوسَىٰ إِنَّا لَمُدْرَكُونَ یعنی جب فرعون کے لشکر نے بنی اسرائیل کا تعاقب اور پیچھا کیا تو موسیٰ علیہ السلام کے اصحاب نے کہا کہ اے موسیٰؑ اب تو ہم پکڑ لئے گئے اور گھیر لیے گئے تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا کَلَّا وہ ہرگز نہیں پکڑ سکتے معلوم ہوا کہ ادراک کے معنی رؤیت کے نہیں بلکہ احاطہ تام کر لینے اور قبضہ میں لے لینے کے ہیں کیونکہ فرعونیوں نے بنی اسرائیل کو دیکھ تو لیا تھا مگر ادراک یعنی پکڑنے سے قاصر اور عاجز رہے معلوم ہوا کہ ادراک اور شئی ہے اور رؤیت اور شئی ہے ادراک کی نفی سے رؤیت کی نفی لازم نہیں آتی پس آیت لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ الخ کے معنی یہ ہوں گے کہ نگاہیں اس کا احاطہ نہیں کر

سکتی ابتہ وہ لطیف وخبیر تمام ابصار اور مبصرات کا احاطہ کیئے ہوتے ہے لہذا آخرت میں حق تعالے کی رؤیت ہو گی مگر احاطہ نہ ہو گا جیسا کہ قرآن کریم میں ہے وَلَا يُحِيطُونَ بِهٖ عِلْمًا بندے اللہ تعالیٰ کا باعتبار علم کے احاطہ نہیں کر سکتے مگر اللہ تعالیٰ کو جانتے اور پہچانتے سب ہیں احاطہ کی نفی سے مطلق علم کی نفی لازم نہیں آتی اور حدیث میں ہے لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک. کوئی بندہ اللہ کی ثناء اور توصیف کا احصاء اور احاطہ نہیں کر سکتا مگر اس سے مطلق ثناء کی نفی لازم نہیں آتی امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ ابن عباسؓ سے بھی یہی منقول ہے کہ لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ کے معنی یہ ہیں کہ نگاہیں اگرچہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ سکتی ہیں مگر اللہ کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور اللہ تعالیٰ تمام ابصار کو احاطہ کیئے ہوئے ہے اور زجاجؒ امام نحو یہ کہتے ہیں کہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ کوئی اللہ کی کُنہ اور حقیقت کو نہیں پہنچ سکتا سو آنکھیں اُس کو دیکھیں گی مگر احاطہ نہیں کر سکیں گی جس طرح دل اللہ کو جانتے اور پہچانتے ہیں مگر محیط نہیں اسی طرح آنکھیں اللہ کو دیکھ سکتی ہیں مگر احاطہ نہیں کر سکتیں خلاصۂ کلام یہ کہ آیت میں ادراک بمعنی احاطہ اور تحدید کی نفی ہے مطلق رؤیت کی نفی نہیں۔

مطلق رؤیت باری آیات قرآنیہ اور احادیث متواترہ سے ثابت ہے آنکھیں شمس وقمر کو دیکھتی ہیں مگر اس کی حقیقت اور کنہ کا ادراک نہیں کرتیں تو اسی طرح خداوند قدوس کے دیدار پُر انوار کو سمجھو کہ نگاہیں نور السموات والارض کو دیکھیں گی مگر اس کی کنہ اور حقیقت کے ادراک سے عاجز اور درماندہ ہوں گی (دیکھو تفسیر ابن کثیر ص۱۶۱ ج۲ وتفسیر قرطبی ص۵۴ ج۷ وتفسیر کبیر ص۱۳۰ ج۴)۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو دنیا کی آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں پس اس سے آخرت کے نہ دیکھنے پر استدلال کرنا صحیح نہیں کیونکہ دنیا کی آنکھیں ضعیف ہیں اور آخرت کی آنکھیں قوی ہیں اس میں کیا استبعاد ہے کہ جو بات دنیا میں ناممکن ہو وہ آخرت میں ممکن ہو جائے۔

اور شاہ عبدالقادرؒ یہ فرماتے ہیں کہ مطلب آیت کا یہ ہے کہ آنکھ میں یہ قوت نہیں کہ اس کو دیکھ سکے ہاں اگر وہ خود از راہ لطف وکرم اپنے کو دکھانا چاہے گا تو آنکھوں میں ویسی قوت پیدا کر دے گا کہ جس سے اہل ایمان حسب مراتب خدا تعالیٰ کو دیکھ سکیں گے انتہٰی

⁘ ⁘ ⁘

قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ

تم کو پہنچ چکیں سوجھ کی باتیں تمہارے رب سے پھر جو سوجھا سو اپنے واسطے

وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ۚ وَمَا أَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيظٍ ﴿١٠٤﴾

اور جو اندھا رہا سو اپنے برے کو اور میں نہیں تم پر نگہبان

وَكَذَٰلِكَ نُصَرِّفُ الْآيَاتِ وَلِيَقُولُوا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهُ

اور یوں پھیر پھیر سمجھاتے ہیں ہم آیتیں اور تا کہیں کہ تو پڑھا ہے اور تا واضح

لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿١٠٥﴾ اتَّبِعْ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ۖ

کر دیں ہم اُس کو واسطے سمجھ والوں کے تو چل اُس پر جو حکم آوے تجھ کو تیرے رب سے

لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٠٦﴾ وَلَوْ شَاءَ

کسی کی بندگی نہیں سوائے اسکے اور جانے دے شریک والوں کو اور اگر اللہ

اللَّهُ مَا أَشْرَكُوا ۗ وَمَا جَعَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا ۖ وَمَا

چاہتا تو شریک نہ کرتے اور تجھ کو ہم نے نہیں کیا ان کا نگہبان اور تجھ پر

أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيلٍ ﴿١٠٧﴾ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ

نہیں اُن کا حوالہ اور تم لوگ بُرا نہ کہو جن کو وہ پکارتے ہیں

مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ كَذَٰلِكَ

اللہ کے سوا کہ وہ برا کہہ بیٹھیں اللہ کو بے ادبی سے بن سمجھ اسی طرح

زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ مَرْجِعُهُمْ

ہم نے بھلے دکھلائے ہیں ہر فرقہ کو اُن کے کام پھر ان کو اپنے رب کے

فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٠٨﴾

پاس پہنچنا ہے تب وہ جتا دے گا جو کچھ کرتے تھے

اتمام حجت بر منکرین نبوت

قولہ تعالیٰ قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ .... الیٰ ... فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ

(ربط) حق جل شانہ نے جب اپنے وجود اور کمال قدرت۔ اور وحدانیت کی دلیلیں بیان کر دیں تو اب منکرین نبوت کے چند شبہات نقل کر کے اُن کا جواب دیتے ہیں اور ارشاد فرماتے ہیں کہ حجت پوری ہو چکی اور دلائل اور بصائر تمہارے سامنے آچکے ہیں جو اُن سے بصیرت حاصل کرے گا وہ فائدہ اٹھائے گا اور جو اندھے پن کی حالت میں پڑا رہے گا وہ اپنا ہی نقصان کرے گا مشرکین عرب۔ قرآن کریم میں ایک شبہ تو یہ پیش کرتے تھے کہ حضور پُر نور صلے اللہ علیہ وسلم اپنی ذات سے اُمّی ہیں آپ نے علماء اہل کتاب سے یہ مضامین پڑھ کر اور اُن سے انبیاء سابقین کے قصص کو سن کر یاد کر لیا ہے آپ اُن سے پڑھ کر اور سن کر یہ مضامین ہمارے سامنے بیان کر دیتے ہیں ورنہ آپ کو انبیاء سابقین کے حالات کا کیا علم اور وليقولوا درست میں اسی شبہ کا ذکر ہے (دیکھو تفسیر کبیر ص۱۳۴ ج ۴)

دوسرا شبہ ان کا یہ تھا کہ یہ نبی ہماری خواہشوں کے موافق معجزات کیوں نہیں دکھاتا اور قسم کھا کر کہتے تھے کہ بخدا اگر ہم کو ہمارے یہ فرمائشی معجزات دکھا دیتے جائیں مثلاً کوہ صفا کو ہمارے لیے سونا بنا دیا جائے وغیرہ وغیرہ تو ہم ضرور ایمان لے آئیں گے اور وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا میں اسی شبہ کا جواب دیا گیا ہے (دیکھو تفسیر کبیر ص۱۲۸ ج ۴) کہ اُن کی یہ قسمیں جھوٹی ہیں یہ جھوٹے لوگ معجزہ دیکھ کر بھی ایمان نہ لائیں گے اس سے پہلے جو معجزے اُن کی فرمائش کے مطابق اُن کو دکھائے گئے مثل شق القمر وغیرہ ان پر یہ کب ایمان لائے اسی طرح اب بھی ایمان نہ لائیں گے چنانچہ فرماتے ہیں (اے لوگو) تحقیق تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی جانب سے دل کو بینا کرنے والی چیزیں آچکی ہیں یعنی توحید اور رسالت اور قیامت کی ایسی روشن دلیلیں آچکیں ہیں جن کو دیکھ کر دل کی آنکھیں کھل جائیں اور ہدایت اور گمراہی کا فرق آنکھوں کے سامنے آجائے بصر اُس نور کو کہتے ہیں جس سے سر کی آنکھ روشن ہو جاتے اور بصیرت اُس نور کو کہتے ہیں جس سے دل کی آنکھ روشن ہو جاتے اور بصائر جمع بصیرت کی ہے جس کے معنی دل کی بینائی کے ہیں پس جس نے دل کی آنکھ سے حق اور ہدایت کو دیکھ لیا سو اُس نے اپنے نفع کے لیے دیکھا اور جو شخص اندھا بن گیا اور حق کی طرف سے اُس نے آنکھیں بند کر لیں سو اُس نے اپنا ہی نقصان کیا اور میں تم پر نگہبان نہیں کہ جبراً و قہراً تمہیں حق دکھلا ہی دوں

نظر اٹھا کر دیکھنا یہ تمہارے اختیار میں ہے میرا کام صرف تبلیغ اور دعوت ہے اور اسی طرح ہم اپنے دلائل اور براہین کو پھیر پھیر کر مختلف طریقوں سے بار بار بیان کرتے ہیں تاکہ مخالفین پر حجت پوری ہو جائے اور تاکہ یہ معاندین ضد اور عناد میں آکر یہ کہیں کہ اے محمد آپ نے ان آیات بینات اور ان مضامین کو علماء یہود سے پڑھ لیا ہے اور آپ اُن سے پڑھ کر یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ اللہ کی وحی اور ان کا یہ کہنا محض عناد کی بناء پر تھا جس کا بطلان بالکل ظاہر ہے اس لیے کہ اگر اُن کے نزدیک یہ قرآن اللہ کا کلام اور اس کی وحی نہیں بلکہ علماء یہود کا پڑھایا ہوا سبق ہے تو آپ لوگوں کو کس لیے پڑھنے سے منع کر دیا ہے آپ بھی انہیں علماء یہود کے پاس جا کر اس قسم کی آیتیں بنوا لیتے اور قرآن کے مقابلہ میں اُن کو پیش کر دیجئے خاص کر جب کہ علماء یہود آپ کے تو خاص دوست ہیں اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہیں آپ کو پڑھانے سے کب انکار کر سکتے ہیں اور ہم دلائل اور براہین کو پھیر پھیر کر اس لیئے بیان کرتے ہیں تاکہ ہم اس دین کو اہل عقل کے لیے واضح کر دیں یعنی تاکہ اہل دانش جن کا دل عناد سے خالی ہے وہ ان آیات کو دیکھ کر سمجھ جائیں کہ حق کس طرف ہے الغرض ان آیات کی تصریف میں دو فائدے ہیں ایک تو یہ کہ معاندین کا عناد خوب ظاہر ہو جائے اور ان پر اللہ کی حجت پوری ہو جائے اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ جو لوگ عقل و دانش رکھتے ہیں اور ناواقف ہیں اور معاند نہیں وہ سمجھ جائیں اور حق ان پر واضح ہو جائے اور اگر کچھ سمجھے ہوئے ہیں تو بار بار بیان کرنے سے اُن کو بصیرت حاصل ہو جائے کیونکہ ایک مضمون جب بار بار مختلف عنوانات سے بیان کیا جاتا ہے تو وہ خوب دل نشین ہو جاتا ہے پس اے نبی۔ آپ اُس چیز کی پیروی کیجئے کہ جو تیرے پروردگار کی طرف سے تیری جانب وحی کی گئی ہے اور لوگوں کے اس کہنے کی پرواہ نہ کیجئے کہ تو نے یہ قرآن یہود سے پڑھ لیا ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں الوہیت میں کوئی اس کا شریک نہیں اور اگر مشرکین اپنے شرک پر اصرار کریں تو آپ غمگین نہ ہوں بلکہ ان مشرکوں سے منہ پھیر لیجئے ان کی خرافات کی طرف التفات نہ کیجئے اور نہ ان کی ہدایت کی فکر میں پڑیئے کیونکہ اگر اللہ چاہتا تو یہ شرک نہ کرتے مگر خدا کو منظور نہیں اللہ تعالیٰ کی تکوینی حکمت اس کو مقتضی نہیں کہ لوگوں کو زبردستی مومن بنا دیا جائے اللہ تعالیٰ نے عقل دی اور قدرت اور اختیار دیا اور حق اور باطل کا فرق واضح کر دیا اب جس کا جی چاہے عرقِ گلاب پیئے اور جس کا جی چاہے پیشاب پیئے اور ہم نے آپ کو ان پر نگہبان نہیں مقرر کیا اور نہ آپ ان پر داروغہ مقرر کیئے گئے ہیں آپ کا کام صرف سمجھا دینا ہے اور نہ ماننا ان کا کام ہے آپ کا فرض تبلیغ ہے وہ آپ ادا کر چکے رہے اُن کے اعمال سو وہ خود اپنے اعمال کے ذمہ دار ہیں اور اب مسلمانوں کو یہ ہدایت کر دیجئے کہ تبلیغ اور دعوت اور موعظت کو ملحوظ رکھیں کہ اے مسلمانو تم ان معبودان باطلہ کو بُرا مت کہو جن کو یہ مشرکین اللہ کے سوا پکارتے

ہیں ایسا نہ ہو کہ کہیں وہ برا کہہ بیٹھیں اللہ کو بے ادبی سے بغیر سمجھے مطلب یہ ہے کہ تم مشرکین کے معبودوں کو برامت کہو مبادا کہ وہ لوگ ضد میں آکر اپنی جہالت سے خدا اور اس کے رسول کو برا کہنے لگیں اور تم اس کے سبب بنو۔

ف جاننا چاہیئے کہ سب وشتم اور دشنام دہی یعنی گالیاں دینا اور چیز ہے اور معبودان باطلہ کے معایب اور اُن کے نقائص اور اُن کے عجز اور درماندگی کو اس لیے بیان کرنا کہ یہ سب بے حقیقت اور حقیر چیزیں ہیں قابل الوہیت اور لائق عبادت نہیں یہ اور چیز ہے مناظرہ اور مباحثہ میں تحقیق حقیقت کے لیے کسی شئی کے اوصاف اور نقائص بیان کرنا اور چیز ہے اور گالیاں دینا اور چیز ہے قرآن کریم نے مشرکوں کے معبودوں کو برا کہنے سے منع کیا جس سے مسلمانوں کو حسنِ اخلاق کی تعلیم دینا ہے اور قرآن کریم میں جا بجا معبودان باطلہ کی جو تنقیص اور تحقیر مذکور ہے اُس سے مقصود اُن کی الوہیت اور معبودیت کا باطل کرنا ہے (بلاغ) حضرات اہل علم اس مقام پر روح المعانی ص۲۱۹ ج ۷ پر امام ابو منصور ماتریدیؒ کا کلام معرفت التیام ملاحظہ کریں فانہ نفیس جدًا۔

جس طرح ہم نے ان مشرکین کے دلوں میں شرک کا خیال جما دیا ہے اسی طرح ہم نے ہر قوم کے عمل خیر و شر کو اس کی نظر میں مزیّن اور مستحسن کر دیا ہے ہر قوم کو اپنا ہی طریقہ پسند ہے اور اس پر نازاں ہے حق تعالیٰ نے انسانی دماغ کی ساخت ایسی نہیں بنائی کہ جو حق کے قبول کرنے پر مجبور ہو جاتے یہ دنیا دارِ ابتلاء اور دارِ امتحان ہے اُس میں بُرے اعمال پر سزا نہیں ملے گی پھر ایک دن ان سب کا اپنے پروردگار کی طرف لوٹنا ہے سو وہ ان کو بتلا دے گا جو کچھ وہ کرتے تھے اور اُن کے نیک و بد اعمال کی اُن کو جزا سزا دیگا۔

⁘ ⁘ ⁘

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ

اور قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی تاکید سے کہ اگر اُن کو ایک نشانی

لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ۚ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا

پہنچے البتہ اس کو مانیں تو کہہ نشانیاں تو اللہ کے پاس ہیں اور تم مسلمان

يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ وَنُقَلِّبُ

کیا خبر رکھتے ہو کہ جب وہ آویں گی تو یہ مانیں گے اور ہم الٹ

أَفْئِدَتَهُمْ وَأَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوا بِهِ أَوَّلَ مَرَّةٍ

دیں گے ان کے دل اور آنکھیں جیسے منکر ہوئے ہیں اس سے پہلی بار

وَنَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿۱۱۰﴾

اور چھوڑ رکھیں گے اُن کو اپنی خوشی میں بہکتے

کفار کے دوسرے شبہ کا جواب

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ....الی.... وَنَذَرُهُمْ فِىْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ٥

اور ان معاندین نے اپنی سخت ترین قسمیں (یعنی نہایت پکّی قسمیں) اللہ کی کھائی ہیں کہ اگر اُن کے پاس اُن کی مطلوبہ نشانی یعنی فرمائشی معجزہ آجائے تو وہ ضرور اس پر ایمان لے آئیں گے یعنی اُس نشان کے ظاہر ہونے کے بعد آپکی نبوت کو مان لیں گے کافروں نے اللہ کی بڑی پکی قسم کھا کر کہا تھا کہ اے محمدؐ اگر تو کوہ صفا کو سونے کا کر دے تو ہم تجھ پر ضرور ایمان لے آئیں گے اس پر بعض مسلمانوں کو بھی خیال ہوا کہ اگر ایسا ہو جائے تو اچھا ہے کفار ایمان لے آئیں گے آپ اُن کے جواب میں کہہ دیجئے کہ جز ایں نیست نشانیاں اللہ ہی کے قبضۂ قدرت میں ہیں یعنی میرے اختیار میں نہیں خدا کے اختیار میں ہے وہ اپنی حکمت سے جس نشانی کو چاہتا ہے ظاہر کرتا ہے اور ان کی یہ قسمیں جھوٹی ہیں اور یہ لوگ ضدی اور عنادی ہیں اور اے مسلمانو! تم کو کیا معلوم ہمیں معلوم ہے کہ جب وہ ان کی فرمائشی نشانیاں آجائیں گی تو یہ نہیں ایمان لائیں گے یعنی ہم کو معلوم ہے کہ وہ نشانی دیکھنے کے بعد بھی ایمان نہ لائیں گے پس اُن کی درخواست کا پورا کرنا بے فائدہ ہے اور چونکہ یہ لوگ کفر اور سرکشی اور ضد اور عناد میں حد سے گذر چکے ہیں اس لیے اے مسلمانو تم کو کیا معلوم کہ ہم اُس وقت اُن کے دلوں کو قبول حق سے اور ان کی آنکھوں کو حق کے دیکھنے سے الٹ دیں گے اور اُن نشانیوں کو دیکھ کر بھی وہ ایمان نہیں لائیں گے جیسا کہ اس سے پہلی مرتبہ بھی وہ اس پر ایمان نہیں لاتے شق قمر کا معجزہ ان کی فرمائش کے مطابق دکھلایا گیا مگر اس پر ایمان نہیں لائے اور اس کو جادو کہہ کر رد کر دیا اسی طرح دوبارہ نشانی دیکھنے پر بھی ایمان نہیں لائیں گے ان کو بار بار نشانی دکھانے سے کیا فائدہ جب دل الٹ دیا جاتا ہے تو سیدھی بات بھی سمجھ میں نہیں آتی اور جب آنکھ اُلٹ جاتی ہے تو کچھ کا کچھ نظر آنے لگتا ہے اور ہم اُن کو اُن کی گمراہی اور سرکشی میں بھٹکتا ہوا چھوڑ دیں گے

کہ ان کا دل اور آنکھ حق اور ہدایت کی طرف متوجہ ہی نہ ہو اور کبھی ایمان کی توفیق ہی نہ ہو مطلب یہ ہے کہ ان سرکشوں کو دنیا میں بلا عقاب اور بلا عذاب کے چھوڑ دیں گے کہ وہ اپنی سرکشی میں سرگرداں اور حیران رہیں اور ایمان نہ لائیں شاہ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں یعنی جن کو اللہ ہدایت دیتا ہے اوّل ہی حق کو سن کر انصاف سے قبول کر لیتے ہیں اور جس نے پہلے ہی ضد کی اگر نشانی بھی دیکھے تو کچھ حیلے بنائے فرعون اُن نشانیوں پر بھی ایمان نہ لایا (موضح القرآن)

الحمد للہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب آمین یا رب العٰلمین

الحمد اللہ آج بروز دوشنبہ بوقت ایک بجے دن کے بتاریخ ۵ ربیع الثانی ۱۳۸۵ھ پارۂ ہفتم کی تفسیر سے فراغت ہوئی فللّٰہ الحمد اولا و آخرا۔

الحمدللہ جلد دوم مکمل ہوئی

ریسرچ اینڈ رجسٹریشن آفیسر

تصدیق نامہ

مکتبۃ المعارف دارالعلوم حسینیہ شہدادپور کی مطبوعہ تفسیر "معارف القرآن" مصنفہ حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ کی جلد دوم از پارہ ۴ تا انتہاء پارہ ۷ کے متن قرآن کریم کو بغور پڑھا تصدیق کی جاتی ہے کہ اس کے متنِ قرآن کریم میں کوئی کمی بیشی یا اعراب کی غلطی نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

عبدالمنان شہدادپور
۲۱ محرم ۱۴۲۱ھ